وحرام على قرية اهلكنها انهم لا يرجعون ۝

اور جس قوم کو ہم نے ایک دفعہ ہلاک کر دیا اُس کا پھر اُبھرنا محال ہے

كلا انه

تذکرہ

فمن شاء ذكره

(ہرگز نہیں یہ تو ایک عبرت ہے سو جو چاہے اس سے عبرت پکڑ لے)

یعنی

قرآن حکیم کے صحیح مقاصد اور اُسکے منجانب اللہ ہونے پر دس جلدوں میں ایک مکمل اور مربوط علمی تبصرہ

جس میں مسلمانانِ عالم کو اُنکی اجتماعی موت و حیات کے متعلق پیغام اخیر دیا گیا ہے

مجلد اول

مقدمہ کتاب، ماہیتِ ایمان و حکمتِ عبادات وغیرہ

مع فہرست مضامین و دیباچہ

للمفتقر الی اللہ الرحمٰن

محمد عنایت اللہ خان

المشرقی

باہتمام شیخ عبد العزیز ناشر و طابع

مطبع وز بازار امرتسر میں بر قی قوت سے طبع ہوئی

وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ

(اور جس قوم کو ہم نے ایک دفعہ ہلاک کر دیا اُس کا پھر اُبھرنا محال ہے - سورۃ انبیاء)

كَلَّآ اِنَّهٗ

تذکرہ

فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ

(ہرگز نہیں یہ تو ایک عبرت ہے سو جو چاہے اس سے عبرت پکڑ لے)

یعنی

قرآن حکیم کے صحیح مقاصد اور اسکے منجانب اللہ ہونے پر دس جلدوں میں ایک مکمل و مربوط علمی تبصرہ

جس میں

مسلمانانِ عالم کو اُن کی اجتماعی موت و حیات کے متعلق آخری پیغام دیا گیا ہے

مجلد اول

مقدمہ کتاب، ماہیتِ ایمان و حکمتِ عبادات، مع افتتاحیہ و دیباچہ

للمفتقر الی اللہ الرحمٰن

محمد عنایت اللہ خان المشرقی الہندی

سنہ ۱۳۴۳ مطابق ۱۹۲۴ء

مطبع وکیل امرتسر میں باہتمام شیخ محمد عبد العزیز ناظم مطبع ہو کر

ادارۃ الاشاعۃ للتذکرہ امرتسر پنجاب سے شائع ہوئی

فهرس

المقالات التى جاءت فى الافتتاحية العربية من كتاب تذكرة

المجلد الاول

المقالات	صفحة	المقالات	صفحة	المقالات	صفحة
فى حمد الله عزّ وجلّ	۱-۳	وليجمعوهم على الهدى-	۶	فى ما اختلق المسلمون المعاصرون من الكذب	
فى انّ الله عزّ وعلا جعل للانسان السمع		لكنّ الناس قد اختلفوا بينهم وجعلوا يتوغلون		انّ القرآن نهاهم عن هذه الدنيا-	۱۳
البصر الفرقان وفضّله على سائر الحيوانات		فى حبّ انبيائهم ليعبدوهم من دون الله ويحرّفوا كلماته	۶	فى انه ما جاء النبىّ صلعم الّا ليظهر دينه	
وجعله خليفة الارض-	۱	فلذالك ظهر الفساد فيهم لانهم اشركوا فتفرّقوا	۷	على الدّين كلّه-	۱۳
وعلى هذا كتب عليه طاعته والامتثال بامره	۱	فوجب على الانسان ان يتّبع القرآن الّذى حفظه		وانّه من خسر ههنا وحبطت اعماله فى	
فالطاعة هى التى تنصره على اعدائه وتستخلفه		الله عن التحريف اللفظىّ-	۷	هذه الدنيا فهم الذين يخسرون فى الآخرة	۱۳
فى الارض-	۲	لانّ الله يشاء ان يكون الناس امّة واحدة		فى انه ماكان للمسلمين المعاصرين	
فلا مجال لاحد ان يبغى على ربّه عصيانا و		ويسئل عمّا يتفرّق-	۸	من نظم ونسق واخوّة ووحدة الامّة	
طغيانا ومن فعل هذا فهم الذين يهلكون فى الدنيا	۲	فى الصلوة على السلف من المسلمين الّذين		والطاعة والمواخاة والموانسة	
فى انه عزّ وجلّ اعطى الانسان الكتب الّذى		اتّبعوا الانبياء عملاً ومعنًا-	۸-۹	وما لهم من امر او امير او امارة	۱۳
جاء به الانبياء على كونه صاحب السمع والبصر		الّذين ورثوا الارض بل تخلّقوا باخلاق الله	۸	فلا يقدرون الآن ممّا كسبوا على شىء و	
الفؤاد ليطّلع على قانونه تعالى-	۲	ولم يتّخذوا ما خلق الله فى السموات والارض باطلاً	۹	لهذا يحبط الله اعمالهم-	۱۴
فى انّ الكتب هو الّذى جمع فيه روح من امره تعالى	۲	وآمنوا بما خلق الله فيهما بالحقّ ولم يشركوا		وهم الّذين يتّخذون اربابا لهم من دون	
فى انه من اطاع ربّه فيجزيهم الله بجنّت الارض		فى حكمهم احدًا-	۹	الله ليشركوا به اشدّ شركًا-	۱۴-۱۶
فى الحيوة الدنيا وبالجنّة فى الآخرة-	۳	وهدوا الى الصراط المستقيم-	۹	فلهذا ايهلكهم الله فى الدنيا وينتقم	
الفرق بين جنّت والجنّة-	۳	فى ما يفعل المخلّفون من المسلمين		منهم-	۱۷-۱۸
فى الصلوة على نبيّنا صلعم-	۳-۴	فى زماننا هذا-	۹-۱۳	حقيقة الشرك وفى انّه ما الشرك	
فى انه صلعم كان من اعاظم الناس و		فى ماكان لهم من العلم والفضل والحكم و		الّا الاستغراق فى الحيوة الدنيا	
اكبرهم واكرمهم عند الله-	۳-۴	النبوّة فى القرون الماضية-	۱۰	وعبادة اللذّات والاهواء	۱۸-۲۱
فى الصلوة على الانبياء الكرام وفيما		وماكان للمسلمين المتقدّمين من الطاعة		وما الشرك من قول او كلمة-	۲۱-۲۲
جاءوا به من عند ربّهم ليهدوا اقوامهم	۴-۵	والامتثال بامر ربّهم-	۱۰	وما هو بعبادة الاصنام المجرّدة خاصّة	۲۲
فى انّ علمهم ونباءهم قد احاط بعلم حكمائنا		بل ماكان لهم من السعى والعمل وعبادة الربّ	۱۰	وما التوحيد بان تقولوه واحدًا	
الحاضرة-	۵	فى ما اخترع المسلمون المعاصرون من		بافواهكم-	۲۳-۲۴
فى انهم جاءوا من عند ربّهم بكتاب واحد		دين الاقوال والالفاظ صرفًا عن دين		حقيقة الكفر والفسق والشرك و	
لا برسالات شتّى-	۵	السعى والعمل-	۱۱	الظلم-	۲۴-۲۵
وجاءوا ليصلحوا بين الناس ليعدلوا بينهم		فى انّ القول من دون العمل ليس بشىء عند الله	۱۱	فى انه من اعرض عن الدنيا فهم الّذين	۱۱

المقالة	صفحة	المقالة	صفحة	المقالة	صفحة
يغلبون فيها۔	٢٦	في ما عنى الله بلفظ علماء في القرآن		ماهي برهبانية۔	٧٦-٧٩
حقيقة الاتقاء وفي انه من اتقى		وما يصنع المغربيون العالمون من		في ان كل واحد من العشرة المبشرة	
فهم الذين يورثهم الله الارض۔	٢٦-٢٧	اشياء الطبيعة۔	٤٢-٤٤	من لوازم الايمان وشرائطه۔	٧٩-٩٠
ومن لم يرث الارض فهم الذين		في توصيف العلم و فوائده۔	٤٥-٤٨	في انه تعالى لا يرحم ولا يغفر	
يهلكون فيها۔	٢٧	في انه عزوجل ينقل سلامه وكتابه		الا لمن استمسك بالعشرة المبشرة	٩٠-٩٦
في انه لا يستطيع احد ان يبدل		ووحيه من قوم الى قوم في اوقات شتى	٤٨-٥٠	حقيقة الجن ومايفعلون باجرامهم	٩٦-١٠٣
سنة الله۔	٢٧	في حقيقة الاسلام وما الذى		في ان كل واحد من العشرة المبشرة	
في ما اجر العملين في الدنيا والاخرة		فطر الله الناس عليه۔	٥٠-٥٦	يصدر من اتقاء الله	١٠٣-١٠٩
من دون القائلين۔	٢٨-٣٢	في انه قد بني الاسلام على عشرة		في حقيقة الكفر وماضل المفتيون	
في ان المغربيين هم الذين يحسنون		اصول۔	٥٦-٥٧	في فتاويهم۔	١٠٩-١١٤
في زماننا هذا۔	٣١	فما اركان الاسلام المتعارفة الا مسائل		في انه ما الكفر الا الاعراض	
مسئلة الجبر والقدر وفي انه		الامة المحمدية وما هي باصل		عن العشرة المبشرة من اصول	
عزوجل لا يجبرنا على شئ بل		الدين قط۔	٥٧-٥٨	الاسلام۔	١١٤-١٢٧
اطلقنا لنفعل ما نشاء۔	٣٢-٣٥	في ما استنبط المغربيون من اصول		في انه ما الكفر الا في العمل وما	
في انه ما بقى للمسلمين المعاصرين		الدين من صحيفة الفطرة۔	٥٩	هو باقوال اوكلمات۔	١٢٧-١٢٩
من محيص الا ان يغيروا ما بانفسهم		في ما فصل الله من صلوة الدواب		في الصراط المستقيم حقيقته	١٢٩-١٣٠
بالسعي والعمل۔	٣٥-٣٧	وتسبيح الطيور وسجودهم۔	٦٠-٦٣	في انه من استمسك بالعشرة	
في ما يفعل المغربيون في زماننا		وما عنى الله بالصلوة والصراط		المبشرة فهم الذين سلكوا صراطه	
هذا واتباعهم احكام القرآن		المستقيم۔	٦٣-٦٥	المستقيم۔	١٣٠-١٣٨
عملا ومعنا۔	٣٧-٣٨	في ان كل واحد من العشرة المبشرة		البلاغ الاخير للمسلمين المعاصرين	١٣٩-١٤١
في ما حرض الله الناس على مطالعة		يصل من التوحيد ويولج فيه۔	٦٦-٧٦	البلاغ الاخير لامراء المسلمين و	
صحيفة الفطرة في القرآن۔	٣٨-٤١	في انه ما العبادة الا اطاعة		ملوكهم	١٤١-١٤٤
وما استنبط المغربيون منها فافلحوا بها۔	٣٩-٤٠	احكامه تعالى والسعي والعمل		تمت	

ينبغي للقارئين ان يتدبروا هذه الافتتاحية اشد تدبر فانه قد لخصت فيها روحا من امره تعالى بقدر استطاعتي وجدي وسعيي وبينت فيها ما الدين العملي الذى جاء به الانبياء من ربهم ولم اكد ابين في الفهرس معشار المقالات التي جاءت في متان الكتاب الا الاقل القليل الذى يجوز للايضاح فينبغي للقارى ان يطالعها ويخوض في الفاظها الجلية والخفية اشد خوضا لاستقراء المطالب والاستقصاء في ما انزل الله علينا لفلاحنا في الدنيا والاخرة - وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فہرست مضامین دیباچہ

مضامین	صفحہ
مذہب دنیا کی سب مسلمات میں سے بڑا راز ہے؟	۱
اسکے راز ہونیکے باوجود لوگ کسی نہ کسی مذہب کے	
پابند ہیں۔	۱
آج تک قطعی فیصلہ نہ ہو سکا کہ کونسا مذہب سچا ہے؟	۲
اگر سب مذاہب سچے ہیں تو انمیں اختلاف کیوں ہوا؟	۲
جب انمیں اختلاف قائم ہو تو سچائی کا دعوی باطل ہے۔	۲
مذہب کی صداقت معلوم کرنے کی اہمیت۔	۳
دنیا کے بڑے سے بڑے مقاتلے اختلاف مذہب کے	
باعث واقع ہوئے ہیں۔	۳
نسل انسانی کا باہمی اختلاف منشائے ایزدی کے	
خلاف اور غیر فطری ہے۔	۳
سب انبیائے کرام صرف ایک پیغام کے حامل تھے۔	۳
مذہب کی ضد صرف جہالت کی ضد ہے علم اور	
نبوت کی ضد نہیں۔	۴
علم کا منتہا انسان کو متحد کرنا ہے متفرق کرنا نہیں	۵-۴
وہ کیا علم تھا جو انبیائے کرام لائے؟	۵
کائنات جہاں کی بنیاد عدل پہ ہے ظلم پہ قائم نہیں۔	۶
پیغام انبیا کا ماحصل انسان کو اجتماعی بقا کی	
راہ دکھلانا تھا۔	۶
فطرت کی ہر شے کا کوئی نہ کوئی دین مذہب ہے	
اسلیئے انسانی نسل کا بھی کوئی نہ کوئی مشترک مذہب	
عمل ہونا چاہیئے۔	۷-۶
دین کی تعریف۔	۷
انبیائے کرام کی بعثت، وحی کی ماہیت اور	
نبوت کیونکر ملی۔	۷
مختلف انبیا مختلف اوقات میں صرف دین	
فطرت ہی لائے	۸
اسی دین فطرت کی تجدید بار بار کرتے رہے	۸
انسان نے انکے پیغام کو مختلف سمجھکر مختلف مذا	
ہب بنا لیئے۔	۹
محمدی بننے اور مسلم بننے میں کیا فرق ہے۔	۹
غلو فی الدین تمام انسانی فرقہ بندی کا باعث ہے۔	۹
تمام مذاہب آج حیطۂ دلیل سے خارج ہو چکے ہیں	۱۰-۹
حکمائے مغرب کی مذہب سے بے نیازی۔	۱۰
انکی علم الابدان کیطرف توجہ اور علم الادیان سے تغافل	۱۱-۱۰
علم الادیان کی قطعی ضرورت اور انکی توجیہہ۔	۱۱
بقائے اصلح کے مسئلے کا انسانی فلاح کے لیئے	
ناکافی ہونا۔	۱۲
انسان کیلئے کلام وحی کی قطعی ضرورت۔	۱۳
مغرب کی مذہب سے بے توجہی کے بواعث۔	۱۵-۱۴
مذاہب کی موجودہ مضحکہ انگیز صورت۔	۱۵
مغرب کو مذاہب کے اصل پیغام کیطرف متوجہ	
ہونا چاہیئے تھا۔	۱۵
کیا انبیائے کرام معاذ اللہ جھوٹے تھے یا سب	
کو اپنے لائے ہوئے پیغام کے متعلق دھوکا ہوا تھا؟	۱۸-۱۷
حضرت عیسے علیہ السلام کی شخصیت کے متعلق ایک	
عجیب غریب انکشاف۔	۱۷-۱۶
انبیا کی اولوالعزمی اور کامیابی ہی انکی صداقت	
کا بیّن ثبوت ہے۔	۱۸
انبیا کے لائے ہوئے پیغام کی حقیقت کا خود ان	
امتوں میں جلد تر مسخ ہو جانا۔	۱۹
مغرب کی کلام وحی کیطرف سے بے رخی اور اسکی وجہ	۲۰
اکثر صحف آسمانی کا انسانی تصرف اور تراجم کے	
رد و بدل سے محفوظ نہ رہنا۔	۲۱
صرف قرآن ایک صحیفۂ آسمانی ہے جو لفظی تحریف سے	
قطعاً محفوظ رہا ہے۔	۲۱
مغرب کی قرآن حکیم سے بے رخی کے بواعث	۲۲
پادریوں کا قرآن سے عناد	۲۲
کارلائل کی قرآن کی حمایت	۲۳
حکمائے مغرب کا مسئلہ استقراء سے اعتنا اور	
مذہب سے بے نیازی۔	۲۳
کلام وحی کیطرف متوجہ ہونیکے دلائل اور نبوت	
کی صحیح غرض و غایت۔	۲۴
مغرب کی علم الابدان کے ذریعے سے معرفت نفس اور	
علم الدین کا پہلا سوال۔	۲۴
اجتماعی بقا و فنا کے راز کے متعلق مغربی حکما کی تحقیق	۲۵
مسئلہ بقائے اصلح اور اسکا ناکافی ہونا۔	۲۵
انبیائے کرام کے علم کا معراج۔	۲۶-۲۵
صلاحیت کی صحیح تعریف	۲۶
مغربی حکما کی صلاحیت کی غلط تعریف اور	
اسکے نقصان دہ نتائج۔	۲۷-۲۶
مغربی تہذیب میں روحانیت کا فقدان اور	
اسکے نتائج قبیحہ۔	۲۷
مشرقی اقوام کا روحانیت اور صلاحیت کے	
متعلق غلط تخیل	۲۸-۲۷
صلاحیت کا مشرقی اور مغربی تخیل دونوں افراط	
و تفریط کے مناظر ہیں۔	۲۹-۲۸
مغرب کو الفاظ خدا کے مطالعہ کیطرف ایک	
ایک دن ضرور متوجہ ہونا پڑے گا۔	۲۹
الفاظ وحی کی عظمت کا اندازہ ہی عہد حاضر کے علم	
سے ہی ہو سکتا ہے۔	۳۱-۳۰
قانون فطرت ہی صحیح معنوں میں اصل دین ہے۔	۳۱
فروعات اصل مذہب نہیں	۳۱
مناسک دین اور احکام میں فرق۔	۳۱
تمام مذاہب میں وحدت پیام اب بھی نظر آرہی ہے	۳۲
انبیائے کرام کیوں اپنے سے پہلے پیغمبروں کے	
سچا نبی ہونے کی تصدیق کرتے رہے۔	۳۲
الصلوۃ، الزکوۃ وغیرہ کی مطلق قرآنی	
اصطلاحات کا مفہوم۔	۳۳-۳۲
قانون فطرت اور امر رب کی تلاش کے لیئے	
قرآن حکیم سب سے کامل تر کتاب ہے۔	۳۳
قرآن حکیم کے مقاصد میں معنوی تحریف۔	۳۴-۳۳
قرآن حکیم کیونکر پہلی آسمانی کتابوں کا مصدق ہو سکتا ہے	۳۴
قرآن حکیم کا بہترین مطمح نظر۔	۳۵
قرآن حکیم کا قانون حکمی اور ناقابل بدل ہے	۳۶
قرآن حکیم اجمال کے باوجود بیّن اور مفصل ہے۔	۳۶
قرآن حکیم کے اپنے متعلق دعاوی۔	۳۷-۳۶
اسکا تدبر کا متحمل اور مجسمہ ہدایت ہونا۔	۳۶
یکسر علم ہونا، مربوط اور مکمل ہونا۔	۳۷
صحیح معنوں میں اپنی تفسیر آپ ہونا۔	۳۷
اسکے الفاظ کے مطالب میں استقلال کا ہونا	۳۷
اسکی ایک آیت کے صرف ایک ہی معانی کا ہونا۔	۳۷
اسکا قانونی کتاب ہونا اور اسلیئے یک معنی اور	
مربوط ہونا۔	۳۸
دنیا کے ہر رہنمائے جلیل کا کلام غیر مربوط ہوتا	
ہے اور اسکی توجیہ کیا ہے۔	۳۹-۳۸
حضرت عیسی علیہ السلام کے وعظ کی مثال۔	۳۹
دنیا کے بڑے بڑے معلموں کا کلام بھی غیر مربوط ہوتا ہے	۴۱-۴۰
قرآن حکیم صرف علم فطرت کے ذریعے مربوط ہو سکتا ہے	۴۱
صحیفۂ فطرت کا جہلا کی نظروں میں غیر مربوط ہونا	۴۳-۴۲
علم کا اسکو مربوط ثابت کر دکھانا۔	۴۴
قرآن حکیم کے ربط کیحالت صحیفۂ فطرت کے ربط	
سے مشابہ ہے۔	۴۶-۴۴
ہر قانون کا واحد المطلب ہونا ضروری ہے	۴۸-۴۷
قرآن حکیم میں محکمات اور متشابہات کا فرق	۴۹-۴۸
متشابہ آیات کی مثال اور تشابہ کا الہی منشا ہونا	۵۱-۵۰
متشابہ آیات سے باہمی فتنہ اور اختلاف پیدا کرنا	
الہی مقصود کے منافی ہے۔	۵۱
متلاشیان فطرت میں علمی اختلاف ہی ہمیشہ	
علمی ترقی کا باعث ہوا ہے	۵۲-۵۱
اسلامی علما کا قرآن کی تشریح میں اختلاف پیدا	
کرنا ضد اور فساد سے تھا۔	۵۲
ہر قانون کی سب دفعات کا ایک مقصد کی	
طرف راجع ہونا ضروری ہے۔	۵۴-۵۳
قانون کو تسلیم کرنے میں ذہن کا دخل۔	۵۴
شارحین قرآن کی مروجہ تفاسیر میں درماندگیاں	۵۶-۵۴
اعتقادی تفاسیر کی ظلمت آرائی کی ایک مثال۔	۵۷-۵۶
اس کتاب میں کلمات خدا کی تشریح کیلئے صرف علم	
کو معاون بنایا گیا ہے۔	۵۸
کتاب خدا کی شہادت اور اسکے علم کو نفسانی اغراض	
کے لیئے چھپانا گناہ عظیم ہے۔	۵۹
قرآن حکیم کی آیات آیات بینات ہیں	حاشیہ ۵۹
اس کتاب کو پیش کرنیسے مقصد فرقہ بندی نہیں	۶۰
فرقہ بند ہونا شرک اور ظلم عظیم ہے۔	۶۱
سب فرقہ بند لوگ اور انکے رہنما جہنم کی لکڑیاں ہیں	۶۱
اسلام دراصل کیا ہے۔	۶۲-۶۱
اتحاد نہ صرف بین المسلمین اسلام بلکہ تمام اسلام ہے	۶۲
انبیائے کرام کو مختلف پیام کا حامل یا فرقہ بند	۶۳-۶۲
سمجھکر خدا اور انکے درمیان تفرقہ پیدا کرنا اصلی کفر ہے	
اس صریح کفر کی مسلمانوں کو کیا سزا ملی۔	۶۴
سب تفریق کفر ہے۔	۶۴
قرآن علم ہے اور اسی لیئے اسکا منتہا اتحاد انسانی ہے	۶۴
توحید، ایمان، اتقا، عبادت، صراط مستقیم	
شرک، کفر، فسق سب اعمال ہیں اقوال نہیں ہیں	۶۵
انبیائے کرام کے مبعوث ہونیکا واحد مقصد اپنی	
اپنی امتوں کو امن دینا تھا۔	۶۶
جنات زمین پر دوام حاصل کرانا تھا۔	۶۶
بنی اسرائیل سے میثاق بھی ابدی سلطنت کا تھا	۶۷
داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا نصب العین	
حکومت زمین تھا۔	۶۷
مؤخر الذکر کا ملکۂ سبا سے جارحانہ جہاد	۶۸
وراثت زمین ہر نبی کا مستقل نصب العین تھا	۷۰-۶۹
انبیا پر ایمان لانیکے صحیح معنی	۷۰
کفر کا الہی مفہوم	۷۱
ایمان کا فتح کے مترادف اور کفر کا شکست کے	
ہم معنی ہونا۔	۷۱
نبی آخر الزمان صلعم کے مبعوث ہونیکی واحد غرض	۷۲-۷۱
صراط مستقیم کا ایک قرآنی مفہوم۔	حاشیہ ۷۲
اعلان نبوت سے قرن اول میں عین اسلام بلکہ تمام	
ایمان تھا۔	۷۳
اسلام کا مطمح نظر قرن اول میں غلبہ اور اتحاد	
عالم دونوں تھا۔	۷۵-۷۳
اس اسلام کو پیغام خدا کی تعمیل سے ہٹ کر محض	
رسول خدا کے پیچھے لگ کر فرقہ بندی بنانا نظر آتا	۷۵

مضامین	صفحہ
اسلام قرن اوّل میں صرف ایک جمہوریت	
اور اخوت تھا۔	۷۶
جو قومیں اس قرن اوّل کے اسلام کے کسی	
حصے پر چل رہی ہیں وہ آج بھی امن پا رہی ہیں	۷۷-۷۸
اسلام کا صراطِ مستقیم	۷۸
نسل انسانی کی انتہائی سفلی مخلوق کی انتہا	
سے مماثلت اور صراطِ مستقیم کا صحیح مفہوم۔	۷۸
انسان خود کیا ہے اور خدا اس سے کیا چاہتا ہے	۷۹
ملائک کی انسان سے عداوت کا مفہوم	۸۰
ملائک کے سجود کا مفہوم۔	۸۰
شیطان کی انسان سے برگشتگی۔	۸۰
معرفت نفس کی پہلی منزل اور عرب قوم پر اسکا اثر	۸۰
شرعی علما کا اسلام کی حقیقت کو مسخ کر دینا۔	۸۱
فتح قسطنطنیہ کے وقت یونانیوں اور	
رومیوں کا باہمی نفاق۔	۸۱
اسلام جبتک اسلام رہا اسکے متعلق سب	
الٰہی وعدے پورے ہوتے رہے۔	۸۲
قرن اوّل کے بعد جو کچھ اسلام میں داخل ہوا	
بدعت اور کفر محض ہے۔	۸۲-۸۳
الفاظ اور عقائد، اقوال اور کلمات کچھ شئے	
نہیں۔	۸۳
عقیدہ فی نفسہ کچھ شئے نہیں جبتک اُس	
عقیدے پر عمل نہیں۔	۸۴
حاکم شہر کی ملازمت اختیار کرنیکی مثال	
اور اُسکا اسلوب۔	۸۴-۸۵
جو شخص عامل ہو اُسکو کوئی عقیدہ لفظاً ادا	
کرنے کی ضرورت نہیں	۸۵
صرف عقائد کو درست کرنیسے اسلام کبھی	
بہتر نہیں ہو سکتی۔	۸۵
مصنف کا عندیہ اس کتاب کو پہیلی یا چیستان	
بنانے کا نہیں۔	۸۶
عربی افتتاحیہ میں اسلام کی ماہیت کی	
پوری تشریح کر دی گئی ہے۔	۸۶
اُن دس عظیم الشان اصول کا ذکر جنپر اسلام	
کی بنیاد ہے۔	۸۶
اسلام عمل اور صرف عمل ہے۔	۸۷
دیباچے میں اسلام کی ماہیت کو مجمل طور سے	
کھول دینا پیش نظر ہے۔	۸۷
قرآن کی توحید کیا ہے؟	۸۸
جو شخص چوبیس گھنٹے پیہم قلوب کی بت	
شکنی کر رہا ہے وہ چوبیس گھنٹوں تک موحد ہے	۸۸
مشرک، منکر اور کافر خدا کا صحیح مفہوم	۸۸
عبادتِ خدا کیا ہے؟	۸۹

مضامین	صفحہ
الصلوٰۃ صرف خدا کے حضور میں سلام ہے	
مگر عبادتِ خدا قطعاً نہیں۔	۸۹
عبادت صرف تعمیل احکام خدا ہے اور تربیت سے	۸۹
بے نیاز ہے۔	
ہر وقت مصلّوں پر بیٹھے رہنا صرف کوئی	
عمل نہیں بلکہ مخل عبادت ہے	۸۹
شُہَدَاءَ عَلَی النَّاسِ کے معانی	۹۰
رہبانیت اسلام میں ممنوع ہے۔	۹۰
اِبْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰہِ کے معانی اور رہبانیت کا مفہوم	حاشیہ ۹۰-۹۱
تعمیل احکام کے بدون نماز پڑھنا بے معنی ہے۔	۹۱
نماز کس حالت میں خدا کے نزدیک پسند ہے	۹۰-۹۱
عبادتِ خدا، نماز کے بعد سے شروع ہوتی ہے	۹۱
عبادت کے اعمال اور اسلام کے دس عظیم الشان اصول	۹۱-۹۲
توحید کا صحیح مفہوم اور اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ کے معنی	۹۲
تمام دن اعتکاف کرتے رہنا کوئی عمل نہیں اور نہ	
اسکی خدا کے نزدیک کوئی اجرت ہے۔	۹۲
نماز کا اصل مقصود خدا کا کھٹکا پیدا کرنا ہے۔	۹۳
نماز اُسوقت صحیح معنوں میں الصلوٰۃ ہے جب اُس سے	
وحدتِ امت اور اطاعت امیر پیدا ہو	۹۳
اِنَّهَا عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ کا الٰہی مفہوم	۹۳
الصلوٰۃ کا نتیجہ وسعت قلب اور مسامحت،	
مصالحت بین الناس اور اتحاد ہے۔	۹۴
زکوٰۃ صرف ایک منظم اور مرتب، قوت اندوز	
اور غلبہ کرنیوالا جہاد مالی ہے۔	۹۴-۹۶
حج کا اسلامی شعار صرف وحدتِ امت کا ایک مظہر ہے	۹۶-۹۷
صوم صرف جہاد نفس ہے۔	۹۸
صوم، صلوٰۃ، حج، زکوٰۃ اور کلمہ شہادت اگر	
ارکانِ اسلام ہیں تو صرف انہی معنوں میں ہیں	۹۸
اصل دین صرف توحید ہے۔	۹۸
عبادت اُسی کی ہو رہی ہے جسکے لیے عمل ہو رہا ہے	۹۸
اولاد و ازواج، پیر و ملی یا انگریز کی عبادت کا مفہوم	۹۸-۹۹
کسیکا عابد بننے کیلئے اُسکے سامنے رسمی سجدہ کرنا کچھ ضروری نہیں	۹۹
پتھر کے آگے ماتھا ٹیکنا ایک فعل عبث ہے مگر اُسکے آگے	
سجدہ کرنیوالا عابد خدا ہو سکتا ہے۔	۹۹
ظاہری قول خدا کے نزدیک کچھ شئے نہیں۔	۱۰۰
عبادتِ خدا کا واحد منتہائے نظر وراثت زمین اور	
تمکن فی الارض ہے۔	۱۰۱-۱۰۲
عبادت کا قرآنی مفہوم	۱۰۲
وراثت زمین تسبیح و تہلیل اور نماز روزہ سے حاصل نہیں ہو سکتی	۱۰۳
شیطان کی حقیقت اور اسکی متعدد شخصیت۔	۱۰۳
شیطان کا زمین پر موجود ہونا انسان کیلیے ایک ابتلائے عظیم ہے	۱۰۳
شیطان کے انسانی اغوا کی صحیح کیفیت	۱۰۴
خدا کے شیطانی طاقت کو پیدا کرکے انسان کو	

مضامین	صفحہ
ابتلائے عظیم میں ڈالنے کی غرض و غایت	۱۰۵
ولایت کا مقام تمنائے موت کے بدون حاصل نہیں ہو سکتا	۱۰۵
خدا کی امتحان طلبی اور اسکا مآل کار	۱۰۵
فہم اور ادراک کی امانت کی انسانی فطرت میں ودیعت	
اور انسان کیلیے ایک ابتلائے عظیم کی تمہید	۱۰۵-۱۰۶
عباد شیطان کے متعلق خدا کا انسانی فطرت سے عہد	۱۰۷
توحید انسانی فطرت میں مخمر ہے	۱۰۷
توحید کا فطرت انسانی ہونا خدا کی مشیت ہے	۱۰۸
توحید پر تمام نسل انسانی مجبول بلکہ مجبور ہے	۱۰۸-۱۰۹
جہاں قوت اور زور ہے وہاں توحید ہے۔	۱۰۹
وہیں محمد پر سچا ایمان ہے۔	۱۰۹
جہاں غضب خدا ہے وہیں شرک ہے۔	۱۰۹
خدا کو امت محمدیہ کے ہلاک کرنے میں کچھ عار نہیں	۱۱۰
توحید کا عمل فی الحقیقت اَنْ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ	
اِلَّا مَا سَعٰی کے اصل اصول کے مترادف ہے۔	۱۱۱
کفر کیا شئے ہے؟	۱۱۱
جو قوم نیک اعمال کر رہی ہے وہ خدا کے نزدیک کافر ہے	۱۱۱
کفر اس دنیا میں نامراد ہونیکے مترادف ہے۔	۱۱۲
کافر قوم کی زندگی چارپایوں کی زندگی ہے۔	۱۱۲
مومن کو ہر نوع اور ہر حال فتح نصیب ہے۔	۱۱۳
زرتشت علیہ الرحمۃ کا یزدان کے بالمقابل اہرمن کی	
قوت کو تسلیم کرنے کا صحیح مفہوم۔	۱۱۳
اسکی تعلیم بھی توحید کی تعلیم ہی تھی۔	۱۱۳
توحید کے اصل اصول یہی ہیں جن پر آسمانی کارگاہ	
عظیم قائم ہے	۱۱۳-۱۱۴
اسلام کا ایک امت سے دوسری امت میں چلا جانا کچھ مستبعد نہیں	۱۱۴-۱۱۵
جو قوم جبتک آباد رہے اسکو اس دنیا میں امن اور آخرت	
میں بھی امن ہے۔	۱۱۵
ابراہیم علیہ السلام کی توحید کا صحیح کیف	۱۱۵
شرک کا پہلا عمل تفرقہ ہے۔	۱۱۶
شرک ظلم عظیم کیونکر ہے۔	۱۱۶
دلوں کا سچا اتحاد صرف توحید سے پیدا ہو سکتا ہے	۱۱۷
قولی توحید خدا کے نزدیک کچھ شئے نہیں۔	حاشیہ ۱۱۸
پتھر وغیرہ کی پرستش یا اعتقادی بت پرستی کوئی	
بت پرستی نہیں، تیج کی خدا پرستی بھی کوئی خدا پرستی نہیں	۱۱۸
محکمۂ قضا و قدر صرف اقوام کے اعمال کو دیکھتا	
ہے اقوال کو ہرگز نہیں دیکھتا۔	۱۱۸
خدا کی شان ظلم و استبداد سے قطعاً بری ہے۔	۱۱۹
اصلی بت پرستی لذات و اہوا کی پرستش ہے۔	۱۱۹
پتھر کے بتوں کو توڑنا لذات و اہوا کے بتوں کے	
توڑنے سے بدرجہا آسان تر ہے۔	۱۱۹
حیوٰۃ دنیا کی تشریح	۱۲۰
حیوٰۃ دنیا میں مستغرق رہنا ہی سچا شرک ہے	۱۲۰-۱۲۱

مضامین	صفحہ
حیوٰۃ دنیا سے نفرت دراصل وراثت زمین کی	
نعمت کو برقرار رکھنے کیلیے ہے۔	۱۲۱
عروس دنیا کا ہرجائی ہونا۔	۱۲۱
حیوٰۃ دنیا اور فلسفۂ رہبانیت	۱۲۱-۱۲۲
فرقۂ صوفیا کا خدا کی محبت کے بارے میں غلط اور	
شرمناک تخیل	۱۲۲
قرون اولیٰ کی توحید کا صحیح کیف و حال۔	۱۲۳-۱۲۴
پتھر کے بتوں والی توحید کوئی توحید نہیں۔	۱۲۴
لَا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا کا صحیح مفہوم۔	۱۲۴
توحید کا پہلا عمل اتحاد امت ہے۔	۱۲۵
موحد قوم میں نظم و نسق کا پیدا ہو جانا اٹل ہے	۱۲۵
موحد قوم میں اطاعت امیر کا ہونا کچھ مشکل نہیں۔	۱۲۵
اسمیں جہاد بالسیف اٹل ہے۔	۱۲۵
جہاد بالمال کا ہونا توحید کیطرف ایک قدم ہے۔	۱۲۵
شرک کا قرون اولیٰ میں مفہوم جان کا پیارا سمجھنا تھا۔	حاشیہ ۱۲۵
موحد قوم میں ہجرت وطن کا عمل موجود ہونا اٹل ہے	۱۲۶
استقامت فی السعی ایمان بالآخرۃ اور علم کا موجود	
ہونا ناگزیر ہے۔	۱۲۶
اسلام کا عشرہ مبشرہ۔	۱۲۶
یہی عشرہ مبشرہ دین فطرت اور فطرت انسانی ہے	۱۲۷
وہ دین ہے جسکے کسی نہ کسی حصے پر سفلی مخلوق بھی	
چل رہی ہے	۱۲۷
اسی دین حنیف سے انحراف اقوام عالم کی ہلاکت	
کا باعث ہے۔	۱۲۸
ظالم، متقی، مومن، کافر، فاسق، عابد، صالح	
اقوام کی قرآنی تعریف۔	۱۲۸
اسی عشرہ مبشرہ پر قرآن حکیم میں اِنْ کُنْتُمْ	
مُّؤْمِنِيْنَ کے الفاظ کا اطلاق ہے۔	۱۲۸
انہی اصول کی تعمیل پر اتقائے خدا کا انحصار ہے	۱۲۸
انہی کی تعمیل صراط مستقیم پر چلنے کی قرآنی تعریف ہے	۱۲۸
انہی سے ہٹنا شرک ہے۔	۱۲۸
مذہب اسلام کی حقیقت پر آخری محاکمہ۔	۱۲۹
مغربی اقوام کا اس عشرہ مبشرہ پر معنوی عمل اور	
مسلمانان عالم کا اس سے یکسر اعراض۔	۱۲۹
خلافت اسلامیہ کا منصب صرف ایک عضو معطل ہے	۱۲۹
دیباچہ لکھنے اور اسلام کی ماہیت کو پیش از وقت	
ظاہر کرنے کے بواعث۔	۱۲۹-۱۳۰
مصنف کا اسلام کی ماہیت کے متعلق کسی بحث و	
تمحیص میں پڑنے سے انکار اور ہر معترض کو خوشی	
میں جواب دینے کا اعلان۔	۱۳۲
کتاب کے حقائق عالیہ کیطرف مسلمانان عالم کا بالآخر	
اگر لا طائل رجوع اور امت اسلام کی ہلاکت کا اعلان	۱۳۲

فہرست مضامین تذکرہ

مجلد اول

جو مضامین کتاب کے متن میں وارد ہوئے ہیں اُن کو جلی قلم سے لکھا گیا ہے جو حواشی میں آئے ہیں اُن کا قلم مہین ہے ۔

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
۱-افتتاحیہ بزبانِ عربی		لفظ استخلاف کی تشریح	۹-۱۰	علم طبقات الارض کی تشریح	۲۷-۳۷
ازصفحہ ۱ تا ۱۴۴		ڈارون کا نظریۂ ارتقا	۱۱-۲۷	طبقات الارض کی تعمیر کے بواعث	۲۸
فہرست مضامین علیحدہ ہے		مسئلۂ ارتقا کی تشریح	۱۱-۲۷	رکازات زمین کے وجود کی توجیہ	۲۸-۲۹
۲-دیباچہ		مسئلۂ ارتقا اور معرفت خدا	۱۱	صحیفۂ فطرت کی کتاب سے مشابہت	۲۹
ازصفحہ ۱ تا ۱۳۲		شق اول و دوم (مسئلۂ تکوین و ترتیب کائنات)	۱۱	طبقات الارض کی تعمیر کے پانچ زمانے	۳۰
فہرست مضامین علیحدہ ہے		شق سوم (مسئلۂ تنازع للبقا)	۱۲	القدیمۃ الاولیٰ کے رکازات	۳۰
۳-مقدمہ		شق چہارم (مسئلۂ انتخاب طبیعی)	۱۳	القدیمۃ الاخریٰ کے رکازات	۳۰-۳۱
ازصفحہ ۱ تا ۱۰۰		شق پنجم (مسئلۂ تدریج تکوین)	۱۴	کوئلے کی کانوں کا ذکر قرآن حکیم میں	۳۰
مسلمانانِ عالم کا عالمگیر انحطاط	۱	ستۃ ایام کے یوم کی تشریح	۱۴-۱۶	الحیاۃ الوسطیٰ کے رکازات	۳۱-۳۴
انحطاط کے وجوہ	۲	نفسِ واحدۃ کی تشریح	۱۵-۱۶	صلاحیت بقا کی تشریح	۳۳-۳۴
عدم نظام عمل	۳	ارتقائے انسان کے متعلق قرآنی شہادت	۱۶	الجدیدۃ القصویٰ کے رکازات	۳۴
اسلام حقیقی مذہب فطرت ہے	۴	شق ششم (مسئلۂ اجتماع و استمرار)	۱۷	الجدیدۃ الادنیٰ کے رکازات	۳۵-۳۶
مسلمان ناقابلِ فنا امت ہیں	۴	شق ہفتم (مسئلۂ بقائے اصلح)	۱۸	مسئلۂ وحدت اصل و نسل کی قرآنی شہادت	۳۶-۳۷
فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا کا مفہوم	۴	شق ہشتم (مسئلۂ وحدت کائنات و وحدت حیات)	۱۹	ستۃ ایام کی تشریح	۳۷
اسلام ایک تعمیری فلسفہ ہے	۵	تشریح معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۲۰-۲۱	تمدن انسانی اور صلاحیت بقا	۲۸-۳۴
اسلام کی مسخ شدہ صورت	۶	حرکت زمین کے متعلق قرآنی شہادت	۲۱	مغربی عمران اور صلاحیت بقا	۳۵
قرآن حکیم کی حکمت ساطعہ نقاد کی نظر میں	۶	حرکت اجرام فلکی کے متعلق قرآنی شہادت	۲۲	ایمان اور اعمال صالحہ کی ماہیت	۳۵
ایمان کی ماہیت	۶	حرکت شمس کا انکشاف اور قرآنی شہادت	۲۳	آیۂ استخلاف کا صحیح مفہوم	۳۶-۳۷
ایمان اور عمل صالح کا نتیجہ	۷	مسئلۂ تعطل خدا کا ابطال از روئے قرآن	۲۳-۲۵	آیۂ استخلاف کا قرآنی پیش نہاد	۳۸-۳۹
آیۂ استخلاف کا میثاق ایزدی اور مسلم		مسئلۂ ارتقا کی صحت پر اس کتاب کے مباحث کا انحصار ہے	۲۵	وراثت زمین کا قرآنی پیش نہاد	۳۹
ارتقا و بقائے اصلح	۸-۱۰	مسئلۂ ارتقا کی علمی تصدیق	۲۶	اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے مفہوم کی پہلی شق (صبر)	۳۹
مسئلۂ ارتقا کے مخترع اور مبلغ	۸	مسئلۂ انتخاب طبیعی پر حملہ	۲۷	صالح کی قرآنی تعریف کی ایک جھلک	۴۰

مضامین	صفحہ
آیۂ استخلاف کا سیاسی مفہوم	۴۱
آیۂ استخلاف کا شان نزول	۴۲
آیۂ استخلاف ایک مشروط میثاق ہے	۴۳
قرآن حکیم کی تعلیم کا عرب اُمت پر اثر	۴۴
ایمان اور اعمال صالحہ کا ابتدائی مفہوم	۴۵
مسلمانان عالم کے زوال کی وجوہات	۴۵-۴۶
قرآنی مطالب کی توضیح کے متعلق اہل عرب کی ذمہ داری	۴۶
قرآن حکیم کی مروجہ سطحی تعظیم اور تعلیم	۴۷
قرآن حکیم کے مطالعے میں فنون ادبیہ کا التزام	۴۷
فنون ادبیہ کے اختراع کی تاریخ	۴۷
یونانی فلسفے کا قرآن سے تصادم	۴۸-۶۱
یونانی فلسفے کے مضر اثرات	۴۸-۵۲
اتقا کے معانی کی پہلی شق (وحدت اُمت)	۴۹
آیۂ لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ کی تشریح	۵۰-۵۲
قرآن کی تنظیم کا صحیح معیار	۵۲
قرآن کی حکمت کاملہ کے متعلق دعاوی	۵۳-۵۵
قرآن کے کامل ہونے کے متعلق دعاوی	۵۶
قرآن کا دعوئے کتاب مبین ہونا ہے	۵۷
قرآن کے آسان ہونے کا دعوئے	۵۷
مجسمۂ بصائر ہونے کا دعوئے	۵۷
پیکر علم ہونے کا دعوئے	۵۸
تدبر کے متحمل ہونے کا دعوئے	۵۸
علم کی ابتدائی تعریف	۵۸
قرآن میں اجتہاد کرنے کے اصل اصول	۵۹
علم اسرار الدین۔	۵۹
مسلمانوں کی ناقدر شناسی قرآن اور ان کا موجودہ فلسفہ	۶۰
اَلْکِتٰبُ الْمُبِیْن کی تشریح	۶۰-۶۲
عرب تخیل کا قرآن سے تصادم	۶۱-۱۰۰
مطالب قرآن پر عرب توہمات کا اثر	۶۱-۶۴
عرب شاعری کا اثر	۶۳-۶۴
معلقات، مجمہرات و منتقیات السبع کی تشریح	۶۳

مضامین	صفحہ
قرآن شعر نہیں	۶۴
قرآن کی واحد فضیلت علم ہے فصاحت نہیں	۶۴-۶۶
قرآن کو عربی زبان میں نازل کرنے کی قرآنی وجوہات	۶۶
عرب نفاق آرائی کا قرآنی مطالب پر اثر	۶۶-۶۷
قرآن اپنی صداقت کے باعث خود بخود بلیغ ہے	۶۷
عربی النسل اقوام کی ہلاکت کے بواعث	۶۸
قرن اول کا قرآن پر عمل	۶۹
قرون اولیٰ کی اسلامی فتوحات کا اندازہ ایک مورخ کے	
قلم سے۔	۶۹
قرآن پر تدبر کرنے کی ابتدائی تاریخ	۷۰
آیات قرآنی کی ترتیب کی تاریخ	۷۰
کن معانی میں قرآن کا مثیل پیدا کرنا محال ہے	۷۱
قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کی غرض و غایت	۷۲
جمع احادیث کے متعلق عرب کی خوش اعتقادی	۷۳
عرب فرقہ بندی کی وجوہات	۷۴
عرب توہمات اور فرقہ بندی	۷۴-۷۷
عرب کیوں وراثت زمین سے محروم کر دیئے گئے	۷۷-۷۹
اتقا کا الٰہی مفہوم (اتحاد)	۷۹
عرب نفاق کا اسلامی جماعت پر اثر	۸۰-۸۱
ظلم اور فسق کی قرآنی مصطلحات	۸۱
پیغمبران جہاں کی تبشیر و تنذیر کی نوعیت	۸۱
دین اسلام پر عرب تخیل اور یونانی فلسفے کے	
مضر اثرات۔	۸۲-۸۶
دین اسلام میں ظنیات کا حلول	۸۲-۸۵
علم کی قرآنی تعریف	۸۳-۸۴
بیکن کا مسئلہ استقرا اور تعریف علم	۸۳
علم آخرت کے متعلق قرآنی ارشاد	۸۴
سبع اسابع کی تشریح	۸۵
اہل عرب کی ہلاکت کے بواعث	۸۶
دین اسلام کی غلط اشاعت میں اہل عرب کی ذمہ داری	۸۶
وارثین زمین کی قرآنی تعریف	۸۷

مضامین	صفحہ
علم اور ظن کا قرآنی تقابل	۸۷
صاحب علم قوم کا دنیوی اور اخروی اجر	۸۷
رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ کی تشریح	۸۷
علم کا حاصل کرنا صلاح عمل ہے	۸۷
حیوٰۃ دنیا کی تعریف از روئے قرآن	۸۷
کلام الٰہی کے متعلق مفسرین کی غلط بینیاں	۸۸-۹۶
قرآن شعر و فصاحت کا منکر ہے	۸۸
تورات کا مُسْتَبِیْن ہونا	۸۹
قرآن ہدایت اور صرف ہدایت کا مدعی ہے	۸۹
تورات، انجیل اور قرآن کے بارے میں الٰہی ارشادات	۸۹-۹۰
عَرَبِیٌّ مُّبِیْن کی تشریح۔	۹۱
قرآن لغت اور حدیث سے بے نیاز ہے	۹۱
قرآن کے لغت سے بے نیاز ہونے کا مفہوم	۹۱-۹۲
قرآن کن معنوں میں محفوظ ہے	۹۲
حسبنا کتاب اللہ کی تشریح	۹۲
قرآن کے مفصل ہونے کے متعلق الٰہی ارشاد	۹۳
علم کا تتبع کرنا سبیل خدا پر چلنے کے مترادف ہے	۹۳
قرآن کی کفایت کے متعلق الٰہی ارشاد	۹۴
قرآن کی فضیلت علم ہے۔	۹۴
قرآن کا معجزات کی فرمائش کو مسترد کرنا اور علم کا مدعی ہونا	۹۴-۹۵
سبیل خدا کا مفہوم تحصیل علم ہے	۹۵
عوام کی نظروں میں قرآن کی تعلیم و تعظیم کا معیار	۹۰-۹۸
ایک استخارہ قرآنیہ کی حقیقت کا پول	۹۷-۹۸
تکذیب آیات کا ابتدائی مفہوم	۹۸
دین اسلام کی مسخ حقیقت کا تیسرا باعث	۹۹
کتاب کے آیندہ مضامین کی تقسیم	۹۹-۱۰۰
فِطْرَتَ النَّاسَ عَلَیْہَا کی تشریح	۱۰۰

۴۔ تکشف ایمان و منتہائے اسلام

از صفحہ ۱۰۱ تا ۱۱۵

مضامین	صفحہ
قرون اولیٰ کے ایمان کا کیف	۱۰۱-۱۱۶

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
خدا کی عینی شہادت کا حصول	۱۰۱	کی تشریح	۱۱۸	اتقا کے الٰہی مفہوم کی اہم شق استقلال و استحکام ہے	۱۴۲
صحیفۂ فطرت کا مشاہدہ اور معرفت خدا	۱۰۲	شرک کی ابتدائی شرح	۱۱۹	ایمان کا اٹل نتیجہ زمین میں تمکن ہے	۱۴۳
مشاہدۂ فطرت ایمان ہے	۱۰۳	لفظ "جن" کی ابتدائی تشریح	۱۱۹	"القول الثابت" کا صحیح مفہوم	۱۴۳-۱۴۴
لرزش قلب کا موجود ہونا ایمان ہے	۱۰۳	"مغفرۃ" کا صحیح مفہوم	۱۱۹	"بقیت اللہ" کا قرآنی مفہوم	۱۴۴
ملازمت خدا کی عملی شہادت قرون اولیٰ ہیں	۱۰۴	شرک کن معنوں میں ناقابل عفو گناہ ہے	۱۱۹	**کیفیت اتقا**	۱۴۵-۱۶۳
تعلقات دنیوی کا انقطاع ایمان ہے	۱۰۴	"الجنۃ" کے حصول کے متعلق قرآنی ارشاد	۱۲۰	اتقا کا الٰہی مفہوم اتحاد امت اور اعتصام	
عبودیت خدا کی شہادت قرون اولیٰ ہیں	۱۰۵	"تلک الایام نداولہا بین الناس" کا صحیح مفہوم	۱۲۰-۱۲۲	بحبل اللہ ہے۔	۱۴۵
"شہداء علی الناس" کی تشریح	۱۰۵	غزوۂ احد کا ذکر	۱۲۱	اعتصام بحبل اللہ کے معانی	۱۴۶
"عبادۃ" کا الٰہی مفہوم	۱۰۵-۱۱۳	"مومن"، "شہداء"، "ظالم" اور "کافر" کی تشریح	۱۲۱	"الف بین قلوبکم" کا صحیح مفہوم	۱۴۶
قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی استعداد قبول	۱۰۶-۱۱۶	قربانی جان و مال کے الٰہی ارشاد کی لم	۱۲۲-۱۴۵	"المعروف" اور "المنکر" کی قرآنی مصطلحات	
"سجود" کا قرآنی مفہوم	۱۰۷	"انا للہ وانا الیہ راجعون" کا صحیح مفہوم	۱۲۳-۱۳۴	کی تشریح۔	۱۴۶-۱۵۱
"رکوع" کا قرآنی مفہوم	۱۰۷-۱۰۸	"مصیبۃ" کا قرآنی مفہوم	۱۲۳-۱۲۶	قرآنی مصطلحات کی شرح میں لغت کا بلا اتقا	
"عبادۃ" کا قرآنی مفہوم اور قرآن کی لغت سے		"مصیبۃ" اعمال بد کی سزا ہے	۱۲۴-۱۲۶	گمراہ کن ہونا۔	۱۵۱
بے نیازی کی مثال	۱۰۸	تشریح "سیئۃ" اور "حسنۃ"	۱۲۶-۱۳۲	اتقا کا نتیجہ ازروئے قرآن دنیاوی ہتیا	
بنی اسرائیل کی فرعونی "عبادۃ" کی تشریح	۱۰۹	"کسبوا السیئات" اور "مکروا السیئات"		اور تمکن ہے۔	۱۵۲-۱۵۳
مختلف مذاہب میں عبادت کے مسخ شدہ طریقے	۱۱۰-۱۱۱	اور "عملوا السیئات" کا مفہوم	۱۲۸	"یجعل لکم فرقانا" کی تشریح	۱۵۲
اسلامی نماز کی اصلیت رفتہ رفتہ مسخ ہو رہی ہے	۱۱۱	"حسن عمل" کا الٰہی مفہوم	۱۳۰	"فضل" کے قرآنی معانی	۱۵۲
اسلام میں تسبیح کا غلط استعمال	۱۱۲	"الحسنۃ" کا بلند معیار ازروئے قرآن	۱۳۱	کفر اور اتقا کا مقابلہ ازروئے قرآن	۱۵۳
"ایاک نعبد" کی تشریح	۱۱۲	"نکفر عنہم سیئاتہم" کا صحیح مفہوم	۱۳۱	تقوے کا غلط مروج مفہوم	۱۵۴-۱۵۵
"ما جعل علیکم فی الدین من حرج" کی تشریح	۱۱۳	"صلوٰۃ" کے مفہوم کی تشریح	۱۳۲	اتقا کے تشریح شدہ مطالب کی فہرست	۱۵۴
سچے مومنوں کی قرآنی تعریف	۱۱۴	نبی کریم پر درود بھیجنے کا صحیح مفہوم	۱۳۲	متقی قوم کی دنیا اور آخرت دونوں ازروئے	
قولی ایمان ازروئے قرآن محض کچھ شے نہیں	۱۱۴	منافقین عرب پر درود بھیجنے کا الٰہی مفہوم	۱۳۳	قرآن درست ہیں۔	۱۵۵-۱۵۹
ایمان کے لاینفک لازمات کے متعلق		"اللہم صل علی محمد" کے مطالب	۱۳۴	"وابتغوا الیہ الوسیلۃ" کی تشریح اور اس کا	
الٰہی ارشاد	۱۱۵	نماز کے "التحیات" کے مطالب	۱۳۴	غلط مروج مفہوم	۱۵۶-۱۵۷
"جنت" اور "الجنۃ" میں فرق اور "جنت" کا الٰہی مفہوم	۱۱۵-۱۱۶	"الخیرات" کی قرآنی اصطلاح کا صحیح مفہوم	۱۳۴-۱۳۷	پیر پرستی کے خلاف قرآنی شہادت	۱۵۶-۱۵۷
قرون اولیٰ کے ایمان کا صحیح نصب العین	۱۱۶-۱۲۲	"قرضا حسنا" کا الٰہی مفہوم	۱۳۷-۱۳۸	متقی قوم کی دنیاوی حالت کیونکر درست ہے	۱۵۸
ایمان کا شدت حب سے ترادف	۱۱۷	"شکر" کے صحیح معانی	۱۳۸	"اولیاء اللہ" کی تشریح اور کون اشخاص اس	
ایمان اور ترک ماسوا	۱۱۷	کیا زکوٰۃ صرف ایک مذہبی رسم تھی؟	۱۳۹-۱۴۰	خطاب کے مصداق ہیں۔	۱۵۸
صادق اور صدقہ کی تشریح۔	۱۱۷	ایمان کی اہم قرآنی شرائط	۱۴۰	متقی قوم کے لیے روئے زمین کی بادشاہت	
عبادت اطاعت احکام الٰہی ہی ہے۔	۱۱۸	ایمان کی تخصیص کسی مذہب سے نہیں	۱۴۰	وقف ہے۔	۱۵۹
"وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون"		قربانی مال و جان کی الٰہی غرض	۱۴۱-۱۴۲	تقویٰ اور توحید کا عملی مفہوم قرون اولیٰ ہیں	۱۶۰-۱۶۳

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
مُخلِصًا لَّهُ الدِّینَ کی تشریح	۱۶۱	ظُلم کی قرآنی اصطلاح بمعنی عصیانِ امیر	۱۷۲	ایمان کے لازمات کی فہرست۔	۱۸۲-۱۸۳
دِین کے معانی	۱۶۱	اتقائے خدا اور اطاعت امیر	۱۷۲	ایمان کی ساٹھ شاخیں۔	۱۸۳
لَکُمْ دِینُکُمْ وَلِیَ دِینِ اور مٰلِکِ یَوْمِ		صحیح توحید کا نتیجہ استحکام جماعت ہے۔	۱۷۳	اَلْھُدیٰ اور دِینِ الْحَقّ کی تشریح۔	۱۸۳
الدِّین کا صحیح مفہوم۔	۱۶۱	قربانی مال جان اور اطاعت امیر کی		شاہ محمد تغلق کے سکوں پر کتبے۔	۱۸۳
اتقا کا نتیجہ پیش بندی اور حفظ نفس ہے	۱۶۲	غرض و غایت تقویت قوم تھی۔	۱۷۳	اسلام کا منتہائے جہاد از روئے قرآن	
مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ کا صحیح مفہوم۔	۱۶۲	تقویت قوم کلام وحی کا منتہائے نظر تھا۔	۱۷۴-۱۷۵	دنیا میں غالب بنکر رہنا ہے۔	۱۸۴-۱۸۵
اتقائے خدا کا نتیجہ دشمن کو مرعوب اور		انسان کیلئے وحی کی ضرورت۔	۱۷۴	سیاسی تمکن کے منتہائے جہاد ہونے کی قرآنی شہادتیں	۱۸۴
مغلوب کرنا ہے۔	۱۶۳	کتاب وحی کا مآل حفظ نفس کے اصول		ریا کی حقیقت۔	۱۸۴
کافر قوم کی خصوصیات۔	۱۶۳	پیش کرنا تھا۔	۱۷۵-۱۷۶	**غلبۂ اسلام و اتحادِ عالم**	۱۸۵-۱۹۵
صاحب ایمان قوم کا دشمن پر غالب رہنا		قرآن کے نازل ہونے کا مآل امت کو حفظ		اسلام کے سیاسی تمکن اور غلبے میں نبی	
اٹل ہے۔	۱۶۳-۱۶۶	نفس کے اصول سکھلانا ہے۔	۱۷۶	نوع انسان کا اتحاد مضمر تھا۔	۱۸۵-۱۸۶
کفر اور ایمان کے انتہائی درجے	۱۶۴	ظلمت جہل سے نور علم کیطرف نکالنا ہے	۱۷۶	دین اسلام کی دعوت اتحاد کی پہلی مشترک	
دنیاوی تمکن کا ایمان والوں کے شامل حال ہونا اٹل ہے	۱۶۵	اَلظُّلُمٰتِ اور اَلنُّوْر کی تشریح۔	۱۷۶	اساس توحید ہے۔	۱۸۶-۱۸۷
مظفر و منصور ہونا صرف پیغمبروں سے مخصوص نہیں	۱۶۵	اتقا اور تسلیم خدا کا مآل امت کو دنیا میں		تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ کی	
صاحب ایمان قوم پر ملائکہ کا نزول	۱۶۵	بے خوف و خطر کر دینا ہے۔	۱۷۷	تشریح۔	۱۸۶
ایمان اور اتقا آپس میں توام ہیں	۱۶۶	اِسلام اور اِحسان کی قرآنی مصطلحات		اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ کی توضیح۔	۱۸۶
ایمان کی طاقت قرون اولیٰ میں اور		کی توضیح۔	۱۷۷	عِبَادَۃ کا صحیح مفہوم، توحید کا عملی مفہوم اور مشترک	۱۸۶
ایمان والوں کا دنیاوی تمکن اور عروج۔	۱۶۶-۱۶۸	اسلام کے سب اوامر و نواہی کا منتہا		دوسری مشترک اساس سب انبیاء کو بلا	
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے مفہوم کی پہلی شق	۱۶۸	سیاسی اور اجتماعی غلبہ تھا	۱۷۸-۱۸۲	تفریق منجانب اللہ ماننا ہے۔	۱۸۷-۱۸۸
سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ کے صحیح		حفظ نفس از روئے قرآن نعمت خدا ہے۔	۱۷۸	ایمان صرف عمل کا نام ہے زبان کو اس سے کچھ تعلق نہیں	۱۸۷
مطالب۔	۱۶۸	اتحاد، اطاعت اور اتقا لازمۂ ایمان ہیں	۱۷۹	تیسری مشترک اساس آپس میں فرقہ بندی	
[illegible]	۱۶۹-۱۷۱	اَعْلَوْنَ بننا رضائے خدا کی علامت ہے	۱۷۹	نہ بننا ہے۔	۱۸۸-۱۹۳
اطاعت رسول کی حقیقت قرون اولیٰ میں		تاسیس بیت المال کی حکمت۔	۱۸۰	کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً کا صحیح مفہوم	۱۸۸-۱۸۹
اور تحویل قبلہ کا حکم	۱۶۹	ایثار مال کا مصداق ایمان، محرک عشق اور مطہر		بنی نوع انسان کی وحدت نسل۔	۱۸۹
اطاعت رسول از روئے قرآن ایمان کی		قلب ہونا۔	۱۸۰-۱۸۱	مقتضائے طبیعت اتحاد ہے۔	۱۸۹
ایک اہم شق ہے۔	۱۷۰	ایثار مال کے انسان کی اجتماعی بہتری		غیر انسانی انواع کے افراد کا آپس میں اتحاد و اتفاق مقتضائے طبیعت ہے	۱۸۹
اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ کا صحیح مفہوم قرون		کے لیے ہونے کی قرآنی شہادت۔	۱۸۱	انبیائے کرام از روئے قرآن ایک پیغام کے حامل تھے	۱۹۰
اولیٰ میں اور اس کا اطلاق زمانہ حال میں۔	۱۷۰-۱۷۱	رسول خدا کے مبعوث ہونے کی واحد		خدائے عزوجل کا مقصود بنی نوع انسان کو متحد کرنا ہے	۱۹۰
رسول خدا کی وفات کے بعد اطاعت رسول کا مفہوم	۱۷۱	غرض و غایت۔	۱۸۲	کَانَ النَّاسُ اِلَّا اُمَّۃً وَّاحِدَۃً کا صحیح مفہوم	۱۹۱
امت اسلام کیلئے ایک امیر کی ضرورت۔	۱۷۱	جنّت کی قرآنی اصطلاح کا اخروی جنت اور		اَلْاِسْلَام کی قرآنی اصطلاح کی حقیقت	۱۹۱
اطاعت خدا اور اطاعت رسول کا ترادف قرون اولیٰ میں	۱۷۱	اور دنیاوی بادشاہت دونوں پر اطلاق۔	۱۸۲	وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَجَعَلَکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً کا صحیح مفہوم	۱۹۲

مضامین	صفحہ
مشیئت خدا اور منشائے خدا میں فرق	۱۹۳
تفرقے کا باعث خود انسان ہو خدا نہیں	۱۹۳
وَلَوْشَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً کی تشریح	۱۹۴
وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ کی تشریح۔	۱۹۵-۱۹۶
تمکن اسلام و نقش توحید	۱۹۶-۲۰۲
توحید کا عملی منظر اور دعوت اتحاد	۱۹۶-۱۹۷
توحید کی قوت اور نافعیت	۱۹۷-۱۹۸
اَلْاِسْلَام کی حقیقت	۱۹۷
توحید کی نافعیت کی تشریح	۱۹۸
توحید کا پیدا کیا ہوا اخلاق	۱۹۸-۲۰۲
اتقائے خدا کا پیدا کیا ہوا ایفائے عہد	۱۹۸
ایفائے عہد کی اسلام میں اہمیت	۱۹۸-۱۹۹
قرآن حکیم کے احکام کی گرانقدر حکمت اور آیہ لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ کی تشریح	۱۹۹-۲۰۰
توحید کا پیدا کیا ہوا عجز و انکسار قرون اولیٰ میں۔	۲۰۰-۲۰۱
اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا کی ایک مستحسن تشریح	۲۰۰-۲۰۱
علو اخلاق اور شہادت خدا قرون اولیٰ میں۔	۲۰۲
اتقائے خدا کے عملی منظر کی ایک تیرہویں صدی ہجری کی مثال	۲۰۲
۵۔ حکمت عبادات	۲۰۳-۲۷۰
نقش توحید علو اخلاق اور اتقائے خدا کا تبلیغی اثر صدر اسلام میں۔	۲۰۳
دین اسلام کی دعائی اور دعوتی حیثیتیں	۲۰۳-۲۰۴
دین اسلام کے عالمگیر جماعت پیدا کرنے کا دعوے	۲۰۴
قوت اور تمکن پیدا کرنے کے وسائل	۲۰۴

مضامین	صفحہ
اسلام کا ہر امر و نہی قوت پیدا کرنے اور بنی نوع انسان کو اپنے میں جذب کر لینے کا جہاد ہے۔	۲۰۵
حکمت الصلوٰۃ	۲۰۵-۲۷۰
الصلوٰۃ کی ماہیت	۲۰۵
الصلوٰۃ سے مقصود خارجی نظم و نسق پیدا کرنا ہی ہے۔	۲۰۶
الصلوٰۃ اور اطاعت امیر	۲۰۶
الصلوٰۃ اور مساوات	۲۰۶
الصلوٰۃ اور انہا عن الفحشاء والمنکر	۲۰۶
الصلوٰۃ اور اطاعت امام کی غرض و غایت	۲۰۶
مساجد خدا کے اندر موجودہ بدنظمی	۲۰۶
الفحشاء کا الٰہی مفہوم	۲۰۶-۲۰۹
نماز میں خدا کے حضور میں نمازی کی واحد گذارش	۲۰۷-۲۱۰
الفحشاء کے مفہوم کی پانچ شقیں	۲۰۹
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا صحیح مفہوم	۲۱۰-۲۲۴
الھدٰی اور دین الحق کے الفاظ کی الصراط المستقیم سے مناسبت	۲۱۰
نعمت کا الٰہی مفہوم از روئے قرآن اور اس کی صحیح تشریح۔	۲۱۰-۲۲۴
المغضوب علیہم اور الضالین کا غلط مروج مفہوم	۲۱۰
الصراط اور انعمت علیہم کا مروج مفہوم بال سے باریک اور تلوار سے تیز راہ کا فلسفیانہ مفہوم	۲۱۰-۲۱۱
صراط مستقیم پر چلنے کا مفہوم قسط و عدل پر رہنا ہے	۲۱۱
نعمت کا مفہوم از روئے قرآن سراسر دنیاوی ہے۔	۲۱۲

مضامین	صفحہ
نعمت کا لفظ دنیاوی نعمتوں کے معنوں میں	۲۱۲-۲۱۳
نعمت کا لفظ انسانی ناقدر شناسی کے بیان کے ضمن میں	۲۱۳-۲۱۴
نعمت کا لفظ تذکیر آلاء اللہ کے ضمن میں۔	۲۱۴-۲۱۵
نعمت کا لفظ بنی اسرائیل سے خطاب کے ضمن میں۔	۲۱۵-۲۱۶
نعمت کا لفظ قرون اولیٰ کے مسلمانوں سے خطاب کے ضمن میں	۲۱۶-۲۱۸
نعمت کا لفظ توفیق عمل کے معنوں میں	۲۱۹-۲۲۰
انبیائے کرام کے بارے میں اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ کے الفاظ کا صحیح مفہوم	۲۲۱-۲۲۲
نعمت کے الٰہی مفہوم کی فہرست	۲۲۲
المغضوب علیہم کی تشریح	۲۲۲
الضالین کی شرح اور ضلال کا صحیح مفہوم	۲۲۳
صراط مستقیم	۲۲۴-۲۴۶
صراط مستقیم کی دعا میں حصول نعمت کے لئے اضطراب	۲۲۴-۲۲۹
صراط مستقیم کے الفاظ میں اختصار راہ کا مفہوم	۲۲۴
صراط مستقیم اور خط مستقیم میں مماثلت	۲۲۴-۲۲۵
يَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا کا صحیح مفہوم	۲۲۵
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دعا اجتماعی دعا ہے انفرادی نہیں۔	۲۲۵
نماز کے اندر متکلم کی واحد اور جمع کی ضمیریں	۲۲۵
صراط مستقیم کا الٰہی مفہوم از روئے قرآن۔	۲۲۶-۲۴۶
صراط مستقیم کے مفہوم کی پہلی شق اتحاد ہے	۲۲۶

مضامین	صفحہ
صراط مستقیم کے مفہوم کی گذشتہ شقوں کی فہرست	۲۲۶
قرآنی رکوع سے ہر موقع پر پہلے مضمون کا انقطاع مراد نہیں ہوتا	۲۲۶
سعی و عمل میں استقلال اور نتائج کے بارے میں توکل صراط مستقیم ہے۔	۲۲۷
ایمان کے لوازم پر عمل صراط مستقیم ہے۔	۲۲۷
اُمت کی تقویت کیلئے ایثار مال صراط مستقیم ہے	۲۲۷
"اَلْكِتٰب" کا الٰہی مفہوم۔	۲۲۷
کتاب خدا کی نور سے تشبیہ۔	۲۲۷
کتاب خدا کے مقاصد بارے میں اختلاف نہ پیدا کرنا اور عبادت شیطان نہ کرنا صراط مستقیم ہے۔	۲۲۸
مناسک اور ظواہر مذہب کو پیش نظر رکھکر باہمی نزاع پیدا کرنا صراط مستقیم کے نقیض ہے	۲۲۸
آیہ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا الخ کے صحیح مفہوم کی تشریح	۲۲۸-۲۳۴
تمام اُمت کا صورتاً اور عملاً ایک مرکز پر جمع ہونا صراط مستقیم ہے۔	۲۲۹
آیہ سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ الخ کے صحیح معانی کی تبیین	۲۲۹
مَنْسَكٌ کے معانی۔	۲۲۸-۲۲۹
مَنَاسِكُ اور عِبَادَةٌ میں فرق۔	۲۲۹
ابراہیم کی توحید پر عامل ہونا صراط مستقیم ہے	۲۳۰-۲۳۲
ذِکر خدا کا صحیح مفہوم۔	۲۳۰-۲۳۲
الصلوٰۃ کا صحیح منتہائے نظر ذکر خدا ہے۔	۲۳۰
الصلوٰۃ کے بقید وقت ادا کرنے کی حکمت۔	۲۳۰
مُسْلِم بننے کا صحیح مفہوم۔	۲۳۰
نُسُك کے الٰہی مفہوم کی تشریح	۲۳۱
فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ کا الٰہی مفہوم	۲۳۲
فاطر زمین و آسمان کو مشرق اور مغرب کی کچھ تخصیص نہیں	۲۳۳
اقوام عالم کے بالمقابل برگزیدہ اور برتر ہو کر رہنا صراط مستقیم ہے۔	۲۳۴
زمین خدا پر عدل و انصاف سے حکومت کرنا صراط مستقیم ہے	۲۳۴
سُبُلَ السَّلٰم پر چلتے رہنا صراط مستقیم ہے۔	۲۳۴
الظُّلُمٰت اور النُّور کے الٰہی مفہوم کی ابتدائی تشریح	۲۳۴
دَارُ السَّلٰم کیطرف پہنچنے کی سعی کرنا صراط مستقیم ہے	۲۳۵

مضامین	صفحہ
صراط مستقیم حفظ نفس اور اتقا اتحاد اور توحید اتقا اور اطاعت امیر کے مترادف ہے۔	۲۳۵
دَارُ السَّلٰم کے صحیح معانی	۲۳۵
تمسک قانون خدا صراط مستقیم ہے۔	۲۳۶
خوف عذاب الٰہی اور بیم سزا جزا صراط مستقیم ہے	۲۳۶
صراط مستقیم پر چلنے کا واحد نتیجہ دنیوی تعزز اور نعمت خدا کا حصول ہے۔	۲۳۶-۲۳۷
سعی و عمل کیلئے شرح صدر کر دینا صراط مستقیم ہے	۲۳۸
صراط مستقیم کے الٰہی مفہوم سے مسلمانان عالم کی محض بے خبری۔	۲۳۸-۲۳۹
مکارم اخلاق پر قائم ہو جانا صراط مستقیم ہے	۲۴۰
صراط مستقیم پر چلنے کی سیاسی اغراض و غایات	۲۴۱
خدا کی راہ میں پیہم سعی و عمل کرتے رہنا ہی صراط مستقیم ہے	۲۴۲
دنیا میں غالب ہو کے رہنے کی کوشش پر کاربند ہو جانا صراط مستقیم ہے	۲۴۲
مُحْسِنِیْن کی صحیح تعریف۔	۲۴۲
جہاد بالسیف، ہجرت وطن اور اطاعت امیر صراط مستقیم ہے	۲۴۳
مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ کے معانی کی تبیین۔	۲۴۳-۲۴۵
النَّبِیّٖنَ، اور الصِّدِّیْقِیْنَ، اور الشُّهَدَآءِ، اور الصّٰلِحِیْنَ کی ہیئت کا صحیح مفہوم اور انکے مقام حاصل کرنے کیلئے بیکران اعمال کا ہونا ضروری ہے	۲۴۴
اولوالامر کی اطاعت کی اہمیت۔	۲۴۴
رُسُل کے بھیجے جانے کی واحد غرض و غایت انکی اطاعت ہی ہے	۲۴۴
قرآن کے الصراط المستقیم کا صحیح اور واحد مفہوم	۲۴۴-۲۴۶
الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِیْم کے الفاظ کا قرآن میں ورود	۲۴۵
موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِیْم پر چلنے کی نوعیت	۲۴۵
مُؤْمِنِیْن اور مُحْسِنِیْن کے بلند مقام حاصل کرنیکے شرائط	۲۴۶
خوف و رجا کا دلوں کے اندر موجود ہونا ہی نماز کا محرک ہے	۲۴۶-۲۴۸
اِیَّاكَ نَعْبُدُ کے صحیح معانی۔	۲۴۷
الصلوٰۃ کی اہمیت اور اسکے نصب العین کا مسلمانان عالم کے دلوں سے محو ہو جانا۔	۲۴۸-۲۵۰
مغرب کی شہنشہی تعلیم و تبلیغ کا مسلمانوں کی حیات پر مہلک اثر۔	۲۴۹-۲۵۱
دین خدا کو لہو و لعب سمجھنے کے نتائج۔	۲۵۰-۲۵۱

مضامین	صفحہ
مساجد قدیم کی ویرانی اور نماز گذاروں کا کبر و غرور	۲۵۱
مساجد کی نفاق آرائی اور نماز گذاروں کا اخلاقی انحطاط	۲۵۱-۲۵۲
الصلوٰۃ کا صحیح منتہائے نظر وسعت قلب و سماحت پیدا کرنا ہے۔	۲۵۲
الصلوٰۃ تنگ دلی بخل اور نفاق کی قاطع ہے	۲۵۲
منافقین کی الٰہی تعریف۔	۲۵۳
الصلوٰۃ کا پیش نہاد اتحاد اور اصلاح بین الناس ہی ہے	۲۵۳
الصلوٰۃ کا نسیان مسلم و مساجد کو تفریق سے باز رکھنے کی الٰہی حکمت۔	۲۵۴-۲۵۶
مسجد ضرار کا ذکر اور الظّٰلِمِیْن کا الٰہی مفہوم۔	۲۵۵-۲۵۶
اِتِّقَا، بمعنی اتحاد و ظُلْم، بمعنی تفرقہ اور ظلم کے الٰہی معانی کی فہرست	۲۵۶
عہد حاضر کی اکثر مسجدیں صحیح معنوں میں مساجد ضرار ہیں۔	۲۵۶
"المُطَّهِّرِیْن" کا صحیح الٰہی مفہوم اور ربانی طہارت میں مسلمانوں کی غلطی	۲۵۷
امامت کا جلیل القدر منصب اور تقرری کی شرائط اور مسلمانوں کا اسکے صحیح منشا سے متعلق نسیان و رسم	۲۵۸-۲۶۱
آیہ اِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ الخ کا صحیح مفہوم اور شارحین قرآن کی حیرت انگیز غلط بیانی۔	۲۵۸-۲۶۱
منتہائے الصلوٰۃ	۲۶۱-۲۷۱
الصلوٰۃ سے جماعت کا باہمی اتحاد، اطاعت امیر، مساوات، پابندی وقت وغیرہ وغیرہ مدنظر تھا۔	۲۶۱-۲۶۲
صراط مستقیم کے الٰہی مفہوم کی مکمل فہرست۔	۲۶۱-۲۶۲
سچے مومن بننے کی شرائط اور اقامت الصلوٰۃ کا صحیح مفہوم	۲۶۳-۲۶۴
ایمان اور اقامت الصلوٰۃ کا لازم و ملزوم ہونا۔	۲۶۳
الصلوٰۃ کا میثاق ایزدی بنی اسرائیل سے اور اقامت الصلوٰۃ کی قرآنی شرائط۔	۲۶۴-۲۶۵
جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ کا دنیاوی مفہوم اور عہد عتیق کے میثاق سے اسکا تقابل۔	۲۶۵-۲۶۶
"صَلٰوۃ" کے قرآنی معانی کی مزید تشریح۔	۲۶۶
الصلوٰۃ کے صورتاً بگڑ جانیکے دلائل۔	۲۶۶-۲۶۷
سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ کی وحی کے بارے میں خدا کا احسان جتلانا اور اسکی اہمیت۔	۲۶۸
سورہ فاتحہ کن معنوں میں تمام قرآن کا ملخص ہے۔	۲۶۸-۲۶۹
قرآن کا منتہائے نظر الظلمت سے النور کی طرف نکالنا ہے اور ان الفاظ کے صحیح مطالب تمت	۲۶۹-۲۷۰

فهرس آیات القرآن

التی جاءت فی الافتتاحیة العربیة من کتاب تذکرہ (المجلد الاول)

العدد الاول اعنی ۲ فی نحو (۲: ۱۱۲) صفحة ۲۷ یشیر الی عدد السورة والثانی اعنی ۱۱۲- الی عدد الآیة
والثالث اعنی ۲۷- الی عدد الصفحة من الافتتاحیة

اعداد سور القرآن وآیاته	صفحات	اعداد سور القرآن وآیاته	صفحات	اعداد سور القرآن وآیاته	صفحات	اعداد سور القرآن وآیاته	صفحات	اعداد سور القرآن وآیاته	صفحات
الفاتحة ۱		۱۱۲:۲	۲۷	۶۳:۳	۵۴،۲۸	۴۰:۴	۳۳	۶۶:۵	۹۹
		۱۲۱:۲	۱۱۱	۶۶:۳	۵۲	۵۹:۴	۷۴،۷۳،۱۳	۷۳-۷۲:۵	۱۲۷
۱:۱	۷۲	۱۴۲:۲	۱۳۱	۷۵:۳	۱۰۵،۲۷		۱۸۰	۷۳:۵	۹۱
۷-۱:۱	،۹۶،۲۷	۱۵۷-۱۵۵:۲	۳۲	۸۲:۳	۹۷	۶۴:۴	۷۴	۷۴:۵	۹۳
	،۱۲۹،۱۲۷	۱۵۷:۲	۳۳	۸۴:۳	۵۵،۴۸،۲۹	۷۰-۶۶:۴	۱۳۱	۱۱۲:۵	۸۲،۸۰،
	،۱۳۴	۱۵۹:۲	۱۰۰	۹۶:۳	۱۳۹،۳۲	۶۹:۴	۱۲۷	الانعام ۶	
۶-۵:۱	۶۶،۳۵	۱۶۰:۲	۹۲	۹۸:۳	۱۷	۷۱:۴	۶۲		
۷-۵:۱	۱۴۱،۹	۱۶۴:۲	۳۹	۱۰۲-۱۰۰:۳	۱۳۰	۷۶:۴	۱۱۸	۳۷:۶	۴۰
۶:۱	۴۱	۱۶۵:۲	۸۰،۷۳،۲۰	۱۰۲-۱۰۱:۳	۱۰۴	۸۰:۴	۷۳	۳۸:۶	۴۱،۳۹
۷-۶:۱	،۶۴،۵۰	۱۶۷-۱۶۶:۲	۱۶	۱۰۲:۳	۱۵،۸	۸۲:۴	۳۴	۳۹:۶	۴۱،۴۰
	۱۳۷،۷۱	۱۷۰:۲	۲۷	۱۰۴:۳	۱۷	۸۹:۴	۱۱۶	۴۵:۶	۲۵
۷:۱	۱۳۸،۱۳۷	۱۷۳:۲	۹۲	۱۲۸:۳	۳۳	۹۴:۴	۱۱۳	۴۷:۶	۷۶،۲۵
البقرة ۲		۱۷۴:۲	۱۰۱	۱۲۹:۳	۱۰۶	۱۰۳:۴	۶۲	۷۰:۶	۱۱۲
		۱۷۷:۲	۱۰۵،۲۷	۱۳۳-۱۳۲:۳	۱۰۵	۱۰۴:۴	۱۱۹	۸۳:۶	۷۶،۲۱،۱۵
۲:۲	۸۲	۱۹۱:۲	۷۴	۱۳۸:۳	،۱۳۶،۲۴،۹	۱۱۰:۴	۹۲	۹۰-۸۹:۶	۴۹
۴-۲:۲	۱۰۶	۱۹۳:۲	۳۲،۲۱	.	۱۳۸،۸۱	۱۳۶:۴	۱۲۹	۹۲:۶	۴۸،۱۱
۴:۲	۸۲،۵۳	۱۹۴:۲	۱۰۶	۱۴۰:۳	۹۱	۱۳۹-۱۳۸:۴	۳۰	۹۴:۶	۷۸،۱۶
۷:۲	۲۴	۲۱۳:۲	۱۳۰،۷۶	۱۴۱:۳	۱۱	۱۴۵:۴	۱۵	۹۸:۶	۳۹
۸:۲	،۱۲۴،۱۱	۲۱۸:۲	۹۳	۱۴۲-۱۴۱:۳	۱۲۵	۱۵۲-۱۵۰:۴	۱۲۸،۵۳	۱۱۵:۶	۱۱۱
	۱۲۴	۲۲۵:۲	۱۱۲،۹۲	۱۴۳:۳	۱۳۹	۱۷۶:۴	۱۳۸	۱۱۶:۶	۱۱۱
۹:۲	۲۴	۲۲۹:۲	۵۴،۳۲	۱۴۶:۳	۱۴۱	المائدة ۵		۱۱۸-۱۱۶:۶	۱۳۴،۱۱۱
۲۱:۲	۱۰۴	۲۴۷:۲	۱۴۳	۱۵۵:۳	۱۱۶			۱۱۸:۶	۹۰
۲۴:۲	۱۱۳	۲۵۰:۲	۱۴۱	۱۶۷-۱۶۵:۳	۱۱۷	۸:۵	۱۰۶	۱۲۴-۱۲۳:۶	۱۳۷
۲۷-۲۶:۲	۶۲	۲۵۷:۲	۲۲	۱۶۹:۳	۵۵	۱۱:۵	۱۰۵	۱۲۶:۶	۱۰۹
۲۷:۲	۹۳،۶۲	۲۶۸:۲	۸۲	۱۶۶-۱۶۲:۳	۱۱۷	۱۳:۵	۵۴	۱۲۸-۱۲۶:۶	۱۳۷
۳۰:۲	۳۷	۲۸۶:۲	۱۴۱،۷۶	۱۹۷-۱۸۹:۳	۸۵	۱۶-۱۵:۵	۱۳۵	۱۲۹:۶	،۹۸،۱۵
۵۴:۲	۱۸	آل عمران ۳		۱۹۰:۳	۹	۱۸:۵	۲۵	۱۳۶-۱۲۹:۶	۹۹
۶۲:۲	۵۲			۱۹۹:۳	۸۱،۸۰	۲۳:۵	۸۱	۱۳۷:۶	۹۸
۶۳:۲	۶۳	۱۱:۳	۱۱۹	النساء ۴		۳۵:۵	۱۰۵	۱۳۹:۶	۳۶
۷۴:۲	۱۰۹	۱۳:۳	۱۹			۳۹:۵	۹۲	۱۵۴-۱۵۲:۶	۱۳۲
۷۸:۲	۵۰	۱۷:۳	۸۳	۹:۴	۱۰۶	۴۴:۵	۱۱۰	۱۶۰:۶	۱۴۴
۸۰:۲	۲۵	۱۸:۳	۵۵،۷	۱۷:۴	۹۲	۴۵:۵	۱۱۰	۱۶۴-۱۶۲:۶	۱۳۰
۸۵:۲	۵۸،۱۱	۳۱-۳۰:۳	۹۴	۱۸:۴	۹۲	۴۶:۵	۱۱۰	۱۶۶:۶	۱۴۲،۹۲،۳۶
۹۳:۲	۶۳	۵۳:۳	۱۱	۳۷:۴	۱۱۵	۵۷:۵	۱۰۷	الاعراف ۷	

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۲۳:۷	۱۴۱
۲۷:۷	۱۶
۲۹:۷	۱۰۳
۳۴:۷	۲۸
۳۵:۷	۶۶،۲۷
۳۹-۳۷:۷	۱۰۴
۴۱-۴۰:۷	۱۷
۵۲:۷	۴۱
۵۴:۷	۱۴۰،۳۱
۵۶:۷	۱۳۸،۱۰۳
۷۱:۷	۲۷
۹۶:۷	۱۰۷
۱۲۸:۷	۷۱،۳۸،۲۶ ،۱۰۵
۱۵۳:۷	۹۱
۱۵۷:۷	۹۱
۱۵۹:۷	۹۱
۱۷۰-۱۶۸:۷	۱۴۲
۱۶۹:۷	۱۰۷
۱۷۳:۷	۱۳۹
۱۷۶:۷	۱۶
۱۷۹:۷	۹۹
۱۸۷:۷	۳۵
۱۸۸:۷	۱۴
۲۰۴-۲۰۳:۷	۱۲۶

الانفال ۸

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۱:۸	۸،۷۷،۴۷،۱۳ ،۱۰۴
۴-۲:۸	۸۱
۸:۸	۹۱
۱۶:۸	۱۱۸
۲۵،۲۴:۸	۱۱۶،۱۰۳،۲۲
۲۵-۲۴:۸	۱۰۴
۲۵:۸	۲۳
۲۸:۸	۴۰
۲۹:۸	۱۰۷
۳۷-۳۶:۸	۱۱۵
۳۸:۸	۱۱۹،۲۸
۳۹:۸	۹۰
۴۲:۸	۸۴،۴۹،۸
۴۶:۸	۱۱۰،۶۲
۵۶-۵۵:۸	۱۲۳
۶۰:۸	۴۶
۶۳:۸	۱۰
۶۵:۸	۱۱۹
۷۴:۸	۸۱،۷۷،۳

التوبة ۹

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۴:۹	۱۰۵
۱۳:۹	۸۰،۷۷،۵۱،۳۰
۱۸-۱۷:۹	۱۲۶
۲۳:۹	۲۵
۲۴:۹	۲۵
۲۵:۹	۱۳۹،۲۵
۲۷:۹	۹۳
۳۰:۹	۱۲۸،۶۸
۳۱:۹	۱۲۸،۶۸،۱۳
۳۳:۹	۷۹،۱۲
۳۶:۹	۱۰۵
۴۴:۹	۱۰۵
۴۹:۹	۱۱۶
۵۵-۵۴:۹	۱۱۶
۷۳:۹	۶۲
۸۰:۹	۹۵
۸۲:۹	۱۶
۸۵-۸۳:۹	۱۱۷
۹۰:۹	۱۱۷
۹۷-۹۴:۹	۱۱۸
۹۹:۹	۹۳
۱۰۲-۱۰۱:۹	۹۳
۱۰۳:۹	۱۴۰
۱۱۱:۹	۶۰
۱۱۹:۹	۱۰۵
۱۲۰:۹	۷۷،۶۶
۱۲۳:۹	۱۰۵
۱۲۸:۹	۳۰

یونس ۱۰

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۵:۱۰	۴۱
۶:۱۰	۱۰۶،۳۹
۸-۷:۱۰	۸۲
۹-۷:۱۰	۱۲۵
۱۴:۱۰	۱۴۲
۱۹:۱۰	۶
۲۰:۱۰	۱۴
۲۵:۱۰	۱۳۵
۲۷:۱۰	۳۱
۲۸:۱۰	۱۷
۴۴:۱۰	۳۲،۳۱
۴۷:۱۰	۸۴
۴۹:۱۰	۱۴
۶۴-۶۲:۱۰	۲۲
۶۴:۱۰	۷۶
۶۸:۱۰	۱۲۲
۷۰-۶۹:۱۰	۱۲۲
۸۴:۱۰	۸۱
۸۶-۸۵:۱۰	۱۴۱
۸۸:۱۰	۱۴۱

هود ۱۱

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۱۴:۱۱	۳۹
۵۰:۱۱	۷۷
۵۲-۵۰:۱۱	۷۸
۵۶:۱۱	۱۳۲
۸۶-۸۴:۱۱	۸۱
۸۸:۱۱	۶
۱۱۷:۱۱	۹۵
۱۱۹-۱۱۸:۱۱	۱۸
۱۱۹:۱۱	۷

یوسف ۱۲

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۲:۱۲	۵۱
۳۹:۱۲	۱۵
۸۷:۱۲	۱۲۵
۱۰۰:۱۲	۹۲،۳۸،۳۲
۱۱۱-۱۰۳:۱۲	۷۹
۱۱۱:۱۲	۳۹

الرعد ۱۳

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۶:۱۳	۹۳
۱۱:۱۳	۹۷،۲۸
۱۳:۱۳	۶۱
۱۴:۱۳	۱۲۱
۳۴-۳۳:۱۳	۱۱۳
۴۲:۱۳	۱۱۳

ابراهیم ۱۴

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۳-۲:۱۴	۱۱۴
۴:۱۴	۵۱
۵:۱۴	۱۳۶
۷:۱۴	۱۳۸،۹۲
۸:۱۴	۱۳۹،۳۱
۱۲:۱۴	۱۳۱
۱۵-۱۴:۱۴	۱۰۷
۱۸:۱۴	۱۴،۱۳،۹ ۱۲۰
۲۸:۱۴	۱۲۳

الحجر ۱۵

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۲:۱۵	۹
۱۷:۱۵	۳۸
۴۶-۴۵:۱۵	۱۰۸
۵۰-۴۹:۱۵	۹۲
۶۶:۱۵	۲۵
۸۷:۱۵	۱۳۹

النحل ۱۶

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۷:۱۶	۴۷
۱۲:۱۶	۳۸
۱۹:۱۶	۱۱۳
۲۵:۱۶	۱۰۹
۲۶:۱۶	۱۱
۳۱-۳۰:۱۶	۱۰۷
۳۶:۱۶	۸۴
۳۹-۳۸:۱۶	۱۳۴
۵۰-۴۹:۱۶	۶۰،۴۰
۵۸-۵۷:۱۶	۹۸،۱۲
۶۶:۱۶	۴۰
۶۹-۶۸:۱۶	۶۱
۶۹:۱۶	۴۰
۷۲:۱۶	۹
۷۸:۱۶	۱۲۲
۷۹-۷۸:۱۶	۸۲
۸۳:۱۶	۱۲۳،۹
۸۸:۱۶	۱۲۱
۸۹:۱۶	۱۱۱،۵۰،۳۹
۱۰۹-۱۰۶:۱۶	۱۱۴
۱۰۷:۱۶	۲۴
۱۰۸:۱۶	۲۴
۱۲۶،۱۱۰:۱۶	۹۱،۹۳
۱۲۲-۱۲۰:۱۶	۱۳۰
۱۲۵:۱۶	۱۳۴

بنی اسرائیل ۱۷

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۸-۴:۱۷	۱۲۲
۹:۱۷	۱۲۲،۷۸
۱۶:۱۷	۱۴۲
۱۷:۱۷	۹۵
۱۹-۱۸:۱۷	۸۲
۱۸:۱۷	۳۶
۲۷-۲۶:۱۷	۱۲۳
۳۶:۱۷	۹۰
۴۴:۱۷	۶۲،۶۱
۶۷:۱۷	۱۱۵
۷۲:۱۷	۷،۱۰۳،۲۹
۸۴:۱۷	۳۴
۸۷-۸۶:۱۷	۴۹
۸۸:۱۷	۱۴۰،۱۲۶

الکهف ۱۸

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۷:۱۸	۴۲
۲۶:۱۸	۸،۱۴
۴۷:۱۸	۹۶
۴۸:۱۸	۹۶،۳۰
۵۶:۱۸	۱۲۰
۱۰۲:۱۸	۱۶
۱۰۸-۱۰۲:۱۸	۱۲۱
۱۰۶-۱۰۳:۱۸	۴۸،۱۳

مریم ۱۹

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۳۷:۱۹	۱۱۵
۴۰:۱۹	۷۷
۷۱:۱۹	۹۶
۸۱:۱۹	۲۰

طه ۲۰

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۱۵:۲۰	۱۳۶
۵۰:۲۰	۳۹،۳۴
۸۱:۲۰	۷۱
۸۲:۲۰	۹۲

اعداد سور القرآن و آیاتہ	صفحات
۲۰:۱۱۴	۱۰۳
الانبیاء ۲۱	
۲۱:۱۱-۱۹	۱۴۲
۲۱:۲۲	۱۰۸، ۲۰، ۷۴
۲۱:۲۳	۲۸
۲۱:۴۸-۴۹	۱۰۶
۲۱:۵۲	۱۹، ۷۰
۲۱:۷۸-۸۱	۸۸
۲۱:۹۲	۷۲
۲۱:۹۵	۹۰، ۹۷
۲۱:۹۸	۱۴۴
۲۱:۱۰۵-۱۰۶	۳۸، ۶۳
۲۱:۱۰۷	۴۹
الحج ۲۲	
۲۲:۳-۴	۴۵
۲۲:۳۱	۲۱، ۲۳
۲۲:۴۷	۹۰
۲۲:۵۴	۴۱، ۱۳۴، ۱۳۶
۲۲:۶۷	۵۶
۲۲:۶۷-۶۹	۱۳۷
۲۲:۶۸-۷۰	۱۰۹
۲۲:۷۲	۱۲۶
۲۲:۷۸	۱۰
المؤمنون ۲۳	
۲۳:۳	۱۳۴
۲۳:۹	۶۳
۲۳:۱۴	۶۲، ۱۳۰
۲۳:۵۲	۱۴، ۱۰۳
۲۳:۵۳	۸، ۱۲
۲۳:۶۰	۷۵
۲۳:۶۶-۶۷-۶۸	۴۱، ۶۳، ۹۹
۲۳:۶۸-۷۰	۹۰-۱
۲۳:۹۲	۲۹
۲۳:۱۱۵	۱۴۰
۲۳:۱۱۷	۲۹، ۱۱۴/۱۱۹
النور ۲۴	
۲۴:۲	۸۲
۲۴:۵	۹۱
۲۴:۱۱	۱۱۲
۲۴:۱۲	۱۱۰
۲۴:۲۱-۲۲	۹۴
۲۴:۲۲	۹۳، ۱۳۹
۲۴:۳۵	۵۳
۲۴:۳۹-۴۰	۱۲۰
۲۴:۴۱	۶۱، ۶۲
۲۴:۴۲	۶۱
۲۴:۴۵-۴۶	۱۳۳
۲۴:۵۲، ۵۳	۷۴
۲۴:۵۵	۴۹، ۶۶، ۹۰
۲۴:۶۲	۸۰، ۹۴
الفرقان ۲۵	
۲۵:۳۰	۱۰۸
۲۵:۶۳	۱۳۴
۲۵:۷۰-۷۱	۹۲
۲۵:۷۲	۱۳۴
الشعراء ۲۶	
۲۶:۷۰	۷۰
۲۶:۷۱	۷۱
۲۶:۷۳	۷۱
۲۶:۷۶	۷۰
۲۶:۷۷	۷۰
۲۶:۸۳	۷۱
۲۶:۸۴	۷۱
۲۶:۸۵	۷۱
۲۶:۸۶	۷۱
۲۶:۸۷-۸۸	۷۰
۲۶:۸۹	۷۱
۲۶:۹۰	۷۱
۲۶:۹۱	۷۱
۲۶:۱۰۶-۱۱۰	۷۵
۲۶:۱۲۴	۱۴۲
۲۶:۱۳۹	۹۸
۲۶:۱۴۶	۱۳۹
۲۶:۱۹۲-۱۹۷	۸۶
۲۶:۱۹۸-۲۰۹	۸۶
۲۶:۲۲۴-۲۲۶	۵۱
۲۶:۲۲۷	۱۳۹
النمل ۲۷	
۲۷:۱۵-۱۶	۸۷
۲۷:۱۷	۸۷
۲۷:۳۱	۱۰۲
۲۷:۶۵	۱۴
القصص ۲۸	
۲۸:۵۵	۱۳۴
۲۸:۶۲	۱۶
۲۸:۷۶-۷۷	۱۱۶
۲۸:۸۲	۱۱۷
العنکبوت ۲۹	
۲۹:۲	۱۱
۲۹:۲-۳	۱۲۵، ۱۱۱
۲۹:۳	۱۱
۲۹:۶	۶۹، ۱۲۵
۲۹:۱۲-۱۳	۱۲۶
۲۹:۲۳	۱۲۵
۲۹:۳۴-۳۵	۶۵
۲۹:۴۱	۲۹
۲۹:۴۳	۴۸
۲۹:۴۴	۶۹، ۳۸، ۸۳، ۱۲۲
۲۹:۴۵	۶۴
۲۹:۴۶	۱۲۲
۲۹:۴۹	۸۴، ۱۳۵
۲۹:۵۱	۱۱۱
۲۹:۵۲	۹، ۸۹، ۱۲۳
۲۹:۵۶	۷۷
۲۹:۵۷-۵۹	۷۷
۲۹:۶۱	۶۶
۲۹:۶۳	۶۷، ۶۹، ۷۷
۲۹:۶۷	۱۲۳
۲۹:۶۹	۱۳۲
الروم ۳۰	
۳۰:۲۷	۳۰
۳۰:۳۰	۲۹، ۵۴
۳۰:۳۱-۳۲	۱۵، ۷۲، ۹۹
۳۰:۳۲	۱۱۳
۳۰:۴۱	۷
۳۰:۴۲	۲۵
۳۰:۴۷	۱۱
۳۰:۵۲-۵۳	۹۰
لقمان ۳۱	
۳۱:۱۱	۶۷
۳۱:۱۳	۱۵، ۳۱
۳۱:۲۰-۲۵	۷۰
۳۱:۲۵	۶۶، ۶۷، ۶۹، ۷۷
۳۱:۳۲	۱۱۴
السجدۃ ۳۲	
۳۲:۴	۳۰
۳۲:۵	۳۰
۳۲:۹	۱۲۲
۳۲:۱۰	۱۲۴
۳۲:۱۶	۶۱، ۶۷
۳۲:۱۶-۱۷	۶۳
۳۲:۱۶-۱۸	۳۶
۳۲:۱۹-۲۱	۳۶
۳۲:۲۶	۹۵
الاحزاب ۳۳	
۳۳:۵	۹۲
۳۳:۸	۱۱۳
۳۳:۱۸-۱۹	۱۱۷
۳۳:۲۵	۸۱
۳۳:۳۶	۸۰
۳۳:۶۲	۹۷
۳۳:۶۶-۶۸	۱۷، ۹۹
۳۳:۷۰	۱۰۶
السبا ۳۴	
۳۴:۱۰-۱۳	۴۵، ۸۸
۳۴:۲۲	۶۷
۳۴:۲۳	۱۴
۳۴:۳۷	۲۴
۳۴:۳۸	۱۷
فاطر ۳۵	
۳۵:۱	۴۸
۳۵:۵-۷	۱۱۴
۳۵:۲۷-۲۸	۴۲
۳۵:۲۸	۸۲، ۱۰۶
۳۵:۲۸-۳۰	۹۴
۳۵:۲۹-۳۱	۸۳
۳۵:۴۰	۶۷
۳۵:۴۳	۳۴
یٰس ۳۶	
۳۶:۳۱	۹۵
۳۶:۳۸	۶۲
۳۶:۴۰	۶۲
۳۶:۶۰-۶۱	۱۲۹
۳۶:۶۹	۵۱
والصّٰفّٰت ۳۷	
۳۷:۶۵	۲۷
۳۷:۱۱۴-۱۲۲	۶۵، ۱۳۷
۳۷:۱۶۲	۴۴
۳۷:۱۷۳	۴۴، ۱۱۹
۳۷:۱۸۰	۳۳
صٓ ۳۸	
۳۸:۱۷-۲۰	۸۸
۳۸:۲۷	۴۱، ۱۲۲
۳۸:۲۷-۲۸	۸۷، ۱۰۶
۳۸:۲۹	۸۷
۳۸:۳۶-۴۰	۸۸
۳۸:۴۵	۴
۳۸:۶۱-۶۳	۴۷
۳۸:۸۷	۴۹
الزمر ۳۹	
۳۹:۳	۱۱۵
۳۹:۸	۱۱۴
۳۹:۹	۸۴
۳۹:۱۰	۱۰۷
۳۹:۲۲	۱۰۹
۳۹:۲۳	۸۳
۳۹:۳۳	۱۰۵
۳۹:۳۸	۶۸
۳۹:۴۴	۱۴
۳۹:۴۹	۱۴۲
۳۹:۵۰	۱۴۲

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۳۹:۵۱	۱۴۳
۳۹:۵۲	۱۴۲
۳۹:۵۳	۲۴
۳۹:۵۳-۵۵	۹۵
۳۹:۵۴	۲۴
۳۹:۷۳	۴۷
۳۹:۷۳-۷۵	۱۰۸
۳۹:۷۴	۸، ۶۹، ۷۱
المؤمن ۴۰	
۴۰:۳-۶	۱۲۰
۴۰:۵۷-۵۸	۸۷، ۱۲۲
۴۰:۷۲-۷۳	۱۱۵
۴۰:۸۳-۸۵	۱۲۷
حم السجدة ۴۱	
۴۱:۳	۴۱
۴۱:۶-۷	۷۲، ۱۱۶
۴۱:۱۱	۷۴
۴۱:۲۵	۱۰۳
۴۱:۲۶	۱۲۵
۴۱:۲۹	۹۹
۴۱:۳۰-۳۲	۷۸
۴۱:۴۲	۷
۴۱:۴۴	۵۱، ۵۲
الشوریٰ ۴۲	
۴۲:۱۳	۱۵، ۵۰، ۷۲
۴۲:۱۴	۶
۴۲:۱۵	۶
۴۲:۲۰	۲۶
۴۲:۳۰	۳۲
۴۲:۳۸	۱۴۳
۴۲:۳۹	۲۷، ۴۴، ۱۴۳
۴۲:۴۱	۹۷
۴۲:۵۲	۵۷، ۱۳۶
الزخرف ۴۳	
۴۳:۳	۵۱
۴۳:۹	۶۷
۴۳:۲۳	۲۷
۴۳:۴۳	۴۹، ۱۳۵
۴۳:۶۱	۱۳۶
۴۳:۶۱-۶۲	۱۳۰
۴۳:۶۳-۶۴	۱۳۶
۴۳:۶۳-۶۵	۱۳۱
۴۳:۸۷	۶۷، ۶۸، ۶۹

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
الدخان ۴۴	
۴۴:۲۵-۲۶	۷۱
۴۴:۳۰-۳۲	۸۹
۴۴:۳۸-۳۹	۳۰، ۳۸
۴۴:۵۱-۵۷	۱۰۸
۴۴:۵۸	۵۱
الجاثیة ۴۵	
۴۵:۳	۳۸، ۸۲
۴۵:۴	۳۹
۴۵:۵	۳۸
۴۵:۱۳-۱۶	۸۹، ۳۸
۴۵:۱۷	۷، ۱۰۸
۴۵:۲۰	۵۰
۴۵:۲۱-۲۲	۸۹
۴۵:۲۳	۲۴
۴۵:۲۴	۸۲
الاحقاف ۴۶	
۴۶:۳	۱۲۴
۴۶:۲۹	۱۰۲
۴۶:۳۰	۱۰۳
۴۶:۳۱	۱۰۲
۴۶:۳۲	۱۰۳
۴۶:۳۳	۱۰۳
۴۶:۳۵	۲۵
محمد ۴۷	
۴۷:۱	۱۱۹
۴۷:۲	۲۹، ۱۲۰
۴۷:۳	۱۲۳
۴۷:۴	۱۴۴
۴۷:۴-۵	۱۱۹
۴۷:۸	۲۹
۴۷:۸-۹	۱۱۹
۴۷:۱۰-۱۱	۱۴۰
۴۷:۱۱	۲۹
۴۷:۱۲	۲۹، ۳۲، ۱۲۰
۴۷:۱۸	۱۲۶
۴۷:۳۱	۱۲۴
۴۷:۳۵-۳۶	۱۰۵
الفتح ۴۸	
۴۸:۱-۲	۱۳۲
۴۸:۲	۱۳۹
۴۸:۱۱-۱۳	۱۱۸
۴۸:۲۰	۱۳۲

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۴۸:۲۲-۲۳	۱۱۹
۴۸:۲۹	۱۰
الحجرات ۴۹	
۴۹:۳	۱۰۴
۴۹:۹	۱۴
۴۹:۱۰	۱۳، ۸۰، ۱۰۴، ۱۱۰
۴۹:۱۲	۱۱۰
۴۹:۱۳	۱۱۳
۴۹:۱۶	۸۱
قٓ ۵۰	
۵۰:۲۹	۱۰۱، ۱۱۹
۵۰:۳۸	۳۰
الذٰریٰت ۵۱	
۵۱:۱۵-۱۶	۱۰۸
۵۱:۱۵-۱۸	۶۳
۵۱:۱۶	۶۳
۵۱:۱۷	۷۶
۵۱:۱۷-۱۸	۶۱
۵۱:۱۸	۷۶
۵۱:۴۷-۴۸	۶۷
۵۱:۴۹-۵۱	۶۸
۵۱:۵۶	۲۲، ۲۶، ۶۳، ۷۶
الطور ۵۲	
۵۲:۱۷-۲۰	۱۰۸
۵۲:۲۱	۱۱۲
۵۲:۳۸	۱۰۰
النجم ۵۳	
۵۳:۲۳	۴۱، ۱۰۸
۵۳:۲۸-۳۰	۱۳۳
۵۳:۳۱	۹۰، ۱۳۴
۵۳:۳۹	۱۳، ۳۳، ۱۱۲
الرحمٰن ۵۵	
۵۵:۵	۶۲
۵۵:۶	۶۱
۵۵:۲۹	۳۱
۵۵:۳۳	۹۷
۵۵:۴۶	۱۰۸
الواقعة ۵۶	
۵۶:۱-۳	۹۵
۵۶:۱۰-۱۱	۱۰
۵۶:۷۹	۵

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
الحدید ۵۷	
۵۷:۷-۸	۸۱
۵۷:۱۲	۱۰
۵۷:۲۰	۲۶
۵۷:۲۵	۴۳
۵۷:۲۷	۷۷
الحشر ۵۹	
۵۹:۱۳	۱۱۹
۵۹:۱۴	۱۱۹
۵۹:۱۹	۱۲۶
۵۹:۲۱	۱۲۶
۵۹:۲۲	۲۹
الممتحنة ۶۰	
۶۰:۱۳	۱۲۵
الصف ۶۱	
۶۱:۲	۱۱۲
۶۱:۲-۳	۱۱
۶۱:۳	۹۶، ۱۱۲
۶۱:۴	۱۲۴
۶۱:۹	۱۲، ۵۰، ۱۳۷
الجمعة ۶۲	
۶۲:۵	۴۱
۶۲:۶-۸	۱۲۴
التغابن ۶۴	
۶۴:۱۴	۲۰
الطلاق ۶۵	
۶۵:۲-۳	۱۰۶
۶۵:۴-۵	۱۰۷
التحریم ۶۶	
۶۶:۸	۲۴
الملک ۶۷	
۶۷:۲	۳۶
۶۷:۳	۲۸
الحاقة ۶۹	
۶۹:۴۸	۵۰
المعارج ۷۰	
۷۰:۱۹-۲۳	۹۴
نوح ۷۱	
۷۱:۲-۳	۷۸
۷۱:۱۰-۱۲	۷۸
الجن ۷۲	
۷۲:۱-۲	۱۰۲
۷۲:۳-۴	۱۰۲

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
۷۲:۵-۱۹	۱۰۳
۷۲:۸	۱۰۱
۷۲:۲۰-۲۸	۱۰۰
۷۲:۲۱	۱۴
۷۲:۲۶	۱۴
۷۲:۲۷	۱۴
المدثر ۷۴	
۷۴:۵۴-۵۵	۳۴
الدھر ۷۶	
۷۶:۲	۳۴
والنّٰزعٰت ۷۹	
۷۹:۳۴	۳۰
عبس ۸۰	
۸۰:۱۷	۳۵
۸۰:۱۹-۲۰	۳۴
التکویر ۸۱	
۸۱:۲۹	۳۲، ۳۳، ۳۴
الانفطار ۸۲	
۸۲:۸	۳۴
الانشقاق ۸۴	
۸۴:۲۱-۲۲	۱۲۵
الاعلیٰ ۸۷	
۸۷:۱۴	۵۹
اللیل ۹۲	
۹۲:۱۹-۲۰	۷۷
التین ۹۵	
۹۵:۶	۱۴۳
البیّنة ۹۸	
۹۸:۴-۵	۷
الزلزال ۹۹	
۹۹:۷-۸	۳۱
الھمزة ۱۰۴	
۱۰۴:۶-۷	۳۱
الماعون ۱۰۷	
۱۰۷:۴-۷	۶۴
النصر ۱۱۰	
۱۱۰:۲	۵۴
الاخلاص ۱۱۲	
۱۱۲:۱	۲۱
الناس ۱۱۴	
۱۱۴:۴-۵	۷

تمت بالخیر

فہرست آیاتِ تذکرہ

(مجلد اوّل)

اِس فہرست میں صرف اُن آیاتِ الٰہی کا حوالہ دیا گیا ہے جن کے الفاظ مع مطالب متن کتاب یا حواشی میں آئے ہیں۔ جہاں صرف آیت کا شمار لکھ کر حوالہ دیا گیا اُن کو نظر انداز کر دیا گیا۔

شمارہ	شمارہ آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
	۱-الفاتحۃ (۷)	
۱	(۱:۱)	۲۴۷
۲	(۲:۱)	۲۴۷
۳	(۳:۱)	۱۹۱؛ ۲۴۷
۴	(۴:۱)	۱۱۲؛ ۲۴۷
۵	(۵:۱)	۱۷۶؛ ۲۲۰؛ ۲۲۴
۶	(۶:۱)	۲۲۰؛ ۲۲۴
۷	(۷:۱)	۲۲۰؛ ۲۳۷
۲۹۳	۲-البقرۃ (۲۸۶)	
۸	(۲۳:۲)	۶۵
۹	(۲۶:۲)	۷۸
۱۰	(۳۰:۲)	۱۶۹
۱۱	(۴۰:۲)	۲۱۶
۱۲	(۴۳:۲)	۱۰۸
۱۳	(۴۵:۲)	۱۱۱، ۲۴۹، ۲۶۱،
۱۴		۲۶۷، ۲۶۸
۱۵	(۴۷:۲)	۲۱۶
۱۶	(۵۴:۲)	۷۸
۱۷	(۵۵:۲)	۷۸
۱۸	(۵۷:۲)	۷۹
۱۹	(۶۱:۲)	۶۸؛ ۲۲۳
۲۰	(۱۱۲:۲)	۱۷۷
۲۱	(۱۲۲:۲)	۲۱۶
۲۲	(۱۲۴:۲)	۲۵۸
۲۳	(۱۲۹:۲)	۵۴
۲۴	(۱۳۶:۲)	۱۸۵؛ ۱۸۷
۲۵	(۱۳۷:۲)	۱۸۷
۲۶	(۱۳۸:۲)	۱۸۷
۲۷	(۱۴۲:۲)	۲۲۹
۲۸	(۱۴۳:۲)	۱۰۵، ۱۷۰
۲۹	(۱۴۴:۲)	۱۳۶
۳۰	(۱۴۵:۲)	۱۳۶
۳۱	(۱۴۸:۲)	۱۳۷
۳۲	(۱۵۰:۲)	۲۱۸

شمارہ	شمارہ آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۳۳	(۱۵۱:۲)	۵۴
۳۴	(۱۵۲:۲)	۲۴۸
۳۵	(۱۵۳:۲)	۲۴۸
۳۶	(۱۵۴:۲)	۱۲۶
۳۷	(۱۵۵:۲)	۱۲۳
۳۸	(۱۵۶:۲)	۱۲۳
۳۹	(۱۵۷:۲)	۱۲۳
۴۰	(۱۶۵:۲)	۱۱۷، ۱۱۹
۴۱	(۱۶۸:۲)	۲۰۷
۴۲	(۱۶۹:۲)	۲۰۷
۴۳	(۱۸۶:۲)	۲۴۸
۴۴	۱۹۸:۲)	۲۳۰
۴۵	(۲۰۰:۲)	۲۳۰
۴۶	(۲۱۱:۲)	۲۱۵
۴۷	(۲۱۳:۲)	۱۸۸، ۲۲۸
۴۸	(۲۲۸:۲)	۱۴۸
۴۹	(۲۲۹:۲)	۱۴۸، ۱۷۵
۵۰	(۲۳۱:۲)	۱۴۸، ۲۱۷
۵۱	(۲۳۲:۲)	۱۴۸
۵۲	(۲۳۳:۲)	۱۴۸
۵۳	(۲۳۴:۲)	۱۴۸
۵۴	(۲۳۶:۲)	۱۴۸
۵۵	(۲۴۱:۲)	۱۴۹
۵۶	(۲۶۷:۲)	۲۰۷
۵۷	(۲۶۸:۲)	۲۰۷
۵۸	(۲۷۳:۲)	۱۶۸، ۲۰۱
۳۹۴	۳-آلِ عمران (۱۹۹)	
۵۹	(۳:۳)	۵۹
۶۰	(۱۳:۳)	۸۷
۶۱	(۱۸:۳)	۱۹۱، ۲۰۳
۶۲	(۱۹:۳)	۱۹۱
۶۳	(۴۱:۳)	۲۲۲
۶۴	(۴۲:۳)	۱۰۸
۶۵	(۵۳:۳)	۵۲
۶۶	(۶۳:۳)	۱۸۷

شمارہ	شمارہ آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۶۷	(۷۵:۳)	۱۹۸
۶۸	(۸۳:۳)	۱۸۵، ۱۸۸، ۱۹۷
۶۹	(۸۴:۳)	۱۹۷
۷۰	(۹۶:۳)	۱۷۳
۷۱	(۱۰۰:۳)	۲۲۶
۷۲	(۱۰۱:۳)	۲۲۶، ۱۴۵
۷۳	(۱۰۲:۳)	۱۴۵، ۲۱۷، ۲۲۶، ۲۵۶
۷۴	(۱۰۳:۳)	۱۴۵، ۱۵۱، ۲۲۶،
۷۵	(۱۰۴:۳)	۱۴۵
۷۶	(۱۱۱:۳)	۳۲۳
۷۷	(۱۱۲:۳)	۱۰۷
۷۸	(۱۱۳:۳)	۱۳۷
۷۹	(۱۱۴:۳)	۱۳۷
۸۰	(۱۱۹:۳)	۱۲۷
۸۱	(۱۳۷:۳)	۸۹
۸۲	(۱۳۸:۳)	۱۰۷، ۱۱۰، ۱۲۱، ۱۵۳، ۱۶۹،
۸۳	(۱۳۹:۳)	۱۲۰
۸۴	(۱۴۰:۳)	۱۴۲، ۱۲۰
۸۵	(۱۴۱:۳)	۱۲۰
۸۶	(۱۴۲:۳)	۱۲۰
۸۷	(۱۵۳:۳)	۱۴۲
۸۸	(۱۶۳:۳)	۵۴
۸۹	(۱۶۴:۳)	۱۲۴
۹۰	(۱۶۵:۳)	۱۲۴
۹۱	(۱۶۶:۳)	۱۲۴
۹۲	(۱۶۸:۳)	۱۲۶
۹۳	(۱۷۰:۳)	۲۱۶
۹۴	(۱۷۳:۳)	۲۱۶
۹۵	(۱۸۰:۳)	۱۳۹
۹۶	(۱۹۴:۳)	۱۲۲
۹۷	(۱۹۵:۳)	۱۵۳
۹۸	(۱۹۶:۳)	۱۵۳
۹۹	(۱۹۷:۳)	۱۵۳
۱۰۰	(۱۹۹:۳)	۱۴۲، ۱۴۵، ۱۵۰
۶۶۹	۴-النسآء (۱۷۷)	

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۱۰۱	(۴:۵)	۱۴۹
۱۰۲	(۴:۶)	۱۴۹
۱۰۳	(۴:۱۱)	۱۸۹
۱۰۴	(۴:۱۵)	
۱۰۵	(۴:۱۶)	۱۸۹
۱۰۶	(۴:۱۷)	۱۸۹
۱۰۷	(۴:۱۹)	۱۴۹
۱۰۸	(۴:۲۳)	۱۸۹
۱۰۹	(۴:۲۵)	۱۴۹
۱۱۰	(۴:۲۹)	۱۸۹
۱۱۱	(۴:۳۰)	۱۸۹
۱۱۲	(۴:۳۲)	۱۸۹
۱۱۳	(۴:۳۳)	۱۸۹
۱۱۴	(۴:۳۴)	۱۸۹
۱۱۵	(۴:۳۵)	۱۸۹
۱۱۶	(۴:۳۶)	۱۸۹
۱۱۷	(۴:۴۸)	۱۲۰
۱۱۸	(۴:۵۸)	۲۴۱
۱۱۹	(۴:۵۹)	۱۶۹، ۲۴۴
۱۲۰	(۴:۶۲)	۱۲۵
۱۲۱	(۴:۶۴)	۲۴۵
۱۲۲	(۴:۶۶)	۲۴۳
۱۲۳	(۴:۶۷)	۲۴۳
۱۲۴	(۴:۶۸)	۲۴۳
۱۲۵	(۴:۶۹)	۲۴۳، ۲۲۰
۱۲۶	(۴:۷۰)	۲۴۳
۱۲۷	(۴:۷۲)	۱۲۵
۱۲۸	(۴:۷۹)	۱۲۳، ۱۲۶
۱۲۹	(۴:۸۰)	۱۶۱
۱۳۰	(۴:۸۲)	۵۸
۱۳۱	(۴:۱۰۳)	۱۸۹، ۲۳۰
۱۳۲	(۴:۱۰۴)	۱۹۴
۱۳۳	(۴:۱۱۳)	۵۴
۱۳۴	(۴:۱۱۴)	۱۴۹
۱۳۵	(۴:۱۱۶)	۱۱۹
۱۳۶	(۴:۱۳۵)	۲۰۲، ۲۵۶
۱۳۷	(۴:۱۴۲)	۲۵۳
۱۳۸	(۴:۱۴۳)	۲۵۳
۱۳۹	(۴:۱۴۵)	۲۵۳
۱۴۰	(۴:۱۷۶)	۲۴۴
۹۷۷	۵-المائدۃ (۱۲۰)	
۱۴۱	(۵:۳)	۵۶، ۲۱۷

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۱۴۲	(۵:۶)	۲۱۷
۱۴۳	(۵:۷)	۲۱۸
۱۴۴	(۵:۸)	۲۰۲
۱۴۵	(۵:۱۱)	۱۷۸، ۲۱۶
۱۴۶	(۵:۱۲)	۲۶۴
۱۴۷	(۵:۱۳)	۲۶۶
۱۴۸	(۵:۱۵)	۱۷۶، ۲۳۵، ۲۶۰
۱۴۹	(۵:۱۶)	۲۳۵، ۲۶۰، ۱۷۶
۱۵۰	(۵:۲۰)	۲۱۵
۱۵۱	(۵:۲۲)	۲۱۹
۱۵۲	(۵:۲۳)	۲۱۹
۱۵۳	(۵:۳۵)	۱۵۶
۱۵۴	(۵:۴۴)	۸۹، ۹۶
۱۵۵	(۵:۴۵)	۹۶
۱۵۶	(۵:۴۶)	۸۹
۱۵۷	(۵:۴۷)	۹۶
۱۵۸	(۵:۴۸)	۱۳۵، ۱۹۳
۱۵۹	(۵:۵۰)	۹۲
۱۶۰	(۵:۵۵)	۱۰۷
۱۶۱	(۵:۵۶)	۱۵۰، ۱۵۳، ۱۷۹
۱۶۲	(۵:۵۷)	۲۵۰
۱۶۳	(۵:۵۸)	۲۵۰
۱۶۴	(۵:۱۰۶)	۱۲۶
۱۶۵	(۵:۱۰۹)	۲۲۱
۱۶۶	(۵:۱۱۰)	۲۲۱
۱۶۷	(۵:۱۱۲)	۱۷۹
۹۵۵	۶-الانعام (۱۶۶)	
۱۶۸	(۶:۴۴)	۲۵۴
۱۶۹	(۶:۴۵)	۲۵۴
۱۷۰	(۶:۴۷)	۸۱، ۲۵۶
۱۷۱	(۶:۴۸)	۸۱
۱۷۲	(۶:۸۷)	۲۳۴
۱۷۳	(۶:۸۸)	۲۳۴
۱۷۴	(۶:۹۲)	۸۹
۱۷۵	(۶:۹۹)	۱۵
۱۷۶	(۶:۱۰۰)	۱۰۳، ۱۱۵
۱۷۷	(۶:۱۱۵)	۸۹، ۹۲، ۹۳
۱۷۸	(۶:۱۱۶)	۹۰، ۹۲، ۹۳، ۱۵۱
۱۷۹	(۶:۱۱۷)	۹۳
۱۸۰	(۶:۱۱۸)	۹۳
۱۸۱	(۶:۱۲۶)	۲۳۸
۱۸۲	(۶:۱۲۷)	۲۳۸

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۱۸۳	(۶:۱۲۸)	۲۳۸
۱۸۴	(۶:۱۳۳)	۹
۱۸۵	(۶:۱۳۲)	۱۱۵
۱۸۶	(۶:۱۵۲)	۲۴۰، ۲۴۱
۱۸۷	(۶:۱۵۳)	۲۴۰، ۲۴۱
۱۸۸	(۶:۱۵۴)	۲۴۰، ۲۴۲
۱۸۹	(۶:۱۵۵)	۸۹
۱۹۰	(۶:۱۵۶)	۸۹
۱۹۱	(۶:۱۵۸)	۹۰
۱۹۲	(۶:۱۶۰)	۱۳۱
۱۹۳	(۶:۱۶۱)	۱۳۰
۱۹۴	(۶:۱۶۲)	۲۳۱
۱۹۵	(۶:۱۶۳)	۲۳۱
۱۹۶	(۶:۱۶۴)	۲۳۱
۱۹۷	(۶:۱۶۶)	۱۳
۱۱۶۱	۷-الاعراف (۲۰۶)	
۱۹۸	(۷:۶)	۱۹۵
۱۹۹	(۷:۷)	۱۹۵
۲۰۰	(۷:۸)	۱۹۵
۲۰۱	(۷:۲۷)	۲۰۷
۲۰۲	(۷:۲۸)	۲۰۷
۲۰۳	(۷:۲۹)	۲۰۱، ۲۰۶، ۲۰۸، ۲۱۱، ۲۵۶
۲۰۴	(۷:۳۲)	۱۳، ۱۷۷
۲۰۵	(۷:۳۵)	۱۳، ۲۳، ۱۷۷
۲۰۶	(۷:۵۲)	۵۸، ۹۰، ۹۲، ۱۶۵
۲۰۷	(۷:۵۴)	۱۳۱
۲۰۸	(۷:۵۶)	۲۰۵
۲۰۹	(۷:۹۵)	۱۲۷
۲۱۰	(۷:۱۲۸)	۳۹
۲۱۱	(۷:۱۲۹)	۹
۲۱۲	(۷:۱۳۰)	۱۲۷
۲۱۳	(۷:۱۳۷)	۱۹، ۴۰
۲۱۴	(۷:۱۳۸)	۴۰
۲۱۵	(۷:۱۵۲)	۲۲۳
۲۱۶	(۷:۱۵۴)	۸۹
۲۱۷	(۷:۱۵۶)	۱۵۶
۲۱۸	(۷:۱۵۷)	۱۴۲
۲۱۹	(۷:۱۵۸)	۲۰۴
۲۲۰	(۷:۱۶۲)	۲۶۰
۲۲۱	(۷:۱۶۸)	۱۲۷
۲۲۲	(۷:۱۶۹)	۸۵
۲۲۳	(۷:۱۸۲)	۹۸

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۲۲۴	(۱۸۳:۷)	۹۸
۲۲۵	(۱۸۴:۷)	۶۳
۲۲۶	(۱۸۷:۷)	۸۴
۲۲۷	(۱۸۹:۷)	۴۰
۲۲۸	(۱۹۰:۷)	۴۰
۲۲۹	(۲۰۳:۷)	۵۷
۲۳۰	(۲۰۶:۷)	۱۰۷
۱۳۳۶	۸۔الانفال (۷۵)	
۲۳۱	(۱:۸)	۱۷۹، ۲۹۳
۲۳۲	(۲:۸)	۱۰۳، ۲۹۳
۲۳۳	(۳:۸)	۱۸۰، ۲۹۳
۲۳۴	(۴:۸)	۱۸۰، ۲۹۳
۲۳۵	(۷:۸)	۱۸۴
۲۳۶	(۸:۸)	۱۸۴
۲۳۷	(۱۱:۸)	۱۴۲، ۱۴۴
۲۳۸	(۱۲:۸)	۱۴۴
۲۳۹	(۲۰:۸)	۱۷۰
۲۴۰	(۲۱:۸)	۱۷۰
۲۴۱	(۲۲:۸)	۱۷۰
۲۴۲	(۲۴:۸)	۱۷۱
۲۴۳	(۲۵:۸)	۱۷۱، ۲۴۵
۲۴۴	(۲۶:۸)	۱۲، ۱۴۴
۲۴۵	(۲۹:۸)	۱۵۲
۲۴۶	(۳۱:۸)	۷۱
۲۴۷	(۳۵:۸)	۱۱۱
۲۴۸	(۴۵:۸)	۱۴۳، ۱۴۴، ۱۵۰
۲۴۹	(۵۳:۸)	۲۱۲
۲۵۰	(۶۳:۸)	۱۷۶، ۱۹۸
۲۵۱	(۶۴:۸)	۷۶
۲۵۲	(۶۵:۸)	۱۶۴
۲۵۳	(۶۶:۸)	۱۹۴
۲۵۴	(۷۴:۸)	۱۱۴، ۱۲۵
۱۳۶۵	۹۔التوبۃ (۱۲۹)	
۲۵۵	[illegible]	۱۹۹
۲۵۶	(۳:۹)	۱۵۷، ۱۵۸
۲۵۷	(۲۰:۹)	۱۱۷
۲۵۸	(۲۱:۹)	۱۱۵
۲۵۹	(۲۲:۹)	۱۱۵
۲۶۰	(۳۱:۹)	۱۸۶
۲۶۱	(۳۲:۹)	۱۸۴، ۲۷۱
۲۶۲	(۳۳:۹)	۱۸۴

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۲۶۳	(۳۴:۹)	۱۳۸
۲۶۴	(۳۵:۹)	۱۳۸
۲۶۵	(۳۹:۹)	۹
۲۶۶	(۴۴:۹)	۱۵۸
۲۶۷	(۴۵:۹)	۱۵۸
۲۶۸	(۵۰:۹)	۱۲۵
۲۶۹	(۶۷:۹)	۱۴۹
۲۷۰	(۷۰:۹)	۷۶
۲۷۱	(۷۱:۹)	۱۵۰
۲۷۲	(۸۴:۹)	۱۳۳
۲۷۳	(۸۸:۹)	۱۳۴
۲۷۴	(۸۹:۹)	۱۳۴
۲۷۵	(۹۷:۹)	۸۰
۲۷۶	(۹۹:۹)	۱۳۳
۲۷۷	(۱۰۳:۹)	۱۳۳، ۱۸۱
۲۷۸	(۱۰۴:۹)	۱۳۹
۲۷۹	(۱۰۷:۹)	۲۵۵
۲۸۰	(۱۰۸:۹)	۲۵۵، ۲۵۷
۲۸۱	(۱۰۹:۹)	۲۵۵
۲۸۲	(۱۱۰:۹)	۲۵۵
۲۸۳	(۱۱۱:۹)	۱۳۰
۱۴۷۴	۱۰۔یونس (۱۰۹)	
۲۸۴	(۱:۱۰)	۵۲
۲۸۵	(۱۴:۱۰)	۱۰
۲۸۶	(۱۹:۱۰)	۱۹۱
۲۸۷	(۲۵:۱۰)	۲۳۵
۲۸۸	(۲۷:۱۰)	۱۲۸
۲۸۹	(۳۴:۱۰)	۲۴
۲۹۰	(۴۴:۱۰)	۱۲۱
۲۹۱	[illegible]	۵۰
۲۹۲	(۹۲:۱۰)	۱۵۸
۲۹۳	(۹۳:۱۰)	۱۵۸
۲۹۴	(۹۴:۱۰)، ۹۵	۱۵۸-۱۵۹
۲۹۵	(۱۰۳:۱۰)	۱۶۶
۱۵۹۶	۱۱۔ھود (۱۲۳)	
۲۹۶	(۱:۱۱)	۵۵
۲۹۷	(۱۰:۱۱)	۱۲۸، ۲۱۴
۲۹۸	(۱۳:۱۱)	۶۵، ۶۶
۲۹۹	(۱۴:۱۱)	۶۶
۳۰۰	(۸۸:۱۱)	۲۰۳
۳۰۱	(۵۷:۱۱)، ۸۸	۱۹، ۲۰۳

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۳۰۲	(۱۱۸:۱۱)	۱۹۴
۳۰۳	(۱۱۹:۱۱)، ۱۲۰	۱۹۴، ۴۲، ۹۰
۱۷۰۸	۱۲۔یوسف (۱۱۱)	
۳۰۴	(۱:۱۲)	۵۶، ۶۱
۳۰۵	(۲:۱۲)	۶۱، ۶۶
۳۰۶	(۶:۱۲)	۲۱۳
۳۰۷	(۱۲:۱۲)	۱۹۲
۳۰۸	(۲۴:۱۲)	۲۰۸
۳۰۹	(۲۸:۱۲)	۲۴۷
۳۱۰	(۱۱۱:۱۲)	۸۶، ۹۰، ۹۲
۱۷۵۱	۱۳۔الرعد (۴۳)	
۳۱۱	(۴:۱۳)	۱۱۵
۳۱۲	(۶:۱۳)	۱۲۷
۳۱۳	(۲۲:۱۳)	۱۲۹
۳۱۴	(۳۴:۱۳)	۱۱۹
۳۱۵	(۳۷:۱۳)	۹۰
۳۱۶	(۳۸:۱۳)	۲۴۷
۱۸۰۳	۱۴۔ابراھیم (۵۲)	
۳۱۷	(۱:۱۴)	۵۵، ۲۶۹
۳۱۸	(۴:۱۴)	۴۶، ۶۶
۳۱۹	(۵:۱۴)	۲۷۰
۳۲۰	(۶:۱۴)	۲۱۵
۳۲۱	(۷:۱۴)	۲۴۸
۳۲۲	(۸:۱۴)	۱۳۱
۳۲۳	(۱۲:۱۴)	۲۲۷
۳۲۴	(۱۳:۱۴)	۴۳، ۹۶
۳۲۵	(۱۴:۱۴)، ۱۵	۴۳، ۹۶، ۱۵۹، ۱۶۰
۳۲۶	(۲۳:۱۴)	۲۷۰
۳۲۷	[illegible]	۱۴۳
۳۲۸	(۳۴:۱۴)	۲۱۲
۱۹۰۲	۱۵۔الحجر (۹۹)	
۳۲۹	(۱:۱۵)	۵۷
۳۳۰	(۹:۱۵)	۹۲
۳۳۱	(۲۱:۱۵)	۱۲۹
۳۳۲	(۸۷:۱۵)	۲۶۸
۳۳۳	(۹۰:۱۵)	۷۴
۳۳۴	(۹۱:۱۵)	۷۴، ۱۴۳
۳۳۵	(۹۲:۱۵)	۷۴
۳۳۶	(۹۳:۱۵)	۷۴

شمارہ	شمارہ آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۲۰۳۰	۱۶-النحل (۱۲۸)	
۳۳۷	۸ : ۱۶	۲۵
۳۳۸	۳۰ : ۱۶	۱۵۹
۳۳۹	۳۶ : ۱۶	۱۸۶
۳۴۰	۴۴ : ۱۶	۵۹، ۸۶، ۱۵۱
۳۴۱	۴۵ : ۱۶	۱۲۸
۳۴۲	۴۹ : ۱۶	۱۰۷
۳۴۳	۵۳ : ۱۶	۲۱۴
۳۴۴	۶۴ : ۱۶	۹۰
۳۴۵	۷۱ : ۱۶	۲۱۴
۳۴۶	۷۲ : ۱۶	۲۱۴
۳۴۷	۷۹ : ۱۶	۱۰۲
۳۴۸	۸۱ : ۱۶	۲۱۴
۳۴۹	۸۳ : ۱۶	۱۵۴، ۲۱۴
۳۵۰	۸۹ : ۱۶	۵۶، ۹۰، ۹۲، ۱۷۶
۳۵۱	۹۰ : ۱۶	۲۰۸
۳۵۲	۹۱ : ۱۶	۱۹۸
۳۵۳	۹۳ : ۱۶	۱۹۲
۳۵۴	۱۰۲ : ۱۶	۹۰، ۱۴۴
۳۵۵	۱۰۳ : ۱۶	۹۱
۳۵۶	۱۱۴ : ۱۶	۲۱۶
۳۵۷	۱۲۰ : ۱۶	۲۳۲
۳۵۸	۱۲۱ : ۱۶	۲۳۲
۳۵۹	۱۲۲ : ۱۶	۲۳۲
۳۶۰	۱۲۵ : ۱۶	۹۵
۳۶۱	۱۲۶ : ۱۶	۱۵۲
۳۶۲	۱۲۸ : ۱۶	۱۵۲
۲۱۴۱	۱۷-بنی اسرآءیل (۱۱۱)	
۳۶۳	۲ : ۱۷	۸۹
۳۶۴	۵ : ۱۷	۱۳۰
۳۶۵	۶ : ۱۷	۱۳۰
۳۶۶	۷ : ۱۷	۱۳۰
۳۶۷	۹ : ۱۷	۴۵، ۲۷۰
۳۶۸	۱۱ : ۱۷	۱۸۹
۳۶۹	۳۶ : ۱۷	۸۳
۳۷۰	۳۷ : ۱۷	۲۰۰
۳۷۱	۳۹ : ۱۷	۸۳
۳۷۲	۴۹ : ۱۷	۲۹
۳۷۳	۵۰ : ۱۷	۲۹
۳۷۴	۵۱ : ۱۷	۲۹
۳۷۵	۵۳ : ۱۷	۱۸۹
۳۷۶	۵۶ : ۱۷	۱۵۷

شمارہ	شمارہ آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۳۷۷	۵۷ : ۱۷	۱۵۷
۳۷۸	۸۰، ۸۱ : ۱۷	۲۰، ۱۷
۳۷۹	۸۲ : ۱۷	۲۱۳
۳۸۰	۸۸ : ۱۷	۷۱
۳۸۱	۱۰۶ : ۱۷	۷۲
۳۸۲	۱۱۰ : ۱۷	۱۱۲
۲۲۵۱	۱۸-الکہف (۱۱۰)	
۳۸۳	۱ : ۱۸	۱، ۵۵
۳۸۴	۲ : ۱۸	۱
۳۸۵	۵ : ۱۸	۱۹۶
۳۸۶	۲۳ : ۱۸	۱۶۲
۳۸۷	۵۴ : ۱۸	۱۸۹
۲۳۴۹	۱۹-مریم (۹۸)	
۳۸۸	۵۶ : ۱۹	۲۲۰
۳۸۹	۵۷ : ۱۹	۲۲۰
۳۹۰	۵۸ : ۱۹	۲۲۰
۳۹۱	۵۹ : ۱۹	۲۶۶
۳۹۲	۹۷ : ۱۹	۶۶، ۷۹، ۱۵۱
۳۹۳	۹۸ : ۱۹	۷۹
۲۴۸۴	۲۰-طٰہٰ (۱۳۵)	
۳۹۴	۱۴ : ۲۰	۱۰۹
۳۹۵	۴۹ : ۲۰	۱۱
۳۹۶	۵۰ : ۲۰	۱۱
۳۹۷	۸۰ : ۲۰	۲۲۳
۳۹۸	۸۱ : ۲۰	۲۲۳
۳۹۹	۸۲ : ۲۰	۲۲۳
۲۵۹۶	۲۱-الانبیاء (۱۱۲)	
۴۰۰	۵ : ۲۱	۸۸
۴۰۱	۳۰ : ۲۱	۲۰، ۲۲
۴۰۲	۳۱ : ۲۱	۲۲
۴۰۳	۳۲ : ۲۱	۲۲
۴۰۴	۳۳ : ۲۱	۲۲
۴۰۵	۴۸ : ۲۱	۸۹
۴۰۶	۵۰ : ۲۱	۹۰
۴۰۷	۷۳ : ۲۱	۱۰۸، ۱۳۶
۴۰۸	۹۰ : ۲۱	۱۱۰، ۱۳۶، ۲۴۷
۴۰۹	۱۰۵ : ۲۱	۴۰، ۸۷
۴۱۰	۱۰۶ : ۲۱	۴۰، ۸۶
۴۱۱	۱۰۷ : ۲۱	۸۶

شمارہ	شمارہ آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۲۶۷۴	۲۲-الحج (۷۸)	
۴۱۳	(۳۴ : ۲۲)	۱۷۳، ۲۳۱
۴۱۳	(۳۵ : ۲۲)	۱۷۳، ۲۳۱
۴۱۴	(۳۷ : ۲۲)	۲۳۲
۴۱۵	(۴۶ : ۲۲)	۸۳
۴۱۶	(۴۷ : ۲۲)	۱۶
۴۱۷	(۵۴ : ۲۲)	۲۲۷
۴۱۸	(۶۷ : ۲۲)	۲۲۸، ۲۳۲، ۲۳۷
۴۱۹	(۶۸ : ۲۲)	۲۳۳
۴۲۰	(۶۹ : ۲۲)	۲۳۳
۴۲۱	(۷۲ : ۲۲)	۱۵۰
۴۲۲	(۷۴ : ۲۲)	۱۱
۴۲۳	(۷۷ : ۲۲)	۱۰۵
۴۲۴	(۷۸ : ۲۲)	۱۰۵
۲۷۹۲	۲۳-المؤمنون (۱۱۸)	
۴۲۵	(۱۹ : ۲۳)	۱۱۵
۴۲۶	(۴۵ : ۲۳)	۱۰۹
۴۲۷	(۴۶ : ۲۳)	۱۰۹
۴۲۸	(۴۷ : ۲۳)	۱۰۹
۴۲۹	(۵۰ : ۲۳	۲۲۲
۴۳۰	(۵۲ : ۲۳)	۴۹، ۷۹
۴۳۱	(۵۳ : ۲۳)	۴۹، ۷۴
۴۳۲	(۵۴ : ۲۳)	۴۹
۴۳۳	(۵۵ : ۲۳)	۱۳۵
۴۳۴	(۵۶ : ۲۳)	۱۳۵
۴۳۵	(۶۰ : ۲۳)	۱۴۷
۴۳۶	(۶۱ : ۲۳)	۱۳۵
۴۳۷	(۶۶ : ۲۳)	۸۸
۴۳۸	(۶۷ : ۲۳)	۸۸
۴۳۹	(۶۸ : ۲۳)	۸۸
۴۴۰	(۶۹ : ۲۳)	۸۸
۴۴۱	(۷۰ : ۲۳)	۸۸
۴۴۲	(۷۲ : ۲۳)	۲۲۷
۴۴۳	(۷۳ : ۲۳)	۲۲۷
۲۸۵۶	۲۴-النور (۶۴)	
۴۴۴	(۳۱ : ۲۴)	۲۰۹
۴۴۵	(۴۵ : ۲۴)	۳۷
۴۴۶	(۴۶ : ۲۴)	۳۷
۴۴۷	(۵۵ : ۲۴)	۱۳۷، ۲۶۵، ۲۶۱
۲۹۳۳	۲۵-الفرقان (۷۷)	

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۴۴۸	(۶:۲۵)	۹۵
۴۴۹	(۳۰:۲۵)	۴۶
۴۵۰	(۳۱:۲۵)	۴۶
۴۵۱	(۳۲:۲۵)	۴۶، ۷۲
۴۵۲	(۶۳:۲۵)	۲۰۰، ۲۰۱
۴۵۳	(۷۲:۲۵)	۲۰۱
۳۱۶۰	۲۶-الشعرآء (۲۲۷)	
۴۵۴	(۳:۲۶)	۸۰
۴۵۵	(۴:۲۶)	۸۰
۴۵۶	(۲۲:۲۶)	۱۱۰، ۲۱۲
۴۵۷	(۵۷:۲۶)	۱۱۶
۴۵۸	(۵۸:۲۶)	۱۱۶
۴۵۹	(۵۹:۲۶)	۱۱۶
۴۶۰	(۱۳۲:۲۶)	۱۱۶
۴۶۱	(۱۳۳:۲۶)	۱۱۶
۴۶۲	(۱۳۴:۲۶)	۱۱۶
۴۶۳	(۱۴۷:۲۶)	۱۱۶
۴۶۴	(۱۴۸:۲۶)	۱۱۶
۴۶۵	(۲۲۴:۲۶)	۶۴
۴۶۶	(۲۲۵:۲۶)	۶۴
۴۶۷	(۲۲۶:۲۶)	۶۴
۳۲۵۳	۲۷-النمل (۹۳)	
۴۶۸	(۱:۲۷)	۵۷، ۱۶۵
۴۶۹	(۲:۲۷)	۹۰، ۱۶۵
۴۷۰	(۶:۲۷)	۵۴
۴۷۱	(۲۴:۲۷)	۱۰۷
۴۷۲	(۴۶:۲۷)	۱۲۷
۴۷۳	(۶۰:۲۷)	۱۰۲، ۱۹۱
۴۷۴	(۷۷:۲۷)	۹۰
۴۷۵	(۸۹:۲۷)	۱۳۱
۴۷۶	(۹۰:۲۷)	۱۳۱
۳۳۴۱	۲۸-القصص (۸۸)	
۴۷۷	(۲:۲۸)	۵۷
۴۷۸	(۵:۲۸)	۱۸
۴۷۹	(۶:۲۸)	۱۸
۴۸۰	(۳۴:۲۸)	۶۵
۴۸۱	(۴۳:۲۸)	۸۹
۴۸۲	(۴۷:۲۸)	۱۲۵
۴۸۳	(۴۹:۲۸)	۸۹، ۹۱
۴۸۴	(۵۴:۲۸)	۱۲۹

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۴۸۵	(۵۵:۲۸)	۲۰۰
۴۸۶	(۵۸:۲۸)	۱
۴۸۷	(۵۹:۲۸)	۱، ۸۱
۴۸۸	(۶۷:۲۸)	۳۳
۴۸۹	(۶۸:۲۸)	۳۳، ۱۹۱
۴۹۰	(۸۴:۲۸)	۱۲۸
۳۴۱۰	۲۹-العنکبوت (۶۹)	
۴۹۱	(۶:۲۹) ۲-۳	۱۷۳، ۱۸۱، ۱۱۴
۴۹۲	(۱۹:۲۹)	۲۴
۴۹۳	(۲۰:۲۹)	۲۴
۴۹۴	(۲۹:۲۹)	۱۵۰
۴۹۵	(۴۵:۲۹)	۲۰۷، ۲۰۹، ۲۳۰
۴۹۶	(۴۹:۲۹)	۹۴
۴۹۷	(۵۰:۲۹)	۹۴
۴۹۸	(۵۱:۲۹)	۹۰، ۹۴
۴۹۹	(۵۲:۲۹)	۹۴
۵۰۰	(۶۷:۲۹)	۲۱۸
۵۰۱	(۶۹:۲۹)	۲۴۲
۳۴۷۰	۳۰-الرّوم (۶۰)	
۵۰۲	(۹:۳۰)	۳۹، ۷۶
۵۰۳	(۲۷:۳۰)	۲۴
۵۰۴	(۳۰:۳۰)	۴، ۱۰۰، ۶۱
۵۰۵	(۳۶:۳۰)	۱۲۷
۵۰۶	(۴۷:۳۰)	۱۶۶
۳۵۰۴	۳۱-لقمٰن (۳۴)	
۵۰۷	(۲:۳۱)	۵۳
۵۰۸	(۳:۳۱)	۹۰
۵۰۹	(۲۰:۳۱)	۲۱۴
۵۱۰	(۳۱:۳۱)	۲۱۲
۵۱۱	(۳۴:۳۱)	۱۶۲
۳۵۳۴	۳۲-السّجدۃ (۳۰)	
۵۱۲	(۴:۳۲)	۱۴
۵۱۳	(۵:۳۲)	۱۴
۵۱۴	(۶:۳۲)	۱۴
۵۱۵	(۷:۳۲)	۱۴
۵۱۶	(۸:۳۲)	۱۴
۵۱۷	(۹:۳۲)	۱۴
۵۱۸	(۱۳:۳۲)	۱۹۶
۵۱۹	(۱۶:۳۲)	۲۴۶، ۲۶۳

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۵۲۰	(۲۳:۳۲)	۸۹
۵۲۱	(۶۲:۳۲)	۴
۳۶۰۷	۳۳-الاحزاب (۷۳)	
۵۲۲	(۹:۳۳)	۴۲، ۲۱۶
۵۲۳	(۳۳: ۳۷×، ۴۰، ۴۳-۴۳)	۲۱۹×، ۱۳۳
۵۲۴	(۳۳: ۵۶×، ۷۲، ۷۲)	۱۳۲×، ۳۳۲
۳۶۶۱	۳۴-السبا (۵۴)	
۵۲۵	(۱۷:۳۴)	۹۶
۵۲۶	(۲۸:۳۴)	۲۰۴
۵۲۷	(۳۹:۳۴)	۱۰
۳۷۰۶	۳۵-الفاطر (۴۵)	
۵۲۸	(۱:۳۵)	۳۲
۵۲۹	(۳:۳۵)	۲۱۴
۵۳۰	(۱۵:۳۵)	۳۴
۵۳۱	(۱۶:۳۵)	۳۴
۵۳۲	(۱۷:۳۵)	۳۴
۵۳۳	(۲۷:۳۵)	۲۸
۵۳۴	(۳۶:۳۵)	۱۳۶
۵۳۵	(۳۹:۳۵)	۲۶۵
۵۳۶	(۴۳:۳۵)	۱۹۳
۵۳۷	(۴۴:۳۵)	۳۹
۳۷۸۹	۳۶-یٰسٓ (۸۳)	
۵۳۸	(۱:۳۶)	۵۳
۵۳۹	(۲:۳۶)	۵۳
۵۴۰	(۳:۳۶)	۵۳
۵۴۱	(۴:۳۶)	۵۳
۵۴۲	(۳۴:۳۶)	۱۱۵
۵۴۳	(۳۸:۳۶)	۲۳
۵۴۴	(۳۹:۳۶)	۲۳
۵۴۵	(۴۰:۳۶)	۲۳
۵۴۶	(۶۰:۳۶)	۲۲۸
۵۴۷	(۶۱:۳۶)	۲۲۸
۵۴۸	(۶۶:۳۶)	۱۷۳
۵۴۹	(۶۷:۳۶)	۱۷۳
۵۵۰	(۶۹:۳۶)	۶۴
۵۵۱	(۷۰:۳۶)	۶۴
۵۵۲	(۷۷:۳۶)	۱۷۴
۵۵۳	(۷۹:۳۶)	۳۱
۵۵۴	(۸۰:۳۶)	۳۱

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۳۹۷۱	۳۷-الصّٰفّٰت (۱۸۲)	
۵۵۵	(۱۱:۳۷)	۱۵
۵۵۶	(۱۱۳:۳۷)	۲۲۶
۵۵۷	(۱۱۵:۳۷)	۲۲۶
۵۵۸	(۱۱۶:۳۷)	۲۲۶
۵۵۹	(۱۱۷:۳۷)	۲۲۶، ۸۹
۵۶۰	(۱۱۸:۳۷)	۲۲۶
۵۶۱	(۱۱۹:۳۷)	۲۲۶
۵۶۲	(۱۲۰:۳۷)	۲۲۶
۵۶۳	(۱۲۱:۳۷)	۲۲۶
۵۶۴	(۱۲۲:۳۷)	۲۲۶
۵۶۵	(۱۷۱:۳۷)	۱۶۵
۵۶۶	(۱۷۲:۳۷)	۱۶۵
۵۶۷	(۱۷۳:۳۷)	۱۶۵
۴۰۵۹	۳۸-صٓ (۸۸)	
۵۶۸	(۵:۳۸)	۲۱
۵۶۹	(۲۶:۳۸)	۲۳۴
۵۷۰	(۲۹:۳۸)	۵۹
۵۷۱	(۴۵:۳۸)	۲۵۸، ۲۶۰
۵۷۲	(۸۲:۳۸)	۱۹۶
۵۷۳	(۸۳:۳۸)	۱۹۶
۵۷۴	(۸۴:۳۸)	۱۹۶
۵۷۵	(۸۵:۳۸)	۱۹۶
۴۱۳۴	۳۹-الزُّمر (۷۵)	
۵۷۶	(۱:۳۹)	۵۳
۵۷۷	(۲:۳۹)	۱۷۲
۵۷۸	(۳:۳۹)، ق	۱۷۲، ۲۱۰
۵۷۹	(۸:۳۹)	۲۱۴
۵۸۰	(۱۰:۳۹)	۱۵۹
۵۸۱	(۱۱:۳۹)	۱۶۱
۵۸۲	(۱۲:۳۹)	۱۶۱
۵۸۳	(۱۳:۳۹)	۱۶۱
۵۸۴	(۲۷:۳۹)	۵۵، ۱۷۶
۵۸۵	(۲۸:۳۹)	۵۵، ۱۷۶
۵۸۶	(۴۱:۳۹)	۱۲۸
۵۸۷	(۴۹:۳۹)	۱۷۴، ۲۱۳
۵۸۸	(۵۱:۳۹)	۱۲۸
۵۸۹	(۶۳:۳۹)	۱۲۹
۵۹۰	(۷۴:۳۹)	۴۱

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۴۲۱۹	۴۰-المؤمن (۸۵)	
۵۹۱	(۲:۴۰)	۵۳
۵۹۲	(۱۴:۴۰)	۱۹۷
۵۹۳	(۲۱:۴۰)	۳۹
۵۹۴	(۲۲:۴۰)	۹۶
۵۹۵	(۵۱:۴۰)	۱۶۶
۵۹۶	(۵۴:۴۰)	۸۹
۵۹۷	(۵۷:۴۰)	۱۵
۵۹۸	(۶۰:۴۰)	۲۴۸، ۲۵۴
۵۹۹	(۸۲:۴۰)	۳۹
۴۲۷۳	۴۱-حٰمٓ (۵۴)	
۶۰۰	(۳:۴۱)	۵۸
۶۰۱	(۱۸:۴۱)	۱۶۶
۶۰۲	(۳۰:۴۱)	۱۲۶، ۱۶۵
۶۰۳	(۳۱:۴۱)	۱۶۵
۶۰۴	(۳۲:۴۱)	۱۶۵
۶۰۵	(۳۷:۴۱)	۱۰۷
۶۰۶	(۴۲:۴۱)	۵۵
۶۰۷	(۴۴:۴۱)	۹۰
۶۰۸	(۵۱:۴۱)	۲۱۳
۴۳۲۶	۴۲-الشّوریٰ (۵۳)	
۶۰۹	(۳۰:۴۲)	۱۲۵
۶۱۰	(۴۸:۴۲)	۱۲۷
۶۱۱	(۵۱:۴۲)	۱۹۱
۶۱۲	(۵۲:۴۲)	۲۲۷
۴۴۱۵	۴۳-الزّخرف (۸۹)	
۶۱۳	(۳:۴۳)	۵۷، ۶۰
۶۱۴	(۳:۴۳)	۶۰، ۶۶، ۷۷
۶۱۵	(۴:۴۳)	۶۰، ۷۷
۶۱۶	(۵:۴۳)	۶۰، ۷۷
۶۱۷	(۴۳:۴۳)	۲۳۶
۶۱۸	(۵۹:۴۳)	۲۲۱، ۲۲۲
۶۱۹	(۶۰:۴۳)	۱۰، ۱۶
۶۲۰	(۶۱:۴۳)	۲۳۶
۶۲۱	(۶۳:۴۳)	۲۳۵
۶۲۲	(۶۴:۴۳)	۲۳۵
۶۲۳	(۶۵:۴۳)	۲۳۵
۴۴۷۴	۴۴-الدّخان (۵۹)	

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۶۲۴	(۲:۴۴)	۵۷
۶۲۵	(۲۵:۴۴)	۱۱۳، ۲۱۶
۶۲۶	(۲۶:۴۴)	۱۱۶، ۲۱۶
۶۲۷	(۲۷:۴۴)	۱۱۶، ۲۱۶
۶۲۸	(۲۸:۴۴)	۱۱۶
۶۲۹	(۵۸:۴۴)	۵۷، ۶۶
۴۵۱۱	۴۵-الجاثیۃ (۳۷)	
۶۳۰	(۲:۴۵)	۵۳
۶۳۱	(۲۰:۴۵)	۵۸، ۹۰
۴۵۴۶	۴۶-الاحقاف (۳۵)	
۶۳۲	(۲:۴۶)	۵۳
۶۳۳	(۱۲:۴۶)	۸۹، ۹۰
۶۳۴	(۱۵:۴۶)	۲۱۳
۶۳۵	(۳۵:۴۶)	۸، ۸۱
۴۵۸۴	۴۷-محمّد (۳۸)	
۶۳۶	(۳۱:۴۷)	۱۱۸
۶۳۷	(۳۸:۴۷)	۱۰، ۱۸۱
۴۶۱۳	۴۸-الفتح (۲۹)	
	(۱:۴۸)	۲۴۲
۶۳۸	(۲:۴۸)	۲۱۷، ۲۴۲
۶۳۹	(۲۰:۴۸)	۲۳۳
۶۴۰	(۲۷:۴۸)	۱۸۴
۶۴۱	(۲۸:۴۸)	۱۸۴
۶۴۲	(۲۹:۴۸)	۱۹۸
۴۶۳۱	۴۹-الحجرات (۱۸)	
۶۴۳	(۱۰:۴۹)	۱۶۰، ۶۷
۶۴۴	(۱۲:۴۹)	۷۵
۶۴۵	(۱۳:۴۹)	۱۶۰، ۲۳۷
۶۴۶	(۱۵:۴۹)	۱۱۵
۴۶۷۶	۵۰-قٓ (۴۵)	
۵۴۷	(۹:۵۰)	۱۱۵
۵۴۸	(۳۸:۵۰)	۲۵
۴۷۳۶	۵۱-الذّٰریٰت (۶۰)	
۶۴۹	(۵۶:۵۱)	۱۱۸
۶۵۰	(۵۷:۵۱)	۱۱۸

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۴۷۸۵	۵۲-الطّور (۴۹)	
۶۵۱	(۲۹:۵۲)	۸۵
۶۵۲	(۳۰:۵۲)	۷۱، ۸۵
۶۵۳	(۳۱:۵۲)	۸۵
۶۵۴	(۳۳:۵۲)	۷۱
۶۵۵	(۳۴:۵۲)	۷۱
۴۸۴۷	۵۳-النّجم (۶۲)	
۶۵۶	(۱:۵۳)	۲۰
۶۵۷	(۲:۵۳)	۲۰
۶۵۸	(۳:۵۳)	۲۰
۶۵۹	(۴:۵۳)	۲۰
۶۶۰	(۵:۵۳)	۲۰
۶۶۱	(۶:۵۳)	۲۰
۶۶۲	(۷:۵۳)	۲۰
۶۶۳	(۸:۵۳)	۲۰
۶۶۴	(۹:۵۳)	۲۰
۶۶۵	(۱۰:۵۳)	۲۰
۶۶۶	(۱۱:۵۳)	۲۰
۶۶۷	(۱۲:۵۳)	۲۰
۶۶۸	(۲۳:۵۳)	۸۲، ۸۴
۶۶۹	(۲۸:۵۳)	۸۷
۶۷۰	(۲۹:۵۳)	۸۷
۶۷۱	(۳۰:۵۳)	۸۷
۶۷۲	(۳۱:۵۳)	۸۷
۶۷۳	(۳۹:۵۳)	۱۲
۶۷۴	(۶۲:۵۳)	۱۰۷
۴۹۰۲	۵۴-القمر (۵۵)	
۶۷۵	(۱۷:۵۴)	۵۷
۶۷۶	(۲۲:۵۴)	۵۷
۶۷۷	(۲۶:۵۴)	۱۶۲
۶۷۸	(۳۴:۵۴)	۲۱۲
۶۷۹	(۳۵:۵۴)	۲۱۲
۶۸۰	(۴۰:۵۴)	۵۷
۴۹۸۰	۵۵-الرّحمٰن (۷۸)	
۶۸۱	(۶:۵۵)	۱۰۷
۶۸۲	(۱۴:۵۵)	۱۵
۶۸۳	(۲۹:۵۵)	۲۴
۶۸۴	(۵۶:۵۵)	۵۲
۶۸۵	(۷۰:۵۵)	۱۳۶

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۶۸۶	(۷۴:۵۵)	۵۲
۵۰۷۶	۵۶-الواقعة (۹۶)	
۶۸۷	(۱:۵۶)	۸۴
۶۸۸	(۲:۵۶)	۸۴
۶۸۹	(۳:۵۶)	۸۴
۶۹۰	(۲۳:۵۶)	۵۱
۶۹۱	(۶۵:۵۶)	۵۱
۶۹۲	(۷۶:۵۶)	۵۱
۶۹۳	(۷۷:۵۶)	۵۱، ۱۹۹
۶۹۴	(۷۸:۵۶)	۵۱، ۱۹۹
۶۹۵	(۷۹:۵۶)	۵۰، ۵۱، ۵۲، ۱۹۹
۶۹۶	(۸۰:۵۶)	۵۱، ۱۹۹
۶۹۷	(۸۱:۵۶)	۵۱
۶۹۸	(۸۲:۵۶)	۵۱
۶۹۹	(۸۳:۵۶)	۵۱
۷۰۰	(۸۴:۵۶)	۵۱
۷۰۱	(۸۵:۵۶)	۵۱
۵۱۰۵	۵۷-الحدید (۲۹)	
۷۰۲	(۷:۵۷)	۹
۷۰۳	(۱۱:۵۷)	۱۳۷
۷۰۴	(۱۲:۵۷)	۲۷۱
۷۰۵	(۱۸:۵۷)	۱۸۰
۷۰۶	(۲۲:۵۷)	۱۲۵
۷۰۷	(۲۳:۵۷)	۱۲۵
۵۱۲۷	۵۸-المجادلة (۲۲)	
۷۰۸	(۷:۵۸)	۱۴۸
۷۰۹	(۲۲:۵۸)	۱۰۴، ۱۷۹
۵۱۵۱	۵۹-الحشر (۲۴)	
۷۱۰	(۲:۵۹)	۱۵۵
۷۱۱	(۱۳:۵۹)	۱۶۳
۷۱۲	(۱۴:۵۹)	۱۶۳
۷۱۳	(۱۸:۵۹)	۱۶۲
۷۱۴	(۲۳:۵۹)	۱۲۲
۷۱۵	(۲۴:۵۹)	۱۲۲
۵۱۶۴	۶۰-الممتحنة (۱۳)	
۵۱۸۸	۶۱-الصّف (۱۴)	
۷۱۶	(۳:۶۱)	۱۲۸

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۷۱۷	(۸:۶۱)	۱۸۴، ۲۷۱
۷۱۸	(۹:۶۱)	۱۸۲، ۲۱۰
۷۱۹	(۱۰:۶۱)	۱۸۲
۷۲۰	(۱۱:۶۱)	۱۸۲
۷۲۱	(۱۲:۶۱)	۱۸۲
۷۲۲	(۱۳:۶۱)	۱۸۲
۵۱۹۹	۶۲-الجمعة (۱۱)	
۷۲۳	(۲:۶۲)	۵۴
۵۲۱۰	۶۳-المنٰفقین (۱۱)	
۷۲۴	(۷:۶۳)	۱۴۱
۵۲۲۸	۶۴-التّغابن (۱۸)	
۷۲۵	(۱۱:۶۴)	۱۲۶
۷۲۶	(۱۷:۶۴)	۱۳۷
۵۲۴۰	۶۵-الطّلاق (۱۲)	
۵۲۵۲	۶۶-التّحریم (۱۲)	
۷۲۷	(۸:۶۶)	۲۷۱
۷۲۸	(۱۲:۶۶)	۲۲۲
۵۲۸۲	۶۷-الملک (۳۰)	
۷۲۹	(۲:۶۷)	۲۶
۷۳۰	(۱۵:۶۷)	۲۹
۵۳۳۴	۶۸-القلم (۵۲)	
۷۳۱	(۲:۶۸)	۲۱۸
۷۳۲	(۴۹:۶۸)	۲۱۲
۵۳۸۶	۶۹-الحاقّة (۵۲)	
۷۳۳	(۴۱:۶۹)	۷۲
۷۳۴	(۴۲:۶۹)	۷۲
۷۳۵	(۴۳:۶۹)	۷۲
۵۴۳۰	۷۰-المعارج (۴۴)	
۷۳۶	(۴:۷۰)	۱۶
۷۳۷	(۱۹:۷۰)	۲۵۲
۷۳۸	(۲۰:۷۰)	۲۵۲
۷۳۹	(۲۱:۷۰)	۲۵۲
۷۴۰	(۲۲:۷۰)	۲۵۲
۷۴۱	(۲۳:۷۰)	۲۵۲

شمارہ	شمارہ آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۵۴۵۸	۷۱- نوح (۲۸)	
۷۴۲	(۷۱:۱۳)	۱۷
۷۴۳	(۷۱:۱۴)	۱۷
۷۴۴	(۷۱:۱۷)	۱۷
۵۴۸۶	۷۲- الجنّ (۲۸)	
۵۵۰۶	۷۳- المزّمّل (۲۰)	
۷۴۵	(۷۳:۴)	۷۳
۷۴۶	(۷۳:۲۰)	۱۳۸
۵۵۶۲	۷۴- المدّثّر (۵۶)	
۷۴۷	(۷۴:۳)	۲۰۶
۷۴۸	(۷۴:۴)	۲۰۶
۷۴۹	(۷۴:۵)	۲۰۶
۵۶۰۲	۷۵- القیٰمۃ (۴۰)	
۵۶۳۳	۷۶- الدّھر (۳۱)	
۵۶۸۳	۷۷- المرسلٰت (۵۰)	
۷۵۰	(۷۷:۴۸)	۱۰۸
۷۵۱	(۷۷:۴۹)	۱۰۸
۵۷۲۳	۷۸- النّبا (۴۰)	
۵۷۶۹	۷۹- النّٰزعٰت (۴۶)	
۵۸۱۱	۸۰- عبس (۴۲)	
۵۸۴۰	۸۱- التّکویر (۲۹)	
۵۸۵۹	۸۲- الانفطار (۱۹)	
۵۸۹۵	۸۳- التّطفیف (۳۶)	
۵۹۲۰	۸۴- الانشقاق (۲۵)	
۵۹۴۲	۸۵- البروج (۲۲)	

شمارہ	شمارہ آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۵۹۵۹	۸۶- الطّارق (۱۷)	
۵۹۷۸	۸۷- الاعلیٰ (۱۹)	
۶۰۰۴	۸۸- الغاشیۃ (۲۶)	
۶۰۳۴	۸۹- الفجر (۳۰)	
۶۰۵۴	۹۰- البلد (۲۰)	
۶۰۶۹	۹۱- الشّمس (۱۵)	
۶۰۹۰	۹۲- الّیل (۲۱)	
۷۵۲	(۹۲:۱۹)	۲۱۸
۷۵۳	(۹۲:۲۰)	۲۱۸
۶۱۰۱	۹۳- الضّحیٰ (۱۱)	
۷۵۴	(۹۳:۱۱)	۲۱۸
۶۱۰۹	۹۴- الانشراح (۸)	
۶۱۱۷	۹۵- التّین (۸)	
۷۵۵	(۹۵:۴)	۱۲
۷۵۶	(۲۵:۵)	۱۲
۶۱۳۶	۹۶- العلق (۱۹)	
۷۵۷	(۹۶:۴)	۱۷۵
۷۵۸	(۹۶:۵)	۱۷۵
۷۵۹	(۹۶:۶)	۱۷۵
۷۶۰	(۹۶:۷)	۱۷۵
۷۶۱	(۹۶:۸)	۱۷۵
۶۱۴۱	۹۷- القدر (۵)	
۶۱۴۹	۹۸- البیّنۃ (۸)	
۶۱۵۷	۹۹- الزّلزال (۸)	
۶۱۶۸	۱۰۰- العٰدیٰت (۱۱)	

شمارہ	شمارہ آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۶۱۷۹	۱۰۱- القارعۃ (۱۱)	
۶۱۸۷	۱۰۲- التّکاثر (۸)	
۶۱۹۰	۱۰۳- العصر (۳)	
۶۱۹۹	۱۰۴- الھمزۃ (۹)	
۶۲۰۴	۱۰۵- الفیل (۵)	
۶۲۰۸	۱۰۶- القریش (۴)	
۶۲۱۵	۱۰۷- الماعون (۷)	
۷۶۲	(۱۰۷:۴)	۲۵۲
۷۶۳	(۱۰۷:۵)	۲۵۲
۷۶۴	(۱۰۷:۶)	۲۵۲
۷۶۵	(۱۰۷:۷)	۲۵۲
۶۲۱۸	۱۰۸- الکوثر (۳)	
۶۲۲۴	۱۰۹- الکٰفرون (۶)	
۷۶۶	(۱۰۹:۶)	۱۶۱
۶۲۲۷	۱۱۰- النّصر (۳)	
۷۶۷	(۱۱۰:۱)	۱۶۱
۷۶۸	(۱۱۰:۲)	۱۶۱
۷۶۹	(۱۱۰:۳)	۱۶۱
۶۲۳۲	۱۱۱- اللّھب (۵)	
۶۲۳۶	۱۱۲- الاخلاص (۴)	
۶۲۴۱	۱۱۳- الفلق (۵)	
۶۲۴۷	۱۱۴- النّاس (۶)	

تمّت بالخیر

قرآن حکیم کی کل آیات کی تعداد ۶۲۴۷ ہے جن میں سے متذکرہ صدر حساب سے کم و بیش ۷۶۹ مکمل یا پارہ ہائے آیات کی تشریح (گویا تخمیناً قرآن کا آٹھواں حصہ) پہلی جلد میں آچکا ہے۔ عربی افتتاحیہ میں علیٰ ہذا القیاس قریباً ۹۲۶ آیات آچکی ہیں گویا اس حصۂ کتاب میں ہی کتاب الٰہی کے ساتویں حصے کی تشریح ہو گئی ہے۔

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (النحل)

البلاغ المبين

اعنی المقالة

الافتتاحية

البلاغية العربية من كتاب تذكرة الذى صنفه باللغة الهندية

المفتقر الى الله الرحيم الرحمن محمد عناية الله خان المشرقى الهندى بن عطا محمد خان

بن كمال الدين خان المغفور

فى مجلدات عشر لتبيين القرآن العظيم وتشريح حكمته وقانونه وعلمه

بل تشريح ما شرع الله فيه للناس من الدين العملى الذى جاء به كل الانبياء عليهم السلام

المعول عليه لفلاح الانام والمرجوع اليه لاصلاح الاقوام صرفا عن الدين القولى الشرعى النظرى الذى

اشاع به علماء الاسلام الذى يصرفنا عن سبل السلام

وقد بلغت فيها المسلمين المعاصرين المستضعفين الهالكين

بلاغا اخيرا

فى حياتهم ومماتهم واوضحت لهم طريقا يهديهم الى البقاء ويدخلهم فى زمرة الاحياء من قبل ان ياتيهم العذاب

فانه قال

وَحَرَامٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ

سنة ١٣٤٢ هجرى ١٩٢٤ عيسوى

طبعت هذه المقالة بواسطة الشيخ محمد عبد العزيز

[illegible] امرتسر [illegible] وبشرها بادارة الاشاعة [illegible] امرتسر

تہدیہ

الی

اللہ

عزّوجلّ

فاطر السمٰوٰت و الارض و احکم الحاکمین

ربّ انّنی قد جئتک بشیٔ غریب

ممّا اٰتیتنی من لدنک وقلبی وجل انّہ انا الّذی اتیتک

بما لم یات بہ احد وقلبی وجل انّنی راجع الیک لیوم لّا ریب فیہ

فتسئلنی عمّا فعلت فتقبل منّی و اصلح لی فی تدبّری وثبّت بہ فؤادی

واجعل افئدۃ من النّاس تھوی الیہ فیعلموا انّہ الحقّ منک فتخبت لک قلوبھم

ربّ واصلح المسلمین واھدھم بنورک فی ھٰذا کما اصلحتھم وھدیتھم من قبل

فانّھم قوم لّا یعلمون ربّ اخبرتنی انّھم لھالکون من قریب فاتیتھم

بنبأ عظیم من نور ربّ فالّف بینھم وجمّع شملھم واھدھم

الصّراط المستقیم صراط الّذین

انعمت علیھم

غیر المغضوب علیھم ولا الضّآلّین ۝

الحمد لله العظيم * البارئ الفاطر الذی فطر السموٰت والارض فی احسن تنظیم * القادر
المقدّر السمیع البصیر الّذی جعل الشمس والقمر بحسبان * وسخّر ما فی الارض لنفع الانسان *
حمدہ مقدّم علی کلّ امر جامع تهتم به الاعضاء والاذهان * واستعانته حریّ الّا تترک الّا
فی لعنة البغی والعصیان * الملک حقا فما یخلق الّا لیطاع * ومن اطاع فاجره لا یضاع *
منّة من مننه ان خلق الانسان * ذا السمع والبصر والفرقان * فجعله مکین المکان * و
قوّمه علی مخلوق الزمان * وفضّله مع ضعف جسمه علی سائر الحیوان * ذوات القرن و
الاسنان * ثمّ حمله فی البرّ والبحر * وجعله خلیفة الجبل والقعر * والسّهل والصّخر *
وقدّر له حظا من الغلبة والامر * فلمّا کشف الغطاء * وبرزت الاشیاء والاسماء *
اعترف الانسان بانّ علیه نصیبا من دون الحکم والجال من الطّاعة والامتثال بامر
ربّه شدید المحال * والحاکم المتعال * فسبحان الحیّ الّذی لا یموت * وبیده الملکوت *
الّذی اسّس بنیان التّدوین * تدوین الدّین المستقیم * بل تکوین الکون العظیم *

علی الحکم والتسلیم ٭ والتنظم والتنظیم ٭ وعُسر التعبد ویسر الامارة ٭ وحلاوة الحکومة
ومُرّ الطاعة ٭ الذی جعل مع کل یُسر عُسرا ٭ ومع کُل حلاوة مُرّا ٭ الملک العادل
الذی یحکم بین الناس عند التخالف والجدال ٭ ویزن بقسطاس العدل ٭ سوآء علیه
البیض والسود ٭ والنصاری والیهود ٭ والمسلم والهنود ٭ وسائر المخلوق والمولود ٭ الذی
لامبدل لکلماته ٭ ولامصرف لایاته ٭ ولن تجد تبدیلا لحکمه وعادته ٭ وتحویلا
لامره وسُنّته ٭ فتبارک الذی یطاع ولایطیع ٭ ویمال الیه ولایمیل ٭ من لاغایة
لقوته وسلطنه ٭ ولاحدّ لجلاله وبرهانه ٭ مرجع الانام بین رفع وخفض ٭ ومصرف
الاقوام بین بسط وقبض ٭ من هلک من حکمه فقد هلک عن بیّنة ٭ ومن سلم سلم من
اصول مسلمة ٭ مُلک الکون والفساد ٭ وهالک کل باغ وعاد ٭ بارئ الموت والحیات ٭ و
الخبیر بماهوات ٭ الذی من اطاعه فرفع درجاته ٭ ومن عصاه فقد لاقی مماته ٭
احمده لانی لااجد لاحد منا من دونه ملجا ومجیرًا ٭ ولا ولیا ولا نصیرًا ٭ شدید
العقاب ٭ ولی الطول والعذاب ٭ المعز لمن اهتدی ٭ والمذل لمن اعتدی ٭ الذی
یرزق ویسلب ویرفع ویخفض ویقبض ویبسط ویسئل ویجیب لمن اتقی اوطغی
بغیر حساب ٭ احمده لانی اخاف عذاب یوم عظیم للامة التی عصت عن امره وبغت
عن طاعته ثم لم یکن لها من مآب ٭ احمده لانه هدی الانسان صراطه والهمه حیاته
ومماته ٭ وجعل له سمعه وبصره وفؤاده ٭ وبیّن له فطرته وعادته ٭ ثم علی هذا
انزل علیه الکتٰب ٭ الکتٰب الذی جاء به النبیّ العربیّ خاتم الانبیاء الی یوم الحساب ٭
القول الفیصل الذی جُمع فیه روح من امره تعالی ولبّ الالباب ٭ وسر السمٰوٰت والارض
وسر الشباب ٭ وسؤال البقاء والجواب† ٭ وعقدة فریضة الانسان فی الدنیا وحلها

٭ سیاتی تشریح هذا فی کتاب التذکرة فی موضعه ٭

بالصّواب ❁ وحکایۃ الثّواب والعذاب ❁ الّذی تمّت کلمتہ صدقًا وعدلاً ۔ یصدّقہ
ماجری ومایجری نظرًا وعملاً ❁ لامحرّف لاٰیاتہ والفاظہ ۔ ولامحاسب علی وجوبہٖ جوازہٖ
احمدہٗ لانّہ قداکمل دینہ واتمّ برھانہ ۔ ورضی للانسان مااحسن لہٗ ❁ فلاحجّۃ لنا الیوم ۔ و
لاھی یقظۃٌ من النّوم لاحدٍ من القوم ۔ فانّ القول قد وقع ۔ والحکم قد وجب وفرض
فامّا الرّحمۃ والثّواب ۔ او المسکنۃ والعذاب ❁ فالحمد للہ جلیّ البرھان ۔ عظیم السّلطٰن
الرّحیم الرّحمٰن ۔ الّذی علّمنا القراٰن ❁ نساق بہ الاقوام ۔ الی المعاد والمرام ۔ والتمکّن و
القیام ۔ والنّسق والنّظام ۔ وسائر الافضال والاکرام ❁ من اتبعہ عملاً واسلم وجھہٗ
لاحکامہ معنًا واصلاً فجزاؤھم جنّت الارض تجری من تحتھا الانھار ❁ وفی الاٰخرۃ
الجنّۃ الخلد الّتی یرثھا الاخیار والابرار ❁ ومن انکرہ فعلاً دون القول واللّسان واصرّ علی
معصیۃ فاحلّہ اللہ دار البوار ❁ سلبھم ماکان لھم من ملک وفضل فی الدّنیا وطردھم من
الجنّۃ بالاستحقار ❁ فمن اسلم سلم ۔ ومن ابتغی دون ذٰلک وجھاعد مراواھدم ❁ وھٰذا
ھُوَ الْاَصْلُ من اصول الدّین ❁ الدّین المتین الّذی جاء فی الکتٰب المبین ❁ وما ارسل
اللہ بہٖ ختم المرسلین ❁ وصراط ربّک المستقیم بحقّ الیقین ❁ یجتمع فیہ فلاح الدّنیا و
الدّین ۔ ویشتری بہ یسر الحکومۃ بعسر التّسلیم ۔ وطاعۃ من فی الارض بطاعۃ العلیّ
العظیم ۔ ونعمۃ الدّنیا والعقبٰی بالصّراط المستقیم ۔ وجنّت الارض والجنّۃ المقیمۃ علی
رضوان اللہ ولقاء احکم الحٰکمین ❁ فاطر الشّمس والنّجوم ❁ ومالک ماینزّلہ بقدرٍ معلوم ❁
یسئلہ من فی السّمٰوٰت ومن فی الصّین ومن فی الرّوم ❁ فسبحٰن ربّنا ربّ العٰلمین ❁
والصّلوٰۃ والسّلام علٰی محمّدٍ ختم الانبیاء وسیّد العٰلمین ۔ وامام المختیرین والمتّقین
واعظم المقتنین الّذی اتٰنا بقراٰنٍ عظیم ۔ وھدی قومہ الصّراط المستقیم ۔ و

❁ ھٰذا مافرّقت بین ھٰذین اللفظین فی القراٰن وستأتی شھادتہ فی کتاب تذکرۃ علی الصفحۃ ۱۱۵-۱۱۶ تحت المتن ❁

نجاہ من الکرب الالیم * وجعلھم من ورثۃ جنّت النعیم * ومکّنھم فی الارض تمکین المقیم

وبدّل ضعفھم قوّۃ وخوفھم بمقام امین * اُعِدّ للطائعین المسلمین * الّذین یتّبعون

علماً ومعناً ما انزل اللہ من الدّین * ویقولون بہ نستعین * ویمسون ویصبحون معتصمین

بالحبل المتین * ویفعلون ما فعل النبیّ الکریم * علیہ التحیّۃ والتسلیم * الّذی اثنی علیہ

العزیز العلیم * اصلیہ لانّہ اعظم النّاس واعلمھم * واکرمھم عند اللہ واتقٰھم * البطل

الجلیل الّذی فعل فی ھذہ الدّنیا ما لم یفعل احدٌ اصلاً * وسلک سُبُل ربّہ طوعاً وذللاً *

فبعثہ ربّہ مقاماً جلالاً * وجیھاً فی الدّنیا ومأثوراً * وفی الاٰخرۃ ماجوراً ومشکوراً * فالحمد

لمن لا شریک لہ فی الحکم والامر * والسّلام علی من لا مثیل لہٗ فی الطّاعۃ والعمل * للہ الغالب

علی امرہٖ جلّ وعلا * وعلی النّبیّ البالغ فی امرہٖ المجتبیٰ والمصطفیٰ * صلّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ

واصحابہ اجمعین * الیٰ یوم الدّین *

واصلّی علیٰ سائر **الانبیاء** الکرام والاتقیاء العظام * من دون النّبیّ العربی سیّد

الانام * الّذین شرعوا فی اصلاح العوام * وابتدؤا بتعلیم الانام کالانعام * اشرقت بہ الظّلمٰت

وظھرت علینا الصّٰلحٰت البٰقیٰت * وبدت لنا السّیّئات المھلکات * واکتشفت لنا طریقۃ

الحیات والممات * الّذین اصلحوا واحسنوا شاھدین مبشّرین ومنذرین وبیّنوا لنا ما ھوات *

اعلی اللہ مقامھم رفیع الدّرجات * لا افرق بین احدٍ منھم وبین سیّدنا محمّد لانّھم کانوا من

عباد اللہ المخلصین * ورسلہ المصلحین * وخدّامہ المسلمین المکرمین * اجلّۃ الخلق وائمّۃ

العصر * عبادہ ذوی الاید والبصر [†] * الّذین لم یبلغ مقامھم احدٌ من العوام * من العُلماء

الطبعیّین * والحکماء المھندسین * والکبراء السّالفین * حتّی الفضلاء المتکبّرون المعاصرون

الّذین یظنّون انّھم بیّنوا اوّل مرّۃ حقائق الاشیاء * وکشفوا الغطاء * والقوا عنھا الرّدا * و

[†] الاشارۃ الی قولہ تعالیٰ واذکر عبٰدنا ابرٰھیم واسحٰق ویعقوب اولی الایدی والابصار (۳۸: ۴۵) لکونھم اولی قوّۃ وعلم *

جلباب السّر والخفا ❊ فلا اقسم بافاق النّجوم ❊ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ (٥٦:٧٦) ❊ انّ الانبياء قد
بيّنوا فی عهودهم مالم یبیّن احدٌ قطّ فی هذا الزّمان ❊ من وظائف الانسان ❊ ونتائج البغی والطّغیان
وتعبّد ماخلا الرّحمٰن ❊ وعبادة الاوثان والاصنام ❊ واصول بقاء الاقوام ❊ واسباب فناء
الامم ❊ واسلحة اصلاح الشّیم ❊ فالحقّ انّ علم الاشیاء الّذی دوّنه الطّبعیتون وغیرهم
من الحکماء فی زماننا هذا لیس بشیٔ ولا یقابل بالعلم الجلیل الّذی جاء به الانبیاء
فی عهدهم ❊ علمهم قد احاط بعلم حکماءنا الحاضره ❊ واحتوی علی اخبارهم الجاریه ❊ بل
سبق علمنا علی ما نحن علیه اسباقًا تامّة ❊ لانّهم ایضًا اصرّوا فی عصورهم علی تحصیل علم
حقائق الاشیاء ❊ وتدوین خواصّ الاجزاء والاعضاء ❊ من دون اصول الفناء والبقاء ❊ و
اوضحوا النّاس سیاسة المُدن والعمران من دون علم فرائض الانسان ❊ فاصلّی علیهم صلوٰة
الرّجل المتحیّر ❊ واحمدهم بتحسین المرء المتشکّر ❊ لانّهم اصلحوا بال ارضنا وجاءوا بدواء مرضنا
حین لم تکن الارض مشرقة بانوار العلم ❊ ولم یطّلع احد علی سرائر البدن والجسم ❊ ادام الله
اثار اصلاحهم فی الدّنیا واصلح الله امر فلاحهم فی العقبٰی صلواتنا وسلامنا علیهم اجمعین ❊
مخلصین لهم الدّین† ❊

ولا شکّ فی انّ هذه الانبیاء الکرام والهادیّین العظام جاءوا من ربّهم حین
جاءوا **بکتاب واحد** ❊ جامع الاصول والعقائد ❊ وشارح الحقائق والفرائض ❊
الدّین الّذی اشاعوا به فی الارض وشرعوا للنّاس لا بُدّ من کون بناءه علی اساس واحد ❊
جامع النّاس لا فارق‡ ❊ ولا بُدّ من کونه مبنیًّا علی کلمة سواء بین البدو والحضر و
العجم والعرب والشّرق والغرب وساکن الجزیرة ومکین البرّ ❊ مشرّحًا لکل ما یحتاج
الانسان من تشریح النّفع والضّرّ ❊ مفصّلًا لما ینبغی له لبقاء نسله وتقویة جماعته

---

† ای طریقة سلامنا وصلوٰتنا ۱۲ ‡ تذکرہ صفحہ ۱۹۰ ودیباچہ صفحہ ۶۲ - الخ -

وحفظ قوّته ٭ واستخلافه فی الارض واستملاکه قوی الفطرة ٭ واتباعه عادة الله الجاریة

وسنّته تعالی الجاریة ٭ واستعماله اشیاء الطبیعة واجزاءها النافعة العجیبة الغریبة ٭

موضحًا بالخلق الذی یُهتمّ به ویلزم الانسان لاستحصال القوة والامن فی هٰذه الدنیا

دار السّعی والمحن ٭ ولحصول رضوان الله ونعمائه فی الدنیا الی اٰخر الزمن ٭ فما جاء

الانبیاء فی اوقات مختلفة بصُحُفٍ متنوعة مختلفةٍ فی اللسان مشترکة فی البیان

الا لاحیاء العلم الذی کان الانسان علیه فصرف عنه ٭ ولاجراء السّعی المشکور الذی شرع

المتقدّمون من الرّسل له فرغب عنه ٭ وما جاءوا الا لتذکیر بما نسی الانسان من عهده

الی الله تارة اُخری ٭ ولیبیّنوا له مرادًا ما فریضته فی الدّنیا ٭ فوالله ما ابتدع احدٌ من

الانبیاء من دین اصلاً ولکنّ النّاس اختلفوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًا بَیْنَهُمْ (۳: ۱۸)† وَمَا

کَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا (۱۰: ۱۹) وتفرّقوا بزعم تائیدهم رسلهم متبعین بهم ٭

الله اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْکِتٰبَ (۲: ۲۱۳) ٭ شاهدًا علی التوحید والاتحاد ٭ ودلیلاً علی وحدة

المخاطِب والخطاب ٭ ووحدة اصل الانسان ومساواته عند ربّ الحساب ٭ فاختلف

من بینهم الاحزاب ٭ وما جاء الکتٰب الا لِیَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ (۲: ۲۱۳) ٭ وما جاء

الرّسل الا لیحکموا به ولیعدلوا ‡ ویصلحوا بینهم فذهب النّاس الی شقاقٍ وتباب ٭ فاتبعوا

کُتُبهم صرفًا عن سائر الکتب الّتی جاء بها الانبیاء من قبل ومن بعد وتقطعوا امرهم بینهم

حصصًا ٭ وکبّروا اصغائر الامور وصغّروا کبائرها ٭ وحرّفوها معنًا وعملاً ولفظًا ٭ ومسخوا مطالبها

ومقاصدها ٭ وترجموها عن کلام کلامًا ٭ والقوا علیها جلباب الغُلُوّ حسدًا وعصیانًا ٭ واتّخذوا

رسلهم اربابًا ٭ وجعلوا یتوغلون فی حبّهم وتعظیمهم بعید فهم ویعبدون الطّاغوت

---

† وکذا فی قوله تعالی وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًا بَیْنَهُمْ (۴۲: ۱۴) وقوله فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًا بَیْنَهُمْ (۴۵: ۱۷) له ای کتابا واحدا

‡ وکذا فی القراٰن الحکیم فی نبیّنا صلعم: وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ (۴۲: ۱۵) ای استویکم وَلَا حُجَّةَ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَللّٰهُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا (۴۲: ۱۵) ای یوحّدنا وفی شعیب علیه السّلام اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ (۱۱: ۸۸) ای المصالحة بین النّاس کذا فی الاٰیات التی فی غیرهما تدلّ علی ان الانبیاء قد جاءوا للتعدیل بین النّاس والمصالحة لا للتفریق والتحزیب ٭

فما تفرّق الّذين اُوتوا الكتٰب الّا من بعد ما جاءتهم البيّنة ۝ وما اُمروا الّا ليعبدوا اللّٰه (۹۸: ۴-۵)
ربّ الارباب * جامع الاشتات والاحزاب * فمن ذٰلك ظهر الفساد فى البرّ والبحر بما كسبت ايدى
النّاس (۳۰: ۴۱) * من شرّ الوسواس ۵ الخنّاس ۵ الّذى يوسوس فى صدور النّاس (۱۱۴: ۴-۵) *
وتمّت كلمة ربّك لاملئنّ جهنّم من الجنّة والنّاس (۱۱: ۱۱۹) * اشركوا فتفرّقوا فلات
حين مناص * فيا معشر الرّجال! هل لكم من حيلةٍ عن هٰذا الجدال * ومن مفرٍّ عن هٰذا
التّخالف والقتال * وتحوّلكم حالاً عن حال * والقاء انفسكم بايديكم الى التّهلكة والزّوال *
هل لكم من مجال عن ان تنيبوا مرّة اُخرىٰ الىٰ ربّكم شديد المحال * ومن محيص عن ان توبوا اليه
واجمعوا انفسكم علىٰ دين ربّكم من دون اديانكم الشّتّٰى صاحب الحول والجلال * وان تستمسكوا
كلّكم بالذّكر الواحد الّذى احفظ عن التّحريف والزّوال * بالقراٰن المجيد * والفرقان
الحميد * وكتاب اللّٰه الحكيم الرّشيد * لا يأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه تنزيل من
حكيم حميد (۴۱: ۴۲) * فيا ايّها النّاس! هل لكم من كتابٍ غيره تخوضوا فيه وفتشوه وتوّروه
فتعلموا باليقين ما يشاء ربّكم بكم * وما يريد بقومكم * وما مشيئته * وما القانون الّذى يحكم به *
وما وظيفتكم فى الدّنيا * وما بالكم فى العقبىٰ * هل من صحيفةٍ عندكم من دون القراٰن
فتخرجوها لنا تبيّن لكم بلفظه وبعينه ماذا انزل اللّٰه علينا فنعلمه فانّ الصّحف القديمة و
الكتب المقدّسة كلّها قد ترجمت من لسان الىٰ لسانٍ * وبدّلت حالاً عن حالٍ * وغيّرت معنًى
عن معنًى * حتّى مسخها النّاس كلّها * وغاب اصلها * وغوّرت حقيقتها ووحيها * وتبدّلت صورتها
مع امرها ونهيها * فلم يبق منها الّا ما فهم بعض الرّجال عند التّرجمة من مطالبها ومقاصد امورها
المهمّة الّتى بيّن ربّنا لنا فيها * فلا مجال لنا ان ندرك الاٰن ما عنى اللّٰه بنصوصها والفاظها * وما
محلّها ومقامها * بل ما حلالها وحرامها * فتعالوا الى القراٰن العظيم! وخوضوا فيه خوض

ھو سیاتی شرح الجملۃ علیٰ صفحۃ ۱۵ من ھٰذہ الافتتاحیۃ یبیّن لکم ما شرّھم وتفریقھم ولما یوسوسون فی صدور النّاس ۱۲

البصیر العلیم * وتدبروہ واحرثوہ بل تجسسوہ بوساطۃ العلم الجدید الذی یکشف عنکم الضر ویھدیکم الی صراط مستقیم * ویجمع بینکم ویرفعکم ویوحدکم علی اختلافکم الالیم* فاعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا (۳: ۱۰۲) واستمسکوا بعبادۃ الرب من دون عبادۃ الطاغوت الذی یغری بینکم العداوۃ والبغضاء * واللہ یرید ان یجمع بینکم ویحفظکم منہ ومن شرہ ولو شاء اللہ لجعلکم امۃ واحدۃ (۱۶: ۹۳) * وانتم تشاءون ان تضلوا وتقتلوا انفسکم* ولکن یضل من یشاء ویھدی من یشاء (۱۶: ۹۳) * کل حزب بما لدیھم فرحون (۲۳: ۵۳) * ولتسئلن عما کنتم تعملون (۱۶: ۹۳)

واصلی علی السلف من المسلمین المؤمنین الصالحین * الذین اتبعوا الانبیاء الکبراء بحق امکانہم عملاً ومعناً واتبعوھم بعین الیقین * الذین صدقوا ولم یکذبوا ولم یستہزءوا بالدین المتین * واتموا مدۃ قیامھم فی الارض طائعین * وداموا ماداموا فی الارض غالبین * واستاجروا القوم ھم العزۃ والعظمۃ واستداموھا فی الاخرین * وتخلقوا باخلاق اللہ العزیز العظیم * صاحب العزۃ والعظمۃ الذی یرث السموٰت والارض ولا یشرک فی حکمہ احداً (۱۸: ۲۶) من العٰلمین * ولو کان فیھما اٰلھۃ الا اللہ لفسدتا (۲۱: ۲۲) بالیقین * فاطاعوا فوجدوا اجرھم عند ربھم وقالوا الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ واورثنا الارض نتبوا من الجنۃ حیث نشاء فنعم اجر العٰملین (۳۹: ۷۴) * فسلام علی المتقین† * الذین لم یغادروا من الارض قطعاً ولا ملکاً ولا صعیداً ولا جرزاً ولا جبلاً ولا سھلاً ولا براً ولا بحراً ولا مافوق البر وماتحت البحر ومافی جو السماء ومافی جوف الارض الا کانوا علیھا قابضین * وبملکوتھا بحکم خلیفۃ اللہ فی الارض وعلی ارث ممن خلق الانسان منھا ومن

* قد ضل الشارحون ضلالاً بعیداً فی شرح ھذہ الایۃ الشھیرۃ وبتروا معناہ ھٰھنا بالتوکید علی لفظ اللہ - اعنی اللہ یشاء ان یجمع بینکم ویوحدکم وانتم لا تشاءون ھذہ الوحدۃ بغیاً بینکم فانہ لا یدخل مشیتہ فی مشیتکم واخلاقکم لیعذبکم ویسئل عن اعمالکم - فیترشح من ھذہ الایۃ انہ تعالیٰ لا یرضی لعبادہ الاشتات والافتراق بل یرضی ان یکون الناس امۃ واحدۃ لئلا یفسدوا فی الارض - † سیاتی تفسیرھا الاتقاء علی صفحۃ ۳۰۱ - الخ من ھذہ الافتتاحیۃ نبذاً امنہ وعلی صفحۃ ۷۷۱ تحت المتن من کتاب التذکرۃ نبذاً امنہ - فیتبین لکم ان المتقین ھم الذین یرثون الارض فی لغۃ القراٰن +

طين * ويقولون ربنا ما خلقت هذا باطلا (۳: ۱۹۰) وخلق الله السموات والارض بالحق (۲۹: ۴۴)

فاجعل لنا خاصة كل ما خلقت بالحق فى الدنيا وفى يوم الدين * وابعثنا فيها على مقام امين *

ولا تترك لاحد سوانا فى هذه الارض يملك من قشر التين * ولا تشرك فى حكمنا احدا لئلا نكون

من المفسدين * واصلح الارض لنا وللباقين * وطهر الارض من الكافرين * الذين

مثل اعمالهم كرماد اشتدت به الريح فى يوم عاصف لا يقدرون مما كسبوا على شئ (۱۴: ۱۸)

ويفسدون فى الارض ولا يصلحون * والذين يؤمنون بالباطل وبنعمة الله هم يكفرون

(۱۶: ۷۲) * والذين يعرفون نعمت الله ثم ينكرونها واكثرهم الكفرون (۱۶: ۸۳) * واهدنا

الصراط المستقيم ٥ صراط الذين انعمت عليهم ٥ غير المغضوب عليهم ولا الضالين (۱: ۵-۷) *

الضالين الذين امنوا بالباطل وكفروا بالله اولئك هم الخسرون (۲۹: ۵۲) * واعرضوا عن

الحق وصاروا من الاخرين * ومن كان فى هذه اعمى فهو فى الاخرة (۱۷: ۷۲) من العمين *

من المغضوبين الضالين * فسلام على المنعمين المتطوعين * وربما يود الذين كفروا لو

كانوا مسلمين (۱۵: ۲) * اعنى الطائعين الوارثين * الذين يرثون الفردوس يرثون الارض بتمكين

المهين * على رغم العادين والعالين * ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين (۳: ۱۳۹) *

ويا معشر المخلصين المتشرعين المتفرقين الحاضرين ! المتعارفين فى زماننا اهلا بالمسلمين

المؤمنين * الذين يزعمون انهم يتبعون السلف من الصالحين * وانهم على اثارهم لمهتدون *

ويظنون انهم ابناؤا الله وانهم هم المقربون الخاصون من دون العلمين * المغضوبين الضالين *

قد فسدت امور دنياكم وخربت دياركم وهلكت عظمتكم وجلالكم وفقدت اموالكم و

ضاحت بلادكم وذهب الله بنوركم وهدايتكم واهلككم فلم يبق منكم الا حكاياتكم * ودلى

امركم من البوار واثركم من الزوال * صرتم فى الدنيا كالعضو المتعطل * وفى التنادى كالحلق للتحلل

فلا حركة لجسمكم من الموت والنوم * ولا سماع لصريخكم اليوم * ازعمتم انكم تتبعون الاسلاف الاخيار وتقلدونهم * وقد اتتنا انباء المؤمنين الذين خلوا من قبلكم * وقد جاءنا اخبارهم واحوالهم * و اعمالهم وافعالهم فى التاريخ وصلاحية بالهم * وماكان فى هذه الدنيا لهم * وماكان عندهم من العلم والنور ومن معرفة الاراء الصائبة التى دفعوا بها مضرة الاعداء وخلصوا بها من السيئات والمهالك * والمصائب فى النوائب * وما استصانوا بها الرفع مقامهم فى الدنيا نفائس المدن فى عظيم الممالك * وما استملكوا فى هذه الارض من عجائب القدرة وغرائب الطبيعة للاستنفاع و التجارة * وما طبلوا فى الارض طبل لمن الملك اليوم * وماكان فيهم من العصبية و حماية القوم * من الطاعة والعمل والجد والجهد دون القول والنظر * وتصديق ايمانهم بالامتثال بالامر * لا بالتاويل والمكر * واتيانهم الله بقلب سليم * وخوفهم من نار الجحيم * وجهادهم فى الله حق جهاده * واعتصامهم بالله حد امكانه * وتعبدهم ربهم بقلب فرح * و تثبيتهم منه ان الله ما جعل عليهم فى الدين من حرج[†] * ومسابقتهم بانعامات ربهم وتقدمهم الى الخيرات * ومسارعتهم الى ما هوات * واضطرابهم لتحصيل الدرجات * يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ (٥٧: ١٢) وتتبعهم عروس السلطنة تبعكم عبيدكم والاموات[جم آية] ○ فما عبدها الا اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (٤٨: ٢٩) * وَلَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ (٨: ٦٣) * فيا ايها المسلمون المرتسمون المعاصرون! هل انتم الاعلون وهل انتم مؤمنون * فما الاشتراك بينكم وبين المتقدمين المقدمين * لا انتم ما كانوا عليه ولا انتم لها سابقون * ولا انتم مقدمون فى الارض بل انتم ساكنون * بل الى الزوال لراجعون * ولا تسارعون الا الى العذاب المهين * وَالسّٰبِقُوْنَ[*] السّٰبِقُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ○ (٥٦: ١٠-١١) * واولئك هم المؤمنون *

[†] اى على كونه مشكلا لانهم كانوا يفعلون ما امرهم الله بالتثبيت من انفسهم وليرضوا الله وهذا ما عنى الله بقوله وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (٢٢: ٧٨) ولينظر القارى الى صفحة ٣١١ من كتاب التذكرة (تحت المتن) لتصديق هذه المعانى *

[*] السّٰبقون فى لغة القرآن الذين يسعون فى الارض سعيا بليغا ليسبقوا ويستنبقوا انعامات ربهم *

وانتم لاتسبقون فتُسبقون * قد قبحت امور دنیاکم فانتم فی الاخرة ایضاً من المقبوحین * و ضللتم عن الصراط فانتم منه عمون * بل لاتستطیعون * ونسیتم ماکنتم علیه فنسیکم الله فکنتم من المنسیین * وعصیتم فعصی الله عنکم وقد قال لکم کَانَ حَقًّا عَلَیۡنَا نَصۡرُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۝ (۳۰:۴۷) * فاتخذتم مکر الاعتقاد والالفاظ والنظریات والاقوال دون ایمان الافعال والاعمال والاشکال ۔ وصرتم من المؤمنین النظریین المعتقدین ۔ والمسلمین اللفاظین القوالین * فشرعتم فی تاویل حدیث ربکم الی ماشئتم وتسهیل دینکم عن حرج واشکال * و تشریحه من حال الی حال ۔ وترکتم کل ماکان فیه من اشکال العمل وبطؤ الحصول ۔ واتخذتم حکم ربکم سخریا ۔ ودینکم لهوا ولعبا ۔ وبدلتموه قولا ومعنا ۔ وکبرتم صغائر الامور وصغرتم کبائرها عمدا ومکرا ۔ وجعلتم تتوغلون فی دینکم تُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡکِتٰبِ وَتَکۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ (۲:۸۵) تقولون بافواهکم نؤمن به کلا ۔ واخذتم تَجۡعَلُوۡنَهٗ قَرَاطِیۡسَ تُبۡدُوۡنَهَا وَتُخۡفُوۡنَ کَثِیۡرًا (۶:۹۲) منه کالیهود لتخادعوا انفسکم فعلا وعملا * فیاایها الذین زعمتم انکم امنتم لم تقولون بافواهکم مالیس فی قلوبکم و لِمَ تَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ ۝ کَبُرَ مَقۡتًا عِنۡدَ اللّٰهِ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ ۝ (۶۱:۲-۳)* فمکرتم وَمَکَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیۡرُ الۡمٰکِرِیۡنَ ۝ (۳:۵۴) * قَدۡ مَکَرَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَاَتَی اللّٰهُ بُنۡیَانَهُمۡ مِّنَ الۡقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَیۡهِمُ السَّقۡفُ مِنۡ فَوۡقِهِمۡ وَاَتٰهُمُ الۡعَذَابُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَشۡعُرُوۡنَ (۱۶:۲۶) * احسبتم ان تترکوا ان تقولوا امنا وانتم لاتفتنون * ولقد فتن الله الذین من قبلکم فَلَیَعۡلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَلَیَعۡلَمَنَّ الۡکٰذِبِیۡنَ (۲۹:۳) * وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَمَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِیۡنَ ۝ (۲:۸) * اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا یَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ جٰهَدُوۡا مِنۡکُمۡ وَیَعۡلَمَ الصّٰبِرِیۡنَ ۝ (۳:۱۴۲)* فانتم لاتصبرون علی مصیبتکم بل تبصرون * ولاتجتهدون بل تجحدون * وتنظرون و

* الاشارة الی قوله تعالی اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَهُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ ۝ وَلَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَلَیَعۡلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَلَیَعۡلَمَنَّ الۡکٰذِبِیۡنَ ۝ (۲۹:۲-۳) فالحق ان الایمان بالقول لیس بشیٔ عند الله وسیاتی تشریحه فی الصفحات الآتیة ۔

† هذا هو القول الفیصل الذی یصدح منه ان القول من دون العمل لیس بشیٔ عند الله ۔

تقولون ولا تفعلون * مستشهدين بنهاية مكركم على ان القران نهٰكم عن هذه الدنيا و
والاعتنا بها وزخارفها وانتم تريدون الاخرة فهل لكم من خلاقٍ فى الاخرة ان كنتم ههنا من
الاخسرين * وقد اختلقتم هذا الكذب حين الدنيا لم تردكم * ودينكم المحرّف لم يزدكم * حين
بدّل الله مكانكم الحسنة السّيّئة * ولم يغفر لذنوبكم * فجعلتم القران عضين * ومزّقتموه
كل ممزّق وجعلتموه احاديث المكر والرّيا تحرّفون الكلم عن مواضعه لتسكين شهواتكم وانتم
تراءون النّاس وتقتسمون * فتقطّعوا امرهم بينهم زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (۲۳ : ۵۳) *
فبما مالت الدّنيا الى الاوّلين؟ * وبما اشغفوها شغف المتطلّبين؟ * وبما الانت لهم فتغشّوها
تغشّى العاشقين؟ * ولما أرسل الرّسول بالهدٰى ودين اليقين؟ * لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ
كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ؒ (۹ : ۳۳) (۶۱ : ۹) * فلما القتال بالسّيف مع الكفرين؟ * ولما
الجهاد بالمال والانفس * ولما الهجرة * ولما الصّوم والصّلوٰة * ولما الحجّ والزّكوٰة * ولما التّلقين
بالاتّحاد والصّلح * وبطاعة اولى الامر منكم * وبالاعتصام بالله * ولما النّهى عن عبادة الطّاغوت *
والامر بما وصّٰكم به الله مزدوجًا لعلكم تعقلون * فهل هٰذا الا ليغلبكم وليظهركم على اعداء الدّين *
ولما اسوة خلفاءكم الرّاشدين * وسلاطينكم الاوّلين * وشهداءكم المجاهدين * وجنودكم
السّائحين * التى انتم فى التاريخ تقرءون * الا ليصلحوا بالكم فى الدّنيا ولتكونوا من الّذين
لاخوف عليهم ولا هم يحزنون * ولئلّا تكونوا من الخسرين * فى الحيٰوة الدّنيا وتكونوا فى الاخرة
من المكرمين * فهل نُسِخ لكم كلّ الدّين * وكلّ ايات الكتٰب المبين * وما انتم بها من
المكلّفين * وبقى لكم ما بقى من كلمة الشّهادة * ولحى مُتشرّعة * وعمائم متطوّية * وانتظار
الجنّة فانتظروا انّى معكم من المنتظرين * افلهم البنات ولكم البنون؟ * ولكم الجنّة بغير اذى

† اعنى انجعلون لمسلمى القرون الاولى نصيبًا سيّئًا من الجهد العسر العمل وتجعلون لانفسكم اليسر ايمان الاقوال وهٰذا ما عنى الله بقوله وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ (۱۶ : ۵۷ - ۵۸) يعنى يجعلون له حظًّا ناقصًا من السّعى العمل والمال غيرها ولا نفسهم حظًّا معظمًا وطيّبًا وهٰذا ما يفعل المسلمون فى زماننا هٰذا صارفين عن ربّهم +

ولهم فرح ماداموا فی الارض ومالا یطاق به وخسران مبین * "قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ٥ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا * أُولٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا* ذٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيٰتِي وَرُسُلِي هُزُوًا"*(۱۸: ۱۰۳-۱۰۶)* فلِمَ تمکرون مکر الثعلب عنباً * وتقولون ما نبالی الدنیا نقراً * افلیس الله باحکم الحاکمین فی هٰذه الدنیا من دون یوم الدین* وهل یعذّبکم احدٌ من دونه بهٰذا العذاب المهین * فلِمَ تحرّفون دینکم ولا تصلحون * وتقطعون القرآن فتقطّعون ❁

یا حزب المسلمین! ویا زحمة المتشتّتین! المستضعفین فی الارض و العالمین! قد قال الله لکم "فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ" (۸: ۱)* وقد قال لکم "إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ" (۴۹: ۱۰)* فهل انتم تصلحون بین اخویکم وهل انتم مؤمنون * وهل انتم فی السّلک منسلکون *او فی الاخوة شاملون* هل فیکم من النظم والنسق ووحدة الامة والطاعة والمواخاة والموانسة والمعاونة وخوف العذاب وطمع الثواب ورهب الفساد ورغب الصلاح فتکونوا من المؤمنین* هل انتم تطیعون اولی الامر منکم ‡ وتردّون نزاعکم الی الله ان تنازعتم فی شیٔ والله یامرکم به اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ (۴: ۵۹)* بل هل لکم الامیر والجماعة * هل لکم من امر او امیر او امارة * بل هل من امر من شیٔ ومن جمع من شیٔ * ومن نظم * ومن صورة *تُقذفون فی الارض کالاناء المکسور * وتنتشرون کالهباء المنثور *فکیف لا یؤاخذکم الله ولا یحاسبکم بها ان کنتم من المفسدین *اعمالکم کرماد

---

† فیصدق من هٰذه الآیات انه من خاب سعیه وحبط عمله ولم یقدر مما کسب علی شیٔ فی هٰذه الدنیا فهم الذین کفروا وهم الذین لا یجدون فی الآخرة الا الخسران فالنصرة والفتح والغلبة هی الاعلام لفلاح الآخرة عند الله والذین یحسبون انهم یحسنون صنعاً علی ضعفهم وخوفهم من الاعداء ولا یجهدون ان یغلبوا فی الارض فهم یکیدون انفسهم کیداً عظیماً • وهم الذین یکفرون بالله حقاً کما قال الله عزوجل مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَىٰ شَيْءٍ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ٥ (۱۴: ۱۸) (کما یاتی علی صفحة ۱۳-۱۴ من هٰذه الافتتاحیة) فالنظم والنسق والجهد العمل لحصول الغلبة هی ما یوافق بالایمان وما ینافی الکفر. فتدبر. ‡ الاشارة الی قوله تعالی يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ٥ (۴: ۵۹)+

اشتدت به الريح في يوم عاصف (١٤ : ١٨) لا تقدرون مما كسبتم على شيء بكفركم فهل انتم تفعلون الا ما يفعل الكفرون * وقد نبهكم الله: وان هذه امتكم امة واحدة وانا ربكم فاتقون (٢٣ : ٥٢) * فهل فيكم من الاتقاء من شيء وهل انتم متقون * فاختلقتم مذاهب و شرائع و مسالك وطرائق عاما بعد عام وقرنا بعد قرن في دينكم الذي رضي الله لكم وتتبعتم آراء علمائكم وقياسات كبرائكم وظنون جهلائكم وسفهائكم . متصرفا كل واحد منكم عن الذي اشار الله والرسول اليه من وحدة امتكم . وخلقتم افكا بعد افك واخترعتم جمعا بعد جمع اتباعا لصلحائكم الذين ما قالوا لكم ان تتبعوهم وابدعتم مللا ونحلا حسدا وبغيا بينكم . واتخذتم احباركم ورهبانكم واصفيائكم واوليائكم واهل الغرض منكم واهالي الشر منكم اربابا من دون الله* . واخذتم تعبدونهم ليقربوكم الى الله زلفى . ولتبتغوا اليه الوسيلة . ولتتخذوا امصانعكم في الجنة . ولتعلموا الغيب منهم . وليشفعوا لكم . وليقضوا حاجاتكم . ويرفعوا درجاتكم . وانما امرتم ان تعبدوا الله مخلصين له الدين . لتعتصموا بالحبل المتين * وقد قال الله لكم انه لا يعلم من في السموت والارض الغيب الا الله (٢٧ : ٦٥) * وقل انما الغيب لله (١٠ : ٢٠) * ولا يشرك في حكمه احدا (١٨ : ٢٦) * وعلم الغيب فلا يظهر على غيبه احدا (٧٢ : ٢٦) * الا من ارتضى من رسول (٧٢ : ٢٧) * وقد قال الله لرسوله قل لله الشفاعة جميعا (٣٩ : ٤٤) * ولا تنفع الشفاعة عنده الا لمن اذن له (٣٤ : ٢٣) * وقد قال له قل اني لا املك لكم ضرا ولا رشدا (٧٢ : ٢١) * بل ما ادري ما يفعل بي ولا بكم (٤٦ : ٩) * ولو كنت اعلم الغيب لاستكثرت من الخير (٧ : ١٨٨) * ولا املك لنفسي ضرا ولا نفعا (١٠ : ٤٩) * فائتوني بشهادة على ان اوليائكم وكبرائكم خير من الرسول او من رسل او اقرب منه عند الله ان انتم لهم عابدون * فقبحا لكم وترحا هل عندكم من سلطن لكل هذا الاختلاق و

* فيصدر من هذه الاية ان وحدة الامة هو الاتقاء والذي يتقي ربه حق تقته فهو يوحد بين الناس . والذي يصلح بين الناس يتقيه بالحق . وهذا فرع من فروع الاتقاء بل فرع مهم منها كما يأتي . * الاشارة الى قوله تعالى في اليهود اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا من دون الله والمسيح ابن مريم وما امروا الا ليعبدوا الها واحدا . لا اله الا هو سبحنه عما يشركون (٩ : ٣١)

الاختلاف فی الدین ان کنتم صٰدقین ٭ وقد قال اللہ لکم اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ کَبُرَ
عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَیْهِ (۴۲: ۱۳) فانّ المشرکین لا یزالون مختلفین ٭ وقد قال اللہ لکم
ان لَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ (۳۰: ۳۱-۳۲) ٭
فقد کبر علیکم الاتّحاد ورضیتم بالشّتت والافتراق ٭ وشرعتم فی التّباین والشّقاق ٭ ومردتم علی البغی
والنّفاق ٭ بعد ان اَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا [†] ٭ فهل لکم من محیص عن ان اصبحتم بالحق من المشرکین ٭
فلذلک ظهر اللہ بعذابه وفار التّنّور ! ٭ وتزخّرت البحور ! ٭ وزلزلت الانهار من غیظه وغضبه ! ٭
وجاشت بحور غیرته وعزّته ! ٭ فقیل للارض اطروی وللسّماء اسقطی علی هذا القوم لانّهم من المشرکین
الکفّار ! ٭ فالملٰئکة ینزلون فی کلّ مکان یضربون وجوهنا والادبار ٭ لانّکم صرتم مرّة اخرٰی
علی شفا حفرة مّن نّار [†] ٭ وصرتم فی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ [†] ٭ واتّخذتم الٰهتکم رهبانکم والاحبار ٭
واخیارکم والابرار ٭ واتّخذتم اربابًا لکم شیاطین الانس والاشرار ٭ واتّبعتم طواغیتکم الذین
اتوکم من بین ایدیکم ومن خلفکم وعن ایمانکم وعن شمائلکم لیضلّوکم عن اللہ القادر الجبّار ٭ وانتم
تظنّون انّهم اغنیاء عنکم لانّهم کانوا یکنّون ویجنّون [‡] انفسهم فی بطون حجراتهم مسبّحین ومصلّین
بالاستغفار ٭ معشر الجنّ الّذین استکثر کلّ واحد منهم [۱۰] من الانس لیقطّعوکم ویضعفوکم فتفشلوا
وتذهب ریحکم ولیحلّوکم دار البوار ٭ فیا للعذاب ! ویا للعار ! الیوم تعذّبون بشرککم الشّرک
الّذی لا یغفر اللہ لاحد من النّاس ویغفر ما دون ذٰلک لمن یشاء لانّه رحیم غفّار ٭ یؤاخذکم
بشرککم الظّلم العظیم [۱۱] الّذی من لبس ایمانه به فلا امن لهم فی الدّنیا ولا قرار ٭ ومن دونها
جهنّم وبئس القرار ٭ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (۱۲: ۳۹) ٭ فتخرّبون وتضربون وتضرّون

[†] الاشارة الی قوله عزّ وجلّ وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْهَا ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ (۳: ۱۰۳)۔ والی قوله اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِیْرًا (۴: ۱۴۵)

[‡] ولذلک سمّاهم الجنّ فی القراٰن ۔ فالّذین یهدون النّاس بامرهم هم الجنّة فی لغته ۔ وکبراء الخلق هم الجنّة لانّهم (البقیة تاتی علی صفحة ۱۶)

[۱۰] الاشارة الی قوله تعالی یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَکْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ (۶: ۱۲۹) [۱۱] الاشارة الی قوله تعالی یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (۳۱: ۱۳)
والی قوله اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (۶: ۸۳) ۔

وتجأرون وتقذفون وتطردون فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوا أَيْدِيهِمْ تتوفّكم أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ

الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ (٦: ٩٣) ✻

فلا يقضى عليكم فتموتوا ولا يخفف عنكم العذاب لانكم اصررتم على ما كنتم تفعلون ✻ فلا أُصلّي

عليكم اليوم ولا استغفر لكم فان استغفر لكم سبعين مرة فلن يغفر الله لكم ولا انتم حريّون به و

الله لا يهدى القوم المشركين ✻ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (٩: ٨٢) ✻

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِن دُونِي أَوْلِيَاءَ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا (١٨: ١٠٢)

وإِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ (٧: ٢٧) ✻ فمثلكم كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِن تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ

أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَث (٧: ١٧٦) الا تحسّون اصلاً ما يفعل الله بكم ✻ وعباده اولو باس يلكدونكم بنعالكم

ترهقكم ذلّة ما لكم من الله من عاصم كانما اغشيت وجوهكم قطعًا من الليل مظلمًا ذلك مثل القوم

الذين لبسوا ايمانهم بظلم وصاروا من المشركين ✻ فهل لكم من محيص عن جنود ربكم اليوم التى

كنتم تكفرون بها وكنتم بها تستهزءون ✻ وهل انتم بخارجين من هذه النار ولو انتم تشتهون ✻

وهل لكم من مستغاث بما كنتم تعبدون ✻ فَأَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ (٢٨: ٦٢) ✻ ائتوا

باصفيائكم واوليائكم الذين كنتم تظنّون بهم ظنونا وجئتكم وشيطينكم الذين كانوا يوحون اليكم

لتطيعوهم فليستجمعوا لكم ويشاوروا فيكم ويشفعوا لكم عند ربكم ويقرّبوكم الى الله ويقولوا ربنا

لا تؤاخذ هذه الامة فانهم عبادنا وانما نحن من عبادك الصّلحين ✻ لا تهلكهم بما فعل الصّلحاء

منّا وما فعلنا الا لنقرّبهم اليك ولنصلح بين اخواننا وليبتغوا اليك وسيلة منّا فان تعذّبهم

فعذّبنا واعف عنهم فانهم عباد عبادك وان تغفر لهم نكن من الشّكرين ✻ فاليوم ادعوهم بزفيركم و

(البقية من صفحه ١٥) يجنّون انفسهم من النّاس لكونهم هداتهم وسادتهم + وكلّ القرآن يشهد على انّ الله عنى بالجنّ هذا القوم + وانما ترون تجدون هذين الفريقين من النّاس احدٌ يطيعون واخر يطاعون + احدٌ يتّبعون من خاصّة النّاس واخر يتّبعون من عامتهم + فالاول سمّاهم الله الجنّ والاخر سمّاهم الانس كما قال تعالى فيهم إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُم بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ (٢: ١٦٦-١٦٧) وفى موضع اخر قال يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَا لَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَا ۝ وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا ۝ رَبَّنَا آتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا (٣٣: ٦٦-٦٨) ولينظر القارى على صفحة ٩٧ - الخ من هذه الافتتاحية للتّصدّق المزيد

شهيقكم وابكوا بدموع فائضة على خراب بلادكم وفساد احوالكم وذهاب اموالكم واشكوا
اليهم ضعف قوتكم وقلت حيلتكم وفقدان حكمكم وفساد امركم فى الدنيا فليستجيبوا لكم
وليخلصوكم من هٰذه المصيبة ان كانوا قادرين * فلا يستجيبون لكم الا انهم يكفرون بعبادتكم
كلا ويقولون مَا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ (٢٨:١٠) * ولم تقل لكم ان تعبدونا ان عبدتم ومانحن
بماخوذين بما فعل الجٰهلون * وما انتم الا انكم تكفرون بعبادتهم وتقولون ما نعبدهم
بل نتبعهم دينًا ومسلكًا ان الله جعلهم حفظين علينا وهاديين لنا وما اختلفنا بل ستحكم
ديننا ولنستقم الى اسلامنا ولندخل الجنة مستمسكين باذيال اولياءنا * ولعل الله يفتح
ابواب السماء لنا * وكل هٰذا اجاز الله لنا * وما اختلاف امتنا الا رحمة لنا† * فما نعبد الا الله و
لا نشرك به فى القول شيئًا وما نحن الا من الموحدين * فلن يقبل منكم هٰذا المكر
فانكم تعبدونهم بالحق عملًا ومعنًا وتتخذونهم اربابًا والهة وتفعلون ما يامرونكم من دون
ما يامركم الله فما الله بغافل عن عبادتكم وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (٣: ٩٨) * فوالله لا تفتح
لكم ابواب السماء ولا تدخلون الجنة حتى يلج الجمل فى سم الخياط فانكم كذبتم بايات الله و
استكبرتم عنها‡ وذالك جزاء المجرمين* وسعيتم فى ايات الله معجزين§ * معاندين عليها بينكم
مستضعفين بعضكم بعضًا مظاهرين ومعاونين على الاثم والعدوان والشت الاليم *
وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِى الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ (٣٤: ٣٨) * افلم يقل ربكم لكم
وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (٣: ١٠٤) *
فلا حجة لكم اليوم فانكم اشركتم فقد فلم وظلمتم انفسكم فضربت عليكم الذلة والمسكنة

---

† هٰذا مما اخترع المسلمون من احاديث نبينا صلعم ولا شك فى الله من اشر الاحاديث فان المسلمين يعوذون به ويستشهدون منه فى ثنائهم اذا تصاروا شيئًا نظرًا اليه ولا يخافون ان الافتراق والاشتات هو الذى يدمرهم ويهلكهم *

‡ الاشارة الى قوله تعالى اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِىْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ ۝ (٧: ٤٠-٤١) *

§ اعنى سعيتم ان تجعلوا ايات الله لتعاجزوا بينكم ولتضعفوا بعضكم بعضًا ١٢

وبئتم بغضب من الله فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم† ذٰلکم خیر لکم لوکنتم تعلمون ❊ وان لم تفعلوا فاعلموا ان عذاب الاٰخرة هواشق من هذا العذاب واتقوا النار التی اُعدت للمشرکین ❊ وَلَوْ شَاۤءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً (۱۱: ۱۱۸) ووحدهم بوحدة الٰهھم و بتوحیدہ والنّاس یشاۤءون ان یفرّقوا بالشرك وعبادة الجنّ ولذالك لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ (۱۱: ۱۱۸) • فمایشاۤء النّاس اصلًا مایشاۤء الله بهم اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ (۱۱: ۱۱۹) وماخلق الله الجنّ والانس الّا لیعبدوہ فیکونوا امّة واحدة بتعبده وعبادته وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ (۱۱: ۱۱۹) • فما الاتّحاد الّا فطرة الله التی فطر النّاس علیها لوکنتم تعلمون ❊ فالطّاغوت لایزال یغری بینهم العداوة والبغضاۤء ویزید الاشتات والافتراق بین احزابهم و شیاطین الانس من الاشرار والجنة لایزالون یستکثرون من النّاس لیصلحوا بال انفسهم فی الدّنیا ولیخرّبوهم ویقطّعوهم فیکونوا علی شفا حفرة من النّار وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ‡ (۱۱: ۱۱۹) ❊

یا معشر المتوحّدین ویا محفل الیحادین المنتشرین: الموحّدون فی القول والمشرکون فی العمل بربّ العٰلمین ❊ ازعمتم انّکم لاتعبدون الّا الله ولاتشرکون به شیئًا ولایتّخذ احدٌ منکم اربابًا من دون الله • فقفوا اثبّت لکم انّکم بالحق من المشرکین ❊ لاشكّ فی اقرارکم بافواهکم بالله وبتوحیدہ ودعوتکم لیلًا ونهارًا باسمائه • وتکرار صفاته فی صلوٰتکم کرّة ومرّة • ولاشك فی مکر خوفکم من کلمات الکفر المضرّة • وفی شهادتکم بالسنتکم علی کونه تعالٰی واحدًا وفی اعترافکم لسانًا بکونه شاهدًا وحاضرًا وناظرًا • ولٰکن اشكّ فی ما انتم تعملون ❊ لاقول لنا فی اقوالکم ولاحجّة لنا فی ما نصف السنتکم وافواهکم وما

† الاشارة الی قوله تعالٰی وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (۲: ۵۴) ومعنٰی تُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ هو ان تُوْبُوْا وان لم تفعلوا فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ‡ وقد بیّنت ههنا معنٰی هذه الاٰیة الشهیرة التی ضلّ الشارحون ضلالًا بعیدًا فی تشریح معانیها فیصدق منها ان الله خلق الجنّ (ای کبراۤء الخلق) والانس (ای العامّة من النّاس) للاتحاد والمصالحة لا للتفریق والتخریب +

یظہر من کلامکم واقوالکم ولکن انبئونی بما فی قلوبکم ان کنتم من الصّٰدقین ❋
اشرحوا صدورکم وبیّنوالی ما انتم فی القلب مستترون ❋ فما ھٰذِہِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَھَا
عٰکِفُوْنَ (۵۲:۲۱) ❋ وما الاوثان التی انتم فی صدورکم مزیّنون ❋ تثنون صدورکم
لتخفوھا منّا وانتم فی الحق لممترون ماتریدون ان تسرّوا فی قلوبکم ماکرین ❋ فما ھٰذا
الحبّ لاولادکم التی انتم بھا تعتنون ❋ وما شغفکم ببنیکم وبناتکم ٭ وما وثن حبّکم
ھٰذا الی اموالکم وانفسکم وصنم تغشیتکم ازواجکم وعشیرتکم وآلہ رغبتکم الی الآباء
وامّھاتکم ٭ وما ھٰذا الولع بالمال والاشتغال بالنّسآء والرجال عن الرّب المتعال ٭ و
استیثارکم علی ربکم نفائس الاشیاء ومعظم الاموال ٭ وما وثن حبّکم للقناطیر المُقَنْطَرَۃِ
مِنَ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَۃِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ (۳:۱۳) واقطاع الارض ونفائس
الطرث[†] ٭ وما صنم اشتہائکم الی الاطعمۃ اللذیذۃ ٭ والہ اشیائکم النفیسۃ ٭ ووثن شہواتکم
المرضیّۃ ٭ وبعل ھوآئکم النفسیّۃ ٭ وما لات حبّکم الحیٰوۃ الدّنیا ٭ ومنوۃ عشقکم بالاعمال العاجلۃ
ویغوث بخلکم بالمال ٭ وودّ شغفکم بالجمال ٭ وھبل جیفۃ الدّنیا ٭ وعزّی العزّۃ التابعۃ
الاُخریٰ ٭ والاٰخرون من اصنام الملاھی والملاعب ما سواھا ونستثنی ٭ مالا تعدّ ولا تحصیٰ ❋ فلا
تنبئونی بما انتم تعبدون فی قلوبکم ولکن بیّنوالی ما انتم لا تعبدون ❋ من دون اللہ الٰھکم بحق الیقین
افحبّکم بالاموال لربّ العٰلمین ❋ وبالاولاد لاعلآء الدّین المتین ❋ وبالشّہوات
لابتغاء وجہ العزیز الحکیم ❋ وبالاھوآء لحصول رضوانہ العلیّ العظیم ❋ اتطیعونہ کما
تطیعون اولادکم الاقربین ٭ فی الشّفاء وحین یمرضون ❋ ام انتم تجاھدون فی اللہ
کجہادکم فی البنین ٭ وسعیکم لاولی الارحام الاٰخرین ٭ باللّیل وبالنّھار مبیتین ومصبحین ❋
افلا تعبدون حکّامکم المکرمین المنعمین ٭ وتدعونھم رغبًا ورھبًا لھم خٰشعین ٭ وتعرضون

[†] ای مساکن طیّبۃ ٭

علیہم صفّا رُکّعًا سُجّدًا کالمجرمین المقبوحین ۰ مدھشین مستغفرین من الذل فی الاصفاد مقرنین ٭ الذین بعث اللّٰہ علیکم لیعذبکم ولتکونوا من المدحرین ٭ عبادًا لہ اولو باس شدید اعدّھم اللّٰہ لیقطعوا دابرکم ولیخرّبوا دیارکم وبلادکم والباقین ٭ فقذف اللّٰہ فی قلوبکم الرّعب منھم فانتم لھم عابدون ٭ مستمسکین بھم ولولا تنتھون ٭ افانتم تخشونہ کما قال خشیتکم منھم وتعبدونہ معشارما تعبدونھم واللّٰہ احق ان تخشوہ ان کنتم مؤمنین ۰ (۹ : ۱۳) ٭ فبشّر المنٰفقین بانّ لھم عذابًا الیمًا ۰ الّذین یتّخذون الکٰفرین اولیاء من دون المؤمنین ط ایبتغون عندھم العزّۃ فانّ العزّۃ للّٰہ جمیعًا ۰ (۴ : ۱۳۸-۱۳۹) ٭ الّذین اتّخذوا من دون اللّٰہ اٰلھۃ لیکونوا لھم عزًّا ۰ (۱۹ : ۸۱) ٭ کلّا سیقطعون دابرکم ویقطعون اسبابکم ویکونون علیکم ضدًّا ٭ افانتم تؤمنون باللّٰہ وتحبّونہ ام تحبّون حکّامکم المعبودین ۰ واولادکم المخدومین ۰ واھواءکم و اموالکم وانفسکم الاعزّۃ ونساءکم وابناءکم المکرمین ٭ وقد قال اللّٰہ لکم یاایّھا الّذین اٰمنوا انّ من ازواجکم واولادکم عدوًّا لّکم فاحذروھم (۶۴ : ۱۴) واعلموا انّما اموالکم واولادکم فتنۃ وّانّ اللّٰہ عندہ اجر عظیم ۰ (۸ : ۲۸) ٭ فما شغفکم بھذہ وبالاصنام الباقین من ثلثمائۃ وستّین اویزیدون التی انتم فی کعبۃ قلبکم مزیّنون ٭ وبما ادّعاءکم بالایمان بعد ھذا التزئین ٭ فالّذین اٰمنوا اشدّ حبًّا للّٰہ (۲ : ۱۶۵) ولا یدخلون فی جوف قلوبھم احدًا من العٰلمین ٭ ومن النّاس من یّتّخذ من دون اللّٰہ اندادًا یّحبّونھم کحبّ اللّٰہ (۲ : ۱۶۵) فما ھذہ الاوثان والارباب لا انداد کم بالیقین ۰ من دون اللّٰہ الٰہ العٰلمین ۰ الٰہ واحد لا الٰہ الّا ھو لئلّا تکون للنّاس حجّۃ بعد العذاب ان کانوا غافلین ۰ ربّ السّمٰوٰت والارض احکم الحاکمین ۰ ولو کان فیھما اٰلھۃ الّا اللّٰہ لفسدتا ۰ فسبحٰن اللّٰہ ربّ العرش عمّا یصفون ۰ (۲۱ : ۲۲) ٭ فاتّخذتم اٰلھۃ من دونہ فافسد اللّٰہ امرکم فی الدّنیا وجعل عالیکم سافلکم ودمّر اھلیکم حقًّا علیہ یفسد المفسدین ٭ وقضی اللّٰہ علی تخریب بالکم

فی العقبیٰ انه انقم الناقمین * فلا تشرکوا باللہ اِنَّ الشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِيۡمٌ (۱۳:۳۱) * وانهٗ لعلم للفساد المقیم * ودلیل علی العذاب الالیم * وانهٗ لحسرة علی الظلمین * یستدرجهم من حیث لا یعلمون * یفرقهم ویقطعهم فما یشتغل احدٌ الا بالٰهه صرفاً عن الباقین * و یمزقهم کل ممزق فیتخطفهم الناس عن کل مکانٍ امین * وَمَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخۡطَفُهُ الطَّيۡرُ اَوۡ تَهۡوِىۡ بِهِ الرِّيۡحُ فِىۡ مَكَانٍ سَحِيۡقٍ (۳۱:۲۲) فَلَا عُدۡوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ (۱۹۳:۲) * اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ يَلۡبِسُوۡۤا اِيۡمَانَهُمۡ بِظُلۡمٍ اُولٰۤئِكَ لَهُمُ الۡاَمۡنُ وَهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ (۸۳:۶) * فیا ایها المشرکون الظلمون المعاصرون! ءانتم بالتوحید تدعون * وانتم علی اللہ مفترون * وعلی اسلامکم تمنون * افلیس اللہ بعالم ما تسرون وما تعلنون * اما هو بخبیر بما تبدون وما انتم تکتمون * اولا هو یحول بین المرء وقلبه ویعلم ما فی قلوبکم وما تظهرون * افلیس اللہ باعلم العلمین * واحکم الحاکمین * وامکر الماکرین * فتقولون بافواهکم ما لیس فی قلوبکم وتصف السنتکم الکذب وتشهد علی ایمانکم وتوحیدکم ایدیکم وارجلکم شاهدة علی ما فی صدورکم من الهتکم التی انتم لها تسجدون * والتی انتم بها مکلفون * فانکم تفعلون ما یامرونکم لیلاً ونهاراً وما انتم بفاعلین ما یامرکم رب العلمین * فیحسرة علی المسلمین! عبدة الاصنام المعاصرین * ما تاتیهم من شهادة شرکهم الا کانوا بها کافرین * ویقولون انما نحن نعبده ولا نشرك به شیئاً ونحن علی ذلك من الشهدین * ما قوالنا والسنتنا وصلواتنا وکلماتنا ولحانا وعمائمنا الٰهنا الله واحدٌ وما نحن بماخوذین بما **نفعل** بل بما **نقول** من کلمات الکفر وبما نحن فی اللہ قائلون * بل اللہ کلفنا بالقول وقال لنبیه قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (۱:۱۱۲) فما نحن بصارفین عما جاء فی الکتب المبین * فالیوم طائرکم معکم وتشهد علی ایمانکم احوالکم السیئة فلم یعذبکم اللہ بذنوبکم ان کنتم من الموحدین المؤمنین * اَللّٰهُ وَلِىُّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا يُخۡرِجُهُمۡ

(٢: ٢٥٧) مّن ظُلُمٰتِ الخوف والحزن الى نور الغلبة والامن اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۚ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۚ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ۚ لَاتَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۚ (١٠: ٦٢-٦٤)* فلهم فى الدنيا مايشاءون ومايشتهون* ومابشركم فى هذه الحيٰوة ايها القائلون الجاهلون ! الاٰن تخذلون وتعذبون بالعذاب الاليم* فالقول ليس بشئ عنده لانكم تقولون مالا تفعلون* وما الشرك الّا فى العمل ومايريد الله منكم من شئ الاّ ان لاتسلموا وجوهكم لغيره ان كنتم اياه تفرّون* وقد قال الله وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ† (٥١: ٥٦)* فما العبادة الّا ان تفعلوا ما انتم به تؤمرون * وان لاتطيعوا من دونه شيئًا ولا تصنموه ولاتشركوا به مالم ينزل به من سلطن مبين * وان كان الشرك سجودكم للاوثان الحجرة خاصة من دون سائر الالهة فما نهٰكم الله عن اهوائكم ولذاتكم وشهواتكم التى تشغلكم عن ربكم ولقال لنبيه اتق الحجارة واتخذ من دونها ماشئت سكينة لقلبك لان الحجارة هى المعبودون الذين يغيظوننى اشد غيظا فلاتشرك بى حجرًا ولا بعبادتهم تكفرن* وان لم يكسر رسولكم فى عهده وثنا من اوثان قلوبكم الباطنة سوى الاصنام الحجرة الظاهرة من ثلثمائة وستين التى كانت تخدم فى جوف الكعبة وان كان هذا مبلغ سعيه ومعظم دينه و اشد جهاده فى الاسلام فوالله لا اجد كرهذه الحكاية المهمة فى الكتب المبين* بل اوثانكم معكم وفى قلوبكم وتجيئكم عن ايمانكم وعن يساركم لترغبكم عن ربكم وتنهٰكم عن طاعته وعبادته وخوفه وتمنعكم عن كل مايصلح بالكم ومايوحدكم ويقويكم فلذلك منعكم الله عن الشرك وهذا ماكسر رسولكم فى عهده كسرة تامة لوكنتم تعلمون* افتزعمون انكم تعبدون ربكم بصلواتكم والحق انكم لاتعبدون الا انفسكم ولاتخدمون* فوالله ما اشتغل الهنود باصنامهم الظاهرة الحجرة قط مثل مااشغلكم اصنامكم الباطنة المفرقة ووالله ماهم بمشركين فى عبادتهم الاحجار

†اى الله خمّر فى طينة الجن والانس وجبلتهم ان يتبعوا قانونه تعالٰى فان يعصوا عنه يعذبهم ويهلكهم ـ ولينظر القارى الى كتاب التذكرة صفحه ١١٨ لتشريحها*

معشار ما انتم تشركون * فما التعبّد الّا بالعمل وما العبادة الّا بخدمة المولى وما الخدمة الّا
بطاعته وما الطّاعة الّا الاعتناء بما امر الآمرون * وما صلوتكم من عبادة وصومكم من
طاعة وزكوتكم من صدقة او حجّكم من خدمة حتّى تسلموا وجوهكم لله كافّة وقاطبةً و
تجاهدوا فيه حقّ جهاده وتقدروه حقّ قدره وتفعلوا به اقلّ ما انتم تفعلون بحكّامكم
المحبوبين المعزّزين ۔ واولادكم الاقربين ۔ وطواغيتكم المعبودين ۔ واوثانكم المخلوقين
وشهواتكم المعزّزة ۔ واهوآئكم المكرّمة * فهل انتم تصرّون على عصيانكم من بعد ما
جاءتكم البيّنة * فاتّقوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً (۲۵:۸) * وَاعْلَمُوْا اَنَّ
اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ (۲۴:۸) * ويحول بينكم وقلوبكم المستنكرة * واعلموا انّه عزيزٌ
ذو النّقمه * فيا ايّها المسلمون القوّالون! ايكفيكم ان تقولوه واحدًا بافواهكم وتتّخذوا من دونه
اربابًا بعد ارباب لتعبدوهم عملًا وتجاهدوا فيهم ثمّ تسئلوا الله عليه حقّ هذه الخدمة ۔
واجر هذه العبادة ۔ والجنّة الآخرة ۔ وجنّات الارض المخضرّة ۔ ايليق بكم ان تسئلوه
من اجرٍ على ما انتم تفعلون * فنبّئونى بمالكٍ او مولى يؤدّى اجر عبده اليه ويثنى عليه و
يُضعف له اجره والعبد لا يزال يخدم جاره ويعبد عدوّه ويسجد لخصمه ومع هذا لا يزال
يشهد على كونه واحدًا بلسانه ليلًا ونهارًا وانبئونى بمالكٍ رضى عن عبده او وفّاه حسابه
مع عصيانه وطغيانه لانّ العبد سمّاه واحدًا او قال له احدٌ بلسانه كرّة بعد مرّة
فهل يجب عليه من اجرٍ او يلزمه من حقٍّ بهذا القول والتّكرار ان كنتم صادقين * بل هل
انتم موفون عهودكم او مؤدّون اجوركم لخادمكم الّذى يسمّيكم احدًا ولا يفعل شيئًا ممّا تؤمرون *
فلن تجدوا تجارةً رابحةً مثل هذه فى هذه الدّنيا ولو حرصتم كلّ الحرص فاعترفوا بانّكم
بالحقّ من المشركين * وانّ قلوبكم تشهد على مكركم وانتم الاعلمون بما يمكر الماكرون * وانّ

اللہ یعذبنا بشرکنا فی الدنیا وان نحن الا من المغضوبین الضالین* من الذین ختم اللہ علیٰ قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۡ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (۲:۷)* ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (۱۶:۱۰۷)* اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ (۱۶:۱۰۸)* وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ (۲:۸)* يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ (۲:۹)* اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰي عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰي سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰي بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ۭ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ (۴۵:۲۳)* فتوبوا الى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ (۶۶:۸) وطهروا انفسکم من رجز الشیطن* ومحصوا قلوبکم من الاوثان* وابنوا فی صدورکم بناء مشیدا للرحمن* حُنَفَاۗءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۭ (۲۲:۳۱) احدا من الاصنام فیا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ (۳۹:۵۳)* وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ (۳۹:۵۴)* وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۡ فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ جَزَاۗءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ۝ (۳۴:۳۷)* فیا ایها الذین زعموا ان امنوا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ (۶۶:۸) التی اخرجکم منها وذلک هو الفوز العظیم* وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (۳:۱۳۹)

یاحزب المعذبین ویامعشر الظالمین ! المشرکین بالحق برب العلمین: اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ

* فیصل رمن الخوض فی هذه الایات (اعنی (۲:۷) و(۱۶:۱۰۷-۱۰۸) و(۲:۸-۹) و(۶۶:۸)) انه من استحب الحیوة الدنیا علی الاخرة فهم الذین طبع اللہ علی قلوبهم وعلی سمعهم وعلی ابصارهم غشاوة لانهم لا یفهمون ما عاقبة هذه الاعمال العاجلة فی الدنیا وشهد القران علی انهم هم الکفرون الغافلون بقوله تعالیٰ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (۱۶:۱۰۷) وقوله وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ (۱۶:۱۰۸)۔

تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (۹:۲۴) ٭ وقد قال لکم ان لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۹:۲۳) ٭ المشرکون و فاعلوا الظلم العظیم ٭ فاتخذتم الحیوٰۃ الدُّنیا الٰھکم فذھب اللہ بدنیاکم وجعلتم تفسدون فیہا تتخذون اٰلھۃً من الارض وسعیتم لتفسدوا امر اللہ ففسد اللہ امرکم ودمّرکم وھو ذوالقوۃ المتین ٭ وعلوتم فی الارض تقولون نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (۵:۱۸) وَلَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً (۲:۸۰) فبعث اللہ علیکم عباداً لہ اولی باس شدید فجاسوا خلال دیارکم حاکمین ٭ و غزوا فی عُقر دارکم جاثمین ٭ فتحکمتم فصرتم من المحکومین ٭ وعصیتم ربکم فعصت الارض عنکم وعن باقین ٭ فَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ (۹:۲۵) وشُنّت علیکم الغارات وصرتم غرضاً یرمی فی العرصات وعبادہ اولو باس یخرجونکم من دار الی دار ٭ وظھر الفساد فی برکم وبحرکم بما کسبت ایدیکم لیذیقکم بعض الذی عملتم لعلکم ترجعون[۱] ٭ فاصررتم علی معصیتکم وتنازعتم وتعاجزتم بینکم وتواکلتم وتخاذلتم فذھب اللہ بریحکم وشغلتکم اموالکم واھلوکم من دون اللہ ورسولکم شغلاً تاماً وکثرت فیکم الاحداث والذنوب وازددتم کفراً وظلماً و فسقاً وشرکاً فَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ (۱۵:۶۶) ٭ فلم یبق من بلادکم قطعاً اوملکاً الا وکلھا بقوم لیسوا بہ بکافرین ٭ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ (۴۶:۳۵) ٭ وَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ (۶:۴۷) ٭ کفرتم فاخذکم اللہ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ (۳۰:۴۲) ٭ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۶:۴۵) ٭ فیا من یعذبون ولا یصلحون ویأتیھم اللہ من حیث لا یشعرون! الدُّنیا محبوبۃٌ عجوزٌ عاقرٌ طلیقۃ اللسان حسناء الوجہ التی

[۱] الاشارۃ الی قولہ (۳۰:۴۱)

تنکح بعلا جدیدا کل یوم ولا تزال تتدلل ببعلها و تعجل له کل مایشاء و یشتهی لنفسه حتی
تضعف قواه و اعضائه وتوهن امره فتترکه او تطرده ولا تلد لزوجها الا الخزی و الخسران فی
العاقبة ولا تداوم و تصاحب الا من انکرها و امهلها ومن اخل بها ولم یمد عینیه الیها بل
نظر من طرف خفی الی حلیها وغض طرفه عن زخارفها و زینتها فلا تدنوا هذه العقیم الا ممن
ابعدها ولا عبدها ومن دنا منها فتقصیه ومن مال الیها فترغب عنه وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا
مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (۵۷: ۲۰) * وهذا سر حبها و تسخیرها و تعشقها بکم وفی ذلک فلیتوسم للمتوسمون *
ولذلک قال الله وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ (۴۲: ۲۰) ولذلک
قال مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ (۱۷: ۱۸) وذلک
جزاء الکفرین ۔ الذین یریدون الدنیا فالدنیا تطردهم فی النار داخرین ۔ والذین یعبدونها
فتبعدهم خاسئین * وقد قال الله وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (۵۱: ۵۶) ومن یعبد
یرثه الارض اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (۷: ۱۲۸) * فسلام علی المتقین ۔
الذین یرثون الارض و لا یزالون امة واحدة و بربهم یتقون ۔ والذین لا یشرکون به شیئا فی العمل
ویطهرون قلوبهم من رجز الاوثان ویقولون انما الٰهنا الله واحد و به نستعین ۔ والذین
یجاهدون اعدائهم بالسیف باموالهم و انفسهم و یهاجرون فی سبیله لتقویة قومهم ویهجرون
کل ما یشغلهم من المعبودین ۔ والذین یطیعون اولی الامر منهم ویردون نزاعهم الی الله و اماهم
ان تنازعوا فی شیٔ لئلا یکونوا من المفسدین ۔ وداموا ماداموا فی الارض منظمین ۔ وفی السالک
منسلکین ۔ وفی الاخرة شاملین * الجماء الغفیر الذین یخذل الناس عنهم وهم لا یخشون
احدا الا عذاب احکم الحاکمین * اشداء علی الاعداء رحماء بینهم فلا یعدون الا علی الظلمین ۔
المشرکین المتفرقین المستضعفین من الرجال فیتخطفونهم خطفة العقاب الشاهین ۔ ویقولون

لا تذر فی الارض احدا من المشرکین • ودیارا من الکفرین • الا من اتی اللہ بقلب سلیم (۲۶: ۸۹)• وسلک صراطہ المستقیم • وطاع واسلم وتنظم وتطوع ولم یخش الا اللہ واتقی فتقوی واحسن فاولٓئک من المفلحین* والذین اذا اصابھم البغی ھم ینتصرون (۴۲: ۳۹)* والموفون بعھدھم اذا عاھدوا (۲: ۱۷۷) واولٓئک ھم المتقون (۲: ۱۷۷)* بلی من اوفی بعھدہ واتقی فان اللہ یحب المتقین (۳: ۷۶)* فسلام علی المتقین الذین لا یزالون شاھدین علی الناس لربھم وعلی توحیدہ عملا ومعنا ویموتون مدۃ حیاتھم فی اعلاء سنتہ العلی العظیم* بلی من اسلم وجھہ للہ وھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ (۲: ۱۱۲) فمن اتقی واصلح فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (۷: ۳۵)* فیحسرۃ علی المسلمین المعاصرین! یکاد سنا البرق یخطفھم وکسف من السماء یسقط علیھم وھم غافلون* عسی ان یاتی اللہ بامرہ وھم فی غفلۃ یعمھون • ویقولون انا وجدنا اباءنا علی امۃ وانا علی اثارھم مقتدون (۴۳: ۲۳) • وانما نحن الموحدون مرحون العلمین الذین ھم اصحب النار والجحیم • طلعھا کانہ رءوس الشیطین (۳۷: ۶۵)* واذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ قالوا بل نتبع ما الفینا علیہ اباءنا اولو کان اباؤھم لا یعقلون شیئا ولا یھتدون (۲: ۱۷۰)* فانتظروا انی معکم من المنتظرین (۷: ۷۱)* وشد وا رحالکم فانکم من المرتحلین • فی صبح خامسۃ او اقرب منہ بالیقین • ومظنتکم الجحیم • ومحلکم بحفرۃ من نار وقودھا الحجارۃ واشرارکم المقلدون * والحمد للہ رب العلمین ۞ الرحمن الرحیم ۞ ملک یوم الدین ۞ ایاک نعبد وایاک نستعین ۞ اھدنا الصراط المستقیم ۞ صراط الذین انعمت علیھم ۞ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ۞ (۱: ۱-۷) *

فیا مؤتمر المسافرین! ویا فوج المنتھضین! ھل انتم تدعون ان تبدلوا سنۃ اللہ فی الارض بمکرکم او ترضونہ بقولکم مھللین • مکبرین مبسملین وحامدین وجامدین * ھل انتم

تسعون ان تغيّروا ما بكم بالخدع • اوتغيّروا عادته بالجزع والفزع • اوتخرقوا الارض وتكسّروا
السّمآء كسرًا مكسّرًا لتمشوا فى الارض مرحين ❊ ءانتم تهمّون بان تبدّلوا ههنا ارضًا غير الارض وسمآءً
غير السّمآء وسنّةً غير سنّته تعالىٰ الجارية لتفعلوا فيها ما انتم تشتهون ❊ هل ترون فِىْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ
مِنْ تَفٰوُتٍ (٦٧:٣) • وفى الارض من ضُعفٍ • وفى السّمآء من نقصٍ وفى سنّته من لينةٍ اوتحوّل
ليلين لكم اويكادين اليكم فتصنعوا فيها ما تشآؤن ❊ بل بناها قصرًا مشيّدًا وسقفًا محفوظًا و
بناءً غير محوّل لامبدّل لعادته وفطرته وحفظها مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ (١٥:١٧) ❊ من شيٰطينكم
الّذين يوحون الى اوليآئهم انّهم هم القادرون على ان يّبدلوا امره وحكمه بدعائهم وشفاعتهم
وهم فى هٰذه الارض لايملكون من نقيرٍ ولايقدرون ❊ ولن تستطيعوا ان تغيّروه مقدار حبّة خردلٍ
ولواجتمعتم له انتم ومن فى الارض جميعًا فلِمَا لاترجعون ❊ بلىٰ وهو المليك العظيم ❊ والاقار العلىّ
الحكيم ❊ والبنّآء المقيم ❊ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ (٢١:٢٣) وانتم تسئلون ❊ فهل تنظرون الّا
سنّة الاوّلين ❊ فسيحوا فى الارض وانظروا كيف كان عاقبة المكذّبين ❊ واٰخرة المجرمين ❊
وذلّة الكٰفرين ❊ ان تنتهوا يغفر لكم ما قد سلف وان تعودوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ۝
(٨:٣٨) ❊ سنّة الكفّار المعذّبين ❊ عسىٰ ان يكونوا من المقبوحين ❊ فوالله ما انتم بمعجزىٖ
الله فى هٰذه وما كان لكم ان تغيّروا عادته ولٰكنّكم انتم من المغيّرين ❊ اومغيّرين ما بانفسكم
من قبل ان يّاتيكم اليقين ❊ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (١٣:١١) ولايدعٌ
احدًا حتّىٰ دنا امره الى الحين ❊ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ (٧:٣٤) ❊
فتعالوا الى القراٰن العظيم • واهجروا الشرك والكفر هجرًا مهجورًا فسحقًا لاصحٰب الجحيم ❊ و
تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا
بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (٣:٦٣) فهل انتم مسلمون ❊ فاطر السّمٰوٰت والارض وما بينهما

وخالق مالا تعلمون * عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ (٥٩:٢٢) فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (٢٣:٩٢) * وهذا هو الاسلام الّذى أسّس عليه السّمٰوٰت والارض ونظام كُلّ التّكوين * وتنظيم الكون المتين * و ترتيب كُلّ ما اصلح وافلح فى العٰلمين * فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (٣٠:٣٠) * وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ (٢٣:١١٧) * وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (٣:٨٥) * وانّه فى هٰذه الدّنيا من الاخسرين * افتدرون ما فى هذه الارض للموحّدين المسلمين * وما اجر العٰملين الصّٰبرين المؤمنين الفاعلين من دون القائلين الكٰفرين * اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (٤٧:١٢) بما كانوا يكفرون * والّذين اٰمنوا بما نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ (٤٧:٢) * وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ (٤٧:٨) * ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ (٤٧:١١) * فيا ايّها المسلمون المعاصرون ! كيف تدّعون بالايمان وبالايمان على محمّد وبالكم بال الكٰفرين * وَمَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (٢٩:٤١) * فيا من يزعمون انّهم يحسنون ويصلحون باتّخاذهم الاولياء تمتّعوا فى هٰذه الارض حتى حين * ويا من ضلّ سعيهم فى الدّنيا امشوا فى الارض مشتهى قلبكم فرحين * بما هى اٰتية لكم فى يوم الدّين * وما لكم فى الاٰخرة من النّعيم * من فضل ورحمة وشراب وفاكهة ومن حور عين * تباشروا وتمارحوا وتفاخروا بينكم فانّ لكم نار الجحيم * و عذاب ربّكم المقيم * ومن دون عذابكم فى الدّنيا عذاب يوم الدّين * فانّ الدّين هو

الدنیا وان الدنیا ھی الدین * الدنیا مزرعۃ الآخرۃ فھما تزرعوا ھھنا تجدوہ عند ربکم غیر ممنون * وما تقدموا للغد فھو فی الآخرۃ یبین * ولنعم اجر العاملین * وبئسما اشتروا بغفلتھم القائلون * فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّۃُ الْکُبْرٰی (۳۴:۷۹) * وعرض الناس علی ربھم صفا صفا * وانی حین توفیۃ حسابھم فی العقبیٰ * وجاء وا ربھم فرادا فرادیٰ وقیل للانسان انبئت بما فعلت یداک فی الدنیا * لان لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (۳۹:۵۳) * وان له نصیبا فی الآخرۃ من دون نصیبه الادنیٰ * وعذابا من حیث الفرع علی عذابه جمعا * وثوابا من فوق ثوابه فی الاولیٰ * ولعذاب الآخرۃ اشق وابقیٰ * وثواب العاقبۃ خیر واشھیٰ * فیا اسفا وعجبا! تحیرت العقول بما اریٰ * القائلون فی عذاب الیم * و العاملون فی الجنۃ والنعیم * الموحدون فی زمرۃ المشرکین * والمشرکون المتعارفون علی الارائک متکئون * والرسول شاھد علیھم انھم ھم المؤمنون * الذی ھو بالمؤمنین رؤف رحیم * ادخلوا کافۃ انکم کنتم تفعلون * ما تقولون تعملون و لا تنظرون * وکنتم انتم تؤمنون بما نزل علی محمد عملا و معنا من العالمین * وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا لٰعِبِیْنَ ۔ مَا خَلَقْنٰھُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (۴۴:۳۸-۳۹) * ان فی ذلک لآیت للعلمین المتوسمین * فالقول لیس بشئ عندی و لو اصطفینا القول لجعلنا لکل من یقول فی الارض لبیوتھم سقفا من فضۃ وابوابا من ذھب واباریق من زبرجد وما کنا فعلین * وانی انا اللہ العمال الخلاق الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ وَھُوَ اَھْوَنُ عَلَیْهِ (۳۰:۲۷) * وَیُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗٓ اَلْفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (۳۲:۵) * والذی ینزل من السماء ماء * ویفلق الحب و النویٰ * وینبت الاشجار ویرسل الریاح یوما بعد یوم * والذی خلق السمٰوٰت والارض وما بینھما فی ستۃ ایام (۳۲:۴) * وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ (۵۰:۳۸) * یجری الفلک فی البحر بامرہ الا لہ

* الاشارۃ الی قولہ تعالیٰ وَعُرِضُوْا عَلٰی رَبِّکَ صَفًّا لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا کَمَا خَلَقْنٰکُمْ اَوَّلَ مَرَّۃٍ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَکُمْ مَّوْعِدًا (۱۸:۴۸) ‡ الاشارۃ الی قوله (۹:۱۲۸) *

الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (٧:٥٤) * يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ ۚ (٥٥:٢٩) فکیف لا احبُّ العاملین * بل نریٰ عمل کُل عامل فی الدنیا وسعیه ونعطیه اجرهٗ مقدار جهدهٖ ووسعهٖ بقدر سعیه اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ○ (١٠:٤٤) * فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ۚ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ○ (٩٩:٧-٨) * فما انا بطارد العاملین من الجنة وقابل القائلین * هم الذین مازالوا فی الارض مکرّمین اسمی وعاصین عن امری ولم یعلموا من انا حین دعونی ولم یکرّمونی اویعظّمونی معشارما کرّموا الهتهم غیری فکیف اکرّم ههنا الظّلمین العادین * وَاِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۙ (١٤:٨) فانّی انا اللّٰه ذوالقوّة العزیز العلیم * احبُّ کُل صاحب قوّة وعزّة وعلم من النّاس الذین احسنوا صُنعهم فی الدنیا وداموا ماداموا خلٓیف فیها وخلٓیف منّی مسخّرین کُل ما سخّر اللّٰه لهم فی السّمآء والارض متفکّرین فی خلقهما وما بینهما شاکرین بما اٰتٰهم اللّٰه من فضله ورحمته حقّ شکرهم وقدرهم الذین احرثوا الارض وتوسّموها ومشوا فی مناکبها وفتّشوا برّها وبحرها لتعرفوا من انا ومن این کل هٰذه وماهی ولماهی وماکنّها وکیفها ولیشهدوا امنا فع لهم ولیبتغوا من فضله سائحین * جبّارون فی الارض قاهرون علی من ضعف وکسل ومکرمون من شجع وبسل متخلّقون باخلاقی واخلاق فطرتی وعادتی فانّی انا الجبّار القهّار القوی العظیم * ولا احبُّ المستضعفین الافلین الّذین ضربت علیهم الذّلّة والمسکنة ینظرون من طرف خفیّ الی النّاس من ذلٍّ وغمّ یسئلون عبادنا الحافًا ومفتقرا لا یقدرون علی شیءٍ ولا یملکون نقرا الذین یسجدون لکل مالک قویًّا کان او ضعیفًا ویعبدونهم حیّا ولفیفًا لاصقین بهم من الضّعف والفقر لایحسّون ما بانفسهم من نار السقر * نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْـِٕدَةِ ؕ (١٠٤:٦-٧) * فتحرقهم محرقةً مهملة * تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ (١٠:٢٧) * اُغْشِیَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّیْلِ مُظْلِمًا ؕ (١٠:٢٧) * و

املئت ثیابهم البالیة المسترقعه فوجًا من القمل مکلمًا ، یَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ (۴۷: ۱۲)
لاتحسبهم الا حزبًا من قردة خاسِین ٭ لا اجبهم ولا امنّ علیهم لانّهم ما قدروناحق قدرنا و
ما عرفوناحقّ معرفتنا وانا الّذی جعلت لهم السمع والبصر والافِدة لیعرفوا ربّهم شکرین٭ فقلیلًا
ما کانوا یشکرون فی الارض وقلیلًا ما یشکرون ٭ فلااشکران لسعیهم الیوم وما هم فی رحمتنا بداخلین٭
اخرجوا واهبطوا من هذه انّ مهادکم الجحیم٭ وانّ جهنّم لمحیطة بالکفرین ٭ فبما تزعمون انّکم
احقّ بالجنّة ولستم بجدیرین لها وحرّیین بانعمها لوکنتم تعلمون٭ فمن یلیق بنعمة الجنّة الخلد
الباطنة ان لم یکن لهٗ نصیب من نعمة الارض الظّاهرة افلاتعقلون٭ وَمَنْ کَانَ فِیْ هٰذِہٖٓ اَعْمٰی
فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی (۱۷: ۷۲) ومن الضّالین ٭ فما الجنّة الا الوارث جنّات الارض وعیونها
وما العاقبة الا للمتّقین ٭

ویا ایّها المسلمون المنهدمون المعاصرون ! الّذین یظنّون انّهم یُظلمون فی هذه الارض وانّ
الله یظلمهم بمشیّته منصرفا عمّا یفعلون ویعتقدون ٭ ما ربّکم بظلّام للعالمین ٭ اِنَّ اللهَ لَا یَظْلِمُ
النَّاسَ شَیْـًٔا وَّلٰکِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ (۱۰: ۴۴) ٭ یفعل ما یشاء وهو لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ
اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ (۱۲: ۱۰۰) ٭ فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ (۲: ۱۹۳) ٭ الّذین یتعدّون حدود
الله وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللهِ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۲: ۲۲۹) ٭ وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتْ
اَیْدِیْکُمْ (۴۲: ۳۰) فمن شآء فلیرجع الی قانونه وحدوده ویتّخذ الی ربّه سبیلًا ویصبر علیه و
یستقم الیه وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ (۲: ۱۵۵-
۱۵۶) ٭ ومن شآء فلیصرّ علی معصیته فَاِنَّ اللهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ (۳: ۹۷) ٭ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ
یَّشَآءَ اللهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (۸۱: ۲۹) ٭ ما مشیئتک الا ان لیس للانسان الّا ما یجهد وما مشیئتکم

٭ یجوز للقاری ان یتدبّر هذه الآیة اشدّ ان تروق بیسرت معناها ههنا باستعمالها کرّة بعد مرّة - فالمعنی هو انّکم ما تشآءون شیئًا الا انّه یساعکم مهما تشآءون
وان اردتم ان تسعوا فی الدّنیا سعیًا بلیغًا لتفوزوا فهو یؤدّی الیکم اجورکم بقدر ما انتم تسعون - فلا شکّ فی انّ معنی هذه الآیة یترادف بما عنی الله بقوله اَنْ لَّیْسَ
لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (۵۳: ۳۹) لا ازید منه ولا انقص ما فهم بعض الرّجال منه انّنا ما نشآء شیئًا حتّی یشآء الله ولا نقدر علی شیءٍ حتّی یقدّر نا الله علیه من لدنه فهو لیس بصحیح +

الّا ما تفعلون وما تؤثرون * وما مشيئته الّا قانونه * فارجعوا الى قانونه وعادته مرةً اُخرى

ليكون لكم فى الدّنيا والعقبى ما تشاءون * مهما تجهدون فهو يسامحكم ويؤدّى اجركم اليكم غير

منقوصٍ لانّه لا يكاد ان يتدخل فى مشيئتكم او يعارض سعيكم حتّى تنتهون * ليجزيكم او

يعذّبكم بالعدل * ويزن سعيكم بالقسطاس المستقيم * فما تَشَآءُونَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ

رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (٢٩:٨١) * ومن قال انّى راجعٌ اليه يجد اجره عنده من فورٍ * وَاُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ

صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝ (٢:١٥٧) * فلا تجمدوا وتنتظروا بل انيبوا

الى ربّكم وارجعوا اليه وجاهدوا فيه حقّ جهاده ليشاء ربّكم بكم ما تشتهون * فانّه لا يشاء

بكم شيئًا حتّى تشاءون * ولا يجزى حتّى تجهدون * فما تَشَآءُونَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ

(٢٩:٨١) بكم مقدار ما تعملون * فسبحٰن رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ (٣٧:١٨٠) * ويقولون

لا خِيَرة لنا فى اعمالنا وما لنا من الامر من شئ فكيف نغيّر ما بانفسنا حتّى يشاء ربّنا ما نشاء وما

نحن بشائى شئ الّا ما يشاء العزيز الحكيم * يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ (٣:١٢٨) وان نحن

الّا من المظلومين المجبورين * فما هٰذا الّا مكركم بانفسكم ولتفرّوا من السّعى وتمكروا السّيّئات

وما الله بمغيّرٍ ما بكم حتّى تغيّروا ما بانفسكم وما الله بغافلٍ عمّا تعملون * اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ

ذَرَّةٍ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا (٤:٤٠) * فسبحٰن ربّك عمّا يصف **القدريّون الجبريّون** الّذين

قالوا اما ربّنا الّا ملكٌ مستبدّ لا قانون له ولا يحكم الّا بما يشتهى من فورٍ متصرّفًا عمّا يجوز له عدلًا

واصولًا * ويجبرنا على ما نفعل ويعذّبنا مهما يشاء * وقدّر لنا كلّ ما فعلنا وما نفعل من قبل

فلا محيص لنا عمّا يريد * انّه على كلّ شئ قدير * بل قانونه مشيئته * وما مشيئته الّا قانونه

وامره * وما يشاء الّا ما يوافق بامره * وما يامر الّا ما يطابق بمشيئته * وما يعذّب الّا من بعد اتمام

حجّته وتبيين قانونه * وما الانسان الّا بقادرٍ على فعله * ولا يكلّف الله احدًا الّا وسع نفسه

وحدّ استطاعته * ولا یزر وازرۃ الا وزرہ * ولو کان فیہما الٰہ مستبدّ مثل ما یصفونہ لفسدت السمٰوٰت والارض * فلا طلعت الشمس مثل ہٰذہ * ولا جاء اللیل بہٰذا التتبع وہٰذہ الصحۃ * ولا تغورت النجوم او طلع البدر بکل ہٰذا النظم والتسویۃ * ولا جرت الفلک فی البحر او سال الماء فی الاودیۃ * او احترقت النار او جرت کل ما یجری فی عادۃ اللہ المؤکدۃ المستمرۃ *

فواللہ ما یقع کل ہٰذا لیلا بعد لیل ونہارا بعد نہار الا بمشیئتہ * فما مشیئتہ الا عادتہ الجاریۃ * وما عادتہ الا ما یشاء انہ اعطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ہَدٰی (۲۰ : ۵۰) * کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ (۱۷ : ۸۴) من اول یوم خلق فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَحْوِیْلًا (۳۵ : ۴۳) * و من ہٰذا القبیل خلق الانسان فِیْٓ اَیِّ صُوْرَۃٍ مَّا شَآءَ (۸۲ : ۸) رَکَّبَہٗ * فجعل لہ سمعہ وبصرہ وفؤادہ وبیّن لہ فطرتہ وعادتہ * وقدّرلہ وسعتہ وقدرتہ * والہمہ فجورہ وعصمتہ * خَلَقَہٗ فَقَدَّرَہٗ ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَہٗ (۸۰ : ۱۹-۲۰) * ومع ہٰذا انزل علیہ کتابہ * فمن شاء من بعد ذٰلک فلیشکرہ ومن شاء یکفرہ * وما کتابہ بمضحکۃ * کَلَّآ اِنَّہٗ تَذْکِرَۃٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ ذَکَرَہٗ (۷۴ : ۵۴-۵۵) * اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا (۴ : ۸۲) * افانّ اللہ علٰی کل شیء قدیر بدلیل علٰی ان الانسان لا یقدر علٰی شیء شیئا * بل قدرہ لیقدر علٰی ما یفعل واعدّ لکل عمل اجرا * وان قدر الانسان قادرا بمشیئتہ * وجعلہ سَمِیْعًا بَصِیْرًا (۷۶ : ۲) برضائہ ورغبتہ ایہا الجہلون! ولم یضن علیہ عن قدرتہ اول یوم خلقہ * ولا یخالفکم الا ان فیما تفعلون بمشیئتکم * ولا یکف ایدیکم عما تعملون برضائکم ورغبتکم * فما تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (۸۱ : ۲۹) * فما ہو الا ان مشیئتکم مشیئتہ * وان لم تکن مشیئتکم بتابعۃ مشیئتہ فتقولوا ما نشاء شیئا الا ان شاء ربنا من قبل فانہ اطلقکم وارسلکم رسالۃ تامۃ واعدّ اجورکم بقدر سعیکم ووسع انفسکم * فہل لکم من حجۃ بعد ہٰذہ القدرۃ والعدل ان کنتم صٰدقین *

فقتل الإنسان ما أكفره (١٧:٨٠) * يفعل ما يرضيه * ثمّ يقول الله اجبره * فمن اين جبره * و
يعمل العمل ويستعمل ارجله وايديه * ولايخالفه احدٌ فيما يفعله * فيا ايها المسلمون القدريّون
الجبريّون ! ماجُزيتم الّا بما عملتم حتّى الان * وهل تجزون بعد ذلك الّا ما تعملون * اجبروا
انفسكم واقدروها فانكم لن تؤتوا مثقال حبّة اجرًا حتّى سعيتم لها * هذا ما قدر الله لنا وهذا
ما اجبرنا عليه * فلاجبر علينا الّا ان نفعل ما امرنا به احكم الحاكمين * الذى لا بُدّ لاحد منّا من
حكمه * واتباع امره حكم لازب * وهو القوىّ العزيز الحكيم *

فيا معشر المسلمين المجدين ! هل بقى لكم من بعد الذى تغيّرتم اليه من وسيلة الّا ان
تسعوا لانفسكم سعيًا متنا بعًا ليلاً ونهارًا مالا يطاق به ولا يسبق * لترضوا الله فانّ الله لا يرضى
الّا عن القوم العاملين * اعملوا على مكانتكم حدّ امكانكم * واستميتوا لتفوزوا ولا تهنوا فى زعمكم
الباطل ان امرنا قد تجاوز عن سعينا * فعسى الله ان يتجاوز عنّا متعطّفا علينا واحسا نًا لنا متصرّفا
عن سعينا وجهدنا اويرسل علينا **مهديًا** مبشّرا يهدينا ويقوّينا * ويخبر على اعدآئنا * فنكون
من **الغالبين** * فما هذا الانتظار الّا اماتة قويكم * وتوهين امركم * وتضعيف اعضائكم
فى الدّنيا * وما اشاع بهذا الكذب الّا اشراركم المفسدون المختلقون * فلا مهدى لكم اليوم
الّا من **هداكم** * وهداكم الصّراط المستقيم صراط الذين (١: ٥-٦) انعم الله عليهم *
ومن نصركم ومن بدّل ضعفكم قوّة وخوفكم امنًا * ولا شهادة على بعثة المهدى فى القراٰن الّا جاء
فى احاديثكم الضّعيفة الموضوعة * وان كان لنا من نبىّ اورسول ياتى من بعد ختم الانبيآء اسمه
مهدى فلما لا بشّرنا الله بهذا الامر المهمّ فى الكتٰب المبين * ولا تجدوا من قولكم الشّهير انّ الامور
اذا تناهت تغيّرت فانّه لا يتغيّر شيئًا فى هذه الدّنيا حتّى يغيّرون * وليس الذى انتم تنتظرون اليه
وتزعمون من اثار القيٰمة * وما لكم من **علم** بعلاٰمتها انّما علمها عند ربّى (٧: ١٨٧) تاتيكم بغتةً

وانتم لا تشعرون * اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ (٦:١٤٩) * وما هي الا قد
قامت قيامتكم فانكم في موتكم تتجاهلون * وتخدعون انفسكم في موت اعدائكم وتمارونهم
على ما ترونهم وانكم لميتون * فما يظن رجل احول الا ان الارض ممتلئة من الاحولين * فلا بد
لكم من ان تسعوا وتجتهدوا وان اردتم ان تحبوا البقاء ۔ وتؤثرون ان تكونوا في زمرة الاحياء ۔ فان
الله لا يحيي الموتى وهو يحيي الموتى حتى تحيوا انفسكم وتحركوها جاهدين * فما لكم لا تستيقظون
من نومكم وموتكم وسائر النّاس قد تيقّظوا من نومهم ۔ والشّمس قد بلغت بمعدّل النّهار افلا
تشعرون * وما لكم تظنّون ان خلقكم الله عبثًا وانّكم اليه لا ترجعون * هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ
خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ (٦:١٦٦) وخلق الموت و
الحيوة لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (٦٧:٢) افلا تعقلون * وَاِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ (٦:١٦٦) * فانتم تنامون في مضاجعكم والّذين يرجون لقاء ربّهم يؤمنون ويعملون *
تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ
اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوٗنَ
(٣٢:١٦-١٨) ۔ وما لكم تضعفون وتفسقون ۔ وتغلبون ولا تؤمنون ۔ وتنظرون ولا تعملون ۔
وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔ (٣:١٣٩) * وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى
نُزُلًا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا
فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۔ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى
دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۔ (٣٢:١٩-٢١) * ارجعوا فانّ العذاب الادنى قد وقع ولعلّ الله
يحدث بعد ذلك عذابًا آخر فتكونوا من المدقرين * اعملوا ولا تظنّوا انّكم معجزين الله او تستطيعون
ان تفرّوا منه او تنفذوا من اقطار السّموت والارض بل لا تقدرون ممّا كسبتم على شيء افلا تذكّرون *

اتقدرون علیٰ ان تکونوا اشدّآء علیٰ حکّامکم الّذین بعثہم اللہ علیکم او تضرّوہم شیئًا ولو حرصتم * فکیف
تطیقون علیٰ ان تضرّوا اللہ او تعجزوہ مالک السّمٰوٰت والارض واحکم الحاکمین* بل ھل یسمعون
لکم اذا سالتموہم شیئًا * او یتوجّہون الیکم حین تعجزہم * باسہم بینکم شدید * بعثہم اللہ
علیکم لیخذلکم فی الدّنیا ولیجعلکم نکالًا لما بین یدیکم وما خلفکم فلا یردّ باسہ عن القوم الکفرین*
کفرتم باحکام اللہ وکذّبتم بہا وتولّیتم * فاستبدل قومًا غیرکم لا تضرّونہم شیئًا ولا تضرّونہ
فانقلبوا خٰسرین* عبادہ اولو باس فضّل اللہ بعضہم علیٰ بعضٍ درجٰت * یرثون الارض علیٰ
سلطٰنٍ منہ * لانّہم **احسنوا** فی ھٰذہ الدّنیا واصلحوا واتّقوا واسلموا وجوہہم لہ * ولم یتّخذوا
اربابًا من دونہ * ولم یعبدوا الا اللہ * ولم یسجدوا لاحد غیرہ * ولم یتّخذوا اھوآءھم واولیاءھم
الٰھۃ * **ولم یتفرّقوا** * واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا * ولم یصیروا شیعًا * ولم یتقطّعوا امرہم بینہم
حزبًا * واطاعوا اولی الامر منہم بلا عذر وحجّۃ * وردّوا نزاعہم الی اللہ حین تنازعوا * وجاھدوا
باموالہم وانفسہم * ولم یولّوا ادبارہم حین الباس * ولم یتحرّفوا عن القتال * وھاجروا من مُلک
الیٰ مُلکٍ لتقویۃ سلطنتہم واجرآء حکمہم فی الدُّنیا * وھجروا اکثر ما یلصق الانسان من رجز
الشّیطان * ومن لوث العداوۃ والبغضآء بینہم * واسلکوا انفسہم فی الاخوّۃ * ولم یغتب بعضہم
بعضًا * ولم یتجسّسوا بینہم * ولم یتزلزلوا فی ایفآء عہودہم * ولم یرفعوا اصواتہم فوق صوت
امیرہم * وغضّوا ابصارہم واصواتہم عند اولی الامر منہم * ولم یخشوا الا اللہ * وتفکّروا فی خلق
السّمٰوٰت والارض حدّ امکانہم * وساحوا فی الارض ومشوا فی مناکبہا حدّ سعیہم * وقدروا اللہ
حقّ قدرہ بدرس اعمالہ * وعرفوہ حقّ معرفتہ بدرس فطرتہ * واختاروا کلّ ما یجری فی العادۃ * و
ترکوا کلّ ما یبعد فیہا * وفعلوا اکثر ما امر اللہ من دونہا فی الکتٰب * ونھوا عن نہیہ فی الجملۃ * وصاروا
من الّذین **احسنوا واصلحوا** * فادخلہم اللہ فی الصّٰلحین المحسنین العٰبدین* واورثہم

* کل ھذا ما امرنا اللہ فی القرآن فلیرجع القاری الی القرآن للتّصدیق ۱۲

الارض ومسٰکنکم التی کنتم فیہا امنین * وقد کتب اللہ فِی الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّکْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُہَا

عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ اِنَّ فِیْ ھٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ (۲۱: ۱۰۵-۱۰۶) * وقد قال لکم اِنَّ الْاَرْضَ

لِلّٰہِ یُوْرِثُہَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ (۷: ۱۲۸) * ففتّشوا ارض اللہ * ودرسوا صحیفۃ

الفطرۃ * وعلموا قانونہ * وطالعوا احوال مخلوقاتہا * وطلعوا علی عاداتہا وخصائصہا * واستوعبوا

امر معاشہم وسعیہم فی الدنیا * واستقصوا بال فلاح الاقوام وصلاحہم * واستقرءوا البر وا ملکوت

السمٰوٰت والارض * ولیطّلعوا علی عادتہ تعالی وسنّتہ * وترکوا ما یبعد فی العادۃ قولًا واعتقادًا *

واستمسکوا بما یجری فیہا عملًا ونظرًا * وتخلّقوا باخلاق اللہ * وبما صلح من عادات مخلوقاتہ السفلیۃ *

ومیّزوا الخبیث من الطیّب * ومحّصوا الثّواب عن الخطاء بحدّ امکانہم * واستعملوا سمعہم وبصرہم

وفؤادہم لیطلبوا العلم من اعمال اللہ من دون الظّنّ * فعرفوا اعمالہ تعالی لیعرفوا ربّہم * ولیعلموا

ما یرید منہم وبہم * وما مشیّتہ فیہم * ولخّصوا حقائق الفطرۃ * وبیّنوا دقائق الاشیاء لیستنبطوا

منہا فریضۃ الانسان * ثمّ استسلموا لہا * وصاروا من المفلحین * درسوا کتاب اللہ * بل حجّتہ

البالغۃ الکاملۃ * وکنتم عن دراستہ لغفلین * وقد قال اللہ لکم اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ

لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (۴۵: ۳) * وَخَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝

(۲۹: ۴۴) * وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْہُ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ۝

(۴۵: ۱۳) * وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَہُمَا لٰعِبِیْنَ ۝ مَا خَلَقْنٰہُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَہُمْ

لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ (۴۴: ۳۸-۳۹) * وَسَخَّرَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّہَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌ بِاَمْرِہٖ

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (۱۶: ۱۲) * وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّہَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ

مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِہَا وَتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ (۴۵: ۵) * وَاِنَّ فِیْ

خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّہَارِ وَالْفُلْکِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ

* ای یورثہا من اجل رلہا واحق بہا لانہ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ (۱۲: ۱۰۰) کما جاء علی صفحۃ ۳۲ من ہذہ الافتتاحیۃ ۱۲

اللهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (۲: ۱۶۴) * وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (۴۵: ۴) * وَاِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ (۱۰: ۶) * وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (۶: ۹۸) * وقد قال الله لكم وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ۭمَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ † (۶: ۳۸) * فخاضوا فی احوال الدّواب والطّيور * واطّلعوا على عوائدها واخلاقها * وفتّشوا انظام مجامعها وعوالمها * وعلموا مستقرّها ومستودعها * وفحصوا عن نُظمها و نُسقها بينها * صُنع الله الّذی علم كلّ مخلوق درسه * وَاَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (۲۰: ۵۰) * الّا الانسان فلم يظهر عليه صراطه * الّا انّه اعطاه سمعه وبصره وفؤاده * ليعلم ما فريضته فی الدّنيا * ويدرس ما يريد الله منهم * ومن دون هذا اعطاه الكتاب الّذی جاء به الانبياء ما فرّط الله فيه من شیٔ * واظهر فيه كلّ ما يجوله وينفعه * واشار فيه الى كلّ ما ينفعه ويضرّه * تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (۱۶: ۸۹) وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ (۱۲: ۱۱۱) لعلّكم تتدبّرون * وتتفكّرون فيه حقّ فكركم و تدبّركم ولتكونوا من المفلحين * الّذی ما كان لكم ان تأتوا بمثله ولو اجتمعت الانس والجنّ له فانّه اُنزل بعلم اللّٰهِ (۱۱: ۱۴) فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (۱۱: ۱۴) * فلا يزال الحكماء الطّبيعيون من المغرب يطّلعون على سرائر الطّبيعة و عوائد العادة واحوال المواليد الثّلاثة من الجماد والنّبات والحيوان حتّى ظهرت عليهم مماثلة امم الانسانية بامم المخلوقات السّفليّة والمشاكلة بين قواعد مجامعها وبين عوائد الاحزاب الحيوانيّة الحاضرة * ولم يبرحوا كذلك حتّى لاحت لهم الحقيقة * واتّضحت لهم الطّريقة * فاستنبطوا من كلّ هذا العلم القانون الّذی اُسّس

† يجوز ان يستدبر القاری مطالب هذه الاية المهمّة النّافعة ويخوض فيها اشدّ خوضاً لانّه تعالىٰ قد بيّن فيها قانون بقاء الامم الانسانيّة بتشبيهها بالامم السّفليّة وقضى فيها انّه من سلك صراطه المستقيم وسجد للقانون الّذی يجری فی العادة (كما يفعل الدّواب والطّيور) فهم الّذين افلحوا فی هذه الدّنيا واولٰئك من الخالدين فيها ما دامت السّمٰوٰت والارض مثل المخلوقات السّفليّة ـ ولذٰلك قال فی موضع اٰخر وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ (ای يطيعه) مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا (باقی)

عليه نظام العالم * واصول حفظ الاقوام وبقاء الامم * وطلبوا فيها آيات الله البالغة النافعة التى تقدم ذكرها * وصاروا بالحق من عباد الله المؤمنين المتفكرين العالمين العاقلين الموقنين المتقين * واتخذتم آيات الله المتقدمة هزوًا وسخرًا * وما سعيتم ان تحرثوها لتعلموا منها من شئ * وقلتم ما انزل الله علينا فيها من امر ومن نهى * فما فى خلق السمٰوٰت والارض من آيات لقوم يتفكرون * ومن علم لقوم يعلمون * ومن اتقاء لقوم يتقون * بل كفانا ما دون الفقهاء منا وعلماؤنا من طرق الطهارة واساليب الاستنجاء ومسائل الاستحاضة والنفاس وغيرها من العلوم الشرعية التى لابد للانسان من علمها لتحصيل النجاة ولحصول رضوان الله فى الآخرة وما كان لنا ان نعلم ما المماثلة بيننا وبين امم الدواب والطيور * الا اننا نعتقد ان الله ما غادر وما فرط فى قرآننا من شئ الا وعلمنا فيه * فلا يجب علينا ان نعلم كل ما جاء فى كتابنا الا ما يكفينا للنجاة * فنبئونى بما النجاة فى زعمكم * وما رضوان الله فى ظنكم ان كنتم صادقين * فكذبتم بآيات الله بالحق * وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِى الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۶: ۳۹) * فيا حاملى القرآن العظيم ! ويا من يزعمون انهم على صراط مستقيم من الدين المتين * وانهم يعلمون القرآن ويتلون كتب الله من دون العلمين * افما انتم بالحق بصم بكم فى الظلمت بتكذيب هذه الآيات * ام لا ضللتم عن الصراط والحكماء الغربيون قد اقتبسوا نورهم منها ورفعوا انفسهم عليكم درجت * ءانتم عرفتم ما معناها * وفهمتم مقاصدها ومعارفها * وتعلمتم ما علمها وحكمتها * ام الذين اكتسبوا الفضائل من صحيفة الله التى عرضها السمٰوٰت والارض بعد ان تفكروا فى خلقها مدة عمرهم * واسبغوا نعمه تعالى الظاهرة والباطنة على انفسهم * وهدوا الى الصراط المستقيم * صراط الذين انعم الله عليهم

(البقية من الصفحة ۳۹) فِى الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ (۱۶: ۴۹-۵۰) وبعد ذلك قال فى هذه السورة: اِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً (۱۶: ۶۶) وبعد ذلك قال فى النحل فَاسْلُكِىْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا (۱۶: ۶۹) ونظرًا الى اغلاق مطالب الآية واهميتها قال: وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ (اى ما يبعد فى العادة) مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً (اى امرًا مهمًا من قانونه) وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (ما معناه) (الباقى)

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (١ : ٦) * فزعمتم ان تحملوا كتاب الله وفرقانه فما حملتم بل كذّبتم * قد كانت اٰيٰتِىْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ (٢٣ : ٦٦-٦٧) * فمثلكم كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا (٦٢ : ٥) * كالّذين من قبلكم حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا (٦٢ : ٥) * بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (٦٢ : ٥) * افما قال الله لكم فى القراٰن وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (٣٨ : ٢٧) * فكفرتم حين اعرضتم عن هذا الحق * وامنتم باباطيلكم الشرعيّة الموضوعة الّتى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ (٥٣ : ٢٣) * والتى كنتم تتوغّلون بها فى الدّين المتين * فما جزاؤ من يّكفر الّا خزىٌ فى الدّنيا وهم فى الاخرة من المخذولين * اوما قال لكم فى الكتٰب هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (١٠ : ٥) * فما علمتم من الشّمس من شئٍ * وما اقتبستم من القمر من نورٍ * وعباده اولو علم ينظرون اليها من كلّ مكانٍ ليعلموا حقيقتها * ويقدّروا كمّيتها وكيفيّتها * فيعرفوا خالقها فتؤمن به قلوبهم * ويزيد هم ايمانًا * وليكونوا من الشّاكرين * وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (٢٢ : ٥٤) * افما قال الله لكم فى القراٰن انه كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (٤١ : ٣) * وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (٧ : ٥٢) * افعلماؤكم المتشرّعون الحاضرون العلماء بالحق فى لغة القراٰن ام الحكماء الغربيّون الطّبعيّون المعاصرون الّذين علموا عدد السّنين والحساب * وراوا ملكوت السّمٰوٰت باليقين * أنزل القراٰن لهم ام لكم قوم جاهلين * افكنا بكم هدًى وّرحمةً لكم ام

(البقيّة من الصّفحة ٤٠) بجهلهم * وبعد ذلك جاء بالقانون وقال، وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ (اى نفنون ويتّقون بالقانون الّذى يجرى بينهم) مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَىْءٍ (اى لم نغادر فى القراٰن من امرٍ ومن نهىٍ ومن قانونٍ الّا ذكرناه فيه لتنتفعوا به) ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ (اى يحشرون ليقضى الله بينكم ايّكم احسن عملًا) . وبعد ذلك قال وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِى الظُّلُمٰتِ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

لقوم اخرين * افما قال الله لكم فى القران اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ
مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ۭ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ۝ وَمِنَ النَّاسِ
وَالدَّوَاۗبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ۭ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ **الْعُلَمٰۗؤُا** ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ
غَفُوْرٌ ۝ (۳۵: ۲۷-۲۸) * **افجهلاؤكم** الذين لم يعرفوا ما الماء * ولم يتدبروا ثمرات الارض
ولم يميزوا بين الوانها المختلفة * ولم يسيروا فى الجبال ليعلموا جددها البيض والحمر * ولم يحرثوا
طبقها **السود** النافعة التى احرثها الغرب فاصلحها وافلح * والذين لم يفرقوا بين الوان الناس
والدواب وغيرها من خلق الله * اهم حريون بان يسموا **العلماء** ام الغربيون الذين جعلوا عالى
الارض سافلها * وبدلوا سافلها بعاليها * وصعيدها بجرزها * وغوروا فى بطنها * وصعدوا على
جبالها * ولم يغادروا من الارض شيئا الا عرفوا حسنها وقبحها * وزينوا الارض بزخارفها * وحلوها
بحلية العلم والايجاد والفضل والرحمة * الذين **احسنوا** فى هذه الدنيا علما وعملا* واصلحوا
بالهم فى الدنيا والاخرة فائتونى بشهادة علمكم ان كنتم صدقين * افانتم اجدرون بهذا
اللقب فى قلوبكم على جهالتكم التامة المتعدية * واذهانكم المختلة الخالية * وبراهينكم الشتى المعطلة
وحججكم التى ليست ببالغة او نافعة * واجتهاداتكم المفرقة المشتتة * والبستكم المتشرعة * وعمائمكم
المتطوية * فائتوا برهانكم ان كنتم صدقين * افما قال الله لكم فى الكتب اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ
زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ **اَحْسَنُ** عَمَلًا ۝† (۱۸: ۷) * فنبئونى بما **احسنتم** فى هذه الدنيا وما عملتم*
وما الذى على الارض جعلتموه زينة لها * فالمغربيون الذين تسمونهم **الكفار** بلسانكم وتظنونهم
اصحب النار والمغضوبين عليهم فى زعمكم قد ساقوا على بر هذه الارض فروسا من **الخشب** * وفى بحرها
تماسيح من **الحديد** * وتحت البحر حيتانا من **الفلز** * وفى جو السماء طيورا من **الرصاص**‡
فينفخون فيها فتكون طيرا باذن الله يطير فى الهواء كالشهاب الثاقب * ويوقدون فى افرانها و

* اى من يستعمل ما عليها احسن استعمال نسبة لها فهو الذى حسن عملا ۱۲ † ‡ الاشارة الى ما صنعوا من القطارات والمراكب والطيارات من الخشب والحديد والطوطيا ۱۲

مجامرها فتجری فی البحر لیلاً و نہاراً کالحوت البہموت ۔ و یقلدون مقالیدہا فتسعی فی الارض کدآبۃ الغابۃ ۔ وما کان فیکم مسحۃ من علم ھذہ العجائب و الغرائب ۔ لا اجد فی صدورکم و اذہانکم من شئ الا ما یستحی منہ و یستہزء بہ العالمون ✽ فلا شک انکم تحزبون و تخذلون و تغلبون فی ھذہ الارض لانکم لم تقدروا اللّٰہ حق قدرہ ۔ و لم تعرفوہ حق معرفتہ ۔ و لم تشکروہ حق شکرہ ۔ اتخذتم السموٰت و الارض و ما بینہما و ما علیہا باطلاً و عبثاً ۔ و احکام ربکم زہقاً و ھذلاً ۔ فابطلکم اللّٰہ و ازھقکم ۔ تسیرون فی الارض کالمخلوق المقھور ۔ و فی دیارکم کالاخلاف الاجلاف تطردون من دار الی دار من الضعف و الذل خاسئین ✽ و المغربیون العالمون الذین عرفوا ربہم بوساطۃ صحیفۃ الفطرۃ و درسوا کتاب اللّٰہ فہم الذین یطئون فی الارض وطأۃ الغلاب التی تغیظکم و ھم الذین ینالون منکم نیلاً فتعضون انا ملکم علیہم من الغضب و الاسف و تقولون ما ھذا الا انہم ارادوا الدنیا فعجل اللّٰہ لہم فی الدنیا ما شاء ۔ و نحن نرید الاخرۃ فما لہم من نصیب فی الاخرۃ ان شاء ربنا رب العلمین ✽ فناموا فی غفلتکم ایہا الضالون الجھلون ! ✽ و موتوا بغیظکم علی قوتہم فلا خلاق لکم فیما انتم تزعمون ✽ ان فی صدورکم الاکبر و تفاخر بینکم فموتوا فی ضعفکم مفاخرین ✽ و واللّٰہ ما یشاء ربکم بہم ما شئتم و لا ریب انکم انتم فی الاخرۃ من المخذولین ✽ انما قال اللّٰہ لکم وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْہِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ وَرُسُلَہٗ بِالْغَیْبِ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ (۲۵:۵۷) ✽ افانتم امنتم بھذہ الایۃ ام الکفار القویون المعززون ✽ و انتم تخلقتم باخلاق اللّٰہ القوی العزیز ام النصاری الوثنیون ✽ و انتم استنفعتم من الحدید او الغربیون الحداد دون الشداد دون ✽ اولو باس شدید الذین یحدون سکاکینہم و سیوفہم لیحدوا علیکم و یشددوکم فلا تستطیعون ان تحادوا و ھم عاجزین ✽ و یبتغون فضلاً من اللّٰہ فی مناکب الارض و بہ یربحون ✽ فقد علم اللّٰہ انکم لا تنصرونہ و لا رسلہ

بالغيب فالذى نصر **نفسه** من اعدائه فقد نصر **الله** * صاحب القوّة والعزّة الذى لا حاجة

له بنصرتكم * الا انه يشاء ان تنصروا **انفسكم** غالبين * والله لا **يؤمن** عنده احدٌ الا الذين

إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ ۝ (۴۲: ۳۹) * والذين داموا ماداموا فى الارض منصورين * وانتم

الاعلون إن كان فيكم من الايمان فالمؤمنون لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ۝ (۳۷: ۱۷۲) وان جندهم لَهُمُ الْغٰلِبُونَ ۝

(۳۷: ۱۷۳) * فعملوا من هذا الفلزّ العجيب الغريب مغافيرهم وعجاتهم * واعدّوا اسلحتهم للحرب و

القتال * والاتهم للجرح والدّفاع * والبنادق والمدافع للهجوم والدّخول * وصنعوا موازينهم

ومكائلهم ومقائسهم وغيرها من الات المراصد والتجارب * وبنوا مراكبهم ومساكنهم واثّثوا بيوتهم

وحصّنوا قلاعهم ومسالح خيلهم * حتى **الآن** الله لهم الحديد كما الان لداؤد وملكه * واسال لهم

انهارًا من الذّهب والفضّة فى الارض * وما عملوا كلّ هذا الا ليعملوا **صالحًا**[1] وليكونوا من

المفلحين * فانبئونى بما اصلحتم فى هذه الدّنيا * وبما تشترون به جنّتكم فى العقبى * وما

يعلم علمًا تكم الجهلون * الذين لا يعلمون من شئ * ولا يملكون من قطمير فى هذه الارض الا

انّهم اذا جاءهم امرٌ من الجهل واللّغو اذا عوا به ويحبّون ان يشيع الذّلّ والمسكنة فى امّتهم * ولا

يكادون يفقهون ما يريد الله بهم * ويحرّفون القرآن ليسكّنوا شهواتهم * ويبدّلون معانيه

ليجعلوا خيرًا ويجعلوا يسرًا لانفسهم * ويختصمون بينهم من الكبر والجهل وادّعاء العلم * و

يجادلون فى الله ليعرفوه وما هم بعارفيه * معجزين بينهم معاندين * وما بهم مثقال ذرّة

من علم اعمال الله وصحيفة الفطرة او قانونه وعادته * لا يستطيعون ان يميّزوا الابيض من

الاسود * ولا يكادون يعلمون الخشب من الحديد * الا انّهم يجهرون بادّعائهم فى الصرف والنحو

ويرفعون اصواتهم ليناد وا انّهم بلغوا اشدّ مبلغهم فى البلاغة والعروض والبدائع واللّغة وغيرها

---

[1] كما قال الله عزّ وجلّ: وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ مِنَّا فَضْلًا ۖ يَا جِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ ۖ وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ ۝ أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ ۖ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۖ وَأَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ ۖ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۖ وَمَنْ يَزِغْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ ۝ يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَحَارِيبَ وَتَمَاثِيلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَاسِيَاتٍ ۚ اعْمَلُوا آلَ دَاوُودَ شُكْرًا (الباقى)

من الفنون التی لا یجوز ان یقال لها علم، فانّ **العلم** فی لغة القرآن هو الّذی یترشّح من درس **الفطرة** ومطالعة **اعماله** تعالیٰ ۔ ماکان اللہ ان یسمّی شیئًا **العلم** ان اخترعه الانسان ولم تکن شهادة صدقه فی خلقه ۔ وماکان لکم ان تجادلوا فی اللہ بهذا المبلغ ۔ او تعلموا ما مشیّته بواسطة الصّرف والنّحو ۔ او تدرسوا ما یرید بکم بوساطة اللّغة والعروض ۔ او تعرفوه بمنطقکم وصنائعکم واجتهاداتکم فی الادب ۔ فانّه ما عرف احدٌ ربّه قطّ الّا من عرف نفسه ۔ ومن علم قدرته وحکمته بسمعه وبصره ۔ ومن تعقّل ملکوته بفؤاده ۔ ومن استعمل قوله واعضائه لدرك اعماله وقدر طاقته ۔ ومن عرفه فاولٰئك هم العالمون ✻ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّیَتَّبِعُ كُلَّ شَیْطٰنٍ مَّرِیْدٍ ۝ كُتِبَ عَلَیْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ یُضِلُّهٗ وَیَهْدِیْهِ اِلٰی عَذَابِ السَّعِیْرِ (۲۲: ۳–۴) ✻ فلاشكّ فی انّ علمائکم جادلوا فی اللہ بغیر علم وهدوکم الیٰ ما انتم علیه بجهلهم ۔ وهدوکم الی الذّلّة والمسکنة لتترکوا هذه الدّنیا ولتکونوا من المخذولین ✻ وکیف یدّعون ان یفهمون کلام اللہ و **اقواله** اذ لم یکن لهم من علم **باعماله** ومالکم کیف تحکمون ✻ فواللہ ما تبیّن لعبد قطّ ما یعنی مولاه بکلامه واحکامه حتی درس العبد اعماله بامعان النّظر وعلم ما یعمل المولیٰ وما الّذی یرضیه او یغیظه ۔ وما عادته وسنّته ۔ وما معموله واخلاقه ۔ وبما یرفع ویخفض ۔ ویغفر ویعذّب ۔ وما فعل بالعباد الّذین خلوا من قبله ۔ ولما فعل ۔ ولما عاقب ولما دمّر ۔ فهذا علمه ومعرفته واشدّ قدره وشکره وحقّ عبادته ومبلغ طاعته ۔ وحقّ جهده لو کنتم تعلمون ✻ وما قال حاکم ابدًا الّا ما یطابق بعمله ۔ وما عمل صالحًا الّا ما یوافق بقوله ۔ فلاشكّ فی ان علم اعمال اللہ هو العلم الّذی یترشّح عن کلامه وعلم کلامه هو الّذی یصدر من اعماله ۔ وما فهم قوم کتابه حتی درسوا صحیفة الفطرة اشدّ درسًا ۔ ومن درس صحیفة الفطرة فقد درس قرآنه ووجد قانونه ۔ واطّلع علی امره ونهیه وصدّق به واولٰئك من العالمین ✻ افما قال اللہ لکم

(البقیة من الصّفحة ۴۴) وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّكُوْرُ (۳۴: ۱۰–۱۳) فقد بیّنت ههنا کیف الان اللہ الحدید لداؤد وکیف کانوا یعملون هو وقومه صالحًا (الباقی)

فی اعدائکم ان اَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَّمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللهِ وَعَدُوَّكُمْ
وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللهُ يَعْلَمُهُمْ (٨: ٦٠) * فکذب علماؤکم بهذه الآیة * وضلوکم
عن سبیله حین لم یدعوکم الی حکمتها * ولم یحثوکم علی جمع قوتکم * ولم یحرضوکم علی القتال و
الدفاع لترهبوا به اعدائکم * ولا شك فی انهم هدوکم الی عذاب السعیر * متصرفین عن علمها و
حکمة الله النافعة البالغة التی تخفی فیها * والمغربیون کلهم صدقوا بهذه الآیة بالعمل وامنوا بها
ما استطاعوا * وبدلوا خوفهم امنًا منها * واطاعوا الله ورسوله فصاروا من المفلحین * فی الدنیا
ولا شك انهم فی الآخرة من عباده المؤمنین * فسخر الله لهم بر الارض وبحرها * وسخر معهم
الجبال والانهار * والماء والهواء والجماد والنار * وسخر لهم البرق الذی یریکم خوفًا ویریهم
طمعًا * والریح تجری بامرهم‡ فی البر والبحر * والنار تحترق باذنهم * والبلاد تضوء علی حرکة اصابعهم
وسخروا انعام‡ الارض لیحملوا اوزارهم * والدواب لیزدادوهم ربحًا ونفعًا * وسخروا امثلکم من الجن
والناس لیخدموهم * واسالوا‡ علی الارض عیونًا من الذهب والفضة والحدید واشیاء التجارة
لیفرجوا کل ما بقی فی الارض من الناس وما بقی من طرق معاشهم * ومن البلاد وما بقی من اسالیب
تهذیبهم * نظرًا الی تالیف قلوب الرعیة وسلب حقوقهم * فوالله ما جاهد قوم قط فی هذه
الدنیا مثل ما جاهد الغرب فی زماننا هذا * ولم یعرفوا الله مثل ما عرفوه * ولم یقدروه مثل ما قدروه*
فکیف لا یؤدی الله اجورهم ویوفیهم حق عبادتهم فی الدنیا ویتم نعمته علیهم ان کانوا شکرین *
وکیف لا یستخلف فی الارض الذین امنوا بالله بالحق وعملوا الصلحت† انه شکور
حلیم * فالملئکة اکثرهم یسجدون لهذا القوم * وملك البرق یخدمهم لیلًا ونهارًا

(البقیة من الصفحة ٤٥) وکیف اشال الله عین القطر بل کیف فعل الله کل هذا للمغربیین المعاصرین الذین یعملون من هذا الفلز الاشیاء العجیبة الغریبة التی تقدم ذکرها فلا شك انهم یشکرون ربهم حق شکره ویقدسونه حق قدره والریح تجری بامرهم‡ کما کان یجری فی عهد سلیمن وغیرها من الاعمال الذی ذکرت علی هذه الصفحة ـ وسیاتی تشریح الجن‡ علی صفحة ٨٨ ـ الخ من هذه الافتتاحیة ١٢

† الاشارة الی قوله تعالی وَعَدَ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ (٢٤: ٥٥) ١٢

يسوق مراكبهم على الارض ويرسل رسالاتهم وبلاغاتهم من المغرب الى المشرق فى طرفة العين ويضئ بلادهم ومساكنهم بحركة اصابعهم * ويحمّر اوحهم لكى يروّحهم فى الحرّ * ويحمى مساكنهم فى القرّ * ويقدرهم على المكالمة بين البلاد فى لمحة البصر * ليشكروا الله ويثنوا عليه * فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۳۵ : ۱) * وملك البخار يعبدهم بكرةً واصيلًا يسوق قطاراتهم ويجر اثقالهم الى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِیْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ (۱۶ : ۷) * وينسج ثيابهم * ويزرع ارضهم * ويطبع كتبهم * ويصنع اثاثهم * ويعمل لهم الاشياء النافعة * وغيرها من الاعمال العجيبة الغريبة مالا تعد ولا تحصى باجنحته الشتّى † * والاخرون من الملئكة لما يسجدوا لهم حتى الان * وهم يجهدون بجد امكانهم ان يعبدوهم طائعين * خليف الارض حقا * فهم الذين قال الملئكة لربهم فيهم حين اراد الله ان يجعل فى الارض خليفة : اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ (۲ : ۳۰) فاجاب لهم ربهم ناظرًا الى اعمالهم الاتية وشاهدًا على افكارهم البالغة اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (۲ : ۳۰) * فعلمهم الله الاسماء اكثرها * ومن حقائق الاشياء معظمها * واقدرهم على استعمالها * وملئكته يدخلون عليهم من كل باب سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ طِبْتُمْ (۳۹ : ۷۳) فى هذه الارض احسنتم * ارا حكم الله فالبثوا فيها الى الحين * وهم الذين قال فيهم ربهم للملئكة وفى رجال مثلهم اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ (۳۸ : ۷۱-۷۳) * فسوّىهم الله ونفخ فيهم من روحه لانهم هم القادرون على ما يكسبون * سميعون وبصيرون وعليمون مثله وانتم لا تقدرون مما كسبتم على شئ ولا تسمعون من شئ ولا تبصرون ولا تعلمون * و

---

† فهذا ما عنى الله باجنحة الملئكة فالمراد انهم يفعلون افعالًا شتّى بقواهم المختلفة * وهذا ما عنى الله بسجودهم اى امرهم الله ان يطيعوا الانسان حق اطاعته * واما الشيطن (اى القوة البهيمية التى تسرى فى الانسان) فلا يكاد يطيعه بل يعصى عنه ومن عبده فهو الذى يفلح فى الدنيا كما يأتى فى وصف التوحيد على صفحة ۷۲ - الخ

الملئكة لا يسجدون لكم الآن ويقولون نحن خير منكم خلقنا مما هو افضل وخلقتم مما هو الابتر*
نسبح له ونقدس* ولا نطيع من لا يطيع لرب العلمين * وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا
اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ٥ (٤٣:٢٩) * فيا ايها المسلمون الجهلون المستضعفون المعاصرون ! اروني ماذا احسنتم في
هذه الدنيا * وما سعيتم فيها * ما الذي في الارض يسجد لكم * وما الذي سخرتموه لينفعكم * ما استنفعتم من
الحديد * وما اخذتم من الجدد السود والبيض * ما استنبطتم من الفطرة * وما استقرءتم من العادة * الا انكم
اتخذتم انتم وعلماؤكم كتاب الله هزوًا وسخرًا * ودينه لهوًا ولعبًا * وفطرته باطلًا وعبثًا * وملئكته هزلًا
وهجرًا * تهجرون بالقران وحكمته * وتنبذون وراءكم علمه ونبوته * مظاهرين بكتمانكم شهادة حكمته
ونبأه على انه مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ (٦:٩٢) * وشاهدين بتحقيركم اشياء الفطرة على انه ما
خلق الله في السموٰت والارض من شيء * فلا والله انتم قوم تجهلون * اتظنون انكم تحسنون في هذه
وان المغربيين هم الخسرون * قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ٥ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ٥ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ
اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ٥ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا (١٨: ١٠٣-١٠٦)
فابكوا على قسمتكم ايها الجهلون * وذوقوا مما كنتم تحسنون *

يا ايها المسلمون المرتسمون افلا انتم في اسلامكم الضالون * وعن الصراط لناكبون *
افما انتم تفعلون هو الاسلام ام ما يفعل الكفرون * وقد قال الله لكم وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ
دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (٣: ٨٤) * فلم يقبل الله منهم ولا يقبل منكم*
ويتم نعمته عليهم ويعرض عنكم * ويرفعهم ويخفضكم * ويقبض المسلمين ويبسط الكفرين *
فالحق انه ما فيكم من الاسلام من شيء وانهم هم المسلمون * علمكم الاسلام رسولكم * فدمتم
عليه ما دمتم * ونلتم اجركم ما دمتم * فلما اخذتم تنسون ما ذكرتم به ذهب الله بنوركم وهدايتكم

فسلبکم فضیلتکم علی العٰلمین * وفسقتم عن امر ربّکم فاستدرجکم من حیث لا تعلمون ۞ فکنتم تنقصون فی ایمانکم واسلامکم وعباده الصّٰلحون الّذین ورثوا الارض منکم کانوا یزیدون ایمانًا واسلامًا فی اعمالهم حتّٰی ظننتم انّکم تقیمون القراٰن مثل ما کنتم علیه وما انتم بقآئمیه * و ظننتم انّهم هم الکٰفرون ۞ وانّه ما کان لکم ان تدخلوا فی زمرة الکفّار ابدًا بعد ان اشهدتم بالسنتکم ولو عصیتم کل المعصیة عن امر ربّ العٰلمین ۞ فذهب الله بقراٰنکم علی کبرکم ومکرکم * و انسٰکم ما کان فی اذهانکم من علم عادته وخبر سنّته وکیفیّة قانونه * وانسٰکم ما کان بکم من النّبا العظیم الّذی جآء به خاتم المرسلین ۞ لیحییکم ویرضیه عنکم * فخطف وراثة الارض منکم * ودمّر حکمکم * واورثها کالها قومًا اٰخرین ۞ فلتضحکوا قلیلًا ولتبکوا کثیرًا جزآء بما کنتم تکسبون ۞ والمغربیّون هدٰاهم هٰذا العلم والنّبوّة الی التّوحید و الایمان * وبهٰذا القراٰن وان لم یروه اویدرسوه کدرسکم الی الفلاح والعمران * وبقی ما بقی بکم من کلماتکم وجهلکم ومکر اللّسان * وحبطت اعمالکم بهٰذا النّسیان والطّغیان * ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِي بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ (٦: ٨٩-٩٠) ۞ وقد نبّهکم الله بوساطة رسوله وقال فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (٤٣: ٤٣) بل قال وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۝ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ۝ (١٧: ٨٦-٨٧) ۞ فبئس ما اشتریتم به ضلالتکم وسآء ما کنتم تحکمون ۞ افامنتم ان یذهب الله بما بقی عندکم من کتابکم کلّه ویورثه الّذین یصطفی من عباده الصّٰلحین ۞ لیفلحوا به ولیکون رحمة لهم فانّه قال فی نبیّکم وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (٢١: ١٠٧) ۞ وفی کتابکم اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (٣٨: ٨٧) ۞ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ

لِلْمُتَّقِيْنَ ٥ (٢٨: ١٦٩) ۞ وهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ٥ (١٦: ٨٩) الطّائعين ۞ وَبَصَآئِرُ لِلنَّاسِ
وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ٥ (٤٥: ٢٠) ۞ ومامن حيّ فى هذه الارض اتّقٰى واصلح ثمّ افلح الّا
يتّبعه باليقين ۞ ومايخل الله كتابه وامانته عن احد فان يترکه هؤلآء او يهجره فيعرضه
على قوم اٰخرين ۞ ليحملوه ومن حمله فاولٰئك هم المفلحون ۞ فسلٰمٌ على المسلمين * الّذين
يحملون القراٰن العظيم فى زماننا هٰذا وبشّرهم بجنّٰت النّعيم ۞ فى الدّنيا ولهم فيها نعيم
مقيم ۞ خٰلدين فيها ماداموا على الصّراط المستقيم ۞ صراط الّذين انعم الله عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ
عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ٥ (١: ٦-٧) ۞ ولا تظنّوا انّ قراٰنكم هو الّذى تحفظون الفاظه فى صدوركم
امانىّ[†] من اوّله الى اٰخره كالببّغاء * اوتزيّنون به طيقانكم * او يغلفونه فى غُلف السّندس و
القزّ * او المجلّد المتعارف الّذى جاء به النّبىّ العربىّ * فانّه معكم ومن اثاث بيتكم * وماكان
لاحدٍ ان يسرقه عنكم * ولكن كتاب الله هو الهدى ودين الحقّ الّذى ارسل به رسوله[‡] ليظهركم
فانّ الهدٰى قد غاب منكم ودين الحقّ قد صرف عنكم * وغوّرت حقيقته عنكم * فلا تعلمون
القراٰن الّا امانىّ * ولا تعرفون ما حكمته وعلمه وصدقه وعدله ووحيه وقانونه الّا ما يجهر
به علماؤكم الجٰهلون ۞ وقد نبّههكم الله انّه شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْٓ
اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى (٤٢: ١٣) وما وصّى به كلّ قوم صٰلحين ۞ و
نبّههكم اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ
مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ٥ (٤٢: ١٣) ۞ فما الّذين بقراٰن عربىّ الّذى تؤمنون بالفاظه امانى
ولا تعلمون ما كتب الله عليكم فيه * وما هو باقرار باللّسان الّذى تمرون فيه ليلًا ونهارًا * وما هو
بالّذى تفرّقتم فيه * او بالّذى صنعتم فيه شرائع ومسالك اتباعًا لاوليآئكم وصلحآئكم * وما هو

---

† اَمَانِىّ: اى امانةً - لا تزيدون الفاظه ولا تنقصون بها كالامانة وهٰذا ما عنى الله بقوله وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِىَّ (٢: ٧٨) - وما فهم اكثر الشّارحين منه انّه جمع اُمنيّة فهو ليس بصحيح + ‡ الاشارة الى قوله عزّوجلّ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (٩: ٣٣) - فما قال ارسله بالقراٰن او بالفاظه بل بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ اى الهداية الّتى تصدر من اتباع القراٰن عملًا ومعنًا والصّراط المستقيم الّذى يهدى القراٰن اُمّ متّبعيه اليه ٠

بقولكم انّ القران هو ابلغ وافصح واشعر من كلّ كتب الكتبون ۞ فما من نوح ولا ابراهيم او موسٰى
او عيسٰى او غيرهم من الانبياء بقرانكم هذا * وما كانت الامم المسلمة الّتى خلت من قبلكم تكرّر
بافواههم كلمات كم الشّهادة وادعيتكم العربيّة * اويقرءون قراناً عربيّاً * اويؤمنون بفصاحة
القران الّذى بيزايد يكم * اويكونه شعراً كما امنتم ليسلموا * فنبّئونى بالدّين الّذى شرع الله
لكم ولكلّ الانبياء ان كنتم صادقين ۞ وقد قال الله لكم فى القران فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ
يَتَذَكَّرُوْنَ (۴۴ : ۵۸) * وقد قال لكم وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِىْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ
(۳۶ : ۶۹) * وقد قال وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ؕ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِىْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۙ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ
مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۙ (۲۶ : ۲۲۴ - ۲۲۶) ۞ فما الدّين بما زعمتم وما كان الله ليهديكم الى الاسلام بشعره
وحسن كلامه * ولكنّ الدّين ما ذكّركم به وما بيّن لكم من الامر والنّهى فى القران المبين ۞ وانّه
هو القانون الّذى دوّن الله فى الكتٰب الحكيم ۞ صرفاً عن اللسان الّذى جاء فيه فاللّسان ليس
بشئ عنده وعند احد من المقتنين ۞ وما عربيّتكم بدينكم وقد جاء دينه تعالٰى فى السنة
شتّى * وقد قال الله لكم وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ (۱۴ : ۴) وقد قال
لكم اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۚ (۴۳ : ۳) * وَاِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ
(۱۲ : ۲) ۞ وانزل الله القران بلسان العرب لئلّا تكون للعرب حجّة بعده لانّه قال فيهم وَلَوْ جَعَلْنٰهُ
قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ (۴۱ : ۴۴) * فاللّسان ليس بشئ عنده * وما دينكم الّا الامتثال
بامر ربّكم * والاعراض عن نهيه * والتّذكير بما نسيتم من درس مطالبه وتعقّل قانونه وتتبّع سنّته
وما وظيفتكم فى لسان القران الّا انّه عليكم حفظ الفاظه * وتصيينكم عن تحريف كلماته ومطالبه
نظراً الى حفظ مقاصد الله * ولتعلموا بعينه وبلفظه ما امركم الله * لا تقديسه بالجهل وبقولكم
انّ القران قد جاءنا بلسان عربىّ فلا يسلم احد عندنا ولن يدخل قومٌ فى دين الاسلام حتّى يؤمنوا

بذ القرآن العربی بافواههم * فما یرید بکم الله ان تفقدوا لسان العرب او تحقروا العجم ولکن یرید
ان تطیعوه وتتّبعوا احکامه * فانّه لا یؤمن احدٌ عنده حتّٰی یتّبع احکام القرآن عملاً ومعناً لو کنتم
تعلمون ۞ ولذلک قال الله ءَاَعْجَمِیٌّ وَّعَرَبِیٌّ قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدًی وَّشِفَآءٌ وَالَّذِیْنَ
لَا یُؤْمِنُوْنَ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَیْهِمْ عَمًی اُولٰٓئِکَ یُنَادَوْنَ مِنْ مَّکَانٍۢ بَعِیْدٍ (۴۴:۴۱) ۞ وایّاً ما تدعوا
وفی ایّ لسان تسلموا فهو یقبله ویؤدّی الیکم اجورکم الله غنیّ عن العلمین ۞ سوآءٌ علیه کلّ ما
خلق من النصاری والیهود * والمسلم والهنود * وغیرهم من الاقوام * الّا انّه من اطاعه فهو الّذی اٰمن و
اسلم عنده * ومن انکر حکمه فقد کفر عنده * فالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ
اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ
(۶۲:۲) ۞ لیست الیهود علی شیءٍ عنده ولیست النصاری علی شیءٍ عنده ولیس المسلمون علی شیءٍ عنده حتّٰی
یعملوا ویقیموا الکتٰب الذی جاء به موسیٰ وعیسیٰ وخاتم النبیّین والنبیّون غیرهم من قبل * نزّهها
عن اللسان الذی ارسل فیه * وان کان اللسان من شیءٍ او التوحید من قولٍ عنده فلم سمّی الله ابراهیم مسلماً
وقال: مَا کَانَ اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَّلٰکِنْ کَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ (۶۷:۳) ۞
ولم سمّی الله النبیّین من قبل نبیّنا علیهم الصّلوٰة مسلمین ومؤمنین ولم یؤمنوا بهذا القرآن * ولا
بذا الکتٰب العربیّ فی اللسان * ولم سمّی الله کلّ امم صالحة من قبل الاسلام مؤمنة ومسلمة فی القرآن
وما قالوا بافواههم من کلمة الشهادة وغیرها التی تروج فینا فی هذا الزمان * فتدبّروا ان کنتم قوماً تتفکّرون ۞
فلا الاسلام الّا فی العمل * ولا الدین الّا ما جاء فی الکتٰب * وما الکتٰب الّا قانونه تعالیٰ * وما القانون
الّا ما بیّن الله لنا بلسان العرب فی القرآن او فی الکتب التی جاء به الانبیاء من قبل * وانّه لا یسلم قوم
عند ربّنا الّا من اتّبع قانونه عملاً وفعلاً دون القول واللسان فانّ قانونه قانون واحد الّا انّ
القرآن هو اکمل کتبه واٰخرها وابین صحفه واحسنها * وحفظه الله من کلّ تحریف لفظی * المعوّل علیه

* ای طائعاً وساجداً لامر ربّه عملاً ومعناً +

عند التصديق * والمرجوع اليه للتوثيق * فهذا ديننا ومسلكنا فى الاعتقاد * وهذا ما كلفنا الله به
لانّ دينه دينٌ واحدٌ جامع النّاس لا فارق * لا دين اليهود ولا دين النّصارٰى * لا متمسلمًا ولا متهتدًا
لا عربيًّا ولا اعجميًّا * لا شرقيًّا ولا غربيًّا * مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ
كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ
تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ (٢٤ : ٣٥) وشرع اللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ (٢٤ : ٣٥)
لنا من نوره ما وصّى به كلّ الانبياء ولذٰلك كلّف الله المسلمين بان يؤمنوا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ
مِنْ قَبْلِكَ (٢ : ٤) كلّه ومن هذا القبيل فليؤمن المؤمنون ويعمل العاملون ۞ ولذٰلك لا يختصّ الله احدًا
من الاقوام بنوره ووحيه فى ايّ زمانٍ * بل يذهب بالّذى اوحٰى الٰى قوم ويؤكّله بقومٍ اٰخرين يشاء
وينقل دينه من امّة الٰى امّة ليؤدّى اليهم اجورهم بقدر اعمالهم وصلاحهم * ويقبض ويبسط ويرفع
ويخفض نظرًا الٰى **اعمالهم** لا الٰى اقوالهم واعتقاداتهم فانّه لا يضيع اجر المحسنين ۞ وهذا هو
القانون الّذى يحكم به الله بين النّاس * والدّين الّذى سمّاه **الاسلام** * صرفًا عن كلّ ما قال
فيه علماؤنا والمجتهدون ۞ وهم الّذين فرّقوا بين النّاس باجتهاداتهم الواهية وقالوا نحن نتّبع
نبيّنا محمّدًا والنّصارٰى يتّبعون نبيّهم عيسٰى ونحن بريّون ممّا يقولون ويعتقدون ۞ لا هم منّا ولا
نحن منهم * وما قال نبيّنا الّذى قال نبيّهم * بل ضرب كلّهم عن المسلك الّذى اشار اليه رسولنا
فلا شكّ انّهم **فرّقوا بين الله ورسلهم** * وزعموا انّ الرّسل جاء وا برسالات شتّٰى من ربّهم
وقد قال الله فى رجال مثلهم فى القراٰن اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ
اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ
هُمُ **الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا** ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۞ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا
بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۞ (٤ : ١٥٠ - ١٥٢) ۞ فضيّقوا حدود

الاسلام بل تعدد واحدود الله وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۲:۲۲۹) * ولو آمنوا بالرسل كلهم عملاً * وحسبوا انهم كلهم جاؤا بكتب واحد من عند ربهم وبالدين الواحد الذى شرع الله لنا منه من اول يوم وبالذى وصى به ابرٰهيم وموسىٰ وعيسىٰ وغيرهم من النبيين اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (۴۲:۱۳) * ولم يتفرقوا فيه واشاعوا بذا الاعتقاد * وقالوا لاهل الكتب تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۳:۶۴) لكان خير الهم ولجماعتهم * فلجمع الله الناس كلهم على الاسلام ولدخلوا فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (۱۱۰:۲) * ولجمعوهم على الهدى * ولكثرت جماعتهم * ولصاروا من المفلحين ۞ فيا ايها المسلمون المتشرعون المتفرقون! ما الاسلام بما زعم علمآؤكم * وما الدين بما ظننتم بل سماه الله فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (۳۰:۳۰) لانه اجبر كافة الناس عليه بل جبلهم عليها * ولهذا لامفر لاحد من الناس منها * وان من قوم اصلحوا ثم افلحوا فى هذه الارض الا اسلموا له * وان من ارض خاب اهلها الا انهم صرفوا عنه * لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (۳۰:۳۰) ۞ فلا شك فى ان علمآءنا كلهم نسوا اصل ديننا والفطرة هى التى لا تخفى على الذى فطر عليها اصلاً ولا شك فى انهم نسوا فطرتهم وَنَسُوْا حَظًّا (معظما) مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ (۵:۱۳) وكلهم ضربوا عن بث هذه السرائر الى دين الاقوال والعقائد * وشرعة الكلمات والمناسك * من دون الحقائق والفرائض * وكبروا صغائر الامور وصغروا كبائرها ابتغاء الفتنة وجهلا * واتخذوا دينهم لهوا ولعبا * ولم يتدبروه ولم يتفقهوا فيه حق تدبره وتفقهه * فاوهنوا امرنا فى الدنيا * و اضعفوا بالنا فى العقبى * واضلوا اسعينا وجعلونا من الاخسرين ۞ فيا ايها العلمآء المتكبرون المعاصرون! نبئونى ما الدين وما الاسلام ان كنتم صٰدقين ۞ ما فى اسلامكم من الفطرة التى فطر الناس عليها ان كنتم قوما تتفكرون ۞ وما الذى شرع الله لنا منه * والذى وصى به ابرٰهيم و

موسٰی وعیسٰی وغیرهم من الانبیاء الی رسولنا سید المرسلین ۞ وما الذی اجمل الله الناس علیه فلا مجال لهم ان یفرّوا منه منکرین ۞ وان سائر الناس سوٰکم یفرّون من فطرتهم فلما لا یعذّبون * من فوره لانه ماکان للباغین عن الفطرة ان یستعتبون ۞ فما الذی قال الله فیه وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ (۳: ۸۴) ولما لا تقبلون * فی هٰذه الدنیا وهم یقبلون ۞ من دون الاخرة فستعلمون ایکم من الاخسرین ۞ واین المطلوب الذی قال الله فیه اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (۳: ۱۸) افلا تعقلون ۞ واین السیئة من عندیتهم التی تصیب الذین لا یدخلون فی زمرتکم * ولا یقولون مثل ما تقولون * ولا یصلّون مثل ما تصلّون * ولا یرکعون او یسجدون او یسبّحون مثل ما فعلتم * ولا یؤمنون مثل ما آمنتم * ولا یتعمّمون او یتأزّرون مثل ما تعممتم وتأزّرتم * جزاء فی زعمکم ببغیهم عن الفطرة افلا تذکّرون ۞ افقولکم بافواهکم انّه احدٌ هو الاسلام فاکثر الناس من دونکم لا یکادون یقولون هٰذا وما کادوا یعذّبون ۞ افصومکم عامًا بعد عامٍ فی ایامٍ معدودات هی الفطرة فالناس من دونکم ینکرون اصلًا هٰذه الفطرة وهم لا یُعتبون ۞ اوصلواتکم الخمسة التی تقیمونها فی مساجدکم او فی دیارکم وتکرّرون ارکانها بغیر علمٍ وبکل صحة صرفًا عمّا تقولون فی قوماتکم وقعداتکم هی الدین فالناس غیرکم لا یصلّون مثلکم صلٰوة واحدةً وهم یُستعتبون ۞ افزکوٰتکم التی تنشرونها فی الارض کالرماد عامًا بعد عامٍ فالریح تجری به فی جوّ السماء لتخذلکم وتشییع المسکنة فی قومکم فتذرکم مستضعفین فی الارض غیر قادرین مما کسبتم علٰی شیءٍ هی الاسلام فسائر الناس لا ینفقون حبةً مثل هٰذا فی سبیل الله وهم لا یخذلون ۞ افحجّکم وهجرتکم فی اواخر عمرکم الی مکة للفلاح هی الاسلام فاکثر الناس فی الارض لم یسمعوا اسم مکتکم قط وهم مفلحون ۞ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (۳: ۱۶۹) ۞

فما الفطرت التی فطر الله النّاس علیہا۔ وما الذی بُنی علیہ الاسلام لو کنتم تعلمون ۞ وما صلی الانبیاء من قبلکم صلوٰۃ مثل ما انتم علیہ ۔ ولا صاموا صوماً علی نحوکم فی شہر رمضان ۔ ولا انفقوا مثل ما انفقتم ۔ ولا ارتحلوا من دیارھم الی مکۃ لیقضوا مناسکھم ۔ ولا انشدوا کلمتکم الشہادۃ العربیۃ ۔ ولا تحتموا او تأزروا مثل ما انتم تفعلون اصلاً ۔ ولکننی اقسم برب السماء والارض انہم کانوا من عباد الله المؤمنین المسلمین ۞ وما کانت الامم التی اتبعتہم الا اُمماً مُسلمۃ من دونکم ومن دون العٰلمین ۞ ولا شکّ فی ان اسلامھم کان مبنیّاً علی ارکان من دون ما انتم تظنّون ۞ فلا اقسم بالله العلیّ العظیم ۞ ما بُنی الاسلام علی ما انتم تزعمون ۞ وما کلمۃ الشہادۃ و الصوم والصلوٰۃ والحجّ والزکوٰۃ التی تسمونہا **ارکان** الاسلام الا **شعائر** الامّۃ المحمّدیۃ اومناسکہا التی تتمیّز بہا امّتکم من الامم الاخریٰ ۔ ولکنہ ما اُسّس الاسلام علیہا قطّ ۔ ولا ھی فطرت الله التی فطر النّاس علیہا ۔ ولا ھی ما یولد علیہا ولدٌ ۔ ولا ما تفلح بہ اممٌ ۔ ولا ما ذکّر الله بہ العٰلمین ۞ ولا ما وُصّی بہ النّبیّون ۞ بل ضرب الله فی القران عن تعیین کلمۃ الشّہادۃ والفاظہا ۔ وتفصیل ارکان الصّلوٰۃ ورکعاتہا ۔ وعدّتہا واوقاتہا ۔ وتقدیر انفاق المال والزّکوٰۃ ۔ وتبیین مناسک الحجّ الا ما شاء ۔ وترک کلّ ھذہ للنّبیّ العربی لینفذھا فی امّتہ انّی یشاء ۔ الا انّہ صار امّتنا کرۃ بعد مرۃ واکرھنا مراراً علی ھذہ الشّعائر نظراً علی اصلاح اعمالنا وتشکیل اخلاقنا فی ھذہ الدّنیا ۔ ولا دخال الایمان فی قلوبنا ۔ ولنکون ما اراد الله بنا ۔ ولنکون من المفلحین ۞ فلا والله ما ھو الا انّہ قد بُنی الاسلام علی عشرۃ اصول (۱) **التوحید فی العمل من دون القول** (۲) و **وحدۃ الامّۃ** (۳) و **اطاعۃ اولی الامر منکم** (۴) و **الجہاد بالمال مع الاعداء** (۵) و **الجہاد بالسیف و بالانفس** (۶) و **الھجرۃ الی البلاد** وھجر کلّ ما یشغلکم عن السّعی (۷) و **الاستقامۃ فی السّعی** مع التوکل فی النتائج (۸) و **مکارم الاخلاق** (۹) و **العلم**

(١٠) والایمان بالاخرة لوکنتم تعلمون * ومن اتبع هذه العشرة علماً ومعناً فاولئك هم المسلمون ﴿ﺑﭙ﴾
وکلّ واحد من هذه العشرة المبشّرة الکاملة من اصول الاسلام یتفرّع من الاصل الاول اعنی التوحید
فی العمل کما یاتی * وکل اوامر القرآن ونواهیه یتفرّع من هذه الاصول ویؤیدها کما یاتی * وکلّ ما بنی
علیه الاسلام یولج فی التوحید ویهدی لعامل الی الغلبة والامن والتمکن فی الارض والاستخلاف فیها
وکلّ هذه هی الفطرت التی فُطِرَ النّاسُ علیها * فمن اطاع الله حق اطاعته فی هذه الامور وجد اجره من
عند ربّه فی الدُّنیا * ومن عصاه او بغی علیه لاقی عذابه فیها * وکل هذه هو ما وُصّی به النّبیون من قبل
الّا انّهم اوتوا جزءً ونبذاً منه حتّی اکمل الله دینه واتمّ شریعته واسبغ نعمته علی نبیّنا علیه الصّلوٰة
والسّلام * وما کلمة الشّهادة والصّوم والصّلوٰة والحج والزّکوٰة التی تسمی فینا ارکان الاسلام بشیٔ الّا
اسلحة ووسائل لاجراء هٰذه الاصول فی اُمّتنا ولاستمساك بالّذی اوحی الله الینا * فما **کلمة**
الشّهادة الّا مظهر التّوحید فی العلم المصدّق ما فی قلب الانسان * وما **الصّوم** الّا جهاد بالانفس
والاحتساب علیها * وما **الصّلوٰة** الّا توحید الامّة واطاعة الامام * وما **الزّکوٰة** الّا الجهاد بالمال
وما **الحج** الّا اظهار وحدة الامّة * وکلّ هذه من ارکان الاسلام نُصبت لتاسیس الجماعة ولتوحیدها
وتقویتها نظراً الی استقلالها فی الارض واستخلافها فیها * وما هذه العشرة من اصول الاسلام
الّا **روحٌ من امره** تعالی ای قانونه کما قال: وَكَذٰلِكَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۚ مَا كُنْتَ
تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْ اِلٰی
صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (٤٢ : ٥٢) ❋ فما هٰذه الارکان الّا مناسك الامّة وظواهر الایمان وما هی باصل الدّین
قط بل فروعٌ من امره * بل مستخرجةٌ منه * ولذلك قال الله عزّ وجلّ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا
هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا یُنَازِعُنَّكَ فِی **الْاَمْرِ** وَادْعُ اِلٰی رَبِّكَ ۚ اِنَّكَ لَعَلٰی هُدًی مُّسْتَقِیْمٍ (٢٢ : ٦٧) ❋ فجعل
الله لکل امّة طریقة عبادة ربّها واسلوب التعبّد بقانونها * فلتستمسك کلّ امّة بهذه الطریقة

وتداوم عليها * ولكن امره وقانونه شئ اٰخر* يستوى فى كل الامم * فمهما تستمسك اُمّة بامره
واِيّا ما تاخذه فسوآءٌ عليه فهو يؤدّى اليهم اجورهم بقدر سعيهم ويوفّى حسابهم * فيجب على الناس
ان لا يتنازعوا بينهم فى الامر* فالنّزاع فى الامر هو ما ينافى الاسلام وينافض دينه تعالىٰ * والنّزاع
فى المناسك هو الّذى يفرّق بين الاقوام لا بين افرادهم* ولا يعذّب الله قومًا حتّٰى تنازعوا فى الامر
وضلّوا عن سبيله المستقيم ❊ وان امّة من الامم استمسكت بمناسكها ثمّ توغّلت فيها معرضة
عن مقاصدها المهمّة التى تخفى فيها واخلّت بامره تعالىٰ واهملته او تنازعت فيه فلا شكّ انّها
قد ضلّت عن سبيله ووجب عليها العذاب كما وجب على المسلمين المعاصرين الّذين قالوا ما الاسلامُ
الّا اقامة الصّلوٰة وايتاء الزّكوٰة والصّوم والحجّ واقراره تعالىٰ باللّسان* فما كان لنا ان نؤمن بما
سوٰها * كتب الله علينا هذه الخمسة * وما نحن الّا من المفلحين ❊ وما هو الّا انّه قد غاب اصل
الدّين عنهم * وغوّرت حقيقته * ولمسوا سطحه وظاهره * وصرفوا عن مخّه وباطنه * اَفَتُؤْمِنُوْنَ
بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ
الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ (۲: ۸۵) ❊

ولا شكّ فى انّ هذه العشرة من اصول الاسلام وما يليها من الاوامر فى القراٰن هى **الفطرة**
لانّه فى اىّ ارض تجدوها واىّ قوم يتّبعها فهم لا يزالون ينتفعون منها * يُرفعون بها من مقام الى
مقامٍ حتّٰى يمكّنهم الله من الارض ويغلبهم ويبدّل خوفهم امنًا * فالّذين جاهدوا فى هذه الاصول
حقّ جهادها * وبلغوا اشدّ مبلغهم فيها * وسعوا فيها ما استطاعوا * ولم يتزلزلوا عنها * فاولٰٓئك هم
المفلحون ❊ واولٰٓئك هم **المؤمنون المسلمون** ❊ وقد استنبط الحكمآءُ من المغرب
كلّ هذا الاسلام من دراسة احوال الطّبيعة وعوائد المخلوقات السّفليّة * ومن مطالعة ما يماثل
ويشاكل بين مجامع الناس واُمم الطّيور والدّوآبّ* اشار الله اليه فى الاٰيٰت التى تقدّم ذكرها[†]

[†] وليظر القارى الى صفحة ۳۹ من هذه الافتتاحية *

بجدّ مالم یتقدّم علیهم احد من حکماء القرون الخالیة ، ففتشوا مواليد الارض وثوروا طبقاتها
الباقية ومخلوقاتها البالية والرّكازات والمتحجّرات ، ودرسوا غيرها من العلم وحقائق الاشياء وتاريخ
الامم الخالية ، فاستقصوا فيها واستقرءوا انّه ماهو الآن نظام كلّ العالم مبنيّ على السّعي والعمل و
الجدّ والجهد ، والنّظم والنّسق ، وانّه لايفلح فيها احدٌ الّا من اصلح ، ولا يصلح الّا
من حفظ نفسه من كلّ الاعداء والبليّات والحوادث والنّوائب ، واعدّ لها ما استطاع من
قوّةٍ ونظمٍ وعلمٍ ثمّ استقام في سعيه ، واستدام في تقدّمه ، فانّه ليس للانسان في هٰذه الدّنيا
الّا ما سعىٰ له سعيًا بليغًا ، فالسّعي والتّقدّم وحفاظة النّفس هي المنتهىٰ في الدّنيا ، وانّما يوفّى
النّاس اجو هذا السّعي في العقبىٰ ، فلابدّ للانسان اذا اراد ان يبتغي وجه الله من ان يجهد ههنا
جهدًا متتابعًا لتقوية قومه وتزكية نفسه ، فما هٰذه الارض الّا مصرعٌ للابطال ومقتل للشّجعاء
ليصرع بعضهم بعضًا في المجادلة للحياة والتّنازع للبقاء ، وليحفظوا انفسهم من تطاول الاعداء ، و
ليكفوا ايدي النّاس عنهم فيكونوا في زمرة الاحياء ، وانّه لايبلغ قومٌ عندهم هٰذا المقام الحصين حتّٰى
يزكّوا قلوبهم من رجز الاوثان ، وعبادة الاصنام ، وحبّ الحيٰوة الدّنيا ، والشّغف بالمال
والاولاد والمساكن وغيرها من الاوثان الّتي تشغلهم عن السّعي والعمل والجدّ والجهد ، وما هٰذه الّا
اقرار التّوحيد في الاعمال ، واشعار القلوب بالحاكم المتعال ، والاعراض عن الطّاغوت والدّجال
وهٰذا ما اسّس عليه اصلاح الانسان عندهم ، وما بني عليه كلّ اصولهم ، ويوجد فيه معظم سياستهم
وهٰذا ما عُرّف به الصّلاح والارتقاء عندهم ، واساس الابقاء في علمهم ، فمن عرف هذا فقد عرف
سرّ الحيٰوة والممات ، واكتشف له حقيقة الفناء والبقاء في الدّنيا ، ومن اعرض عنه فقد هلك بل
استهلك واستمات ، وما هٰذه التّزكية الّا تهيئ للصّلاح وتمهيد ، فقد افلح من تزكّىٰ (۸۷:۱۴)
عندهم كما قال الله عزّ وجلّ ، ولكنّه لايفلح قومٌ في علمهم حتّٰى ينظّموا انفسهم ويوحّدوا ويألفوا بين

قلوبهم بهذه التزكية * ويعتصموا بنظم وقانون * ويطيعوا اميرهم بحد استطاعتهم * ولا يصلح قوم في اصطلاحهم حتى يجاهدوا باموالهم وانفسهم لتكفيف اعدآئهم عنهم * وحتى يعدوا لهم ما استطاعوا من قوة واسلحة * ويهاجروا من ملك الى ملك لامضاء حكمهم على الناس وتقوية امرهم وجماعتهم * وحفظ نفوسهم عند الضعف * وتقذيف رعبهم في الاعدآء * وتحصين عزتهم وغلبتهم * وتمكينهم من الارض * ولا يستأهل هذا المقام قوم اصلاً في هذه الدنيا حتى استقاموا في سعيهم وسعوا لحصولها سعياً متتابعاً ليلاً ونهاراً * وداموا ما داموا في الارض فاولئك هم المفلحون ❁ ولا شك في ان كل هذا هو مما يفعل الوحوش والطيور والدوآب والانعام وغيرها من المخلوق السفلى في مساكنها بقدر استطاعتها وحد امكانها وهم الذين يسجدون لسنة الله وللاصول التي ودع الله في جبلتهم وخمر في طينتهم بل اوحى في خلقهم * فانهم يدافعون عن انفسهم الاعدآء حين الباس ويتخذون بيوتاً من الجبال ليحفظوا انفسهم ويجاهدون ويهاجرون في ديارهم ويسعون سعياً متواتراً ليخرجوا اعدآئهم من الارض وليحرموها عليهم حتى الانسان * وليستخلفوا انفسهم فيها على ارث من الله * وليتسلطوا على صعيدها وجرزها وسهلها وصخرها * وعلى ما فوق الارض وما تحت السمآء * وعلى سطح البحور وفي قعورها على كره منه * ويتخطفون اعدآئهم خطفة كاملة فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ (٩: ١١١) ليحفظوا انفسهم * ويقاتلون اعدآئهم كافة حيث وجدوهم * ويقتلونهم جميعاً حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (٨: ٣٩) ان كانوا قادرين ❁ ولا شك في ان كل هذا الدرس والوحى من الله فانه علمهم ولم يعلمهم احد غيره ولم يقدر على تسوية خلقهم او يحط على افعالهم سواه * ولا شك في انهم له ساجدون ❁ ولذلك قال الله فيهم وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (١٦: ٤٩-٥٠) ❁ فهذه سجودهم وركوعهم لرب العلمين ❁ و هذه ما يؤمرون بها وهذه ما يفعلون ❁ ومن ذلك قال الله في احدهم وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ

اتّخذي من الجبال بيوتًا ومن الشجر ومما يعرشون ۝ ثم كلي من كل الثمرٰت فاسلكي سبل ربك ذللًا يخرج من بطونها شراب مختلف الوانه فيه شفاء للناس ان في ذٰلك لاٰية لقوم يتفكرون (١٦: ٦٨-٦٩) ﷺ احفظي نفسك يا عبدة الله وبيتك من الاعداء ۞ وان احدٌ اراد ان يخرجك منه فاهجمي عليه ۞ واقطعي دابره ۞ واسعي سعيًا بليغًا لما امرك الله في الحفظ والامن وافعلي ما تؤمرين ﷺ فهٰذا صراط ربكم **مستقيمًا** في هٰذه الدنيا ۞ وهٰذا **سجود** ما في السمٰوٰت وما في الارض من دآبة والملٰئكة له ومن في الارض من الانسان لا يسجد له ولا يطيعه فسحقًا للكٰفرين ﷺ وهٰذا **صلوٰة** الدوآب و **تسبيح** الطيور لله ربكم فاطر الجبال وفاطر الصخور ۞ والنجم والشجر يسجدٰن (٥٥: ٦) له لو كنتم تعلمون ﷺ ويسبّح الرعد بحمده والملٰئكة من خيفته (١٣: ١٣) ۞ والشمس والقمر والارض له يعبدون ﷺ الم تر ان الله يسبح له من في السمٰوٰت والارض والطير صٰفّٰت كل قد علم صلاته وتسبيحه والله عليم بما يفعلون (٢٤: ٤١) ۞ ولله ملك السمٰوٰت والارض (٢٤: ٤٢) والى الله ترجعون ﷺ تسبح له السمٰوٰت السبع والارض ومن فيهن وان من شيء الا يسبح بحمده ولٰكن لا تفقهون **تسبيحهم** (١٧: ٤٤) فبايّ حديث بعده تؤمنون ﷺ فيا ايها المسلمون المستكبرون المعاصرون! الذين يزعمون انهم لربهم لساجدون ﷺ وانهم هم المصلّون ۞ في الارض من دون العٰلمين ﷺ ويظنون انهم بحمده مسبّحون ۞ "وقليلًا من الّيل ما يهجعون ۝ وبالاسحار هم يستغفرون" (٥١: ١٧-١٨) ۞ **هٰذا** ما عنى الله بسجودكم وصلوٰتكم ۞ وهٰذا تسبيح مخلوقه غيركم بل **كيفية** ما يريد الله ان تختروا لكم فما يريد الله منكم من شيء الا ان تعثوا في الارض طائعين ﷺ ساجدين لحكمه وقانونه فنعم اجر العٰملين (٣٩: ٧٤) ﷺ وان تتخذوا من الجبال والقلاع والحصون بيوتًا لكم لتحفظوا انفسكم من اعدائكم ولتكونوا من الغالبين ﷺ وان تجاهدوا في هٰذه الارض حق جهادكم وجدّ وسعكم واشدّ مبلغكم لتمتنوا

ﷺ اي لا ينامون الا قليلًا من الليل لكونهم مسبّحين بالعشيّ ومعتكفين في المساجد" ـ هٰذا ما عنى المسلمون المعاصرون بهٰذه الاٰية بل بقوله تعالىٰ تتجافى جنوبهم عن المضاجع يدعون ربهم خوفًا وطمعًا (٣٢: ١٦) وقد مرّ شرحه على صفحة ٣٦ من هٰذه الافتتاحية وسيأتي شرح الاٰية (٥١: ١٧) على صفحة ٦٧ منها يتبيّن لكم انه ما عنى الله بها الاعتكاف او الرهبانية بل السعي والعمل بالعشيّ والابكار لتقوية القوم كما قد مرّ شرح من قوله تعالىٰ على صفحة ٣٦ جزآءً بما كانوا يعملون (٣٢: ١٧) وقوله نزلًا بما كانوا يعملون (٣٢: ١٩) على صفحة ٣٦ ايضًا ۞

فی مناکبها امنین ❁ وتنظموا قُوٰیکم وتوحّدوا انفسکم وتألّفوا بین قلوبکم کالنّحل ولتسلکوا سُبُلَ

ربّکم مذلّلین ❁ وان لا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ (٨: ٤٦) انّه یحبّ القوّایین المعزّزین ❁

وان تخافوا ربّکم من فوقکم کالدّوآبّ وتفعلوا ما انتم تؤمرون ❁ وتجاهدوا اعدآئکم وتغلظوا علیهم †

کالجبّارین المقهّرین ❁ وان تاخذوا حِذْرَکُمْ کالنّحل والعنکبوت والدّوآبّ والطّیر والبعوضة

الّتی لا یستحی الله ان یضرب لکم مثلها وما فوقها ‡ فتنفروا ثبات او تنفروا مجموعین ❁ عُبیدات الله اولات

باس فهنّ اللّاتی لا ینقضن عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ (٢: ٢٧) من اوّل یوم ولا یقطعن مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ

اَنْ يُّوْصَلَ (٢: ٢٧) ولا فی الارض یفسدن ومن ینقض عهده من بعد میثاقه فاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ

(٢: ٢٧) ❁ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ (٢٤: ٤١) من اوّل یوم خُلق وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ

(١٧: ٤٤) مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ (٢٣: ٦٧) ❁ لا یقیمون صلوٰتهم کسالیٰ * فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ

الْخٰلِقِيْنَ (٢٣: ١٤) ❁ فوالله ما یرید ربّکم من صلوٰتکم وتسبیحکم من شیٔ الّا ان تصلّوا کالصّواعق

وتسبّحوا کالرّعد بحمده مهلّلین ❁ لتصیبوا به من تشاؤن وما تشتهون ❁ وتطئوا الارض وطأة

الغُلّاب المعذّبین ❁ وان لا تغنّوا فی زوایاکم معتکفین ❁ مزمّلین من الذّلّ والعجز کالمسکین ❁

وان تسجدوا کالنّجم مبیّتین ومصبحین ❁ وتسجدوا الاحکامه کالشّمس والقمر بحسبان تابعین ❁

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (٣٦: ٤٠) ❁ وان

تجروا مستقرّ لکم قادرین مقدّرین ❁ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ

(٣٦: ٣٨) ❁ وما یرید الله اصلًا من سجودکم من شیٔ الّا ان تطیعوه عابدین ❁ کالنّجم بمیزان

---

† الاشارة الی قوله تعالیٰ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (٩: ٧٣) - فیصدر من هذه الآیة انّ الغلظة علی الاعداء هی ما یتوقّع الله عزّوجلّ من عباده لیحفظوا انفسهم منهم ١٢ ‡ کما قال الله عزّوجلّ فی القرآن الحکیم يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا (٤: ٧١) - وقال فی موضع اٰخر توکیدًا : وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا (٤: ١٠٢) - فلیتفکّر القاری فی هذه الآیة اشدّ تفکّر لانّ الله اکره المسلمین فیها علی اخذ اسلحتهم کرّة بعد مرّة ١٢ ‡ الاشارة الی قوله تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً الخ (٢: ٢٦-٢٧) وقد بیّنت ههنا ما عنی الله بهذا القول الشّهیر ١٢ ‡ الاشارة الی قوله (٥٥: ٥)

مستقیم ٭ والطیر صٰفّٰت مبتغین ٭ والشجر من الاصل الی الفرع منظین ٭ کخلیاته ملحقین ٭ لامر ربهم ساجدین ٭ فاعلین بل فعّالین ٭ جاذبین میاههم من الارض فمقتسمین ٭ وبالنهر مستسقین ٭ مسامحین بینهم بل متطاوعین ٭ مصالحین بل متوافقین ٭ ثم المونعون المثمرون ٭ فضاحکون وآمنون ٭ لانهم کانوا لا یَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَ اللّٰهِ مِنۡ بَعۡدِ مِیۡثَاقِهٖ (۲:۲۷) ولا یَقۡطَعُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنۡ یُّوۡصَلَ (۲:۲۷) ولا یفسدون ٭ رفع الله فوقهم بمیثاقه الجبل العظیم ٭ فما هم عن وزره بمعرضین ٭ اٰخِذِیۡنَ مَاۤ اٰتٰهُمۡ رَبُّهُمۡ (۵۱:۱۶) بقوة وذاکرین ما فیه لعلهم یغلبون ٭ ومن اطاع واصلح فاولٰئک من الصّٰلحین ٭ واولٰئک من الذین لا خوف علیهم ولا هم یحزنون ٭ فی جنّٰت الارض وعیون ٭ علی رغم العادین ٭ لانهم کانوا عابدین ٭ وَلَقَدۡ كَتَبۡنَا فِی الزَّبُوۡرِ مِنۡۢ بَعۡدِ الذِّكۡرِ اَنَّ الۡاَرۡضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوۡنَ ۔ اِنَّ فِیۡ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوۡمٍ عٰبِدِیۡنَ (۲۱:۱۰۵-۱۰۶) ٭ فمن تنظّم وتطوّع فاولٰئک هم العابدون ٭ واولٰئک هم السّاجدون ٭ والمصلّون ٭ والمسبّحون ٭ وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ (۵۱:۵۶) ٭ فالعابدون هم الطّائعون الفاعلون ٭ الذین هم فی صلوٰتهم مواحدون ٭ وَالَّذِیۡنَ هُمۡ عَلٰی صَلَوٰتِهِمۡ یُحَافِظُوۡنَ (۲۳:۹) ٭ ویسامحون و یرابطون ٭ والذین یجهدون فی تقویة جماعتهم مبیتین ومصبحین ٭ یخافون عذاب ربهم من فوقهم ویطمعون ان یکونوا من الغالبین ٭ تَتَجَافٰی جُنُوۡبُهُمۡ عَنِ الۡمَضَاجِعِ یَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ خَوۡفًا وَّ طَمَعًا ۫ وَّ مِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ۔ فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ (۳۲:۱۶-۱۷) ٭ افعلمتم ما فی هٰذه الارض من قرّة اعین للمتقین المصلّین ٭ اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ جَنّٰتٍ وَّعُیُوۡنٍ ۙ اٰخِذِیۡنَ مَاۤ اٰتٰهُمۡ رَبُّهُمۡ ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَبۡلَ ذٰلِكَ مُحۡسِنِیۡنَ ؕ كَانُوۡا قَلِیۡلًا مِّنَ الَّیۡلِ مَا یَهۡجَعُوۡنَ ۔ وَبِالۡاَسۡحَارِ هُمۡ یَسۡتَغۡفِرُوۡنَ (۵۱:۱۵-۱۸) ٭ والموسعة قلوبهم فهم الذین الاینعون الخ

٭ الاشارة الی قوله عزوجل وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَكُمۡ وَرَفَعۡنَا فَوۡقَكُمُ الطُّوۡرَ ؕ خُذُوۡا مَاۤ اٰتَیۡنٰكُمۡ بِقُوَّةٍ (۲:۶۳) و (۲:۹۳) ای حمّل علیهم التوراة التی اعطاها الله علی جبل الطور فحمّلهم الله الوزر العظیم بمیثاقه بل رفع فوق رءوسهم جبلا عظیما به لیاخذوه بقوة ویشهد علی هٰذه المعانی قوله وَرَفَعۡنَا فَوۡقَهُمُ الطُّوۡرَ بِمِیۡثَاقِهِمۡ وَقُلۡنَا لَهُمُ ادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا وَّقُلۡنَا لَهُمۡ لَا تَعۡدُوۡا فِی السَّبۡتِ وَاَخَذۡنَا مِنۡهُمۡ مِّیۡثَاقًا غَلِیۡظًا (۴:۱۵۴) فما کان میثاقهم الا کجبل رُفع فوقهم ۱۲

ما یستطیعون ٭ ولنسیتم صلوتکم ایها الضّالون المتشرعون ! ٭ ترکعون وتسجدون لیریکم النّاس وانتم لربّکم لا تسجدون ٭ فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَ ۝ وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝ (۱۰۷: ۴-۷) ٭ فهل اُنبّئکم بما الصّلوٰة فی قرانکم ایها السّاهون ٭ الصّلوٰة هی التی تنهکم عن فحشاء[*] البخل ومنکر النّفاق وَلَذِکْرُ اللهِ اَکْبَرُ وَاللهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ (۲۹: ۴۵) ٭ فوالله اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَیْرُ مَنُوْعًا ۝ اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۝ (۷۰: ۱۹-۲۳) ٭ المداومون وحدتهم والموسعون عطایاهم للسّائلین والمحرومین ٭ الّذین ان تقضوا حاجاتهم فتنفعوا جماعتکم وتکونوا من الغالبین ٭ لا الّذین یسئلون النّاس ملحفین ٭ فما الصّلوٰة بما انتم تزعمون ٭ ما هی الّا النّظم والنّسق ووحدة الامّة واطاعة الامیر وتالیف القلوب وحفاظة النّفس والجهاد والغلظة علی الاعدآء والحسبان والمیزان لو کنتم تعلمون ٭ والتّمکین من برّ الارض وبحرها کالدّوآبّ ومن جوّ السّمآء کالطّیور ومن تحت البحر کالحیتان فما لکم لا تصلّون ولا تفلحون ٭ والمغربیّون کلّهم قد علموا صلاتهم وخطّفوا الارض من فوقها ومن تحتها واتّخذوا بیوتًا من سهلها وصخرها ٭ وبنوا مساکن ومراکب فی برّها وبحرها لیسبّحوا لله ویحمدوه وهم الّذین هدوا الی الصّراط المستقیم ٭ صراط الَّذِیْنَ انعم الله عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝ (۱: ۶-۷) ٭ وما علمتم ما الصّراط المستقیم[*] ایها الجٰهلون ٭ وقد قال الله لکم فی الکتٰب المبین ٭ فی موسٰی وهٰرون ٭ اللّذان ابعثنا قومهما علی مقام امین ٭ واورثهم جنّٰت الارض وعیون ٭ الّتی ترکوها قوم اٰخرون ٭ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰی مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ۝ وَنَجَّیْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْکَرْبِ الْعَظِیْمِ ۝ وَنَصَرْنٰهُمْ فَکَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِیْنَ ۝ وَاٰتَیْنٰهُمَا الْکِتٰبَ الْمُسْتَبِیْنَ ۝ وَهَدَیْنٰهُمَا

---

[*] الاشارة الی قوله تعالٰی اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ۚ وَلَذِکْرُ اللهِ اَکْبَرُ ۚ وَاللهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝ (۲۹: ۴۵) وقد بیّنت فی کتاب التّذکرة علی صفحات ۱۴۵-۱۵۱ (تحت المتن) انّ الله عنی بلفظ المُنْکَر النّفاق والتّفریق فی الامّة وعلی صفحات ۲۰۶-۲۰۹ (تحت المتن) منه الله عنی بلفظ الفَحْشَآء البخل فی انفاق المال والمشاحّة وضیقة القلوب وغیرها من السّیّات الّتی تمنع الرّجال عن الملاطفة والموانسة والمواخاة بینهم ٭ ولا شکّ فی انّ الصّلوٰة فی المساجد المخالطة الّتی اراد الله بها والملاقاة بین المصلّین هی الّتی تنهی الرّجال عن التّفریق والتّخریب بل توسّع قلوبهم وتلیّنها ولینظر القاری الی صفحات ۵۱-۵۳ من کتاب التّذکرة للتّشریح المزید ٭ [*] سیاتی تفصیل ما عنی الله بهذا علی صفحات ۱۲۹-۱۳۰ من هذه الافتتاحیة ٭

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْآخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (۳۷: ۱۱۴-۱۲۲) * وان كان التسبيح تكرار كم اسمائه على سبح ايها الجهلون ! ۝ فما استعمل رسولكم هذا السلاح العجيب الغريب في حياته قط ليكون من المفلحين * فما لكم لا تتدبرون وتجهلون * وتحرفون مقاصد كتاب الله فتخذلون ؞

وعلى كل ما تفقه العلماء الطبعيون والحكماء الغربيون من تسبيح الطيور والدواب والملئكة وصلوة الاشياء وحمدها وخيفتها وركوعها وسجودها وعلى كل ما تفكروا في قانون غير محول الذي يسري بين اشياء الفطرة سراية تامة فقد ذهبوا الى ان دراسة اشياء الطبيعة ومخلوقاتها وحقائقها وعوائدها لا تخلوا عن النقائص والعيوب لان الاصول والفروع التي تخرج من هذه المطالعة او تصدر من دراسة حقائق الاشياء لا تطابق في اكثر الاحوال بعوائد الانسان وفطرته ولذلك لا يجوز للانسان ان يتبعها اتباعا تاما ومن هذا اعترف الغربيون بان مبلغهم من العلم الذي دونوه في كتبهم لا يكاد يحتوي على ما يكفي الانسان لفلاحه وبقاء نسله وتدوير قوته وتمكينه من الارض فصرفوا عن هذا السبيل ليكملوا علمهم بدراسة احوال التواريخ واسباب ارتقاء الاقوام ومطالعة السياسات الخالية وسياسة المدن المتمدنة الماضية وبالخوض في آثار الصناديد واحوال الامم وتدوين اصولها في المعاش وتبيين فهرس الاعداد وغيرها من علوم التواريخ التي اشار الله اليها في قوله اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَا اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ (۲۹: ۳۴-۳۵) فلا شك في انهم صاروا من قوم يعقلون سنته ويفقهون عادته بل صاروا من المفلحين * ونظرا الى كل ما تقدم من اجتهادهم في اشياء الفطرة ومبلغهم من عادة الله استقصائهم في قانونه واستقرائهم سنته القول الحق الذي لا يشك فيه هو ان كل هذه ما ذهب اليها الغرب من

* فيحصل من هذه الآيات الجليلة انه من فعل مثل ما فعل موسىٰ وهٰرون عليهما السلام بقومهما فقد سلك الصراط المستقيم وهو الذي عبد ربه حق عبادته بل آمن به حق ايمانه لانه سماهما عبادنا المؤمنين، فما العبادة الا سلوككم سبل ربه واتباعكم قانونه لتفلحوا انفسكم في الدنيا ولتكونوا فيها من الغلبين . وما اختص عز وجل قط في اي موضع في القرآن "صراط مستقيم" بالالف واللام الا في هذا الموضع (صرفا عما قال في سورة الفاتحة) ولذلك ما قصد الله من قوله اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ بصراط (الباقي)

اصول الاسلام بل دینه تعالیٰ بل فطرت الله التی فطر الناس علیها والدین الذی وصّی به النبیّون لانهم افلحوا بهذا القانون واصلحوا بالهم بهذا المسنون فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (۷: ۳۵) * واما الاختلاف بین القرآن وبینهم فی اسالیب نفاذها وطریق اتباعها فهو من الفروع لیس باصل الدین ولذلك یجزیهم الله بما کسبوا ویستخلفهم فی الارض ویمکّن لهم دینهم الذی ارتضیٰ لهم (۲۴: ۵۵) اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ (۹: ۱۲۰) * فیا من تجهلون و لا تعقلون! انبئونی فی بما استنبطتم من القرآن العظیم * وما القانون المتفق علیه الذی استخرجتم منه فانتم له تسجدون * استنبطتم من القرآن انه من اعترف بلسانه بان الله خالق السمٰوٰت والارض فهو المسلم عنده وهو الذی دخل فی دینه اوامن بتوحیده تعالیٰ ○ فلا شك فی ان کثیرا من العرب قبل ظهور الاسلام

فی ان العلم یصدر من التوحید و یولج فیه۔

والاعراب والنصاریٰ والیهود والمنافقین وغیرهم من معاصری النبیّ اکثرهم کانوا یقرّون بلسانهم انه خالق السمٰوٰت والارض وما کادوا یعتقدون بعقیدة غیرها لو کنتم تعلمون * فلذلك قال الله فیهم وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَکْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (۳۱: ۲۵) * فما کان قولهم من دون العلم والیقین الا ما انتم تقولون الآن بافواهکم بغیر علم ○ فلما لا ادخلهم الله فی زمرة المسلمین بل سمّاهم المشرکین * ولا شك فی ان اکثرهم کانوا یقولون انه سخّر الشمس والقمر کما تافکون بالسنتکم لانه قال فیهم وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ (۲۹: ۶۱) * ولا شك فی انهم کانوا یعتقدون بافواههم بغیر تعقل وعلم ان الله منزّل الماء من السماء ○ وانه هو یحیی الارض بعد موتها کما تعتقدون الآن ○ فانه قال فیهم وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ

(البقیة من صفحة ٦٥) اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ (۱: ٥-٦) الا فلاح القوم ونعمة الغلبة فی الدنیا ولذلك عنی بالمغضوب علیهم و الضالین الذین هلکوا من فقدان حکمهم فی الدنیا وقد بیّنت ما عنی الله بلفظ نعمة فی کتاب التذکرة علی صفحات (۲۱۰-۲۲۳) فلیرجع القاری الیها للتشریح المزید + وسیاتی تفصیل ما صراط مستقیم بل ما الصراط المستقیم علی صفحات (۱۲۹-۱۳۸) من هذه الافتتاحیة یبیّن لکم ما الاعمال التی تلزم الانسان منه فالمراد ههنا هو ان الصلوٰة هی التی تهدیکم الی (الباقی)

مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ (٢٩: ٦٣) ✻ ولاشكّ فی انّ کثیرا
منهم کانوا یقرّون بالسنتهم اوصافه تعالیٰ واسمائه کما تکرّرونها الآن لیلاً ونهاراً ۝ فانّه قال وَلَئِنْ
سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝ (٤٣: ٩) ✻ ولاشكّ
فی انّ معاصری النّبیّ اکثرهم کانوا یعترفون بانّ اللّٰه خلقهم من دون الشّمس والقمر والسّمٰوٰت
والارض کما تعترفون وتلاسنون بینکم وتافکون باقوالکم فی زماننا هذا کرّةً بعد مرّةٍ ۝ لانّه
قال وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ (٤٣: ٨٧) ✻ فان کان
التّوحید قولکم بافواهکم او افککم بالسنتکم انّه خالق السّمٰوٰت والارض او خالقکم ۝ او خالق الشّمس
والقمر ۝ او منزّل الماء من السّماء ۝ وان لم یدخل فی هذا الاقرار علم خلقه وتعقّل ملکوته ۝ وتدبّر
سمٰوٰته وارضه ۝ ومعرفته بدراسة اعماله ۝ وتفتیش سنّته وعادته بالتّفکّر فی مخلوقاته ۝ فلما
لا سمّی اللّٰه معاصری النّبیّ المسلمین الموحّدین ۝ ولما سمّاهم المشرکین الکافرین ✻ بل لایّ شیء ارسل
الرّسول لیهدیهم ۝ ولما قال فیهم علیٰ اقرارهم باللّسان بکونه خالقاً بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝
(٣١: ٢٥) وبَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ (٢٩: ٦٣) ✻ ولایّ شیءٍ فاخر وتفخّر ۝ وفخر وتفخّر ۝ بل فخر
نفسه علیٰ سائر الخلائق الکاذبة وقال اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ (٣٥: ٤٠) ۝
وقال هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ (٣١: ١١) ۝ وقال ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ
اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۝
(٣٤: ٢٢) ۝ بل لایّ شیءٍ استکبر وتکابر فی سمائه وارضه وقال وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ۝ وَ
الْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ۝ (٥١: ٤٧-٤٨) ✻ ولایّ شیءٍ استدلّ الرّسول بل دلّکم علیٰ مخلوقاته
لمعرفته ۝ واشهدکم علیٰ خلقه لتحصیل قربه وذکره وقال وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ

(البقیة من صفحة ٦٦) الصّراط المستقیم والصّراط هو الّذی یغلبکم فی الدّنیا فلیتدبّر القاری هذه الآیات اشدّ تدبّر +
✻ فیصدق من کلّ هذه الآیات ان معاصری النّبیّ کلّهم او اکثرهم من اهل الکتب والکفّار وغیرهم کانوا یعتقدون بالسنتهم باللّٰه کما یعتقد المسلمون فی زمننا هذا ولکنّه صلعم
جاءهم لیشیر علیه تعالیٰ فیهم ولیتدبّروا منه هو وما قدرته وعظمته جلاله وحکمته بل لیصدّقوا ایمانهم باللّٰه بالجهد فی سبیله باطاعته احکامه فالحقّ انّ القول لیس بشیءٍ وما قصد اللّٰه منّا الّا اقوال فقط +

تَذَکَّرُونَ ۝ فَفِرُّوٓا اِلَی اللّٰهِ اِنِّی لَکُم مِّنهُ نَذِیرٌ مُّبِینٌ ۝ وَلَا تَجعَلُوا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اِنِّی لَکُم مِّنهُ نَذِیرٌ
مُّبِینٌ ۝ (۵۱: ۴۹ - ۵۱) * وان کان التوحید اقرارکم بالسنتکم انه احدٌ او خالق کل شیءٍ * او عزیزٌ فوق
کل ذی عزة * او علیمٌ فوق کل ذی علم کما قال الکفار فی عهد النبی * وان لم یشتمل علیه تعبدکم فی
العمل * وطاعة امره * واتباع قانونه * وشدة حبه * وترک ماسواه * وان لم ینافه اتخاذکم اربابًا
من دونه عملًا ومعنًا * وعبادتکم اولیاءکم وکبراءکم * وتوغلکم فی حکامکم واعزاءکم * وعبادة الشهوات
واللذات * والشغف بالمال والاولاد * والاعتناء بکل ما یعجبکم او یشغلکم عن احکام الله * واوثان
القلوب التی تعبدونها من دون الله * والتی کان الکفار یعبدونها قبلکم * فلما لا صبر الله علی اقوالهم
الظاهرة * ولما سماها افک وقال فَاَنّٰی یُؤفَکُونَ ۝ (۴۳: ۸۷) * وهو الذی قال فیهم وَلَئِن سَاَلتَهُم مَّن
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضَ لَیَقُولُنَّ اللّٰهُ قُل اَفَرَءَیتُم مَّا تَدعُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ اِن اَرَادَنِیَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَل هُنَّ
کٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَو اَرَادَنِی بِرَحمَةٍ هَل هُنَّ مُمسِکٰتُ رَحمَتِهٖ قُل حَسبِیَ اللّٰهُ عَلَیهِ یَتَوَکَّلُ المُتَوَکِّلُونَ ۝
(۳۹: ۳۸) * وان کان التوحید کله لفظیًا فلما لا ادخل الله الیهود فی زمرة المسلمین واکثرهم کانوا یعتقدون
بالله لفظًا * الا قلیلٌ منهم قالوا عُزَیرُ ابنُ اللّٰهِ (۹: ۳۰) بِاَفوَاهِهِم * ولما قال فیهم اِتَّخَذُوٓا اَحبَارَهُم
وَرُهبَانَهُم اَربَابًا مِّن دُونِ اللّٰهِ (۹: ۳۱) * ولم یسمهم احدٌ اربابه بلسانه * فتدبروا ان انتم قوم تتفکرون *
فما التوحید الا بالعمل * وصارکم الله علیه لتعلموا ربکم بوساطة اعماله وتعقلوا سنته * وصارکم
علی العلم والتعقل لتسخروا اشیائه * وصارکم علی تسخیرها لمعرفته * ومعرفة قانونه * ولتکونوا فی
الدنیا من الغالبین * وما التوحید بان تهجروا الاحجار خاصة وتعبدوا سائر الاصنام الباطنة
التی تشغلکم عن السعی او تعکفکم عن العمل * بل صارکم الله علیه لتوحدوا انفسکم به * وتالفوا بین
قلوبکم بواسطته * ولتجهدوا فی هذه الارض اشد جهدکم مجتمعین * شاغلین عن کل ما یضعف

* ای سارعوا الی الایمان بالله وبتوحیده لانه ما کان لاحد ان یخلق مثله شیئًا * فالتفکر فی اعمال الله وتدبر مخلوقاته هو الذی یهدینا الی معرفته وما کان لاحد ان یعرف الله معتکفًا فی بیته ولهذا توغل الصوفیاء فی ما عنی الله بمعرفته توغلًا عظیمًا بالاعتکاف فی بیوتهم ولذلک ما عرفوه حق معرفته قط بل لم یطلعوا علی عاداته وسنته اصلًا *

قوّتكم منظّمين ومعاونين بينكم لتكونوا فى الارض من الغالبين * وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ
لِنَفْسِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (٦:٢٩) * وهو غنيٌّ عن ان تسمّوه احدًا او اثنين او ثلاث
الّا انه من اتّخذ الٰهًا غيره فى العمل وظلّ له عاكفًا فلهم خزيٌ فى الحيٰوة الدّنيا ما داموا مشركين *
فوالله ما جاهد قوم فى زماننا هٰذا فى التّوحيد قطّ مثل ما جاهد الغرب لانّهم جاهدوا فى ربّهم بعلمهم
وعقلهم * وطهّروا قلوبهم من رجز الاوثان عملاً ومعنًا * ولم تخلقوا افكًا بافواههم واقوالهم *
بل هم الّذين راوا فى زماننا هٰذا ماهنّ بكشفت ضرّه * او ممسكت رحمته * وما رايتم هذه قطّ
فصرتم من الاخسرين * فما شرك القرآن بسجودكم للاصنام الحجرة خاصّةً ايّها المسلمون الجاهلون *
ان هو الّا قولكم بافواهكم انّه احدٌ وعلى هٰذا شغلكم باصنام القلوب واعتكافكم لها * وعبادتكم
اولياءكم وكبرآءكم * واتّخاذكم احباركم ورهبانكم اربابًا من دون الله * وافككم بلسانكم انّه ربّكم
ورازقكم وعلى هذا عبادتكم حكّامكم والٰهتكم من الارض * وشغفكم باوثان القلوب وجهادكم فيها
وشغلكم عن الجهاد فى الله واحكامه * ونفرتكم من السّعى والعمل فى سبيله * وكونكم من الذين لا يعلمون
(٢٥:٣١) سمٰوٰته وارضه * وكونكم من الّذين لَا يَعْقِلُوْنَ (٦٣:٢٩) ملكوته وقانونه * وعدم معرفته
بدراسة صحيفة الفطرة * وعدم تسخيركم اشيآء الطّبيعة * بل جهلكم عن مشيئته * ومجادلتكم
فيه بغير علم * وسلوككم سُبُله بغير هدًى * وقولكم بافواهكم بغير عمل * وهجركم بكتاب
الله ومع هٰذا ادّعاءكم انّكم تعلمونه * وكونكم من الّذين يُؤْفَكُوْنَ (٨٧:٤٣) باقوالهم انّهم يعبدونه
يسلمون له * لو كنتم تعلمون * ولذلك قال الله لكم اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى
الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۭ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى
وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ

* قد بيّنت على صفحة ٢٥ من هٰذه الافتتاحية انّ العلم فى لغة القرآن هو الّذى يحصل من دراسة احوال الطّبيعة او الّذى يحصل من استعمال السّمع والبصر والفؤاد اى من بعد المشاهدة والتجربة فهٰذا ما عنى الله بالعلم فى هٰذه الآية ـ واما الهدىٰ فهو الاستعمال للعمل الّذى يجرك قلب الانسان من بعد علم قانونه تعالىٰ. واما كتٰب منير فهو القانون الّذى جاء به الانبياء من ربّهم والّذى سمّاه الله الكتٰب فى القرآن. او هو صحيفة الفطرة التى هى بين ايديكم *

الشَّيْطٰنُ يَدْعُوهُمْ إِلٰى عَذَابِ السَّعِيرِ ﴿﴾ وَمَنْ يُسْلِمْ وَجْهَهُ إِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ وَإِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿﴾ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهُ ۚ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلٰى عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿﴾ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿﴾ (٣١: ٢٠-٢٥) * فيا من لا يعلمون ربهم بوساطة خلقه! ويا من يقولون بافواههم ما ليس فى قلوبهم! ما التوحيد بما انتم تزعمون * ان هو الا علمكم اعمال ربكم * وهجركم كل ما يشغلكم عن السعى * والاستقامة اليه * لو كنتم تعلمون * والله عليم بما تسرون وما تعلنون * لا تسلمون وجوهكم الى الله و لا تحسنون * ولا تسخرون لانفسكم ما فى السمٰوٰت وما فى الارض * ولا تسبغون عليكم نعمه ظاهرة وباطنة بل تجادلون فى الله بغير علم * وهدًى * وقانون * ولا تستمسكون بالعروة الوثقى * بل تتبعون ما وجدتم عليه اٰباءكم فلذلك يمتعكم الله قليلًا فى هٰذه الارض ليقطع دابركم مبلسين * فاذا جاء اجلكم لا تستاخرون ساعة ولا تستقدمون * فلا شك فى انكم فى توحيدكم تجهلون * بل تتجاهلون * ولا تعلمون ولا تعقلون * وتحرفون القران لتجعلوا يسرًا لكم فتخذلون * فيا من لا يتدبرون القران افما قال نبيكم ابراهيم لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ﴿﴾ (٢٦: ٧٠) * وَمَا هٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ ﴿﴾ (٢١: ٥٢) * افما كانت هذه التماثيل الا اصنامهم التى كانت تشغلهم عن السعى و العمل بل تفرقهم وتقطعهم عن العلمين * اصنام المال والبنين * واوثان الملاهى والملاعب * والهة النفع والربح * من دون ما صنع من الحجر اٰباؤهم الاقدمون ﴿﴾ (٢٦: ٧٦) * ليمزقوهم كل ممزق ويهدوهم الى عذاب الجحيم * فلذلك قال ابراهيم فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِي إِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِينَ ﴿﴾ (٢٦: ٧٧) * ولذلك دعا ربه يا رب لَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ﴿﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ﴿﴾ (٢٦: ٨٧-٨٨) * التى كان

---

* يجوز للقارئ ان يتدبر هذه الاٰيات اشد تدبر - فالله حرض الناس فيها على تحصيل العلم من دراسة الطبيعة ليهدى اقوامهم الى القانون الذى يجرى فى العادة وليسلموا وجوههم له ومن بعد ذلك نهى الله الناس عن تقليد اٰباءهم كالعميان بل امرنا ان نتقدم الى العلم والهدٰى يومًا فيومًا صرفًا عما خلق المتقدمون من اٰباءنا من الكذب والظن ومكر اللسان ومكر الاقوال من دون السعى والعمل ليفر وا من قانونه تعالٰى كما صنع علماء امتنا فى زماننا هٰذا - ولذلك قال فى معاصرى النبى صلى الله عليه وسلم انهم يعتقدون بافواههم بالله ولكن ما لهم يغابون نه وعادته من علم ○ † اى يبعث الله الاولاد والاٰباء والازواج وسائر الارباب يوم القيٰمة ليكونوا شهداء على ما كان الانسان يعبدهم ○

النّاس يظلّون لها عٰكفين (۲۶: ۷۱) * والّذين كانوا لا يسمعونهم اذ يدعون * ولا ينفعونهم أو يضرّون (۲۶: ۷۳) * اِلّا مَن اَتَى اللهَ بِقَلبٍ سَلِيم (۲۶: ۸۹) * بالّذى يسلم وجهه له صرفا عن الباقين من المعبودين * والّذى يطيعه ولا يطيع احدًا من العٰلمين * والّذى لا يسجد للمال و البنين * ليجاهد النّاس فى سبيل الله باموالهم وانفسهم وليكونوا من الغٰلبين * ولذلك دعا ابرٰهيم ربّه قال ربّ هَب لِى حُكمًا وَاَلحِقنِى بِالصّٰلِحِين (۲۶: ۸۳) * بالّذين يرثون الارض فانّ الارض يرثها عباده الصّٰلحون * وقال وَاجعَل لِى لِسَانَ صِدقٍ فِى الاٰخِرِين (۲۶: ۸۴) * ليصلّ النّاس عليه يسلّموا عليه مادامت السّمٰوٰت والارض مسلّمين * وقال وَاجعَلنِى مِن وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيم (۲۶: ۸۵) * فانّ الجنّة لوارثى جنّٰت الارض من عيونٍ ۝ وّزروعٍ وّمقامٍ كريم (۴۴: ۲۵-۲۶) * وما هى اِلّا للّذين قالوا الحَمدُ لِلّٰهِ الَّذِى صَدَقَنَا وَعدَهٗ وَاَورَثَنَا الاَرضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الجَنَّةِ حَيثُ نَشَآءُ فَنِعمَ اَجرُ العٰمِلِين (۳۹: ۷۴) * لانّ الاَرضَ لِلّٰهِ يُورِثُهَا مَن يَّشَآءُ مِن عِبَادِهٖ وَالعَاقِبَةُ لِلمُتَّقِين (۷: ۱۲۸) * ولذلك قال ابرٰهيم وَاُزلِفَتِ الجَنَّةُ لِلمُتَّقِين (۲۶: ۹۰) ۝ وَبُرِّزَتِ الجَحِيمُ لِلغٰوِين (۲۶: ۹۱) * للضّالّين الّذين لم يرثوا من الارض قطعة وكانوا مستضعفين * وَمَن كَانَ فِى هٰذِهٖ اَعمٰى فَهُوَ فِى الاٰخِرَةِ اَعمٰى (۱۷: ۷۲) ومن الضّالّين * ولذلك دعا ابرٰهيم ربّه وقال وَاغفِر لِاَبِى اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّين (۲۶: ۸۶) * من الّذين لم يسلكوا صراطك المستقيم * صِرَاطَ الَّذِينَ اَنعَمتَ عَلَيهِم غَيرِ المَغضُوبِ عَلَيهِم وَلَا الضَّآلِّين (۱: ۶-۷) * فالضّالّون هم الّذين لم يقدروا على انعامهم فى هٰذه الدّنيا واولٰئك هم المغضوبون * والمغضوبون هم الّذين لم يرثوا من الارض قطعة فصاروا مستضعفين * والمستضعفون هم الهالكون المغضوبون * فانّه قال وَمَن يَّحلِل عَلَيهِ غَضَبِى فَقَد هَوٰى (۲۰: ۸۱) وصار من الهالكين * فسلام على المتّقين * الّذين يرثون جنّٰت الارض ثمّ

---

* اى ما تعبدون من اصنامكم عٰكفين لها فهم لا يستطيعون ان يملكوا لكم نفعًا او ضرًّا والله هو الّذى يملك لهم خيرًا بل شرًّا ۔ † انما قول ابرٰهيم رَبِّ هَب لِى حُكمًا (۲۶: ۸۳) فيقصد منه انّه عليه السّلام كان يحثّ قومه على التّوحيد عملًا ومعنًا ليذروا اصنام القلوب على ما صنعوا من الحجر. فيسعوا فى الدّنيا سعيًا بليغًا ليتسلّطوا على الارض ۔

يتبوءون من الجنة حيث يشاءون ❊ فنعم اجر العملين الساعين الموحدين المتقين ❊ والحمد لله رب العلمين ٥ (١١١) ❊

فما الشرك الا ما يشغلكم عن السعى ايها الضالون المغضوبون ! وكل ما يصرفكم عن وحدة الامة والاتحاد الى الاشتات والافتراق هو الشرك لو كنتم تعلمون ❊ ولذلك قال الله لكم ان اقيموا الدين ولا تتفرقوا فيه كبر على المشركين ما تدعوهم اليه (٤٢: ١٣) ٥ لان الشرك يكفهم عن الصلح و الاتحاد والمشركون هم الذين يفسدون فى الارض ولا يرابطون ولا يصلحون ❊ كل واحد منهم يشتغل بصنمه ويفرح بما لديه صرفا عن الباقين ❊ والله يوحدكم ويجمع بينكم ويقويكم لو كنتم تعلمون ❊ وان من قوم فى هذه الارض اتحدوا ثم اصلحوا الا انهم طهروا قلوبهم من اوثان الاهواء واللذات فالف بينهم الله وصاروا من الموحدين ❊ ولذلك قال الله لكم ولا تكونوا من المشركين ٥ من الذين فرقوا دينهم وكانوا شيعا كل حزب بما لديهم فرحون ٥ (٣٠: ٣١-٣٢) ❊ ومن اشرك تقطع فصار من المدقرين ❊ ولذلك قال الله لكم فلا تدع مع الله الها اخر فتكون من المعذبين ٥ (٢٦: ٢١٣) ❊ ولذلك قال الله لكم ان هذه امتكم امة واحدة وانا ربكم فاعبدون ٥ (٢١: ٩٢) ❊ فما التوحيد الا وحدة الامة لو كنتم تعلمون ❊ وكل من يؤمن بالله ويهجر رجز الشيطن ويطهر قلبه من الاوثان ويزكى نفسه ولا يدخل فى جوف قلبه الا الرحمن ٥ يتيسر له لتقوية قومه الجهاد بالمال لانه لا يصنم المال ولا يتخذ الهة من دون الله ولا يشرك ولا يلبس ايمانه بظلم ويؤمن بانه سوف يؤتى اجره من عند ربه ٥ ولذلك قال الله لنبيه قل انما انا بشر مثلكم يوحى الى انما الهكم اله واحد فاستقيموا اليه واستغفروه وويل للمشركين ٥ الذين لا يؤتون الزكوة وهم بالاخرة هم كفرون ٥ (٤١: ٦-٧) ❊

ومن يؤمن بالله وبتوحيده يتيسر له الجهاد بالانفس والهجرة لانه من يؤمن به عملا ومعنا

فى ان وحدة الامة تولج فى التوحيد وتصدر منه وما الشرك الا ماينافى التوحيد -

فى ان الجهاد بالمال والجهاد بالانفس والهجرة تصدر من التوحيد وتولج فيه -

فلا یحبّ نفسہ من اللہ فالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (۲: ۱۶۵) ○ ولذلک قال اللہ فیہم وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ ○ (۸: ۷۴) ❁ فما التوحید الا الجہاد والھجرۃ من دون ما تقدم ایہا المسلمون المتوحدون! وما یؤمن احدٌ عندہ حتی جاھدو ھاجر لتقویۃ قومہ بل ھجر کل ما یشغلہ عن السعی و العمل و من یفعل ذٰلک فاولٰئک ھم المؤمنون ○ حقًا واولٰئک ھم الموحدون ❁ صرفًا عما قال القائلون و کذب الکذبون ❁ ومن یؤمن باللہ وبتوحیدہ ویزکی قلبہ یتیسر لہ اطاعۃ امیرہ لانہ لا یجد فی قلبہ وثنًا یامرہ بشیٔ اٰخر اوینہاہ عنہ فلذلک قال اللہ لکم یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا (۴: ۵۹) ❁ ولا تظنوا ان اطاعۃ الرسول فی زماننا ھذا

فان اطاعۃ الامیر نصیر من التوحید ولا تجزیہ۔ وما اطاعۃ الرسول الان الا اطاعۃ اولی الامر منکم

ھی ما یھجر بہ فقہاءکم الجھلون ❁ الذین قالوا انما ھی اتباع احادیث النبی لیمکروا فیہا مثل ما مکروا فی القراٰن ○ ولیحرفوھا مثل ما حرفوہ عملًا و معنًا ○ ویضربوا بعضہا بعضًا ○ ولیضربوھا بکتاب اللہ ○ فیمشوا فی الارض جامدین و صابرین وقائلین و متعممین ❁ شاکرین بان اللہ ما جعل علیہم فی الدین من حرج و بانہم ھم المفلحون ❁ بل طاعۃ الرسول ھی طاعۃ ما کان الرسول یامر المؤمنین فی عہدہ یومًا فیومًا مشافہۃ و مواجہۃ من کونہ امیرًا علی جماعتہم و سیدھم لیظہرھم علی اعدائہم ○ وما کان یدعوھم لما یحییہم او یخرجہم من الظلمت الی النور ○ لینصروا علی اعدائہم غالبین ❁ ومن کان یطیعہ اویستجیب لاحکامہ من فورٍ فی عہد النبوۃ فھو الذی قد اطاعہ ○ وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (۴: ۸۰) وما کان للرسول ان یاتی بامرٍ غیر ما امرہ اللہ ○ او یحکم بینکم الا بما انزل اللہ ○ فما طاعۃ الرسول الان الا طاعۃ امیرکم ○ والاستجابۃ لصاحب الامر منکم ○ اولمن خلف من بعدہ لیامرکم ○ اولمن

قام مقام الرّسول فیکم ۞ بل من قام مقام امیرکم فیکم ۞ ولذلك قال الله لکم ان اطیعوا اولی الامر منکم فالطاعة هی المقصود منه ۞ لانّه من اطاع امیره فقد افلحوا وفازوا فی هذه الدّنیا ۞ ولا شكّ فی انّهم فی الاٰخرة من المفلحین ❁ ولذلك قال الله عزّ وجلّ لمعاصری النّبیّ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَخْشَ اللّٰهَ وَیَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (۲۴: ۵۲) ❁ ولذلك قال الله لهم وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۴: ۶۴) فالطاعة هی التی یرید الله منکم اجمعین ❁ فلا تیسّروا دینکم بالمکر والتاویل وَلَا تُقْسِمُوْا طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ † اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (۲۴: ۵۳) ❁ امرکم الله ان تطیعوا اولی الامر منکم ۞ ولا تعصوه فی ایّ حالٍ واشکال ۞ وان اختلفتم فی شیءٍ منه او تنازعتم فلا تزالوا تتّبعوه ۞ وردّوا نزاعکم الی خلیفة الرّسول لیحکم بینکم بما انزل الله ۞ او بما کان الرّسول یفعل فی عهده ۞ ولیؤاخذه بما فعل ویحاسبه ۞ فهذا ما عنی الله بقوله فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (۴: ۵۹) ۞ لانّ الفتنة اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (۲: ۱۹۱) ۞ وما یرید بکم الله من شیءٍ الّا ان تطیعوا امیرکم طائعین ❁ ولذلك ذهب السّلف من علماء الدّین الی انّه من اطاع السّلطان فقد اطاع الرّحمٰن ‡ ۞ لانّ الطاعة هی التی بُنی علیها نظام العالم ۞ وهی الّتی یصدر الامن منها فی هذه الدّنیا ۞ ولئن لم یسجد لله من فی السّمٰوٰت والارض طوعًا وکرهًا لفسدت السّمٰوٰت والارض ۞ وَلَوْ کَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (۲۱: ۲۲) ۞ ولذلك قال الله لِلسَّمَآءِ وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْهًا قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ (۴۱: ۱۱) ❁ فما الایمان الّا اطاعة الامیر من دون ما تقدّم بل ما التّوحید الّا ان تنظموا انفسکم ساجدین وخائفین ❁ ولذلك قال الله لمعاصری النّبیّ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِکُمْ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (۸: ۱) ❁ ومن یخش احدًا الّا الله یجعل فی جوف قلبه الهًا غیره ۞ وهذا ما ینافی التّوحید وما یناقض الایمان ۞ فلذلك قال الله

---

† ای لا تعتذروا الی رسولکم بالمکر ولا تقسموا فالطّاعة هی التی لا یخفٰی علی احدٍ ان تطیعوا بالتّثبیت من انفسکم فلا حاجة لکم ان تقسموا بالله للایقان ۔

‡ هذا ما کتب السّلطان محمد تغلق ومن خلف بعده علی سکّتهم نظرًا الی تشدید ملکهم وتقویة حکمهم فی الهند فلا شكّ فی انّ المسلمین فی عهودهم کانوا یعلمون ما قصد الله من اطاعته ولا شكّ فی انّهم کانوا یعلمون انّ اطاعة الرّسول انّما هی اطاعة السّلطان ۔

اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (٩: ١٣) ✻ فما الايمان والاتقاء والتوحيد
الا شئ واحد فى الاصل يصدر من ان يطهر الانسان قلبه من رجز الاوثان * ولا شك فى ان اطاعة
الامير فرع من فروع الايمان * وما هى الا التوحيد اصلاً وعملاً لو كنتم تعلمون ✻ وهذا ما وصّى
به كل الانبياء من قبل نبيّنا صلى الله عليه وسلم من الدين الذى شرع الله لنا * والفطرت التى فطر
الله النّاس عليها * لانّ انبياءنا نوحًا وهودًا وصلحًا ولوطًا وشعيبًا وعيسى وغيرهم كلّهم قالوا لاقوامهم يا قوم
اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى
رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ (٢٦: ١٠٦-١١٠) ✻ فما اصرح الاعلى اتقاء الله واطاعة الامير * لانّ الاطاعة سرّ
الفلاح والامن فى هذه الدنيا * والاتقاء سرّ الايمان والتوحيد * والمتقون والمطيعون هم الامنون واولئك هم المفلحون ✻

ونظرًا الى كلّ ما تقدّم فى شرح التّوحيد القول الحقّ الّذى لا يشكّ فيه هو انّ
كلّ واحد من اصول الاسلام التى تقدّم ذكرها اعنى وحدة الامّة واطاعة الامير والجهاد بالانفس
والجهاد بالمال والهجرة والاستقامة فى السّعى ومكارم الاخلاق والعلم والايمان بالاخرة يوجد فى اصل التّوحيد
لانّ كلّ هذه الاعمال يصدر من القلب الّذى لا يتّخذ الهًا غيره * ولا يعبد الطّاغوت * ولا يصنّم
نفسه * ولا يحبّ شيئًا غيره * ولا يخشى احدًا الّا الله * والّذى يسعى فى الدّنيا سعيًا بليغًا ليعرفه *
والّذى لا يسئل على ما يفعل من اجر الّا على ربّ العٰلمين ✻ وما يفعل كلّ هذه الّا الّذين
يخافون ربّهم من فوقهم وَقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝ (٢٣: ٦٠) ✻ ومن يفعل هذه
الاعمال فاولئك هم الفائزون * فى هذه الدّنيا اينما تنظرون ✻ صرفًا عمّا يقولون ويعتقدون
فلا شكّ فى انّ التّوحيد فى العمل هو الّذى بنى عليه الاسلام * بل الّذى فطر عليه النّاس * بل ما
خلقت عليه الجنّ والانس فلذلك قال الله عزّ وجلّ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا

✻ فيصدر من هذه الايات الجليلة النّافعة ان الاتقاء واطاعة الامير هو ما يريد الله من النّاس سيأتى تفصيل الاتّقاء وما لوازمه على الصفحات الاتية (١٠٣-١٠٩) من فتح
الافتتاحية فيبيّن لكم انّ الاتقاء هو الايمان ويبين لكم الله من فعل اعمال الاتّقاء واطاع اميره فقد افلح فى هذه الدّنيا وهم الّذين يبدّل الله خوفهم امنًا وضعفهم قوّة فلذلك قال كلّ
الانبياء لاقوامهم اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ (٢٦: ١٠٧) اى جئتكم بالقانون الّذى يبدّل خوفكم امنًا * لاما فهم اكثر الشّارحين منه اعنى جئتكم بامانة فهو ليس بصحيح *

لِیَعْبُدُوْنِ (۵۱: ۵۶) ✲ وکل من یصرف عن ھذہ الاعمال یصرف عن التوحید * ویشرک باللہ*
بل یظلم نفسہ * فاولٓئک ھم الھالکون ✲ فی الدنیا اینما تنظرون ✲ ولاشک انھم فی الاخرۃ
من المخذولین ✲ والذین یعبدون اللہ مخلصین لہ الدین * ولا یتخذون اربابًا غیرہ عملًا ومعنًا
فی قلوبھم ابدًا * ویسعون فی توحیدھم سعیًا بلیغًا لیلًا ونھارًا لیغلبوا * ویستفتحون علی
اعدآئھم بتوحیدھم * فاولٓئک ھم الغٰلبون ✲ تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ خَوْفًا
وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ (۳۲: ۱۶) ✲ وَقَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَھْجَعُوْنَ (۵۱: ۱۷) ✲ لیجاھدوا فی
سبیلہ بایدیھم وارجلھم حق جھادہ ولیغیروا ما بانفسھم جاھدین ✲ وَبِالْاَسْحَارِ ھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ
(۵۱: ۱۸) ✲ لیغفر اللہ لھم ما تقدم من ذنبھم وغفلتھم وما تاخر * ولیرجعوا الیہ مضاعفین سعیھم
مقدمین ✲ ھم الذین قالوا رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا (فی مساعینا) رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ
اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَہٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا (لنستفتح علی اعدآءنا) رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِہٖ وَاعْفُ عَنَّا
(نظرًا الی وسع انفسنا وقلۃ حیلتنا) وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ
(۲: ۲۸۶) ✲ لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ
(۱۰: ۶۴) ✲ افرءیتکم اِنْ اَتٰکُمْ عَذَابُ اللّٰہِ بَغْتَةً اَوْ جَھْرَةً ھَلْ یُھْلَکُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ (۶: ۴۷)
المشرکون ✲ ورایتم انہ من اٰمن ولم یلبس ایمانہ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَھُمْ مُّھْتَدُوْنَ (۶: ۸۲)

فیا من یزعمون انہ ما العبادة الا اعتکافکم فی بیوتکم او مساجدکم متصرفین عن خلق اللہ
راغبین عما خلق اللہ فی السمٰوٰت والارض وما بینھما بالحق * حاسبین خلقہ باطلًا وعبثًا * مکررین
اسمائہ بلھًا وھزلًا * ما العبادة بما زعمتم * وما ھی بجمودٍ فی زوایاکم الذی یستدرجکم
الی الذلۃ والمسکنۃ * او عزلۃ تضعف قوٰکم وتفشلکم * فتقولوا ما انزل اللہ علینا
فی القرآن من شئ * وما ھو بشئ یصلح بالنا فی الدنیا بل یخربنا ویجبننا * بل ھو الذی

فی انہ ما العبادة الا اطاعۃ احکامہ تعالیٰ والسعی والعمل وما ھی برھبانیۃ۔

بشيع الذلّة والمسكنة فينا ٭ وماهذا الّا اساطير الاوّلين ۞ بل نهٰكم الله عن هٰذه الرّهبانيّة
ايّها الجٰهلون ! ۞ ابتدعها رهبانكم واحباركم واصفياؤكم ليصلحوا بال انفسهم ويخرّبوكم ٭ او يكيدوا
الله ٭ ماكتبها الله عليكم قط اِلَّا ابۡتِغَآءَ رِضۡوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوۡهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا (٥٧: ٢٧) افلا تعقلون ۞
اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا مُفۡتَرُوۡنَ (١١: ٥٠) ٭ على الله فانّكم تقولون على الله ما لا تعلمون ۞ ما يريد الله من
تعبّدكم من شئ بل ماعبادته من شئ الّا ان تسعوا فى الارض جاهدين ۞ وما ابتغاء رضوانه
الّا ان تعملوا وتستقيموا اليه وتصبروا وتوكّلوا عليه مبيتين ومصبحين ۞ لتبتغوا فضلًا
منه ورحمة ونعمة فمن ابتغى نعمته وسعٰى لها سعيها فهو الّذى ابتغى وجهه باليقين ۞ وَمَا
لِاَحَدٍ عِنۡدَهٗ مِنۡ نِّعۡمَةٍ تُجۡزٰٓى اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ رَبِّهِ الۡاَعۡلٰى (٩٢: ١٩-٢٠) افلا تتدبّرون ۞ وما يريد
الله من عبادتكم من شئ الّا ان لا تصنّموا شيئًا فى جهادكم فتنقلبوا اخسرين ۞ وان لا تتّخذوا شيئًا
ربًّا لكم فتظلّوا عليه عاكفين ۞ شاغلين عن سعيكم فتكونوا من الخائبين ۞ وان تفرّوا اليه لتفرّوا
عمّا خلاه ٭ ولترهبوا له لا ترهبوا عمّا سواه راهبين ۞ لترثوا الارض فانّه من ورث الارض فاولٰئك
قومٌ عابدون ۞ واولٰئك عباده الصّٰلحون ۞ فلذٰلك قال الله لكم يٰعِبَادِىَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ اَرۡضِىۡ
وَاسِعَةٌ فَاِيَّاىَ فَاعۡبُدُوۡنِ (٢٩: ٥٦) بوراثة الارض الواسعة فانّما نحن نَرِثُ الۡاَرۡضَ (١٩: ٤٠)
ونورثها من نشاء من عبادنا الصّٰلحين ۞ فما العبادة الّا ان تستميتوا فى ارضه الواسعة فائزين ۞
وان تسعوا فى مناكبها غالبين ۞ فانّه قال كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ ثُمَّ اِلَيۡنَا تُرۡجَعُوۡنَ ٥ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمۡ مِّنَ الۡجَنَّةِ غُرَفًا تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا نِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِيۡنَ الَّذِيۡنَ
صَبَرُوۡا وَعَلٰى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ (٢٩: ٥٧-٥٩) فى نتائج سعيهم اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ (٩: ١٢٠) ۞ فيا من
لَا يَعۡلَمُوۡنَ (٣١: ٢٥) وَلَا يَعۡقِلُوۡنَ (٢٩: ٦٣) ! ما العبادة الّا مداومتكم على التّوحيد مازلتم ٭ وتعبّدكم
له ما استطعتم ٭ واستقامتكم اليه ليلًا ونهارًا ٭ لتسعوا فى الارض جاهدين ۞ ليوحّدكم ويقوّيكم

ويغلبكم على العلمين ۞ ويحييكم باحياء قوّتكم ۞ ويلين قلوبكم بتزكية نفوسكم ۞ ويشرح صدوركم
باجلاء الاوثان منكم ۞ فتمشوا فى الارض قاهرين ۞ مرسلين انعم ربّكم على انفسكم مدرارًا كالسماء
والاكلين من فوقكم ومن تحت ارجلكم فرحين ۞ ولذلك قال هود لقومه يٰقوم اعبدوا الله ما لكم من
اله غيره ؕ ان انتم الا مفترون ۝ يٰقوم لا اسئلكم عليه اجرا ؕ ان اجرى الا على الذى فطرنى ؕ افلا
تعقلون ۝ ويٰقوم استغفروا ربكم ثم توبوا اليه يرسل السماء عليكم مدرارا ويزدكم قوة الى
قوتكم ولا تتولوا مجرمين (۱۱: ۵۰-۵۲) ۞ ولذلك قال نوح لقومه يٰقوم انى لكم نذير مبين ان اعبدوا
الله واتقوه واطيعون (۷۱: ۲-۳) واستغفروا ربكم انه كان غفارا يرسل السماء عليكم
مدرارا ويمددكم باموال وبنين ويجعل لكم جنّٰت† ويجعل لكم انهارا (۷۱: ۱۰-۱۲) ۝ ولذلك
قال الله عزّ وعلا ان الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل عليهم الملئكة الا تخافوا ولا تحزنوا
وابشروا بالجنة التى كنتم توعدون ۝ نحن اولياؤكم فى الحيوة الدنيا وفى الاخرة ۚ ولكم فيها ما
تشتهى انفسكم ولكم فيها ما تدعون ؕ نزلا من غفور رحيم (۴۱: ۳۰-۳۲) ۞ فما العبادة
الا ما يزيدكم قوّة ويضعفكم نعمةً ايها الضالّون المفترون الراهبون ۞ والذى يجعل لكم جنّٰت
فى هذه الارض ويجعلكم مالكى الانهار والعيون ۞ والذى يمدّكم باموال وبنين ۞ والذى يبدّل
خوفكم امنًا ويستخلفكم فى الارض ويبشّركم فى الحيوة الدنيا ليكون لكم فيها ما تشتهون ۞ ومن
اظلم ممن افترى على الله كذبا (۶: ۹۴) وقال انّ هذا القرآن لا يفلحنى ولا يهدينى ۞ كلا انّ هذا
القرآن يهدى للتى هى اقوم ويبشر المؤمنين الذين يعملون الصلحت انّ لهم اجرا كبيرا (۱۷: ۹)
افلا تذكرون ۞ ومن اجل بعذاب الله لانّكم لا تعلمون كتابه او تحرّفون معناه الا انفسكم فتخذلون
ووالله لا اجد فى كلّ ما جرى فى القرون الاولى فى عهد نبيّنا صلعم صلوة غير هذه الصلوة او توحيدا غير

† فيصدّ من الخوض فى هذه الآيات الله تعالى اعلى بقوله جنّٰت تجرى من تحتها الانهر "الاجنت الارض وعيونها لا الجنة الاخرة قط كما فهم كل الشارحين علماء
الدين منه ـ فما قصد عزّ وجلّ منه فى اى مقام الا الاستخلاف فى الارض والتمكين من برّها وبحرها ويؤيّد هذا القول قوله تعالى فى هذه الآيات يزدكم
قوة الى قوتكم وقوله يمددكم باموال وبنين وقوله يرسل السماء عليكم مدرارا ـ فما فهم علماؤنا من لفظ جنّٰت الجنة الاخرة الا بالمكر (البلاغ)

هذا التوحيد اوعبادة غير هذه العبادة التى كانت تنصرهم على عدآئهم غالبين ❊ ولا اجد فى كلامه تعالى من اوّله الى اخره مسحة من خبر الا انه أَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْكَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (۹:۳۳) ❊ فهل انتم تؤمنون بهذا القراٰن من هذه القبيل لتظهروا على اعدائكم عابدين ❊ وبذا الصّلوٰة لتخطفوا كفار الارض مهلّلين ❊ وبذا التّوحيد لتقبضوا على الارض راهبين ❊ وبذا العبادة لتعبّدوا اقوام الارض سٰجدين ❊ ومن اطاع الله يطوّع له جنّٰت الارض ايها الغٰفلون ❊ فلستم بمؤمنين به ولستم له عابدين ❊ اومصلّين ❊ اوموحّدين ❊ وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْحَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا تَسْئَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۝ اَفَاَمِنُوْا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْ اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ حَتّٰى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَقَدْ كَانَ فِىْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (۱۲:۱۰۳-۱۱۱) ❊

ولاشكّ فى انّ كلّ واحد من اصول الاسلام اعنى التّوحيد فى العمل ووحدة الامّة واطاعة الامير والجهاد بالمال والجهاد بالانفس والهجرة والاستقامة الى السّعى ومكارم الاخلاق و

(البقيّة من صفحة ۷۸) بتحريف كلمات الله عن مواضعها و تبديل مقاصد القراٰن ليجعلوا يسرًا لانفسهم وقد بيّنت فى كتابى تذكرة ان الله قصد من لفظ "جنّٰت" جنّٰت الارض بالاستشهاد على انه جآء فى هذا المعنى فى القراٰن فى مواضع شتّٰى صراحة فليرجع القارى الى صفحات ۱۱۵-۱۱۶-تحت المتن للتشريح المزيد ❊ ❊ اى هذا القراٰن يقصّ عليكم كل ما يجرى فى العادة يومًا فيومًا لتعتبروا ❊

العلم والایمان بالآخرة التی تقدم ذکرها من **لوازم الایمان** بل **شرائطه** التی ما کانت لها ان تفك عن الایمان ○ فمن لزمها استقام فی ایمانه ○ ومن صرف عنها سقط ایمانه ○ فتدبروا ان انتم قوم یتفکرون ❁ فاما **التوحید فی العمل** او تعبده تعالی فلا یخلوا عمله عز کلا الحالین اما باشد خشیته واتقائه ○ او باشد حبه وابتغاء وجهه ○ حمل الله کلاهما علی **الایمان** وقال فی خشیته: اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (٩: ١٣) ❁ وفی اتقائه: اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (٥: ١١٢) ❁ وفی حبه وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (٢: ١٦٥) ○ فلا یدخلون فی جوف قلوبهم احدا من العلمین ❁ واما **وحدة الامة** فحملها الله علی **الایمان** بل الزمها علینا بقوله اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ (٤٩: ١٠) ❁ وبقوله يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (٣: ١٩٩) وبقوله فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (٨: ١) ❁ واما **اطاعة الامیر** فدل علی کونها من **الایمان** قوله تعالی لمعاصری النبی فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (٨: ١) ❁ وقوله مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ○ (٣٣: ٣٦) ❁ بل قوله يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ○ (٤: ٥٩) ❁ وقوله اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓي اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (٢٤: ٦٢) ❁ واما **الجهاد بالمال والجهاد بالانفس والهجرة** فحملها کلها علی

فی ان وحدة الامة واطاعة الامیر من لوازم الایمان

الایمان ویؤید هذا القول قوله إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ (٤٩:١٦) ✵ وقوله وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ (٨:٧٤) ✵ وقوله آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِينَ فِيهِ ۖ فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَأَنْفَقُوا لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۙ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (٥٧:٧-٨) ✵ وقوله وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا (٣٣:٢٥) ✵ واما **الاستقامة فی العمل** مع التوکل فی النتائج فحملها على **الایمان** بقوله وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (٣:١٣٨) ✵ وبقوله يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (٣:١٩٩) ✵ وبقوله إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ (٨:٢-٤) ✵ وبقوله تعالى فی بنی اسرائیل قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (٥:٢٣) ✵ وبقوله يَا قَوْمِ إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُسْلِمِينَ (١٠:٨٤) ✵

فی ان الجهاد بالمال و الانفس والهجرة من الایمان

فی ان الاستقامة فی العمل من الایمان

واما **مکارم الاخلاق** اعنی السعی للاعمال لآخرة من دون الاعمال العاجلة التی تؤدی الیکم اجورکم من فور وما تبقی لکم من ثواب الله الی یوم القیمة الا عذابا فحملها الله على **الایمان** فی قول شعیب وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ ۚ إِنِّي أَرَاكُمْ بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُحِيطٍ وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (١١:٨٤-٨٦) ✵ وفی قوله يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا

فی ان مکارم الاخلاق من الایمان

إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (۲۴:۲) ❁ وفی قوله اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِىْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۲۴:۲) ❁ واما **الایمان بالآخرة** فمعظم القرآن یشهد علی انه من عمل للاعمال العاجلة لیاخذ اجره من فوره * ولم یکل اجره علی الله * ولم یرج لقائه تعالی یوم القیٰمة * ولم یرد الا الحیوة الدنیا * وقال مَا هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ (۴۵:۲۴) * وامر نفسه بالسوء لیهلک قومه * فلم یؤمن عنده * ولم یسلم وجهه له * فلذلک قال الله مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ○ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ○ (۱۷:۱۸-۱۹) * ولذلک قال اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (۱۰:۷-۸) ❁ فلا شک ان الایمان بالآخرة فرع من فروع **الایمان** التی ما کانت لها ان تفک عنه ویشهد علی ذلک قوله هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (۲:۲) * اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (۲:۴) مع قوله اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۵:۱۱۲) ❁

فی ان الایمان بالآخرة من الایمان

وامّا **العلم** فحمل الله تحصیله علی **الایمان** وقال اِنَّ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (۴۵:۳) * وقال خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (۲۹:۴۴) * وقال وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِىْ جَوِّ السَّمَآءِ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (۱۶:۷۸-۷۹) ❁ وما کان للعلم ان یفک عن **الایمان** ویشهد علی ذلک قوله وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ○ (۳۵:۲۸) مع قوله اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (۵:۱۱۲) ❁

فی ان العلم هو الذی یصد من الایمان بل هو من لوازمه وما العلم الا درس آیات الله ومطالعة صحیفة الفطرة۔

فلاشك فى ان العلم هو الذى يصدر من دراسة اشياء الطبيعة ومطالعة صحيفة الفطرة باستعمال السمع والابصار والافئدة * ومن علم اعماله تعالى مشاهدة ومواجهة * ودرس كتاب الله الذى هو بين يديه شاهدًا عليه فهو الذى قد علم ربه * وهو الذى عرفه حق معرفته * بل خشيه حق خشيته * فالعلماء هم الذين يتقون بالله بالحق واولئك الذين يؤمنون به اينما نظرون * تقشعر من دربه جلود هم ثم تلين قلوبهم الى ذكر الله (٣٩ : ٢٣) * لانهم شهدوا اعماله العظيمة الجليلة باعينهم بل شهدوا ملئكته وجنوده التى لا يعلم وسعها وعدتها الا هو بسمعهم وابصارهم فلما عجزوا شهدوا انه هو العزيز الحكيم البارئ الفاطر الجبار القهار الذى لا اله الا هو وهو على كل شئ قدير * فلذلك شهد الله (على نفسه بعظمة اعماله) انه لا اله الا هو والملئكة (شهدوا عليه بقدرتهم ووسعتهم) واولوا العلم قائما بالقسط (شهدوا على وحدته وعظمته بمشاهداتهم انه) لا اله الا هو العزيز الحكيم (٣ : ١٧) * فلاشك ان اولى العلم هم الذين يورثهم الانبياء فى زماننا هذا * لانهم يرثون علمهم ونبأهم بعد ختم الانبياء * بل يأتون بالنبإ العظيم الذى جاء به الانبياء من قبل نبأ منه * ليهدوا اقوامهم قائمين بالقسط الى صراط مستقيم * وهم الذين يعرفون ربهم بوساطة قانونه * ويطمعون ان يبتغوا وجهه باتباع مسنونه * ويخافونه ليرجوا ثوابه * وينهون جماعتهم عن البغى والنفاق ليتقوا عذابه * ويسجدون له عملا ومعنا ليبتغوا فضله * بل يصلون صلوة النجم والشجر [1] لينظموا جماعتهم * ويجاهدون باموالهم وانفسهم ليهدوا قومهم * ويهدونهم بعلمهم لعلهم يفلحون * ولذلك قال الله لكم ان الذين يتلون كتب الله (اى صحيفة الفطرة) واقاموا الصلوة وانفقوا مما رزقنهم سرا وعلانية يرجون تجارة لن تبور ليوفيهم اجورهم ويزيدهم من فضله انه غفور شكور * والذى اوحينا اليك من الكتب [2] هو الحق مصدقا لما بين يديه ان الله بعباده لخبير بصير (٣٥ : ٢٩-٣١) * فلاشك فى ان

[1] ولينظر القارى الى صفحة ٦٣-٦٤ لتشريح هذه الصلوة *

[2] اى ما لخصت لك من القانون من صحيفة الفطرة وما اوحيت اليك منه فهو يصدق ما يجرى بين يديه *

القرآن هو الفطرة * بل هو الذی تخص فیه روح من امرہ تعالیٰ * ولا شك فی ان قانون ذلك الکتب هو ما یصل من دراسة کتب الله اعنی صحیفة الفطرة * ولا شك فی ان قانونه یصدق لما یجری فی العادة وما یجری بین یدیه یوما فیوما * فمن فاز فی هذه الدنیا فقد افلح بهذا القانون * ومن هلك هلك عن بینة (۸: ۴۲) منه * فتدبروا ان انتم قوم یتدبرون ❋ ونظرا الی کل ما تقدم من قوله تعالیٰ فی حقیقة العلم القول الفیصل الذی لا یشك فیه هو ان علماء الطبیعة هم الذین یؤمنون بتوحیده تعالیٰ بالحق * بل یؤمنون بکتب الله الذی عرضه السموت والارض بالحق * بل بالکتب الذی اوحاه الله الی نبینا صلعم * فانه قال بل هو ایت بینت فی صدور الذین اوتوا العلم وما یجحد بایتنا الا الظلمون (۲۹: ۴۹) ❋ فما العلم الا فرع من فروع الایمان التی ما کانت لها ان تفك عنه * و من علم اعماله تعالیٰ بجد وسعه وبلغ فیه اشد مبلغه فهو الذی قد امن به * فلذلك قال الله فیهم نظرا الی سجودهم لیلا ونهارا لاحکامه وخیفتهم عذابه ورجاءهم رحمته بل قیامهم بالقسط لیحذروا اقوامهم من عاقبة امرهم فی الدنیا والعقبیٰ: امن هو قانت اناء الیل ساجدا وقائما یحذر الاخرة ویرجوا رحمة ربه قل هل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون انما یتذکر اولوا الالباب (۳۹: ۹) ❋ وسمی الله العلماء اولوا الالباب لکونهم متفکرین فی خلق سموته وارضه لیعلموا قانونه ویدرکوا مشیئته * ولیفهموا ما یرید الله منهم ومن قومهم * ولیتقوا عذابه فیؤمنوا به ویفعلوا ما یؤمرون ❋ فلذلك قال الله فیهم ان فی خلق السموت والارض واختلاف الیل والنهار لایت لاولی الالباب الذین یذکرون الله قیاما وقعودا وعلی جنوبهم ویتفکرون فی خلق السموت والارض ربنا ما خلقت هذا باطلا سبحنك فقنا عذاب النار ربنا انك من تدخل النار فقد اخزیته وما للظلمین من انصار ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان ان امنوا بربکم فامنا ربنا فاغفر لنا ذنوبنا وکفر عنا سیاتنا وتوفنا مع الابرار ربنا واتنا ما وعدتنا علی رسلك ولا تخزنا یوم القیمة انك لا تخلف المیعاد ۔

❋ او نظرا الی الرسول الذی بعث الله فیهم فانه قال ولقد بعثنا فی کل امة رسولا (۱۶: ۳۶) وقال ولکل امة رسول (۱۰: ۴۷) +

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا

وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِىْ سَبِيْلِىْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ

تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

فِى الْبِلَادِ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِىْ

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ† وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ (٣: ١٨٩-١٩٧) ❋ فلاشكّ

فى انّ علمآء الطّبيعة واولى الالباب الّذين يتفكّرون فى خلق السّمٰوٰت والارض هم الّذين يذكرون

الله قيامًا وقعودًا وعلى جنوبهم * لانّهم يفتّشون خلقه ليلًا ونهارًا ليعرفوا قانونه * ويخوّفون

قومهم عذابه ليتّبعوا سُنّته * ويؤمنون بالقراٰن علمًا ومعنًا ليكفّروا عنهم سيّاٰتهم فى الدّنيا * و

يعملون الاعمال الاٰخرة ليبدّلوا خوفهم امنًا * ويهاجرون ويخرجون من ديارهم ويؤذون فى سبيله و

ويقٰتلون ويُقتلون ليدخلوا جنّٰت الارض خٰلدين ❋ وكلّ هٰذا ما يفعل لغربيّون النّصرانيّون

فى زماننا هٰذا علمًا وعملًا لانّهم يعلمون قانونه ويعملون الصّٰلحٰت ويستفضلون فى جنّٰت الارض بعلمهم و

تفكّرهم * ولا يغرّهم تقلّبكم فى بلادكم الباقية لانّهم يعلمون انّكم لا تتمتّعون فيها الّا قليلًا ثمّ تخذلون

وتخرجون ❋ فهٰذا نُزُلهم من عند الله على هٰذه الارض لانّهم يخرجونكم من دارٍ الى دار فيمشون فى جنّاتهم

اٰمنين ❋ بعلمهم صحيفة الفطرة وبايمانهم بكتٰب الله الّذى هو بين ايديهم * بل بايمانهم بالقراٰن

الّذى هو بين ايديكم * ولا شكّ فى انّهم هم الابرار الّذين اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت فى هٰذه الارض فى زماننا

هٰذا * ولا شكّ انّهم هم المفلحون ❋ ولا تظنّوا انّه ما كان للنّصرانيّين الغربيّين المعاصرين ان

يؤمنوا بقراٰنكم هٰذا وان لم يروه اويدرسوه كدرسكم فالله شهيد على ايمانهم به وعلمهم فى القراٰن فى ما يلى

الاٰيٰت الّتى تقدّم ذكرها وقال وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ

اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ‡ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ

† فيصدق من قوله مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ انّ الاجر هو اجر الدّنيا اى جنّت الارض لانّه قال بعد ذلك وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ (فى الاٰخرة هو) خَيْرٌ منه ‡ اى اجرهم فى الدّنيا لانّه سريع الحساب +

الحساب (۳: ۱۹۸) ❁ بل شهد علی ایمان علماء الیهود به فی القرون الخالیة حین کانوا یاکلون من فوقهم ومن تحت ارجلهم لکونهم مقیمیه وقال وانّه لتنزیل ربّ العٰلمین ۝ نزل به الرّوح الامین ۝ علی قلبک لتکون من المنذرین ۝ بلسان عربیّ مبین ۝ وانّه لفی زبر الاوّلین ۝ اولم یکن لهم اٰیةً ان یّعلمه علمٰٓؤا بنیٓ اسرآءیل ۝ (۲۶: ۱۹۲-۱۹۷) ❁ بل قال فیکم نظرًا الی فقدان علمکم وعملکم وایمانکم به فی زماننا هذا ولو نزّلنٰه علی بعض الاعجمین ۝ فقراه علیهم مّا کانوا به مؤمنین ۝ کذٰلک سلکنٰه فی قلوب المجرمین ۝ لا یؤمنون به حتّٰی یروا العذاب الالیم ۝ فیاتیهم بغتةً وّهم لا یشعرون ۝ فیقولوا هل نحن منظرون ۝ افبعذابنا یستعجلون ۝ افرءیت ان مّتّعنٰهم سنین ۝ ثمّ جآءهم مّا کانوا یوعدون ۝ مآ اغنٰی عنهم مّا کانوا یمتّعون ۝ ومآ اهلکنا من قریةٍ الّا لها منذرون ۝ ذکرٰی وما کنّا ظٰلمین ۝ (۲۶: ۱۹۸-۲۰۹) ❁ فلا شکّ فی انّکم لا تعلمون القران ولا تؤمنون به ایّها الاعجمون المجرمون الهالکون وما یغنی عنکم ما انتم تمتّعون فی الدنیا عدّة سنین ❁ فانّه هو ات ما انتم به توعدون ❁ وما انتم بمؤمنین بالقران حتّٰی تروا العذاب الالیم ❁ افبعذاب ربّکم تستعجلون ❁ فیاتیکم بغتةً وانتم لا تشعرون ❁ والمغربیّون هم الّذین یؤمنون بالقران العظیم ❁ بعلمهم وعملهم فی زماننا هذا ولو کره المسلمون المرتسمون ❁ لانّهم هم الّذین خاضوا فی السّمٰوٰت والارض اشدّ خوضًا فی هذا الزّمان ❁ واستنبطوا من هذا الکتٰب الجلیل المبین ایات الله البالغة النّافعة الّتی هم بها مستمسکون ❁ فلا شکّ فی انّهم هم المؤمنون ❁ فانّه من امن بسمٰوٰته وارضه الّتی خلقهما الله بالحقّ وعمل صالحًا فهو الّذی قد امن به بالحقّ ❁ وهو الّذی اشهد علی وحدته وقانونه بل رای ملکوت السّمٰوٰت والارض بعینه ❁ وهو الّذی امن بقرانه ❁ واسلم وجهه له ❁ وتنظّم واصلح فتقوٰی ❁ واتّقی عذابه ❁ واولٰٓئک من المتّقین المصلحین ❁ ولذلک قال الله لکم وما خلقنا السّمآء والارض وما بینهما باطلًا ذٰلک ظنّ الّذین کفروا فویلٌ لّلّذین کفروا من النّار ۝ ام نجعل الّذین امنوا

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ (٣٨: ٢٧-٢٨) ❋ ومن بعد ذلك اشار الى
كتابه ليتدبّره اُولوا الالباب الّذين يتفكّرون فى خلقه نظرًا الى استنباط قانونه منه ويتّبعوه فيفلحوا
وقال كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (٣٨: ٢٩) ❋ ولذلك حرّض الله
النّاس على مشاهدة خلقه وقال لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ قَلِيْلًا
مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ (٤٠: ٥٧-٥٨) ❋ بل لذلك اثنى الله على انبياءه وحمل علمهم وتفكّرهم فى خلقه و
استعمالهم اشياء الطّبيعة ومواليدها اشدّ مصرفها على الايمان وقال وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ
عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا
النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ۝ (٢٧: ١٥-١٦) ❋ فما كان
منطق الطّير هذا الّا ما جهد سليمن عليه السّلام فى استعمال الطّيور واستخدامها لاجراء حكمه من بلدٍ
الى بلدٍ * او لابلاغ رسلته حين الباس و الجهاد فى سبيل الله مثل ما استخدم داؤد وسليمن الشّجعان
والابطال وغيرها من الّذين كانوا يعوذون فى غيابات الجبال والسّواحل * من البنّاء والغوّاص و العمّال
والصّنّاع * سمّاهم بنواسرآءيل الجنّ والشّيطين لفطانتهم ولكونهم صُنْعى الايدى فى اعمالهم * و
الّذين كانوا يهاجرون الى مُلك بنى اسرآءيل ويأتون من كلّ فجّ عميق ليخدموهم * وليبنوا مصانع لهم *
ويرفعوا مساكنهم ومساجدهم * وليحرثوا طبقات الجبال لهم * ويسوقوا مراكبهم على البرّ والبحر نظرًا
الى تسخيرهم الرّيح * ويعدنوا الاحجار والمعادن لهم نظرًا الى تسخيرهم الجبال و اقطاع الارض * كما يعبّدكم
او يستخدمكم المغربيّون الآن لطلب النّفع منكم * وليسخّروا ما خلق الله فى السّمٰوٰت والارض جميعًا لهم *
ومع هذا يسمّونكم تسمية الفقرآء والحفوآء بل يقرّنونكم فى الاصفاد لتعبدهم فتوزعوا لهم فلذلك
قال الله فيهم وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝ (٢٧: ١٧) ❋ ولذلك اثنى

عليهما التسخيرهما اشياء الطبيعة * وسعيهم لاجراء الصنعة والتجارة والعلم فى ملكهم وقال فى داود
وسليمن اذ يحكمن فى الحرث اذ نفشت فيه غنم القوم وكنا لحكمهم شهدين ففهمنها سليمن و
كلا اتينا حكما وعلما وسخرنا مع داود الجبال يسبحن والطير وكنا فعلين وعلمنه صنعة لبوس
لكم لتحصنكم من باسكم فهل انتم شاكرون ولسليمن الريح عاصفة تجرى بامره الى الارض التى
بركنا فيها وكنا بكل شىء علمين (٢١: ٧٨-٨١) * وقال فى تسخير سليمن البحر واجراء حكمه عليه
فسخرنا له الريح تجرى بامره رخاء حيث اصاب والشيطين كل بناء وغواص واخرين مقرنين
فى الاصفاد هذا عطاؤنا فامنن او امسك بغير حساب وان له عندنا لزلفى وحسن ماب
(٣٨: ٣٦-٤٠) * وسمى الله داود ذا الايد لكونه عمالا وبناء فى ملكه * ولانه عمر ارضه اشد عمارة *
ومدن المدائن * واشاع العمران فى ملكه وسخر الجبال والطير لتقوية قومه وتشديد ملكه فقال واذكر عبدنا داود
ذا الايد انه اواب انا سخرنا الجبال معه يسبحن بالعشى والاشراق والطير محشورة كل له اواب وشددنا
ملكه واتينه الحكمة وفصل الخطاب (٣٨: ١٧-٢٠) * واثنى عليه اشد ثناء لانه بلغ اشد مبلغه فى صناعة الحديد
وعمل السبغت * وتقدير السرد * وثنى عليهما كل تثنية وحمد لانهما اسالا على الارض عيونا من الحديد والقطر من الجبال
التى سخرها بواسطة الجن والشيطان وحمل كل هذا على الصلاح والايمان وعبادة الرب وشكره وقدره حق قدره وقال
ولقد اتينا داود منا فضلا يجبال اوبى معه والطير والنا له الحديد ان اعمل سبغت وقدر
فى السرد واعملوا صالحا انى بما تعملون بصير ولسليمن الريح غدوها شهر ورواحها شهر
واسلنا له عين القطر ومن الجن من يعمل بين يديه باذن ربه ومن يزغ منهم عن امرنا نذقه
من عذاب السعير يعملون له ما يشاء من محاريب وتماثيل وجفان كالجواب وقدور رسيت
اعملوا آل داود شكرا وقليل من عبادى الشكور (٣٤: ١٠-١٣) * فهذا ما كان لهما
من علم ومن عقل وفكر فى مخلوقاته وهذا ما كانوا يعملون * ليعملوا صالحا فى الدنيا وليكونوا

فی الاخرۃ من الصّلحین ❋ فنبّئونی بما صلاحکم فی ہذہ الدّنیا ایّہا الغافلون الجاہلون ❋ و
بما تشترون نجاتکم فی العقبٰی ان کنتم صٰدقین ❋ فالمغربیّون ہم الّذین اٰمنوا باللہ علی علمہم†
وعملوا الصّلحت بایدیہم وارجلہم بالحقّ فاولٓئک ہم المفلحون ❋ وقد قال اللہ لکم فی اُمم
خلت من قبلکم وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۙ مِنْ فِرْعَوْنَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ
وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ† عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۚ (۴۴: ۳۰ - ۳۲) ❋ وقد قال اللہ لکم وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ
مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ
اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا ۡ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ
تُرْجَعُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ
عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۴۵: ۱۳ - ۱۶) ❋ فما فضّلوا الّا لانّہم تفکّروا فی خلق السّمٰوٰت والارض * وسخّروا
لانفسہم ما فیہما وما بینہما وما علیہا نبذًا منہ * واٰمنوا بالّذی خلقہ اللہ بالحقّ وعملوا صالحًا
بالقطر والحدید فجزاہم اللہ بما کانوا یکسبون ❋ وانتم لا ترجون ایّام اللہ ولا تبتغون فضلًا منہ لانّکم
لا تؤمنون ولا تصلحون بل تؤمنون بالظّنّ من دون العلم وتؤمنون باباطیلکم الشّرعیّۃ المفرّقۃ * و
ظنونکم المہلکۃ المعطّلۃ * ومسائلکم الفقہیّۃ الواہیۃ * ما انزل اللہ بہا من سلطٰن وبیّنۃ * تحسبون
خلقہ عبثًا وباطلًا * وتتّخذون اٰیٰتہ سخرًا وہزلًا * تمکرون فی نحوکم وبلاغتکم وشعرکم انّکم اولو علم *
وتعتقدون بالجانّ والقبور والاولیاء لتفلحوا بہم * وتتّخذون اٰلہۃ من الارض لتمکروا فی توحیدکم *
فلا واللہ انتم قوم تجہلون ❋ وقد قال اللہ لکم وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ
الْخٰسِرُوْنَ ۝ (۲۹: ۵۲) ❋ وقد قال اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَاۗءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى
كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ (۴۵: ۲۱ - ۲۲) ❋ وقد نبّہکم اللہ فی صفۃ العلم بقولہ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ

† ای من کونہم اولی علم +

لک بہ علم ان السمع و البصر و الفؤاد کل اولئک کان عنہ مسئولا ۰ (۳۶:۱۷) افلا تذکرون ❊

فما العلم الا ما یحصل من استعمال السمع والبصر والفؤاد ، وما العلم الا ما تشہدون بابصارکم وتسمعون بسمعکم

وتجربونہ لیلا ونہارا بفؤادکم ، والذی لم تشہد علیہ سمعکم وبصرکم وفؤادکم ھو الظن فما تتبعون

الا الظن وان انتم الا تخرصون ❊ ان ربک ھو اعلم من یضل عن سبیلہ وھو اعلم بالمھتدین ۰

(۱۱۸:۶) ❊ وللہ ما فی السموٰت وما فی الارض لیجزی الذین اساءوا بما عملوا ویجزی الذین احسنوا بالحسنی

(۳۱:۵۳) افلا تعقلون ❊ فالذین امنوا واحسنوا واصلحوا فی ھذہ الارض ولم یبتغوا الا العلم ولم

یؤمنوا الا بالحق یجزون بالحسنی ویفلحون ❊ وانتم لا تصلحون ولا تؤمنون فلا تجزون الا ما تکسبون ❊

وقل وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین

من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا ، یعبدوننی

لا یشرکون بی شیئا ، ومن کفر بعد ذلک فاولئک ھم الفسقون ۰ (۲۴:۵۵) ❊ فلما لا یستخلفکم

اللہ ولما لا یبدل خوفکم امنا وھم یخلفون ❊ وتبدلون بقوم غیرکم فتصرون ❊ ولن یخلف اللہ وعدہ

(۲۲:۴۷) ابدا افلا تسمعون ❊ فلا شک انکم لا تؤمنون ولا تعملون الصلحت ولا تعبدونہ بل

تشرکون بہ واکثرکم الفسقون ❊ والمغربیون ھم الذین امنوا وعملوا الصلحت فی زماننا ھذا

فیستخلفھم اللہ ویستدرجکم من حیث لا تعلمون ❊ اکرھو کل ھذا او لا تکرھو وسبوا قائلہ اولا تسبوا

لکنکم لھالکون ❊ فانک لا تسمع الموتی ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرین ۰ وما انت بھد العمی

عن ضللتھم ان تسمع الا من یؤمن بایتنا فھم مسلمون ۰ (۳۰:۵۲-۵۳) ❊ وحرام علی قریۃ

اھلکنھا انھم لا یرجعون ۰ (۲۱:۹۵)

فیا معشر الھالکین ! ویا رحمۃ المیتین المستھلکین ! المتعارفین فی زماننا ھذا بالمسلمین

المؤمنین ! مالکم لا تتبعون الرسول النبی الذی یضع عنکم اصرکم والاغلال التی تقیدکم فالذین

اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (٧: ١٥٧) ❊ یدعوکم
لما یحییکم بالعلم والعمل وما اسلامه الا العلم والعمل بل ما ایمانه بشیٔ اٰخر فاتبعوه لعلکم
تهتدون (٧: ١٥٨) ❊ ومن قوم عیسیٰ اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ (٧: ١٥٩) ❊ ومالکم لا تؤمنون و
لا تصلحون ❊ النصرانیون قد بلغوا اشد مبلغهم فی العلم والعمل ومالکم لا تعلمون ولا تعملون ❊ لقد
ورثوا الارض صعیدها وجرزها وبرها وبحرها فصاروا من عباده الصّٰلحین ❊ لقد اٰمنوا بالتوحید علماً
وعملاً علیٰ قولهم اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ (٥: ٧٣)† ❊ ولقد انتهوا عما کانوا یقولون فاستحق الله منهم العذاب
بل صاروا من المحبوبین ❊ ومالکم لا تخطفون ارضهم بل تخرجونهم من ارضکم ومالکم کیف تحکمون ❊
افامنتم ان یذروکم فی ما بقی من دیارکم اٰمنین وقد قبضوا علی ارض مکتکم والبیت المقدس
مهللین ❊ اَوَ امنتم ان یغفر الله لکم ما قد سلف انه غنی عن العٰلمین ❊ وکم من امة ذات
قوة اهلك الله من قبل وما بلغتم معشار ما بلغوا فهل تحسون منهم من احد او تسمعون لهم رکزاً
سائحین ❊ فالحق انکم لا تسمعون اذ تدعون ❊ تبکون فی زوایاکم کربات الحجال فلما لا تحلون
من اساور من ذهب ولؤلؤاً لتبکوا علی قسمتکم مشتهی قلبکم صاکین ❊ وتلك الایام یداولها
الله بین الناس لیمحص الذین اٰمنوا ویمحق الکٰفرین (٣: ١٤١) ❊ لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ
وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ (٨: ٨) ❊ وان انتم تکرهون کل هذا فلما لا ترجعون ❊ او تتوبون ❊ ولم
تقولون مکراً انه لغفور رحیم ❊ فوالله ان ربکم لیس لکم بغفور رحیم ❊ فانه قال وَالَّذِیْنَ عَمِلُوا
السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (٧: ١٥٣) ❊ بل قال ثُمَّ اِنَّ
رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ
(١٦: ١١٩) ◎ وقال اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (٢٤: ٥) وقال اِلَّا مَنْ

---

† الاشارة الی قوله تعالیٰ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ وَاِنْ لَّمْ یَنْتَهُوْا عَمَّا یَقُوْلُوْنَ لَیَمَسَّنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَیَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (٥: ٧٣-٧٤) ولا شك فی النصرانیین فی زماننا هذا قد استغفروا الله وقد تابوا الیه لانهم لا یعتقدون الان بالوهیة المسیح بالعمل الا ما قال الجهلاء منهم بافواههم ولا یصممونه کما کانوا یصممونه فی القرون الخالیه ولا یؤمنون فی قلوبهم انه ابن الله۔ ولذلك قال استغفهم (الباقی)

تاب وآمن وعمل عملاً صالحاً فاولٓئك يبدل الله سيّاٰتهم حسنٰت وكان الله غفوراً رحيماً ٥ ومن تاب
وعمل صالحاً فانه يتوب الى الله متاباً ٥ (٢٥: ٧٠-٧١) * وقال الا الذين تابوا واصلحوا وبيّنوا فاولٓئك
اتوب عليهم وانا التواب الرحيم ٥ (٢: ١٦٠) ✲ فما انتم تعملون السيّات بجهالة * وما انتم بتآئبين الى الله
وما تؤمنون * وما تصلحون * وما تعملون الصّٰلحٰت * وما تبيّنون بل تكتمون شهادة الله * فكيف يبدّل
الله سيّاٰتكم حسنٰت * وكيف يكفّر عنكم بالكم السوٓء * اويغفر لكم بظلم وانتم ظالموا انفسكم ببغيكم * وعملكم
عمل الكٰفرين ✲ فانه قال واني لغفّار لمن تاب وآمن وعمل صالحاً ثم اهتدٰى ٥ (٢٠: ٨٢) افلا تعقلون ✲
بل قال نبّئ عبادي انّي انا الغفور الرّحيم ٥ وانّ عذابي هو العذاب الاليم ٥ (١٥: ٤٩-٥٠) ✲ وقال اعلموا
انّ الله شديد العقاب وانّ الله غفورٌ رحيم ٥ (٥: ٩٨) ✲ وقال رفع بعضكم فوق بعضٍ درجٰتٍ ليبلوكم
في مآ اٰتٰكم ان ربك سريع العقاب وانه لغفورٌ رحيم ٥ (٦: ١٦٦) ✲ فما هو الا انه يرفع بعضكم على
بعضٍ بعد ان ابتلاكم في انعمكم التي اٰتٰكم * فمن يكفر بانعمه يظلم نفسه فانه يعذّبهم * ومن يشكر يغفر لهم
بل يزدهم فضلاً ورحمة * فانّه قال لئن شكرتم لازيدنّكم (١٤: ٧) وما ربّكم بظلّام للعٰلمين ✲ فمن
تاب من بعد ظلمه واصلح فانّ الله يتوب عليه ان الله غفورٌ رّحيم ٥ (٥: ٣٩) ✲ وانّما التوبة على الله
للذين يعملون السوٓء بجهالة ثمّ يتوبون من قريب فاولٓئك يتوب الله عليهم ط (٤: ١٧) والله بصير
بما تعملون ✲ وليست التوبة للذين يعملون السيّاٰت حتّى اذا حضر احدهم الموت قال انّي تبت الٰئن
ولا الذين يموتون وهم كفّارٌ ط (٤: ١٨) * فمن اٰمن واصلح من قريب غير باغٍ ولا عاد * ومن يعمل سوٓءً
او يظلم نفسه ثمّ يستغفر الله يجد الله غفوراً رحيماً ٥ (٤: ١١٠) ومن اضطرّ غير باغٍ ولا عادٍ فلا اثم
عليه ان الله غفورٌ رّحيم ٥ (٢: ١٧٣) ✲ وليس عليكم جناحٌ فيمآ اخطاْتم به ولكن ما تعمّدت قلوبكم
وكان الله غفوراً رحيماً ٥ (٣٣: ٥) ✲ افلا تستعجلون بتوبتكم خٰشعين ✲ يؤاخذكم بما كسبت قلوبكم
(٢: ٢٢٥) فان تبتم يتوب الله من بعد ذلك على من يشآء ط وهو لطيف لما يشآء (١٢: ١٠٠)) انّ الله

(البقية من صفحة ٩١) الاعظم لا نجلتر على الاعلان في مجمع الاحبار الذي يستامرون فيه ويشاورون ما ثابعد عام نظراً الى ابلاغ دينهم اتنا ومن معنا لا نعتقد بالوهيّة المسيح (الباقي)

غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (٢: ٢٦٩) ❊ فیا ایها المسلمون المتجاهلون المعاصرون! ویا ایها المتساهون الباغون العادون! الذین یعملون السیئات بالتعمد وماهم بمضطرین ❊ والذین لا یَتُوْبُوْنَ اِلَی اللّٰهِ وَیَسْتَغْفِرُوْنَهٗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (٥: ٧٤) ❊ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَکُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (٢٤: ٢٢) ❊ ماکان الله ان یتوب علیکم ولستم بتائبین الیه من فورٍ بل تنتظرون ❊ ان یحل علیکم غضبه ومن یحلل علیه غضبه فاولٰئک هم الظّٰلمون الهالکون ❊ وکیف تزعمون ان یکون الله لکم غفوراً رحیماً ولستم بفاعلین ما یامرکم ربّ العٰلمین ❊ اِنَّ رَبَّکَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلْمِهِمْ وَاِنَّ رَبَّکَ لَشَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝ (١٣: ٦) افلا تعقلون ❊ فوالله ماربکم لکم بغفورٍ رحیم ❊ ان هو بغفور الا للمغفرین النصرانیین المؤمنین الذین یداومون فی زماننا هذا علی جهادهم بالسیف فی الانفس لیکفوا ایدی الاعداء عنهم ❊ والذین یهاجرون من ملک الی ملک لتقویة قومهم والذین یصبرون فی سعیهم صبراً تاماً فانّه قال ثُمَّ اِنَّ رَبَّکَ لِلَّذِیْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْۤا اِنَّ رَبَّکَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (١٦: ١١٠) ❊ وقال اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِکَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (٢: ٢١٨) ❊ وماهو بغافرٍ لاحدٍ او راحم الّا بالذین یداومون علی جهادهم بالمال والایمان بالاٰخرة والایمان بالله وعلی توحیدهم عملاً ومعناً فانّه قال وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَیَتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ سَیُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِیْ رَحْمَتِهٖ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (٩: ٩٩) ❊ ومایغفر الّا للذین لم یتفرّقوا ولم یمردوا علی النفاق بل داوموا علی وحدة الامّة فانّه قال وَمِمَّنْ حَوْلَکُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَیْنِ ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰی عَذَابٍ عَظِیْمٍ ۝ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا عَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (٩: ١٠١-١٠٢) ❊ وللذین داوموا علی اطاعة امیرهم وامنوا به

(البقیة من صفحة ٩٢) او بکونه ابن الله الّا فی الاستعارة والتشبیه وانّما نعتقد انه کان بشراً مثلنا الّا انّه قد جاء من ربّنا لیهدینا، فتدبّر.

ما داموا فی الارض فاولٰٓئک الذین یحبہم اللہ ویغفر لہم ذنوبہم ویؤید ھٰذا قولہ لمعاصری النبی ﷺ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (۳:۳۰-۳۱) ✵ والذین یستاذنون امیرھم لبعض شانہم واذا کانوا معہ علی امر جامع لم یذھبوا حتّٰی یستاذنوہ وغضوا اصواتہم عندہ ولم یرفعوا اصواتہم فوق صوتہ فاولٰٓئک الذین یغفر اللہ لہم فانہ قال اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓي اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (۲۴:۶۲) ✵ وما ھو بغفور رحیم الا للذین یجھدون جھدًا بلیغًا فی مکارم الاخلاق ویسعون ان یزکوا انفسہم عن رجز الشیطٰن فانہ قال يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰي مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ وَلَا يَاْتَلِ اُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۽ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (۲۴:۲۱-۲۲) ✵ بل یغفر للذین یدرسون صحیفۃ الفطرۃ ویستنبطون منہا قانونہ وعلمہ فیشکرھم ویزیدھم من فضلہ ورحمتہ فانہ قال وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَاۗبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ۭ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰۗؤُا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ۝ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝ (۳۵:۲۸-۳۰)✵

فیا من لا یعلمون ولا یعملون! ویا من حق علیہم القول انہم لہالکون! واللہ ما ربکم لکم بغفور

✵ فالمعنی ھو انہ من یدرس اعمال اللہ والکتٰب الذی ھو بین یدیہ فیغفر لہ بل یزیدہ من فضلہ کما زاد اللہ النصرانیین علمًا وفضلًا وحکمًا فی زماننا ھٰذا وقد جاء تشریح ما عنی اللہ بہٰذہ الاٰیات المغلقۃ البلیغۃ علٰی صفحۃ ۳۸ من ھٰذہ "الافتتاحیۃ" وسیاتی تثبیتہ فی کتاب التذکرۃ کرۃ بعد مرۃ ۔ واما قولہ تعالٰی شکور فتفصیل منہ انہ یشکر الناس یعظمہم بقدر سعیہم ویوفیہم اجورھم مقدار ما قدروا اللہ بدراسۃ "صحیفۃ الفطرۃ"۔

رَّحِيْمٌ ✻ ان هو يغفروا الا للذين يتبعون العشرة المبشرة من اصول الاسلام علماً و معناً و من تبعها فاولٰئك هم المفلحون ✻ و من صرف عنها فهم لا يستبعتون ✻ لا فی الدنیا و لا فی الاٰخرة ایما تنظرون ✻ وان تستغفروا الانفسکم سبعین مرّة اوتتوبوا الیه اکثر منه باقوالکم وکلما تکم الستغفرۃ فلن یغفر الله لکم ذٰلك بانکم کفرتم بالله ورسوله وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ٭ (٩: ٨٠) ✻ وان تعملوا و تعلموا فان الله غفور رحیم ✻ یؤتیکم اجورکم من فور والله ذو الفضل العظیم ✻ یستخلفکم فی الارض لتاکلوا من فوقکم و من تحت ارجلکم خلدین ✻ وان تولّوا فان هٰذا الا البلٰغ المبین ✻ وعلیکم اسرافکم ان اصبحتم فی الارض مذللین ✻ وانه قال لکم یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ وَاَنِیْبُوْٓا اِلٰی رَبِّکُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ (٣٩: ٥٣-٥٥) ✻ وان لم یستحی الله من ان یهلك قوم نوح و ابراهیم صالح و لوط و شعیب و موسٰی و غیرهم من انبیاۤئه فلما یستحی من ان یهلك امة محمد افلا تعقلون ✻ وقد قال لکم وَکَمْ اَهْلَکْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ بَعْدِ نُوْحٍ (١٧: ١٧) مَا کَانَ اَکْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ (الشعراء) ✻ وقال اَوَلَمْ یَهْدِ لَهُمْ کَمْ اَهْلَکْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰکِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ ؕ اَفَلَا یَسْمَعُوْنَ ۝ (٣٢: ٢٦) ✻ وقال اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَهْلَکْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَیْهِمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ۝ (٣٦: ٣١) ✻ وَمَا کَانَ رَبُّكَ لِیُهْلِكَ الْقُرٰی بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ۝ (١١: ١١٧) ✻ فیا ایها المسلمون! توبوا الی الله من قبل ان یاتیکم الیقین ✻ فالله لا یستحی منکم و من العٰلمین ✻ وانه هو الذی ما رذو القوة المتین ✻ واعلموا ان کل واحد منکم فی الاٰخرة من الماخوذین ✻ یؤاخذکم فوادا فرادٰی ولو نلتم ههنا اجورکم مجموعین ✻ لئلا تقولوا لعل الله یعفوا عنی او یغادرنی فاکون من المفلحین ✻ اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ لَیْسَ لِوَقْعَتِهَا کَاذِبَةٌ ۝ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝ (٥٦: ١-٣) ✻ وسیرت الجبال وتری

٭ الاشارة الی قوله تعالٰی اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ کَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ (٩: ٨٠)

الأرض بارزة (۴۷:۱۸) ❁ وعرض الناس على ربهم صفوفا مسوية ❁ فقيل لنفس ايتى بما كنت تفعلين فى الدنيا فردا مفردة ❁ لانه ما كانت الدنيا الا مزرعة للآخرة ❁ ايتى بما كنت تشركين بالله سرا وعلانية ❁ فان عليك ما كنت تفعلينه وعلينا ما نفعله ❁ واهلى بكاء وتعزية ❁ فعلت لترضى قلبك وتجعلى يسرالك فالان نفعل ما رضينا وترضيه ❁ ادخلى فان لكم نارا حامية ❁ لانكم كنتم تستحبون الحيوة الدنيا وتذرون العاقبة ❁ و ما كنتم تفعلون ما امرتكم لتكونوا فى الدنيا فى عيشة راضية ❁ متكئين على سرر متقابلة ❁ فادخلوا نار الله الموقدة ❁ فيها ظمأ ونصب وتصلية ❁ خالدة باقية ❁ فيا ايتها النفس اهلى جزعا وفزعا ❁ وان منكم الا واردها كان على ربك حتما مقضيا (۷۱:۱۹) ❁ فانه قال وحشرنهم فلم نغادر منهم احدا (۴۷:۱۸) ❁ لقد جئتمونا كما خلقنكم اول مرة فرادا فرادى بل زعمتم الن نجعل لكم موعدا (۴۸:۱۸) ❁ فيا اسفا وعجبا ! مالكم تشركون بالله ولا تصلحون ❁ وتقولون ولا تفعلون ❁ كبر مقتا عند الله ان تقولوا ما لا تفعلون (۳:۶۱) ❁ افعلوا فان الله غفور رحيم ❁ والحمد لله رب العلمين ۝ الرحمن الرحيم ۝ ملك يوم الدين ۝ اياك نعبد واياك نستعين ۝ اهدنا الصراط المستقيم ۝ صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين ۝

ونظرا الى كل ما تقدم فى لوازم الايمان وشرائطه القول الفيصل الذى لا يرتاب به هوان كل هذه العشرة من اصول الاسلام هى الايمان ٭ فمن صرف عنها فى اى زمان ومكان سقط ايمانهم بالله بل كفروا به اشد كفرا ٭ ومن سعى لها سعيا تاما ليلا ونهارا فهم الذين اسلموا بل امنوا عنده ٭ واولئك الذين يغفر الله لهم ويرحمهم فى الدنيا والآخرة من روز العلمين ❁ وما الايمان بان تقولوا امنا بافواهكم بل ان تصدقوا ما فى قلوبكم بالجهد والعمل فى سبيله لو كنتم تعلمون ❁ وما الايمان اصلا الا ان تفعلوا ما انتم به تؤمرون ❁ فوالله ما امرء باحد

حتیٰ اسلم وجههٗ له * ولم یقبل منه قوله حتیٰ اعتصم بامرہ وقانونه * ومن اعتصم بمولاہ

ثم استقام فلاشك فی انه کان من الناجین * ووالله مایفعل احدٌ کل هٰذہ العشرۃ حتیٰ فعله

الا من اشعر نفسه التوحید * واستعمر الله قلبه من دون سائر الالهة * وشرح صدرہ للعمل

لیشاکل قوله فعله * ومن قدّم لنفسه هٰذہ الاعمال الاخرۃ بردّ جماعته الیٰ معاد ومن افازوه

بها فاولٰئك من الصّٰلحین * وماهٰذہ العشرۃ الا قانون مولٰکم الله فی هٰذہ الارض وسنّته *

وسنّة کل امّة مسلمة التی اصلحت ثم افلحت فی الدنیا * بل سنّة اللهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُۚ

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِیْلًا (٣٣: ٦٢) افلا تذکرون * وانّ منکم لمن یؤمن بحکمة هٰذا

القانون علیٰ علمه فیهدی قومه علیٰ بصیرۃ من ربّه * وانّ منکم لمن یعتقد بهٰذا القانون مرتسمًا

فیتبعه اتباعًا لکبرآئه * وانّ منکم من یتبع بعمله ومن یُتّبع بعلمه * ومنکم من یطیع بایدیه

وارجله ومن یطاع بسمعه وبصرہ وفؤادہ * ومنکم سابقٌ بالخیرٰت ومقتصدٌ ومن هو ظالمٌ

لنفسه * فیامَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (لتفرّوا

من هٰذا القانون) فَانْفُذُوْاؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ (٥٥: ٣٣) منه فانه ماخلق الجن والانس

الا لیعبدوہ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْهًا وَّاِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ (٣: ٨٢) * ارجعوا یا ایها

الثقلٰن من قبل ان یاتیکم الیقین * وانیبوا الیٰ ربکم ان اردتم ان تکونوا من المفلحین *

انیبوا لان الله لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (١٣: ١١) وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَهْلَکْنٰهَآ اَنَّهُمْ

لَا یَرْجِعُوْنَ (٢١: ٩٥) * وذروا شرکآء الجن والهتکم التی تشغلکم عن السعی والعمل کلاًّ وقاطبةً

ان کنتم مؤمنین * ارجعوا افرادًا وارجعوا جمیعًا فانکم الیٰ ربکم لتحشرون * ووالله لا یفلح

احدٌ منکم فی الاخرۃ حتیٰ یفلح قومه فی الدّنیا ومن افلح قومه وانْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ (٤٢: ٤١) وشرکه

فاولٰئك من المفلحین * ومن یفعل کل هٰذہ العشرۃ ومایلیها من الاوامر ویصدق ایمانه بالعمل

فهم الذین یفلحون فی ھذہ الدنیا اینما تنظرون ❁ وھم الذین یدومون ما داموا فی الارض غالبین ❁
ومن صرف عنہا وکذب فاولئک من الھالکین ❁ فمن امن امن * ومن اسلم وجھہ لہ سلم * واولئک
ھم المسلمون المؤمنون حقًا صرفًا عمّا قال القائلون وکذب الکذبون ❁ لِیَھْلِکَ مَنْ ھَلَکَ عَنْ
بَیِّنَۃٍ وَّیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْۢ بَیِّنَۃٍ (۸: ۴۲) وان اللہ لیس بظلام للعلمین ❁ ولذلک قال اللہ لکم فی
الامم الھالکۃ التی خلت من قبلکم فَکَذَّبُوْہُ فَاَھْلَکْنٰھُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً وَمَا کَانَ اَکْثَرُھُمْ مُّؤْمِنِیْنَ
(۲۶: ۱۳۹) ❁ فما لا الایمان الاٰن تمشوا فی الارض امنین ❁ لتصلحوا بالکم فی الدنیا ولتکونوا
فی الاٰخرۃ من المامونین ❁ ویوم یحشرکم جمیعًا فیقول لجنتکم واولیاءکم الذین قالوا لکم
ان الدین ھو دین القال والقیل * لیضلوکم عن سواء السبیل * یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَکْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ
(۶: ۱۲۹) لتصلحوا بال انفسکم فی الدنیا وخربتم عبادی فانھم کانوا قومًا لا یفقھون ❁ قد استمتعتم
من عبادی الذین لم یعبدونی وکانوا یعبدونکم بجدٍ ما لم استمتع منھم * ولم ارد منھم من رزق ولم
ارد منھم ان یطعمون ❁ قد استنفعتم منھم کثیرًا لانھم کانوا یریدونکم ولم یریدونی * وکانوا
یعوذون بکم ولم یعوذوا بی * وصاروا امر یدیکم ولم یصیروا امر یدی * وکانوا یحبونکم اشد حبًا
ولم یحبونی معشار حبھم لکم * فانھم کانوا یفعلون ما امرتم وما کادوا یفعلون ما امرتھم * یقرضونی
قرضًا سیئًا ویقرضونکم قرضًا حسنًا * یجعلون للہ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ (۶: ۱۳۷) والمال نصیبًا
خبیثًا ویجعلون لکم نصیبًا طیبًا * بَلْ یَجْعَلُوْنَ لِلّٰہِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَہٗ (۱۶: ۵۷) ولکم ما تشتھون ❁
وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُھُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْھُہٗ مُسْوَدًّا وَّھُوَ کَظِیْمٌ (۱۶: ۵۸) ❁ وکنتم تجرون اذیالکم علی الارض
من التنعم * وتتخذون بیوتًا لکم من الذھب والفضۃ * وجنت لکم من العسل واللبن * وکنتم تجنون
انفسکم منھم لیعبدوکم اشد عبادۃ ولوکنت غائبًا عنھم فی غیبت السماء والارض فلم یعبدونی * وکانوا
ینفقون فی سبیلکم لیعلوا الغیب منکم وکنت اعلم الغیب فلم ینفقوا حبۃ خردلٍ فی سبیلی * بل

کانوا یقیمون دینکم لیخذلوا ولم یقیموا دینی ولو انهم اقاموا دینی لاکلوا من فوقهم ومن تحت ارجلهم
(۵: ۶۶) * فقال اولیئهم من الانس ربنا استمتع بعضنا ببعض وبلغنا اجلنا الذی اجلت لنا قال النار
مثوٰکم خٰلدین فیها الا ما شاء الله ان ربک حکیم علیم وکذٰلک نولی بعض الظٰلمین بعضا بما کانوا
یکسبون ۝ یٰمعشر الجن والانس الم یاتکم رسل منکم یقصون علیکم اٰیٰتی وینذرونکم لقاء یومکم
هٰذا قالوا شهدنا علیٰ انفسنا وغرتهم الحیٰوة الدنیا وشهدوا علیٰ انفسهم انهم کانوا کٰفرین ۝ ذٰلک ان
لم یکن ربک مهلک القریٰ بظلم واهلها غٰفلون ۝ ولکل درجٰت مما عملوا وما ربک بغافل عما
یعملون ۝ وربک الغنی ذو الرحمة ان یشا یذهبکم ویستخلف من بعدکم ما یشاء کما انشاکم من ذریة
قوم اٰخرین ۝ ان ما توعدون لاٰت وما انتم بمعجزین قل یٰقوم اعملوا علیٰ مکانتکم انی عامل فسوف
تعلمون من تکون له عاقبة الدار انه لا یفلح الظٰلمون (۶: ۱۲۹-۱۳۶) * ولقد ذرانا لجهنم کثیرا
من الجن والانس لهم قلوب لا یفقهون بها ولهم اعین لا یبصرون بها ولهم اٰذان لا یسمعون
بها اولٰئک کالانعام بل هم اضل اولٰئک هم الغٰفلون (۷: ۱۷۹) * ویوم تقلب وجوههم فی النار
یقولون یٰلیتنا اطعنا الله واطعنا الرسولا ۝ وقالوا ربنا انا اطعنا سادتنا وکبراءنا فاضلونا السبیلا ۝ ربنا اٰتهم ضعفین
من العذاب والعنهم لعنا کبیرا (۳۳: ۶۶-۶۸) * وقال الذین کفروا ربنا ارنا الذین اضلانا من الجن والانس نجعلهما تحت
اقدامنا لیکونا من الاسفلین (۴۱: ۲۹) کما جعلونا اسافل فئة وضعا فی اثاثا ورئیا * فیا ایها الغٰفلون
من الجن والانس لما لا تستمعون هٰذا القراٰن الذی یهدیکم الی الرشد ویهدیکم صراطا مستقیما *
ویا کبراء الخلق من الجن واحبار الاسلام لم تستکثرون من الانس افواجا وتجمعون وراء ظهورکم
احزابا * لتقطعوا قومکم وتفرقوا دینکم فریقا فریقا * ولا تشرکوا بالله فانه قال ولا تکونوا من المشرکین
من الذین فرقوا دینهم وکانوا شیعا (۳۰: ۳۱-۳۲) * لما لا تجمعون الذین یعوقون بحبل الانس علی الهدیٰ
لا تهدونهم طریقا سویا * کبراء الخلق من الامم الاخریٰ الجنة یهدون اناسهم الی [illegible]

وانتم تضعفونهم ليفشلواهم ومن لحقوا بهم جميعاً ✠ العامة من الناس يؤمنون بكم لتهدوهم بعلمكم ونبأكم وفطانتكم ✠ وهم لا يزالون يستمسكون باذيالكم ويظنون بكم ظنوناً ليفلحوا فى الدنيا بوساطة النور الذى يسعى فى اذهانكم والنار التى تسرى فى اعضائكم وطينتكم وانتم تستعملون نوركم ونارکم لتصلوهم صلياً مقضياً ✠ خلق الانس من طين وعجل وحماء وانتم خلقتم من نار ونور ونباء ✠ كانكم اعلام فى رأسها نار لتأتم الهداة بكم ✠ ولكن شيطينكم من السادات والاحبار والرهبان يفسقون عن امر ربهم ويجعلون للناس فخوخاً ومصالى ليضلوهم ضللاً مبيناً ✠ ما للناس اتخذوكم ارباباً من دون الله وما لكم تشركون بالله وتحثون الناس على عبادتكم لتجمعوا خيراً لانفسكم ولتجمعوا اشراً الهم وما لكم تدعون انكم تملكون لهم ضراً او رشداً ✠ تدعون ان تجيرونهم من عذاب الله وتعلمون الغيب لتستكثروا لانفسكم من الخير ولتتبعوا سبباً ✠ ام عندكم خزآئن ربكم ام انتم المصيطرون ٭ فى الارض منصباً ونسباً ✠ ام لكم سلم (۳۸:۵۲) تستمعون فيه سرآئر ربكم فليأت مستمعكم بسلطن مبين من العرش هبطاً ✠ وقد نبه الله رسولكم السيد الامير الذى لم يكن مثله فى الدهر ابداً ✠ نبهه انه يبلغ رسلته فقط ولا يدعى من دونه شيئاً ✠ وقال قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ۝ قُلْ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۝ قُلْ اِنِّىْ لَنْ يُّجِيْرَنِىْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۝ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۝ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ۝ قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا ۝ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۝ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ۝ (۷۲:۲۰-۲۸) ✠ فما لكم لا تبلغون رسلت ربكم لا زيادةً ولا نقصاً ✠ ولا يجيرون انفسكم منه باتباع سنته معناً وعملاً وما لكم تكتمون ما انزل الله من البينت والهدى من بعد ما بينه للناس فى الكتب (۲:۱۵۹) وتقولون ما كتب الله

علینا القتال والهجرۃ والجہاد بالمال ٥ وما کتب علینا اطاعۃ الامیر والاستقامۃ فی الافعال ٭ ووحدۃ الامۃ وتوحید فی الاعمال ٭ والایمان بالاخرۃ ومکارم الاخلاق وعلم السمٰوٰت والارض والجبال ٭ بل ما کتب علی الاختلاف الا العقائد والاقوال ٭ فالذین یکتمون ما انزل اللہ من الکتٰب ویشترون بہٖ ثمنا قلیلا اولٰئک ما یاکلون فی بطونھم الا النار ولا یکلمھم اللہ یوم القیٰمۃ ولا یزکیھم (۲: ۱۷۴) و اعد اللہ لھم عذابا نکرا ٭ وان استطعتم یٰمعشر الجن ان تنفذوا من اقطار السمٰوٰت والارض لتفروا من قانونہ تعالٰی او تعجزوہ ھربا لا تعجزونہ فرارا وعدوا ٭ ولو لمستم السماء ھاتین بغرارین من ملکوتہ و حکمہ لکونکم اولی علم ونبا وفطانۃ فی زعمکم لوجدتموھا ملئت حرسا شدیدا وشھبا (۷۲: ۸) ٭ فلما لا کتب اللہ علیکم القتال وسائر مخلوقاتہ من الدابۃ والطیور والانعام وغیرھا یقتلون ویقتلون لیحفظوا انفسھم من اعدائھم حفظا ٭ والی ای حیوان او نبات نظرتم وجدتموہ حافظا لنفسہ شوکۃ ومنقارا او اسنانا وقرنا ٭ وفی ای ثمر او فرع او اصل تنظرون تجدونہ جاھدا فی سبیلہ سعیا وعملا ٭ و النجم تجدونہ سالکا سبل ربہ طوعا وذللا ٭ افرایتم صنع کل ھذہ امر من شرکائکم واولیائکم واحد سوی ٭ افھم یسجدون لحکمکم ام لاحد سواکم الجبار المھیمن الاعلٰی ٭ ام لکم شرک فی السمٰوٰت فتقولوا نحن نصرف حیث نشاء ملکوتہ الادنٰی ٭ ام کان لکم علم بالملا الاعلٰی فتھجروا نحن نصرف سنتہ فی الارض لیکون للانسان ما یرضٰی ٭ فتبٰرک الذی یسجد لہ کل من خلق ولا یسجد لاحد سواہ اصلا ٭ ولما لا کتب اللہ علیکم التوحید فی العمل من دون ما تمرونہ قولا ولفظا ٭ فالعملون والحفظون والطائعون ھم الذین یؤتون من عند ربھم اجرا حسنا ٭ فی زماننا ھذا اینما تنظرون الیہ نظرا ٭ والقائلون لا یبالیھم اللہ نقرا ابدا ٭ وان وجب علی معاصری النبی القتال ونسخ لکم فھل تحسبون فی سنۃ اللہ بدلا ٭ ام کنتم تقعدون من السماء مقاعد للسمع حین بدل اللہ کلمتہ وقد قال ما یبدل القول لدی (۵۰: ۲۹) ولا ابدل وعدا ٭ وان لم یکن للانبیاء ان یقاتلوا الکفار والاعداء الا للدفاع

وحين الباس كما تقولون فلما ارسل سليمٰن الى امرأة سبا كتابا والقى عليها قولا غلظا ❊ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ
وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ (٢٧: ٣١) تُتْرَكون فى بيوتكم وجنّاتكم حفظا وامنا ❊ وان لم تنتهوا اعدّ بكم عذابا
بئسا ❊ فيا معشر الجن والانس لم تفترون على الله كذبا وهجرا ❊ وتقولون انما الاعمال للذين خلوا
وانّ لنا ما نقول نظرا وعقدا ❊ وان كان الاسلام قولكم بافواهكم فلما قال نبيّكم للذى سئله ما الاسلام
انما هو السمع والطاعة والجهاد بالسيف والهجرة والايمان بالله سعيا وعملا ❊ ولما لا قال يكفيك ان تسمّيه
احدا وان لا تشرك به حجرا ❊ وانه كان فى عهد النبىّ من اليهود رجال مثلكم من الجن يستعاذون
برجال من الانس وكانوا يجيرونهم كما يعوذ الناس بكم وتجيرونهم الان * وينبّئون الناس بالغيب فى زعمهم
كما تفعلون باحزابكم * ويلمسون السماء ليفرّوا من الله او يعجزوه بمكرهم وبتحريفهم سنّة الله * ويزعمون
انهم اتّخذوا فى السماء مقاعد السمع كما تزعمون الان لتخدعوا الناس * صرفوا الى رسولنا يستمعون القرآن
فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ (٤٦: ٢٩) كلّا ❊ قَالُوْا يٰقَوْمَنَا اِنَّا سَمِعْنَا
كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْ اِلَى الْحَقِّ (٤٦: ٣٠) وَاِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَّهْدِيْ اِلَى
الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا اَحَدًا (٧٢: ١-٢) ❊ يصدّق ما يجرى **بين يديه** فى العادة و
ويؤيّد ما يجرى **بين يديكم** من سنّة الله نظرا وعملا ❊ يٰقَوْمَنَا اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ
مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ (٤٦: ٣١) من دون ما تجيركم كذبا ومكرا ❊ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ
فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ (٤٦: ٣٢) فبئس ما اتّخذتمونا اولياءكم وارباباكم
وبئسما نزعم ان نعجز الله هربا ❊ وَاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ❊ وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ
سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا (٧٢: ٣-٤) ❊ وانّا امتنا قولكم واحبطنا اعمالكم **بالشرك والظلم** فلا نقدر
الان ان نبعثكم حيا ❊ بل جعلنا قلوبكم قسية ان لن يبعث الله الى يوم القيٰمة احدا ❊ فلا يبعثكم
الان بعد موتكم شئ الان **لا تشركوا** بربكم احدا اصلا ❊ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ

الارض ولم یعی بخلقهن بقدر علی ان یحیی الموتی (۴۶: ۳۳) بلی ان ربنا یقدر علی کل شیٔ جدًا ❁ و

انا ظننا ان لن تقول الانس والجن علی الله کذبًا ۝ وانه کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن

فزادوهم رهقًا ۝ وانهم ظنوا کما ظننتم ان لن یبعث الله احدًا ۝ (وقالوا) انا لمسنا السماء فوجدنها ملئت

حرسًا شدیدًا وشهبًا ۝ وانا کنا نقعد منها مقاعد للسمع فمن یستمع الان یجد له شهابًا رصدًا ۝ وانا

لا ندری اشر ارید بمن فی الارض ام اراد بهم ربهم رشدًا ۝ وانا منا الصلحون ومنا دون ذلك كنا

طرائق قددًا ۝ وانا ظننا ان لن نعجز الله فی الارض ولن نعجزه هربًا ۝ وانا لما سمعنا الهدی امنا به

فمن یؤمن بربه فلا یخاف بخسًا ولا رهقًا ۝ وانا منا المسلمون ومنا القاسطون فمن اسلم فاولئك

تحروا رشدًا ۝ واما القاسطون فكانوا لجهنم حطبًا ۝ وان لو استقاموا علی الطریقة لاسقینهم ماءً

غدقًا ۝ لنفتنهم فیه ومن یعرض عن ذکر ربه یسلکه عذابًا صعدًا ۝ وان المسجد لله فلا تدعوا مع الله

احدًا ۝ وانه لما قام عبد الله یدعوه کادوا یکونون علیه لبدًا ۝ (۷۲: ۵-۱۹) ❁ فیا معشر الجن

المعاصرین لم تتخذون مساجد الناس لکم لیلاً ونهارًا الستم کروا انکم تستقیمون علی الطریقة وقد قال الله

واقیموا وجوهکم عند کل مسجد وادعوه مخلصین له الدین ۝ (۷: ۲۹) وادعوه خوفًا وطمعًا (۷: ۵۶) ❁

ولما قیضت لکم قرناء[✝] فزینوا لکم ما بین ایدیکم وما خلفکم من عذاب ربکم جهلاً وبلها ❁ فانه قد حق

علیهم القول فی امم قد خلت من قبلهم من الجن والانس (۴۱: ۲۵) وقد حق علیکم ربکم عذابًا نکرا ❁

ولو انکم اقمتم دین الله وسنته لاکلتم انتم ومن تبعکم من فوقکم ومن تحت ارجلکم مثل

اعینکم جدًا ❁ فتعلی الله الملك الحق (۲۰: ۱۱۴) وقولوا لا اشرك بربی احدًا ❁ وقولوا لا اشرك بربی ابدًا ❁

✝ الاشارة الی قوله تعالی وقیضنا لهم قرناء فزینوا لهم ما بین ایدیهم وما خلفهم وحق علیهم القول فی امم قد خلت من قبلهم من الجن والانس انهم کانوا خسرین ۝ (۴۱: ۲۵) یعنی جعل الله لهم اولیاء فی الدنیا من تابعیهم یقولون لهم انهم یحسنون ما یصنعون وقد احسنوا ما قد سلف فلذلك لا یزالون یضلون الناس عن سبیله حتی یدمر الله کلهم من الجن والانس ای اکابرهم واصاغرهم ، ولا شك فی ان کبراء الخلق هم الذین یضلون العامة من الناس والناس لا یزالون یثنون علیهم لیضلوهم فیشهد علی قولی ان الله ما عنی بالجن الا اکابر الخلق قوله : حتی اذا جاءتهم رسلنا یتوفونهم قالوا این ما کنتم تدعون من دون الله قالوا ضلوا عنا وشهدوا علی انفسهم انهم کانوا کفرین ۝ قال ادخلوا فی امم قد خلت من قبلکم من الجن والانس فی النار کلما دخلت امة (ای حزب من الانس) لعنت اختها (ای حزبًا من الجن) حتی اذا ادارکوا فیها جمیعًا قالت اخریهم (ای الانس) لاولهم (ای الجن) ربنا هؤلاء اضلونا فاتهم عذابًا ضعفًا من النار قال لکل ضعف ولکن لا تعلمون ۝ وقالت اولهم (ای حزب الجن) لاخریهم (ای حزب الانس) فما کان لکم علینا من فضل فذوقوا العذاب بما (الباقی)

فی ان العشرة المبشرة من اصول الاسلام تصدر من الاتقاء وما الاتقاء الا اتباع هذه الاصول +

ولاشك فی ان کل واحد من العشرة المبشرة التی تقدم ذکرها من لوازم الاتقاء من دون الایمان فمن اتبعها عملاً و معناً وسعی لها سعیاً بلیغاً فاولٰئک هم المتقون * صرفاً عما قال فقهاء کم الذین لا یعلمون * الذین قالوا انه من یتعمم و یتأزر مثل ما تعمموا و تأزروا وارسلوا لحاهم فاولٰئک من المتقین * فاما التوحید فی العمل فحمله الله علی الاتقاء وقال یٰایها الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون ۝(٢١:٢) * لانه من یتق ربه اشد خشیة فهو الذی یعبده بالحق ومن یعبده بالحق فهو الذی یتقیه من دون العٰلمین * واما وحدة الامة فهی التی تصدر من اتقاء الله خاصة ویدل علی هذا قوله وان هٰذه امتکم امة واحدة وانا ربکم فاتقون ۝(٥٢:٢٣) * لانه من یتق ربه حق تقاته فلا یکادون ان یتنازعوا بینهم من خوف عذابه لانه قال فیهم یٰایها الذین اٰمنوا اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن الا وانتم مسلمون ۝ واعتصموا بحبل الله جمیعاً ولا تفرقوا واذکروا نعمت الله علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمته اخواناً وکنتم علی شفا حفرة من النار فانقذکم منها کذٰلک یبین الله لکم اٰیٰته لعلکم تهتدون ۝(١٠٢-١٠٣:٣) * ولذلک قال انما المؤمنون اخوة فاصلحوا بین اخویکم واتقوا الله لعلکم ترحمون ۝(١٠:٤٩) * واما اطاعة الامیر فهی التی تصدر ایضاً من اتقاء الله ویشهد علیه قوله فاتقوا الله واصلحوا ذات بینکم واطیعوا الله ورسوله ان کنتم مؤمنین ۝(١:٨) * وقوله للاعراب اذ کان الرسول یامر علیهم ان الذین یغضون اصواتهم عند رسول الله اولٰئک الذین امتحن الله قلوبهم للتقوٰی لهم مغفرة واجر عظیم ۝(٣:٤٩) * لانه من یتق امیره یتق الله ویخاف عذابه الذی یصدر من عصیان الامیر فلذلک قال الله عز وجل یٰایها الذین اٰمنوا استجیبوا لله وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم واعلموا ان الله یحول بین المرء وقلبه وانه الیه تحشرون ۝ واتقوا فتنة لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصة واعلموا ان الله شدید العقاب ۝(٢٤-٢٥:٨) *

(البقیة من صفحة ١٠٣) کنتم تکسبون ۝(٦: ٣٧-٣٩) + ولیرجع القاری الی قوله تعالی (١٣:٢١) و (٤٠: ٤٧) علی ما سلف علی صفحات ١٥-١٦ تحت المتن (الباقی)

وامّا **الجهاد بالمال والانفس والهجرة** فحملها الله كلها على **الاتقاء** ويؤيد هذا قوله تعالى يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ (۹:۱۲۳) * وقوله وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَاۤفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَاۤفَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ (۹:۳۶) * وقوله يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۵:۳۵) * وقوله لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ (۹:۴۴) * وقوله وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاۤءِ وَالضَّرَّاۤءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (۳:۱۳۳-۱۳۴) * وامّا **الاستقامة في السعي** فحملها الله على **الاتقاء** ويعينني عليه قوله تعالى وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَاۤءِ وَالضَّرَّاۤءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰۤىِٕكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰۤىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (۲:۱۷۷) * وقوله فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۖ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۗ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ (۴۷:۳۵-۳۶) * وقوله قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاۤءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (۷:۱۲۸) * وقوله يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (۵:۱۱) * وامّا **مكارم الاخلاق** فحمل الله معظمها على **الاتقاء** ويشهد على هذا قوله في التصديق بالعمل وَالَّذِيْ جَاۤءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰۤىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (۳۹:۳۳) * وقوله في ايفاء العهد بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (۳:۷۶) * وقوله في ايفاء العهود بالاعداء اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (۹:۴) * وقوله في التصديق بالعمل يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (۹:۱۱۹) * وقوله وَلْيَخْشَ

(البقية من صفحة ۱۰۴) من هٰذه الافتتاحية للتوضيح المزيد.

الذین لو ترکوا من خلفهم ذریۃ ضعفا خافوا علیھم فلیتقوا اللہ ولیقولوا قولا سدیدا (۴:۹) * وقولہ یایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وقولوا قولا سدیدا (۳۳:۷۰) * وقولہ فی الربوا یایھا الذین امنوا لا تاکلوا الربوا اضعافا مضعفۃ واتقوا اللہ لعلکم تفلحون (۳:۱۳۰) * وقولہ فی العدل یایھا الذین امنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون (۵:۸) * وقولہ فی القصاص فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم واتقوا اللہ واعلموا ان اللہ مع المتقین (۲:۱۹۴) * وغیرھا من الاقوال التی لم اذکرھا ھھنا بخوف الطوالۃ * واما **العلم** فحملہ اللہ علی **الاتقاء** واستند علیہ قولہ ان فی اختلاف الیل والنھار وما خلق اللہ فی السموت والارض لایت لقوم یتقون (۱۰:۶) * وقولہ وما خلقنا السماء والارض وما بینھما باطلا ذلک ظن الذین کفروا فویل للذین کفروا من النار ام نجعل الذین امنوا وعملوا الصلحت کالمفسدین فی الارض ام نجعل المتقین کالفجار (۳۸:۲۷-۲۸) * لانہ من حسب خلقہ باطلا ولم یستمتع منہ فقد کفر وفجر * ومن طلب العلم منہ فاولئک ھم المتقون * ویشھد علی ھذا قولہ انما یخشی اللہ من عبادہ **العلمؤا** (۳۵:۲۸) فا**لعلماء** ھم الذین یعرفونہ **حقا** وبہ یتقون * واما **الایمان بالاخرۃ** فحملہ اللہ علی **الاتقاء** بقولہ ذلک الکتب لا ریب فیہ ھدی للمتقین الذین **یؤمنون بالغیب** ویقیمون الصلوۃ ومما رزقنھم ینفقون والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک وبالاخرۃ ھم یوقنون (۲:۲-۴) * وما **یؤمن** احد منکم **بالغیب** حتی **یتقی** ربہ **بالغیب** فلذلک قال اللہ ولقد اتینا موسی وھرون الفرقان وضیاء وذکرا للمتقین الذین یخشون ربھم بالغیب وھم من الساعۃ مشفقون (۲۱:۴۸-۴۹) وغیرھا من الاقوال التی لم اذکرھا ھھنا فتدبروا ان انتم قوم یتفکرون * ولا شک فی ان کل ھذہ الاعمال التی تصدر من **الاتقاء** من لوازم **الایمان** لانہ قال فاتقوا اللہ ان کنتم

مُؤْمِنِيْنَ (٥:١٥) * ومن يتق الله حق تقته ويفعل كل هذه الاعمال لتصديقه لابد لهم من ان
يغلبوا فى هذه الدنيا ماداموا فى الارض ولابد لهم من ان ينصرون * ولذلك قال الله عزوجل
فيهم وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا اى
بالعمل فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (٧:٩٦) * وقال قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ
لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ
حِسَابٍ (٣٩:١٠) * ومن يتق الله مثل هذا فى هذه الدنيا لابد لهم من ان يبدل الله مكانهم السيئة
الحسنة ويكفر عنهم سيئاتهم فى هذه الدنيا ويفضلهم على العلمين * فلذلك قال الله فيهم
يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ
الْعَظِيْمِ (٨:٢٩) * ومن يتق لابد لهم من ان يورثه الله الارض فلذلك قال الله فيهم فَاَوْحٰى
اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِىْ وَخَافَ
وَعِيْدِ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ (١٤:١٣-١٥) * ومن يتق الله بفعل هذه الاعمال
لابد لهم من ان يصيروا فى هذه الدنيا من الفائزين * فلذلك قال الله فيهم وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ
يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ
اَمْرِهٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (٦٥:٢-٣) * وقال وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ذٰلِكَ اَمْرُ
اللّٰهِ اَنْزَلَهٗ اِلَيْكُمْ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗ اَجْرًا (٦٥:٤-٥) * ومن يتق الله مثل
هذا لابد لهم من ان يكون لهم فى هذه الدنيا حسنة وفى الاخرة حسنة فلذلك قال الله فيهم
وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْا خَيْرًا لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ
خَيْرٌ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ط
كَذٰلِكَ يَجْزِى اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ (١٦:٣٠-٣١) * وقال وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (٦:٣٢)

ولذلک قال ولمن خاف مقام ربه جنتٰن (۴۶:۵۵)* وقال ان المتقین فی جنّٰت وعیون ۝ اخذین ما اٰتٰهم ربهم انهم کانوا قبل ذٰلک محسنین (۵۱:۱۵-۱۶)* وقال ان المتقین فی جنّٰت ونعیم ۝ فٰکهین بما اٰتٰهم ربهم ووقٰهم ربهم عذاب الجحیم ۝ کلوا واشربوا هنیٓٔا بما کنتم تعملون ۝ متکئین علی سرر مصفوفة وزوجنٰهم بحور عین (۵۲:۱۷-۲۰)* وقال ان المتقین فی جنّٰت وعیون ۝ ادخلوها بسلٰم اٰمنین (۱۵:۴۵-۴۶)* وقال ان المتقین فی مقام امین ۝ فی جنّٰت وعیون ۝ یلبسون من سندس واستبرق متقٰبلین ۝ کذٰلک وزوجنٰهم بحور عین ۝ یدعون فیها بکل فاکهة اٰمنین ۝ لا یذوقون فیها الموت الا الموتة الاولٰی ووقٰهم عذاب الجحیم ۝ فضلا من ربک ذٰلک هو الفوز العظیم (۴۴:۵۱-۵۷) * وقال فی بالهم فی الاٰخرة وسیق الذین اتقوا ربهم الی الجنة زمرا حتی اذا جاءوها وفتحت ابوابها وقال لهم خزنتها سلٰم علیکم طبتم فادخلوها خٰلدین ۝ وقالوا الحمد للّٰه الذی صدقنا وعده واورثنا الارض (من قبل) نتبوا من الجنة حیث نشاء فنعم اجر العٰملین ۝ وتری الملٰئکة حآفین من حول العرش یسبحون بحمد ربهم وقضی بینهم بالحق وقیل الحمد للّٰه رب العٰلمین (۳۹:۷۳-۷۵) * فتدبروا یا ایها الفقهاء الجٰهلون المعاصرون * ما الاتقاء بما زعمتم وما هی بالذی انتم به تهجرون * ان انتم الا تقولون علی اللّٰه ما لا تعلمون * وما تفرقتم الا من بعد جاءکم العلم بغیا بینکم ان ربک یقضی بینکم یوم القیٰمة فیما کنتم فیه تختلفون * وقال الرسول یٰرب ان قومی اتخذوا هٰذا القراٰن مهجورا ۝ (۲۵:۳۰) افلا تذکرون * وقالوا انما الاتقاء هو عمائم وتسابیح والاقوال والاسماء ولحا واسالیب الاستنجاء والالبسة وغسل الجنابة وکلمات الکفر والنوافل وحفظ القراٰن کالببغاء من وزن الاعمال ما انزل اللّٰه بها من سلطٰن (۵۳:۲۳) فسحقا لاصحٰب الجحیم * افلم یدبروا القول ام جاءهم ما لم یات اٰباءهم الاولین ۝ ام لم یعرفوا رسولهم فهم له

---

* ای جنّٰت الارض والجنة الاٰخرة ۔ واشار اللّٰه عزوجل فی کل ما یلی هٰذه الاٰیة (ای الاٰیات (۵۱:۱۵-۱۶) و(۵۲:۱۴-۲۰) و(۱۵:۴۵-۴۶) و(۴۴:۵۱-۵۴)) الی جنّٰت الارض لا الی الجنة الاٰخرة ۔ وفی قوله (۳۹:۷۳-۷۵) الی الجنة الاٰخرة ووراثة الارض واما قوله وزوجنٰهم بحور عین فی الاٰیات البقیة علی صفحة ۱۰۹

* الاشارة الی قوله تعالٰی واٰتینٰهم بینٰت من الامر فما اختلفوا الا من بعد ما جاءهم العلم بغیا بینهم ان ربک یقضی بینهم یوم القیٰمة فیما کانوا فیه یختلفون ۝ (۴۵:۱۷)

مُنْكِرُوْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ (۲۳: ۶۸-۷۰) * فواللہ

ماقال رسولكم لكم ان تحفظوا الفاظ القرآن فى صدوركم كالببغاء او تحملوها مثل الحمار يحمل اسفارًا

بل اصرّ على ان تحفظوا مطالبها ومقاصدها واوامرها ونواهيها ليتبين لكم ما الاتقاء عند الله وما

شرائطه ولوازمه مثل ما تقدم * ولتذكروا فى انفسكم ما الايمان ولوازمه وكيفيته وكميته

وثوابه واجره فى الدنيا والاخرة كما ذكرهما الله بها فى الكتٰب * فتجاهدوا فيهما حق جهادها وسعيها

فتكونوا من المفلحين * فما هى الا انكم فررتم من دين الاعمال والاشكال الى دين الكلمات

والاقوال لتيسره ابال انفسكم واصررتم على البغى والعصيان لتفرّوا من الله فاعلموا انما انتم بمعجزى

الله فى هذه الارض هربا ان انتم الا تخرصون * فذهب الله بنوركم وجعل صدوركم ضيّقة و

انسٰكم ماكنتم عليه بل انسٰكم نفسه واقسى قلوبكم وقلوب تابعيكم فهى كالحجارة او اشد قسوة ؕ

وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ

مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (۲: ۷۴) فلتحملوا اوزاركم كاملة يوم القيٰمة ومن اوزار

الذين تضلونهم بغير علم الا ساء ما تزرون * اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ

رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۳۹: ۲۲) * فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ

يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ ؕ

كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (۶: ۱۲۶) * فهل انتم تائبون من هذه ايها الجهلون؟ *

وان لم تفعلوا فانتظروا انى معكم من المنتظرين *

ويا ايها المفتيون المعاصرون! الذين يتغافى الناس اليهم فيرسلون فتاويهم كالسماء

مدرارًا ليصيبوا بها من يشاءون * والذين يظنون انهم هم المصيطرون فى الارض ليحلوا غضب الله

(البقية من صفحة ۱۰۸) (۵۲: ۲۰) و (۴۴: ۵۴) فما عنى الله بهذا شيئا الا ازواجا مطهرة حسناء الوجه بيضاء الجلد التى زوج المسلمين من بعد تمكينهم من الارض + ولم يذكرهن عز وجل قط فى اى موضع فى القرآن فى توصيف الجنة الا انه اشار اليهن فى توصيف جنت كرة بعد مرة - فتدبر۔

۱؎ الاشارة الى قوله تعالى لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝ (۱۶: ۲۵)

على النّاس برسلتهم لعبين ✵ ازعمتم انكم **تعلمون** كتٰب الله وقانونه ولو علمتموه لخررتم على اذقانكم خاشعين ✵ متصدّع عين من خشية الله ولكسّرتم اقلامكم ومزّقتم قراطيسكم كلّ ممزّق تائبين ✵ تعاندون بينكم وتعاجزون لتضعفوا قوآء امّتكم فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ (٨: ٤٦) ما تركتم على ظهر الارض من نفر سواكم الّا اتّهمتموه بالكفر والفسق والشّرك فهل عندكم من سلطٰن انزل الله اليكم بكفرهم او بايمانكم ان كنتم صٰدقين ✵ وان اخرجتم كلّ المسلمين من جماعتكم وانفضّ النّاس من حولكم فمن يستفتيكم من بعده الّا انتصرون ✵ وانّى تقلدون من بعد ذٰلك على ان يقوّل النّاس عليكم لتمشوا فى الارض كابرين ✵ افتزعمون انّكم مسلمون من دون النّاس والمسلم من سلم المسلمون من يده ولسانه عند رسولكم والمؤمنون والمؤمنٰت يظنّون بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا (٢٤: ١٢) عند الله افلا تذكّرون ✵ وقد قال لكم يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ (٤٩: ١٢) ✵ وقد قال لكم اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (٤٩: ١٠) وان صار النّاس مسلمين عندكم بلحاهم والبستهم وعمائمهم وصاروا كفرين بتركهم البستكم وعمائمكم او مسائلكم الّتى ابدعتم فى دينكم بغير علم وسلطٰن فاروني بماذا انتم تحكمون ✵ تستشهدون من كتبكم الفقهيّه واباطيلكم الشّرعيّة المخترعة الّتى لا يجوز لاحد ان يثق بها ✵ وتنبذون كتٰب الله ورآء ظهوركم لتتّخذوه مهجورًا ✵ وتتساندون الى اٰرآء اسلافكم وقياسات كبرآءكم وظنّون جهلاءكم الّذين تسمّونهم العلمآء لتحرّفوا دينكم وتبدّلوا كلمٰت الله ✵ وتحكمون بما جاء من غير الله ✵ ماكرين انّ القراٰن لم يفصّل لكم من اٰيات الله حقّ تفصيلها ولم يبيّن لكم من كلماته حقّ تبيينها ✵ فما لكم لا تتّقون انه قال لكم وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (٥: ٤٥) ✵ بل قال وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (٥: ٤٧) ✵ وقضى لكم انه مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (٥: ٤٤)

افغیر الله تبتغون حکما وھو الذی انزل الیکم الکتب مفصلا (۶:۱۱۴) والذین اتینھم الکتب
یعلمون انه منزل من ربک بالحق (۶:۱۱۴) فلا تکونن من الممترین ✲ فالحق انکم ما انتم اوتیتم کتابا به
ولا انتم تعلمونه بالیقین ✲ وھو الذی قال لکم وتمت کلمت ربک صدقا وعدلا ط لا
مبدل لکلمته وھو السمیع العلیم (۶:۱۱۵) ✲ وھو الذی نبه رسولکم نظرا الی ما انتم تفعلون
الان وقال وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل الله ان یتبعون الا الظن وان ھم
الا یخرصون ۰ ان ربک ھو اعلم من یضل عن سبیله وھو اعلم بالمھتدین (۶:۱۱۶-۱۱۷) ✲ وقد قال له
ونزلنا علیک الکتب تبیانا لکل شیء وھدی ورحمة وبشری للمسلمین ۰ (۱۶:۸۹) ✲ فقد کفرتم
وفسقتم فی فتاوٰکم ایھا المفتیون الجاھلون المعاصرون ! ✲ وقد ظلمتم انفسکم باتخاذکم
ما وجدتم علیه اباءکم ✲ وبتقلیدکم ما ظننوا واخترعوا من الشرع من انفسھم ✲ ولم تؤمنوا بانه
کلمت ربکم قد تمت فی القران صدقا وعدلا فحسبنا کتابه ✲ بل طعتم اکثر من فی الارض لیضلوا
الناس عن سبیل الله ✲ واتبعتم الظن من دون العلم الذی جاءکم فی الکتب المبین ✲ افما
قال الله لرجال مثلکم الذین لم یؤمنوا بالقران حق ایمانه اولم یکفھم انا انزلنا علیک الکتب یتلی
علیھم ان فی ذلک لرحمة وذکری لقوم یؤمنون (۲۹:۵۱) ✲ فالحق انکم ما استنبطتم من
الکتب من ذکر ومن رحمة ✲ بل ما امنتم به ✲ ولو امنتم به وقرأتم ایته حق قرأته لصرتم
من المفلحین ✲ فی الدنیا ابدا وفی الاخرة ابدا انه لا یضیع اجر المحسنین ✲ وقد قال لکم
الذین اتینھم الکتب یتلونه حق تلاوته اولئک یؤمنون به ومن یکفر به فاولئک ھم
الخسرون ۰ (۲:۱۲۱) ✲ فلا والله ما امنتم بالقران حق ایمانه وما درستموه حق درسه وتلاوته
بل کفرتم فصرتم من الاخسرین ✲ احسبتم ان الکفر ھو اقوالکم وکلماتکم ✲ ونسیانکم
اسالیب الغسل والطھارة التی ابدعتم من انفسکم ✲ ونسیانکم مسائل الحیض والنفاس ونسیانکم

الفاظ القرآن واعرابها حين التكرار * او سجدات السهو فی صلوٰتکم * او توجهکم الی الکعبۃ فی الغائط * او تصرّفکم فی مناهج التعمم والتأزر * او اعتقاداتکم اللفظیہ * وغیرها من الاباطیل التی یستهزء بها الناس و التی لا تعد ولا تحصیٰ * ء انتم تتخذون الله هزوًا ودینه لهوًا ولعبًا ایها الجهلون! ۞ وان کان الکفر مثل هٰذه او دین الله مثل هٰذا اللغو فأتوا بشهادة حکمکم فی الکتٰب ان کنتم صٰدقین ۞ انما الکفر نسیانکم درس الله * وتتبعکم اٰراء کم الشتّٰی * واستمساککم مذاهبکم المختلفة * واتباعکم ظنونکم الواهیة * بل اتیانکم بانفسکم بالکبر والجهل لو کنتم تعلمون ۞ وانما الکفر هو الاعمال من دون الکلمات و الاقوال * بل ما انتم تکسبون بایدیکم وارجلکم ایها الغفلون! ۞ فانه قال لِکُلِّ امْرِیٍٔ مِّنْهُمْ مَّا اکْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ (۱۱:۲۴) وَکُلُّ امْرِیٍٔ بِمَا کَسَبَ رَهِیْنٌ ۰(۲۱:۵۲) ۞ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (۳۹:۵۳) فهل تجزون الا ما انتم تکسبون ۞ وانما الاعمال بالنیّات * فلا یواخذکم الله باللغو فی اقوالکم بل یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ (۲:۲۲۵) * بل بما کسبت ایدیکم وارجلکم بالتصدیق من قلوبکم باغین عن احکام الله وفطرته ایها الجهلون! ۞ وهو الذی قال وَذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَذَکِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا کَسَبَتْ لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ وَاِنْ تَعْدِلْ کُلَّ عَدْلٍ لَّا یُؤْخَذْ مِنْهَا اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا کَسَبُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ ۰(۶:۷۰) ۞ فغرتکم الحیوة الدنیا حین اتخذتم دینکم لعبًا ولهوًا بل کفرتم * لانکم صرفتم عن دین الاعمال والاشکال الی دین الکلمات والاقوال * وقلتم علی الله ما لا علمتم * وطفقتم تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۰(۶۱:۲) لتیسروا دینکم جامدین ۞ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۰(۶۱:۳) ۞ فما الکفر بما زعمتم ایها الزاعمون الجهلون! ۞ انما هو اعمالکم واعمال امتکم السیئة التی تهدیکم الی الضعف الخوف * وتکذیبکم اٰیات الله بالعمل و

تکذیبکم رسوله بجحودکم وقساوة قلوبکم لوکنتم تعلمون ❁ ولو علمتم کتب الله لما هجرتم

مثل هذا بل ما قلتم لمن القیٰ الیکم قولا لَسْتَ مُؤْمِنًا (۴:۹۴) ابدًا ٭ الا من کفر ربه بالعمل ٭ و

عصاه عملًا ومعنًا ٭ ومن لم یعتصم بحبله وصار مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا كُلُّ حِزْبٍ

بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ (۳۰:۳۲) ❁ وان کنتم علیٰ بیّنة من ربکم فی فتاوٰکم من الکفر والفسق و

الشرك والفجور او ترسلونها علی بصیرة منه فاتونی بشهادة حکمکم ان کنتم صٰدقین ❁ و

اِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا (۲:۲۴) ففقفوا اثبّت لکم ما الکفر بما جآء فی القراٰن المبین ❁ افما قال

الله لکم فی الکتٰب اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰی كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ یود ان تؤدّی النفس اجرها بما قالت

ولا فعلت) وَ (الناس) جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ (فی اعمالهم باتخاذهم اربابًا واولیآء من دونه عملًا ومعنًا

علیٰ قولهم انّهم یؤمنون بالله بافواههم) قُلْ سَمُّوْهُمْ (وبیّنوا الی ما لهم من شرك فی السمٰوٰت والارض

فیکونوا اجدرین له) اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی الْاَرْضِ اَمْ (تسعون ان تخدعوا الله) بِظَاهِرٍ مِّنَ

الْقَوْلِ (او تمکروا مکرًا بافواهکم والسنتکم) بَلْ زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِیْلِ

وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۔ لَهُمْ عَذَابٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ

مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۔ (۱۳:۳۳-۳۴) ❁ قَدْ مَكَرَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِیْعًا یَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ

كُلُّ نَفْسٍ وَسَیَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ۔ (۱۳:۴۲) ❁ فما الکفر الا ما تصفون بالسنتکم

من الکذب وظاهر من القول فی الله ٭ بل ما تحثّون الناس علیه من الکلمات والاقوال الکبرٰی

انهم اٰمنوا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ (۴۹:۱۴) ایها القائلون الجٰهلون! ❁ وما الکفر الا ان

تقولوا فی الله ما لا تفعلون ❁ فانّه لا یؤمن احد عنده الا من صدّق فی ایمانه بالعمل

ولا یؤاخذ احدًا الا بما یکسبون ❁ فانه یَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ (۱۶:۱۹) ❁ وانّه اَمْكَرُ

الماکرین ❁ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ (۸:۲۴) ویعلم ما یفعل وما تصنعون ❁ وما الکفر

٭ ولذلك سمّی الله الذین کذّبوا ایمانهم بالعمل الکٰفرین فی قوله لِیَسْئَلَ الصّٰدِقِیْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا ۔ (۳۳:۸) ۔

عبادتكم اولادكم واموالكم * وشغفكم ببنيكم وبناتكم * واتخاذكم اولياءكم اربابا لكم * واتخاذكم مساكنكم وحكامكم اصناما لكم * وحبكم للقناطير المقنطرة من الذهب والفضة * لتحلوا قومكم دار الذلة والمسكنة * وتكفروا من شدة عذابه وتذروا عاقبة قومكم والآخرة * فانه قال الله الذي له ما في السموت وما في الارض وويل للكفرين من عذاب شديد الذين يستحبون الحيوة الدنيا على الاخرة ويصدون عن سبيل الله ويبغونها عوجا اولئك في ضلل بعيد (۱۴: ۲-۳) * وقال من شرح بالكفر صدرا فعليهم غضب من الله ولهم عذاب عظيم ذلك بانهم استحبوا الحيوة الدنيا على الاخرة وان الله لا يهدي القوم الكفرين اولئك الذين طبع الله على قلوبهم وسمعهم وابصارهم واولئك هم الغفلون لا جرم انهم في الاخرة هم الخسرون (۱۶: ۱۰۷-۱۰۹) * وقال يايها الناس ان وعد الله حق فلا تغرنكم الحيوة الدنيا ولا يغرنكم بالله الغرور ان الشيطن لكم عدو فاتخذوه عدوا انما يدعوا حزبه ليكونوا من اصحب السعير الذين كفروا لهم عذاب شديد والذين امنوا وعملوا الصلحت لهم مغفرة واجر كبير (۳۵: ۵-۷) * فما الكفر الا اعراضكم عن التوحيد† عملا ومعنا وعبادتكم الشيطن في انفسكم وصدوركم ايها القائلون * وما الكفر الا عدم سداومتكم على التوحيد ليلا ونهارا واتخاذكم اصناما لكم من امتعة الحيوة الدنيا يوما فيوما * واستعماركم قلوبكم الشهوات واللذات كرة بعد مرة * لتشركوا بالله وتشغلوا عن ذكره واحكامه عملا ومعنا فانه قال واذا مس الانسان ضر دعا ربه منيبا اليه ثم اذا خوله نعمة منه نسي ما كان يدعوا اليه من قبل وجعل لله اندادا ليضل عن سبيله قل تمتع بكفرك قليلا انك من اصحب النار (۳۹: ۸) * وقال واذا غشيهم موج كالظلل دعوا الله مخلصين له الدين فلما نجهم الى البر فمنهم مقتصد وما يجحد بايتنا (اي احكامنا) الا كل ختار كفور (۳۱: ۳۲) * وقال واذا مسكم الضر في البحر ضل من تدعون

في ان الكفر هو الاعراض عن التوحيد

† وفي موضع اخر جعل الله الاعراض عن التوحيد علم الكفر وقال ومن يدع مع الله الها اخر لا برهان له به فانما حسابه عند ربه انه لا يفلح الكفرون (۲۳: ۱۱۷)

إِلَّآ إِيَّاهُ ۖ فَلَمَّا نَجّٰكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ وَكَانَ الْإِنسَانُ كَفُورًا (١٧: ٦٧) ✻ بل قال فی بال المشرکین مثلکم الی یوم القیٰمة الذین یقولون الآن لا ندعو الا الله بالسنتنا وفی صلوتنا ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ تُشْرِكُونَ ۝ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا بَل لَّمْ نَكُن نَّدْعُوا مِن قَبْلُ شَيْئًا ۚ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ الْكٰفِرِينَ ۝ (٤٠: ٧٢-٧٣) ✻ وقال فی المشرکین الکفارین الذین اتخذوا احبارهم واصفیاءهم وابرارهم اربابًا من دونه لیقربوهم الی الله زلفٰی فی زعمهم ولیقطعوا قومهم فریقًا فریقًا ویصیروا شیعًا متخالفة مختلفة وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ (لیختلف الاولیاء من بینهم وبین الناس فیقطعوهم یقولون لکونهم فی زعمهم عابدی الله کذبًا ومکرًا) مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفٰىٓ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝ (٣٩: ٣) ✻ فما الکفر الا اختلافکم بینکم بظلمکم وشرککم واعراضکم عن وحدة الامة ایها الغٰفلون؟ ✻

فی ان الکفر هو الاعراض عن وحدة الامة والجهاد بالمال۔

وما الکفر الا بخلکم بالمال لتقویة قومکم من اتخاذکم المال وثنًا لکم فانه قال الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَآ آتٰهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ وَأَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۝ (٤: ٣٧) ✻ بل ما الکفر الا انفاقکم اموالکم فی سبیل حکامکم الذین بعثهم الله علیکم لیعذبوکم ویضعفوا قوٰی امتکم فیدمروکم فانه قال إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ۝ لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ۝ (٨: ٣٦-٣٧) ✻ وما الکفر الا انفاقکم اموالکم فی سبیل الله بالاکراه لتجمعوا خیرًا لانفسکم وشرًّا لامتکم فانه نبه رسولکم وقال وَمَا مَنَعَهُمْ أَن تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ إِلَّآ أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلٰوةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كٰرِهُونَ ۝ فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَآ أَوْلَادُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُم بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنفُسُهُمْ

✻ و فی موضع اٰخر جعل الله النفاق والاختلاف علی الکفر وقال: فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِن بَيْنِهِمْ ۖ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِن مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ (١٩: ٣٧)

وَهُمْ كٰفِرُوْنَ (۹: ۵۴-۵۵) ❁ وقال فی اتخاذهم المال ونتالهم لیشرکوا باللّٰه فیستغنوا عن عاقبة قومهم وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ (۴۱: ۶-۷) ❁ فما الکفر الا اعراضکم عن الجهاد بالمال ایها المفتیون المعاصرون! ❁ وما الکفر الا فرارکم بالاستئذان من امیرکم و اعتذارکم عن طاعته اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (۸: ۲۴) ❁ واعراضکم عن الاستجابة لخلیفة الرسول منکم اذا ذکرکم بایام اللّٰه او دعاکم لیوم النفیر ۞ فانه قال فی الذین کانوا یستاذنون الرسول فرارًا من الموت

فی ان الکفر هو الاعراض عن اطاعة الامیر

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۭ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ (۹: ۴۸) ❁ فما الکفر الا عصیانا امیرکم واعراضکم عن طاعته لو کنتم تعلمون ❁ ومن لا یهاجر او یهجر کل ما یشغله عن السعی والعمل لتقویة قومه فهو الذی کفر عند اللّٰه واولٰئک هم الکٰفرون ❁ فانه قال فی منافقی القرون الاولی وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاۗءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ حَتّٰي يُھَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْھُمْ وَاقْتُلُوْھُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْھُمْ ۠ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْھُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا (۴: ۸۹) ❁ فما الکفر الا اعراضکم عن الهجرة لتقویة قومکم او مدافعة انفسکم ایها المضعفون العالون! ❁

فی ان الکفر هو اعراضکم عن الهجرة والجهاد بالسیف.

ومن لا یقاتل اعداءه حال استطاعته حین الباس لیکف ایدی الناس عن قومه ومن فر من الموت فشلًا وجبنًا ۔ واعتذر الی امیره لیخلف ومن صد الناس عن الجهاد تخویفا وترهیبا فهو الذی کفر عند اللّٰه واولٰئک هم الکٰفرون ❁ فانه قال لمؤمنی القرون الاولی يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (۳: ۱۵۵) ❁ بل قال لهم وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ

❁ ولذلک قال اللّٰه عزوجل فی قارون اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْۗاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ ۤ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۔ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ (ای انفق المال فی سبیله لتکون الدار الاٰخرة لک) وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا (ای لا تنس انه علیک ان تنفق فی سبیله من المال) وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ (ای بخلک) ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۞ (۲۸: ۷۶-۷۷) فحمل اللّٰه بخله علی الکفر وقال من بعد ذلک (الباقی)

وليعلم الذين نافقوا ۚ وقيل لهم تعالوا قاتلوا في سبيل الله او ادفعوا ۖ قالوا لو نعلم قتالا لا
اتبعنكم ۗ هم للكفر يومئذ اقرب منهم للايمان ۚ يقولون بافواههم ما ليس في قلوبهم ۗ والله
اعلم بما يكتمون ۚ الذين قالوا لاخوانهم وقعدوا لو اطاعونا ما قتلوا ۗ قل فادرءوا عن انفسكم الموت
ان كنتم صدقين (۳: ۱۶۵-۱۶۷) ❁ وقال في بسالتهم يوم خرجوا من ديارهم الى بدر الصغرى الذين قال
لهم الناس ان الناس قد جمعوا لكم فاخشوهم فزادهم ايمانا ۖ وقالوا حسبنا الله ونعم الوكيل ۝ فانقلبوا
بنعمة من الله وفضل لم يمسسهم سوء ۙ واتبعوا رضوان الله ۗ والله ذو فضل عظيم ۝ انما ذلكم الشيطن
يخوف اولياءه ۖ فلا تخافوهم وخافون ان كنتم مؤمنين ۝ ولا يحزنك الذين يسارعون في الكفر ۚ
انهم لن يضروا الله شيئا ۗ يريد الله الا يجعل لهم حظا في الاخرة ۖ ولهم عذاب عظيم ۝ ان الذين اشتروا
الكفر بالايمان لن يضروا الله شيئا ۚ ولهم عذاب اليم ۝ (۳: ۱۷۲-۱۷۶) ❁ وقال في موضع اخر في منسلي
القرون الاولى والمنفقين منهم فان رجعك الله الى طائفة منهم فاستاذنوك للخروج فقل لن
تخرجوا معي ابدا ولن تقاتلوا معي عدوا ۖ انكم رضيتم بالقعود اول مرة فاقعدوا مع الخالفين ۝ ولا
تصل على احد منهم مات ابدا ولا تقم على قبره ۖ انهم كفروا بالله ورسوله وماتوا وهم فسقون ۝
ولا تعجبك اموالهم واولادهم ۚ انما يريد الله ان يعذبهم بها في الدنيا وتزهق انفسهم وهم كفرون ۝
(۹: ۸۳-۸۵) ❁ وفي المعذرين منهم وجاء المعذرون من الاعراب ليؤذن لهم وقعد الذين كذبوا
الله ورسوله ۚ سيصيب الذين كفروا منهم عذاب اليم ۝ (۹: ۹۰) ❁ وفي المعوقين منهم قد يعلم
الله المعوقين منكم والقائلين لاخوانهم هلم الينا ۖ ولا ياتون الباس الا قليلا ۝ اشحة عليكم ۖ
فاذا جاء الخوف رايتهم ينظرون اليك تدور اعينهم كالذي يغشى عليه من الموت ۖ فاذا ذهب الخوف
سلقوكم بالسنة حداد اشحة على الخير ۚ اولئك لم يؤمنوا فاحبط الله اعمالهم ۚ وكان ذلك
على الله يسيرا ۝ (۳۳: ۱۸-۱۹) ❁ وفي المخلفين المنفقين المعذرين منهم سيقول لك المخلفون من

(البقية من صفحه ۱۱۶) ويكأنه لا يفلح الكفرون ۝ (۲۸: ۸۲) + [illegible]

الاعراب شغلتنا اموالنا واهلونا فاستغفر لنا ج يقولون بالسنتهم ما ليس فى قلوبهم ط قل فمن
يملك لكم من الله شيئا ان اراد بكم ضرا او اراد بكم نفعا ط بل كان الله بما تعملون خبيرا ٥ بل ظننتم
ان لن ينقلب الرسول والمؤمنون الى اهليهم ابدا وزين ذلك فى قلوبكم وظننتم ظن السوء ج وكنتم
قوما بورا ٥ ومن لم يؤمن بالله ورسوله فانا اعتدنا للكفرين سعيرا ٥ (۴۸ : ۱۱ - ۱۳) ✠ وقال
يعتذرون اليكم اذا رجعتم اليهم ط قل لا تعتذروا لن نؤمن لكم قد نبانا الله من اخباركم ط وسيرى
الله عملكم ورسوله ثم تردون الى علم الغيب والشهادة فينبئكم بما كنتم تعملون ٥ سيحلفون بالله لكم
اذا انقلبتم اليهم لتعرضوا عنهم ط فاعرضوا عنهم ط انهم رجس ز وماوٰهم جهنم ج جزاء بما كانوا يكسبون ٥
يحلفون لكم لترضوا عنهم ج فان ترضوا عنهم فان الله لا يرضى عن القوم الفسقين ٥ الاعراب اشد
كفرا ونفاقا واجدر الا يعلموا حدود ما انزل الله على رسوله ط والله عليم حكيم ٥ (۹ : ۹۴ - ۹۷) ✠ و
ما الكفر الا قتالكم فى سبيل حكامكم واعداءكم وطواغيتكم الذين بعث الله عليكم ليعذبكم فتبتغوا
عندهم العزة وتتخذوهم اولياء من دون المسلمين فتقتلوا انفسكم فانه قال الذين امنوا يقاتلون فى
سبيل الله ج والذين كفروا يقاتلون فى سبيل الطاغوت فقاتلوا اولياء الشيطن ج ان كيد
الشيطن كان ضعيفا ٥ (۴ : ۷۶) ✠ فما الكفر الا اعراضكم عن الجهاد بالسيف وفراركم

فى ان الكفر هو الاعراض عن الجهاد بالسيف مع الاعداء وهو الا اعراضكم عن الاستقامة فى العمل والنظم والنسق

من الموت الا تبصرون ✠ ومن لا يقاتل عدائه فى سبيل الله حق قتاله ويدعهم
الى السلم حذر الموت فيهن ويحزن ومن يولهم يومئذ دبره الا متحرفا لقتال او
متحيزا الى فئة (۸ : ۱۶) فيوهن امره فى الدنيا ومن لا يغلب ولا ينصر من الله
فهو الذى كفر عند الله واولئك هم الكفرون ✠ فانه قال لمؤمنى القرن الاول بل فى كل من
ادخل الايمان فى قلبه يوم خلق السموت والارض الى يوم القيمة، ولو قاتلكم الذين كفروا لولوا
الادبار ثم لا يجدون وليا ولا نصيرا ٥ سنة الله التى قد خلت من قبل ج ولن تجد لسنة

اللّٰہِ تَبۡدِیۡلًا (۴۸:۲۲-۲۳) ❊ وقال قُلۡ لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَتُغۡلَبُوۡنَ وَتُحۡشَرُوۡنَ اِلٰی جَہَنَّمَ وَبِئۡسَ الۡمِہَادُ ۝ (۳:۱۲) اِنَّہٗ لَا یُفۡلِحُ الۡکٰفِرُوۡنَ ۝ (۲۳:۱۱۷) ❊ فالحق ان الکفرین ھم الذین یغلبون فی ھٰذہ الدنیا اینما تنظرون ❊ من اوّل یوم خُلق السمٰوٰت والارض الی یوم القیٰمۃ فالمغلوبون ھم الکفرون ابدًا والمؤمنون لَہُمُ الۡمَنۡصُوۡرُوۡنَ ابدًا وانّ جندھم لَہُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ (۳۷:۱۷۳) ❊ ولن تجدوا فی سنّتہٖ تبدیلًا ولو حرصتم ایھا الجٰھلون! ❊ تحبّون ان تبدّلوہ بمکرکم وقد قال مَا یُبَدَّلُ الۡقَوۡلُ لَدَیَّ (۵۰:۲۹) ایّھا الماکرون! ❊ فھٰذہٖ سنّتہ الاٰن وَقَدۡ مَضَتۡ سُنَّتُ الۡاَوَّلِیۡنَ (۸:۳۸) ❊ فالکفرون ھم الذین یولّون الادبار ثمّ لا ینصرون ❊ یغلبون لکونھم موھنین فی امرھم و مستضعفین فی سعیھم بل یائسین من رحمتہٖ فی جھدھم یخشون النّاس ولا یخشون اللّٰہ وامیرھم حقّ خشیتہٖ تَحۡسَبُہُمۡ جَمِیۡعًا وَّقُلُوۡبُہُمۡ شَتّٰی ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ قَوۡمٌ لَّا یَعۡقِلُوۡنَ ۝ (۵۹:۱۴) ❊ والمؤمنون اَشَدُّ رَہۡبَۃً فِیۡ صُدُوۡرِہِمۡ مِّنَ اللّٰہِ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ قَوۡمٌ لَّا یَفۡقَہُوۡنَ ۝ (۵۹:۱۳) ❊ یرجون من اللّٰہ ما لا یرجو الکفرون (۴:۱۰۴) وان یکن منھم مِّائَۃٌ یَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفًا مِّنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاَنَّہُمۡ قَوۡمٌ لَّا یَفۡقَہُوۡنَ ۝ (۸:۶۵) سنّۃ اللّٰہ فی ھٰذہ الارض ولا یعلمون ❊ لا یستطیعون ان یتنظموا وینظّموا انفسھم فی الاخوّۃ ویعاندون بینھم ویخاذلون ویواکلون فی تدبیر امرھم ویستغنون عن عاقبۃ بالھم واٰخرۃ سعیھم بل ینکرون عن اجر الاٰخرۃ فلذٰلک یحبط اللّٰہ اعمالھم ویضل سعیھم فی الدنیا و یجعلھم من الاخسرین ❊ ولذٰلک قال اللّٰہ فیھم اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَضَلَّ اَعۡمَالَہُمۡ ۝ (۴۷:۱) وَالَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَلَنۡ یُّضِلَّ اَعۡمَالَہُمۡ ۝ سَیَہۡدِیۡہِمۡ وَیُصۡلِحُ بَالَہُمۡ ۝ (۴۷:۴-۵) وقال وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَتَعۡسًا لَّہُمۡ وَاَضَلَّ اَعۡمَالَہُمۡ ۝ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ کَرِہُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ (من سنّتہٖ) فَاَحۡبَطَ اَعۡمَالَہُمۡ ۝ (۴۷:۸-۹) وقال فی ما یلی ھاتین الاٰیتین لیرینا کیف یحبط اللّٰہ اعمالھم فی الدّنیا بتدمیر حکمھم وسلب قوّتھم وملکھم اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ

عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكٰفِرِينَ أَمْثَالُهَا ۞ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِينَ اٰمَنُوا وَ
وَأَنَّ الْكٰفِرِينَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ (۴۷: ۱۰-۱۱) ❊ بل قال فی مایلی ھاتین الاٰیتین لیبیّن لنا ماجر المؤمنین
فی ھذہ الدّنیا ومابال الکٰفرین فیھا اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِي
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (۴۷:
۱۲) ❊ فالحق انّ الکٰفرین ھم الّذین لایعلمون سنّة اللّٰه فی ھذہ الارض وھم الذین لایؤمنون بِمَا
نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ (۴۷: ۲) فلذالک لایکفّر اللّٰه عنھم سیّاٰتھم ویذرھم یتمتّعوا فی الارض کالانعام خاسئین ❊
لایسعون فی الدّنیا سعیًا بلیغًا ولایعملون الصّٰلحٰت ولایوحّدون انفسھم ولاینظّمون جماعتھم بل لایقدرو
ممّا کسبوا علٰی شئ ویحسبون انّھم یحسنون صنعا غافلین ❊ فلذٰلک قال اللّٰه فیھم مَثَلُ الَّذِينَ
كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلٰى شَيْءٍ
ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيدُ ۞ (۱۴: ۱۸) ❊ وقال وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ
مَاءً حَتّٰى إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهُ فَوَفّٰهُ حِسَابَهُ وَاللّٰهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ أَوْ كَظُلُمٰتٍ
فِي بَحْرٍ لُجِّيٍّ يَغْشٰهُ مَوْجٌ مِنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ
لَمْ يَكَدْ يَرٰهَا وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ (۲۴: ۳۹-۴۰) افلاتتّقون ❊ وھم الذین
یجادلون فی اٰیٰت اللّٰه (ای احکامه) لیحرّفوا مقاصدھا ویجادلون بالظّنّ لیدحضوا به العلم
ولیجعلوا یسرًا لانفسھم ماکرین ❊ فلذٰلک قال اللّٰه فیھم مَا يُجَادِلُ فِي اٰيٰتِ اللّٰهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَا
يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۞ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَالْأَحْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِمْ
لِيَأْخُذُوهُ وَجٰدَلُوا بِالْبٰطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ فَأَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۞ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ
رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ أَصْحٰبُ النَّارِ (۴۰: ۴-۶) افلاتسمعون ❊ وقال وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَ
مُنْذِرِينَ وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبٰطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوا اٰيٰتِي وَمَا أُنْذِرُوا هُزُوًا (۱۸: ۵۶) افلاتعقلون ❊

ولذلك قال فی عدم قدرتهم وقلت حیلتهم وتوهن امرهم فی الدنیا لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ (۱۳: ۱۴) افلا تبصرون ❁ فما الکفر الا عدم اِسْتِقَامَتِكُمْ فِي الْعَمَلِ واعراضکم عن النظم والنسق؏ بل تحرزکم من شرککم وعبادتکم اولادکم واهوآءکم وشهواتکم ومن تعبدکم کبرآءکم واولیاءکم ومن استمساککم باحبارکم ورهبانکم ومن ظلمکم انفسکم من السعی والعمل فی الدنیا لتغلبوا

> فی ان الکفر هو الاعراض عن الاستقامة فی العمل والاعراض عن النظم والنسق۔

ایها الفقهاء المتجاهلون المعاصرون! ❁ وما الکفر الا ضلال سعیکم فی الحیوة الدنیا ٭ وحبوط اعمالکم فیها ٭ وسوء بالکم فی الارض ٭ وتمتعکم کانعام علیٰ ظهرها ٭ وعدم قدرتکم٭ وفقدان حکمکم فی هٰذه ٭ من توهنکم ونقص ایمانکم وسوء اعمالکم وتعبدکم انفسکم وعبادتکم الطاغوت لوکنتم تعلمون ❁ فانه قال اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْ اَوْلِيَآءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ۔ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۔ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۔ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَاۗىِٕهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ (ای فی الدنیا) فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۔ ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا (۱۸: ۱۰۲-۱۰۸) افلا ترجعون ❁ وقال اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا (ای فی الدنیا) فَوْقَ الْعَذَابِ (ای عذاب الاخرة) بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ (۱۶: ۸۸) ❁ وقال فی بنی اسرآئیل حین فسدوا وعلوا فی الارض وافقد الله حکمهم فی الدنیا وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۔ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا

؏ ای جنت الارض یلبثون فیها مادامت السمٰوٰت والارض ٭

خلل الدیار وکان وعدا مفعولا ۰ ثم رددنا لکم الکرۃ علیہم وامددنکم باموال وبنین وجعلنکم اکثر نفیرا ۰ ان احسنتم احسنتم لانفسکم وان اساتم فلھا فاذا جاء وعد الاخرۃ لیسوءا وجوھکم ولیدخلوا المسجد کما دخلوہ اول مرۃ ولیتبروا ما علوا تتبیرا ۰ عسی ربکم ان یرحمکم وان عدتم عدنا وجعلنا جہنم للکفرین حصیرا ۰ (۱۷: ۴-۸) ٭ فلا تفتروا علی اللہ کذبا ولا تقولوا ان وعد الاخرۃ یجیء الی یوم القیامۃ لیسوء وجوہ الکفار ویبیض وجوھکم فانہ قد جاءکم الان وقد اساء وجوھکم ولا تقولوا فی قلوبکم ان القران یھدیکم الی الذلۃ والمسکنۃ او العمائم والتسابیح بمکرکم لانہ قال[1] ان ھذا القران یھدی للتی ھی اقوم ویبشر المؤمنین الذین یعملون الصلحت ان لھم اجرا کبیرا ۰ (۱۷: ۹) ٭ فیا ایھا المفتیون المعاصرون! اتقولون علی اللہ ما لا تعلمون ۰ (۱۰: ۶۸) ٭ قل ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون ۰ متاع فی الدنیا ثم الینا مرجعھم ثم نذیقھم العذاب الشدید بما کانوا یکفرون ۰ (۱۰: ۶۹-۷۰) ٭ وما ھو الا انکم جحدتم بھذہ الایات وکتمتم شھادتھا ٭ وما قدمتم شیئا من السعی والعمل لتجعلوا یسرا لانفسکم ٭ وما امنتم بالکتب حق ایمانہ ٭ بل کفرتم ٭ "فالذین اتینھم الکتب یؤمنون بہ ومن ھؤلاء من یؤمن بہ وما یجحد بایتنا الا الکفرون ۰" (۲۹: ۴۷) ٭ افلم یقل ربکم لکم فی الکتب خلق اللہ السموت والارض بالحق ان فی ذلک لایۃ للمؤمنین ۰ (۲۹: ۴۴) ٭ اولم تتوجھوا الی قولہ واللہ اخرجکم من بطون امھتکم لا تعلمون شیئا (۱۶: ۷۸) وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ قلیلا ما تشکرون[2] ۰ (۳۲: ۹) ٭ وقولہ لخلق السموت والارض اکبر من خلق الناس ولکن اکثر الناس لا یعلمون ۰ وما یستوی الاعمی والبصیر ۰ والذین امنوا وعملوا الصلحت ولا المسیء قلیلا ما تتذکرون[3] ۰ (۴۰: ۵۷-۵۸) ٭ ثم الی قولہ وما خلقنا السماء والارض وما بینھما باطلا ذلک ظن الذین کفروا فویل للذین کفروا من النار ۰ (۳۸: ۲۷) فلا شک فی انہ تعالی حرضنا فی ھذہ الایات

[1] وھذا القول یلی الایت التی تقدم ذکرھا فتدبر ۔ [2] ای لا تستعملونھا الا قلیلا ۔ [3] ای لا تطلبون العلم منھا ومن طلب العلم منھا فھم الذین امنوا بہ وعملوا صالحا ۔

علی استعمال سمعنا وابصارنا وافئدتنا الذی ملکوته ولنطلب العلم من اعماله من دون الظن و
لنؤمن بسمٰوٰته وارضه وما بینهما اشد ایمانًا ولنؤمن بالحق متصرفین عن الباطل فانه قال
وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ٥(۲۹:۵۲) ❁ وقال الَّذِیْنَ كَفَرُوا
اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ (۴۷:۳) وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ (۴۷:۳) وقال اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ
وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَكْفُرُوْنَ ٥(۲۹:۶۷) ❁ فما الکفر الا اعراضکم عن العلم ایها الجٰهلون! ❁

فی ان الکفر هو الاعراض عن العلم وعن درس اعماله تعالیٰ

لتحلوا قومکم دار الذلة والمسکنة بجهلکم ولتنکروا انعم ربکم ولئلا تقدروها
حق قدرها وشکرها فانه قال اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ
دَارَ الْبَوَارِ ٥(۱۴:۲۸) ❁ وقال یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ یُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ
الْكٰفِرُوْنَ ٥(۱۶:۸۳) ❁ فمن قدر انعم ربه حق قدرها وطلب العمل منها وخاض فیها
اشد خوضًا وسلك سُبُل ربه لیدل وعلیها فاولٰئك هم المؤمنون ❁ واولٰئك هم المفلحون
فی الدنیا اینما تنظرون ❁ وما کان الله ان یحب الذین یطردون انعمه بالاستحقار او یکرهون
ما خلق فی السمٰوٰت والارض ایها الغٰفلون! ❁ فلا شك فی انکم فی اسلامکم الضالون ❁ ومن اعرض
عن مَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ ولم یسع لها سعیها فاولٰئك هم الکٰفرون ❁ فاما الایفاء بالعهود فقال

فی ان الکفر هو الاعراض عن مکارم الاخلاق

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ٥ اَلَّذِیْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ
فِیْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا یَتَّقُوْنَ ٥(۸:۵۵-۵۶) ❁ واما الاسراف فی المال فقال وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا
اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ؕ وَكَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ٥(۱۷:۲۶-۲۷) ❁ وغیرها من
الاقوال التی لم اذکرها هنا من خوف الطوالة فتدبروا ان کنتم قومًا یتفکرون ❁ ولا شك فی انه
من لم یؤمن بالیوم الاخر عملًا ومعنًا ولم یسع له سعیًا بلیغًا ولم یهیّئه نفسه بل لم یرد الا الحیٰوة الدنیا
فقد کفر عند ربه فانه قال مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَالَّذِیْنَ

كَفَرُوا عَمَّا أُنْذِرُوا مُعْرِضُونَ ۝ (۴۶ : ۳) * وقال وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَنْ يَمُوتُ بَلَىٰ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ ۝ (۱۶ : ۳۸-۳۹) ❁ وَقَالُوا أَإِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۚ بَلْ هُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ كَافِرُونَ ۝ (۳۲ : ۱۰) ❁ فما الكفر الا اعراضكم عن الايمان بالآخرة عملاً ومعنًا لو كنتم تعلمون ❁ ولا تجحدوا من قولكم انكم تؤمنون بالآخرة باقوالكم والسنتكم وكلما تكم الشهادة فالقول ليس بشئ عنده انه يحب العملين ❁ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ ۝ (۲ : ۸) ❁ فاعملوا واجهدوا مرجين لقاء ربكم واستميتوا لتفوزوا في الدنيا فانه لا يكاد ان يغفر لكم يوم القيامة حتى تموتوا جاهدين ❁ وان تشاؤن ان تبتغوا ولاء الله وحبه فلا تبتغونه ابدًا حتى تعرضوا انفسكم عليه وتمنوا الموت في سبيله لتكونوا في الدنيا من الغلبين ❁ فانه نبهكم بقوله وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَ أَخْبَارَكُمْ ۝ (۴۷ : ۳۱) وقضى انه يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ ۝ (۶۱ : ۴) افلا تذكرون ❁ وان زعمتم ان تصيرون اولياء الله بعمائمكم وسبحكم واقوالكم او باعتكافكم في البيوت والمساجد فرارًا من الموت ماكرين انكم تعبدون الله وتحبونه فساء ما تزعمون ❁ وقد كانت اليهود تفر من الموت مثلكم وعلى هذا تظن بانفسهم ظنونًا كما تظنون فدعاهم ربهم بقوله يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ۝ قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ ۖ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ (۶۲ : ۶-۸) ❁ بل دعاكم والقى اليكم قولاً غليظًا بقوله أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا

في ان الكفر هو الاعراض عن ايمان بالآخرة

يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ (۳: ۱۴۱-۱۴۲) ❁ فسالان مطلوبٌ لطالبٍ وولٰه حتّٰى لا حرله انّه يعرض نفسه عليه ويتمنّى الموت فى سبيله الا تبصرون ❁ وما ولّى احدٌ احدًا حتّى فتنه وعلم انّه يصدّق قوله بالعمل ومن صدّق فاولٰئك من المحبوبين ❁ ولذالك قال ربّكم لكم اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝ (۲۹: ۲-۳) ❁ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۲۹: ۶) ❁ يجاهد ليغلب نفسه على الاعداء وليكون فى الدّنيا من الّذين لا خوف عليهم ولا هم يحزنون ❁ فيا كبراء الخلق من النّاس اعملوا وعاملوا واصبروا وصابروا ولا تفرّوا من الموت ولا تقنطوا ثمّ اعلموا بايديكم وارجلكم وتحسّسوا من تمكينكم من الارض والغلبة والامن الّذى سلبكم الله بكفركم وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (۱۲: ۸۷) ❁ ولا تطمئنّوا بمآلكم السّوء فى زعمكم انّه سيغفر لكم فانّه قال اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ (۱۰: ۷-۹) ❁ وقال يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ۝ (۶۰: ۱۳) ❁ ولا تكفروا بآيات الله عملًا ولا تكذّبوها بل اسجدوا لها بالعمل ولا تقولوا كالكفّار فى عهد النّبىّ لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ (بفقهكم واحاديثكم وجهلكم واباطيلكم) لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝ (۴۱: ۲۶) ❁ فالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (۲۹: ۲۳) ❁ والكفّار هم الذين اِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ[1] ۝ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ۝ (۸۴: ۲۱-۲۲) ❁

---

[1] اى لا يسجدون للقراٰن عملًا و معنًا ولا يفعلون ما امر الله فيه ۔

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ یَكَادُوْنَ یَسْطُوْنَ بِالَّذِیْنَ
یَتْلُوْنَ عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝
(۲۲:۷۲) افلا تسمعون ❁ فیا ایها الذین زعموا ان امنتم اسجد والهذا القران واسکتوا عنه فلا
مجال لکم ان تفروا منه جادلین ❁ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ
وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (۷:۲۰۳-۲۰۴) ❁ وَلَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ
الْجِنُّ عَلٰۤی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ۝ (۱۷:۸۸)
افلا تؤمنون ❁ ولو انزل الله هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ
اللّٰهِ (۵۹:۲۱) افلا تتفکرون ❁ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الْفٰسِقُوْنَ ۝ (۵۹:۱۹) ❁ ولا تقولوا التابعیکم ومن یستفتیکم اتبعوا سبیلنا لتفلحوا امنا فانه
قال وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِیْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰیٰكُمْ ؕ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِیْنَ مِنْ خَطٰیٰهُمْ
مِّنْ شَیْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ وَلَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ؗ وَلَیُسْـَٔلُنَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا
یَفْتَرُوْنَ ۝ (۲۹:۱۲-۱۳) ❁ واهجروا الشرك والكفر هجرا مهجورا عن قلوبكم واعمروا مسجد الله
بالتوحید وصلوا صلوٰة النجم والشجر وانفقوا ولا تستکثروا من الخیر واتقوا الله فانه
قال مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِیْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ
اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِی النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ
وَاٰتَی الزَّكٰوةَ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤی اُولٰٓئِكَ اَنْ یَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ۝ (۹:۱۷-۱۸) ❁ فَهَلْ یَنْظُرُوْنَ
اِلَّا السَّاعَةَ† اَنْ تَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰی لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ (۴۷:۱۸)
مبلسین ❁ فلا تنظروا باس بکم ولا تنتظروا ولا تربصوا وتفرحوا بما عندکم من
العلم لانه اذا جاءکم العذاب فانتم لا تنظرون ❁ فانه قال فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ

† ای ساعة الهلاکة ۔

فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝ فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا
قَالُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ ۝ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا
سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُونَ ۝ (٤٠: ٨٣-٨٥) * فقولوا الْحَمْدُ
لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۝ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ اِهْدِنَا
الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝ (١: ١-٧) *

وان حرثتم الفاظ القرآن اشدّ حرثاً او فحصتم عنه اشدّ فحصاً ايها المفتيون المعاصرون
فلن تجدوا فيه كفراً غير هذا الكفر **بالافعال** * او انكاراً غير هذا الانكار **بالاعمال** *
ولن تجدوا فيه كفراً **بالاقوال** * او ايماناً بمكر اللسان والكلمات والامال * او اسلاماً بالعمائم
والالبسة والسربال * **الا** انه من جاء بكلمة سيئة ثمّ عمل ليشاكل قوله فعله ثمّ استدام عليه و
اَحَاطَتْ بِهِ خَطِيْئَتُهُ (٢: ٨١) * ومن صرف عن آيات ربه عملاً ومعناً ليشتغل عنه بما خلاه تعظيماً وتكريماً
فقد كفر عند ربّه * ولا يكفر احدٌ عند الله حتّٰى بلغ في اشتغاله مبلغ **العبادة** * او توغّل في
حبّه **عاكفاً له** * او تعدّی حدود الحبّ ليشرك بالله * فلذلك قال الله عزّ وجلّ في النصرانيين
الا قد من الذين كانوا يعبدون المسيح اشدّ عبادة عملاً ومعناً ومع هذا كانوا يقولون بافواههم انّه ابن
الله كما يقولون الان رواجاً وعادةً: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيحُ
يٰبَنِي إِسْرَاءِيلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوٰهُ النَّارُ وَ
مَا لِلظّٰلِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا إِلٰهٌ وَاحِدٌ وَإِنْ لَمْ
يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ (٥: ٧٢-٧٣) * فما كان قولهم هذا الّا ما
كان يحثّهم على عبادة المسيح عملاً ومعناً صرفاً عن احكامه تعالى فلذلك ما اختصّ عزّ وجلّ كلّهم بالعذاب
الّا من كفر منهم بالعمل ولذلك سمّى قولهم المضاهاة بالافواه وقال: وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَ

وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (٩: ٣٠) ومن بعد ذلك قال نظرًا الى عبادتهم احبارهم ورهبانهم فى العمل وان لم يسمّهم احدٌ اربابه بلسانه وحمل هذا الفعل على الشرك بقوله اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (٩: ٣١) ❁ فتدبّروا يا ايّها الفقهاء القوّالون! ❁ ما الكفر بما ظننتم من الاقوال بل هو ما انتم تفعلون وما انتم تكسبون ❁ وما انتم تقولون بافواهكم لتفرّقوا بين النّاس وتخاصموا بينكم فتصيروا اشيعًا فرحين بما لديكم من اقوالكم و كلما تكم هو الكفر ❁ لانّه من لم يعتصم بحبل الله ولم يصلح بين النّاس ولم يرابط بين اجزائهم فهو الّذى قد كفر عند الله اشدّ كفرًا بل اولٰئك الّذين كفروا بالله وبرسله وبتوحيده وبكتبه اولٰئك من المعذّبين ❁ فانّه من امن بالله وبتوحيده حقّ ايمانه فقد امن بالاتّحاد بين النّاس ❁ وهو الّذى قد امن بالمساواة والمصالحة و المواخاة بينهم ❁ وهو الّذى قد امن بانّ الله لا يرضى العباده الاشتات والافتراق بل يرضى ان يكون النّاس امّة واحدة ❁ ومن امن بالله حقّ ايمانه فهو الّذى قد امن قولًا وفعلًا بانّ الرّسل قد جاء وامن بهم بكتاب واحد ❁ بل جاء واليصالحوا بين النّاس وليرابطوا ويعدلوا ويجمعوا بينهم فيكونوا سوآء ❁ ومن امن بالله حقّ ايمانه فهو الّذى لا يفرّق بين احد من الرّسل بلسانه لانّه يحبّ ان يوحّد بين تابعيهم بل لا يقصد من رسالاتهم شيئًا الّا الاصلاح والاتّحاد فلذلك سمّى الله الّذين يريدون الاشتات بين النّاس باقوالهم الواهية الكٰفرين حقًّا وقال اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (٤: ١٥٠-١٥٢) ❁ فان كان القول من كفر عند الله فما هو الّا ان تقولوا النفرّقوا بين النّاس ❁ او تقولوا التحازبوا ❁ او تقولوا التفرّقوا وتخاصموا ❁ او تقولوا التساقوا ❁ ومن يقل منكم مثل هذا ليزيد الاشتات بين النّاس فاولٰئك هم الكٰفرون ❁ وان كان الكفر من

❁ اطلق الله عزّ وجلّ قصدًا من هذا القول "من دون الله" "ومن دون المسيح ابن مريم" لا المسيح ابن مريم اى يعبدون احبارهم ورهبانهم عملًا ومعنًا فى تاويلهم و (الباقى)

قول او كلمة عند الله فما هو الّا ان تقولوا بافواهكم انّكم لا تؤمنون بكتب من عند الله غير هذا القرآن ۞ او تقولوا انّ الرّسل قد جاءوا من عند ربّهم برسلٰت شتّٰى ۞ لا بالكتٰب الواحد الّذى هو بين ايديكم ۞ او تقولوا ما كتب الله فى الصّحف الّتى جاءوا بها ما كتب الله لنا فى القرآن فتفرّقوا بين الله ورسله وتزيدوا النّاس شتاتًا لانّه قال يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِىْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِىْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۤئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۝ (٤:١٣٦) ۞ فما الكفر الّا ما ينهٰكم عن الاتحاد بل يكفكم عن التّوحيد بين النّاس ايّها المتفرّقون المتشتّتون! فقولوا انّما نحن نعبده ولا نعبد الّا الله ولا نشرك به شيئًا ولا يتّخذ احدنا من رسول ربًّا لنا تعظيمًا او تكريمًا وقولوا انّما نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (٣:٨٣) ۞ وما الايمان الّا ان لّا تكونوا عيسويّين او موسويّين او محمّديّين خاصّة بل ان تكونوا حنفاء لله مسلمين له غير مشركين به احدًا من العٰلمين ۞ فقولوا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؕ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۬ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ (١:١-٧) ۞

وما فهمتم ما الصّراط المستقيم ايّها الضّالّون! ۞ بل ما الّذى ينعم الله عليكم به ان كنتم به متمسّكين وما الّذى تسئلون ربّكم ليلًا ونهارًا فى صلوٰتكم ان يهديكم اليه متغافلين ۞ وما الّذى سمّى المتقدّمون من العلماء اضيق من الشّعر واحدّ من السّيف فى لغتهم وزعم الجهلاء منكم انّه معبر على حفرة جهنّم لتدخلوا الجنّة مترنّحين على ظهور غنمكم وبقركم فرحين ۞ وان ارخص الله لكم الجنّة بلحومكم ودمائكم ونلتم اجوركم من هذا القبيل فهل نسخ لكم كلّ الدّين ۞ ام تتّخذون دينكم لهوًا ولعبًا ايّها اللّعبون! ۞ وما هو الّا انّكم تتلعّبون بانفسكم فما موافى لهوكم ايّها الغٰفلون! ۞ تتجاهلون لتخدعوا الله وما تخدعون الّا انفسكم وما تشعرون ۞ فما الصّراط المستقيم بما انتم تجهرون ۞ ان هو الّا تعبّدكم بربّكم فى العمل ۞ واعراضكم عن الطّاغوت والدّجال ۞ واشعاركم انفسكم بالتّوحيد ۞ ومداومتكم عليه بكرةً واصيلًا ۞ فانّه قال اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِىْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۙ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِىْ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ (٣٦:٦٠-٦١) ۞

(البقية من صفحة ١٢٨) يقولون بافواههم انّ المسيح ابن الله او انّه هو الله وهذا ما يوافق بقوله عزّ وجلّ فى اٰية (٩:٣٠) فتدبّر+

وقال قُل اِنَّنِی هَدٰىنِی رَبِّی اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ

فی ان المداومة علی التوحید هی ما عنی اللہ بصراط مستقیم

قُلْ اِنَّ صَلَاتِی وَنُسُکِی وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِی لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (۶: ۱۶۲-۱۶۴) ✤ وقال اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ کَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِیْفًا ۖ وَلَمْ یَكُ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۙ شَاکِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۚ اِجْتَبٰهُ وَهَدٰىهُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ وَاٰتَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً ۚ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ (۱۶: ۱۲۰-۱۲۲) ✤ وقال اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّی وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۝ (۴۳: ۶۴) ✤ وقال فی اتباعه عملاً ومعناً والاعراض عن عبادۃ الطاغوت وَاتَّبِعُوْنِ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۝ وَلَا یَصُدَّنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ (۴۳: ۶۱-۶۲) ✤ وما صراط ربکم المستقیم الا مداومتکم علی وحدۃ الامۃ

فی ان وحدۃ الامۃ هی ما عنی اللہ بصراط مستقیم

واعراضکم عن الاختلاف والافتراق بینکم وفی کتاب اللہ ۝ بل فی الکتب الذی جاء به کل الانبیاء ۝ واعراضکم عن کونکم علی شفا حفرۃ من النار ۝ والاعتصام بحبل اللہ ۝ والاصلاح بین الناس ۝ فانه قال وَمَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْهَا ۗ کَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ (۳: ۱۰۱-۱۰۳) ✤ وقال کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ ۚ وَمَا اخْتَلَفَ فِیْهِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ بَغْیًا بَیْنَهُمْ ۚ فَهَدَی اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۚ وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ (۲: ۲۱۳) ✤ وما صراط ربکم المستقیم الا اجتماعکم علی نقطۃ واحدۃ ورجوعکم الیها لتوحدوا انفسکم ولتتخذوا لکم

وِجْهَةً ومنها جاء عن مناهج اعداءكم نظر الی وحدة اُمتکم فانه قال سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۲: ۱۴۲) ❁ وما صراط ربکم المستقیم الا اطاعتکم امیرکم بلا عذر وحجة واتباعه فی ای حال واشکال وعرضکم علیه اموالکم وانفسکم بل جهادکم بالسیف مع اعداءکم وجهادکم بالمال والهجرة لتثبتوا اُمتکم اشد تثبیتا فی الدنیا ولتکونوا فیها وفی الاخرة مع الذین انعم الله علیهم ولتکونوا فی الدنیا والاخرة من الصلحین ❁ فانه قال وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۝ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّا اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفٰی بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝ (۴: ۶۶-۷۰) ❁ وقال فی موضع اخر فی اطاعة الامیر والافتراق بین الناس و اعراضهم عن التوحید عملا ومعنا وَلَمَّا جَاءَ عِيْسٰی بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۝ (۴۳: ۶۳-۶۵) ❁ وما صراط ربکم المستقیم الا استقامتکم فی السعی والعمل لنفلحوا فی الدنیا وصبرکم علی مصائبکم بالجد والجهد وتوکلکم علی الله فی النتائج وجهادکم فی ما اصابکم اشد الجهاد لتکفروا عن انفسکم السیئات فانه قال وَمَا لَنَا اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا[*] ۚ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰی مَاۤ اٰذَيْتُمُوْنَا ۚ وَعَلَی اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ (۱۴: ۱۲) ❁ وقال

فی ان مدار ومتاع اطاعة الامیر والجهاد بالسیف والجهاد بالمال والهجرة هو ماعنی الله بصراط مستقیم

فی ان الاستقامة فی العمل هو ماعنی الله بصراط مستقیم

[*] ای صراطنا المستقیم

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ (۲۹:۶۹) ❁ وقال اِنِّیْ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ رَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مَا مِنْ دَآبَّۃٍ اِلَّا ھُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِھَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (۱۱:۵۶) ❁ وما ھو الا غلظتکم علی اعدائکم وحفظکم انفسکم منھم لتمیلوا علیھم میلۃ واحدۃ فتقتلوھم اشد تقتیلا باستقامتکم فی السعی والعمل فانہ قال وَعَدَکُمُ اللّٰہُ مَغَانِمَ کَثِیْرَۃً تَاْخُذُوْنَھَا فَعَجَّلَ لَکُمْ ھٰذِہٖ وَکَفَّ اَیْدِیَ النَّاسِ عَنْکُمْ وَلِتَکُوْنَ اٰیَۃً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَیَھْدِیَکُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا (۴۸:۲۰) ❁ وقال اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ وَیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکَ وَیَھْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا (۴۸:۱-۲) ❁ وما صراط ربکم المستقیم الا مداومتکم علی مکارم الاخلاق واعراضکم عن الفواحش ما ظھر منھا وما بطن واجتنابکم مما حرم اللہ علیکم من کبائر الاثم صرفا عما یھجر بھا علما وکرما من الذبیحۃ والمنخنقۃ والنطیحۃ متوغلین فی ما انزل اللہ لتمشوا فی مناکب الارض امنین ❁ ولتعقلوا سنۃ اللہ فی الارض وسنۃ من بقی علی ظھرھا امنا ولتکونوا فی الدنیا ما دمتم غالبین ❁ فانہ عزوجل قال قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّکُمْ عَلَیْکُمْ اَلَّا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَکُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُکُمْ وَاِیَّاھُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِکُمْ وَصّٰکُمْ بِہٖ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّہٗ وَاَوْفُوا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُکَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی وَبِعَھْدِ اللّٰہِ اَوْفُوْا ذٰلِکُمْ وَصّٰکُمْ بِہٖ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ۝ وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِہٖ ذٰلِکُمْ وَصّٰکُمْ بِہٖ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (۶:۱۵۲-۱۵۴) ❁ وما صراط ربکم المستقیم الا دراستکم اعمال ربکم وتحصیل العلم من صحیفۃ اللہ التی عرضھا السموٰت والارض ۞ ودراستکم احوال

فی ان المداومۃ علی مکارم الاخلاق ھی ما عنی اللہ بصراط مستقیم

فی ان تحصیل العلم من مطالعۃ اعمال اللہ واتباعہ ہو ماعنی اللہ بصراط مستقیم

الطبیعۃ واحوال مخلوقاتہا السفلیۃ لتعرفوھم ۝ ومن عرفھم فقد عرف نفسہ وربہ ۝ فانہ عزّوجلّ ذکرنا بما خلق علی ظہر الارض من مخلوقاتہ الحیوانیۃ ۝ ووحدۃ نسلھا وتکوینہا من مَّآءٍ واحدٍ ۝ فحرّض الانسان علی دراسۃ احوالھا ۝ وحمل مطالعتہا علی استقامۃ الصراط وقال وَاللّٰہُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّۃٍ مِّنْ مَّآءٍ (ای یصلون من اصل واحد) فَمِنْھُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی بَطْنِہٖ (مثل الحیتان) وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی رِجْلَیْنِ (ای الطیور) وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰٓی اَرْبَعٍ (کالانعام والانسان) یَخْلُقُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۲۴: ۴۵) ❁ وبعد ذٰلک قال لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ (ای التی تتبیّن لکم من این خلق کل ھٰذہ فتدرسوا احوال مخلوقاتہ لتعرفوا من انتم انّٰی خلقتم ومن این جئتم) وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (۲۴: ۴۶) ❁ فاشعرکم ربکم فی ھاتین الاٰیتین بانہ خلق کلّ شیءٍ حیّ من مَّآءٍ واحدٍ واصلھم من اصلٍ واحد ونسلٍ کما قال الحکماء الغربیّون فی توصیفھم مسئلۃ الارتقاء وحرّضکم علی الاعتراف بھٰذہ الحقیقۃ العجیبۃ الغریبۃ لتعرفوا انفسکم ولتقدروا ربکم حقّ قدرہٖ ولتقدسوا عظمتہ وجلالہ ووسعۃ قدرتہ وحمل کل ھٰذہ الدّراسۃ علی صراطٍ مستقیم ❁ وما صراط ربکم المستقیم الا طلبکم العلم وتتبعکم ما شھدت علیہ سمعکم وبصرکم وفؤادکم من دون الکذب والظّن فانہ قال فی موضعٍ اٰخر فی الذین کانوا یتّبعون الظّن مثلکم فی عھد النبیّ صلعم: وَمَا لَھُمْ بِہٖ مِنْ عِلْمٍ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا ۝ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ۝ ذٰلِکَ مَبْلَغُھُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ (ای صراطہ المستقیم) وَھُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اھْتَدٰی (۵۳: ۲۸-۳۰) ❁ وفی موضعٍ اٰخر قال للنبی وَاِنْ تُطِعْ اَکْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (ای صراطہ المستقیم) اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ (من دون العلم) وَاِنْ ھُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ

❁ ولیرجع القاری الی صفحۃ ۳۷ من کتابی تذکرہ لتشریح ما عنی اللہ بھاتین الاٰیتین ❁

أَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ (ای صراطه المستقیم) وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ○ (۶: ۱۱۷-۱۱۸) ❁ فما
صراط ربكم المستقیم الا تحصیلكم العلم ◎ وتركم ما یبعد فی العادة ◎ واتخاذكم ما یجری فیها ◎ و
استمساككم بسنة الله الجارية ◎ ودراستكم احوال مخلوقاته ◎ ومعرفتكم انفسكم ◎ وغلبتكم على
اعدائكم ◎ وتمكينكم من الارض بوساطة العلم بل تبيينكم حكمة ما انزل الله اليكم من الكتب بواسطة
النور الذی یصدر منه ◎ وتصدیقكم علم القرآن وحكمته وموعظته على النصارى واليهود وغيرهم
من اهل الكتب بالذی یجری فی العادة بین یدیه وعلى رءوس الاشهاد لو كنتم تعلمون ❁ وما
كان لكم ان تجادلوا اهل الكتب بجهالتكم التامة المتعدية التی تسری فی اذهانكم ایها الجهلون! ❁
وما كان لكم ان تجادلوا ببصر فكره وبخوكم او بشعركم وصنائعكم وبدائعكم او بسبحكم وعمائمكم فانهم عَنِ
اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (۲۳: ۳) ❁ وما كان لكم ان تمیلوهم الى الاسلام او تدخلوهم فی زمرتكم حتى تعلموا
مثل ما یعلمون ❁ وتجهدوا فی سبیل الله مثل ما یجهدون ❁ فانهم یقولون لكم اذا جادلتموهم
بجهلكم لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ○ (۲۸: ۵۵) ❁ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا
عَنْهُ (۲۸: ۵۵) فالمؤمنون هم الذین اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ○ (۲۵: ۷۲) وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ
قَالُوْا سَلٰمًا ○ (۲۵: ۶۳) معرضين ❁ یعلمون سنة الله فی الارض بالحق ویفعلون ما یرید الله بهم
ویتبعون العلم من دون الظن وانتم لا تعلمون من شیء ولا تعملون ❁ بل تسخرون وتخرصون ❁
فلذلك یجزی الله الذین احسنوا باحسن ما فی السمٰوٰت وَالْاَرْضِ (۵۳: ۳۱)[†] وانتم تخذلون ❁ ولذلك
قال الله لكم فی اهل الكتب اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ
(۱۶: ۱۲۵) (ای بواسطة العلم والحكمة والموعظة من دون الظن) لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ (ای القرآن ۱۲)
مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۲۲: ۵۴) ❁
وقال اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ○ (۱۶: ۱۲۵) ❁ فما صراط ربكم

[†] الاشارة الى قوله تعالى وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ○ (۵۳: ۳۱) هذا ما يلى الآيات التى تقدمت على صفحة ۱۳۳ فتدبر

المستقيم الّا تعليمكم حكمة القرآن و تبيينكم موعظته ايها الغفلون المجادلون؛ ❁ بل ما هو الّا
اخبارکم الناس على حقيّته وصدقه وعدله وهدايته ونوره وبشارته ورحمته وحكمته وموعظته
وشفاءه بعلمكم وشهادتكم لا تكذيبه بجهلكم لو كنتم تعلمون ❁ فانه يهدى الناس الى السّلم
والحفظ والامن ليكونوا فى الدنيا من الّذين لا خوف عليهم ولا هم يحزنون ❁ وليكونوا فى
الاخرة من المكرّمين ❁ ولما لا يكفيهم انْ نزّل الله اليكم كتابًا يبدّل خوفهم امنًا ابدًا ويبشّرهم
بنعيم مقيم ان بيّنتموه بعلمكم بل اكرهتموهم ببرهانكم على ان يدخلوا فى دينكم افواجًا ساجدين ❁
فانه قال بَلْ هُوَ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ فِىْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ (٢٩:٤٩) ❁
وبما لا يستسلمون للقرآن ان بيّنتموهم نوره او جئتموهم بنبأه وعلمه بعلمكم وبما لا يستجيبون لكم
ان اخرجتموهم من ظلماتهم وهديتموهم بالحقّ الى صراط مستقيم ❁ فانه قال فى كتابكم الذى
انتم تهجرونه الان قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ يَّهْدِىْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ
سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (٥: ١٥-١٦) ❁
يخرجهم من ظلمت الخوف و الحزن الى نور السلم و الامن بواسطة التوحيد والايمان لتكونوا
فى الدنيا من الغلبين ❁ فى الدنيا حسنة و فى الاخرة حسنة وذلك جزآء المسلمين ❁ وَاللّٰهُ
يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (١٠: ٢٥) ❁ فما صراط ربكم المستقيم
الا ان تسلكوا سبل السّلم فى الدنيا ايها الهالكون؛ ❁ وان تستمسكوا بما اوحى الله الى رسولكم من قانونه
مبيّناً ومصبحاً ❁ فانه قال فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِىْٓ اُوْحِىَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○
(٤٣: ٤٣) ❁ وان تشعروا قلوبكم بالايمان ولوازمه واعماله وبروح من امره تعالى فانه قال لنبيّكم
(اذلم يحط علمه بالقانون الذى يجرى فى العادة) وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ
تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِىْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِىْٓ اِلٰى

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۴۲:۵۲) ❁ وقال اِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۲۲:۵۴) ❁ وما انتم بمقيمي الصراط او سالكوه حتّٰى تتّقوا الله حقّ تقٰته بل تفعلوا اعمال الاتقاء التى تقدّم ذكرها وحتّٰى تطيعوا اميركم بل تعبدوا الله عملًا و معنًا فانّه كان نبيًّا رعيسٰى من انبيآء كم قال لقومه يٰقوم فاتّقوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ○ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۰ (۴۳:۶۳-۶۴) ❁ ولن تسلكوا سبيل ربّكم او تقيموا صراطه المستقيم ابدًا حتّٰى تؤمنوا بالسّاعة اشدّ ايمانًا وتكونوا شهدآء على النّاس لها بجهادكم فى الله اشدّ جهدًا وحتّٰى تبيّنوا لهم بعلمكم وعملكم اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ (۲۰:۱۵) يكاد يخفيها الله لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى ۰ (۲۰:۱۵)[©] وحتّٰى تكونوا شهادة على اعين النّاس برهانًا لهم ودليلًا عليهم وعلمًا عندهم بانّكم لا تسئلونهم على ما تفعلون لهم من اجر وتؤمنون بانّكم تؤدّون اجوركم يوم القيٰمة فانّه كان نبيًّا من انبيآءكم عيسٰى قد صار لقومه علمًا ليوم القيٰمة ودليلًا عليها بشدّة اطاعته وجهاده فى الله وخدمة العباد فاثنى عليه ربّه اشدّ ثناء وقال وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۰ (۴۳:۶۱) ❁ ولن تستطيعوا ان تسلكوا صراط ربّكم المستقيم حتّٰى تحيوا انفسكم وتخرجوا قومكم مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ[†] (۱۴:۵) وتذكّروهم بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ (۱۴:۵) مثل ما فعل موسٰى وتمشوا فى النّاس بنورٍ من ربّكم ○ وتشرحوا صدوركم للسّعى والعمل ○ وتوسّعوا قلوبكم للجدّ والجهد لئلّا يكون عليكم فى دين الله من حرج ○ مرجين لقآء ربّكم الى يوم القيٰمة ○ محسنين انفسكم من ايمانكم بالاٰخرة ○ مصلحين عاقبة قومكم جاهدين ❁ فانّه قال اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۰ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِىْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۭ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا

في انّ الايمان بالاٰخرة مع السّعى والعمل لها هو ماعنى الله بصراط مستقيم

† الاشارة الى قوله تعالى وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڏ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ (۱۴:۵) فما كان هذا الاخراج الى النّور الّا نور الغلبة والاستخلاف فى الارض والتمكين منها بواسطة الجهاد بالسّيف. فتدبّر وليرجع القارى الى كتابى تذكره صفحه ۲۶۳ للتّشريح المزيد.

بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ (۶: ۱۲۳-۱۲۴) ❁ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ
يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى
الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ. وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا قد فصلنا الاٰيٰت لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ. لَهُمْ دَارُ
السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۶: ۱۲۶-۱۲۸) ❁ ولن تستطيعوا ان تعرفوا ما الهدى
وما دين الله وما الفطرت الله التي فطر الناس عليها حتى توحدوا انفسكم ○ وتصلحوا بين الناس ○
وتسامحوا بينكم ○ وترابطوا بين احزابكم ○ وتصبروا وتصابروا وتتحدوا ○ وحتى تستمسكوا بروح
من امره تعالى صرفا عن الظواهر والمناسك لئلا تتنازعوا او تختلفوا بينكم في الامر ○ وحتى توسعوا حدود
الاسلام اشد توسيعا لتغلبوا فانه قال لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ
فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ. اَللّٰهُ
يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ (۲۲: ۶۷-۶۹) ❁ وما كان لكم ان تسلكوا
"الصراط المستقيم" خاصا مختصا الذي سماه ربكم صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب
عليهم (۱: ۷)" في القران حتى تفعلوا مثل ما فعل موسى وهارون بقومهما وتنصروا انفسكم مثل ما نصراهم
وتنجوا قومكم من فراعينكم مثل ما نجياهم وتكونوا غالبين مثل ما غلبوا فانه قال وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى
مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ. وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ. وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ. وَاٰتَيْنٰهُمَا
الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ. وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ. وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ. سَلٰمٌ عَلٰى
مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ. اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ. اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ (۳۷: ۱۱۴-۱۲۲) ❁ فهذا
هو الصّراط المستقيم ❁ وهذا هو الهدىٰ ودين الحق الذي ارسل به رسولنا ليظهره
عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (۹: ۶۱) ❁ وهذا هو صراط الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ
وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ (۴: ۶۹) "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ" (۱: ۷) ❁ و

ان حرّفتم الفاظ القراٰن اشدّ حرفًا لن تجدوا فيه الصراط المستقيم غير هٰذا بل لن تجدوه الّا فى هٰذه الاٰيات افلا تسمعون ❁ فما الصراط الّا ان تغلبوا فى الدنيا وتمشوا فى الارض اٰمنين ❁ وما الصراط الّا ان تكونوا عالى فى الارض وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (١٣٩:٣) ❁ و لهٰذه تركعون وتسجدون فى صلواتكم ايها الساهون! ❁

فيا ايها المسلمون الغفلون! ما صراط ربكم المستقيم الّا ان تستقيموا الى العشرة المبشّرة من اصول الاسلام لتمشوا فى الارض غٰلبين ❁ وهٰذه صراط الذين ينعم الله عليهم فى زماننا هٰذا وهٰذه صراط غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (١:٧) ❁ يغلبهم اينما تنظرون ❁ و يمكّنهم من الارض ويستخلفهم فى مناكبها على رغمكم اٰمنين ❁ وانتم نسيتم صراطكم ايها الناسيون! نسيتم ولو تكرّرونه فى صلواتكم مرارًا مهللين ❁ نسيتم ولو ابتداء الله كتابه به وعرض عليكم انّ الدين هو ابتغاء نعمته وانما هو هٰذا وان تبتغوا وجهه لتبتغوا من فضله ورحمته غٰلبين ❁ فمن صرف عن هٰذا الصراط يحلّ عليه غضبه وصار من الهالكين ❁ ومن رغب عنه فاولٰئك من الضّآلّين ○ ولو كانوا المسلمين المرتسمين المعاصرين ❁ وما عنى الله بالنعمة غير هٰذه النعمة ايها الغفلون! ❁ وان تحرفوا الفاظ القراٰن اشدّ حرفًا لن تجدوا فيه نعمةً فى غير هٰذه المعانى او نعمةً عن نعمة الحيٰوة الدنيا وما يرزقون ❁ فلهٰذه علّمكم رسولكم ان تركعوا وتسجدوا لربكم فى صلواتكم متضرّعين وخاشعين لتلينوا قلب الله لكم فيزيدكم نعمةً ورحمةً وفضلًا من فوره فانه قال وَلَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (١٤:٧) ❁ وقال وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ (٧:٥٦) ❁ وقال فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِىْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ○ (٤:١٧٥) افلا تتدبّرون ❁ فما دعاءكم فى الصلٰوة للصراط المستقيم الّا ان يغلبكم الله فى الدنيا من فوره ولهٰذا تركعون ولهٰذا تسجدون ❁ لتسئلوه

طه دليرجع القارى الى صفحه ١٧٥ بحث المتقى من كتابى تذكره التصديق ثم الى صفحات ٢٠١ - ٢٠٣ بحث الدين لتصدق بهذا القول ﷺ اى يهدى يهم الى الفضل والنعمة والرحمة

الحافًا کالفقرآء واعتصامًا به ولتخافوا ان لا یهلککم الله بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ (۷:۱۷۳) ❁ فماهذا الا انه یذکّرکم بالرّوح من امره تعالیٰ یومًا فیومًا ویعرض علیکم لیلًا ونهارًا کل ماجاء فی الکتٰب المبین ❁ وما الصّراط المستقیم الا انه جُمع فیه کلّ ماکتب علیکم احکم الحکمین ❁ ولذلک قال الله لنبیّه وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ (۱۵:۸۷) ❁ لانّ المثانی تذکّرکم بالصّراط المستقیم والنّعمة وتخوّفکم بغضب الله والضّلال والقراٰن یبیّن لکم بما الصّراط المستقیم ❁ وبما النّعمة ومنون[1] المغضوبون علیهم ومنون الضّآلّون ❁ ویوضح لکم کیف تسلکوا الصّراط وکیف تهتدون ❁ وانّه لاحدّ من السّیف واضیق من الشّعر لوکنتم تعلمون ❁ وان ضللتم عنه مقدار عرض شعر لکبکبتم علیٰ وجوهکم فی النّار انتم والغاؤن ❁ وان نسیتم درسکم باتباعکم جهلاءکم وکبراءکم فسینکّرکم به بعده الا تبصرون ❁ افاذا مات رسولکم انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا (۳:۱۴۴) افلا ترجعون ❁ وَاِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (۱۴:۸) فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (۳:۹۷) ❁ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ (۲۶:۲۲۷) ❁

فیا ایّها المسلمون المعاصرون! الا انتم فی اسلامکم الضّآلّون ❁ وفی نعمتکم المغضوبون ❁ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۲۴:۲۲) ❁ یغفر لکم ماتقدّم من ذنبکم وما تأخّر ویتمّ نعمته علیکم ویهدیکم الیٰ صراط مستقیم ❁ الم تروا انّکم تُتخطّفون عن کلّ مکان امین ❁ وتُسلبون وتُفقدون ❁ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ (۹:۲۵) وانتم غٰفلون ❁ السّارق قد ذهب باثاث بیوتکم وانتم نائمون ❁ فهل تُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ (۲۶:۱۴۶) ❁ بل هل تحتوی فیکم من نعمة ومن فضل ومن رحمة لتزعموا انّکم لمنظرون ❁ افلم یهلک الله قبلکم من القرون وان هلکوا انتم الدّائمون ❁ انخلق الله السّمٰوٰت والارض لعبًا فتسخروا منه لعٰبین ❁

[1] الاشارة الیٰ قوله تعالیٰ (۲:۴۸)

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۳:۱۱۵﴾ ❁ ام كل هذه امرهين فيكون لكم
ماتشاءون ❁ وان تطلع الشمس عليكم طوعًا اوكرهًا كلّ يوم بامر ربها افلستم مجبورين ❁
وان كان للقمر دينًا ومسلكًا يتبعه كلّ ليل فهل سُخّر لكم كلّ الدين ❁ وان نزول النجوم
من بعد صعودها فى جوّ السماء ابدًا افلستم بآفلين ❁ وان لم يتبدل الماء سيلانًا والنار
تحريقًا والريح جريانًا من اول يوم خلقت فهل انتم مستحون ❁ ومن يسامحكم فى السماء والارض
ان تجدون كلّ من فيهما له قانتين ❁ مشتغلين بما عليهم مستغنين ❁ مداومين على جبلتهم
وخلقهم غير محوّلين عوائدهم من اوّل ساعة فلما تزعمون ان انتم تبدلون ❁ وان تجدو
كلّ من خلق حنفاء لله فلما لا تركنون ❁ ولا تميلون ولا تركعون ❁ فتبارك الذى يا ليه
ولا يميل و تَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۲۳:۱۴﴾ ❁ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ
﴿۷:۵۴﴾ ❁ وان لا تستطيعون ان تكسبوا ههنا لانفسكم حبة من خردل اومن نقير الا من بعد
جهدكم بايديكم وارجلكم فهل تشترون جنتكم بالاقوال والكلمات ايها الجهلون! ❁ أفاحد
من دون الله يامر عليكم ههنا قبل يوم الدين ❁ امر بدّل الله عادته يوم القيٰمة ليجعل لكم ما
تشتهون ❁ ام اتخذ تم عند الرحمن من عهد لكيز وّجنكم بحور عين ❁ وان اعرضتم عن كتاب الله
ما ارسل به خاتم الانبياء ونسيتم درسه فتعالوا الى البَلٰغ المُبِيْن ❁ يبيّن لكم ما نزّل الله
اليكم فى القران العظيم ❁ لتتدبروا اٰيٰته ولعلكم تتفكرون ❁ ويوضح لكم طريقًا لتدخلوا فى
زمرة الاحياء فى الدنيا ولتكونوا فى العقبٰى من المفلحين ❁ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ
يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۱۷:۸۸﴾ افلا تذكرون ❁ وما انا
من نبى اوعالم اومن ولى او فقير اوكبير ولكن اخبرنى ربّى انكم لهالكون ❁ فى صبح خامسة او اقرب منه باليقين ❁
الا الذين تابوا وامنوا واصلحوا واتقوا فعسى الله ان يتوب عليهم ان الله غفور رحيم ﴿۹:۱۰۲﴾ ❁ فاطلوبى

لسانی وشرح لی صدری ونبأنی بما جاء فی القرآن العظیم ❁ فشرعت فی تصنیف کتابی تذکرة
لأبین للناس ما نزل الیهم من العشرة المبشرة ۞ وغیرها من حجة الله البالغة النافعة ۞ وبینته فی عشر
مجلدات متتابعة ۞ وابتدأته بهذه الافتتاحیة البلاغیة ۞ لاشرح لهم ما عظة صحیفة الله وماهیة
وما کنت ادری ما الکتٰب ولا الایمان فجعله ربی نورًا فی صدری لاری قومی طریقهم به فانهم قوم
لا یعلمون ❁ فتعالوا الی القرآن العظیم ❁ وتعالوا الی لبلغ المبین ❁ ولا تنظروا الی من قال کل هٰذا
بل انظروا الی ما قال فانی انا الظلام الخطاء الاثیم ❁ اظلم لنفسی لیلًا ونهارًا واعبد الاخلین بکرة و
اصیلًا لرزقی ۞ ولا اعبد ربی لیرزقنی من لدنه ۞ واکذب القرآن یومًا فیومًا ۞ ولا استطیع ان اداوم علی
التوحید بل اصنع لنفسی مکرًا بعد مکر ۞ واسارع الی الشرک کرةً بعد مرةٍ ۞ فلا تنظروا الیّ بل انظروا الی
ما اقول ولو لا افعل شقاوة لعلکم تفعلون ❁ وقولوا ربّ اجعل لنا مقیمیه ومستقیمی الیه واجعل
قائله مقیمه وارزقنا من لدنک انک انت خیر الرّٰزقین ❁ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا
لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (٧: ٢٣) ❁ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ
عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا
عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (٢: ٢٨٦) ❁ رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا
عَنْ سَبِيْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (١٠: ٨٨) ❁
رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (١٠: ٨٥-٨٦) ❁ رَبَّنَا اغْفِرْ
لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا (٣: ١٤٧) وَاَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ
(٢: ٢٥٠) ❁ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا
الضَّآلِّيْنَ (١: ٥-٧) ❁

ویا ملوک المسلمین! ویا امراء القوم الظٰلمین! الا تطمعون ان یغفر الله لکم

وَّلَا تَتَّقُوْنَ ۝ (٢٦:١٢٤) ✽ عسىٰ ربكم ان ياتى بامره ليذكركم وانتم قوم غفلون ✽ اتخرون على انفسكم
انكم اوتيتم رزقا وحكما وفضلا ونعمة من لدنه على علم عندكم بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ (٣٩:٤٩) ولكن اكثرهم
لا يعلمون ✽ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (٣٩:٥٠) ✽ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ
مَا كَسَبُوْا وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰۤؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ (٣٩:٥١) ✽ اَوَلَمْ
يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (٣٩:٥٢) ✽ اولم
تدرسوا فى القران انه قال ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ (١٠:١٤) ✽
وقال اِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا
(١٧:١٦) افلا تذكرون ✽ بل قال وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا
اٰخَرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ۝ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ
لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ۝
وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ اِنْ كُنَّا
فٰعِلِيْنَ ۝ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ۝ وَلَهٗ
مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ۝ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَ
النَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ۝ (٢١:١١-١٩) ✽ وقال وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ
دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (٦:١٦٦) ✽ وقال
فى موضع اخر وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ
فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ اَلَمْ
يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝ (٧:١٦٨-١٧٠) ✽

افلم تؤمنوا من بعد ما بينتُ لكم ههنا بانّ الاسلام هو النظم والنسق والجدّ والجهد
والسّعى والعمل والقوّة والاتّحاد والغلبة والامن والاستبقاء من الله ◎
بل هو فى الدّنيا حسنة وفى الاخرة حسنة ◎ وانّما هو هذه ◎ بل كلّه هذه ◎
لا بشئٍ من دون ذلك ◎ ولا ما يجربه علمآؤكم الجهلون ❁ وان هو الا ان تؤمنوا بالتّوحيد
لتوحّدوا انفسكم ◎ وتصلّوا لتنظّموا امّتكم ◎ وتصوموا لتصبروا وتصابروا ◎ وتحجّوا
لترابطوا وتخالطوا ◎ وتنفقوا لتقوّوا قومكم وتعاضدوا بينكم غالبين ❁ فما لكم
لا تؤمنون بالله مواحدين ❁ ولا تصلّون منظّمين ❁ ولا تصومون مُغلظين ❁
ولا تحجّون مخوّفين ❁ ولا تؤتون الزّكوٰة فاعلين بل فعّالين ❁ ولا تاخذون
حذركم لتميلوا على اعدآءكم ميلة واحدة بارغين ❁ ولا انفسكم لا تهدون قومكم الى الصراط المستقيم ❁
فانّكم انتم أمرآء المؤمنين ❁ وما لكم لا تؤمنون ولا تصلحون ❁ والّذين اٰمنوا وعملوا
الصّلحٰت فلهم اجرٌ غيرُ ممنونٍ (٦:٩٥) ❁ وما لكم لا تواحدون ولا ترابطون ولا تشاورون
بينكم لتقذفوا فى قلوب اعداءكم الرّعب ولتنتقموا منهم وما لكم كيف تحكمون ❁ وما لكم
ساء ما تصنعون ❁ فالذين اٰمنوا امرُهُم شُورٰى بَينَهُم (٣٨:٤٢) واذآ اصابهم البغى
هُم يَنتَصِرُونَ (٣٩:٤٢) ◎ ❁ وما لكم لا تتّخذون منكم اميرًا زاده الله بسطة فى العلم والجسم
(٢٤٧:٢) ليامر عليكم وليقوم مقام الرّسول فيكم بالحقّ علمًا وعملًا لتعتصموا به ◎ فالذين
اعتصموا باميرهم واطاعوه حقّ اطاعته اولٰئك هم المفلحون ❁ وما لكم تفرّقون دينكم
بينكم فمنكم شافعيٌّ ومنكم حنفيٌّ ومنكم حنبليّون ومنكم مالكيّون ❁ ووهابيّون واهل
الحديث واهالى القراٰن وغيرها ما يصنعون ❁ وان صنعتم انتم كلّ هذه الاصفياء والابرار
لتفرّقوا دينكم وتشركوا بالله فليات شريك من شركآءكم ليخلصنا من هذه المصيبة اويأتوا

مجتمعين ❁ فذروا ما انتم عليه واهجروا الشرك والاشتات وقولوا انما نحن مسلمون ٥ وامحوا الافتراق اشد محوًا فانه قال اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ٥ (۶:۱۶۰) ❁ واعلموا اَنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (۲۱:۹۸) فهل تحبّون ان تدخلوا اصفياءكم في النار داخرين ❁ وان تصلوا وتسبحوا وتنفقوا وتحجّوا وتؤمنوا وتشهدوا امثل ما انتم عليه الآن ابدًا فلن يغفر الله لكم ابدًا ولن يكفّر عنكم سيّاتكم ابدًا وما كان لكم ان تفلحوا ابدًا الاسلام ولو انتم تشتهون ❁ واني لا اخافكم ومن انتم عليه ولكن اخاف عليكم عذاب يوم عظيم ❁ لانكم انتم أمراء المسلمين ❁ المرجوعون اليهم للهدى والمعوّلين عليهم للدين المستقيم ❁ فلتحملوا وزاركم مع اوزار الذين تهدونهم بامركم الا ثقل ما تزرون ❁ وعظم ما تحملون ❁ وان ظننتم ان تفلحون في الدنيا باعراضكم عن دين الاسلام او تغلبون وتفوزون بهجركم كتاب الله وبتوهينه ◎ او باعتزالكم عن جماعتكم وتشبّهكم بقوم اخر ◎ او بتقليدكم اساليب الافرنج والانجليز صمًّا وعميانًا ◎ او باتّباعكم طرقهم تضهيهًا وتشبيهًا ◎ او بتركتكم عصبيّة قومكم وامّتكم ◎ فاعلموا انكم ساء ما تزعمون ❁ وبئس ما تشترون ❁ ولن تستطيعوا ان تفلحوا بهذا التشبّه ابدًا ولو حرصتم كل الحرص فانقلبوا خاسئين ❁ **فاعتصموا بحبل الله جميعًا ولا تفرقوا** وجاهدوا لتظهروا دينكم على دين النصرى ولو كرهوا اجمعون ❁ واغلظوا عليهم اشد غلظة بل كونوا **قوّامين** عليهم رحماء بينكم واذا لقيتموهم **فَضَرْبَ الرِّقَابِ** حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ **فَشُدُّوا الْوَثَاقَ** فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛ (۴۷:۴) واعلموا انهم يحبّون ان يقطعوا دابركم مصبحين ❁ فقولوا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ٥ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ٥ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ٥ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ٥ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ٥ (۱:۱-۷) ❁

وانا المفتقر الى الله الرحمن

محمد عناية الله خان المشرقي

محب المسلمين ورفيقهم

ادارة الاشاعة للتذكرة

رقمه ببلدة امرتسر (الهند)

۱۰ رجب المرجب سنة ۱۳۴۲ھ

كتبه محمد ...
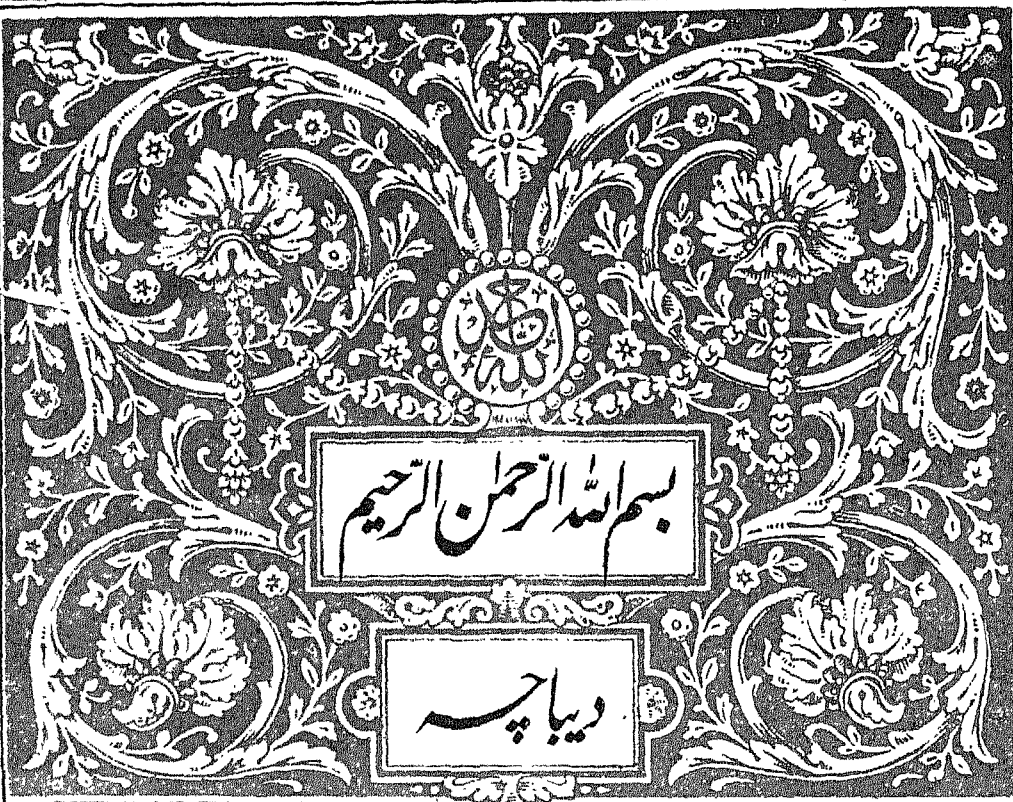
الحمد للہ العلی العظیم ٭ والصلوٰۃ علی النبی الکریم ٭ وعلیٰ انبیائہ اجمعین ٭ وعلیٰ من سلک صراط المستقیم ٭

دنیا کی سب مسلّم اور مروّج اشیا میں سے سب سے بڑا راز مذہب ہے۔ یہ پوجنا کیا ہے؟ یہ جھکنا کیوں ہے؟ یہ رسمی عقائد اور شرعی مراسم یہ برہمن کے قشقے اور بت پرست کی مورتیاں، مسلم کی قربانیاں اور ہندو کے چڑھاوے کیوں ہیں؟ گبر کی شعلہ نوازی کیوں ہے؟ عیسائی کا ابن خدا کیا ہے؟ تسبیحوں کے ہار، حج کے مناسک، جاترے، نماز، تپسیا، پُن، دان، خیرات، صدقات، نذر نیاز، لمبی داڑھیاں، متشرّع چہرے، تعویذ، اصطباغ، ہَوَن، اشنان، وغیرہ وغیرہ سب مذہبی مراسم مشق و رواج کے وہ اسرار جاریہ ہیں کہ انکی لِم تک پونہچنا عوام کے نزدیک کچھ ضروری نہیں باایں ہمہ ہر شخص ان کو نہایت عقیدت اور التزام سے کرتا ہے، انکے سچ یا جھوٹ، روا یا ناروا ہونے کے متعلق ایک حرف زبان پر نہیں لاتا۔ جاہل اور عالم، کم فہم اور عاقل سب اس مشق نامعلوم میں حصہ لے رہے ہیں، اور اُن کو حسب توفیق نباہتے رہنا زندگی کا منتہائے اہم سمجھتے ہیں۔ انسان کی تمام داستان غرض و یقین ہیں، نہیں بلکہ اسکی اکثر روئداد سعی و عمل میں مذہب ہی وہ ہمہ گیر اور خاموش

حامل ہے کہ اس کا حیرت انگیز اثر کم و بیش ہر فرد پر نمایاں ہے؛ اور مذہب ہی وہ بحث ہے منفک حیطۂ دلیل سے خارج، اور اب و جدّ کی وہ ارث متواتر ہے کہ ہر شخص اُسپر بے چون و چرا قابض رہنا اپنا فرض منصبی سمجھتا ہے۔

تعجب ہے کہ مذہب کی طرف اس عام میلان کے باوجود ابتدائے آفرینش سے آجتک یہ قطعی فیصلہ نہ ہو سکا کہ کونسا مذہب سچا ہے، کونسا شارعِ کائنات کے منشا کے عین مطابق ہے، مذہب کی سچائی کا معیار کیا ہے، نہیں بلکہ خود مذہب کیا شئے ہے، اور اس کا مقصود بالذات بعینہ کیا ہے؟ خود خدا کی ہستی اور اُسکے صحیح منشا کے متعلق آجتک کوئی حتمی اور متفق علیہ دلیل نہیں مل سکی، منتہائے حیات کا سرِّ عظیم بالکل ناتلاش کردہ پڑا ہے، موت کا حجاب اکبر ارب درارب انسانوں کی موت کے باوجود قطعاً ناقابل درک ہے! علم حساب کی صداقتوں پر آج سب انسان متفق ہیں، اسکی کسی ایک شق کے بارے میں شائبہ اختلاف پیدا نہیں ہوتا۔ علم الطبعیات کے حقائق پر سارا جہان متحد ہے، اُن کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہے، اُن سے طلب عمل کر رہا ہے، اُن سے نتائج اخذ کر کے قوّت کی راہیں پا رہا ہے! نہیں زمین کی محوری حرکت یا سورج کے اضافی سکون پر بھی سب دنیا بالآخر متفق ہو گئی ہے، سب کے سب عینی شہادت کو فریب نظر سمجھ کر دم بخود ہو گئے ہیں، سکون زمین کے متعلق ارسطو کے غلط مذہب کا آج ایک پیرو نظر نہیں آتا، اگلے وقتوں کے سب غلط علمی نظریئے نسیاً منسیاً ہو چکے ہیں لیکن ہندو اور بدھ، گبر، برہمن، عیسائی اور مسلمان کے درمیان اختلاف بدستور قائم ہے! مذہب کو ساکنان زمین نے کیوں ایسی شئے فرض کر لیا ہے کہ اسکی سچائی کے مابین یہ بُعد المشرقین قائم ہے؟ صداقت کی جامع الناس کیفیت کیوں ان سب کو کسی مشترک حقیقت پر جمع نہیں کرتی؟ یہ کیوں ہے کہ سب کی نظروں میں اپنا مذہب سچ ہے اور باقی سب غلط ہیں حالانکہ بظاہر سب کے درمیان تضاد قطبین ہے۔ اگر سب اپنی اپنی جگہ سچ ہیں تو اختلاف کیوں ہے، اور جب اختلاف قائم ہے تو **سچائی** کا ادّعا کیا ہے؟

یہ سوالات ایسے ہیں کہ صاحبِ نظر انسان کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے ہیں! تاہم نسلِ انسانی کی اجتماعی بہتری کے لیئے اُن کے قطعی طور پر حل ہوجانے کی عالم آرا اہمیت اسلیئے ہے کہ روئے زمین کی اکثر خونریزیاں، اُسکے سب سے زیادہ ہولناک جنگ، اسکے بڑے سے بڑے محاربے اور مقاتلے اکثر **اختلافِ مذاہب** کے باعث پیدا ہوئے ہیں۔ ایک قوم نے دوسری قوم کو اکثر اسی وجہ سے کاٹ کھایا ہے کہ اسکا 'مذہب' جدا تھا، اُسکا 'اعتقاد' الگ تھا، اسکا 'خدا' دوسرا تھا، اسکا پیغامبر اور رہنما اور تھا! اگر فی الحقیقت یہ تمام خونریزیاں اور فساد، یہ خانہ جنگیاں اور مجادلے انسانی رہنماؤں کے ایما اور اُن کے پیغام کے باہمی اختلاف یا بالارادہ تباین کے باعث شروع ہوئے تھے، اور قرنہا قرن تک اسی نمط پر ہوتے رہیں گے تو نسلِ انسانی کا ایک نہ ایک دن لڑ مر کر کالعدم ہوجانا، یا ابداً اسی طرح پر لڑتے رہنا **منشائے ایزدی** ہے۔ اس منشائے غالب کے ہوتے ہوئے اُن میں باہمی اشتراک و اتحاد محال ہے، اُن کے لیئے امن کی مشترک سطح پیدا کرنا ممتنعات طبعی سے ہے۔ لیکن اگر نوعِ انسانی فی الحقیقت ایک ہی نسل ہے، اسکا ابُ جد ایک ہے، اسکو پیدا کرنے والی محرک طاقت ایک ہے، اگر وہ درحقیقت ایک ہی مطلب کے لیئے پیدا ہوا اور ایک ہی منتہا کی طرف لوٹ رہا ہے تو یہ سب باہمی فساد **غیر فطری** ہے، منشائے طبیعت کے برخلاف ہے، خودکشی اور استہلاک ہے، ظلم عظیم اور جہالت کی موت ہے!

میرا یقین ہے کہ دنیا کے مختلف پیغامبر جہاں سے آئے تھے ایک ہی پیغام لائے تھے۔ اُنھوں نے اس کارخانۂ جہان کو ایک ہی چشمِ تحیر سے دیکھا تھا، وہ انسان کی حیران کن مخلوق کو ایک ہی مقامِ بلند سے دیکھ کر تڑپ اُٹھے تھے! حیرت کی بجلیاں، اور علم و خبر کی سنسنیاں اُن کے بدنوں میں ایک ہی راہ سے داخل ہوئی تھیں! وہ اس سوال میں محو تھے کہ یہ سب کچھ **کیا** ہے اور **کیوں** ہے؟ اس محویت اور عشق کے پردہ شکن اضطراب میں حجاب آرائے حقیقی نے چلمن کی آڑ میں جھلک دکھلائی اور کچھ کہکر پھر اوجھل ہوگیا، لیکن جو کہا وہ سب ایک تھا! نوائے ساز ایک تھی! بوسہ بہ پیغام ایک تھا! چشمک ناز ایک تھی!

کلمۂ راز ایک تھا! جبتک یہ محرم اسرار لوگ اِس دنیا میں رہے اِس راز کو برملا کہتے رہے، سولی پر چڑھ چڑھ کر اور رسوا ہو ہو کر خلقِ خدا کو آمادۂ عمل کرتے رہے، سب کو ایک نصب العین اور ایک قانون پر متحد کرتے رہے! لیکن جب نا حقیقت شناس اور نا جلوہ آشنا لوگوں نے اِس کام کو سنبھالا تو لوگوں کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، پیغامِ خدا غلط سنا کر اپنے پیچھے صفیں کھڑی کر دیں! آج سطحِ زمین پر خدائے قاہر کا منتقمانہ عذاب اکثر اسی ضد اور بغاوت سے ہی۔ یہ تنگ ظرفی کی چڑ اور نا بلند بینی کی ضد ہی ہے جس نے دنیا کو اکثر قصاب خانہ بنا رکھا ہے اور اگر چندے یہی حال رہا تو نسلِ انسانی کا خدا حافظ ہے!

پس مذہب کی ضد فی الحقیقت جہالت اور نا شناسی کی ضد ہے، کم فہمی اور تنگ حوصلگی کی ضد ہے، نسیانِ درس اور انسانیت کی ضد ہے، **علم** اور **نبوّت** کی ضد قاطبۃً نہیں! علم جہاں ہوتا ہے اتحاد و اشتراک پیدا کر دیتا ہے، حفظ و امن اور سعی و عمل پیدا کر دیتا ہے، اِس کے بالمقابل مخالف کو دم مارنے کی مجال نہیں ہوتی، اِسکے ہوتے ہوئے جدال ناممکن ہے، شقاق متعذر ہے، جمود محال ہے۔ دو مخالف فریق آجتک اِس بات پر نہیں لڑے کہ پانی سیال نہیں، آگ ٹھنڈی ہے، یا بوجھل شئے آسمان کی طرف گرتی ہے اسلیئے کہ سب کے ان کے متعلق **علم** ہے، سب نے حقیقت کو برأی العین دیکھا ہے، سب انکے اثر کو ہر وقت اور بہرحال مشاہدہ کر رہے ہیں بعینہٖ اِسی طرح اگر روئے زمین کے تمام مذاہب علم کی کسوٹی پر پرکھے جائیں، اگر انکی اصلیت اور تعلیم بھی علم کے معیار پر آزما کر الم نشرح کر دیجائے اگر اُن پر سے بھی وہ تمام رسمی غلاف جو جہل و نسیان سے لوگوں نے ڈال کر اُن کی حقیقت کو مسخ کر رکھا ہے اُلٹ دیئے جائیں، اور اُس مشترک اساس، اُس حقیقت مجرّدہ، اور اُس **نفس الامر** کی طرف رجوع کیا جائے جو فی الحقیقت ادیانِ عالم کی سنام اور ان کا صدقِ بسیط ہے، جسپر ہر جا اور بہرحال عمل ہو رہا ہے، جسکو ہر شخص بچشم خود دیکھ رہا ہے، جسکو علمِ نبوّت نے عیاں کر کے سب کو متفق علیہ کر دیا تھا، تو آج ہی نسلِ انسانی متحد اور متفق العمل اُسیطرح پھر ہو سکتی ہے جیساکہ ابتدائے آفرینش میں تھی، آج ہی سب مقاتلے پھر بند ہو سکتے ہیں، زمین کی سب بگڑی پھر بن سکتی ہی!

دنیا کے ہر شعبہ تلاش وتحقیق میں علم[†] کا پردہ کشا اثر انسانی اعمال وآرا پر اس شدت سے مصلح ہو کر اس کے بعد کم از کم اُس شق میں افتراق متعذّر ہے۔ علم کا منتہائے نظر ہر جگہ ملانا ہے، خلیج فارق کو حتی الوسع کم کرنا ہے، مشترک سطح پیدا کر کے سب کو مجبورِ یقین کر دینا ہے! لیکن شرط یہ ہے کہ علم علم ہو، سمع و بصر کی **شہادت** ہو، واہی اعتقاد نہ ہو، "فرضی یقین" نہ ہو، دل کو دھوکا نہ ہو اگر یہ بات کسی جگہ حاصل ہو گئی ہے تو جبر مقابلہ اور جرّ ثقیل کی طرح سب دنیا اسکے ماننے پر مجبور بلکہ مجبول ہے!

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ پیغام بنفسہ کیا تھا، وہ **صدق بسیط** اور نفس الامر کیا تھا؟ اسکی نوعیت کیا تھی؟ اسکا **علم** کیا تھا؟ وہ کیا تھا جو بن بن کے بگڑا اور جبتک پیغامبر آتے رہے پھر بنتا رہا؟ اگر انسان کی حسّ مشترک اِس اہم اور دقیق سوال کو لاگ لپیٹ کے بدون کسی بلند مقامِ نظر سے حل کر سکتی ہے تو جواب یہ ہے کہ اُس مالک کون ومکان اور جہاں پناہ بے نشاں نے بے نیازی کی شان میں اِن دل باختہ لوگوں سے اگر کچھ کہا تو یقیناً انسان کی اپنی ہی **بہتری** کے لیے کہا، اُسی کی بہبودی کو پیش نظر رکھ کر کہا! یہی ہوگا اور قطعاً ہے کہ اولادِ آدم اس کارگاہ جہان کے اندر **کیونکر** رہے؟ اور حیوانوں کے بالمقابل فطرت کی یہ اُمّی اور جاہل مخلوق کیا کرے؟ اور کیسے چلے؟ وہ کیا ہے جس سے نسل انسانی کو زندگی اِس تگاپوئے دمادم میں **امن** حاصل ہو، حفظ وارتقا حاصل ہو، بقا اور رضا حاصل ہو! یہی اِس نبأ عظیم کا لُبّ لباب تھا جو محکمۂ قضا وقدر کے آستانۂ علیّہ سے نبیوں کو ملی، اور یہی سچی **نبوّت** ہے، یہی انتہائے علم وخبر ہے، کمال کشف واکتشاف ہے۔ اس علم کے بالمقابل سب ماسوا کا علم ہیچ ہے، سب کمتر معاملوں کی خبر ہیچ ہے، علم حقائق الاشیا صفر ہے، علم موالید جہان ہیچ ہے! بڑی سے بڑی اور نفع مند خبر جو انسان کو مل سکتی ہے یہ ہے کہ اِس زمین وآسمان کی **ملکوت** کیا ہے، حکم قضا وقدر کیونکر ہے، الٰہی فیصلے کس اصول اور قانون کے مطابق ہیں، اُمّتیں کیوں فلک الافلاک پر چڑھ جاتی ہیں، قومیں کیوں تحت الثریٰ میں گرتی ہیں، سزا کس معیار کو دیکھ کر آتی ہے، جزا کس دستور کو نباہ کر ملتی ہے؟ یہی وہ مہتم بالشان سوال ہیں جو نسل انسانی کیلئے موت و

[†] اس کتاب میں جہاں جہاں لفظ علم استعمال کیا گیا ہے اس سے میری مراد وہ شے ہے جو واقع الامر ہے اور سمع وبصر کی شہادت ہے۔ علم کی تعریف کے لیے دیکھو اصل کتاب تحت الحق صفحہ ۸۲۔

حیات کے سوال ہیں۔ اِن کے بالمقابل کسی فرد کی بہبودی کا سوال ہیچ ہے شخصی افراط کی تلاش ہیچ ہے، انفرادی تفریط کا خیال ہیچ ہے۔ جو بات حتمی اور قطعی ہے یہ ہے کہ زمین کا یہ کارگاہ جلیل کمال عدل و انصاف سے چل رہا ہے، صحت اور توازن سے چل رہا ہے، دھڑتے اور تمکنت سے، قوت اور زور سے چل رہا ہے۔ اِس میں جو بات ہورہی ہے نقد و نظر سے ہورہی ہے، انتخاب و انتظام سے ہورہی ہے، نظم و نسق سے اور غور و خوض سے ہورہی ہے۔ اسکا محرک حق جل و علیٰ وہ مالک سمع و بصر ہے جو ہر شئے کو بغور تمام دیکھ رہا ہے، پہنائے زمین کو دیکھ رہا ہے، نسل انسانی کو دیکھ رہا ہے، اُمتوں کے اعمال کو دیکھ رہا ہے، افراد کے سعی و عمل کو دیکھ رہا ہے، بد و نیک کو، کہ و مہ کو، شاہ و گدا کو، بالا و پست کو دیکھ رہا ہے! اس منظم اور مضبوط، اِس لرزہ فگن اور صحیح حکومت کے اندر استبداد کی بُو قطعاً نہیں **ظلم** قطعاً نہیں، افراط و تفریط قطعاً نہیں، ثواب کی لاابالیت اصلاً نہیں! میرا یقین ہے کہ ملکوت جہان کی اسی اہم شق کا علم سب انبیائے کرام کو ملا، اور اسی آئین جزا و سزا کی خبر اُنہوں نے ڈنکے کی چوٹ دی۔ اُنہوں نے انسان کو اس زمین پر خوش اسلوبی سے رہنے کا ڈھنگ سکھلایا، اُنہوں نے اجتماعی بقا کی راہ دکھلائی، اُنہوں نے اقوام کے مد و جزر کے اصول بیان کیے حکومت خدا کو ظلم سے قطعاً بری ثابت کرکے دنیاوی سزا کی تعیین کی، اُخروی جزا و سزا کی تبیین کی، افراد کے طرزِ عمل کو ظاہر کیا، اُمتوں کو راہِ راست پر چلاکر صدیوں تک تمکن اور دوام دے گئے، نافرمانوں کو ان آنکھوں سے سزا ملتی ہوئی دکھا گئے! یہی اُن کا لایا ہوا **دین** تھا، اور اسی دین (طرزِ عمل) پر چلنے کا خدا متمنی تھا۔ اگر انسان کے اس دنیا میں چلن کا فی الحقیقت کوئی مقرر دستور نہیں، اگر اُس کا اِس جہان میں طریق عمل سب اناپ شناپ اور اٹاسٹا ہی ہے، اگر اُسکی نسل کے متعلق شادی و غم، عسر و یسر، سزا و جزا، فنا و دوام کے سب فیصلے کسی صحت اور التزام سے نہیں ہوتے، اگر زمین و آسمان کے اِس کارگاہ عظیم میں انسان ہی وہ بدبخت وجود ہے جسکا اس دنیا میں طرزِ عمل کسی اصول کے ماتحت نہیں، اُسکا کوئی دین[1] مقرر نہیں، دراںحالیکہ ادنیٰ مخلوق حیوانی اور نباتاتی سب کی سب اپنی اپنی راہ اور مذہب پر لگی ہے، مقررہ

[1] دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۱۶۰

فرض ادا کر رہی ہے، نہیں، جب سورج کا زمین سے تیرہ لاکھ گنا بڑا کرہ بھی اِس شان و اُبہت کے باوجود اِس صحت اور التزام سے اپنے وقت پر نکلتا ہے، ساکنانِ زمین کو نور دے رہا ہے، کسی بیمثال حاکمِ مطلق کے حکم پر مجبور ہے، کسی ہیبت انگیز اور لرزہ خیز قانون کو نباہ رہا ہے، اگر یہ اوروں کے حق میں سب کچھ ہے اور انسان کے حق میں کچھ بھی نہیں تو اس دنیا کے اندر سزا و جزا سب ظلم ہے، شادی و غم ظلم ہے، فنا و بقا ظلم ہے، شانِ کبریا سے بعید ہے، حکومت کی ساکھ کے خلاف ہے، سنّت اللہ اور عادت رب العٰلمین کی نقیض ہے! اگر اِس کارخانے کی بنا انسان کے حق میں یکسر ظلم پہ ہے تو یہ زمین اُسکے رہنے کے لائق شمّا نہیں اور اگر عالم آرائے زمین و آسمان نے انبیا کو کم از کم یہہ طریق عمل، یہ آئین بشر، یہ دین متین، نہیں بتلایا تو درحقیقت کچھ نہیں کہا!

پس انسان کا اِس دنیا میں صحیح طرزِ عمل ہی فی الحقیقت اس کا دین ہے اور امتوں کی سزا و جزا کا اٹل دستور سمجھ لینا اسکا فرضِ عین ہے، اِسیکا علم **علم الادیان** ہے، اِسی دین کی قطعی ضرورت ہر فرد بشر کو ہے، اِسی کُل کے مختلف اجزا یا وہ تمام و کمال پیغمبرانِ جہان مختلف موقعوں پر لائے اور قرنوں تک لوگوں کو اُس بتائی ہوئی راہ پر چلاتے رہے۔ نیکی اور بدی، سچ اور غلط، راستی اور کجی کا تمام تر احساس نابلد اور حیوان نما انسان میں اِسی علم کے باعث پھیلا۔ وہ اجتماعی خوبیاں اور اصلاحِ عمل جو روزِ اول سے ہر زندہ قوم کے افراد کی طبیعت ثانیہ بنجاتی ہیں، سب کی سب اسی تعلیم سے ماخوذ اور اسی علم کا جزوِ قلیل ہیں۔ وہ اصول بقا و دوام جنپر سب مرتقی امتیں آج بدرجۂ اتم عامل ہیں اِسی علم جلیل کے بقیہ آثار ہیں! انبیا کو فطرت کے اِس محکمہ کبریٰ کا علم ان کی بے مثال بصیرت کے باعث ملا! اِس کارگاہ جہان کو بحیثیت مجموعی اور اجتماعی نظر سے دیکھکر ملا! کمال غور و انہماک سے ملا! وسیع نظری اور بلند بینی سے ملا! تعلّم کے بام بلند، اور تدبّر کے **افقِ اعلیٰ** پر چڑھ کر ملا! زمین سے کئی منزلیں بلند ہو کر بلکہ **ستاروں** کی رصدگاہوں پر پہنچکر ملا! نہیں **آسمان** سے اور آسمان پر بسنے والے **خدا** سے ملا! وحی اور نبوت سے، عجز اور عشق سے، تدلّی اور تکلّم[†] سے ملا! نبی

[†] دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۲۰-۲۱۔

کی نبوت اُس کے اپنے زمانے میں وہ لرزہ فگن اور سکون برانداز شئے تھی کہ جو گروہ اُن کے حلقہ اثر میں آجاتا تھا اُن کے کہے پر یکسر عامل ہو جاتا، وہ رہنمائے جلیل اپنے گردوں شگاف علم اور پیہم عمل سے، اپنی یقین انگیز تعلیم اور حوصلہ افزا تدریس سے، اپنی پردہ کشا تبیین و تلقین سے قانون خدا اور اُسکے امن افزا نتائج کو ہر مصاحب کی نظروں میں دو اور دو چار کی طرح عیاں کر دیتا، پھر عاملوں کا جم غفیر پروانہ وار اُسکے گرد جمع ہو جاتا، اقل قلیل مدت میں وہ اُمت کامیاب اور فائز المرام ہو جاتی، اور سعی و عمل کے اِس دار المحن میں آئندہ نسلوں کو مدتوں عمل کی راہ دکھلاتی! انسانی اُمتیں اس الٰہی درس کو بار ہا بھولتی رہیں، بار ہا اُن کے عزم میں تزلزل اور علم میں کمی واقع ہوتی رہی۔ کچھ مرور وقت کے باعث، کچھ غلط تبلیغ سے، کچھ ناشناسوں کی کج بینی اور غلط رہنمائی سے، کچھ انسان کے اپنے مکر و تاویل سے، کچھ خوش اعتقادوں کی حُسن نیت سے، کچھ مکاروں کی بدنیتی اور نفس پسندی سے لوگ اُس عہد خداوندی کو بار بار بھولتے رہے لیکن انبیائے کرام نے پھر ایک مدت کے بعد اس سبق کی تجدید کی، "قانون الٰہی کو دُہرا کر پھر عمل پیدا کیا، قرنوں کے جُبن و انحطاط کو مردی اور بامرادی میں بدلتے رہے، پہلے سبق میں کچھ اور ملا کر ہدایت کو بیش از بیش مکمل کیا، نئے احوال کے باعث نئے اوزار عمل وضع کیے، پُرانی روشوں کو جنسے اصل قانون اور نفس دین پر کچھ اثر نہ پڑتا تھا، بے اثر یا غیر ضروری سمجھکر متروک کر دیا، نئے اور مؤثر طریقے اُس اصل اصول کے لیئے اختیار کیئے، الغرض جس صورت اور رنگ میں اس تعلیم کا ظہور ہوا، اُنکے ذریعے سے **اصل دین** ہی کی تجدید بلکہ تکمیل ہوتی رہی۔ کوئی مخالفانہ عمل، کوئی نیا دین یا جدا مذہب دنیا کے کسی نبی نے حتماً قائم نہیں کیا۔ وہ سب کے سب اُس ایک اصل و اساس ہی کو، اُسی حقیقت مفردہ اور صدق بسیط کو، اُس **دین فطرت** اور قانون خدا ہی کو از سر نو عیاں کرتے رہے جو عصیان کار اور فطرت سے باغی انسانی اُمتیں دمبدم بھولتی رہیں، اور دردناک سزائیں پا پا کر ہلاک ہوتی رہیں۔ الغرض انہوں نے اُسی ناقابل بدل آئین پر اپنے تمام عقائد کی، اعمال و افعال کی، مراسم و شرائع کی تعمیر کی۔ لوگوں نے بعد میں دین فطرت کے اِن تمام ظواہر و مناسک جو قانون خدا پر چلنے کے صرف خارجی

وسائل تھے، اساس دین سمجھ لیا، فروعات کو عین شریعت سمجھکر اصل سے غافل ہوگئے، انکی سطحی اور رسمی نباہ پر ہی اپنا سارا زور صرف کرکے نتائج سے بے پرواہو گئے! اُدھر امتوں نے اپنے رہنماؤں سے ذاتی عقیدت اور نیازمندی ظاہر کرنے اور حسب مطلب احکام کو ضرورت سے زیادہ اہم سمجھنے میں ناروا غلو کیا، ایک پیغمبر کے ظواہر وشعائر سے ہٹ کر نئے رہنما کی ملت میں شامل ہونا توہین سمجھا، پھر لوگ انبیاء کی وساطت سے قانون خدا کی تعمیل کرنے، اور اسکو ذریعۂ علم سمجھنے کی بجائے اُن کے پیچھے لگ کر فرقہ بند بن گئے، خدا کو تسلیم کرنے اور مُسلم بننے کی بجائے موسوئی، اور گوتمی، عیسائی اور محمدی بن گئے۔ انہی کو سراہنا، اُن کو اپنے اعمال و افعال میں بُت بنالینا جزو دین جانا، نفسانیت اور ضد کی اس کشاکش میں اصلیت سرتاپا مسخ ہوگئی! قانون خدا نگاہوں سے اوجھل ہوگیا! مذہب صرف چند بے اثر رسوم اور بے سبب رواجوں کا نام رہ گیا، انکی لم یکسر غائب ہوگئی۔ ہندوؤں نے گائے کے احترام میں ناروا توغل کرکے اسکی پرستش شروع کردی، اوصاف خدا کو ظاہری اہمیت دینے کے بہانے سے ہر وصف کا علیحدہ مظہر دیوتا کی صورت میں وضع کیا، عیسائی مسیح کو سچ مچ ابن خدا کہنے لگے، مسلمانوں نے داڑھیوں اور تہمدوں، مسواکوں اور ڈھیلوں کو اسلام سمجھ لیا، یہودی تسبیحوں کے پیچھے لگ گئے، بدھ چلہ کشی میں محو ہوگئے، گبر نے نور آتش کو خدا سمجھ لیا! پھر حج، جاترے، نماز، زکوٰۃ، روزے، برت وغیرہ وغیرہ سب کے سب بے مطلب سوم اور بے نتیجہ شعار ہوگئے، مذہب بے دلیل شئے بن گیا، ذہن اور منطق سے اسکا کچھ واسطہ نہ رہا! خدا کے بنائے ہوئے آئین عمل اور انبیاء کے لائے ہوئے **علم** نے خدا کے دیئے ہوئے **ذہن** کو قطعاً بے دخل کردیا! آج مذہب اور علم کے مابین اجنبیت، اور اُمم عالم کے مابین سب داخلی اور خارجی فرقہ بندی اکثر اسی نسیان درس اور **غلو فی الدین** کا نتیجہ ہے!

آج دنیا کے نئے اور پُرانے سب مذہب حیطۂ دلیل سے اصلاً خارج ہوچکے ہیں، لوگوں نے ان کے بارے میں استدلال کرنا، اُن کی حکمت اور لم پر غور کرنا، اُن سے نتائج اخذ کرنا، الہامی کتابوں کا بغور تمام

مطالعہ کرکے الٰہی دلیل کی تہ تک پونہچنا اکثر گناہ سمجھ لیا ہے۔ ساکنان زمین کا یقین ہو چکا ہے کہ مالک زمین و آسمان کے احکام آنکھیں میچکر ماننے کے ہیں، اُن میں کوئی دنیاوی حکمت مضمر نہیں، اُن کا کوئی مستقل مطمح نظر نہیں، کچھ دنیاوی پہلو نہیں، کچھ فوری غرض و مطلب نہیں! اس طلسمستان جہان اور نگارخانہ کائنات کا ہر ذرہ اور گوشہ اُس خلاق عظیم کی حکمت کاملہ اور حجت بالغہ کی روشن دلیل ہے، انسان فطرت کے بحر بیکران سے ہی کچھ صدف ریزے چن چن کر بادلوں میں اُڑ رہا ہے، زمین پر لکڑی کے گھوڑے اور پانی پر لوہے کے مگرمچھ دوڑا رہا ہے، کہربا کی حیرت انگیز طاقت مشرق اور مغرب، شمال اور جنوب کو ایک کر رہی ہے، ہزاروں میل پر کہی ہوئی بات چشم زدن میں کان سُن لیتا ہے، حرکت، حرارت، نور، مادہ سب اپنی مخفی ممکنات کو عیاں کرکے دنیا کو دم بخود کر رہے ہیں، یہ سب کچھ اس خدائے عظیم کے کیئے ہوئے **کام** سے اخذ ہو رہا ہے مگر اُس کا **کلام** العیاذ باللہ بے معنی ہے، ناقابل التفات ہے، بے نتیجہ اور بے مطلب ہے، اُسمیں کچھ علم و حکمت موجود نہیں، کچھ خبر و ثبوت نہیں! **مغرب** کے وارثان علم بھی آج اپنی تمام تحقیق و تدقیق کو اشیائے فطرت کے خواص اور اجسام کائنات کے حقائق کی تلاش میں وقف کر رہے ہیں، وہ اپنا سب زور اسی میں صرف کر رہے ہیں کہ **ابدان** کا صحیح علم حاصل کریں، اور اسکی وساطت سے ترقی کے بام رفیع پر چڑھیں۔ اُن کا علم آج فلک افلاک کی بلندیوں اور تحت الثریٰ کی گہرائیوں تک ہاتھ پیر مار رہا ہے۔ فطرت کی صحت اور دقت پسند اشیا کی لامتناہی ممکنات اور رمز آمیز کیفیات پر اُن کو یہ صبر گسل یقین ہے کہ کائنات کے ہر جز لا یتجزیٰ کے اندر اُنکو ایک پہاڑ پوشیدہ ہونے کا امکان نظر آرہا ہے۔ وہ اس موشگافی اور دقیقہ آرائی میں عمریں صرف کر رہے ہیں، جانیں فدا کر رہے ہیں، حیرت انگیز اضعافی قوت کی دوربینیں اور خوردبینیں، دقیقہ رس آلات اور میز ذہن اس اعجوبہ گاہ فطرت کے ہر ذرے کو بغور تمام پرکھ رہی ہیں، لیکن خدا کے کہے ہوئے **الفاظ** اُن کے نزدیک کچھ لائق التفات نہیں، کچھ قابل تفتیش نہیں، کچھ مجمل اور حامل المعانی نہیں، کچھ دقت نظر کے محتاج نہیں، کچھ دوربینی اور خوردبینی امتحان کے اہل نہیں! **علم الابدان** سے مغرب کو یہ انتہائی

شغف ہے لیکن **علم الادیان** کی طرف یہ بے توجہی ہے! نسل انسانی کو چند لمحوں کے لیئے قوی تر بنا دینا اُن کے نزدیک اشد ضروری ہے لیکن جماعتی بقا کے لیئے محکمۂ قضا و قدر کی ٹوہ لگانا کچھ ضروری نہیں! وہ حفظ و آرام کے فوری سامان پیدا کرنا ناگزیر سمجھتے ہیں لیکن دوام اُمم کے اصول کو نظر انداز کر رہے ہیں، اشخاص کی انفرادی صحت کا انکو بے حد خیال ہے مگر اقوام کی اجتماعی موت سے کچھ سروکار نہیں، گھر کی آرائش کا یہ خاص الخاص اہتمام ہے مگر گھر میں دیر تک رہنے کا کچھ فکر نہیں! صد ہا اُمتیں دیکھتے دیکھتے اس روئے زمین سے محو ہو گئی ہیں، اُن کے عہد عروج کے حیرت انگیز کارنامے آج صرف افسانوں میں باقی ہیں، ہلاکت کا حکم خسروی کئی ایک کے بارے میں نافذ ہو چکا ہے یا ہو رہا ہے، مگر اُن کے اسباب فنا و انحطاط، اُن کے اس دنیا میں بُرے طرزِ عمل، انکے بُرے 'دین' اور **غلط مذہب**' کا **علم** حاصل کرنا کچھ ضروری نہیں رہا! **المانیہ** اپنے بے نظیر علم حقائق الاشیاء، فقید المثال عسکریت، اور محیر العقول قوت ہجوم کے باوجود حال کے محاربہ عظمیٰ میں شکست فاش کھا چکا ہے مگر اس دہشت انگیز الٰہی فیصلے کی لِم کو جاننا، فریقین کے اعمال کی بسل کا اضافی اور مکمل مطالعہ کرنا، انگریزی کی مجموعی صلاحیت اور المانی کی اجماعی عدم صلاحیت کی تہ تک پونہچنا مغربی مفتش کی نگاہ میں چنداں ضروری نہیں۔ خود **انگریز** کا اگلا رعب و وقار اسکی اپنی مستعمرات پر چند برسوں سے اس تیزی سے مٹ رہا ہے، مشرقی مقبوضات پر اُسکی گرفت اسقدر بے ثبات اور ڈھیلی ہو رہی ہے کہ الٰہی عجائب نمائیوں اور تماشہ آرائیوں کو دیکھ کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو رہے ہیں، لیکن انگریز کی گمراہی، اُس کی بے راہ روی' اور اُسکے غلط 'مذہب' کا صحیح علم رکھنا یا اُسکی تدریجی عدم صلاحیت کے بواعث کو مدون کرنا کچھ لائق توجہ نہیں رہا! کیا انسان کے لیئے اس دنیا کی ہر شئے کو دریافت کرنا، اُن کی داخلی ترکیب و ترتیب کے درپے رہ کر اُن سے طلب عمل کرنا تو ثواب ہے مگر خود اپنے بارے میں اس بات کا علم رکھنا کہ دنیا کے اس ناپیدا کنار محیط اور کارزار جہان کی اس حیران کن تگادو میں وہ صحیح چل رہا ہے یا غلط چل رہا ہے، فنا یا بقا کی طرف جا رہا ہے، اسکی مجموعی روش بعینہ کیا ہو، تمکن اور امن کیونکر ہو، حفظ و دوام کس طرح حاصل ہو، غالب اور فائز المرام کیسے بنے، فی الحقیقت جرم عظیم ہے؟

کیا آج مغربی حکیم صرف اس بات پر مطمئن ہوگیا ہے کہ ڈارون کے اپنے زعم میں فیصلہ کن قول کے مطابق دنیا میں اسی گروہ کو **بقا** میسّر ہے جو **اصلح** ہے، وہی قائم رہا ہے جو معیشت کے پیہم تنازعے میں گوئے سبقت لیجا رہا ہے، اور جب تک مسابقت قائم رکھ سکے بے خوف وخطر ہے؟ کیا بدیہیات کی اس نا مدوّن شق کو مدوّن کر لینے کے بعد پہلا اور آخری سوال یہ نہیں رہتا کہ **صلاح** فی الحقیقت کیا شئے ہے، وہ کس نا معلوم علت کا نام ہے، اُسکا مکمل اور صحیح مفہوم ازروئے قانون طبیعت کیا ہو؟ نہیں! بلکہ شرطہ قضا و قدر کی وہ کتاب تعزیرات کہاں ہے جسمیں اسکی تعریف لکھی رکھی ہے، جسمیں اسکی سب شقیں بالتفصیل درج ہیں، جسمیں اُسکے ہر ممکن کیف و حال کو اس طرح پر عیاں کر دیا ہے کہ بعد ازاں غلط عمل اور شک کی گنجایش قطعًا نہ رہے؟ اگر اس پیچ در پیچ سوال کا حل حکمائے مغرب کے ایک عام اجلاس میں طے ہونا قرار پائے اور دس بیس یا دس ہزار حکیم بھی اپنے علمی تبحر اور ذاتی تجربات کو ایک مرکز پر جمع کر کے صلاح کی ایک تعریف وضع کر لیں، اور بعد ازاں تاریخ زمین کو سامنے رکھکر دنیا کی سب غیر صالح مخلوق اور فنا شدہ اقوام کے نامہ ہائے اعمال کو اپنی وضع کی ہوئی تعریف سے منطبق ثابت کر دیں، تو بھی انسانی قیاسات اور مظنّات کی اس دلچسپ اور گرما گرم بحث میں آخری اعتراض یہی وارد رہے گا کہ صلاح کی اس مسلّمہ تعریف کی اصلی اور حتمی سند کیا ہے، اسکے **کامل** اور **حاوی** ہونے کی کیا شہادت ہے؟ اسکی آلہی اور سرکاری تصدیق کہاں ہے، اسپر محکمہ قضا و قدر کی مُہر کدھر ہے، اسپر شحنۂ حکومت کے کہاں دستخط ہیں؟ یہ کیا مسخرہ پن ہے کہ مجرم یا معمول علیہ رعیّت کے افراد کا ایک گروہ خود ہی کتاب تعزیرات کی ایک دفعہ کو لیلے، اور بعد ازاں اپنے چند ایک بھائی بند مجرموں کی روئداد جزا و سزا کو سامنے رکھکر اُس دفعہ کی قانونی مصطلحات کی ایک لگتی ہوئی تعریف وضع کرلے، اور تصدیق شدہ ہدایت سے بے نیاز ہو جائے! ایسی ناقص اور خود ساختہ تعریف منشائے حاکم کو بعینہٖ کیونکر ادا کر سکتی ہے؟ نہیں، بلکہ حاکم وقت کی غیرت اور قدرت، اُسکے علم و تفضّل، اُسکی مصلحت شناسی اور ہمہ بینی کو مدّ نظر رکھکر رعیّت کا اس تعریف کو حاکم سے

مسئلہ ارتقاء و بقائے اصلح کے بارے میں ایک مفصل بحث اصل کتاب کے تحت المتن صفحہ ۱۱ - ۲۷ میں کی گئی ہے۔

رمن وعن قبلوالیسنا کیونکر ممکن ہے؟ پس جزا و سزا کے معیار و اسباب کی کامل تعیین حاکم اعلیٰ اور مقنن اوّل ہی کر سکتا ہے۔ یہ اُسی کا منصب ہے کہ مصالح حکومت کو پیش نظر رکھکر ایک قانون بنائے، اور پھر اس قانون کی جس طرح پر مناسب سمجھے تشریح و تبیین کردے، اسکے نباہنے کیلئے اسالیب عمل مقرر کرے، جو وضع کرے دس پچاس بلکہ سَو قدم آگے کو دیکھکر وضع کرے، جو کے اسمیں رعیت کی دائمی بہبودی بنظر ہو، چین اور آرام پیش نہاد ہو۔ نابلد اور کوتاہ نظر رعایا کا مقام نہیں کہ ایک لامتناہی وسعت اور ناپیداکنار علم و خبر کے بالمقابل اپنی محدود نقد و نظر کے سُست رفتار گھوڑے دوڑائے، یا حاکم کا صحیح اور مکمل عندیہ محکوم کے وقتی اور مقامی احوال کو دیکھکر اخذ کرے۔ اس طریق استقرا اور استنباط سے جو کچھ اخذ ہوگا اقلاً نامکمل ہوگا، اکثر قیاس و رائے ہوگا، تخمین و گمان ہوگا، اٹکل کے لگ بھگ ہوگا، وہ علم و نبوت کے بلند مقام تک ہرگز نہیں پہونچ سکتا، گو کہ مجوزین نے اپنے زعم میں اُسکی اکثر بنا مشاہدے اور تجربے پر رکھی ہو اور سب نتائج حوادث خالیہ یا احوال جاریہ کو دیکھکر ہی مرتب کیوں نہ کیے ہوں۔ ×

میرا یقین ہے کہ انسان کو وحی کی ضرورت اُسکے اسی مفتقر اور محتاج ہونیکے باعث سے ہی، کم بیں اور کوتاہ نظر ہونیکے سبب سے ہے، تنگ اُفق اور نارسا ہونے کی وجہ سے ہی نہیں، بلکہ علم الابدان کے مبادیات کے بعد انسانی راہ عمل اور دین کے علم جلیل کی ابتدا یہیں سے ہی! کائنات فطرت کی اس ناپیداکنار فضا میں جہاں جہاں انسان کا بدنی علم پہونچ رہا ہے اسکو بالآخر ماسوا تحیر کے کچھ ہاتھ نہیں لگتا، وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہے مگر ششدر کا رہ جاتا ہے، کان لگا لگا کر سنتا ہے مگر سٹ پٹا جاتا ہے، وہ سمجھنے کی سعی مالا یطاق کرتا ہی مگر پھر کچھ نہیں سمجھتا کہ وہ خود کیا ہے اور کہاں سے کدھر کو جا رہا ہے! ایسے نگار خانۂ چین اور تحیرزار عالم میں جہاں اسکو ابھی اسمار اور ابدان سے پوری واقفیت نہیں ہوئی، جہاں اُسکو زمین سے نزدیک ترین سیارے تک کی مخلوق کا حال معلوم نہیں ہوا، جہاں وہ زمین کی مخلوق کا صحیح اندازہ کرنے میں حاوی ہونے کا ادعا نہیں کر سکتا، وہاں اُسکا انسانی ہستوں کے بقا و فنا کی خفیہ مسئل پر حاوی ہو جانا از بس متعذر ہے! اقوام عالم کے بارے میں وہ سب

تدبیر امر، جو محکمۂ قضا و قدر اکثر اوقات ہزاروں برس میں کرتا ہے، جس کا سب بست و کشاد عاجز اور ہیچمیرز
انسان کے دست نارسا سے حتماً بالاتر ہے، جسکے دریائے حلم و اُبہت میں انسان یا اُسکے رساترین ذہن کی ہستی
ایک تنکے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی، جسکے صحرائے بے پایان کی ہول افزا دوریوں میں اسکی بڑی سے بڑی
اُڑنت پرواز مگس سے زیادہ بلند تر نہیں ہوسکتی، ایسے تدبیر امر کی کنہ و ماہیت دریافت کرنیکے لیئے انسان کے
ظاہری اور باطنی حواس اور یہ اقل قلیل علم ازبس عاجز ہیں، اُسکے لیئے کوئی یقینی استقصا بے سود ہے،
استقرا عبث ہے، استنباط محال ہے۔ انسان اس دنیا کے اندر اپنی بہتری کے لیئے سب کچھ کرسکتا ہے، اپنے
استعمال کے لیئے ہر شئے مسخر کرسکتا ہے، موالید و عناصر کو اپنا مطیع بنا سکتا ہے، آب و آتش پر، بر و بحر پر،
بالا و پست پر قابض ہوسکتا ہے، اپنے حواس ظاہری کو اشیائے فطرت کی مدد سے بیحد طاقتور اور دوررس
کرسکتا ہے، لیکن اپنی **موت و حیات** کے سوال کو اس تھوڑے سے علم کی مدد سے آپ حل نہیں کرسکتا!
اُسکے مکمل قانون کا علم لامحالہ اُس ذرہ نواز اور غریب پرور خدا کی **موہبت کبرٰی** ہی ہوسکتا ہے جس نے
اس زمین و آسمان کو پیدا کیا، اُس سے کمتر ذات کی طرف سے اسکا ادعا ہونا محال ہے! جس قوم کو یہ نعمت غیر مترقبہ
حاصل ہوگئی ہے، اور جو قوم اُس قانون کو دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت فی الحقیقت سمجھکر اسپر صحیح معنوں میں **عمل پیرا**
ہے وہی **صالح** ہے، وہی زور آور اور ناقابل ضرر ہے، وہی دائم اور قائم ہے، اُسی پر زمین و آسمان کے دروازے
بلاشبہ کھل چکے ہیں اور جب تک اس صحیح عمل سے یک سرمو تفاوت اور تجاوز نہیں ہوتا اس دنیا میں **بیخوف و
خطر** ہوکر رہنا اُسی کا حصہ ہے!

مغربی حکما نے **کلامِ وحی** کو قطعاً اُس نظر سے نہیں دیکھا جیسا کہ اُس کا حق تھا۔ وہ ادیان عالم کے باہمی اختلاف
اور اصولی تضاد کو دیکھکر اس سے یکسر متنفر ہوگئے، وہ اقوام جہان کے اُس کے متعلق مضحکہ خیز عمل کو دیکھکر بیزار ہوگئے،
جو دیکھا اُسکے متعلق کہیں مُسکرا دیا، جو پایا اُس سے فی الجملہ خاموش اعراض کیا! تین خداؤں کا ہونا اور پھر ایک کا ہونا،
خدا کے ہاں بیٹے کا پیدا ہونا(!)، اُسکا چند سپاہیوں کے ہاتھ سے **مصلوب** ہونا(!)، کرسیِ عدالت پر متمکن خدا کا

بندوں کو اپنے غیظ و غضب سے بچانے کیلئے کاٹھ کی سولی پر جان دینا، اُسکا مُردہ ہوکر جی اُٹھنا، اس کا بن باپ کے لیکن ماں کے پیٹ سے پیدا ہونا، ہندو کا ایک حیوان کو خدا سمجھنا(۱) پتھر کے اپنے ہاتھ سے تراشے ہوئے بتوں کے آگے ماتھا ٹیکنا، دریاؤں اور اجرام فلکی کو خدا سمجھنا، گبر کا آگ کے سامنے سجدہ کرنا، مُسلم کا خدا کو مُنہ سے ایک ایک جپتے رہنا، کلمے اور لاحول پڑھ پڑھ کر جنّت کے حقدار بننا، قرآن کا ایک ایک حرف پڑھکر دس دس نیکیوں کے منتظر رہنا، پیروں کی پرستش، قبروں کی زیارت، پُھونکا پھانکی اور استنجاؤں کو دین سمجھنا(۱) وغیرہ وغیرہ، فی الحقیقت ایسی مضحکہ انگیز، ناکار برآر اور بے دلیل باتیں تھیں کہ ہر سلیم الذہن شخص کو ان سے اعراض کرنیکے سوا چارہ نہ تھا۔ انھوں نے فسادِ عقل کے اس تمام کذبستان اعتقاد میں نہ علم دیکھا، نہ سمع و بصر کی شہادت! **علم فطرت** کی حقیقت کشا، نفع مند اور نتیجہ خیز تبیین کے ہوتے ہوئے اُن کو جہالت کی ان قہقہہ خیز کارفرمائیوں میں نہ مُسلم کی **افواہی توحید** پسندآئی نہ عیسائی کا **قبیلہ ساز شرک**! وہ اسی دُھن میں لگے رہے کہ اعتقادات کو یکسر خیرباد کہہ کر یقینیات کی طرف اپنی ساری توجہ صرف کردیں اور مذہب کو اپنے دائرہ تحقیق سے یکسر خارج کردیں! یہ دلیل کہ **ایک** خدا کی طرف سے ایک بنی نوع انسان کی طرف ایک لاکھ پیغمبر کی وساطت سے بھیجا ہوا پیغام بھی **ایک** ہی ہوسکتا تھا بجائے خود اسقدر کارگر تھی کہ عیسائی اور ہندو اور یہودی اور مُسلمان کی اپنے اپنے مذہب کی سچائی کے متعلق ایک ہزار دلیلیں بھی اُسکے بالمقابل حتمًا نہ ٹھیر سکتی تھیں، لیکن انسانی ابداع و اختراع کی اس ظلمت انگیز دُرہ غبانی میں مغربی عالم نے اس امر کی طرف توجہ نہیں کی کہ طالبِ علم کا فرض نفس حقیقت اور **اصل پیغام** کی طرف متوجہ ہونا ہے، عوام کی اُس پیغام کے بارے میں بنائی ہوئی حُجّت سے اُسکو چنداں بحث نہیں۔ یہ سوال کہ کیا سب رہنمایانِ خلق اور اجلۃ الناس جو اپنی مُدۃ العمر سعی عمل کے بعد خلق خدا کو ایک راہ پر لگا گئے تھے، جو اپنی دُھن کے اسقدر پکے تھے کہ گردنیں کٹوا گئے مگر اپنی بات کو نہ چھوڑا، کیا یہ سب العیاذ باللہ جھوٹے اور دغاباز جاہل تھے؟ کیا اُن کا تنا ہوا سب تانا مکر و فریب کا جال ہی تھا جو لوگوں کو پھانسنے کی غرض سے بچھایا گیا تھا؟ کیا ان سب کو نفس نے اسقدر دھوکا دے رکھا تھا کہ دھوکے میں

جیتے رہے ، دھوکے میں کہتے رہے ، دھوکے میں قوموں کو فلاح و امن کے فلک الافلاک تک پونہچا گئے ، اور دھوکے میں مر گئے ؟ یہ سب سوالات بذات خود اس نمط کے تھے کہ ادنیٰ تامّل کے بعد مغربی مفتش کو اُنکے لائے ہوئے نفس پیغام کی طرف متوجہ کرنیکے لیئے بس تھے ، اور یہی تلاش وحی کی سچّی ترغیب تھی ! کیا موسیٰ فی الحقیقت ایک بے علم ، بدحواس ، اک دُھنا اور مختل الحواس مجنون تھا جو فرعون کی طاغوتی حکومت کے برخلاف برسوں تک علانیہ برسرپیکار رہا ، جو اپنی بے سروسامانی کے باوجود علی الاعلان اُسکو ہلاکت کا اٹل پیغام سُناتا رہا ، جس نے ڈنکے کی چوٹ اُسکو اور اُسکی قوم کو عذاب کی دھمکیاں دیں ، جو عذاب کو آنکھوں سے آتا ہوا دکھا چل نکلا ، اور بنی اسرائیل کے ایک جمّ غفیر کو خدائے مصر کی سب نہاں وانی کے باوجود بے آب و رزق جنگل میں لیجاکر چالیس برس تک ڈیرہ ڈالے رہا ، اور بالآخر اُس خشت پز اور ننگے اور سیاہ بدن پر چمڑے کے گندھے ہوئے کوڑے کھانے والی قوم کو بادشاہ بناکر چھوڑا ! کیا عیسیٰ علیہ السلام دراصل ایک مرنجان مرنج ، ایک سادہ لوح اور خالی الذہن ، ایک دنیا ومافیہا سے نابلد اور بھیڑوں کا چرانے والا گڈریا تھا جسپر قیصر روم نے افترا باندھکر اُسکو سلطنت کا باغی اور واجب القتل قرار دیا تھا ، جسکے ساتھ ساتھ محکوم یہودیوں کو خوش کرنیکے بہانے سے حکومت وقت کے خفیہ کارندے لگے رہتے تھے جو اُسکی دن بھر کی کارگذاری روزنامچوں کی صورت میں پونہچاتے تھے ، اور جسکی بابت ایک سرکاری کارکن [1] نے بادشاہ وقت کو اطلاع دی تھی کہ " اُسکی سنجیدہ آنکھوں میں

---

[1] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کے متعلق حال میں ایک عجیب و غریب شہادت دستیاب ہوئی ہے جو اس اولوالعزم نبی کی حیثیت کو صحیح طور پر سمجھنے میں بہت کچھ مدد دیتی ہے۔ یہ شہادت ایک لوح مکتوب میں درج ہے جو حضرتؑ کے ایک ہمعصر اور واقعہ صلیب کے عینی شاہد نے اپنے سلسلے کے احباب کو مصر میں لکھا ، اور جو سکندریہ کے ایک پُرانے مکان میں مُلک حبش (ابی سینیا) کی ایک تجارتی شرکت کے رکن کو دوران سیاحت میں ملا۔ محکمۂ آثار قدیمہ مصر نے اس امر کی تصدیق کی ہے کہ یہ پُرانا مکان زمانہ قدیم میں اسیری فرقے کا مسکن تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں علمائے فطرت کا ایک مقتدر ، باخدا اور باعمل خفیہ گروہ تھا ۔ اسی مکان کے اندر اس فرقے کا الواحی کتب خانہ بھی تھا اور یہ پتھر بھی اُسی کتب خانے کا بقیہ ہے اور بظاہر غیر مشکوک اور اصلی ہے ۔ آج یہ لوح فری میسن جماعت کی وساطت سے المانیہ (جرمنی) کی ایک علمی انجمن کے قبضے میں ہے ۔ اور چونکہ اسکے اندر حضرت عیسیٰؑ کے صلیب پر جان دینے اور تمام عالم کے گناہوں کے کفارہ ہونے کے عیسائی عقائد کی تغلیط ہوتی ہے ۔ اسلیئے عیسائی پادریوں کی دستبرد سے فی الجملہ محفوظ ہے ۔ مکتوب میں راقم نے اس امر کا دعویٰ کیا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کے مصلوب ہونیکے وقت عینی شاہد تھا ، حضرتؑ کو یہود کے سامنے پلاطوس حاکم گلیل کے فرمان کے مطابق صلیب دی گئی ۔ لیکن چونکہ یوم سبت کی رات ہونے کی وجہ سے اُنکو سر شام چند گھنٹوں کے بعد صلیب سے اتار لیا گیا اور اُن کی ہڈیاں بھی نہیں توڑی گئیں ، اس لیئے وہ مرے نہیں اگرچہ یہود کو اطمینان ہوگیا تھا کہ وہ مرگئے ہیں اور پہرہ دار نے بھی اس امر کی تصدیق کر دی تھی ۔ جلاد سپاہیوں کا حضرت عیسیٰؑ کے بدن میں برچھی کا چبھونا اور اُس سے خون اور پانی کا نکلنا بھی (جس کا ذکر انجیل میں ہے) اس امر کی تصدیق ہے کہ حضرتؑ دراصل مرے نہیں تھے ۔ لیکن یہود کو گمان ہوگیا تھا کہ وہ مرگئے ہیں ۔ قرآن حکیم میں اس واقعہ کی حیرت انگیز طور پر تصدیق ہوتی ہے ۔ اور تیرہ سو برس کے بعد اسکا ایک ہمعصر شہادت سے مصدق ہونا صاحب نظر کے لیئے قرآن کے انسانی کلام نہ ہونے کی ایک بیّن دلیل ہے ، وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ ۚ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۙ (النساء)

(باقی برصفحہ آئندہ)

ایک ہیبت اور خوف نظر آتا ہے ، اسکی آنکھیں آفتاب کی شعاعوں طرح روشن ہیں ، ان کا نور ایسا تیز ہے کہ اسکی وجہ سے ممکن نہیں کہ کوئی شخص اُسکے چہرے کو نظر بھر کر دیکھ سکے ۔" تحصیل علوم میں یہ شخص سارے شہر یروشلم کیلئے تعجب اور حیرت کا مظہر ہے ۔ اُس نے بظاہر کہیں تعلیم نہیں پائی لیکن بے غل وغش تمام علوم جانتا ہے " کیا بدھ علیہ الرحمۃ والسلام جیسا باکمال شخص جسکے رسمی پیروؤں کی تعداد آج دنیا کے سب نئے اور پُرانے مذاہب کے ماننے والوں سے بڑھکر ہے اور جسکی نام لیوا اُمت کا جمِ غفیر اسوقت باشندگانِ زمین کی نصف تعداد سے کچھ ہی کم ہے ، جس نے کرشن کی بے راہ رو اور گیتا کو بھولی ہوئی اُمت کو صدیوں کے بعد روحانیت کا زلزلہ انگیز سبق دیکر پھر زندہ کردیا تھا ، فی الحقیقت ایک چلہ کش اور نفس کُش ، ایک خشک مغز اور بیوست آگین راہب ہی تھا جس نے تخت سلطنت کو لات مار کر باشندگانِ زمین کو راہ راست پر لانیکے لیئے وہ اندوہناک مشقتیں جھیلیں کہ سطح زمین یکسر کپکپا اُٹھی ، قرنوں تک اس لرزش کا اثر چار دانگ عالم میں باقی رہا اور صدیوں تک

(بقیہ صفحہ ١٦) راقم مکتوب اس امر پر زور دیتا ہے کہ نقادیمس حکیم نے جو اسیری فرقے کا ایک اعلیٰ رکن تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مناسب علاج سے یوسف کے باغ والی قبر میں اچھا کیا ، وہ تیسرے دن اسی جسم اور بدن سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور باوجود انتہائی نقاہت کے اپنے حواریوں سے ملے وغیرہ وغیرہ - جو فرشتے سفید لباس میں اس اثناء میں (از روئے انجیل) قبر کی حفاظت کرتے رہے وہ بھی اسیری فرقے کے خفیہ فرزند تھے جو اُن کی تیمارداری پر متعین کیئے گئے تھے راقم کہتا ہے کہ یہ خط اس لیئے لکھا گیا ہے کہ وہ اختلاف جو حضرتؑ کی وفات کے متعلق عوام میں پڑ گیا ہے اور جس کی وجہ سے طرح طرح کے اوہام باطلہ اور خرق عادت کے ظنون جہلا میں پھیل گئے ہیں دور ہوجائیں ، وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے ۔

لیکن اس حکایت سے قطع نظر جسکے جزئیات کا انجیل کے بیان سے حیرت انگیز طور پر تطابق ہے جو مستقل سبق اس مکتوب سے اخذ ہوتا ہے یہ ہے کہ یہ اسیری فرقہ جس کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک مقتدر رکن تھے ۔ علم حقائق الاشیاء میں حیرت انگیز طور پر ماہر اور قانون فطرت سے بڑا باخبر گروہ تھا ۔ خدمت عباد اسکے عمل کا جزو اعظم تھا ۔ روئے زمین کے ہر قریبے میں اسکے کارندے موجود تھے ۔ ان کے باضابطہ اجلاس ہوتے تھے ۔ کئی برس کے مسلسل سعی عمل اور علمی مجاہدوں کے بعد ایک شخص کو اسکا رکن اعلیٰ بننا نصیب ہوتا تھا ۔ اکثر باعلم لوگ اس خفیہ اخوت کے ساتھ ہمدردی رکھتے تھے خود پلاطوس اسکی طرف مائل تھا اور عیسیٰ علیہ السلام کو سبت سے ایک دن پہلے صلیب دینا اور اُن کی نعش کا یوسف کے سپرد کردینا بھی اسی وجہ سے تھا ۔ اگرچہ اس فرقے کا بظاہر ادعا یہی تھا (اور یہ مکتوب بھی اسی پر زور دیتا ہے) کہ حکومت وقت کی سیاسیات میں دخل نہ دے مگر قانون فطرت سے باخبر اور صاحب علم ہونے کی وجہ سے حکومت اس زبردست اخوت سے ہر دم خوفزدہ رہتی تھی ۔ عیسیٰ علیہ السلام سے خوفزدہ رہنا چنانچہ اسی وجہ سے تھا ۔ تصلیب یسوع کے فرمان میں بھی جو پانیتس پلاطوس نے حکومت وقت کے ایما سے جاری کیا حضرتؑ پر غاوی ، مفتری علی اللہ اور کذاب ہونیکے علاوہ باغیٔ حکومت اور قیصری قوانین و آئین کے دشمن ہونے کا الزام لگایا گیا تھا ۔ اور تصلیب کی اصلی وجہ حتماً یہی تھی محکوم یہودیوں کو خوش کرنا اسقدر ضروری نہ تھا ۔ علاوہ ازیں عوام میں مسیح کے دنیاوی بادشاہت قائم کرنیکا (اور عوام کی نظروں میں فرشتوں کی معیت میں بادلوں میں غائب ہوجانے) سے پہلے حواریوں کے سامنے کہا کہ میرا کام یہ ہے کہ خدا کی بادشاہت زمین پر قائم کروں چنانچہ یہ روحانی بادشاہت کا قیام ہی قیصر روم کو چین سے سونے نہیں دیتا تھا ۔ اسی پہاڑی پر حضرتؑ نے اپنے حلقے کے حواریوں کو علوم فطرت کا آخری سبق دیا ، علم صحت امراض ، علم تشخیص خواص معدنیات و نباتات و ادویہ ، علم تربیت حیوانات اور علم تریاق و سمیات کے اسرار سکھلائے ، علم معاشرت کے اصول منکشف کیئے ۔ کئی دن تک تعلیم دیتا رہا ۔ فرقہ اسیری کے لوگوں اور شاگردوں کو کہا کہ تمام دنیا میں پھیل جاؤ ، ایمان پر ثابت قدم رہو اور دنیا کو ایک اخوت میں جکڑ دو ۔ ممکن ہے کہ بعض راہبوں اور سست الست گروہوں کے لوگ جو اب بھی دنیا میں سب طرف نظر آتے ہیں (مثلاً سنیاسی فرقہ ہندوستان میں) اسی اسیری فرقے کا ایک بقیہ ہوں ہاں اگر یہ مکتوب اصلی ہے تو آج اس امر کی روشن شہادت موجود ہے کہ انبیاء کرام قانون فطرت کے بڑے ماہر ، علم حقائق الاشیاء کے بڑے علامے تھے ، اور یہی بڑا باخبر ہونا سچی نبوت ہے نہیں بلکہ اس میں یہ عبرت انگیز سبق موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ کی موت بھی اسی سنت اللہ کے مطابق واقع ہوئی تھی [illegible]

تا نباشد چیزکے مردم نگویند چیزہا کا مصداق ہے جو ہر صاحب نظر پر عیاں ہے ۔ اسی مکتوب میں درج ہے کہ مسیح علیہ السلام نے پہاڑی پر سے مصر کی طرف کوچ کرنے

صحیح

لوگ اُس سے متاثر ہوتے رہے! نہیں، کیا وہ سالارِ انبیاء اور ختم رسل محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام جسکے آسمان شگاف علم و عمل کو دیکھکر رحمت ایزدی کا موسلا دھار مینہ روئے زمین کو ابد الآباد تک تر بہ تر کرتا رہیگا، جسکے قانون بقا و فنا کی تبیین کو پاکر برّ و بحر اور شمس و قمر اُس پر سلام بھیجتے رہیں گے، جسکی قوت تغیر و انقلاب کا اندازہ کرکے مس خام کو کُندن بننے کی دائمی آرزو رہیگی، کیا وہ سرورِ عالم فی الحقیقت ایک گنج نشین اور کملی پوش، ایک بے علم اُمّی اور نارازدان زاہد، ایک نماز گذار متوکل، اور فاقہ کش متقی ہی تھا جسنے ایک اقل قلیل مدت میں عرب کی بے نام و نشان اور جمود زدہ قوم سے علم و عمل کے وہ آتشین فوّارے اکناف عالم میں رواں کیے کہ دنیا ہمیشہ تک اُن کے کارناموں کو سُن کر سر دُھنا کرے گی! کیا یہ سب کُبرائے خلق اور پیشوایانِ زمان العیاذ باللہ جھوٹے تھے؟ کیا انکی دی ہوئی تعلیم میں کوئی شئے فی الحقیقت آموز اور نتیجہ خیز نہ تھی؟ کیا اُنکی اس دنیا میں مہتم بالشان کامیابی، کروڑ در کروڑ ساکنانِ زمین کی اُن سے صدیوں تک عقیدتمندی، اُنکے لگائے ہوئے پودوں کا اس قدر پھیلاو، اُنکی پیدا کی ہوئی تحریک کا اسقدر دوام بذاتِ خود اس امر کی دلیل نہیں کہ یہ لوگ فطرت کے محکمۂ تدبیر میں قضا و قدر کی بست و کشاد کے مستقل کارندے تھے، وہ ملکوت زمین کے متعلق الٰہی تجویز کے مقررشدہ کارکن تھے۔ کیا آج ایک یا دس یا دس ہزار بڑے سے بڑے طبعی حکما، اور فلسفیوں کی مجلس بیسیوں برس کے متفقہ سعی و عمل سے ساکنانِ زمین پر وہ قلبی اور اجماعی اثر، وہ ذوقِ یقین، وہ لطفِ اعتقاد، وہ حرکت اور تموّج، وہ بات پیدا کرسکتی ہے جو ان رہنمایانِ زمین میں سے کسی ایک فرد نے پیدا کی؟

میرا یقین ہے کہ یہ اولوالعزمی اور کامیابی ہی ہر متامل شخص کو اسطرف متوجہ کردیتی ہے کہ ہم سمجھیں کہ وہ کیا پیغام تھا جو یہ بزرگ اعمال اشخاص لائے، کس مضبوط پناہ پشت پر اُنکی یہ مثال جسارتیں تھیں، وہ کیا دل گردوں شگاف طاقت انکو بے کسی اور مخالفت میں بے خوف و خطر بولنے اور بے دھڑک عمل کرنے [illegible] ان ذہنوں میں کیا تجویزیں بس رہی تھیں، کیا علم تھا، کیا کاشفِ غطا یقین تھا، کیا عینی شہادت، اور براہ راست تصدیق تھی، کیا لا انتہا عمل اور صراط مستقیم تھا، وہ کیا تھا جس کی بابت ایک اولوالعزم پیغمبر نے کہہ دیا

کہ "میں نے سمجھ لیا اور راز کو پالیا"! اور جسکو پیش نظر رکھکر عرب کا آخری پیغمبر بول اٹھا کہ "اگر سورج میرے ایک ہاتھ پر رکھدیا جائے اور چاند دوسرے ہاتھ پر تو میں اپنی بات سے باز نہ آؤنگا"! نشأ آفرینش سے آجتک جسقدر حکماء گذرے ہیں اُنہوں نے اِس رازِ دروں کو بہ تمام و کمال سمجھنے میں کوئی قابلِ ذکر کوشش نہیں کی، اور باوجودیکہ ہر نبیؑ نے کم از کم اپنی مُدت حیات میں اِس الٰہی سبق کو لوگوں پر دو دو چار کیطرح روشن کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ہوگا لیکن وہ کیفیت اور ماحول جو اُنہوں نے ہمعصر اُمتوں کے افراد میں پیدا کیا تھا آجائے خواہ اسقدر ناممکن البیان رہا کہ بسا اوقات پہلی پشت ہی اُس تخیل کو اگلی پشت تک صحیح و سالم پونہچانے میں حتماً ناکام رہی۔ یہی وجہ ہے کہ جب اصلیت نظروں سے اوجھل ہوگئی تو ناشناس لوگوں نے مذہب کو وہ کچھ بنالیا جو وہ آجکل ہے بلکہ اسکی اصلیت یہاں تک مسخ کر گئے کہ پُرانے خط و خال کا پہچاننا قطعاً محال ہوگیا۔ ویدوں اور گیتا کی صحیح تعلیم کے متعلق تحقیق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اسکا صحیح اثر کتنی دیر تک ہندو مت میں برقرار رہا مگر اسلام کے بارے میں جو مذاہب عالم میں سے سب سے نیا مذہب ہے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ عرب کی اُمت اسلام کے الٰہی اور نبوی تخیل پر تیس[۳] برس سے زیادہ قائم نہ رہ سکی! خلفائے راشدینؓ کے بعد جو عروج مسلمانوں کو نصیب ہوا وہ صرف اُس الٰہی درس کو جستہ جستہ یاد رکھنے کا نتیجہ تھا لیکن قرآنی سبق کا ایک اہم حصہ اُسوقت تک ذہنوں سے قطعاً نکل چکا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری غالباً کہ اُسکے الٰہی تخیل کو سرے سے اخذ ہی نہ کرسکے ہوں، اُن کا بہت جلد اپنے نبیؑ کی ناروا تعظیم یا پطرس کا اُسکی ناروا تکفیر میں مشغول ہو جانا ہی اِس واماندگی کی صریح دلیل ہے، مگر پولوس کی استقامت اور عیسائیت کا بعد از وقت فروغ ایک حد تک اِس امر کی تائید کرتا ہے کہ پیغام خدا کا وہ اکمل درس جسکو عیسیٰ علیہ السلام دیتے دیتے اور نتائج کا انتظار کئے بغیر چل بسے تھے، کم از کم پولوس نے صحیح طور پر جذب کر لیا تھا۔ بدھ مذہب کو ہندوستان میں بے انتہا شوکت نصیب ہوئی تھی لیکن آریوں کے اپنے صدیوں سے بھولے ہوئے سبق کو دوہرا لینے اور بدھوں کے دوسری پشت میں ہی اسکو بھول جانے نے اُس شوکت کو جلد تر تباہ کردیا، اور بالآخر اِس عظیم الشّان مت کا اثر بھی ساکنانِ زمین پر فی الجملہ جلد ناپید ہوگیا۔

آج اگرچہ تمام علمی دنیا ان پیشوایانِ مذاہب کی عظمت کی اعتقادی طور پر خاموش قائل ہے لیکن انکی تعلیم، ان کی عظمت کی ماہیت، انکے علم کا صدق بسیط ماہر علم جدید کے دائرہ تحقیق و بحث سے اسقدر خارج ہے کہ وید، گیتا، ژنداوست، تورات، انجیل، قرآن وغیرہ وغیرہ سب مقدس کتابیں محکمہ علم و تحقیق جدید کی میز پر کھلی ہونے کی بجائے اسکے عجائب خانے میں بطور ایک تاریخی تبرک کے لپٹی پڑی ہیں، مغربی حکیم انکی طرف تاریخی ندرت اور غربت کی نظر سے دیکھتا ہے، اُن کو ایک کونے سے اٹھا کر دیکھتا ہے اور باحتیاط تمام پھر لپیٹ کر رکھدیتا ہے!

اس میں شک نہیں کہ علم کی مذہب کی طرف سے یہ تمام بے رُخی اُسکے دائرہ تدقیق و تحقیق سے خارج ہونیکے عام یقین کی وجہ سے ہے۔ اگرچہ یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ نبی کی ہمعصر اُمت ہر زمانے میں اپنے پیشوا کی دی ہوئی تعلیم کو اسقدر برحق، اسقدر مدلل، اسقدر رسا، اور بلحاظ نتائج اسقدر نفعمند، روشن اور بین یقین کرتی رہی ہے کہ آفتاب کی کرنیں اور مہتاب کی شعاعیں بھی اُسکے بالمقابل وہ نور و ضیا نہیں رکھتی تھیں، اور انسانی سعی و عمل کا دستور بھی روز اول سے یہی رہا ہے کہ کوئی شخص کسی امر کے متعلق دس قدم اُٹھانا گوارا نہیں کرتا جبتک اُس دس قدم اٹھانے کی دلیل شمس و قمر کی طرح سامنے موجود نہو اور نتائج عین الیقین سے نہ دیکھ لیئے جائیں، تاہم مذہب کی حقیقت کو مسخ کرنے والی ناشناس اور نااہل، بے عمل اور جمود زدہ خوالف اُمتوں کا عقیدہ اکثر یہی رہا ہے کہ مذہب کے بتائے ہوئے اصول کسی دلیل کے متحمل نہیں، اُن میں استدلال کرنا یا عقل کو دوڑانا شرعاً ناجائز ہے، اُسکی سب باتیں مابعد الطبیعی اور مافوق الدلیل ہیں، اسکے متعلق تدبر کرنا الحاد و کفر ہے! یہی خیال کسی نہ کسی رنگ میں حکمائے مغرب کو بھی تحقیق مذہب سے باز رکھتا رہا ہے اگرچہ اس سے باز رہنے کی وجہ یہ اوپری دلیل اور اعتقادی شان حتماً نہ ہو لیکن ان امور کے علاوہ جو اہم مشکلات اس راہ میں عصر جدید کے ماہرین علم کو پیش آتی رہی ہیں، یہ ہیں کہ اُن کے پاس حتماً کوئی ایسی آسمانی کتاب موجود نہ تھی جو انسانی تصرف اور تبدل سے کامل طور پر محفوظ رہی ہو۔ تورات، زبور، انجیل سب کی سب موجودہ حالت میں اپنی اصل زبانوں سے ترجمہ شدہ ہیں حتیٰ کہ اُن کے اصل نسخوں کے متعلق یہ بھی معلوم نہیں رہا کہ وہ کس زبان میں تھے، اور مطالب کا وہ ناقابل کُن

فساد جو ترجمے اور بالخصوص لفظی ترجموں سے پیدا ہو جاتا ہے منشائے وحی کی صحیح اصلیت تک پونہچنے میں سدِ اسکندری کا حکم رکھتا ہے۔ ایک تو فنِ تحریر بجائے خود کسی شخص کے حقیقی خیالات اور اُن کے صحیح کیف کو ادا کرنے کا از بس ناقص اور ناکمل مظہر ہے اور نبیؐ کی آسمان سے لائی ہوئی وحی بسا اوقات امر و نہی کے صحیح کیف و حال کے ادا کرنے میں اُسی وقت ادھوری رہ گئی ہے جب اُس لرزہ فگن انکشاف کو لوگوں کی عام ہدایت کیلئے معرضِ تحریر میں لایا گیا ہے، لیکن بعد ازیں اگر اصلی مصنف کی وہ نصِ مبین بھی انسانوں کی مدد سے ترجمہ در ترجمہ کر دی جائے تو حقیقت کے جس جزو صغیر کا اُس ترجمے میں باقی رہ جانا ممکن ہے، ظاہر ہے۔ اکثر اور صحیفے بھی جنکی بابت انسان کا ادّعا ہے کہ وہ آسمانی تھے اسی تحوّل و تبدّل میں نسیًا منسیًا ہو گئے، اُن کے مطالب اور مقاصد محرّف ہو چکے ہیں، الفاظ بدل چکے ہیں، کتابت کی غلطیاں، مطالب کی نافہمیاں، ذاتی اغراض و مفاد، زمانے کی دستبرد وغیرہ وغیرہ سب کے سب اُن کی اصلیت کو چھپانے میں مؤید ہوئے ہیں۔ روئے زمین کے آسمانی کتب خانے میں لے دیکر صرف ایک **قرآن** ہے جو سب انسانی تصرف سے محفوظ رہا ہے، اسمیں ایک حرف کے برابر کہیں تبدیلی نہیں ہوئی، الفاظ کی ترتیب میں، آیتوں کے الفاظ میں، سورتوں کی آیتوں میں یہ کتاب بعینہٖ وہی ہے جو پیغمبر آخر الزّماںؐ نے دنیا کو دی۔ کوئی تساہل، کوئی کوتاہ نظری، بد دیانتی، یا غرضمندی اِس کو پہلے دن سے نقل کرنے میں نہیں ہوئی، نہیں بلکہ اسکے ایک پرانے نسخے[†] کے متعلق جدید انکشاف جو حال میں ہوا ہے اُسنے حکمًا اور علمًا ثابت کر دیا ہے کہ یہ وہی ہے جو پہلے تھی، وہی ترتیب ہے جو ایک دفعہ مقرر ہو چکی تھی۔ وہی نص ہے، وہی الفاظ ہیں، سینوں کے جوف میں ہے تو وہی ہے، اور کاغذ کے میدان پر ہے تو وہی ہے!

ایسی محفوظ اور مصئون کتاب کے مضامین سے مغربی حکیم اگر چاہتا تو بہت کچھ اخذ کر سکتا تھا، اُسکو کم از کم **ایک** مذہب کی صحیح اساس قرار دے سکتا تھا، ایک مستقل اور قائم مذہب کی اصلیت تک پونہچکر اُسکو روزِ روشن

[†] ایک نامعروف الاسم ارمنی عیسائی (منگانا) نے حال میں قرآن عظیم کے ایک پرانے نسخے کے بعض ٹکڑوں کا انکشاف کیا ہے جو بعینہٖ وہی ہیں جو آجکل رائج ہیں۔

کی طرح سچ یا **غلط** ثابت کرسکتا تھا۔ ایک سے فارغ ہوکر پھر اُنہی اصول پر اور مذاہب کو لے سکتا تھا، اور اس طرح پر دنیا میں مذہب کے سرِّ عظیم کا پول یکسر کھول کر سب کو ایک حقیقت کبریٰ پر متفق العمل یا ایک **کذبِ عظیم** سے متنفر کرسکتا تھا، جرِ ثقیل یا علم حساب کی طرح سب تفرقوں کو مٹا کر دنیا میں ایک عصبیت، ایک ہمت، ایک اُمت، ایک اخوت قائم کرسکتا تھا، نہیں بلکہ ابد الآباد تک مذہب کے متعلق سب جھگڑے، سب جنگ و جدل، سب خونریزیاں سرے سے محو کرکے دنیا کا باوا آدم بدل سکتا تھا۔ اس طریق عمل سے مذاہب عالم کے شرعی رہنماؤں کا تعصب بھی یک بیک بے اثر ہو جاتا، لوگ بے دلیل اور مضحکہ انگیز باتوں کو شدہ شدہ چھوڑ کر حقیقت کی طرف لپک لپک کر پہنچتے، اور علمی نظریات کی طرح اُنکے غلط مذہب کا حامی بالآخر ایک باقی نہ رہتا! سب بلا استثنائے احدے ایک مذہب اور ایک مسلک پر قائم ہوجاتے یا سب **لا مذہب بن کر ایک** ہوجاتے! لیکن بدقسمتی سے قرآن مغرب کے لیئے روزِ اوّل سے ممنوعہ درخت کی مانند رہا، عیسائی پادریوں نے جنکو اسکے کارناموں سے خاص طور پر چڑ تھی، جن کی تبلیغی مساعی بلکہ بسا اوقات سیاسی منصوبوں کو اسنے خاص طور پر روک کر اکثر کو کالعدم کردیا تھا اُسکے کذب و افترا ہونیکے متعلق بے سر و پا افسانے بنا لیئے۔ اُنہوں نے مشہور کردیا کہ قرآن بُت پرستی کا بڑا مبلغ ہے"! "مہونڈ (یعنی محمد صلعم) کو خدا کہتا ہے"! "عرب پیغمبر کے شانے پر ایک کبوتر بیٹھا رہا کرتا تھا جس کے ذریعے سے وہ شعبدہ بازیاں کیا کرتا تھا"! "اسلام نے عورتوں کو عام جائداد قرار دیا ہے، اب ہر شخص انکی عصمت کا وارث ہے"! بعض زیادہ مکار اور ہوشمند اور معاملہ فہم دشمنوں نے اُڑا دی کہ "محمدؐ کو صرع کی بیماری تھی جس کو وہ جبرئیل کی وحی قرار دیتا تھا"! "قرآن میں فاش تاریخی اغلاط موجود ہیں"، "وہ ایک کتاب ہے جسکا ماخذ تورات اور انجیل ہے"، "اُسکے سب افسانے یہودیوں کی غیر مستند روایات سے لیئے گئے ہیں"! "وہ سرتاپا **بے ربط** ہے اور کسی جنون زدہ شخص کا کلام معلوم ہوتا ہے"! وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب الزامات اس نمط کے تھے کہ انکے بعد کسی ہوشمند شخص کا اس کتاب کیطرف متوجہ ہونا ہی دور از بحث تھا، ان نقائص کے ہوتے ہوئے اسکا خالص المتن ہونا یا تحریف لفظی سے محفوظ رہنا بھی کچھ قابل توجہ نہ ہوسکتا تھا۔ انگلستان کے ایک مشہور فلسفی (کارلائل) نے بالآخر

اس کذب و افترا پر سے نقاب اُٹھا، ان الزامات کو مسیحی پادریوں کی صریح بدمعاشی قرار دے کر عیسائیت کو قرآن اور پیغمبر قرآن کے متعلق غلط نشر و تبلیغ کرنے کی شرم دلائی، عرب کے آخری پیغمبر کو **بطلِ انبیاء** کا خطاب دے کر اُسکی اولوالعزمیوں کو سراہا، اُسکو خدا کیطرف سے سچے نبی ہونے کی سند اپنے زعم میں اپنی طرف سے دی، مگر مذہبی تعصب اور تجرّد کا اثر اس علم و شہادت کے زمانے میں بھی انسان کے ہر رگ و پے میں اس قدر سرایت کر چکا ہے کہ اس فلسفی نے بھی عرب رسولؐ کی بحث کے ضمن میں تمہید کے طور پر یہ کہدیا کہ "ہم نے اِس پیغمبر کو بطلِ انبیاء کے طور پر بالخصوص اسلیئے منتخب کیا ہے کہ ہم اسکے حسن و قبیح پر گویا بالمقابل عیسٰی علیہ السلام کے زیادہ آزادانہ طور پر بحث کر سکیں گے، اور یُوں تو ہم میں سے کسی شخص کے عیسائیت کو چھوڑکر مسلمان بن جانے کا امکان نہیں"! اِس اقرار نما انکاری حالت میں ظاہر ہے کہ کسی بڑی سے بڑی مدح سرائی کا کیا اثر ہو سکتا تھا، لوگ اِسکو علم ادب کے فکاہات کا ایک منظر سمجھکر خاموش ہو گئے، البتہ چند ایک اہم الزامات کی دشمن کی اپنے مُنہ سے تردید ہو گئی اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

الغرض یہ وجوہات تھیں جنکی بنا پر قرآن بھی مذہب کے متعلق کسی **فیصلہ کن** علمی تحقیقات کی اساس نہ بن سکا۔ لوگوں نے مذہب کو ایک مابعد الطبیعی اور ناقابلِ درک شئے قرار دیا تھا، عُلمائے مغرب نے بھی جن کے علم کی بنیاد بیکن کے مشہور عالم **مسئلہ استقراء** † کے بعد سے یکسر مشاہدے اور تجربے پر رہی ہے، اور جو **سمع و بصر** اور **قلبِ سلیم** کی شہادت کے بدون کسی شئے کو **علم** کا بلند مرتبہ نہیں دیتے، یہی سمجھ لیا کہ مذہب مابعد الطبیعی ہے، فہم سے بالاتر ہے، کسی تخیّل زدہ لوگوں کی عالمِ خیال کے جوش میں بنائی ہوئی شئے ہی، اسلیئے اِسکو کسی صورت سے چھیڑکر جھلا میں ایک ہنگامۂ عظیم برپا کر دینا روا نہیں۔ جوں جوں علم کا اثر دنیا کے اکناف و اطراف میں وسیع ہوتا جائے گا لوگ خود بخود اِسکی بے حقیقت باتوں سے متنفر ہو کر اِسکو چھوڑتے جائینگے، اور اُس حقیقت کشا اور پردہ در علم کیطرف خود بخود راغب ہونگے جو اس کارگاہ **فطرت** کے مطالعے سے

---

† مسئلہ استقراء (۱۲۹ ماہ سنہ ۱۶۲۰ء) اُن عالم انگیز مسئلوں میں سے ہی جس کے تتبع نے مغرب کو آج تمدن کے فلک الافلاک پر پہنچا دیا ہے۔ (دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۸۳)+

اخذ ہوتا ہے اور جو صحیح معنوں میں **واقع الامر** ہے۔ مذاہب جاریہ کی اعتقادی اور بے نتیجہ صورت نے
انکو اس حقیقت تک ہرگز نہ پونہچنے دیا کہ مذہب فی الحقیقت اس دنیا میں خوش اسلوبی سے رہنے کا طریق عمل تھا
جسکو آج مرورِ مدت اور دستبُردِ زمانہ نے اعتقادی رنگ دیکر مسخ کردیا! وہ نہ سمجھے کہ کلام وحی کو فنا و بقائے
اقوام اور **موت وحیات** اُمم کے سوال سے ایک گہرا، طبعی، اور ناقابل حک لگاؤ ہے، اور انبیائے
جہان بھی محض اسی غرض کے لیئے مبعوث ہوئے تھے کہ کم بیں، ناشناس، اور کوتاہ نظر انسان کو قیاسات
و آرا کی اس ظلمت انگیز رستخیز میں قانون الٰہی سے صحیح طور پر واقف کرکے اُن کو **بقا** کے صراط مستقیم کی طرف
لیجائیں۔ وہ اس راز کو حتماً نہیں سمجھے کہ بلا استثنا سب انبیاؑ اپنی اپنی جماعت کو اپنی عین حیات میں قوت
و امن کی راہ پر لگا گئے، اُنکو قعرِ عزل و جمود سے نکالکر اوج سعی و امن پر بلاواسطہ مشرف کر گئے۔ یہی اُن کے آنے
کی **واحد**† غرض تھی، اور اسی مطلب کے حاصل کرنیکے لیئے انکا بے مثال سعی و عمل تھا۔ **نشاۃ الثانیہ**
کے اوائل میں طبعیوں کا سارا زور اسی میں صرف ہوا کہ مسئلہ استقرا کو اساس قرار دیکر حقائق الاشیاء کی طرف
متوجہ ہوں اور اُنسے صحیح نتائج مستنبط کرکے فطرت کے خزانہ عامرہ کو اپنے استعمال میں لائیں۔ لیکن جب اشیاء کے
مطالعے سے ظلمتِ شب دور ہوئی، نور کے در زیک بیک کھلتے گئے، انسان کو سقف آسمان کے نیچے اپنی ہستی کا
اضافی احساس ہوا، وہ آسمان کی ہولناک دوریوں کو سمجھا، اس ذرہ مقدار زمین کا اندازہ لگایا، جب اُسنے موالید
زمین کی تدوین کی، اجناس حیوانات کی تقسیم کی، اقوام خالیہ کے بقیہ آثار کو دیکھا، بے شمار محو شدہ حیوانی
انواع کا ملاحظہ انگشت بدنداں ہو کر کیا، اپنی کمال بےبسی اور صانع فطرت کی کمال قدرت کا اندازہ کیا، اور اس کا گاہ
زمین و آسمان کے بارے میں وہ سب قیانوسی خیالات حرف غلط ثابت ہوئے، تو پہلا سوال طبعاً یہی پیدا ہوا
کہ اس صحنک زمین پر **اجتماعی بقا و فنا** کا راز کیا ہے، وہ کیا قانون ہے جسپر چلکر قوت اور امن ہی، راحت

† اس کتاب کا اہم مطمع نظر در اصل اسی امر کو پایہ ثبوت تک پونہچانا، اور بتدریج تمام **نبوت کی صحیح غرض و غایت** کو منکشف کرنا ہے۔ اس دیباچے کے صفحہ ۶۶ الخ پر اس مضمون کو پھر دُہرایا گیا ہے اور اسکی قرآنی شہادت ایک حد تک پیش کی ہے لیکن مکمل شہادت اصل کتاب میں جابجا ملے گی۔ اگر انبیائے کرام کے مبعوث ہونے کا پیش نہاد اپنی اپنی اُمتوں کو قانون خدا سے آگاہ کرکے قوت اور امن کی راہ دکھانا نہیں تھا تو میرے نزدیک درحقیقت وہ کوئی پیغام نہیں لائے اور نہ اُن کے پاس فی الحقیقت کوئی علم تھا۔ مذہب کی اعتقادی صورت خواہ کچھ ہی بن جائے لیکن فطرت کے طالب علم کو اس حقیقت کے اعتراف کے سوا چارہ نہیں۔

اور بہجت ہی، خلد و دوام ہے، بقا و ارتقا ہے؟ ایک اُمت کیوں اس روئے زمین سے چشم زدن میں مٹ جاتی ہے؟ دوسری اُسکی جگہ کیوں اور کس استعداد پر لے لیتی ہے؟ یہ کیا رسم مُداولت ہی! کیا رعشہ برانگیز قانون ہے جو اس قوت اور زور کے ساتھ اس دنیا میں نافذ ہے۔ اسکا تھل بیڑا کہاں ہے، اسکا سر بمُہر راز کیا ہی؟ **معرفت نفس** کی یہ وہ پہلی منزل تھی، جو مغرب کو فطرت کے پیہم مشاہدے اور استقصا کے بعد ملی، اور اسکے بارے میں آجتک وہ شبانہ روز سعی و تلاش کے باوجود کمال تحیّر میں ہیں۔ انگلستان کے مشہور طبعی ڈارون نے اور حکما کی معیت میں مُدۃ العمر سعی و جدل کے بعد اس سوال کے جواب میں **بقائے اصلح** کے عالم انگیز مسئلے کو پیش کیا، اُنھوں نے حیوانی اُمتوں کے مد و جزر کے بارے میں بہت کچھ چھان بین کی، اصلحیت کے چند موٹے موٹے اصول بیان کیئے، قانون موت و حیات کی ایک لگتی ہوئی تعریف وضع کی، مگر جب اس کا اطلاق **انسانی** اُمتوں پر کیا گیا، تو صلاح کی تعریف میں بیحد واماندگیاں، بے اندازہ مشکلات، ناپیش دیدہ رکاوٹیں پیش آئیں۔ وہی تعریف صلاح، جو حیوانی اُمتوں کے بارے میں بادی الرائے میں فیصلہ کن معلوم دیتی تھی، انسانی اقوام کے رُو سے ازبس ناکمل، بیحد نارسا و ناقص بلکہ اکثر اوقات **غلط** نظر آئی۔ انسانی فطرت کا ہمہ تن ادنیٰ حیوانی جبلّت پر مجبول ہونا بھی بجائے خود ایک مشکوک مسئلہ تھا جسکے تتبع میں مغرب نے ناروا غلو کیا، اس کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ مغرب کی تمام تہذیب میں بہیمیت، وحشیت، درندہ پن اور نوعی انحطاط کے آثار نمایاں ہونے لگے، بااین ہمہ مغرب نے آجتک کلام وحی کیطرف رجوع نہیں کیا، اُنھوں نے **اعمال** خدا کے مطالعے کو چھوڑ کر **الفاظ** خدا کے مطالعے کی طرف توجہ نہیں کی، اُن کا ذہن اسطرف منتقل ہی نہیں ہوا کہ انبیائے کرام علیہم السلام نے اپنی بلند اجماعی نظر سے وہ بات حتماً پالی تھی جس تک اُنکی دور بینیں قطعاً نہیں پونہچ سکتیں۔ اُن کا علم اُنکو نقد و نظر کے اس **اُفق اعلیٰ** تک لیگیا تھا جہاں آج بھی کسی بڑے سے بڑے وسیع النظر طبعی کا پونہچنا محال ہے! وہ آئے تھے اور اپنے ساتھ زورِ عمل لائے تھے! آسماں شگاف علم لائے تھے! اُمتوں کو آسمان تک اٹھا دینے کے **بیرم** لائے تھے! زمین کو تہ و بالا کر دینے کے **کُدال** لائے تھے! اُنکی دقت نظر میں آسمان

✝ اس مسئلے کی شرح دبسط اصل کتاب کے تحت المتن صفحہ ۱۱-۳۷ میں کر دی گئی ہے +

اُن کی پشت پناہ تھا۔ خلاقِ ارض و سما اُن کی تائید میں تھا! زمین اُنکے علم و عزم کے آگے پانی کی طرح بہ جاتی تھی! بحر و بحر اُن کے حوصلوں اور یقین کو دیکھکر سپر ڈال دیتے تھے! جبتک انسانی افراد میں اس طاقتِ عمل، اِس قدوسی علم، اِس آلہی ایمان اور یقین، اِس روحانیت، اِس لازوال **عزم** کا جز و قلیل موجود نہ رہے، اُمتیں کیونکر اس دنیا میں دوام حاصل کر سکتی ہیں۔ **صلاحیّت** یہی ہے کہ انسانی چلن انسانی **فطرت** پر قائم رہے، سفلی تغیر قبول نہ کر سکے، **بہتر** اور قائم تر فطرت کی طرف رجوع کرے، ادنیٰ جبلت کیطرف راغب نہ ہو، اُمت فی الجملہ **امن** میں ہو، اسکے ہر عضو میں بیداری اور تڑپ برقرار ہو، سب اعضا متناسب ہوں، بڑھے گھٹے نہ ہوں، اسکے کسی شعبے میں نقص پیدا نہ ہو، اگر کوئی قوم کسی ایک حصۂ عمل میں بے اندازہ طور پر بڑھ گئی ہے درانحالیکہ باقی حصے بے نشو و نما پڑے ہیں تو وہ درحقیقت صالح نہیں، وہ ایک بیڈول پیدائش ہے مضغۂ بے ہنگم ہے، اعجوبۂ خلقت ہے! ایسی بدشکل اُمت کا اِس **متناسب** اور **خوبصورت** دنیا میں کسی مدید مدت تک رہنا محال ہے!

یہی وجہ ہے کہ حکمائے مغرب نے صُلاح کی صحیح تعریف وضع کرنے میں بے اندازہ واماندگیاں بلکہ فاش غلطیاں کی ہیں، انہوں نے احوال تاریخ کو یا اپنے سے **ادنیٰ** مخلوق کے فطری عوائد کو ہی علم الدین کا صحیح ماخذ قرار دے کر انسانی اخلاق کی تعمیر اُن احوال و عوائد پر کی، اور محکمۂ قضاو قدر کے فیصلہ جات سمجھنے میں ایک صاحبِ ارادہ خدا کی مشیت اور صاحب ارادہ انسان کے اہم ترین عناصر کو بیدخل کر دیا، وہ اس نارواتخیّل میں لگے رہے کہ مدوجزر اقوام کے قانون کی تدوین بھی لامحالہ اُسی انداز پر ہے جسپر جر ثقیل یا علم حساب کے قواعد مرتب کر دیئے جاتے ہیں، اور جسطرح پر خواص الاشیاء کے معلوم کر لینے سے مرکّبات کے خواص کیطرف رہنمائی ہوتی ہے اسیطرح افراد کے مطالعے سے اقوام، اور عام حیوانی مخلوق کے مطالعے سے خاص انسانی مخلوق کی طبیعت اور فطری میلان کا کامل پتہ لگ سکتا ہے۔ یہ طرزِ خیال بجائے خود آج اسقدر کم نفعمند ثابت ہوا ہے کہ جہاں صلاحیت کا صحیح تخیّل مغرب کو مادی ترقی کے مدارج اعلیٰ پر چڑھ جانے میں بیش از بیش کامیاب ہوا ہے، وہاں اُسکا غلط مفہوم اسکو اخلاق

انحطاط کے درک اسفل کیطرف نہایت تیزی سے گھسیٹ رہا ہے۔ وہ آج سب کے سب اپنی **مادیت** پر خوش ہونے کی بجائے اپنے فقدان **روحانیت** کا ماتم کر رہے ہیں۔ سیاست کا صحیح علم اگر کہیں انکو ایک گز ابھار رہا ہے تو روحانیت سے کم علمی دوسری جگہ انکو دو گز دبا دیتی ہے۔ وہی تمدن جو اپنی حیرت انگیز قوت استنفاع کے باعث دنیا کے ہر گوشے کو آباد اور پر رونق کر رہا ہے، اُن کے اپنے گھروں کو دردناک طور پر اُجاڑ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اشیائے فطرت کے بیمثال علم اور ابدانِ عالم کے متعلق صحیح خبر کے باوجود مغرب کا روئے زمین پر **دوام** از بس مشتبہ امر ہے! وہ **علم الدین** سے کما حقہٗ بہت کم واقف ہیں، انکو اس دنیا کے اندر **صراط مستقیم** کے ایک اہم حصے کی کچھ خبر نہیں رہی۔ سیاست اور مادیت کے ناروا غلو نے نامعلوم طور پر یہ بات اُنکی گھٹی میں ڈال دی ہے کہ اس دنیا کے اندر اصلیت محض جسمانی **زور** اور مادی طاقت ہی ہے، یہی کثیر مخلوق کے اخلاق کا جزوِ اعظم ہے، اسی کے اندر بقائے انواع کا راز ہے![1] وہ اس مادی زور کو بدرجۂ اتم حاصل کرنیکے لیے سب ممکن اشیائے فطرت کو کرایہ پر لے رہے ہیں۔ اور اُن کی وساطت سے زور آور بنتے ہیں۔ لیکن افراد کی روحانی صلاحیت اور تہذیب نفس کے آسمان شکن زور کی اُن کو کچھ خبر نہیں، وہ اپنی باطنی ملکوتی طاقتوں کو مادیت کی بیجان قربان گاہ پر چڑھا رہے ہیں۔ اور بیرحم زمانے کے ہاتھوں جلد مٹ رہے ہیں! اسی غیر روحانی اور کرایہ پر لیے ہوئے زور کا اشد شدید مبلغ المانیہ کی بے مثال **جُندیت** تھی جس کا بیشتر حصہ حال کے محاربۂ عظمی میں تباہ ہوا اور اسی خواہش کا ادنیٰ مظہر انگریز کی قزاقانہ **جوع الارض** اور اُسکا تحکمانہ استیلاہے جو آج اُسکی اجتماعی بیخ و بنیاد کو کھوکھلا کر رہا ہے!

مغربی اقوام کے بالمقابل مشرقی اقوام میں صلاحیت کا مادی اور روحانی تخیل دونوں اصلاً مفقود ہو چکے ہیں اُنکے نزدیک فطرت کا یہ کارگاہ اعظم اصلاً بیکار اور **باطل** ہے، اسمیں کچھ شئے لائق تفتیش نہیں، کچھ سعی و عمل کی اہل نہیں۔ دنیا کو غائر نظر سے دیکھنا اُن کی نظروں میں عبث ہے۔ اس جہان میں خوش اسلوبی اور زور سے رہنا اُنکی نگاہوں میں نقش بر آب پیدا کرنے کی سعی کرنا ہے۔ وہ خدا کی اس عظیم الشان صنعت پر لات مارنا

[1] دیکھو اصل کتاب صفحہ ۱۲-۱۳ بحث المتن شق سوم و چہارم مسئلہ ارتقا۔

خوشنودیٔ خدا سمجھتے ہیں، اور آخرت کے دوام و بقا کے دل خوش کن تصور میں غرق ہیں! روحانیت اُن کے
عالم خیال میں ایک بے ہمہ زندگی ہے جسکا نتیجہ بیکاری اور جمود ہے، فطرت کے عطا کیئے ہوئے اعضا کا انطال ہے
بے نتیجہ مجاہدے اور ہیچکارہ اعمال ہیں، یا کم از کم ایک ناکارآمد زہد و تورع ہے جس کا حلقہ اثر دس قدم تک وسعت
نہیں رکھتا! صلاحیت کا وہ مصلح جماعت مقلب القلوب اور انقلاب انگیز تخیل جو انبیائے کرام نے کسی زمانے
میں رواں کیا تھا۔ آج مشرق میں حرف غلط کی طرح مٹ چکا ہے، اور اس کائنات شرط و جزا اور مسلسل سعی و
عمل میں بیکار بن بن کر دکھ پانا اُنکا شیوۂ اعتقاد ہو گیا ہے! مذہب و سیاست اُنکے ہاں ایک دوسرے سے اس قدر
الگ ہو چکے ہیں کہ گویا اُنکے مابین کوئی مابہ الاشتراک قطعاً نہ تھا۔ وہ سیاست جو روحانیت کے زور اثر پر اقوام
عالم کو انبیاء کی وساطت سے ملی تھی اقلیم آخرت کیلئے مدون ہو گئی ہے! گبر و برہمن، بدھ اور مسلم، سب اس
سعی ناشکور میں مصروف ہیں کہ دنیا کے نقد کو غیر کے ہاتھ دے کر آخرت کے نسیے کو بزعم خود خرید
لیں، اور کم از کم اس دنیا کے لیئے مذہب کا ہونا بیکار ثابت کریں۔ الغرض جہاں نقد پسند مغرب صلاحیت کو
جسمانی قوت کی پیدا کی ہوئی سیاست کے ماسوا کچھ اور سمجھنا گناہ سمجھتا ہے، اور مذہب کے اجنبی اور ناخوش آیند مہمان
کو اُسکے اصلی وطن (ایشیا) میں دھکیل کر زور کی اکڑ پر اس دنیا میں دوام کی لاطائل سعی کر رہا ہے وہاں مشرق
کا نسیہ پسند ابلہ روحانیت کے اصلی مفہوم کو خیرباد کہکر کمزوری اور جمود کی پاکبازی اور ہمہ فروشی سے ہی
اپنے آپ کو صالح سمجھتا ہے اور اپنے ہاتھوں آپ مٹ رہنے میں بقا کا راز عبث ٹٹول رہا ہے!

میرا یقین ہے کہ سعی و سکون کے یہ دونوں مناظر افراط و تفریط کے مناظر ہیں، فنا و استہلاک کے
مناظر ہیں، حفظ و امن کے مناظر نہیں! اس دنیا کی چار دیواری میں رہ کر کسی قوم کا سچا مذہب اُسکے دوام و
بقا کا مذہب ہی ہے اور یہی سچی سیاست اور سچی صلاحیت ہے۔ دوام کے لیئے جہاں اشد شدید
زور کی قطعی ضرورت ہے وہاں اس زور کو برقرار رکھنے کے لیئے انتہائی تزکیۂ نفس واحد اور آخری وسیلہ
ہے۔ بہت ممکن ہے کہ کرایہ پر لیئے ہوئے انسانوں یا زر کے منتظر مزدوروں کی ایک جماعت اس دنیا کے اندر

چند لمحوں کیلئے زور پیدا کردے، اُسمیں سب لازمات غلبہ و استیلا کے موجود ہوں، اُسمیں جوبات ہو لاجواب اور بے مثال نظر آئے، زور آوروں میں اشد زور ہو، کمزوروں میں اشد کمزوری ہو، ایک طرف کمال بہجت و انبساط ہو، دوسری طرف انتہائے عجز ہو، لیکن ایسے زرخرید زور کو دوام قطعاً نہیں! اسمیں صلاح کی باطنی استقامت نہیں، اسمیں بلور کی انکساری صلاوت موجود ہے، لیکن فولاد کی اندفاعی لچک قطعاً نہیں۔ ایسی بنا کی مثال ایک مکڑی کے جالے کی ہے جسکو باد تُند کا ذرا سا جھونکا کالعدم کردیتا ہے، اور بعد ازاں اُس ڈول آویز تعمیر کا نشان تک باقی نہیں رہتا۔ یورپ کے تمدن کا جزو اعظم اسی کمزوری اور نادوربینی پر مبنی ہے۔ اقوام کے امن دنیا میں بقا کیلئے ضروری ہے کہ اسکے افراد کا تخلّق حتی الوسع صانعِ فطرت کے اخلاق سے مماثل ہو، اشرف الخلق انسان سے کسی برتر مخلوق بننے کا تہیہ ہو، نہ یہ کہ سفلی پیدائش سے ارتقا کیا ہوا انسان، پھر اسی درک اسفل کی طرف لوٹ آئے۔ ایسی تہذیب اپنے پاؤں پر آپ تبر مار رہی ہے گو کہ اپنے زور کے نشے میں وہ فی الحال اسقدر بست ہو کہ اس خودکشی کا کچھ اندازہ نہ کرسکے!

میرا یقین ہے کہ مغرب کو ایک نہ ایک دن اعمال خدا کے مشاہدے کو کچھ مدت کیلئے ملتوی کرکے الفاظ خدا کے مطالعے کی طرف آنا پڑے گا! اُس دن اُنکی سب حیرت اور مُذبذب حالت تیقّن میں بدل جائے گی! فطرِ مستقیم کے بارے میں اُنکے سب شکوک رفع ہوجائینگے! "صلاح" کا اکثر غلط تخیّل درست ہوکر مکمل ہوجائیگا! اُنکے علم فطرت سے مستنبط کیے ہوئے اکثر معاشری اور تہذیبی اصول کی تائید ہزاروں برس پیشتر کے کہے ہوئے الفاظ سے حیرت انگیز طور پر ہوگی! اُن کو انبیاء کے اس دنیا میں علمی مقام کا صحیح اندازہ ہوجائے گا! اپنی غلط روی کے متعلق صحیح اور نتیجہ خیز معلومات ملیں گی، صحیح روی کی الٰہی اور سرکاری سند ملجائے گی، پھر اُن کا فاطر زمین و آسمان سے یہ تجاہل عارفانہ بھی نہ رہ سکیگا! "منکر مے بُنکر ہمرنگ مستان زیستن" کے مصداق نہ رہ سکیں گے! اُس حکیم علی الاطلاق کی حکمت پر کھلا اور بے حجابانہ یقین، اُسکے اعمال پر محققانہ نظر، اُس کے الفاظ کی خادمانہ قدر، اُسکی رحمت کی بے محابا تمنائیں اور تقدّم کے بڑھے ہوئے حوصلے اس کشت زار عمل کو ہری بھری کردینگے! پھر انسان

بھی ایک دوسرے سے اُلفت سے رہا کرے گا۔ آئے دن کے مقاتلوں کا جہنم اُسکی معاشری بہجت کے بہشت کو کچھ منغص نہ کر سکے گا۔ اگر مغرب اور مشرق نے فی الحقیقت مذہب کو **علم** کی نظر سے دیکھا، اور علم نے بھی اسکو اپنی آغوش لطف و مرحمت میں لیکر، کلام خدا کو از سرِ نو انسان کا مشترک صراط مستقیم اُسکا واحد دستور العمل، رب العٰلمین کا ایک اور اٹل پیغام، اسکا ایک اور ناقابل بدل قانون بلکہ انسان کا ملجائے وحید اور ماوائے فرید ثابت کر دیا، اور اگر ساکنانِ زمین نے بھی دانشمندی اور تدبر سے کام لیکر پیغمبرانِ جہان کی ذاتیات پر بحث کرنے کی بجائے خدائے عظیم کے **نفس الامر** کیطرف توجہ کی، سب فروعات اور ظواہر کو بالائے طاق رکھکر اصل قانون کو اپنا شیوۂ عمل بنالیا، تو جہنم کے سب دروازے یک بیک بند ہو جائینگے! اس دنیا میں پُرکار شیطان کا کچھ کام نہیں رہیگا، اور بد قسمت زمین پر اُسکے مستقر[*] ہونے کی بجائے اُسکو کسی اور آسمانی کُرے کی طرف بھاگنا پڑے گا!

وحی کی صحیح حقیقت اور عظمت بھی آج ہی نسل انسانی پر عیاں ہو سکتی ہے جب کہ اُسکا **علم** اوجِ کمال پر پہنچ رہا ہے، جب اُسکو **مریخ** سے ہمکلام ہونے کی آرزو ہے، جب اُسکے سمع و بصر کی حکومت بامِ آسمان تک پہنچ چکی ہے، جب اُسکا رسا ذہن اس سحرستان کائنات کو اجتماعی نظر سے دیکھ رہا ہے، جب اُمتوں کے فنا و بقا کی مکمل تصویر اُن کی آنکھوں کے سامنے موجود ہے! جاہل اور کوتاہ نظر اُمتوں نے جو آج سے پہلے ہو گذری ہیں اُس مالک سمع و بصر اور علامہ مطلق خدا کے کلام کو کیا سمجھا ہوگا، اسکے ناپیدا کنار علم کی کیا قدر کی ہوگی، اُسکے عاجز نواز احکام کی کیا لِم سوچی ہوگی، درانحالیکہ وہ سمجھتے رہے کہ زمین کا چورس ٹکڑا بیل کے سینگ پر پڑا چکر کھا رہا ہے، اور بیل مچھلی کی کمر پر ٹکا ہے"! وہ کیا سمجھتے ہونگے کہ اس مالک زمین و آسمان نے کیا کہا؟ کس غرض و مطلب کو سوچ کر کہا؟ کس منتہائے جلیل کو پیش نظر رکھکر کہا؟ توحید پر اصرار کیوں ہے؟ شیطان سے احتراز کیا ہے؟ ایمان کا کیا مطلب ہے؟ اتقا سے کیا مقصود ہے؟ تفریق کیوں منع ہے؟ اتحاد کی تشویق کیسی ہے؟ بہشت اور دوزخ کیا ہیں؟ جاتروں کی کیوں تاکید ہے؟ تزکیۂ نفس کی ترغیب کیونکر ہے؟ پُن دان، نکوکاری کا کیا

---

[*] از روئے قرآن بظاہر شیطان کا مستقر صرف ارض ہی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ الفاظ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ سے ظاہر ہے۔

مُدّعا ہی وغیرہ وغیرہ؟ آج اس علم و شہادت کے زمانے ہیں ہی مذہب کے اوامر و نواہی اپنے صحیح اور اصلی رنگ میں ظاہر ہوسکتے ہیں، اُن کے مقاصد کی صحیح تعیین ہوسکتی ہے، اُن سے مستقل نتائج اخذ ہوسکتے ہیں، اُن سے قانون خدا اور امر رب العلمین کا پتہ چل سکتا ہے، نوکر کو آقا کا صحیح عندیہ اور آقا کو نوکر سے سچی رسم و راہ پیدا ہوسکتی ہے، سب ذاتیات اور تعصب، سب غلو فی الدین اور افراط و تفریط قطعاً نابود ہوسکتے ہیں، اس امر کا وثوق کے ساتھ فیصلہ ہوسکتا ہے کہ **پیغام** فی الحقیقت **ایک** ہی تھا، صرف اُسپر عمل کرنیکے مظاہر جُدا جُدا تھے، مقصود بالذات **اصل** دین ہی ہے، قانون فطرت ہی ہے، عادتِ خدا کو سمجھنا ہی ہے! فروعات اور ظواہر اصل مذہب حتماً نہیں! نہیں بلکہ جو قوم **اصل** کو پکڑے ہوئے ہے وہی اُسکے خزانہ عامرہ سے انعام پا رہی ہے، جس نے روح کو، نفس الامر کو، صدق بسیط کو چھوڑ دیا وہی ہلاک ہو رہی ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے جب اتحاد عالم کا نصب العین پیش از پیش معرض عمل میں آسکتا ہے، جب ہوشمندانِ زمین کی ایک موتمر علم کی مشعل کو ہاتھ میں لیکر دنیا کو ایک راہ پر لگا سکتی ہے، جب مذہب کا افواہی اور **قولی** شعبہ حرف غلط بنکر مٹ سکتا ہے، جب اسکا **عملی** اور اتحادی پہلو ذہنوں پر پتھر کی لکیر بن سکتا ہے، جب اسکے حزبی اور اختلافی، بغاوتی اور حسدی اثر کے کالعدم ہونے کا امکان ہے، جب آمین بالجہر اور آمین بالخفی کی سب مضحکہ انگیز بحثیں طرفۃ العین میں بند ہوسکتی ہیں، جب سچ اور جھوٹ، روا اور ناروا کا تصفیہ لمحۃ البصر میں ہوسکتا ہے! وحی کی سچی قدر، اُسپر سچا اور بے ریا یقین، اُسپر مسلسل اور نتیجہ خیز عمل، اُسپر کامل اور لاینفک اتحاد درحقیقت **علم** ہی سے ہوسکتا ہے، اور وہی صراط مستقیم صحیح معنوں میں بقا انگیز اور تقدم خیز ہے جسکے مسلّمہ اصول کی تائید براہ راست **وحی** سے ہوئی۔ دنیا کی سب سے آخری کتاب وحی (یعنی قرآن) نے نوع انسان کی موجودہ تفریق آراء صورت بلکہ مذہب کی ماہیت کا فیصلہ یک قلم اس بنا پر کر دیا ہے کہ مناسک اور ظواہر اور شئے ہیں اور امر اور چیز ہے: لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ[۱] (الحج ۲) گویا مناسک کو بنائے نزاع سمجھکر **قانون** رب العلمین میں جھگڑا پیدا کرنا ہی **صراط مستقیم** اور مذہب سے پرے ہٹنا ہے!

[۱] اس آیت بقیہ کے صحیح مطالب کے متعلق ایک مبسوط بحث اصل کتاب میں صفحہ ۲۲۸-۲۳۴ کے تحت المتن ہو رہی گئی ہے۔

لیکن عُلمائے جہان کی متذکرہ صدر مؤثر سے قطع نظر ہوشمند اشخاص اپنی اپنی مطالعہ گاہوں میں بیٹھے ہوئے بطور خود اِس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ دنیا کے سب مروجہ آسمانی صحائف کے اندر اُنکی اِس محرّف شدہ صورت میں بھی **وحدت** پیام کی ایک نہر سلسبیل دوڑ رہی ہے، سب کا بین السطور مدعا او رمنتہا وہی ہے، مطمع نظر ایک ہے، امر ایک ہے، اگرچہ ظواہر اور مناسک اکثر حالات میں الگ الگ ہیں۔ اگر کہیں کوئی اختلاف اِس امرِ عظیم پر عمل کرنے میں رُونما ہوا ہے تو وہ صرف نقطۂ نظر کا اختلاف ہے، منظر تصویر کا اختلاف ہی، رؤیائے قلب کا اختلاف ہرگز نہیں - یہی باعث ہے کہ دنیا میں جسقدر پیغامبر آئے اپنے سے پہلے پیغمبروں کی **تصدیق** کرتے رہے، بُدھ نے کرشنؑ کی تائید کی، موسیٰؑ نے ابراہیمؑ کی تصدیق کی، عیسیٰؑ نے موسوی شریعت کو بنا قرار دیا، محمد صلعم نے سب انبیاء کو بلکہ ہر قوم کے ہادی کو، ہر قریے کے نذیر کو، ہر اُمت کے رسولؐ کو مانا، حتیٰ کہ سکھ اُمت کے پیشوا **نانک** علیہ الرحمۃ نے بھی ختمِ رسلؐ اور باقی سب ایلچیوں کو برابر سمجھا! یہ تصدیق بذات خود اِس امر کی تصدیق ہے کہ یہ سب لوگ آپس میں **راز داں** تھے، ایک ہی قانون سے واقف تھے، ایک ہی امرِ مہم سے آشنا تھے، گویا سب **سیانے** تھے اور ایک ہی **مت** رکھتے تھے! بلند بینی اور وسیع نظری کے باعث اُن کے ذہن اسقدر رسا اور اُنکی تعلیم اسقدر حقیقت کشا بن گئی تھی کہ ظواہر اور شعائر کا اختلاف اُنکو کچھ اختلاف دکھائی نہ دیتا تھا! اُنکی نگاہیں اُس **قانون**، اُس نفس الامر، اُس دینِ فطرت کی طرف لگی تھیں جسپر چلکر ہر جا **امن** ہے، قوموں اور قبیلوں کا امن ہے، گھروں اور افراد کا امن ہے! مثال کے طور پر عرب کے آخری پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آسمانی کتاب ابراہیم، موسیٰ، داؤد، عیسیٰ، وغیرہم علیہم السلام سب انبیاء کی اپنے اپنے وقت میں مروّجہ نمازوں کو اُسی ایک لفظ "الصلوٰۃ" سے تعبیر کرتی ہے، وہی "الزکوٰۃ" کا لفظ سب کے بارے میں موجود ہے، صوم کے بارے میں وہی کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لکھا ہے، حج، جہاد، ہجرت، سب اوامر کی توصیف میں جو آج ایک مختص شریعت سے مخصوص ہو کر اُس مذہب کے شعائر بن چکے ہیں، وہی مشترک الفاظ ہیں، سب کے لیے یکساں ثواب اور برابر کا عذاب متعین ہے، حالانکہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ ان سب کے **ظواہر** الگ الگ تھے، نماز کے وہ رکوع و سجود نہ تھے،

زکوٰۃ کے وہ حصّے بخرے نہ تھے، صوم کیلئے وہ ماہ رمضان نہ تھا وہ اوقات نہ تھے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب اس لیئے
کہ قرآن کو نفس الامر کے بیان کرنیسے غرض ہے، کسی اُمّت کی سطحیات سے اسکو کچھ بحث نہیں۔ اسکے نزدیک
آج بھی الصّلوٰۃ وُہ شئی ہے جو وُہی تخیّف دل، وُہ نتیجہ خیز اطاعت، وُہ ضبطِ نفس، وُہ توقیت عمل، وُہ اخوّت
اور موالات، وُہ تعاون اور محافظت پیدا کردے جو ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰ علیہم السلام کے لائے ہوئے پیغام
میں مقصود تھی[†]، محمّدی نماز کے ظواہر اور ارکان سے اسکو کچھ سروکار نہیں۔ اور جس طرح بھی نتائج پیدا ہو جائیں
اسکی نظروں میں بارگاہ خدا میں قبول ہیں۔ نہیں بلکہ اگر کسی نماز سے وہ بات پیدا نہیں ہوتی تو قرآن کی مطلق
لغت میں ظواہر کا وہ بے روح پیکر "الصّلوٰۃ" کہلانے کا اہل نہیں۔ انبیائے کرام علیہم الصّلوٰۃ والسلام نے قانون
خدا کو بعینہٖ اسی نقطۂ نگاہ سے دیکھا، اور اسی لیئے سب نے ایک دیکھا، سب نے اصلیت اور حقیقت کو پایا۔ اور اگر
آج بھی صُحفِ آسمانی کا مطالعہ اس مقام نظر سے کیا جائے تو پیغامِ خدا کی حقیقت کو پالینا اور تمام عالم کا ایک نقطۂ توحید
پر متفق ہو جانا کچھ متعذر نہیں۔ البتہ اس غرض و مطلب کے لیئے ناخدایانِ ملّت کا قانون خدا کے بحرِ ذخّار کو علم و نبوّت
کی عینک سے دیکھنا لازمی ہے، جہالت کی تنگ چشمی اس صراطِ مستقیم کا کچھ فیصلہ نہیں کر سکتی!

مجھے یقین ہو چکا ہے کہ اس قانونِ خدا اور امر ربّ العٰلمین کی حقیقت تک تمام و کمال پہنچنے کیلئے **قرآن حکیم**
سے بہتر، **کامل تر**، **واضح تر** اور **صحیح تر** آسمانی کتاب اس دنیا میں کہیں موجود نہیں۔ سب آسمانی صحیفے اپنے اپنے
وقت نزول سے آجتک کم و بیش **لفظی تحریف** کا شکار ہو چکے ہیں، اُن میں سے اکثر کے الفاظِ وحی روئے زمین سے
کلیّۃً ناپید ہیں، اکثر میں مرورِ وقت کے باعث ردّ و بدل وارد ہو چکا ہے حتّٰی کہ خود حاملانِ وحی کو اس حقیقت کا
اعتراف ہے، لیکن لفظی تحریف کا گناہ عظیم انسان نے کم از کم اس کتاب کے بارے میں حتّٰی نہیں کیا۔ قرآن حکیم کے
مطالب اور **مقاصد** میں اگرچہ بے حد **معنوی تحریف** ہو چکی ہے، اُس کا اصلی اور نبوی منشا جُہلا اور
عُلما کی متفقہ تاویل کے باعث اکثر خبط ہو گیا ہے، اُسکے معانی پر جبید شرعی اور فقہی غلاف پڑ چکے ہیں، اُسکے کسی ایک

[†] الصّلوٰۃ کی حکمت کے متعلق ایک مشرح بحث اصل کتاب میں صفحہ ۲۰۳ الخ پر آرہی ہے جس سے معلوم ہو جائیگا کہ قرآن حکیم کا مقصود بالذات نماز سے یہی تھا جو بیان ہوا۔

امر مہم کا اٰلٰہی مفہوم صحیح طور پر مسلمانانِ عالم کے ذہنوں میں باقی نہیں رہا، اُسکے اوامر و نواہی پر اعتقاد آج صرف اقوال اور افواہ تک محدود رہ گیا ہے، اسکو لوگ جو کچھ مان رہے ہیں مُونہوں اور لفظوں، پھونکوں اور استخاروں سے مان رہے ہیں، لیکن اسکے الفاظ بعینہٖ اور باصلہ موجود ہیں۔ انسان کا بڑے سے بڑا فریب بھی اب انکو بدل نہیں سکتا، انکی کچھ کتر بیونت نہیں کرسکتا۔ محقق کیلئے اِس کتاب کا روئے زمین پر موجود ہونا ایک غیر مترقبہ نعمت اسلیئے ہے کہ صحفِ آسمانی کے اضافی مطالب میں قرآنِ حکیم کے الفاظ اور تحقیق شدہ مطالب کی رہنمائی صحیح منشائے خدا کی طرف سچی رہنمائی ہے۔ جہاں اور سب کُتُبِ آسمانی اپنی موجودہ حالت میں کسی ایک امر کے بارے میں کوئی حکمی فیصلہ نہیں کرسکتیں، وہاں قرآن اُس امر کے متعلق اپنا قطعی اور آسمانی فیصلہ دے سکتا ہے۔ یہی نہیں، بلکہ جو مشترک باتیں آسمانی صحائف میں اسوقت پائی جاتی ہیں، اور جن کا وجود اِس آخری کتاب سے بھی ثابت ہے، اُن سب کا قرآن صحیح معنوں میں مُصدّق بنجاتا ہے۔ اِس مقام نظر سے اگر کسی مزعومہ آسمانی کتاب کے اکثر مضامین اور قرآن کے مابین کوئی مابہ الاشتراک ثابت ہوگیا ہے تو اُس مزعومہ کتاب کا اُسکے اپنے عہدِ نزول میں منجانب اللہ ہونا بھی متحقق ہے۔ الغرض مذہب کو علم کے بلند درجے تک پہونچانیکے لیئے یہ گوہرِ نایاب ازبس بے بہا اور گرانمایہ ہے۔ طالبِ حقیقت کی انتہائی خوش قسمتی ہے کہ اُن کے پاس کم ازکم ایک ایسی کتاب موجود ہے جسکو خدا کے ہاں سے براہ راست ہونے کا ادّعا ہے، اور جو آپ نامحرّف اور بے غل و غش خالص ہے! اسکا کام اب صرف اتنا ہے کہ اسکو علم کی کسوٹی پر کھا حقّہٗ پرکھ کر سونا ثابت کردے، یا اگر وہ اس محک پر پوری نہیں اُتر سکتی تو اسکا ناقص عیار ہونا علی الاعلان ثابت کرکے دنیا کو مذہب کے "فریبِ عظیم" سے یکسر نجات دلوادے!

یہ وہ خیالات ہیں جنکی بنا پر میں اِس کتاب کو ساکنانِ زمین کے سامنے پیش کرنے پر مجبور ہوگیا ہوں۔ مجھے یقین ہوچکا ہے کہ قرآنِ حکیم اپنی جامعیت اور مانعیت میں، اپنی حجت اور حکمت میں، اپنے علم و خبر میں وہ فقید المثال کتاب ہے کہ اسکا علم انسانی دانست کے ہر ممکن معراج سے بالاتر ہے۔ سب آسمانی کتابیں قانونِ خدا اور دینِ فطرت کے صرف بعض یا اکثر حصّوں کو پیش کرتی ہیں مگر یہ نادر الوجود صحیفہ اسکو بہ تمام و کمال پیش کررہا ہے۔ انسانی معاشرت

اور تمدن ، دنیاوی بہجت اور امن ، علمی تقدم اور عمران ، عملی فوقیت اور اقدام کا کوئی شعبہ نہیں جسکو حاصل اور برقرار
رکھنے کیلئے اسکے اندر مکمل اور معنی خیز اشارات نہ موجود ہوں۔ تہذیب کے ہر مرحلے میں ، عمران کی ہر منزل میں تقدم
کے ہر قدم پر یہ کتاب انسان کیلئے سچی رہنما ہے۔ اسکی انگشتِ زنہار لامحالہ اسی طرف اشارہ کر رہی ہے جسطرف بالآخر
نقصان ہے ، اجتماعی ضعف ہے ، مجموعی موت ہے ! اسکا بیخوف و خطر حکم اسی صراطِ مستقیم کی طرف ہے جسپر چل کر
امن ہے ، خلد و بقا ہے ، **نعمت** اور **عزت** ہے ! اسکا اہم ترین مطمحِ نظر اُمتوں کی **اجتماعی حالت**
کی اصلاح ہے ، لیکن اسی مجموعی بست و کشاد کے ضمن میں اسنے افراد کی شخصی فلاح کا اٹل دستور العمل بھی پیش
کر دیا ہے۔ اسکو روئے زمین پر بھیجنے والا وہ صاحبِ تام علم و خبر ، وہ مالکِ تمام سمع و بصر ، اور وہ عالم الغیب و الشہادۃ ہے
کہ بنی نوع انسان کے انتہائی ارتقا کو ہزاروں بلکہ لاکھوں برس پہلے دیکھ رہا ہے ! صدہا برس کے گذشتہ واقعات
کی سند پیش کر رہا ہے ، امن کے لازمات کی طرف اشارہ کر رہا ہے ، خوف کے مقامات سے ڈرا رہا ہے۔ الغرض
جو کہہ رہا ہے قوت اور زور سے کہہ رہا ہے ، یقین اور وثوق سے کہہ رہا ہے ، غنا اور بے نیازی سے کہہ رہا ہے !
اسکا قانون اسقدر مکمل ہے کہ نارسا نظریں اسمیں عیب نکالتی ہیں ، اسمیں کجی دیکھتی ہیں ، اسکے متعلق شکوک پیدا ہوتے
ہیں مگر علم کی وسعت اور بلند بینی پھر اُن شکوک کو مشکوک کر دیتی ہے ! ہر شک کے متعلق نئے احوال ، نئی معلومات ،
نئے مقام نظر آئے دن ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور مشکک کو بالآخر درماندہ اور سپر انداختہ کر دیتے ہیں ! مقام
نساء ، تعدد ازدواج ، ممانعت خمر ، معاشری مساوات وغیرہ وغیرہ چند در چند ایسے مسئلے ہیں جنکے متعلق دنیا تمدن کے
اس مرحلے میں مشکل سے یک رائے و یک زبان ہو سکے گی ، اُنپر جبتک انسانی فطرت کا علم نامکمل ہے بحث کا سلسلہ
جاری رہ سکیگا مگر ان مباحثِ دقیقہ کے متعلق قرآن کے قطعی اور حکمی فیصلے وہی ہیں جنپر دنیا کی عام رائے کا اہم ترین
حصہ نامحسوس طور پر متفق ہو رہا ہے ! وہ وہی ہیں جو تلخ تجربوں ، فطری گناہ کی سزاؤں ، پشتینی غفلتوں کے سم آلود
نتیجوں ، افراط و تفریط کے مہلک اور قاطع النسل اثرات اور ترقی علم سے اخذ ہو کر دنیا کو نئی راہوں پر لگا رہے ہیں ! دنیا
کس کشمکش و پیچ میں گرفتار ہے ، صراطِ مستقیم کی تلاش میں یہ غلط اور وہ صحیح بار بار کہتی رہے ، زید سے ہٹ کر عمرو کیطرف

اور عمرو سے بکر کی طرف راجع ہو، مگر قرآنی محاکمے **ناقابلِ بدل** اسلیئے ہیں کہ **بالآخر** انسانی طبیعت اُنہی کی طرف مائل ہو کر رہے گی۔ اپنی فطرت سے بیخبر انسان اُنہی پر **مجبول** ہے، اُنہی سے ہٹ کر شکست وریخت ہی، اُنہی پر چلکر حفظ وامن ہے! جہاں افسردگی ہے اُسی کے عصیان سے ہے، جہاں بالش ہے اُسی کو مان کر ہے۔ قرآن کا بتایا ہوا اسلام ایک **فطرت** ہے جسپر سب نسلِ انسانی بلا امتیاز رنگ و مُلک **مخلوق** ہے، اسمیں کوئی تبدل و تحول اصلاً اور طبعاً نہیں ہو سکتا! یہی وہ **صراطِ مستقیم** ہے جسکے سوا کوئی دوسرا خطِ مستقیم بداہتہً ممکن نہیں لیبتہ اگر لوگ اسکی تلاش میں ایک راہ سے ہٹ کر دوسری راہ پر چل رہے ہیں تو اسکی وجہ **کمی علم** ہے جس دن فطرتِ انسانی کا علم مکمل ہو جائے گا، صراطِ مستقیم سورج کی کرنوں اور مہتاب کی شعاعوں سے زیادہ روشن تر حقیقت ہو جائے گی اسی بنا پر قرآن نے اپنے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم کے بارے میں کہا ہے: فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ؁ (الروم ۳۰)۔

قانونِ خدا کے متعلق قرآن حکیم کے اجمال اور کمی علم کے باعث بسا اوقات اُسکے بدیہی اغلاق کے باوجود اُس کا بیان کردہ آئین اہلِ نظر کی نگاہوں میں اسقدر بیّن ہے کہ کسی ایسی مختصر کتاب کا اس سے زیادہ ابین اور اکمل ہونا محال ہے! وہ بظاہر ایک از بس مختصر صحیفہ ہے مگر اسکا دعوٰے اپنے متعلق تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ہے! اجمال کے لیئے اغلاق لازمی امر ہے مگر اُسکے وحی کرنے والے کا دعوٰے اسکے بارے میں يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ ہی! لوگ اُسکو عیاں کرنے کی سعی میں قرنوں سے تفسیر کے طومار باندھ رہے ہیں مگر اُسکا اپنا ادّعا الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ہی ہے! شرعی عُلماء اُسکی ایک ایک آیت کو لائقِ شرح و بیان بتاتے ہیں مگر اُسکا اپنا محاکمہ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا اور تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ ہے! آجکل کے مولوی اُسکی حکمت میں استدلال کرنا گناہ سمجھتے ہیں مگر یہ آپ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ اور لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ کی صلائے عام دے رہا ہے! حدیث کے شیدائی اُسکی کسی ایک آیت کو صحاحِ ستہ سے بے نیاز نہیں سمجھتے مگر اُسکا اپنا فیصلہ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اور اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ اور فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ اور اسکے ایک بڑے شیدائی (حضرت عمرؓ) کا فیصلہ حسبنا کتاب اللّٰہ ہے! لُغت والے اسکو لغت کا محتاج کہتے ہیں مگر اسکے بڑے سمجھنے والے اور اسپر بڑے عمل کرنیوالے دو سو برس تک اسکو لغت کے

بدون سمجھتے رہے! اسلامی دنیا اسکی ادبی خوبیوں اور شنیدہ فصاحت پر سر دھنتی رہی ہے مگر اسکا اپنا اعلان
مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ اور فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ... اَهْدٰى ہی رہا ہے! اسکے اکثر حامل پچھلی کئی متصل قرنوں سے وہی لوگ رہے ہیں
جو اعمال خدا او فطرت کے علم سے فی الجملہ نابلد اور یقینیات سے اکثر متنفر رہے مگر اسکا روئے سخن بہر نوع لِقَوْمٍ
يَّعْلَمُوْنَ اور لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ہی رہا ہے! اسکے دشمن پکار پکار کر اور دوست دبی آواز سے کہہ رہے ہیں کہ قرآن کے
اندر ربط کا کچھ پتہ نہیں لگتا مگر اسنے اپنی بے ربطی کا الزامی جواب اَلَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ہی دیا ہے!
الغرض عقیدتمند لوگوں کی اسکے متعلق سخن آرائیوں سے صرف نظر کر کے جو یقینی بات قرآن حکیم کے بغور اور
پیہم مطالعے کے بعد اخذ ہوتی ہے یہ ہے کہ وہ فی الحقیقت ایک نہایت عمیق اور **بلیغ** کتاب ہے۔ اسکے اندر انسانی
نسل کی اجتماعی مرفہ الحالی کا پورا اور دائمی سامان موجود ہے، اسمیں کمال **تدبر** اور انتہائی غور و فکر کی پوری
گنجایش ہے، وہ اپنے دائرے کے اندر **مکمل** ہے، قیاسات اور آرا کے سب انسانی مجموعوں سے بے نیاز ہے
وہ آپ صحیح معنوں میں اپنی **تفسیر** ہے، وہ سب انسان کی بنائی ہوئی اور قابل بدل لغات سے مستغنی ہے،
اسکی اپنی اور ناقابل تغیر لغت خود اسیکے اندر ہے، اسکا داخلی طریق تسمیہ اسکے اپنے مقرر کیئے ہوئے معہود ذہنی کو ادا
کرنیکے لیئے اسقدر کافی ہے کہ کسی خارجی مدد کی اسکو حتمًا ضرورت نہیں، اسکی سب قانونی مصطلحات اور آئینی متعارفات
خود اسکے ضمن میں اس صحت اور وقت، اس سلامتی اور کمال سے واضح کر دی گئی ہیں کہ اسکے بعد کسی ایک حصے کے
مطالب کی صحیح تعیین میں شک و اشتباہ کا گمان تک نہیں گذر سکتا! اسکے ہر لفظ کے صحیح مطلب اور صاحب القرآن
کے اس لفظ کے متعلق صحیح عندیے میں وہ حیرت انگیز **استقلال** ہے کہ اوّل سے آخر تک اسکا وہی ایک پیش نہاد ہے
اجماع امت یا تاویل یا انسان کا نفسانی مکر اسکے مقصود کو قطعًا نہیں بدل سکتا۔ اسکی **ایک** آیت کے صرف **ایک** معانی
ہیں، اسکے متعلق طرزِ عمل **ایک** ہی، پیش نہاد **ایک** ہے، محاکمہ اور عندیہ ایک ہے، سیاق کلام ایک ہے، سباق ایک
ہے! اسی بنا پر قرآن حکیم **اختلاف** یا حشو کے بدنما انسانی عیب سے قطعًا مبرا ہے! جہاں کہیں اسکی آیتوں کے
اندر تناقض کا گمان یا تکرار و تخالف کا شائبہ نظر آتا ہے وہیں اُن کے آگے مطالب سمجھنے میں کسر رہ گئی ہے، وہیں کوئی

واماندگی ضرور ہے، وہیں کچھ نہ کچھ نقص یقیناً واقع ہوا ہے! نہیں بلکہ بعض اوقات قرآن عمداً دو بظاہر نقیض یا ہم معنی باتوں کو ایک ہی سیاق کلام میں اور ایک ہی بحث کے ضمن میں پاس پاس جمع کر دیتا ہے اور تدبر کے سست قدم رہوار کو مہمیز لگا کر انسان کو اپنے اندر اختلاف یا بے نتیجہ تکرار کے نہ ہونے کا فی البدیہہ ثبوت دیدیتا ہے[+]۔ وہ **مجمل** ہے مگر یہی اجمال اُسکے مطالب کی **صحت** اور **وحدت** کا بالواسطہ ثبوت ہے! وہ ایک **قانونی** کتاب ہے مگر اسکا قانون ہونا ہی اُسکے **وحدت** فی المطالب، **یک منتہیٰ** اور **مربوط** ہونے کی قطعی شہادت ہے! جہاں وہ بادی النظر میں مربوط نہیں ہوتا وہیں اسکے مطالب سمجھنے میں فساد واقع ہوا ہے، کچھ ناروا تاویل واقع ہوئی ہے کہیں لُغت نے زیادتی کی ہے، کچھ غلط حدیث کا اثر باقی رہ گیا ہے، کچھ رسم و رواج نے پردے ڈال دیئے ہیں، کچھ بے علمی نے فساد پیدا کر دیا ہے، کچھ ظن نے شرارت پیدا کی ہے، کچھ جہالت نے دخل درمعقولات دیا ہے، ورنہ اُن دو ٹکڑوں کے متصل واقع ہونے میں کوئی نقص نہیں! علم کی کمی اور استدلال کی درمیانی کڑیوں کا انسانی ذہن میں موجود نہ ہونا اسکو بے ربط کر رہا ہے، جب واقعات کا علم ایک حقیقت کا لگاؤ دوسری حقیقت سے معلوم کر لیگا، مطالب کا سلسلہ خود بخود پیوست ہو جائے گا!

مجھے یقین ہو چکا ہے کہ دنیا کے **ہر رہ نمائے** جلیل اور ہر پیشوائے فرید کا کلام ہمیشہ سے بادی النظر میں **غیر مربوط** رہا ہے، جسقدر کوئی شخص اپنے فن میں ماہر ہے، جسقدر اُسکا علم تدبر کے مدارج علیا پر پہونچ چکا ہے، جسقدر وہ دنیا کو کسی **نئی** راہ پر چلانے یا کسی **نئے** انکشاف سے دم بخود کر دینے کی صلاحیت اپنے میں پا رہا ہے، اُسیقدر اُسکا دیا ہوا پیغام عوام کی نظروں میں بے سلسل اور ٹکڑے ٹکڑے ہے، اور اُسیقدر اُسکو اپنے کلام کو مربوط کرنے سے عمداً گریز اور استغنا ہے۔ خیالات کا ہجوم، علم کی وسعت، اور وقت کی کمی اسکو اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ اپنے کلام میں جُہلا کو خوش کرنیکے لیئے کوئی منطقی ترتیب یا تسلسل پیدا کرے۔ علم کا عظیم الشان سیلان ایک ناپیدا کنار سمندر کی طرح اُسکے ذہن میں لہریں مارتا ہے، وہ اسکو من و عن ظاہر نہیں کرتا، صرف اُس پہنائے بیکران کے اندر سر برآوردہ

[+] بظاہر دو نقیض باتوں کو یکجا جمع کر دینے کی مثال یہ ہے: وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۚ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۔ اور مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَاۤ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ (النسا)، جو بظاہر ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن دو آیتیں آگے چل کر وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا کہدیا ہے۔ بظاہر دو ہم معنی باتوں کی مثال یہ ہے: وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ (قصص)۔

مقامات اور موٹے موٹے جزیروں کی طرف اشارہ کر دیتا ہے۔ لوگ اس طرزِ بیان سے اکثر نامانوس ہوتے ہیں، اور بادی النظر میں انکے **باطنی ربط** کو نہیں دیکھتے! وہ نہیں دیکھ سکتے کہ ان سب بیانات کی تہ میں ایک ناقابل الفکاک تعلق ہے، انکے نیچے ایک مشترک اور مضبوط **زمین** ہے، ایک طبعی اور غیر منقطع منطقی تسلسل ہے؛ پہاڑوں کی سر بفلک چوٹیاں علیحدہ علیحدہ نظر آرہی ہیں مگر اُن کے دامن اور وادیاں اُنکی بنیادیں اور مشترک قواعد اُسکے عمیق علم کے محیط میں **غرق** ہیں۔ وہ خود انکو بے گماں طور پر دیکھ رہا ہے، مگر لوگ اپنی کم نظری کے باعث جلد مضطرب ہو جاتے ہیں! **عیسیٰ** علیہ السلام کا پہاڑی پر دیا ہوا **وعظ** آجتک بے ربط نظر آتا ہے، اُسکے اندر فی الجملہ کوئی **منطق** اور **ترتیب** نظر نہیں آتی، اُسکے سب محاکمے بادی الرائے میں متفرق اور غیر متعلق دکھائی دیتے ہیں، اُن سے کوئی مستقل نتیجہ قانون خدا کی ماہیت کے بارے میں مترتب نہیں ہوتا، تاہم یہ بات ہر عیسائی اور غیر عیسائی کے نزدیک مسلّم ہے کہ پہاڑی کا وعظ اُس اولوالعزم نبی کا سب سے مشہور، سب سے مکمل اور سب سے زیادہ **نتیجہ خیز** وعظ تھا! نہیں بلکہ نصاریٰ کا شنیدہ اعتقاد صدیوں سے اُسکے متعلق یہ رہا ہے کہ عیسائیت کی روحانی تعلیم بہ تمام و کمال اسی وعظ کے اندر مضمر ہے۔ لوگ آجتک اکثر نہ سمجھ سکے کہ 'دل کے غریب' یعنیہ کون لوگ ہیں اور آسمان کی بادشاہت کیا ہے اور کیونکر اُنکی ہے؟ **حلیم** کون اشخاص ہیں اور زمین کی وراثت کیونکر اُنکو مل رہی ہے؟ 'پاک دل' ہونے سے کیا مراد ہے اور خدا کا دیدار کیونکر اُنہی کا حصّہ ہے؟ مسیح نے تورات یا پہلے نبیوں کی کتاب کو کیونکر منسوخ ہی نہ کیا، بلکہ مکمل کیا حالانکہ عیسائی اور یہودی ہیں آج کوئی بات مشترک نظر نہیں آتی، 'دہنے گال پر طمانچے' والی تعلیم سے کیا مراد ہے، دشمنوں سے پیار کرنا کیونکر 'دینِ فطرت' ہو سکتا ہے، 'کل کی فکر نہ کرو کیونکہ کل اپنی چیزوں کی آپ ہی فکر کریگا' کس طرح پر ایک باعمل اور **وارثِ زمین** بنانیوالے شخص کی تعلیم ہو سکتی ہے! وغیرہ وغیرہ۔ جہانتک ایک سطحی نظر سے تمام وعظ کو دیکھا جائے اسکے اندر کوئی منطق کوئی متفق علیہ دلیل، کوئی تسلسل، کوئی صُغریٰ کُبریٰ ثابت نہیں ہوتا۔ بڑے سے بڑا نتیجہ جو ایک نتیجہ رس شخص اس سے نکال سکتا ہے یہ ہے کہ یہ ایک 'مذہبی' اور 'انفرادی' تعلیم ہے جو دنیا کو رہبانیت کی طرف لیجا رہی ہے ایک دنیادار شخص کا اس سے چنداں متمتع ہونا از بس متعذر ہے۔ لیکن ابھی **دو برس** نہیں گذرے کہ

اسی **طمانچے والی** حلیم بنانیوالی تعلیم کے ایک جزو قلیل کو سرزمین ہند ایک مقتدر اور باعمل سیاسی رہ نما† نے صحیح طور پر لیا، اور اگرچہ اُسکی تمام منطق کو سمجھنے سے وہ فی الجملہ قاصر رہا لیکن اُسپر کما حقہ عمل پیدا کرنے کی سعی کی، اور لوگوں کو اُس اٹل روحانیت کی ترغیب اور وراثت زمین کا نصب العین پیش کر کے چند مہینوں کے اندر وہ ماحول پیدا کر دیا کہ **انگریزی** حکومت کے اوسان خطا ہو گئے! لیکن **نبیؑ** کی تعلیم کا یہ **لشکر انگیز ربط**، اور اُسکا **صراط مستقیم** صرف اُسی شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جسکی نظر بیحد وسیع ہو، تعصب کی تنگ نظری اسکے ربط کو نہیں دیکھ سکتی!

انبیاؑ کی تبلیغ یک طرف، دنیا کے اور بڑے معلموں کا کلام بھی بسا اوقات سطحی نظروں میں بے ربط معلوم دیتا ہی۔ **بیکن** کی اکثر فلسفیانہ تصانیف اور مضامین میں ایک اغلاق ہے جسکے حل کرنیکے لیئے ذہن کو ناگوار تکلیف برداشت کرنا پڑتی ہے۔ مولانا **رومؒ** کی مثنوی کے اشعار میں **معنوی** لگاؤ کا معلوم کر لینا آج بھی آسان بات نہیں، وہ سب کے سب بے نظم موتیوں کی طرح لڑھکتے دکھائی دیتے ہیں اور بہت کم اشخاص مصنف کے صحیح عندیے کی تشریح کر سکتے ہیں! خود کارلائل جسنے عرب پیغمبرؐ کے لائے ہوئے قرآن کو 'پریشان خیالات' کہکر اُسکی تخفیف کرنی چاہی ہے اکثر اوقات اپنی تصنیفات میں اسی عظمت کا مصنوعی رنگ پیدا کرنا چاہتا ہے، اگرچہ وہ آپ کسی بڑے پائے کا معلم نہیں اور دبی زبان سے معترف بھی ہے کہ اسی پریشان خیالات کے مجموعے نے عرب کو تمدن کے فلک الافلاک تک پونہچا دیا تھا! **ارسطو** کے اکثر اقوال مغلق ہیں، بلکہ اُسکے مسلسل مضامین بھی کئی کئی بار پڑہنے کے بعد سمجھ میں آتے ہیں' **غالب** کے دو مصرعوں کے درمیان بعض اوقات ربط ٹھیک طور پر قائم نہیں ہوتا، نیوٹنی استدلال کے دو متصل مراحل میں مبتدی کو اکثر اوقات دشواریاں پیش آتی ہیں۔ الغرض جہاں جہاں کسی **مقتدر** تصنیف میں کوئی اغلاق نظر آرہا ہے، جہاں الفاظ کی بے انتہا کمی اور مضمون کی بے انتہا کثرت ہے، جہاں منطق پر بلاغت اور **عمق** مطالب نے پردہ ڈال رکھا ہے، جہاں واقعات اور **نتائج** کو اسقدر اہمیت ہے کہ دلیل ایک ثانوی اور تابع شئے بن چکی ہے، جہاں علم کا پیدا کیا ہوا استغنا جہل کے متفقہ عجز و احتجاج کی پروا نہیں کرتا، اور سچائی کے

---

† اِس رہ نما کا نام موہن داس کرم چند گاندہی ہے (المتولد ۱۲۸۶ھ ۱۸۶۹ء)

زور پر تسہیل و تشریح سے بے نیاز ہو چکا ہے، وہیں حقیقت کی پردہ نشین عروس جلوہ گر ہے! وہیں سچا اور لازوال حُسن مستور ہے! انہی بند بدنما اور مغلق دریچوں کی اوٹ میں معنی کی شرمسار معشوقہ حجاب آرا ہے! اصلی اور بے مثال حُسن کو نمائش اور اعلان کی ضرورت ہرگز نہیں ہوتی، اُسکی آب و تاب درمحبوبیت اسی محجوبیت میں ہے، اُسمیں دعوت اور تشہیر نفس کا اوچھاپن قطعاً نہیں ہوتا، اُسکا مستور رہنا ہی نقاد نظروں کے لیے بلا کی دعوت ہے! بہترین مہیج ہے! پیام وصال ہے! بوسہ بہ پیغام ہے! نہیں بلکہ بسا اوقات نظر انتقاد کی تاریں بھی حجاب بن بنکر اُسکو چھپا لیتی ہیں اور ظاہر ہو جانے کی خفت کو برداشت نہیں کر سکتیں!

قرآن اگر اُس خالق زمین و آسمان کا کلام ہے، اگر وہ اُس مالک شمس و قمر کے عرب پیغمبر کے قلب پر نازل کیے ہوئے الفاظ ہیں، اگر وہ فی الحقیقت اُس معلم اوّل اور اُس ادب آموز ازل کا ساکنان زمین کو آخری درس ہے تو بعلم کی نظروں میں اسکا غیر مربوط ہونا ہی اسکی بڑی سے بڑی خوبی ہے۔ وہ اگر مربوط ہو سکتا ہے تو اُن فنونوں کے اندر جنہوں نے اس کائنات عظیم کے چپے چپے کو دیکھ مارا ہے، جنکو اس صحیفہ فطرت کے رازِ دروں کا اکثر علم ہو چکا ہے، جنکو علم کی بلند نگاہی اور حقیقت کی وسیع نظری آسمانوں اور ستاروں کے اُفق اعلیٰ پر لے گئی ہے، جو سفلی منطق کے صُغرے وکبرے سے بے نیاز ہو کر واقع الامر کی قطعیت تک پہونچنے کے درپے ہیں، جو شرط و جزا، سبب و اثر، اور علّت و معلول کے اس عظیم الشان موسیقی ساز میں ایجاب و قبول کی خفیہ سُروں اور قضا و قدر کی پوشیدہ نواؤں کے محرم ہیں، جنکو اس بظاہر بے ڈیل ڈول، بے مرشد، نامنظم، استبداد سے بھری اور افراط و تفریط سے پُر دنیا کے اندر ایک حیرت انگیز توازن، ایک محیّر العقول عدل و تسویہ، ایک بہتر سے بہتر تقویم اور تنظیم نظر آرہی ہے! خدائے زمین و آسمان اپنے کلام میں اس امر کا متحمل ہو نہیں سکتا کہ مبتدیوں کی طرح انسان کو حروف ہجا سکھلائے، پھر حرفوں اور جملوں کو آپس میں جوڑے، پھر جملوں اور فقروں میں ربط دکھلاتا پھرے، اُس کا کمال عاطفت یہی ہے کہ اعلان کردیا کہ یہ کتاب مکمل ہے، مفصل ہے، گنجینہ علم و حکمت ہے، انسان سے اُسکا مثیل پیدا ہونا محال ہے، آسان ہے، مبین ہے، اختلاف سے مبرا ہے، صاحب علم و فکر قوم

کے لیئے ہی، ہدایت اور رحمت ہے، نور وشفا ہے، مربوط ہے! یہ امور بجائے خود اسکی حقیقت کو اظہر من الشمس کر رہے ہیں، اب انسان کا فرض ہے کہ اسمیں یہ خوبیاں دیکھنے کی سعی مالا یطاق کرے، علم کی محک پر آزمائے، حکمت کے معیار پر اُتارے، مربوط المطالب بنانے کی سعی کرے، اوّل سے آخر تک واحد المطالب ثابت کر دے، والّا اسکو مسترد کر دے! بڑی سے بڑی اور ناقابل انکار دلیل اُسکے **مربوط** اور **نتیجہ خیز** ہونے کی یہ ہے کہ دنیا کے ایک انسانؐ نے اُسکو لیا، تیئیس برس کی زہرہ گداز تکلیف کے بعد اُسکی تعلیم کو لوگوں پر اظہر من الشمس کر کے اُسکے ایک ایک حرف، جملے اور فقرے کے اندر وہ ناقابل انشقاق ربط، وہ منطقی تسلسل، وہ شرط و جزا کا قطعی اور **عملی** ماحول پیدا کیا کہ ایک دنیا اسکو دیکھکر انگشت بدنداں رہ گئی! اگر آج علۃ و معلول کا وہ آسمانی پیکر، وہ خدائی برہان کا مجسّمہ کُبریٰ، وہ **حجۃ اللہ البالغہ** وہ مشیت ایزدی کا ناقابل بدل مرقّع انسان کے **نسیان درس** کے باعث بے دلیل اور بے ربط بن چکا ہے تو اسمیں **آسمانی صحافت** کی اِدارت کا کیا گناہ ہے؟

خدا کے کہے ہوئے **الفاظ** اگر عامّۃ النّاس اور جہلا کی نظروں میں پریشان اور بے ربط رہے ہیں تو خدا کی بنائی ہوئی **فطرت** ابتدائے آفرینش سے آجتک عوام کی نگاہوں میں اس سے کہیں زیادہ بے ربط رہی ہے، بے علم آج بھی خدا کی بنائی ہوئی اکثر چیزوں کے درمیان کوئی ربط نہیں دیکھتا، اسکو اکثر مخلوق بے لم اور بے سبب نظر آرہی ہے اکثر حشو اور بے سلیقہ ہے، وہ سمجھتا ہے کہ اکثر کے بدون کام نکل سکتا ہے، اکثر کے نہ ہوتے ہوئے انتظام اور آرام بہتر ہو سکتا ہے۔ درخت کی شاخوں میں ایک ناخوش آیند بدنظمی ہے، دریا کی پیچ در پیچ راہوں میں تکلیف دہ کجی ہے، جنگل کے درخت، سمندر کی بے پایاں مخلوق، موسمی حشرات الارض، آسمان پر بکھرے ہوئے تارے اُسکے نزدیک سب زوائد ہیں، وہ مچھر سے فی الجملہ ناخوش ہے، مکھی کو دخل در معقولات سمجھتا ہے، بلّی کا خوب صورت کبوتر کو نگل جانا اُسکے نزدیک ظلم ہے، مُرغ کا مکوڑے کو بے ڈکار ہضم کر لینا گناہ ہے، مادر زاد اندھا اسکو کپکپا دیتا ہے، یتیم کی زہرہ گداز آہیں، جوان کی ناگہاں موت، چنبل سے گلی ہوئی ٹانگ، نکوکار کی موت آلود گودڑی، زناکار کے سر بفلک محلّات میں اُسے اوّل سے آخر تک ایک ناہموار تقسیم، ایک بے مطلب فساد، ایک بے سبب تظلّم،

ایک ناضروری تشدد، ایک ناقابل انکار استبداد نظر آرہا ہے۔ نظم ونسق، مساوات اور عدل، صلاح وفساد، فطرت اور ایجاد کے مسلمہ اصول کے مطابق بادی النظر میں اُسے اس دنیا کے اندر کوئی سلیقہ کوئی تدبیر، کوئی تجویز نظر نہیں آتی۔ وہ اس دنیا کی طرفہ آرائیوں اور بدنمائیوں کو دیکھکر بسا اوقات اسکے اندر کسی مجوّز اعلیٰ کے وجود سے بھی انکار کر گیا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ سب کچھ جو سامنے نظر آرہا ہے حسنِ اتفاق کا ایک حیران کن اور دلربا منظر یا سُوءِ تدبیر کا ایک مکروہ اور فساد آرا منظر ہے مگر توازن اور ربط اسکے اندر قطعاً نہیں، منطقی دلیل قطعاً نہیں، علّۃ و معلول کا اثر نہیں! یہی باعث ہے کہ علم وجہل کے مختلف مرحلوں میں انسان کا خیال خدائے واحد کے وجود سے ہٹ کر **متفرق** خداؤں کیطرف بٹ بٹ گیا ہے۔ "جو شئے بذاتِ خود حیران کن تھی بجائے خود خدا بن گئی"، کہیں سورج ایک دیوتا تصوّر ہونے لگا، کہیں کوئی دریا خدا بن گیا، کہیں آگ مظہر اللہ بن گئی، کہیں بر وبحر میں تقسیم ہو گئی، بیماریاں جنّوں اور بھوتوں سے متعلق ہو گئیں، آفتوں اور آسیبوں کے الگ علمبردار مقرر ہو گئے؛ جہاں معلول کے ہوتے ہوئے علّۃ ناپید تھی وہاں علّۃ بنالی گئی، جہاں علّۃ موجود تھی معلول فرض کر لیا گیا، وغیرہ وغیرہ۔ مگر جہل کی ذہنی طوائف الملوکی نے انسان کو مدتوں تک یہ توفیق نہ دی کہ وہ ان سب ظواہر فطرت کو اپنے دماغ میں مناسب مقام دیکر انکو سب سے پہلے ایک طبعی ترتیب دے، پھر ان سب کے درمیان ایک علّۃ ومعلول، ایک شرط وجزا، ایک عمل وتوازن قائم کر کے اُن سب کو ایک **علّۃ العلل** کے ماتحت لائے اور کائنات فطرت کے اس ہنگامۂ عظیم کو **واحد بالذات** ثابت کر دے۔ اب بھی جہاں جہاں جہالت کی حکومت قائم ہے فطرت کی یہ ظاہری بے ربطی خداؤں کو الگ کر رہی ہے اور اگرچہ خدا کا کلام بآہنگ بلند لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا، پکار رہا ہے مگر جبتک جاہل کو اس دنیا کے اندر **فساد** کی صورت نظر آرہی ہے، جبتک علم کی روشنی مشرق اور مغرب کے، شمال اور جنوب کے، آسمان اور زمین کے درمیان، نہیں بلکہ پانی اور آگ کے درمیان، مکھی اور پھول کے درمیان ایک ناطق اتحاد اور فیصلہ کن تعاون نہیں قائم کرتی، جب تک ظلم وعدل کا سفلی اور تنگ تخیّل آسمانی وسعت سے ہم آغوش ہو کر ناروا کو یکسر روا، غلط کو یکسر صحیح اور زمین کو آسمان کا ایک **جُز** ثابت نہیں کرتا تب تک کائنات فطرت کا **مربوط** نظر آنا یا اُسکے باعثِ اوّل کا **ایک**

ثابت ہوجانا ازبس متعذر ہے! اسی بنا پر قرآن حکیم کا منکرین سے احتجاج ہے: اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ؕ (الانبیا)

آج علم کی تیز مشعل کی شعاعوں میں اسی فطرت کا مربوط ہونا، اسکی اشیا کا آپسمیں معاون ہونا، اُن کے اندر ایک معنوی لگاؤ، اُسکے قانون میں ایک معنوی سلیقے، اسکے علل و اسباب کے اندر ایک معنوی وحدت کا ہونا ایک بیک ثابت ہورہا ہے۔ روز بروز یہ حقیقت کھل رہی ہے کہ زمین و آسمان کی چاردیواری کے اندر کوئی شئے بے مطلب نہیں، کچھ حشو نہیں، کوئی باطل اور عبث نہیں مکھی اور پھول میں ربط ہے، آگ اور پانی میں ربط ہے، سورج اور شکر میں ربط ہی، صوت اور نور میں ربط ہے! کوئلہ اور باجے کی لے ایک ہیں! بجلی کی سنسناہٹ اور شمع کی روشنی ایک ہیں! نہیں بلکہ بجلی کی کڑک اور چمک ایک شئے ہیں! سب کے اندر لگاوٹ کی ایک نہر سلسبیل دوڑ رہی ہے، سب کا ایک مجوز اور ایک حاکم اعلیٰ ہے، ایک تدبیر اور ایک بست و کشاد ہے! آج پانی اور آگ انجن کے نہا نخانے ہیں دوست بنکر دنیا کو حیران کررہے ہیں، مچھر سا بے حقیقت حیوان انسان کے لیئے خدائی جلاد ثابت ہورہا ہے، ہیچمیرز اور خوردبینی جراثیم توپ و تفنگ سے زیادہ مہیب ثابت ہوچکے ہیں، فطرت کی بظاہر ذرہ مقدار ہستیاں عظیم الشان کام کرنے لگی ہیں، ہر ایک کا اپنا اپنا وظیفہ مقرر ہے، ہر ایک کسی نہ کسی سلسلے کی ایک لاینفک کڑی ہے، ہر ایک کسی نہ کسی رخنے کو مٹا رہا ہے، کسی سوراخ کو، کسی فتور کو، کسی نقص کو دور کررہا ہے! جب سے اس حیرت انگیز کائنات کے اندر یہ روح فرسا عدل و وزن، یہ حقیقت کشا تعاون، یہ زہرہ گداز ربط و اتحاد ثابت ہورہا ہے اُسی دن سے خدا کی وحدت فی الحقیقت **ثابت** ہونے لگی ہے، اُسی دن سے معترض دم بخود اور لب بکشا حالت میں ہے اور منہ کھولے ہوئے ٹکر ٹکر دیکھ رہا ہے: لَوْ كَانَ فِیْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ (الانبیا)

قرآن حکیم کے ربط کی حالت بعینہٖ فطرت کے اسی معنوی ربط کی حالت ہی، تنگ اور بے علم نگاہیں اسکو قطعاً نہیں

---

† اس آیت کے مطالب کیلیئے دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۲۰۔ گویا خدائی دلیل یہ ہے کہ زمین و آسمان کا خمیر چونکہ ایک ہی ہو اسیلیئے اسکا بنانیوالا بھی **ایک** ہے، یہ دلیل ایسی دنداں شکن اور مسکت ہے کہ اس کے بعد متعدد خداؤں کے ماننے والے کیلیئے انکار کی کوئی سبیل نہیں رہتی۔ ‡ آج مغربی علم نے ثابت کردیا ہو کہ کوئلے کی حرارت کی محرک اور باجے کی آواز کی علت ایک ہی شئے ہو جسکو علمی اصطلاح میں انرجی کہتے ہیں ‡ یہ آیت اور اس صفحے کے شروع کی آیت دونوں سورۂ انبیا میں پاس پاس واقع ہوئی ہیں۔ اہل نظر پر ان دونوں آیتوں کا ربط اسی تشریح سے جو میں کررہا ہوں واضح ہوگیا ہوگا۔ اوپر کی آیت میں **وحدت کائنات** اور **وحدت حیات** کو **توحید** کا ثبوت کہا ہے، نچلی آیت میں فطرت کا پُرامن، متعاون اور **مربوط** ہونا خدا کے **واحد** ہونے کی دلیل ہے۔ جن کو ان دونوں باتوں کا برای العین علم ہوچکا ہے وہ آج توحید کو ان آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں!

دیکھ سکتیں، اسکو دیکھ کر کھسیانی اور بیزار ہو جاتی ہیں، جاہل نے اُسکے ٹکروں کو الگ الگ کر دیا ہے، کم ہیں اُس کے اکثر الفاظ کو حشو اور زوائد سمجھ رہا ہے، مولوی اسکو علی الحساب رواں پڑھ لیتا ہے، حافظ اسکو الگ مبڑ بڑا لیتا ہے، کوتاہ نظروں نے اُسکے حصّوں کو لیکر الگ الگ بت کھڑے کر لیئے ہیں، صوفی اُسکے ایک ٹکڑے میں **توغل عظیم** کر رہا ہے، عاکف اُسکے ایک حصّے کو سیاق سے الگ کر کے لاتقربوا الصلوٰۃ کا منظر پیدا کر رہا ہے، نو اندھوں کی مشہور حکایت کیطرح کوئی اِس ہاتھی کو چھت کا ستون کہہ رہا ہے، کوئی پنکھے سے تشبیہہ دے رہا ہے، کوئی دیوار یقین کر رہا ہے! الغرض ہر قرآن کا بھیجنے والا خدا الگ ہے، ہر سورۃ اور آیت کا خدا الگ ہی، ایک حصہ دوسرے حصّے کے بالمقابل صف آرا ہے، قدم قدم پر اختلاف پیدا ہے، بات بات پر تفرق ظاہر ہے۔ ایک تجویز، ایک لائحہ عمل، ایک تدبیر، ایک منتہائے عمل، ایک ربط و تسلسل، ایک راہ قرآن کی کسی شرح سے ثابت نہیں ہوتا یہی باعث ہو کہ اس کتاب عظیم کے **نامۂ خدا** ہونیسے آج فیصدی سو مسلمان انکاری ہیں، دل میں **انکار** موجود ہے، ذہن **باغی** ہے، اعضا سُن ہیں، زبانی اقرار لاکھ ہو مگر اُسکے کہے پر ٹس قدم چلنا سچ مچ چلنا گوارا نہیں یہ سب کچھ بے علمی کا ایک دردناک منظر ہے، جہالت کا تہلکہ انگیز جمود ہے مگر اسکی اکسیر **علم** کے ماسوا کچھ نہیں۔ قرآن حکیم نے اپنے مِنْ جَانبِ اللہ ہونے کی مُسکت دلیل بھی اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ہی دی ہے مگر عدم تدبر اور کمی علم نے اختلاف کثیر اسقدر پیدا کر دیا ہے کہ آج صحیح معنوں میں اُسکے مِنْ جَانبِ اللہ ہونے پر شک ہی، اُسکے احکام کی قطعیت پر شک ہے، اُنکی نافعیت پر شک ہے، مرد کار پر شک ہے، نفس امر پر شک ہے! وہی **لَفَسَدَتَا** والی دلیل جو قرآن حکیم نے آسمان و زمین کو ایک صنّاع عظیم کی صنعت ثابت کرنے میں دی تھی یہاں بھی اپنا الٹا کام کر رہی ہے۔ جب مطالب میں **فساد** ہے، جب ایک آیت دوسری آیت سے علانیہ برسرِ پیکار ہے، جب قرآن کے اندر کہرام مچا ہے، تو قرآن کا بنانے والا کیوں ایک ہو، ہر آیت کا خدا الگ کیوں نہ ہو، فرقہ بندیاں کیوں نہ ہوں، جمود اعضا اور فساد ذہن کیوں نہ ہو، نہیں **باطنی انکار** کیوں نہ ہو! قرآن کو سمجھنے کے لیئے انتہائی تدبّر اور علم کی ضرورت کسی زمانے میں اِسقدر تھی، اسکو تمام و کمال لیکر

اسکے ہر ٹکڑے پر بحیثیت مجموعی غور و فکر کرنا اسقدر درکار تھا، ہر ایک حصے کو سب سے منطبق اور سب کے ساتھ متوافق کرکے ایک لائحہ عمل اور ایک صراط مستقیم مستنبط کرنا اسقدر اہم تھا کہ خود صاحب القرآن نے سرور کائنات کو تنبیہ کی کہ اسکے مطالب سمجھنے میں جلد بازی مت کرو، بات کے پورا ہونے سے پہلے اور اسکے تمام و کمال وحی ہونے سے پیشتر اپنے تخیل کے گھوڑے مت دوڑاؤ، یہ **خدائے زمین و آسمان** کا کلام ہے! اتنا سستا بات نہیں **علم کا کمال** ہی تم کو اسکی انتہائی حکمت پر پہنچائے گا، اسی کو اپنے اندر زیادہ کرو اور اسکی زیادتی کی دعا مانگا کرو؛ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰۤى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا۔ یہی وجہ تھی کہ **تیئیس**[۲۳] **برس** میں جستہ جستہ اتارا اور رسول عظیم کے قلب پر ایک ایک آیت اسطرح کالنقش فی الحجر کردی کہ اس یقین کا ہیجان صدیوں تک قائم رہا۔ مسلمان جو کچھ سمجھتے ہیں سمجھتے رہیں، اسکو ایک رات کے اندر سو سو بار پڑھ کر مردوں کو ثواب پہنچاتے رہیں، اسکو جزدانوں اور غلافوں میں لپیٹ کر مکرر چومتے چاٹتے رہیں، بالائے طاق رکھیں یا آنکھوں پر لگائیں اور کام کے وقت اسکے لیئے وس قدم نہ چلیں مگر یہ وہ کلام ہے جسکو اس زمین پر بھیجنے سے پیشتر خدا بھی (معاذ اللہ) **تیئیس**[۲۳] **برس** تک سوچتا رہا، جسکے سمجھنے کیلیئے اسکا رسول تیئیس[۲۳] برس تک زِدْنِیْ عِلْمًا کی دعا مانگتا رہا، جس علم کے وارث قرون اولیٰ میں وہ **علما** بنے جن کا علم بنی اسرائیل کے **انبیاء** کے علم کے برابر تھا جو **فطرت** کی طرح خوبصورت ہے **بیکران** ہے **منتظم** ہے **بیمثال** ہے قطعی اور آخری ہے، اور جو آج جہلا کے منہ چڑھکر وہ پیش پا افتادہ بات بن گئی ہے کہ زمین و آسمان اس ناقدر شناسی کو دیکھکر لرز رہے ہیں؛ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۔ (الفرقان)

کسی قانون کے شایانِ شان یہی ہے کہ واحد المعانی ہو، متوافق المطالب ہو، اسکی کسی ایک دفعہ سے ایک اور صرف ایک مطلب نکل سکتا ہو، اسمیں تاویل اور مکر کی گنجایش قطعاً نہ ہو، اسکو جس صورت اور نظر سے دیکھا جائے اسی ایک پہلو پر ٹھیک بیٹھ سکے ورنہ وہ قانون قانون نہیں مجسمہ فساد ہے، محشرستان خلاف ہے، کشت زار نزاع ہے قانون میں تاویل کا ممکن ہونا اتحاد عمل کو توڑ دیتا ہے، لوگ اپنی اپنی پسند کے پروانوں کو لیکر مست ہو جاتے ہیں،

لبی تانکر سوچتے ہیں یا ایک دوسرے کے خلاف عَلم نصب کر لیتے ہیں، پھر بعینہ وہ مطلب جو اجرائے قانون سے پیش نظر ہوتا ہے یکسر خبط ہو جاتا ہے، اور وہ بپ پکڑ کر و یا کسی معنوں میں قانون نہیں رہتا! رعیت کے کسی فریق نے آجتک **حکومت وقت** کے بنائے ہوئے قانون کی **تاویل** نہیں کی، کوئی انجمن اِس غرض سے منعقد نہیں ہوئی کہ اپنے ملک کی کتاب تعزیرات یا اُسکے نظام نامے کی کسی دفعہ کو لیکر اُسکے آسان اور حسب پسند معانی تجویز کرے اور اسطرح پر **بادشاہ وقت** کو اپنا ہم آہنگ کر سکے۔ ایسے ستم ظریف گروہ کی مثال سادہ لوح کبوتر کی سی ہے جو بلی کو آتے ہوئے دیکھکر آنکھیں بیچ لیتا ہے اور چند لمحے آرام کے گذار کر موت کے مُنہ میں جا پڑتا ہے! ہر منظم اور مقتدر حکومت کا قانون اصلاً ایک ناقابل تاویل شئے ہے، اُسکا صحیح اور واحد عندیہ خود اُسی کے الفاظ کے اندر ہے، اُسکی مغلق اور شرح طلب اصطلاحوں کی تشریح وہیں موجود ہے، کسی شخص کے ذاتی قیاس یا رائے کو اسکی تبیین میں قطعاً کچھ دخل نہیں! گناہ کی نوعیت ہے تو وہیں ہے، فرد جرم ہے تو وہیں ہے، سزا ہے تو وہیں لکھی ہے۔ مجرم اِس سزا سے گریز کرنے یا اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کی ایک لاکھ سبیلیں پیدا کرے لیکن حاکم وقت کے فیصلے پر اُسکی تاویلوں کا کچھ اثر نہیں ہوتا، کوئی وکیل یا پیرو کار اس امر کا مجاز ہو نہیں سکتا کہ مجرم کو بچانے کے لیے نفس قانون کے **معانی** بدل دے یا اُسکا مقصود اور پیش نظر اپنے منشا کے مطابق تسلیم کرائے اگر شہادت اور حالات سے ثابت ہے کہ جرم ہو چکا ہے تو سزا **اٹل** ہے، اسکو آئی ہوئی نہ سمجھنا یا اُسکے بارے میں عبث امیدیں اور لاطائل فکر کرنا **جہالت** ہے۔ پس قانون خدا کی تبیین و تشریح میں نہ کوئی **اجماع** اُمت مفید ہو سکتا ہے، نہ ذاتی قیاس و رائے، نہ تاویل سے کام چل سکتا ہے۔ نہ علمائے قانون کے انفرادی یا متفقہ فتاوے مفید ہیں۔ وہ بذات خود اسقدر محکم اسقدر اٹل، اسقدر ناقابل بدل اور ناممکن التحریف شئے ہونی چاہئیے کہ فاطر زمین و آسمان بھی اسکو بدلنا نہ چاہے۔ وہ اُسکی مشیت کے عین مطابق اسقدر ہو کہ اسمیں تبدیلی محال ہو، اس قدر سوچ بچار کے بعد نافذ کیا گیا ہو کہ اُسپر نظر ثانی یا تنسیخ کی ضرورت نہ پیدا ہو، اسقدر مقرر اور متعین شئے ہو کہ اُسمیں گھٹاؤ اور بڑھاؤ کی گنجائش باقی نہ رہی ہو، اسقدر متطابق اور متوافق ہو کہ سب کا سب ایک ہی مقصود و منتہا کی طرف

جارہا ہو، سب نسلِ انسانی کیلئے ایک ہو، سب کا سب **ایک** صراطِ مستقیم کیطرف اشارہ کرتا ہو۔ اگر قانون خدا فی الحقیقت قانونِ خدا ہے تو اسمیں اُن خاصیات کا ہونا لازمی امر ہے لیکن اگر وہ تاویل کے تابع ہے، کھینچ تان قبول کرسکتا ہے، حسبِ مطلب اور حسبِ پسند قانون بن سکتا ہے، کئی ایک صراطِ مستقیم کی طرف اشارہ کررہا ہے، اُس سے کئی مقاصد مستنبط ہوسکتے ہیں، کئی طریق عمل وضع ہوسکتے ہیں، اور کئی فرقے بن سکتے ہیں تو اس تبدیل شدہ صورت کو **قانون خدا** کہنا حقیقت کا مُنہ چڑانا ہے۔ سچائی اصلاً **ایک** شئے ہے، اُسکا مطمعِ نظر اصلاً **اتحاد** ہے، وہ لوگوں کو ایک **مشترک** اساس اور ایک سطحِ عمل پر جمع کرنیکے لئے آتی ہے اور یہی سچا اور دائمی **اجماع** ہے۔ اور اگر کسی قوم کی طرف کسی پیغامبر کا لایا ہوا قانون سچ ہے تو **فرقہ بندی** اسکا منتہائے کار ہونا محال ہے۔

یہی باعث ہے کہ قرآن حکیم نے اپنی آیات کے اندر ایک اصولی تمیز **محکمات** اور **متشابہات** کے الفاظ کہکر قائم کردی ہے۔ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ کہکر اُسنے گویا یہ کہدیا ہے کہ اسکے ہر کلمے کا واحد، ناقابل تاویل اور اٹل مطلب ہے، لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا کہکر اُسنے اعلان کردیا ہے کہ جبتک زمین و آسمان موجود ہے یہ قانون قائم اور دائم، جاری اور ساری رہے گا۔ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ اور الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا اور يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ اور تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ اور تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ کہکر اُسنے یہ طے کردیا ہے کہ اس کتاب کو مفصّل، آسان اور مکمل ثابت کردینا **علم** اور صرف علم کا کام ہے! جوں جوں اعمالِ خدا کا علم اور کائنات فطرت کا مشاہدہ وسیع ہوتا جائے گا، جوں جوں کوئی صاحبِ علم قوم اسکے حقائق عالیہ پر غور کرے گی، اسکی تعلیم بیّن[†] اور مشرح ہوتی جائے گی لیکن بایں ہمہ اسکے اندر ارتقائے علم کے مختلف منازل میں بعض آیات **متشابہ المعانی** رہیں گی، اُن سے بادی النظر میں مختلف مطالب نکل سکینگے اور جب تک انسان کا علم ایک خاص سطح بلند تک نہ پہنچے گا انکے صحیح مطالب اور صاحب القرآن صلعم کے اُن کے متعلق صحیح عندیے کی تصدیق نہ ہوسکے گی۔ کج بیں اور نفاق پسند لوگ اُن کے بارے میں ٹکلیں دوڑا دوڑا کر لوگوں کو آمادۂ خلاف کرتے رہینگے لیکن **علم اعمال خدا** میں راسخ لوگ ان کے متعلق اپنا عندیہ ظاہر

[†] چنانچہ ایک دوسری جگہ ہے: بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۝ (العنکبوت ۴۹)

کرنیسے اُسوقت تک اعراض کرینگے جب تک کہ انکو صحیح اور یقینی علم حاصل نہ ہوجائے۔ بااین ہمہ اُن کے سچ اور وحدالمعانی ہونے پر سچا اور غیر متزلزل یقین رکھنا ہر حامل قرآن کا فرض ہے۔ اس یقین کے بعد ان کے صحیح مقاصد کی تلاش میں لگے رہنا عین ایمان ہے، انکو سمجھنے اور انکی وساطت سے نئے راہ عمل دریافت کرنے کی خاطر اپنے علم کو وسیع کرتے رہنا شرط اسلام ہے، وغیرہ وغیرہ۔ ایک معتدبہ حصہ اس قانون کا بالکل عیاں ہے اسمیں کسی تشریح، کسی تاویل، کسی التوا، کسی مکروفریب کی قطعاً گنجائش نہیں۔ یہ محکمات ہیں، اور یہی اصل قانون ہے، اسکے ماسوا جو ہے فرع ہے مگر اہم اور ضروری ہے:

هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ڤ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ڤ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَيْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَھَّابُ ۝ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ (آل عمران)†

† "اے پیغمبر! خداوہ صاحب فضل وکرم خدا ہے جس نے تمہیں یہ قانون دیا۔ اسمیں بعض آیات اپنے مطالب میں محکم ہیں (مُحْكَمٰتٌ) اور یہی قانون خدا کی اصل و اساس ہیں (اُمُّ الْكِتٰبِ)، بعض بادی النظر میں متشابہ المطالب ہیں (اگرچہ خدا کا عندیہ انکے بارے میں بھی واضح ہے) تو جن لوگوں کے دلوں میں (کمی علم کے باعث) کجی اور کم بینی ہے تو فساد رائے یا اختلاف کھڑا کرنے کی غرض سے (ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ) یا کم از کم اصل مقصود کی تلاش میں (ابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ) ان مبہم آیتوں کے پیچھے (اپنے علم میں ترقی کیے بغیر) لگے رہتے ہیں، حالانکہ اللہ کے سوا انکے اصلی مقصود اور اولین مطمح نظر (تَاْوِيْلَهٗ) کا علم کسی کو نہیں ہوتا۔ البتہ جو لوگ علم میں بڑی پایگاہ رکھتے ہیں (وہ جب ان آیات کے صحیح مقاصد تک نہیں پہنچ سکتے تو) کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا ان کے سچ ہونے پر پورا یقین ہے، اگرچہ صحیح مطالب معلوم نہیں، یہ سب ہمارے خدا کی طرف سے ہیں (جسکا علم تمام عالم پر حاوی ہے) اور قرآن حکیم سے وہی شخص مستقل نتائج اخذ کرسکتے ہیں (يَذَّكَّرُ) جو ارباب علم و دانش ہیں۔ (یہی وہ لوگ ہیں جو خاموش سعی و تلاش کے ہر مرحلے میں بزبان حال پکارتے ہیں کہ) اے ہمارے پروردگار! تو راہ دکھلانے کے پیچھے ہمارے دلوں کو قرآن کے متعلق کج بینی کیطرف مائل نہ کر، اور اپنی سرکار سے ہمکو سچا علم عطا فرما کہ یہی تیری بڑی رحمت ہے، بے شک تو بڑا ہی بخشش کرنے والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! تو روز قیامت کو جس کے واقع ہونے میں کوئی بھی شک نہیں سب لوگوں کو اکٹھا کرکے ان سے انکے اختلاف کے متعلق بازپرس کرنے والا ہے سو ہم کو یہی توفیق دے کہ تیری آیات بینات کے متعلق کوئی اختلاف پیدا کرنے کا باعث نہ ہوں اور متحد العمل بنے رہیں) اس میں شک نہیں کہ تو اپنے وعدوں کے خلاف نہیں کرتا (اور یہ پرسش ضرور کرکے رہیگا)"

متذکرہ صدر ترجمے میں آیات الٰہی تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ (۲:۲۶) اور تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۝ (۲۷:۱) اور تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ (۱۵:۱) اور وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ (۲:۴۳) کو پیش نظر رکھا گیا ہے جن میں قرآن کو کتاب مبین کہا گیا ہے، آیات بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ (۲۹:۴۹) اور كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ۝ (۲۲:۱۶) سے واضح ہے کہ قرآن صاحب علم لوگوں کے سینوں میں بین ہے، اور اسکی آیات آیات بینات ہیں۔ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ (۴۱:۳) سے ظاہر ہے کہ قرآن صاحب علم قوم کیلیے ہی واضح اور مفصل ہے، آیات هٰذَا بَصَاۗىِٕرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ (۴۵:۲۰) اور اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝ (۴:۸۲) اور وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ (۱۶:۴۴) میں بصیرت، تدبر اور تفکر فی القرآن کی ترغیب دی گئی ہے۔ آیت كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (۳۸:۲۹) میں کہا گیا ہے کہ قرآن تدبر کے لیے ہے اور اولوالالباب ہی اس سے نتائج اخذ کرتے ہیں۔ ان سب آیات الٰہی کو مدنظر رکھکر متذکرہ صدر مطالب کی صحت عیاں ہے +

قرآن حکیم کا اپنے بارے میں یہ حیرت انگیز اعلان فی الحقیقت اس امر کی بالواسطہ دلیل ہے کہ وہ سب کا سب واحد المعانی ہے، فاطر زمین و آسمان کا عندیہ اسکے ایک ایک حرف اور ایک جملے کے متعلق ایک ہی ہے، لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ہی، یہ فی الحقیقت انسانی علم کی کمی ہے جو اسکے مطالب کو مشکوک یا متعدد کر رہی ہے، ایک سلامت رَو امّت سے اسکے مطالب کی صحیح حفاظت اِسی طرح ہو سکتی ہے کہ کسی ایک زمانے کی متشابہ آیات کو اپنے دائرہ بحث سے یکسر خارج کر دے لیکن اعمال خدا اور صحیفۂ کائنات کے علم کو حتی الامکان وسیع کرتی رہے، پھر اگر علم کی وسعت کے باعث نور کے درز اسقدر کھل گئے ہیں کہ وہ حقیقت جو الفاظ کے اندر چھپی بیٹھی تھی خود بخود عیاں ہو رہی ہے تو اسی علم و صداقت کے زور پر اُسکو الم نشرح کرے اور پھر معًا اُسکو محکمات میں داخل کر کے اُسپر عمل پیرا ہو جائے۔ مثال کے طور پر اگر کسی زمانے کے حکمار کا ناقص علمِ فطرت سورج کے عظیم الشان کُرے کو فضائے اثیری میں ساکن متصور کر رہا ہے درآنحالیکہ قرآن حکیم کا اٹل محاکمہ اس امر کے متعلق وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (یٰس) موجود ہے تو یہ آیت بلاشبہ اُس زمانے کی متشابہات میں سے ہی، اُسکے متعلق کسی قسم کی تاویل کرنا حتمًا ناجائز ہے، علمائے فطرت کے تتبع میں یا اُنکے دعاوی کو صحیح مان کر ردّ و بدل کرنا یا تحریف پیدا کرنا منافی **دیانت** ہی، اسلامی اُمّت کا فرض صرف اسقدر ہے کہ اِس آیت کے صحیح مطالب کی تشریح سے یکسر اعراض کرے اور سورج کی کسی مستقر کیطرف حرکت کے بارے میں پیہم **مشاہدے** کرے، اُسکے متعلق ناقابل انکار **معلومات** فراہم ہوں، اُس منتہی کی طرف قرنوں اور صدیوں تک لگی رہے، شبانہ روز تجربے اور معائنے ہوا کریں، اُمّت کے مختلف اور **اہل** گروہ اُس حقیقت کو سچ کرنیکے درپے ہو جائیں، یا اگر اس تفحص کے ضمن میں اس آیت کے کوئی اور مطالب منکشف ہوں تو اپنی توجہ اُدھر منعطف کر دیں مگر جبتک سورج کی کسی مستقر کی طرف فضائی حرکت کے متعلق وہی انکشاف نہ کر لیں جسکو بالآخر مغرب کے ایک حکیم **ہرشل**† نے تمام عمر کے مسلسل مشاہدے کے بعد کیا، اُمّت کے سر سے اِس آیت کے بارے میں گراں فرض نہیں ٹل سکتا، اور نہ وہ آیت اُسوقت تک **محکمات** میں داخل ہو سکتی ہے۔ اِس مقام نظر سے

† زمین کی حرکت، سورج کے اضافی سکون، اور موخر الذکر کی فضائی حرکت کے متعلق ایک تاریخی بحث اصل کتاب صفحہ ۲۱-۲۳ تحت المتن میں آگے چلکر آ رہی ہے۔ وہاں پر اجرام سماوی اور بالخصوص زمین کی حرکت کے متعلق قرآنی شہادت بھی درج کر دی ہے۔ یہ شہادت اِس قدر قطعی اور ناطق ہے کہ اِس کے بعد کسی شہادت کی ضرورت نہیں رہتی۔

متشابہات کا کتاب الٰہی کے اندر موجود ہونا انسان کے لئے **تحقیق و تلاش** کی ایک پیہم **راہ عمل** ہے اُنکی وجہ سے افراد امت کا زمرہ گر مختلف یا **فرقہ بند** بنجانا ہرگز مقصود نہیں۔ اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (الجاثیہ ۳) کا الٰہی محاکمہ قرآن پر عمل کرنے والے صاحب **ایمان** لوگوں کو جب تک زمین و آسمان قائم ہیں روز بروز نئی راہ عمل دکھاتا رہے گا، وہ الٰہی اصطلاح میں صاحب ایمان بننے کی لازوال ترغیب پر آیات خدا کی تلاش میں کائنات فطرت کا ہر گوشہ دیکھتے رہیں گے، بہت ممکن ہے کہ اس آیہ جلیلہ کی کامل تفسیر اور صاحب القرآن کا اُسکے بارے میں محل عندیہ روز قیامت تک معلوم نہ ہو سکے، اور صحیح معنوں میں یہ آیت ابد الآباد تک مُتشابہات میں داخل رہے۔ مگر اعمال خدا کی **تلاش** کو جزو **ایمان** قرار دیکر سعی و عمل کا ہیجان عظیم پیدا کر دینا ہی اس آیہ جلیلہ کا **واحد** منتہائے نظر ہے، یہی اسکا واحد اور ناقابل بدل مطلب ہے، مقصود وہی ایک ہے، یہ نہیں کہ سوال پیدا کر دیا جائے کہ آسمان و زمین میں آیات خدا کس نوعیت کی ہیں، اور خدا کی مراد بعینہ اُنکی کونسی شق سے ہے؟ اور پھر ان سوالات کو بنائے نزاع قرار دیکر ذو یا دس **فرقے** بنجائیں جو ایک دوسرے کی رائے کو منطقی اور کاغذی اجتہاد سے رد کرتے پھریں، لیکن اس آیہ کریمہ کے اصل مقصود کی طرف ایک قدم جنبش تک نہ ہو!

متلاشیان فطرت کا دستور بھی اکثر اسی انداز پر رہا ہے، علم حقائق الاشیا کے ماہر سمع و بصر اور **قلب سلیم** کی شہادت پر ایک نظریہ مرتب کرتے ہیں، اُسکو اساس قرار دیکر مشاہدات طبیعت کی توجیہیں اخذ کرتے ہیں، توجیہات کی مجموعی شہادت کو اُس نظریے کی صحت کا مزید ثبوت یقین کرتے ہیں، سب کے سب اُس پر **متفق علیہ** ہو کر اسکو علم کے معیار پر آزماتے ہیں، پھر جوں جوں وہ **نظریہ** عمل کے صحیح معیار پر پورا اُترتا ہے، جوں جوں اُسکے ذریعے سے نئی مشکلات یا مظاہر کا حل ہوتا ہے وہ بذاتِ خود **واقع الامر** اور حقیقت بنتا جاتا ہے، ورنہ سب کے سب اسکو ترک کر کے کسی دوسری **غالب** حقیقت کی طرف رجوع ہو جاتے ہیں اور اُس پر اپنی تعمیر شروع کر دیتے ہیں۔ علم کی حیرت انگیز ترقی اور حقائق الاشیاء کا محیّر العقول انکشاف دنیا میں اسی باہمی تحمل اور تسامح

اسی شتفقہ ردو قبول سے ہوا ہے۔ نہیں بلکہ ایک وقت معین تک کسی غلط نظریئے پر باالاتفاق قائم رہنے کا نتیجہ بھی اکثر اوقات یہی ہوا ہے کہ اس شتفقہ طرزِ عمل کے باعث نئے راہِ عمل کُھل گئے ہیں، غلط راہوں پر ٹھوکریں لگنے سے صحیح راہیں ایسی کشادہ اور حقیقت نما بن گئی ہیں جنکا اس سے پہلے سان گمان تک نہ تھا۔ الغرض علم حقائق الاشیاء کی ترقی میں حکما کا باہمی اتفاق عمل اور اُن کا سلامتئ وہوناہی نمایاں طور پر معاون رہا ہے، انھوں نے ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر اکثر کوئی فرقہ بندی نہیں کی، جہاں جہاں اختلاف رونما ہوا ہے، جزوی اور عارضی طور پر ہوا ہے، کم سے کم مدت اور بحث مباحثے کے بعد حکمائے فطرت خود بخود ایک مشترک حقیقت پر متفق ہو گئے ہیں۔ علم نے اُن کے وقتی اور مقامی اختلافات کو جلد سے جلد مٹا دیا ہے، اور وہ پھر باہم گرم مصافحہ کرکے طبیعت کے اس بحرِ بیکراں کی تلاش میں مصروف ہو گئے ہیں جو فی الحقیقت اُن کا منتہائے نظر ہے۔ قرآن حکیم کے حقائق عالیہ کے ساتھ بھی علمائے دین کا بعینہ یہی سلوک ہونا چاہیئے تھا؛ صنّاعِ کون و مکان کے بھیجے ہوئے الفاظ بھی اُسی پیمانے پر مغلق اور فراخور اعتنا و انہماک، حیرت انگیز اور تحقیق طلب، جامع النّاس اور بیکراں ہونے چاہیئے تھے، جسقدر کہ اسکی بنائی ہوئی فطرت ان آنکھوں کے سامنے نظر آرہی ہے اُن کے اندر بھی وہی ناپیدا کنار تبحّر، وہی حقیقت کشا اُفق، وہی بے نیازی کی شان اور استغنا کا سکوت، وہی منفعت بخش ہونے کا اغلاق و اشتباہ، اور عزیز القدر ہونے کا عسرِ حصول ہونا ضروری تھا جو ہر اصلی اور اصولی تحریر کا جزو لاینفک ہے مگر افسوس کہ اسلامی علماء اور متکلمین نے اتحادِ عمل کو قطعاً نظر انداز کر دیا، وہ جو کچھ اُنکے محدود، وقتی اور مقامی علم سے بن پڑا اس نادرالوجود کتاب کی تشریحیں کر گئے، اعتقادی طور پر اپنی اپنی شرح قطعی اور آخری قرار دیکر لوگوں کو اپنے پیچھے لگا لیا اور باہمی ضد اور ہٹ دھرمی سے فرقہ بند بنکر کلام خدا کی حقیقت کو نظروں سے نہاں کر دیا؛ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (آل عمران) ۔ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (بقرہ) وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (شوریٰ) فَمَا اخْتَلَفُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ إِنَّ رَبَّكَ

يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۔ (الجاثیہ ۱۷) اُنھوں نے آجتک کلام خدا کی تفسیر کے کوئی مشترک علمی اصول مقرر نہیں کیئے، کوئی مشترک اساس بحث و تنقید کی پیدا نہیں کی، کلام خدا کے عظیم الشان اعجوبہ گاہ کے اندر کوئی صحیح اور مرتقی افق نظر قائم نہیں کیا، کوئی ربط اور تسلسل کوئی حتمی دلیل اور حجت واضح نہیں کی یہی باعث ہے کہ قرآن کا صحیح علم اور اُسکی عظیم الشان حکمت آج نظروں سے اکثر نہاں ہو چکی ہے، اُسکا پڑھایا ہوا سب اگلا درس بھی بھولا جا چکا ہے، وہ آپ سب کا سب ایک ناقابل التفات اور بے معنی شے بن گیا ہے۔ لوگ آج اِس کے الفاظ کو دیکھکر کچھہ متعجب نہیں ہوتے، اُسکے احکام کو سُنکر اپنے میں کچھہ تحرک نہیں پاتے، اُسکی حکمت کو پاکر کچھہ تڑپ نہیں اُٹھتے، وہ مستور حقیقت جسکی مستوریت اور دلربائی بجائے خود ایک عالم کو محو تلاش اور نعل در آتش کرنیکے لیئے ابدالآباد تک کافی تھی، آج بے حس اور بے اثر بن چکی ہے، وہ آیات خدا جنکے مطالب کی جستجو اِس کارگاہ جہان کے ساز امن و راحت پر بجائے خود ایک پیہم مضراب عمل تھی، آج انسان کی ضد اور جہالت، ناقدر شناسی اور ناقدروانی کے باعث جمود و عصیان، فرقہ بندی اور ضعف کے محور بن چکی ہیں۔ غلط اعتقاد اور ناروا تاویل کا زنگار اُنپر جم کر اُمت کی ہی سی طاقت کو کھا رہا ہے۔ علمائے دین اور شارحین اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جدا کر گئے ہیں، ہر شخص اپنے اپنے پروانے کو لیئے ہوئے ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھا ہے اور موت کے انتظار میں چراغ سحری کیطرح ٹمٹما کر اپنی زندگی کا سطحی ثبوت دے رہا ہے: يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفٰسِقِينَ ۔ (بقرہ)

کسی قانون کے شارح کا فرض میرے نزدیک یہ ہے کہ وہ اسکی سب دفعات کو بحیثیت مجموعی ایک مقصد اور ایک منتہائے اعلیٰ کیطرف جاتا ہوا ثابت کرے، نظام حکومت کو پیش نظر رکھکر دفعات کے صحیح مقاصد کی تبیین کرے، دفعات کے مطالب کی تعیین کرکے نظام حکومت کو واضح کرنے کی سعی کرے، ہر امر و نہی کا منتہائے جمیع رعیت کا امن حاصل کرنا ثابت کر دے، انکار کے نتائج واضح ہوں، تعمیل کا انعام ظاہر ہو، حکومت کی طاقت کا نقشہ روز روشن کی طرح سامنے ہو، جزا و سزا کا واقع ہونا آنکھوں کے سامنے صاف دکھائی دے، نہیں، بلکہ اوامر و نواہی کی اساسی حکمت عملی کی تہ میں ایک لازوال قسط و عدل، ایک یقین انگیز منطق، ایک برہان قاطع اور

حجتہ بالغہ، ایک مہیج اعضا علم کا موجود ہونا ثابت کردے، جو اُس قانون پر عمل کرنے والوں میں ایک عالمگیر انگیخت اور اضطراب عمل چار و ناچار پیدا کردے۔ وہ اُس مدلّل اور قائم، اُس طاقتور اور عادل حکومت کے اندر شرط و جزا، علّۃ و معلول اور سبب و اثر کا آپس میں ایک لاینفک تعلق دیکھیں، اور اس شرط و علّۃ کو طوعاً و کرہاً اپنا شعار عمل بنالیں۔ میرا یقین ہے کہ انبیائے کرام نے قانون آلہی کو اپنی امتوں پر بعینہ اسی طرح پر واضح کیا، اسی لیے انکا بے مثال عمل تھا، اور یہی ایمان کی پہلی اور آخری منزل ہے! جو تفسیر کلام خدا کو اس طرح پر عیاں نہیں کرسکتی وہ ایک بے روح جسد ہے جسکا ہونا نہ ہونا برابر ہے، اور جو ایمان اس عین الیقین کے مرتبے تک نہیں پہنچا وہ ایک بے روح پیکر ہے جسکا اس دنیا کے اندر بیکار ہونا ظاہر ہے۔ انسان کے کالبد کی چھوٹی سی ادارت کے اندر اُس پر بڑا حکومت کرنے والا العضو ذہن ہے، باقی اعضا کے تمام اعمال و محسوسات کی پہلی اطلاع اسی کو پہنچتی ہے، یہی عضو امیر اُنکی چھان بین کرتا ہے، اُنکو صحیح یا غلط قرار دیتا ہے، اسکو حوصلوں یا نامردیوں کی کمک بھیجتا ہے، اور یہی وہ آمّارِ عظیم ہے جسکے حکم پر سب اعضا ہلتے اور کام کرتے ہیں۔ جبتک ذہن کسی شئے کو تسلیم نہ کرے، اعضا کا اُس شے کے بارے میں حرکت کرنا، اسکو مجال عمل بنا لینا از بس متعذر ہے۔ پس قانون خدا کی کوئی تشریح جبتک ذہن کو اپنا مؤیّد اور قلب سلیم کو اپنا حمایتی نہ بنالے کسی شخص کے اندر سعی و عمل کا ہیجان یا ایمان کا عالم انگیز نور پیدا نہیں کرسکتی۔ یہی باعث ہے کہ ظہور اسلام سے لیکر آجتک کلام خدا کی تبیین و تشریح کے متعلق مسلسل سعی کے باوجود اُسکی کوئی تفسیر حتماً اُس ایمان، اُس لشکر انگیز یقین، اُس زہرہ گداز عمل کا کروڑواں حصّہ نہ پیدا کرسکی جو نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تئیس برس کی بالمشافہ تشریح کے بعد پیدا کیا تھا، اور جس کا پھر پیدا ہوجانا عملی نقطۂ نظر سے آج محالات سے شمار ہو رہا ہے۔ نہیں بلکہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ قرآن کے ہزار ہا ہزار شارحین میں سے ایک متنفّس بھی اپنے قارئین میں سے کسی ایک کے ذہن کو اس طرح پر نہ منا سکا کہ وہ عضو رئیس علی الاطلاق باقی سب اعضا کو وقفِ عمل کم از کم ایک عمر کے لیے کردیتا۔ ہر منتہی کا آخری سوال اُسکے مالہٗ وماعلیہ کو پڑھ لینے کے بعد بھی مشہور قصّے کی طرح یہی رہا کہ زلیخا مرد تھی یا عورت۔ قرآن کی تعلیم کا ماحصل کیا ہے، انہیں کیا

لکھا ہے، اسمیں اللہ صاحب نے چند الفاظ میں کیا حکم دیا ہے، اسمیں وہ شئے کہاں ہے جس نے عرب کی تمام قوم کو چند
برسوں کے اندر اندر سربکف اور پا برکاب کر دیا تھا، وہ **بات** کدھر ہے جس نے چھوٹوں اور بڑوں کے، جاہل اور
عاقل کے، مُدعی اور مطیع کے، غریب اور امیر کے دل میں وہ سکوں سوز آگ لگا دی تھی جو قرنوں تک بجھائے نہ بجھی
جس نے سیکڑوں برس تک ایک پوری اُمت کے اعمال و افعال، عادات و اخلاق میں، معاملات و تعلقات
میں وہ مدِ عظیم پیدا کر دیا تھا کہ آج اُس تموّج کو پھر دیکھنے کے لیئے آنکھیں ترس رہی ہیں! آج اگر کوئی طالب حقیقت اپنی
بجھی ہوئی آگ کو سلگانے کی نیت سے کسی بڑی سے بڑی تفسیر کیطرف رجوع کرتا ہے تو پہلا ورق کھولتے ہی انہیں
انسانی باطل آرائی اور غلط گوئی، داستان سرائی اور حقیقت پوشی، آسماں سوالی اور ریسماں جوابی کی وہ حیا سوز
بدعنوانیاں دیکھتا ہے کہ اُس قصّاب خانہ فہم و عقل کو دیکھکر رُوح کانپ اٹھتی ہے۔ کہیں اُسکے اندر صرف و نحو کے
مستقل مقالے ہیں، کہیں اعراب کے رفع و نصب پر لمبی چوڑی بحثیں ہیں کہیں اسالیب فصاحت پر جرح و قدح ہے،
کہیں ظنّ و قیاس کے ظلمت انگیز مناظرے ہیں، کہیں حدّثنا اور قال قال کا بے سُرا راگ ہے، کہیں فرضی اور بے تُکے
قصّوں کا طومار ہے، کہیں بے ربطیاں میلوں تک ڈیرہ ڈالے ہوئے ہیں! ہر آیت سیاق سے الگ، سباق سے
علیحدہ، اندر سے ٹکڑے ٹکڑے، باہر سے بے مطلب اور بے نتیجہ بن گئی ہے! جہاں ربط روز روشن کیطرح عیاں ہے
وہاں طفلانہ نمایش ہے، جہاں بے ربطی کی خلیج عظیم اور تدبّر اور علم کی ضرورت ہے وہاں آئیں بائیں شائیں ہے!
نہ اصول مطلب سے بحث ہے، نہ نتائج پر نظر ہے، نہ علم کی تلاش ہے، نہ حکمت کی جستجو ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شارح
کو خدائی دلیل کی آسمان تک پونہچانے والی **شاہ راہ** کے ہوتے ہوئے **اطراف راہ** کی اپنی پیدا کی ہوئی
اُلجھنوں اور خار کشیوں کے باعث راہ نہیں ملتی، اسکو گِس کی مانند درختوں کی کثرت کے باعث جنگل نظر نہیں آتا،
وہ خار دار جھاڑیوں میں خود گھستا ہے اور قدم قدم پر دامن کو کانٹوں سے چُھڑاتے چُھڑاتے اپنا پچھلا طے کیا ہوا
رستہ بھی بھول جاتا ہے، بالآخر جب مُڑ کر دیکھنے سے ہاتھ پلّے کچھ نہیں پڑتا تو بیار و نا چار منہ اُٹھائے ہوئے جدھر
بن پڑتا ہے اپنے آپ کو دھکیلتا جاتا ہے۔ کسی مفسر قرآن کی اکثر نظر آجتک اِس بات پر نہیں رہی کہ تفسیر کے

ناظر کا بڑا مدعا الٰہی پیغام کی ماہیت کو سمجھنا ہے، یہی اُسکے اِس ضخیم کتاب کو کھول کر پڑھنے کا واحد مطلب ہے۔ اِس غرض و مقصد کیلئے اُسنے ایک مجمل اور مغلق کتاب کو چھوڑکر اپنے زعم میں ایک سہل اور مفصل کتاب کی طرف رجوع کیا ہے اور بعینہ اسی بنا پر، مفسر کے کلام خدا کے بارے میں حسن اعتقاد کی تمام طومار نویسیوں اور حاشیہ آرائیوں کے باوجود ناظر کا مدعا وہی ہے کہ قرآن کا **نفس پیغام** کیا ہے، چند الفاظ میں اُسکے اندر کیا لکھا ہے، چند جملوں میں وہ کیا اصول ہیں جن پر عمل چاہیئے، اُنکی الٰہی حکمت کیا ہے، اُنکی دستوری سند کیا ہے، وہ کیوں ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ہے کیوں ھُدًی وَّ رَحْمَۃً ہے۔ بعینہٖ یہی باتیں ہیں جو ہر تفسیر اور ترجمے میں کالعدم ہیں، اسی مدعا کو دل میں ٹھان کر لوگ تفسیریں پڑھتے ہیں اور مایوس ہو ہو کر رہ جاتے ہیں۔ کوئی مستقل اصول، کوئی مختصر گر، کوئی کارگر بات موجودہ تفاسیر سے اُن کے ہاتھ پلّے نہیں پڑتی۔ الغرض تفسیر یا تراجم قرآن کا مطالعہ متلاشی **علم** کے لیے مدت مدید سے وہ بے نتیجہ اور ناموافق شئے رہا ہے کہ ایمان کے شعلے کو آسمان سا کرنے کی بجائے معتقد کی اُس خفیف سی سُلگتی ہوئی چنگاری کو بھی بجھا دیتا ہے جو ہر مسلمان کے دل میں رسمًا یا خلقًا موجود ہے اور بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک ہوشمند اور سلیم الذّہن شخص ان تشریحوں اور ترجموں کو دیکھکر دین اسلام سے یکسر متنفر ہو گیا ہے اور وہ رہی سہی عصبیت جو اُسکے دل میں مسلمان ہونے کے باعث موجزن تھی ہمیشہ کے لیے ساکن ہوتے ہوتے کالعدم ہو گئی ہے!

ایک مغربی نقاد نے حسن اعتقاد کی ان ہلاکت انگیز باطل آرائیوں کی ایک دلچسپ اور معنی خیز مثال انگلستان کے ایک مشہور شاعر کے کلام کی بے شمار مروجہ تشریحوں کو پیش نظر رکھکر اسطرح پر دی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ پاپائے روم الکبرٰے کے مقتدیوں (رومن کیتھولک) کے ہاں دستور ہے کہ اپنے راہبوں اور اولیاؤں کی تصویریں گرجاؤں میں بطور تبرک کے لٹکا دیتے ہیں، پھر لوگ اپنے اعتقاد کے مطابق اُن تصویروں کے نیچے بتیاں اس نیت سے جلاتے ہیں کہ اُن کی روشنی اُنکے چہروں کو منور کر دے اور وہ اور بھی پر رونق نظر آئیں۔ جسقدر اعتقاد کی شدت کسی ولی کی نسبت لوگوں کو ہے، اسیقدر شمعیں اُسکے نیچے جلتی ہیں اور اسیقدر عوام کی نگاہوں میں وہ شخص بزرگ شمار ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنی اپنی حیثیت کے مطابق چراغ جلاتا ہے، کوئی موم بتی کا صیقل کیا ہوا شمعدان لاکر رکھدیتا ہے تو کوئی روئی کی بتی کا

پرانی وضع کا تیل سے بھرا ہُوا دیا نہایت ارادت سے ٹکا دیتا ہے۔ مگر اِس تمام عقیدت آرائی کا مجموعی اثر اُس تصویر پر یہ ہوتا ہے کہ بتّیوں کا پیچ در پیچ اور چکناہٹ سے بھرا ہوا دُھواں اُس ولی کے چہرے کو سیاہ کر دیتا ہے، چہرے کے تمام خط و خال رفتہ رفتہ مسخ ہو جاتے ہیں، تیل کے داغ لگ لگ کر تمام تصویر چپچپی ہو جاتی ہے اور بالآخر وہ بزرگ منش کسی بھوت کی ڈراونی شکل بنجاتا ہے۔ شاعر کے بارے میں نقاد لکھتا ہے کہ وہ ہزار در ہزار تشریحیں جو شکسپیر کے مداحوں نے اُسکی تصنیفات کو روشن کرنے کی غرض سے لکھی ہیں، بجائے خود اسکے منشا کی اصلی تصویر کو سیاہ کر رہی ہیں، خوش اعتقاد مفسّروں نے اُسکے کلام کے ایک ایک جُملے کے متعلق معانی کے وہ بے سر و پا فسانے بنائے ہیں جو لکھتے وقت شاید مصنّف کے وہم و گمان میں نہ تھے۔ ایک شاعر کے بے نفع و ضرر اور بے نتیجہ کلام کے متعلق عقیدتمند لوگوں کا یہ حُسن ظن ممکن ہے دنیا کے ایک فرد پر بھی فی الحقیقت کوئی مضر اثر نہ ڈال سکا ہو۔ اسکے دشمن معتقدوں کا بھی صحیح معنوں میں شاعر کی اس تمام کذب آرائی سے بال تک بیکا نہ ہوا ہو۔ لیکن مالکؔ زمین و آسمان کے کلام کے مطالب میں اسلامی مفسّروں کی صدیوں سے رطب و یابس سب، رائے زنیاں اور قیاس رانیاں ایک عالمگیر قوم کی تاریخ نفع و انعام میں وہ ناقابل تلافی نقصان، اُسکے اعمال میں وہ ناپید امثال شرارتیں، اُسکے اخلاق میں وہ موت انگیز بیماریاں، اور اُسکے سعی و عمل میں وہ ملامت انگیز واماندگیاں پیدا کر گئی ہیں کہ انقلاب کی اس روح فرسا حکایت، اور انسانی اقوال کی اِس مضرت انگیز اور عمل بر انداز روئداد کو سُنکر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں! قرآن حکیم کے صحیح مقاصد کی سب موہنی مورت سر تا پا سیاہ ہو چکی ہے، اسکے اصلی اور حیات پرور حسن کا ایک خط و خال ظاہر نہیں رہا، ایک ایک آیت، جُملے اور اصطلاح بلکہ اکثر اوقات الفاظ اور نشانات کے مطالب بگڑ چکے ہیں، تعلیم کے بگڑ چکی ہے، نصب العین بگڑ چکا ہے، نہیں **نیّتیں** بگڑ گئی ہیں، **حوصلے** بدل گئے ہیں، **دل** اور **جگر** بدل گئے ہیں! غلط نقد و نظر اور بے محابا تاویل کی پے در پے گھٹا ٹوپ بدلیوں نے معانی پر سیاہ دھوئیں کی کئی ایک تہیں جما دی ہیں، پھر اُن تہوں پر عادت اور تعصّب کا سیاہ روغن منجھ منجھ کر اسقدر چمکیلا اور پُرانا ہو گیا ہے کہ آج کسی متنفّس کو اصلی تصویر کے موجود ہونے کا اعتراف تک نہیں رہا، دنیائے اسلام ایک روح پرور، ولولہ انگیز اور دلربا

صورت کے بدلے ایک میّل سے چیکٹ چوکھٹے پر اپنا اعتقاد جما رہی ہے اور حُسن کی لشکر انگیز تڑپ کے نہ ہوتے ہوئے فرض و گمان کے جمود میں نامرادی اور موت کی طرف آہستہ آہستہ گھسٹ رہی ہے!

کیا تفسیر کے اِس ظلمت انگیز چراغاں کے ہوتے ہوئے مَیں بھی فی الحقیقت آئندہ اوراق میں اپنی خوش اعتقادی کا ایک اور دُخاں خیز دیا لے آیا ہوں، اور اسطرح پر قرآن کو اور سیاہ کرنے کا مجرم بنا ہوں، اِس کا فیصلہ زمانہ آپ کرتا رہے گا، مگر حُسن نیّت کے ولولے میں اور شارحین کیطرح غالبًا مجھے بھی حق حاصل ہے کہ ظاہر کردوں کہ کلام الٰہی کی اِس تبیین میں مَیں نے جان بوجھکر کوئی بددیانتی نہیں کی۔ کوئی تاویل، کوئی مکر و تلبیس، کوئی فراتی قیاس یا رائے جس سے اپنے زعم میں میرا اپنا چھٹکارا ہوسکتا تھا میں نے حتّٰی پیش نہیں کی۔ مَیں نے صرف علم اور صحیح علمی برقی مشعل کو قرآن حکیم کے سامنے لاکر رکھدیا ہے، اِسکی دردمل رس حقیقت کشا اور مبرّق شعاعیں کلامِ خدا کے مطالب کی اصلی اور پہلی تہ تک پونہچادی، انسان کے اُسپر اپنے ہاتھوں کیئے ہوئے بدنما رنگ و روغن کے نیچے حقیقت کی پردہ نشین لاجواب گسل حُسن سے مزیّن اور تجلّی سے بے نیاز عروس کی ایک جھلک دکھلادی ہے، کم ازکم یہ درک لگادی ہے کہ الفاظ کے اِنہی مستعمل، بے قدر و قیمت اور دیدہ آشنا جھروکوں کی آڑ میں انسانی فلاح کی وُہ آسماں تاب عفیفہ، اور ضیا پاش عصمت آبہ بیٹھی ہے جسکو قرنوں سے کسی جنّ و انس نے چھُوا تک نہ تھا! وہی اِس قدوسی کلام کے اندر سچی مطلوب ہے! وہی طلبیہ مقصود ہے! اُسی کو پالینے سے قومیں عشق و نیاز کی اِس جاں گداز منزل میں فائز المرام ہوجاتی ہیں، اِسی سے بے نیاز ہوکر عالم اسلام پر ذُلّ و مسکنت کے بادل آج چھارہے ہیں غضب الٰہی کا تنّور جوش ماررہا ہے، انعام یک بیک چھینے جارہے ہیں، موت سامنے نظر آرہی ہے! سعی و تلاش کے اِسی حوصلہ زا اقدام میں میں نے جو کہا ہے بیخوف خطر کہدیا ہے، کسی رسم و رواج کی رعایت، کسی اجماعِ اُمّت کا فیصلہ کسی وضعی مسلکے کی پیروی، کسی شاہ و گدا سے ارادت، کوئی کفر کے مُلّائی فتوے، کسی حکومت وقت کا خوف، مقاصد قرآن کے متعلق میری تحقیق پر کچھ اثر نہیں کرسکا، قانون خدا کے متعلق جو بات واقع الامر ہے اُسکو سچ سچ کہدیا ہے، جو جھوٹ ہے اُسکو چھپاکر نہیں رکھا، جو شہادت ہے اُسکو من و عن کھول کر رکھ دیا ہے، جو منکر ہے اُس کے

بیچے اُدھیڑ دیئے ہیں۔ اگر کسی بات کے کہہ دینے سے مَیں اُنکی معنوں میں مسلمان نہیں رہ سکتا تو اسکی کچھ پرواہ نہیں، آپ عامل نہ ہونے کی وجہ سے اسلام کی صورت کو مسخ کر دینا میرے نزدیک کسی طرح روا نہیں۔ باقی مسلمانوں کے ساتھ ساتھ مَیں سب سے **پہلے** قصوروار ہوں، اور کسی نبوت یا ولایت، کسی معصومیت یا اعجاز، کسی کشف یا کرامت، کسی مجددیت یا قیادت، فضیلت یا علم کا ادعا حتماً نہیں کرتا۔ میری نگاہ میں قانون خدا کی تبیین میں اپنے نفس کے لیئے ادنٰی سی رعایت مد نظر رکھنا، اور اپنے آپ کو حتی الوسع مومن بنائے رکھنا نا قابل عفو گناہ ہے، ایک امت کے پورے گناہوں کو اپنے اوپر لاد لینا ہے، اسکی ہلاکت کا صریح طور پر مؤید بنکر اپنے آپ کو جہنم میں جھونکنا ہے، چند عارضی تمتعات کے عوض میں اپنے پیٹ کو **دوزخ** بنانا ہے: إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ (بقرہ)، **لعنت** خدا کا مستحق بنتا ہے: إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ† وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ† لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا† فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (بقرہ۲)۔ خدا سے **بدعہدی** ہے، بدمعاشی اور بے ایمانی ہے: وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ† لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ (آل عمران۳)

جو امور مَیں نے کتاب خدا کو آیات **بیّنات** ثابت کرنے میں پیش نظر رکھے ہیں یہ ہیں کہ قرآن مکمل کتاب ہے، مربوط ہے، اسمیں کوئی لفظ حشو نہیں، کوئی شاعرانہ زوائد نہیں، اسکی لغت خود اسکے اندر موجود ہے، یہ آپ اپنی تفسیر ہے، اسکو کسی خارجی مدد کی ضرورت نہیں، ابدالآباد تک انسان کے لیئے سچا دستور العمل ہے، اسمیں کوئی بات ایسی نہیں جسپر عمل ضروری نہ رہا ہو، اسمیں کامل تطابق ہے، اسکی ہر آیت کا ایک اور صرف ایک مطلب ہے، تمام قرآن کا منتہائے نظر ایک ہے، اُسکا بتایا ہوا صراط مستقیم ایک ہے، اسکی تعلیم عام اور مطلق ہے کسی ایک زمانے

† ملاحظہ البیّنت اور بیّنٰہ اور بیّنوا اور لتبیننّہ کے الفاظ سے یہی ظاہر ہے کہ قرآن حکیم جامع و کامل [illegible] کوئی مشتبہ شے [illegible]

یا اُمت سے مخصوص نہیں، یہ ایک قانون ہے جسمیں تاویل کی قطعاً گنجائش نہیں، اسکی سب آیات آیات بینات ہیں، مستقل اور ناقابل انکار حقائق کیطرف لیجارہی ہیں، جہاں تشابہ ہے کمی علم کی وجہ سے ہے، وہیں میری طرف سے مجمل کا علانیہ اقرار ہے! انکی ہر تکرار میں تشریح ہے، کسی نئے علم کا اضافہ ہے، کوئی تاکید مزید ہے، یہ رب زمین و آسمان کیطرف سے انسان کے نام ایک مکتوب ہے، پیام عمل ہے، فرمان خسروی ہے، حکمنامہ خدا ہے، اسلیئے اسکا ایک ایک حرف قابل انہماک ہے، یہ فطرت کی طرح وسیع ہے اسلیئے اسکے تمام لائحہ عمل پر حاوی ہوجانا، ایک قرن، ایک فرد یا ایک اُمت کا کام نہیں۔ اِنہی امور کو پیش نظر رکھکر میں نے قرآن حکیم کے بارے میں اُنکے صحیح ہونے کا بلاواسطہ علمی ثبوت دیا ہے، پیش از وقت ارادت یا عقیدت کو اس تحقیق و تلاش میں مخل کردینا قطعاً گوارا نہیں کیا۔ میرا مقصود تمام آئندہ بحث و تمحیص سے کتاب خدا کی خوبی کو ثابت کرنا ہے مسلمانان عالم کو ایک قطعی اور نفع مند ایک مختصر اور حیرت انگیز راہ عمل کیطرف پھر اشارہ کرنا ہے، اس سبق کو پھر یاد دلانا ہے جو کبھی اس طفل کم سواد کو خوب ازبر تھا مگر آج قطعاً بھولا جاچکا ہے، قرآن سے ناآشنا اور فطرت سے باخبر مغرب پر ثابت کردینا ہے کہ انکی تمام سیاست و تدبیر، ان کا سب علمی استقصا اور تقدم، انکی سب قطعی شہادت و بصیرت، اُنکے تمام نظریئے اور عملیئے قرآن کے ہوشربا علم اور زہرہ گداز انکشاف کے بالمقابل ہیچ ہیں، اپنے علم کی برتری جتلانا، اپنی مسابقت کچھ ظاہر کرنا، یا کسی نئے راہ عمل کی داغ بیل لگاکر فرقہ بند بننا قطعاً نہیں۔ میرا منتہا اتحاد اور خالصتہً اتحاد ہے، اسلام کی ہلاکت انگیز داخلی فرقہ بندی کو حتی الوسع مٹانا ہے، سب کے لیئے ایک صراط مستقیم کو صحیح ثابت کردینا ہے، ہر فرقہ بند اُمت یا فرد کو جہنم کا مکین قرار دیکر سب کو ایک مشترک سطح پر لانا ہے، رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کا وہی قرن اوّل کا ماحول پھر پیدا کرنا ہے، اِسی اتحاد کو دین اسلام کا رکن رکین، اسکی سب حکمت کاملہ کی اساس اول، اسکی حُجتہ بالغہ کا محور عمل، اُسکی فلاح و نجات کی علۃ اولیٰ ثابت کردینا ہے، اسکے ماسوا کچھ نہیں! شیعہ اور سنی، حنفی اور شافعی، مقلد اور غیر مقلد، صوفی اور وہابی وغیرہ وغیرہ میرے نزدیک کچھ شئے نہیں، یہ سب جہنم کی تیاری ہے خودکشی اور استہلاک ہے، موت کے ساتھ لہو ولعب ہے، اس زمین و آسمان کی چاردیواری کے اندر اگر کوئی

آئینی قانون کسی جگہ نافذ ہے تو وہ خالصتہ **اتحاد** اور خالص **اتحاد** ہے، عملاً اتحاد ہے، طوعاً و کرہاً اتحاد ہے مدافعانہ بلکہ جارحانہ اتحاد ہے، روز و شب کا اتحاد ہے **اصلاً** اور **فرعاً** اتحاد ہے مکر و فریب ہے یہ کہہ دینا کہ "اصولاً اسلام میں کوئی فرقہ نہیں" اور پھر فرقہ بند بنکر اجل زدہ اُمّت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا، اُنکی رہی سہی طاقت کو اور سلب کر دینا، اُن میں اشتاتِ عمل، طوائف الملوکی اور موت کے سامان پیدا کر دینا، اور پھر اپنے یا سب فرقوں کو بھی جنت کا مکین سمجھنا میرے نزدیک پرلے درجے کی فریب کاری ہے، خدا سے **مکر** ہے، آشوبِ چشم ہے، سودائے سر ہے! اُمّت کے کسی موجودہ یا گذشتہ قائد یا مدعیِ قیادت کو، کسی پیر یا امام کو، کسی بزرگ یا ولی کو، کسی سجادہ نشین اور مرشد کو، کسی مزار یا خانقاہ کو پیشِ نظر رکھکر اُن کا اتباع کرنا، اُن سے تعبداً ختیاً کرنا، عام جماعت سے الگ ہو کر اتحادِ عمل میں رخنہ ڈالنا، میرے نزدیک اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ کو پکڑنا ہے، عبادِ ماسوا ہے، **شرک** ہے، **ظلمِ عظیم** ہے، اس دنیا میں موت کی تیاری ہے، آگے چلکر جہنم کی لکڑیاں بننا ہے، اُن بیچاروں کو **دوزخ** کا ایندھن بنانا ہے۔ اسلام کے داخلی اتحاد اور اُسکی ماہیت کے بارے میں میرا یہ فیصلہ اسقدر مضبوط ہے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی مخالفت یا منطق میرے اس عزم کو متزلزل نہیں کر سکتی میں اسلامی جماعت کے اندر سب نظری اور اعتقادی، سب اقوالی اور اعمالی، سب اتباعی اور غیر اتباعی، سب شرعی اور فقہی تفرقے کے برخلاف ہوں، سب کو **علانیہ** مٹانا چاہتا ہوں، سب مطیعوں اور مطاعوں مریدوں اور مرادوں کو خدا کی سرزنش کا قطعی اہل اور عذابِ آخرت کا قطعی مستوجب سمجھتا ہوں لیکن اگر ہمہ کوئی شخص یا جماعت اس کتاب کے کامل مطالعے کے بعد عقیدۃً یا عملاً مجھ کو اسلام کے کسی نئے فرقے کا رہنما تصور کرے تو وہ میری دانست میں نہ صرف مجھے حصبِ جہنم بنا رہی ہے بلکہ آگے چلکر جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں ابدالآباد تک جلتے رہنا اُسی کا حصہ ہے!

اسلام میرے نزدیک سب اولیاء و اصفیاء سے گذر کر صرف **محمد** صلعم کی پیروی ہے، نہیں اُسکے لائے ہوئے قانون کی پیروی ہے، انبیاء کے لائے ہوئے طریقِ عمل (دین) کی پیروی ہے، قانونِ خدا کی پیروی ہے

آئینِ رب العلمین کی پیروی ہے، قانون **فطرت** کی پیروی ہے، تورات و انجیل، زبور اور تلمود، صُحُف نوح اور صُحُف ابراہیم، بلکہ وید اور ژند اوست، کے لائے ہوئے **مشترک** قانون کی پیروی ہے، **متفقاً** اور **متحداً** پیروی ہے، **عملاً** اور **معناً** پیروی ہے، قولاً اور اعتقاداً پیروی ہرگز نہیں؛ شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا **الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ** كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَن يُنِيبُ ۝ وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ **بَغْيًا** بَيْنَهُمْ (شوریٰ ۴۲) یہی **اتحاد** عین اسلام بلکہ میری دانست میں **تمام** اسلام ہے، یہی نفاق اور تفرقہ عین شرک ہے! سب خواہشات نفسانی کی پیدا کی ہوئی فرقہ بندی کو مٹا کر ایک راہِ عمل (دین) اور مساوات پر آجانا، ایک مشترک قانون کو پکڑ لینا، سب کا ایک **مشترک خدا** کے تابع بنجانا، ہر فرد کا اپنے ذاتی عمل کا ذمہ دار بننا، اور کسی دوسرے شخص یا پیر یا ولی یا بزرگ کے عمل سے بے نیاز ہوجانا، کسی دو فرقوں کے مابین کسی **حجتہ** کا قائم نہ رہنا، اور ہر دم اِس بات کے درپے رہنا کہ ساکنان زمین کے **بڑے سے بڑے** مجمع میں اتفاق عمل پیدا ہو میری نگاہ میں اسلام ہے: فَلِذَٰلِكَ فَادْعُ ۖ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ۖ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ ۖ وَقُلْ آمَنتُ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِن كِتَابٍ ۖ وَأُمِرْتُ **لِأَعْدِلَ**† بَيْنَكُمُ ۖ اللَّهُ **رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ** ۖ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ۖ لَا **حُجَّةَ** بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ ۖ اللَّهُ **يَجْمَعُ** بَيْنَنَا ۖ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ (شوریٰ ۴۲) اسی پر میرے تمام اسلام کی بنیاد ہے۔ خدائے زمین و آسمان کا یہ مذہب سب انبیا کو یکساں ماننے میں، اُن کو ایک مشترک پیغام کا حامل سمجھنے میں اِسقدر فراخ دل اور سیر چشم ہے کہ ہر قرن کے لیئے ایک کتاب لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ (رعد ۱۳)، ہر قوم کے لیئے ایک ہادی وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد ۱۳)، ہر اُمت کے لیئے ایک رسول‡ وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (فاطر ۳۵)۔ نہیں ہر قریے کے لیئے ایک نذیر وَمَا أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنذِرُونَ (شعراء ۲۶) کا آنا مانتا ہے لیکن سب کو **ایک** قانون کا مبلّغ، ایک قانون الٰہی کا ناشر، ایک الکتٰب کا حامل قرار دے کر اَللّٰهُ أَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ (بقرہ ۲) انکو **فرقہ بند** سمجھنے اور اس طرح پر خدا اور رُسل کے درمیان **تفرقہ** ڈالنے کی اِس شدّت سے مخالفت کرتا ہے کہ تمام قرآن طول و عرض میں اگر کوئی شے **فی الحقیقت کفر** ہے تو

† یعنی مجھے یہ حکم ملا ہے کہ تم سب کو برابر کردوں، تمہاری آپس میں سب برابر کرکے سب کو ایک مشترک سطح پر لے آؤں ‡ چنانچہ سورۂ یونس ۱۰ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ بھی ہے

یہی ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا۝ اُولٰٓئِکَ ہُمُ **الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا** ؏ وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّہِیْنًا۝ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْہُمْ اُولٰٓئِکَ سَوْفَ یُؤْتِیْہِمْ اُجُوْرَہُمْ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۝ (النساء ۲۰) پس اس دین متین کا رکن اعظم میرے نزدیک **اتحاد** ہے، لَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ ہے، اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ ہے، اَللّٰہُ رَبُّنَا وَرَبُّکُمْ ہے، لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ ہے، لَا حُجَّۃَ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ ہے، اَللّٰہُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا ہے، تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍۢ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ† ہے، نَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ ہے، نَحْنُ لَہٗ عٰبِدُوْنَ ہے، لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ ہے، لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْہُمْ‡ ہے، نہیں یہود کے موسیٰ علیہ السلام کو مان کر یہود کو اپنی طرف جذب کر لیتا ہے، نصاریٰ کے مسیح علیہ السلام کو تسلیم کرکے نصاریٰ کو کھینچتا ہے، ہنود کے کرشن علیہ السلام کے مقر ہو کر ہنود کو مرحبا کہتا ہے، گبر و برہمن کو، بدھ اور شدھ کو، افریقہ کے جن پرست اور قطب کے اسکیمو کو، امریکہ کے ہندوئے احمر اور مردم خور وحشی کو، ساکن بر اور مکین بحر کو اپنی آغوش لطف و مرحبا میں لیکر **اسلامی جماعت** کو اسقدر تنومند، اسقدر غالب، اسقدر عالمگیر اور وسیع، اسقدر **جہانبان** کر دیتا ہے کہ دشمن کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کا یارا نہ رہے! میرے نزدیک اصل اسلام یہی ہے، یہی قرآن کا اسلام ہے یہی قرن اول کا اسلام تھا، مگر وا حسرتا کہ نا اہل اور ناشناس لوگوں نے اسکو اسقدر تنگ کر دیا! باہر سے راہ مسدود کر دی، اندر سے ٹکڑے ٹکڑے کر گئے، ہر شخص مدعی تجدید بنکر مٹھی بھر لوگوں کو اپنے اپنے پیچھے لگا گیا، خلق خدا کے وسیع دائرے سے نفرت پیدا کر گیا، اشاعت اسلام سرتاپا رک گئی، اُمت کمزور ہوتی چلی گئی، پھر **اعلون** رہ کر **مومن** بننے کا نصب العین بھی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا، مسلمان دنیا سے یکسر متنفر ہوتے گئے، بعض رسل کو مانا بعضوں سے انکار پیدا کرکے خلق خدا سے عداوت اور تنگ چشمی مول لے لی، پھر خدا نے زمین و آسمان نے بھی

---

† یہ آیت سورہ آل عمران میں اسطرح پر ہے: قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍۢ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْہَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۝ (آل عمران) ‡ یہ آیت سورہ بقرہ میں اسطرح پر ہے: قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّہِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْہُمْ ۡ وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ۝ (بقرہ ۲۰)

ع تمام قرآن کے طول و عرض میں الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا کے الفاظ اور کسی امر کے متعلق حتماً استعمال نہیں کیے گئے، گویا ازروئے اسلام سب سے بڑا کافر خدا کے نزدیک وہی ہے جو انبیائے کرام علیہم السلام میں تفریق پیدا کرتا ہے! بعض کو مانتا ہے بعض سے انکار کرتا ہے، اُن کو فرقہ بند سمجھتا ہے، اور اس طرح اسلام کی اخوت کو وسیع نہیں ہونے دیتا۔

اِس صریح **کفر** کی پاداش میں عذابِ مُہین بھیجا، اور اس اہلِ کتاب کے آخری وارثین سے جی بھر کر بدلہ لیا جب اسلام کے پیشِ نظر خارجی اتحاد اسقدر ہے تو بعینہ اسی بنا پر ختمِ رسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اسلامی جماعت کے **اندر** کوئی ذرا سی تفریق پیدا کرنا بھی میرے نزدیک صحیح معنوں میں **کفر** ہے، جو مُدعی ہے کفر کا مرتکب ہے، فقہ کی تفریق، شریعت کی تفریق، مسئلہ و مسائل کی تفریق، طریقت اور سلسلوں کی تفریق، پیروں اور سجادہ نشینوں اولیاؤں اور خانہ نشینوں کی تفریق، مزار پرستی اور اولیا پرستی کی تفریق سب **کفر** ہیں، سب انکارِ خدا ہے سب **عبادت طاغوت** ہے، سب اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کو پکڑنا ہے، سب شرکِ جلی ہے، شرکِ محض ہے شرکِ اکبر ہے، وہ **ظلمِ عظیم** ہے جسکی بخشش کی تمنا کوئی آس نہیں، وہ بدی ہے جسکی پاداش جہنم ہے: وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ مِنَ الَّذِيْنَ **فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ** وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ (الروم ۳۰) قرآن میری نگاہوں میں **علم** ہے، آیاتِ بینات ہے، قانونِ خدا ہے، رازِ زمین و آسمان ہے: قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ (الفرقان) ، فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ ہے، ایسے علم، ایسی روشن حقیقت ایسے راز، ایسی فطرت کا منتہا ہر جگہ **اتحاد** چاہیئے، اسمیں بنی نوعِ انسان کو اپنے میں جذب کر لینے کی وسعت چاہیئے نہ یہ کہ خارجی توسیع تو یک طرف خود گھر میں فساد پیدا کر لیا جائے، اُمّت اس علم کو لیکر آپ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے ایسی فرقہ بندی میری دانست میں اسکی سب سے بڑی ناقدر شناسی ہے، اِس سے پورا **جہل** ہے، اسمیں انتہائی **بغاوت** کا نتیجہ ہے، ناقابلِ عفو گناہ ہے، جہنم کی تیاری ہے۔ جو قوم **علم** کے ہوتے ہوئے متحد نہ ہو سکی اُسکا کسی اور طاقت سے متحد ہو جانا خیالِ محال ہے: وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ **الْعِلْمُ** ۙ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰي شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (الجاثیہ ۴۵)۔ رسولِ خدا کی تبیین کے بعد چونکہ کتابِ خدا **علم** نہیں رہی کسی متنفس نے اُسکے کسی حصے کو **علم** ثابت نہیں کیا، سب کے سب جہالت اور قیاس ظن اور رائے، اعتقاد اور اقوال کی ظلمتوں میں پڑے ٹاک ٹوئیے مارتے رہے، اسی لیئے یہ دردناک اختلاف ہے، اسی لیئے ہلاکت انگیز فرقہ بندیاں ہیں، اسی لیئے کُلّ

حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (مومنون) ہو اسی لیئے سچا اور اصلی **شرک** ہے۔ جس دن کتاب خدا پھر **علم** ثابت ہوگئی، پھر زمین و آسمان کی ملکوت کا **سرِ عظیم** بن گئی، پھر ساکنانِ زمین کی **جبلت** اور **طینت** قرار پاگئی، پھر یہ یقین ہوگیا کہ اسی کے علم کو مان کر **امن** مل رہا ہے، ہر قوم کو، ہر اُمت کو، ہر مُلک کو، ہر قبیلے کو اس دُنیائے کسب وعمل کے ہر گوشے میں امن مل رہا ہے، ان آنکھوں کے سامنے امن مل رہا ہے، انعام مل رہے ہیں، مُلک مل رہے ہیں، دولت اور سلطنتیں قدموں پر نثار کیجا رہی ہیں، رحمت الٰہی کا دریا سب طرف موجیں مار رہا ہے جس دن یہ تصدیق ہوگیا کہ اسی کے علم سے ہٹ کر اسلام کو ذلّ و مسکنت نصیب ہورہی ہے، شکستوں پر شکستیں مل رہی ہیں، مُلک یک بیک چھینے جارہے ہیں، طاعون اور قحط، خون اور پیپ، جوئیں اور چیتھڑے مل رہے ہیں، آگ مل رہی ہے، اُسی دن یہ سب اختلاف مٹ جائے گا، سب فرقہ بندیاں فنا ہوجائیں گی، سب **ارضی خدا** دُم دبا کر بھاگ جائینگے، ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (انعام) کا سماں بندھ جائے گا، سب اولیاء اصفیاء، پیر و فقیر عرش سے گر کر فرش زمین پر آجائینگے، طاغوت کی پرستش ماند پڑجائے گی، **جن و انس** میں مساوات ہوجائے گی، سب کا خدا پھر **ایک** بن جائے گا، پھر اُس دن اس علم سے مفر بھی مشکل نظر آئیگا، طوعًا وکرہًا لوگ پھر **قرآن** کو **حسبنا** پکار اُٹھیں گے، سب اعتقادی کتابیں جنہوں نے یہ فتنہ عظیم برپا کر رکھا ہے فی النار والسقر کردیجائینگی، سب جلکر خاک سیاہ ہوجائیں گی۔ یہ فی الحقیقت کئی خداؤں نے ہی فساد ڈالا ہوا ہے، عَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ (مومنون) کے مصداق بن رہے ہیں، **لَفَسَدَتَا** کا منظر پیدا ہورہا ہے، جہالت کا تفرقہ ہے، ورنہ جہاں علم ہے وہاں اتحاد ہے اور وہیں سچی اور اصلی اور بے لاگ اور بے ریا **توحید** بھی ہے!

ہاں قرآن کو میں سرتاپا **علم** ثابت کرنا چاہتا ہوں مگر اسلام میرے نزدیک سرتاپا **عمل** ہے، اس کی **توحید** عمل ہے، اسکا **ایمان** عمل ہے، اسکا **اتقا** عمل ہے، اسکی **عبادت** عمل ہے، اسکا **صراط مستقیم** عمل ہے، اسکا شرک **بدکاری** ہے، اسکا کفر **بدنظمی** ہے، اسکا فسق بدعملی ہے، اس کا عمل اُمت کا اجتماعی عمل ہے، متحدہ اور متفقہ عمل ہے، ہاتھوں اور پیروں کا عمل ہے، دلوں اور جگروں کا عمل ہے، طاقت اور زور کا

عمل ہے، دُکھ اور تکلیف کا عمل ہے، قولوں اور عقیدوں، کلموں اور تعویذوں، تسبیحوں اور گوشوں کا عمل ہرگز
نہیں! جو بات میری دانست میں مسلّم ہے یہ ہے کہ سب انبیائے کرام بلا استثنائے احدے اپنی اپنی اُمّت کو
اس زمین پر **امن** دینے آئے تھے، اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ٭ کا پیام لائے تھے، منصور اور **غالب** کرنے آئے
تھے، **علم** کے ساتھ **حکم** لائے تھے، نہیں **حکم** حاصل کرنے کا **علم** لائے تھے، علم اور حکم کے ساتھ اس دنیا میں خوش
اسلوبی سے اور مدت مدید تک رہنے کی **بڑی خبر** لائے تھے! اگر نوح علیہ السلام اپنی قوم کیلئے کوئی پیغام لایا
تھا تو یہی بڑے امن دینے والے ایلچی (رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ٭ (الشعراء)) ہونے کا تھا، یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا ٭ (نوح) کا تھا،
یُمْدِدْکُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ (نوح) کا تھا، یَجْعَلْ لَّکُمْ جَنّٰتٍ وَّیَجْعَلْ لَّکُمْ اَنْھٰرًا ٭ (نوح) کا تھا! اگر ہود علیہ السلام نے کوئی
صلائے عام اس دنیا میں دی تو یہی اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ٭ (الشعراء) کی دی، یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا (ہود) کی دی،
یَزِدْکُمْ قُوَّۃً اِلٰی قُوَّتِکُمْ (ہود) کی دی، اَنَا لَکُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ٭ (اعراف) کی دی، یُؤَخِّرْکُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی (ابراہیم) کی دی، بے مزد
امن اور مَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ (الشعراء) کی دی! اگر صالح، لوط، شعیب علیہم السلام اپنی نابکار قوموں کو کچھ سُنا گئے
تو یہی امن کا پیغام سُنا گئے، اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ٭ (الشعراء) کہہ کہہ کر چل بسے، یہی پکارا کہ **جنّاتِ زمین پر دوام**
ہمارے علم پر عمل کرنے سے ہے، **امن** اسی قانون سے ہے، بقا اور ابقا ہم ہی سے ہے (اَتُتْرَکُوْنَ فِیْ مَا ھٰھُنَآ اٰمِنِیْنَ ٭
فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ٭ (الشعراء)) ہماری ہی پیروی اور ہماری ہی **اطاعت** سے ہے (فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ ٭ (الشعراء))! اگر
موسیٰ علیہ السلام نے بے سامان فرعون کو کچھ کہا تو یہی امن کا سامان بتلایا، یہی اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ٭ (الدخان) کہا،
یہی دوام اور **بقا** کی بشارت دی! نافرمانی کا نتیجہ بھی یہی ہوا کہ **جنّاتِ زمین** چھن گئے، بادشاہت چلی گئی،
بنی اسرائیل وارث ہو گئے، قانونِ خدا پر عامل قوم نے جگہ لے لی، فرعونی ٹکر ٹکر پڑے دیکھتے رہے! کَمْ تَرَکُوْا

٭ اس آیۂ شریفہ کے صحیح مفہوم کے متعلق شارحین قرآن سے حیرت انگیز غلطی کی ہے اور اَمِیْنٌ سے مراد "امانت دار پیغمبر" تسلیم کیا ہے کہ انبیائے کرام نے اپنی اپنی قوم کو یہی کہا کہ میں تمہارے واسطے ایک **امانت** خدا کے ہاں سے لایا ہوں اور اس امانت کو تم تک پہنچانے کیلئے کوئی مزدوری نہیں مانگتا: اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ٭ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ ٭ وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الشعراء)۔ احکام خدا کو جنکے قبول کرنے سے قومیں گریز کیا کرتی ہیں **امانت** کے لفظ سے تعبیر کرنا اور پھر اس امانت کو صحیح سلامت پہنچانے کیلئے اجرت نہ مانگنا میرے نزدیک اسقدر مضحکہ انگیز اور لغو ہے جسقدر کہ کوئی شخص کسی بیمار کو کہے کہ "بھائی میں تمہارے واسطے ایک نہایت کڑوی دوا طبیب کے ہاں سے بطور امانت لایا ہوں اور اس دوا کے لانے کی کوئی مزدوری نہیں مانگتا"۔ اس ترغیب کا اثر اُلٹا ہوگا کہ بیمار پر کچھ نہیں ہو سکتا اور نہ وہ ترکیب سے دوا پینے پر آمادہ ہو سکتا ہے۔ مجھے یقین ہو چکا ہے کہ امین کے لفظ سے انکی مراد امن دینے والے پیغمبر کی تھی اور پیغام یہ تھا کہ اے لوگو! میں تمہیں اس دنیا کے اندر امن دینے کیلئے آیا ہوں تمہاری گری ہوئی شکستہ حالت کو قوت سے بدلنے کیلئے آیا ہوں اور اس امر کیلئے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا۔ اسی امن کو مدنظر رکھکر فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ ٭ جا بجا کہا ہے یعنی اگر مجھ سے اتفاق کرو گے اور میری اطاعت کرو گے تو امن ہو۔ اور ایک جگہ مزید وضاحت کے لحاظ سے کہا ہے: اَتُتْرَکُوْنَ فِیْ مَا ھٰھُنَآ اٰمِنِیْنَ ٭ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ٭ (الشعراء)، یعنی کیا تم ان جنات میں امن و سکون سے اسی طرح ہمیشہ رہو گے کیونکہ تمہاری حالت شکستہ (باقی)

مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۙ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۙ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۙ كَذٰلِكَ ۣ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ (الدخان) خود بنی اسرائیل سے **میثاق ایزدی**† بندھا تو یہی بندھا کہ قانونِ خدا پر چلتے رہوگے تو اجتماعی بدحالیاں سب دور کردونگا جنات زمین کے وارث بن جاؤ گے (لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (مائدہ)، زمین کی **ابدی سلطنت**† تمہارے حصے میں رہے گی، آسمان سے فتح باب ہوا کرے گا، زمین کے دروازے کھل جائینگے، اوپر سے کھاؤ گے پاؤں کے نیچے سے رزق آئے گا" (وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ .... لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ (المائدہ)) انہیں موسیٰ علیہ السلام نے بزدل اور غلامی میں پلی ہوئی بنی اسرائیل کو چالیس برس کی الٰہی تعلیم کے بعد سینا کے جنگلوں میں اگر کچھ کہا تو یہی کہا کہ ارض مقدس پر جارحانہ حملہ کردو، اسپر یکدم ہلہ کرو اور پیٹھ نہ پھیرو، داخل ہو جاؤ گے تو غالب آجاؤ گے (فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ (مائدہ)) ورنہ گھاٹے میں رہو گے (يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ (مائدہ))۔ داؤد اور سلیمان علیہما السلام ازروئے قرآن **نبی** تھے لیکن برسوں تک دھڑلے سے **بادشاہت** کی، ملک کو صنعت اور حرفت سے مالا مال کیا، تجارت کو اسقدر فروغ دیا کہ بحیرۂ روم سے انگلستان تک جہازوں کا تانتا بندھ گیا، ہمعصر فونیشی سلطنت کے پایۂ تخت صور اور صیدون سے گرانڈیل مزدور (جن) ملک کی ترقی کے لیئے بلوائے، پہاڑوں کو تہ و بالا کر کے مسخر کیا (اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ (ص))، ہوا پر قابو پایا (فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ (ص))، پرندوں سے کام لیا (وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ (ص))، مقدم الذکر نبی نے معدنیات کی صنعت میں وہ طلسمات کر دکھایا کہ زمین سے لوہے اور تانبے کی نہریں بہادیں! (وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ (سبا)، وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ (سبا))۔ بنائے زمین و آسمان نے ان سب باتوں کو **عمل صالح** کہا، (اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (سبا))، اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (سبا)) کہا، داؤد علیہ السلام کو "ذَا الْاَيْدِ" کا خطاب دیا، صاحب **دست و قدرت** کہا، اوّاب کا لقب دیا، عبد کہہ کر پکارا

(بقیہ صفحہ ۶۶) ہو چکی ہے اور دشمن سر پر سوار ہے۔ اسی قحط کی ترغیب ایک اجل زدہ قوم کیلئے باعث سعی و عمل ہو سکتی ہے۔ علاوہ ازیں ادبی کی الٰہی اصطلاح ان معنوں میں کئی جگہ قرآن میں استعمال ہوئی مثلاً اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ (دخان) میں۔ شارحین قرآن نے مذہب اور پیغمبران جہان کی تبلیغ کو عذاب سے معنی اور بے نتیجہ قرار دے اور اس تحریک سے اپنے نفس کیلئے آسانی پیدا کر نیکے واسطے یہی راہ اختیار کی طرف گھڑ لئے ہیں۔ ورنہ قرآن حکیم میں جا بجا اس تبلیغ کا نتیجہ یہی بیان کیا گیا ہے کہ پیغمبروں کے پیغام کو قبول کرنے والے نجات پا گئے اور کافر مغلوب ہو کر ہلاک ہو گئے۔

† قرآن حکیم میں میثاق ایزدی کی تکمیل کا نتیجہ "جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ" کہا گیا ہے لیکن انجیل میں جا بجا اس عہد کی تکمیل کا انعام دنیاوی اور **ابدی بادشاہت** لکھا ہے۔ [illegible]

(وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ اِنَّهٗ اَوَّابٌ ﴿ص ۳۸﴾)! 'شَدَدْنَا مُلْكَهٗ' اور 'اٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ' (ص ۳۸) کہا، 'اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا' (الانبیا ۲۱) کہا۔ سلیمان علیہ السلام کو اپنا بہترین بندہ اور 'نعم العبد' کہا، 'اوّاب' کے آلہی لقب سے سرفراز کیا، فرمایا کہ ان کو ہمارے ہاں بڑا تقرب اور بہترین مقام حاصل ہے (وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿ص ۳۸﴾)۔ اس عظیم الشان نبی کی دعا کا انداز بھی مدۃ العمر یہی رہا کہ بار خدایا! وہ عظیم الشان سلطنت، وہ شوکت اور اُبہت، وہ بے مثال جاہ و جلال نصیب فرما کہ کسی کو آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کا یارا نہ رہے (قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ﴿ص ۳۸﴾)۔ ملکۂ سبا کو گھر بیٹھے خط لکھا کہ مطیع ہو کر رہو گی تو خیر مناؤ گی ورنہ وہ جرّار لشکر لے کر آدھمکوں گا کہ تمہارے اوسان خطا ہو جائینگے، مقابلے کی تاب ہرگز نہ لاسکو گی اور ذلیل و خوار ہو کر رہجاؤ گی، (اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿نمل ۲۷﴾) اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَاۤ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿النمل ۲۷﴾)۔ یہ سب کچھ اُس **ابدی سلطنت** کو محفوظ رکھنے کی تدبیریں تھیں لیکن ارضی تصرّف کے یہ والہانہ انداز کچھ داؤد اور سلیمان علیہما السّلام سے مخصوص نہ تھے، سب انبیائے کرام بلا استثنائے احدے اسی رنگ میں رنگے آئے اور اسی نمط پر اپنی اُمّتوں کو امن کے معراج تک پونچا کر یا اُسکا مستقل سامان پیدا کر گئے۔ موسیٰ علیہ السلام کو بارگاہ آلہی سے جب **قانون** ملا تو قوم کو اسی اجتماعی شکست و ریخت، اسی غلامی اور جمود کی ظلمتوں سے قوّت اور امن کی روشنیوں کی طرف نکالنے کا تھا، محکومیت کے اندھیرے کو بادشاہت کے اُجالے میں بدلنے کا تھا، ناعاقبت شناسیوں اور ناانجام بینیوں کی سیاہی کو طاقت اور دوام کے نور سے اُچک لینے کا تھا، کاہل اور پژمردہ، غافل اور کامچور دلوں کے بجھے ہوئے اور سیاہ حجروں کو روشن اور منوّر، محشر انگیز اور زلزلہ خیز میدانوں سے بدل دینے کا تھا (وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ﴿ابراہیم﴾)۔ اس سکون پذیر اور مائل جمود نسل انسانی کے اندر ایک عالم انگیز حرکت، ایک لازوال بالش، ایک متواتر سعی و عمل پھر پیدا کرنے کا تھا، نہیں خدا سے آگاہ کر کے پھر وہی "ایّامِ خدا" کو واپس لے آنیکا تھا، ایک مظلوم اور اجل زدہ قوم کو پھر سرسبز زندہ کر دینے کا تھا، الغرض غلامی کی لعنت اُتار پھینکنے کا تھا، **وراثت زمین** کا تھا، تیر اور **تلوار** کا تھا، **توپ** اور **تفنگ** کا تھا! (وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ

(بقیہ صفحہ ۶۷) (کتاب خروج باب ۶۔ آیت ۳۔۸) بعض جگہ اسکو شہد اور دودھ کی نہروں والی سرزمین کہا ہے (کتاب استثنا باب ۷۔ آیت ۲۔۳)، کتاب ثانی سموئیل باب آیت ۲۳۔۲۹) (باقی)

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ (ابراہیم)۔ **وراثت زمین** کا مستقل نصب العین نبوت کے ہر مرحلے میں ہر نبی کے پیش پیش روزِ اوّل سے اِسقدر رہا کہ وارث زمین و آسمان تعالیٰ نے **صالحیت** اور **صلاحیت** کا صحیح معیار بھی سب آسمانی کتابوں میں بادشاہت زمین ہی قرار دیا (وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِى الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ (انبیاء))، یہی وہ بڑا پیغام، بڑی بشارت، بڑی خبر تھی جو انبیائے عظام ہر عبادت گذار، ہر گرفتارِ خدا، ہر ملازم اور پابند قانونِ خدا، ہر منکر ماسوا، قوم کے لیئے لاتے (اِنَّ فِىْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ؕ (انبیاء))

اسی بنا پر اگر ابراہیم علیہ السلام کو کوئی تڑپ تھی تو اسی وراثت زمین کی تھی، وارث زمین ہو کر صالح بننے کی تھی (رَبِّ هَبْ لِىْ **حُكْمًا** وَّاَلْحِقْنِىْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۙ (الشعراء))، اِس کارخانۂ جہان کی ملکوت کا علم حاصل کرکے اپنی قوم کو بقا کی راہ پر لیجانے کی تھی (وَكَذٰلِكَ نُرِىْۤ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝ (انعام))، اخلاف میں ذکر خیر ہونیکے باعث زندہ رہنے کی تھی (وَاجْعَلْ لِّىْ لِسَانَ صِدْقٍ فِى الْاٰخِرِيْنَ ۙ (الشعراء))، اسی بنا پر مالک زمین و آسمان کی بڑی سے بڑی آزمایش کے بعد حضرت کو بڑے سے بڑا انعام اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ **اِمَامًا** (بقرہ) کا ملا، ان کی اپنی اولاد کے بارے میں درخواست بھی اسی نعمت کے دوام کی تھی (قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ۝ (بقرہ))۔

وہ جب تک صاحب **علم و عمل** رہے اِس موہبت کبریٰ کے وارث رہے، اُس علامہ مطلق خدا سے **اولو الاید والابصار** کا خطاب حاصل کرتے رہے (وَاذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِىْ وَالْاَبْصَارِ (صۤ))،

جب علم و عمل نہ رہا، ظالم بن گئے! آل ابراہیم کو بھی یہی انعام ملا (اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۝ (النساء))، اسمٰعیل، الیسع، یونس، لوط علیہم السلام اور اُنکے آباؤ اجداد، بھائی بند اور اولاد سب کو بھی بے مثال فضیلت دی (وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۙ (انعام))، نوح، صالح، ہود علیہم السلام کی قوموں پر بھی یہی مخالفین کی ہلاکت اور وراثت زمین کی وحی نازل ہوئی (لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ (ابراہیم))، بالآخران کو دریاؤں سے سیراب اور سرسبز جنات زمین میں داخل کردیا (وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (ابراہیم))

(بقیہ صفحہ ۶۸) میں پھر وعدہ ابدی سلطنت کا ہے اور کتاب اول سلاطین باب ۹۔ آیت ۱۔۹ میں اس سلطنت کو چھین لینے کی دھمکی بھی دی ہے۔ اس استدلال سے ظاہر ہے کہ مسلمانان عالم نے جنت کے لفظ (باقی)

عام اور قطعی محاکمہ دے دیا کہ ایمان اور عمل صالح کا اٹل نتیجہ بادشاہت زمین ہے (وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (النساء)) ، ابدی سلطنت ہے ، خلد مرحمت ہے (خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا (النساء)) ، نہیں بلکہ صاف ، غیر مشکوک اور ناقابل تاویل الفاظ میں کہہ دیا کہ اگر قانون خدا سے منہ پھیر لوگے تو اجتماعی **ہلاکت قطعی** ہے ، یَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ (ھود) کا عذاب ہے ، محکومیت کا جہنم ہے غلامی کا طوق لعنت ہے ، خوف و حزن ہے ، عجز اور بے بسی ہے ، دنیا خراب اور جو آگے چلکر ملنا ہے وہ اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے (فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَیْکُمْ ؕ وَیَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ۔ (ھود)) ، برخلاف اسکے اگر نبی کے لائے ہوئے قانون کی پیروی کروگے تو اس کا اٹل نتیجہ یہ ہے کہ دشمن عن قریب ہلاک ہوجائے گا ، تم خود اُسکی زمین کے وارث بن جاؤگے مستخلف فی الارض ہونے کا مقام حاصل ہوگا اور بعدازاں جو کچھ ہے تمہارے اعمال پر منحصر ہے اگر اسی طرح عمل کرتے رہوگے تو جبتک زمین و آسمان قائم ہیں بادشاہ زمین بنے رہوگے ورنہ اس خوب صورت اور منظم ، اس باسلیقہ اور خدا کی اپنی حفاظت میں لی ہوئی زمین سے تمہارا بیک بینی و دو گوش نکال دیا جانا قطعی ہے ! (قَالَ عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّهْلِكَ عَدُوَّکُمْ وَیَسْتَخْلِفَکُمْ فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ۔ (اعراف)) - یہ دنیا دار المحن ہے ، اسمیں جو شئے پائدار ہے سعی و عمل ہے محنت اور تکلیف برداری ہے ، بے عمل اور جمود زدہ قوم کا یہاں پر اصلاً اور طبعاً گذارہ نہیں !

الغرض وراثت زمین اور تمکّن فی الارض کا اہم نصب العین نشاۂ آفرینش سے اسلاف انبیاء کے پیش نظر بلاشرکت غیرے رہا ، وہ تمام عمر اسی بات کے درپے رہے کہ اپنی اُمتوں کو اُس لازوال قانون ، اُس اٹل آئین عمل ، اُس امر رب العالمین ، اُس **العلم** سے آگاہ کرکے عمل پیرا کردیں جس کا نتیجہ اجتماعی بقا ہے ۔ دوام فی الارض ہے بادشاہت اور غلبہ ہے - یہی اُنکا لایا ہوا ’دین‘ تھا ، اور افراد اُمت کا اسی طرز عمل کو تسلیم کرکے اسپر عمل پیرا ہوجانا انبیاء کے مذہب کو ’ماننے‘ کے مترادف تھا ، یہی اُنپر ’**ایمان**‘ لانیکے معنی تھے ، یہی ایمان کا لازمہ بلکہ بذات خود ایمان تھا ۔ اسی بنا پر رسل کا اس دنیا میں مظفر و منصور ہونا لازمۂ رسالت تھا ، اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۔ (صفّت) کا مصداق بننا

(بقیہ صفحہ ۶۹) اُخروی جنت مراد لینے میں کسقدر فاش غلطی کی ہے لیکن یہ بحث اصل کتاب صفحہ ۱۱۵ - ۱۱۶ پر کی گئی ہے ۔

نہ صرف جزوِ دین، یا عینِ ایمان، بلکہ **تمام دین** تھا، اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (صفّت) نہ صرف ایمان والوں کی علامت یا مومنوں کا نشان سیما تھا بلکہ غالب بننا تابعِ نبی امتوں کا واحد مطمحِ نظر تھا۔ دشمن قوم کی ہلاکت بھی اسی وجہ سے ہوتی تھی کہ وہ انبیا کے لائے ہوئے قانون پر عمل پیرا نہ ہوتے تھے، رنج اور محنت میں اپنے تن بدن کو ڈالنا پسند نہ کرتے تھے، احکام سے گریز کرتے تھے، یہی آنکو نہ ماننے کے مترادف تھا، یہی **کفر** تھا، یہی تکذیبِ رسل تھی۔ اور اسی بنا پر نبی کی تابع امت منکر گروہ پر غلبہ حاصل کر جاتی تھی۔ قرآن حکیم نے ایمان اور کفر کی اسی عملی کیفیت کو کسی قوم کی صلاحیت یا عدم صلاحیت کا صحیح معیار قرار دیکر یہ قطعی لازوال اور اٹل محاکمہ پیش کر دیا کہ صاحبِ ایمان قوم کے کافر قوم سے قتال کا نتیجہ بہر نوع اور بہر حال یہ ہے کہ ایمان والی قوم اس روئے زمین پر کبھی پیٹھ نہیں پھیرتی، جب پیٹھ پھیرینگے کافر ہی پھیرینگے۔ روزِ ازل سے یہ ایک طے امر ہے، **قانونِ خدا ہے** جو روزِ آفرینش سے برابر چلا آیا ہے اور جبتک زمین و آسمان قائم ہیں برقرار رہیگا: وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ **وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝** (الفتح)۔ گویا جہاں فتح و ظفر کا پرچم لہرا رہا ہے، جہاں ایک قوم کو دوسرے گروہ پر غلبہ حاصل ہے، جہاں ایک طرف عجز اور بے بسی، اور دوسری طرف قوت اور استیلا قائم ہے، وہیں ایک قوم انبیا کے خدا کے ہاں سے لائے ہوئے مشترک قانون کی صحیح معنوں میں **مومن** ہے، اس العلیٰ کے کسی نہ کسی اہم حصے پر عمل کر رہی ہے، نہیں اس علم و عمل کی وجہ سے ہی کامیاب ہو رہی ہے، وہیں دوسرا گروہ اس قانونِ خدا سے **کفر** کر رہا ہے، اس کا عملاً منکر ہے۔ یا اس کی کماحقہ تعمیل کرنے میں کسر رہ گئی ہے، یا مخالف فریق اس پر بہتر اور باحسن وجوہ عمل کر رہا ہے۔ فتح و نصرت کا سلسلہ جبتک قائم ہے، کفر و ایمان کا یہ محاکمہ قطعاً پورا ہوتا رہیگا۔ خدا کے قانون کی پہلی اور آخری دفعہ یہی ہے کہ ایمان بہر نوع فتح و نصرت کے **مترادف** اور کفر بہر حال شکست اور زوال کے **ہم معنی** ہے!

اسلاف انبیا سے قطع نظر خود **نبی آخر الزمان** علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واحد مطمحِ نظر روئے زمین پر غلبہ حاصل کرنا اور امتِ عرب کو بقا و دوام کے معراج پر پہنچانا تھا، یہی ان کے مبعوث ہونے کی واحد اور صحیح غرض

تھی (ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ (صف ۱)) نہیں بلکہ ایسی غالب ہو کر رہنے کے علم کو حاصل کرکے اُس پر عامل ہو جانا عین اسلام اور عین دین بلکہ تمام اسلام اور تمام مذہب تھا۔ سرورِ کائنات اگر کوئی پیغام بشارت اپنی قوم کے لیے لائے تو یہی یُمَتِّعْکُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا (ہود ۱) کا لائے، نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ (صف ۲) کا لائے، لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ (نور ۷) کا لائے، لَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا (نور ۷) کا لائے، ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ (مائدہ) اور اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ (اعراف) کا لائے، قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ (آل عمران) کا لائے، یَقْطَعَ دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ (انفال) کا لائے، اِذْ اَنْتُمْ قَلِیْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِی الْاَرْضِ اور تَخَافُوْنَ اَنْ یَّتَخَطَّفَکُمُ النَّاسُ کے بعد فَاٰوٰکُمْ وَاَیَّدَکُمْ بِنَصْرِہٖ (انفال) کا لائے، وارثِ زمین بنا کر خدا کی نظروں میں صالح اور عابد بنانے کا لائے (وَلَقَدْ کَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّکْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ۔ اِنَّ فِیْ ھٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ (الانبیاء))، نہیں بنی نوع انسان کو متمکن فی الارض کرکے حفظ و امن دینے آئے، دوام اور بقا دینے آئے خوف کی ظلمتوں سے نکال کر امن کے نور کی طرف لے آئے (کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ اِلَیْکَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّھِمْ اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ (ابراہیم))، دشمنوں سے ناک رگڑوا کر اُس نور کو پورا کرنے آئے (وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ (صف ۱))، متحد کرکے قوی اور بے خوف و خطر کرنے آئے! اسی نقطۂ نظر سے وہ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (الانبیاء) تھے، صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (یٰس) پر تھے*، فرستادۂ خدا تھے، بَشِیْر اور نَذِیْر تھے۔ اِس نیک سیرت نبی نے اگر اپنی قوم کو کسی فوری عذاب سے ڈرایا، تو اسی اجتماعی ہلاکت کے جہنم سے ڈرایا، مجموعی راحت اور دنیوی امن کی شاہ راہ دکھلا کر شکست و انحطاط کے یوم کبیر سے ڈرایا (یُمَتِّعْکُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی وَّیُؤْتِ کُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَہٗ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ کَبِیْرٍ (ہود ۱))، غیر قوم کے عرب پر متسلط ہو جانے کے عذاب الیم سے ڈرایا (اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْکُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۵ وَّیَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ (توبہ ۹))، محکومیت اور غلامی کے سعیر سے ڈرایا (وَاِنْ تَتَوَلَّوْا

* صراطِ مستقیم کے اصلی مفہوم کے متعلق ایک مختصر اور فیصلہ کن بحث عربی قرآنی حصہ میں صفحہ ۱۲۹-۱۳۰ پر آچکی ہے، اور اصل کتاب میں صفحہ ۲۲۴ پر پھر آئیگی لیکن یہاں پر سورہ فتح کی چند نہایت معنی خیز اور حقیقت کشا آیتوں کو پیش کر دیا جاتا ہے جن میں صراطِ مستقیم کے الفاظ واقع ہوئے ہیں اور جن سے حقیقت اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ دشمن پر ہر نوع غالب ہو کر رہنا، اُنکے وسائل و ذرائع اور مال و متاع کو لوٹ کھسوٹ کر انکو بے دست و پا کر دینا اور اپنی جماعت کو اُنکے دست تعدی سے حتی الوسع بچائے رکھنا ہی خدا کی نظروں میں اس دنیا میں رہنے کا راہِ راست اور صراطِ مستقیم ہے۔ بیعت رضوان کے ذکر میں ارشاد الٰہی ہے: لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَةَ عَلَیْھِمْ وَاَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ۵ وَّمَغَانِمَ کَثِیْرَةً یَّاْخُذُوْنَھَا ۵ وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا ۵ وَعَدَکُمُ اللّٰہُ مَغَانِمَ کَثِیْرَةً تَاْخُذُوْنَھَا فَعَجَّلَ لَکُمْ ھٰذِہٖ وَکَفَّ اَیْدِیَ النَّاسِ عَنْکُمْ ۔ وَلِتَکُوْنَ اٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَیَھْدِیَکُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ۵ (الفتح)۔ مزید توضیح کے لیے اصل کتاب صفحہ ۲۳۲ کو دیکھا جائے۔

يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ (محمد)، ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ (بقرہ) سے ڈرایا، فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ (توبہ) کہکر ڈرایا، اجتماعی زوال کی آسمانی بجلی سے ڈرایا، (كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّن نَّهَارٍ بَلَاغٌ، فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ (احقاف)) ! اگر کچھ قوم کے پیش نظر کردیا تو یہی دنیاوی حالت کی بہتری کردی (سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ (محمد))، اجتماعی زبون حالی کے دور کردینے کا وعدہ کیا (كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ (محمد)، جناتِ زمین پیش پیش کردیئے، منکروں کی خستہ حالی کا سماں باندھ دیا (إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ (محمد)) نہیں وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ (الاحزاب ۳۳) کا احسان جتلایا، وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ (الاحزاب ۳۳) اور وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً (الفتح) کا انعام بتایا، الغرض جس رنگ میں آسمانی پیغام دیا اُس کا منتہائے جلیل یہی اجتماعی تمکن اور وراثت زمین ہی رہا۔ قرونِ اولیٰ کی اسلامی زندگی کے تمام عملی ماحول کو پیش نظر رکھکر دقیقہ رس اور حقیقت شناس شخص کیلئے آج بھی اس امر کا اعتراف کچھ متعذر نہیں کہ عہد رسالت میں اور اُسکے کئی برس بعد تک ہر مسلمان کی زندگی اِسی واحد نصب العین کے لیئے **وقف** رہی، ہر فرد اسی 'الاعلون' بن کر رہنے کو عین **اسلام** بلکہ تمام **ایمان** سمجھتا رہا۔ ہر متنفس کا منتہائے عمل، اُسکا اُٹھنا اور بیٹھنا، اسکی زندگی اور موت اِسی امر کے درپے رہی کہ یا اسلامی اخوت اپنی مساحت کے زور پر خود بخود اِسقدر وسیع ہوتی جائے کہ دشمن ایک باقی نہ رہے یا منکر ینسیاً منسیاً کردیئے جائیں کہ سب طرف يَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ (انفال) کا سماں بندھ کر رہے! چیتھڑے کے پرتلوں میں حمائل کی ہوئی تلواریں اور رسیوں سے مرمت کیئے ہوئے نیزے اِس عہدِ نبوت میں جزو اسلام تھے، سربکف اور تیغ بہ بر مجاہد ہوکر رہنا سچے مُسلمان بننے کی نشانی تھی، زخموں پر پٹیاں باندھنے اور بزدل خاوندوں سے ناراض رہنے والی بیبیاں صحیح معنوں میں مومنات تھیں۔ یہ وہ اسلام اور وہ ایمان تھا جسکے باعث سرور کائنات کی وفات کے بعد بارہ برس کے اندر اندر عرب مسلمانوں نے سطح زمین کے **چھتیس ہزار** (۳۶۰۰۰) شہر اور قلعے سر کر لیئے تھے، **چار ہزار** ہیکلوں اور بتخانوں کو پیوند زمین کر دیا تھا، صدہا گرجے مسجدوں میں تبدیل کر دیئے تھے

ستو برس کے اندر اندر اس اولوالعزم نبی کے اولوالعزم پیرو اندلس کی برفانی چوٹیوں اور فرانس کے سرسبز میدانوں میں جا دھمکے! افریقہ کے تپتے ہوئے بیابانوں کو چشم زدن میں طے کرکے جنات زمین کی تلاش میں لگ گئے، خدا کی زمین خدا والوں نے شیطان والوں سے جبراً اور کرہاً چھین لی، کسریٰ کی عظمت کو ملیامیٹ کردیا، قیصر کے تخت کی بنیادیں ہلادیں، فرعون کی کھوپری پر گھوڑے دوڑائے، ادھیراج مہاراجے رام رام پکار اٹھے، یورپ کے بلند نشینوں کو فرش پر گرادیا! 'مذہب اسلام' بعد میں خواہ کچھ کا کچھ بن گیا ہو، اسکی یہ مزلزل الارض صورت ناحقیقت شناس لوگوں کی متفقہ تاویل سے یا عوام کے متفقہ مکر کے باعث کچھ کی کچھ بن گئی ہو، سعی و عمل کی وہ لشکر انگیز اور کارکن تڑپ 'اقوال' اور 'اعتقاد' کی آرام دہ اور ناکارہ صورت میں بدل چکی ہو، مگر قرآن حکیم کے **طالب العلم** اور مذہب کی تہ کو پہنچنے والے دقیقہ رس کے لیئے، نہیں بلکہ پیام خدا کو ابتدائے آفرینش سے اخیر دم تک **ایک** یقین کرنے والے حقیقت شناس کے لیئے اس واقع الامر سے انکار کرنا محال ہے کہ خاتم النبیینؐ کا لایا ہوا اسلام دراصل وہی **قرن اوّل** کا اسلام تھا، وہی ابوبکرؓ اور عمرؓ عثمانؓ اور علیؓ والا اسلام تھا، خالدؓ اور طارقؒ، مسلمؒ اور ابوعبیدہؓ والا اسلام تھا، غالب بنکر رہنے اور پیٹھ نہ پھیرنے والا اسلام تھا، دوست کو آغوش لطف و مرحبا میں لیکر تنومند کردینے والا اسلام تھا، دشمن کو مہلت دے کر نیست و نابود کرنے والا اسلام تھا، سب بنی نوع انسان کو سطح زمین کی متحد، بے روک ٹوک اور بے خوف و خطر **بادشاہت** پر قائم کرکے نسل انسانی کو باہم **فساد** سے پاک اور **ایک** کردینے والا اسلام تھا (حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (انفال))، نہیں گبر و برہمن، یہود اور عیسائی، آتش پرست اور گور پرست کے سب ہادیوں اور پیغمبروں، سب رہنماؤں اور رسولوں کو اسی '**الاسلام**' کے حامل قرار دے کر ہی **وارث زمین** اور متحد بنانے والے پیغام کے مبلغ یقین کرکے، اسی 'مذہب' اسی 'جائے ذہاب' اور اسی 'راہ عمل' کے ناشر مانکر سب کے درمیان **تفرقہ** اور مخالفت مٹادینے والا اسلام تھا! سب انسانوں کو ایک خدا کے مشترک بندے، ایک باپ کے ہم مرتبہ بیٹے، ایک نوع اور ایک جنس کے یکساں اور مساوی افراد یقین کرکے اُن کے درمیان رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کا

ماحول پیدا کرنے والا اسلام تھا! اس اسلام میں **شدّت** تھی (اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ (الفتح))، اس میں سختی اور **غلظت** تھی (وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ (توبہ))، اسمیں دعوت اور اضطراب تھا، انانیت اور اعصاب بھی تھا (اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آل عمران))، فاتحانہ تجرد اور فاخرانہ تحکم تھا (لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ (آل عمران))

اسمیں حمیت اور **عصبیت** تھی مگر **تعصّب** قطعًا نہ تھا، مذہبی اور اعتقادی تجرید ہرگز نہ تھی، یہود سے یہود ہونیکے باعث نفرت نہ تھی، عیسائی سے عیسائی ہونیکے باعث اجتناب تھا، ہنود سے کرشن علیہ السلام کی وجہ سے مخالفت نہ تھی، پارسی سے زرتشت علیہ الرحمتہ کی پرخاش نہ تھی، نہیں اسلام سے محمّد مرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وجہ سے اعتنا نہ تھا (وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤی اَعْقَابِکُمْ وَمَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْهِ فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰہَ شَیْـًٔا وَسَیَجْزِی اللّٰہُ الشّٰکِرِیْنَ (آل عمران)) **دینِ خدا** سے **دینِ محمّد** ہونے کے باعث محبت نہ تھی۔ سرور کائنات علیہ التحیۃ والسلام کی وفات کے بعد جب حضرت عمرؓ نے تلوار ہاتھ میں لیکر ارادتًا یا مصلحتًا لوگوں سے کہا کہ رسولِ خدا مرے نہیں تو حضرت **ابوبکرؓ** نے منبر پر چڑھکر فرمایا کہ "لوگو! اگر رسولِ خدا کی تلاش میں ہو تو وہ تو انتقال کر گئے لیکن **خدا** زندہ ہے اور اسکو موت ہرگز نہیں"۔ یہ سب اسلیے کہ اُس اسلام کو محمّد سے بحث نہ تھی، اُسکو اُس جسم اطہر سے غرض نہ تھی جو مٹی میں ملکر مٹی ہو جانیوالا تھا، اُن کو بنی نوع انسان کیطرف خدا کے بھیجے ہوئے **قاصد** کو بُت بنانا مدنظر نہ تھا، اُنکو **پیغامِ خدا** سے غرض تھی، نامہ ربّ العٰلمین سے بحث تھی، بنی نوع انسان کیطرف خالق زمین و آسمان کے بھیجے ہوئے **خط** کی بیتابی تھی، مکتوب کو چھوڑ کر نامہ بر کی آؤ بھگت کرنا کچھ مدِنظر نہ تھا! وہ اس بات کے درپے تھے کہ حکمنامہ خدا کی **تعمیل** ہو، **مشیّت ایزدی** پوری ہو کر رہے، جو شے وہ بادشاہوں کا بادشاہ چاہتا ہے اُسکی تکمیل ہو، جو نفس پیغام ہے اُسکی طرف توجہ ہو، یہ دینِ **خدا** کا بھیجا ہوا دین ہے، سب انبیاء کا لایا ہوا دین ہے، محمّد (صلعم) کا بنایا ہوا دین ہرگز نہیں! یہود اور نصاریٰ سے تجرّد بھی اسی عدم تعمیل کی بنا پر تھا، وہ اس نصب العین کے درپے تھے کہ ربّ زمین و آسمان اپنے سب بندوں کے ساتھ مساوات اور اتحاد چاہتا ہے، نسلِ انسانی کا دوام

بقا چاہتا ہے۔ انسان کو اس زمین پر صحیح معنوں میں اپنا **خلیفہ** بنانا چاہتا ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کی تکمیل چاہتا ہے۔ لَاَکَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ (مائدہ) چاہتا ہے، سطحِ ارض پر **ایک** متّحد قومیت کا تسلّط چاہتا ہے (وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً (ہود))، مشرق اور مغرب کا، شمال اور جنوب کا، برّوبحر کے مکین کا آپس میں کامل اتفاقِ عمل چاہتا ہے، فساد سے فی الجملہ ناخوش ہے، زمین کی متّحدہ خلافت کا نصب العین پیش کرکے سب کا ایک طرزِ عمل، ایک دین، ایک صراطِ مستقیم، ایک **اُمّت** چاہتا ہے، سب انبیا کو اسی پیغام کا حامل، اسی اہم دستور العمل کا مبلّغ، اسی عسیر الحصول آماجگاہ کا مشتاق قرار دیتا ہے، ہر انسان سے یہ بات قبلوا کر سب کو **ایک** کر دینا چاہتا ہے، ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ (الروم) کے ہلاکت انگیز منظر کو یک قلم دور کرکے خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (ہود) کا امن افزا ماحول پیدا کرنا چاہتا ہے، اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ (ابراہیم) کے محشر انگیز سمے کو حتی الامکان پیدا کرنا نہیں چاہتا! یہی وجہ تھی کہ صدر اسلام میں ختمِ رسل کا لایا ہوا دین صرف ایک **جمہوریّت** تھا، ایک بنی نوعِ انسان کا بلا امتیازِ رنگ و نسل اور بلا اختلافِ قوم و مذہب بھائی چارہ تھا، ایک زبردست اور عالمگیر اخوّت تھا، ایک اٹل اور غالب عصبیت، ایک محرکِ اعتصاب شرکت تھا، دوسری قوموں کو ناحق چڑا کر، اُنکے مقدس پیغمبروں کو گالیاں دیکر، اُنکے محرف یا نامحرف دین کو بُرا بھلا کہکر اپنا دشمن بنا لینا اُس اسلام کا نصب العین ہرگز نہ تھا! اسی مساحت اور بلند نگاہی کے باعث اِس دین میں مقناطیس کی جاذبی کشش پیدا ہوگئی تھی، یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (نصر) کا سماں ہر طرف نظر آتا تھا، اِسی کے باعث زمین کے ایک بڑے سے بڑے حصّے پر امن پیدا ہوگیا تھا، **آلٰہی حکومت** مالکِ ارض و سما کی منشا کے عین مطابق قائم ہوگئی تھی، دوست ماں جائے بھائی کیطرح بغلگیر ہوتے تھے، دشمن موت کے انتظار میں دم بخود تھے۔ امن اور بادشاہت تھی، اکراہ اور اجبار نہیں تھا، دین کو لوگ فرقہ بندی نہ سمجھتے تھے، نصرانیوں اور یہودیوں کے بالمقابل "محمّدی" بننا اکثر نہ جانتے تھے، اُن کے پیشِ نظر صرف قانونِ خدا کا عملاً مطیع بننا تھا، "مُسلم" بننا تھا، خدا کے بھیجے ہوئے دستور العمل کو پیہم سعی و عمل سے نباہنا تھا، خدا کے آخری رسولؐ کو بُت بنا کر

اُن کے پیچھے صف آرا ہو جانا نہ تھا! یہی سچی اور بے لاگ **توحید** تھی، یہی **توحید فی الرسالت** کے صحیح معنی تھے! (مَا كَانَ اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا (آل عمران))! آج جو قومیں اِس الاسلام اس دینِ محمدؐ، اِس مذہب خدا اور راہ مالک المُلک کے عُشرِ عشیر پر بھی صحیح معنوں میں عمل پیرا ہیں، جو **وراثتِ زمین** کو انسان کا صحیح معنوں میں واحد نصب العین اور یکتا مذہب عمل یقین کرکے اِس **رہنمی** میں دن رات لگی ہیں، جو **لاشریک** بادشاہت کو خدائے بے ہمتا کا واحد حکم سمجھکر اس حکم کو فعل میں لانے کی سعی کر رہی ہیں، جو مالک زمین و آسمان کو قوی و عزیز سمجھکر **قوّت** اور **عزّت** حاصل کرنیکے درپے ہیں، جو اسکو سمیع اور بصیر اور علیم یقین کرکے "تخلقوا باخلاق اللہ" کے کسی حصے پر عامل ہیں، نہیں جو وراثت زمین کو اپنا دین و ایمان، اپنا سچا مذہب اور مسلک یقین کرکے اور سب دینوں سے مستغنی ہیں، عیسوّیت اور موسوّیت، ہندوّیت اور محمدّیت کی سب اعتقادی بھول بھلیّوں سے بے نیاز ہیں، اپنی جماعت کے اندر ایک اٹل عصبیت ایک عالم آرا وحدت، ایک دشمن کُش اتحاد پیدا کرکے عاجز کو اور عاجز کر رہی ہیں، اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ اور رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ کی سچی تصویر ہیں نہیں جو قومیں اُس صنّاع بیمثال کے اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے کیڑوں اور مکوڑوں، پرندوں اور حیوانوں کے اعمال و عادات، معمولات اور اخلاق کا صحیح مطالعہ کرکے اُنہی کی طرح اِس زمین کے برّ و بحر پر اُسکے بالا و پست پر اُسکے جبل و سہل پر، اسکے تحت الثریٰ میں، تحت البحر میں اور جوف آسمان پر ہر ممکن طریقے سے **قابض** ہونا چاہتی ہیں، اُنہی کیطرح کے ایک قطع کے آشیانے، ایک رنگ کا لباس، ایک طرز رہائش، ایک دستور العمل، ایک شکل و صورت، ایک نصب العین، ایک قاعدہ اور طریقہ، ایک دین، ایک مذہب، اپنے افراد کے اندر قائم اور دائم کرکے ایک اٹل عصبیت اور جہاں شکن زور اپنے اندر پیدا کر رہی ہیں۔ ہاں جو قومیں اُس **دینِ فطرت** پر چل رہی ہیں جو ہر صاحب سمع و بصر کو ہر جا اور ہر وقت اِن آنکھوں کے سامنے نظر آ رہا ہے جو فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا (روم) کا صحیح مصداق ہے، جو قومیں **اِس طرح** پر اپنے پاجاموں اور پگڑیوں، اپنی داڑھیوں اور مونچھوں کو جزو دین سمجھتی ہیں، اور اِس اٹل زور آور اتحاد کو، اِس یگانگت اور یک رنگی کو، اِس تمکّن اور یکتائی کو، اِس لاشریک

بادشاہت زمین کو، اس لَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهٖٓ اَحَدًا (کہف) کے الٰہی خلاق کو، اس نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ (مریم) کی ربانی صفت کو، اس لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (مومن) کی کبریائی خاصیت کو اپنا واحد شعار اور ایک مذہب سمجھتی ہیں اور اسکے سوا کسی انسان کے من گھڑت مذہب، کسی خود ساختہ شریعت، کسی لمبی داڑھیوں اور مسواکوں، کسی ڈھیلوں اور استنجاؤں، کسی پگڑیوں اور پاجاموں کو اتحاد کے نصب العین سے علیحدہ کر کے نہیں جانتیں، وہی آج فطرت کے خزانۂ عامرہ سے انعام پا رہی ہیں اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (فاتحہ) کی مصداق ہیں، اُنہی پر رحمت ایزدی کا موسلا دھار مینہ لگاتار برس رہا ہے، اور جب تک اس صراط مستقیم پر ہیں لگاتار برستا رہے گا۔ خدائے عزوجل نے اسی دین فطرت کی اہمیت کو کوتاہ نظر اور نابلد انسان پر واضح کرنے کی غرض سے اعلان کر دیا تھا کہ اگر اس دنیا کے اندر صراط مستقیم چاہتے ہو تو یہ سمجھ لو کہ سب حیوانی اُمتیں اور سفلی مخلوق تمہاری ہی طرح کی اُمتیں ہیں جو وہ کر رہی ہیں وہی منشائے خدا ہے، جو کچھ اُنکو سکھلا دیا ہے میری ہی مشیت ہے، ہم نے اس کتاب عظیم کے اندر جو کہنا تھا کہہ دیا ہے اب ذمہ داری اور جواب دہی کا بوجھ تمہاری گردن پر ہے۔ سمع و بصر اور قلب سلیم تمہیں ارزانی ہے، اب جان بوجھکر گونگے اور بہرے اور اندھے بن جاؤ تو اسکی سزا آپ بھگتا کرو گے، وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ۔ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (انعام)۔ مچھر کا نیش مار کر اپنے آپ کو اعلون ثابت کرنا یا زمین کے ایک بڑے سے بڑے ٹکڑے پر قبضہ کر کے انسان کو مار بھگانا[†] میری ہی بنائی ہوئی فطرت ہے، مجھے اُس باایمان وجود کی مثال بیان کرتے ہوئے کچھ شرم نہیں آتی۔ کیونکہ وہ بہر نوع مومن ہے، اور اپنی ذرا سی بساط کے مطابق اعلون رہنے کی سعی کرتا ہے یا خدا کے روز اول سے باندھے ہوئے عہد کو توڑتا نہیں! اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ

[†] سطح زمین کے متعدد حصوں پر سفلی مخلوق نے اسقدر مستحکم قبضہ کر لیا ہے کہ انسان کے لیے اُن اقطاع میں آباد ہونا قطعاً محال ہو گیا ہے۔

يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ (بقرہ)، میری سب مخلوق اپنی فطرت اور ہدایت پر روزِ آفرینش سے چل رہی ہے، یک سرِ مو ادھر اُدھر نہیں ہٹتی (اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (طٰہٰ))، مگر انسان اپنی جبلّت کو بھول بھول کر اپنے آپ کو دکھ میں ڈال رہا ہے (وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (طٰہٰ))۔ بارہا پیغمبر اِسی دینِ فطرت کو لائے، مگر انہیں اپنی جبلّت پر چلتے رہنے کا عزم نہ تھا۔ میں لاشریک خدا ہوں کسی دوسرے خدا کا اس زمین و آسمان کے اندر ہونا مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا، اگر اس کائنات کے اندر میرے سوا کوئی اور خدا ہوتا تو یہ زمین و آسمان کبھی کے بگڑ گئے ہوتے (لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (انبیاء))، میں خود اپنی فوجوں سمیت اس پر چڑھائی کر دیتا اور اُسکو پچھاڑ کر رہتا (وَمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (المومنون))، تم بھی اسیطرح اس میری بنائی ہوئی زمین پر لاشریک رہو، کسی کو اپنے مقابلے میں آنے نہ دو، وہ غالب بن کر رہو کہ زمین پر فساد کی کوئی صورت باقی نہ رہے! یاد رکھو کہ میں خدا ہوں لیکن تم مظہرِ خدا ہو، اوصافِ الٰہی کا مجسّمہ صغریٰ ہو، میری طرح سمیع اور بصیر ہو (فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا۔ (دہر))، قلبِ سلیم رکھتے ہو، صاحبِ دستِ قدرت ہو، مالکِ ارادہ ہو، اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ (ص) بن سکتے ہو، میں نے تمہاری جبلّت کے اندر اپنی لازوال اوصاف کا ایک جزوِ صغیر ڈال رکھا ہے، اپنی رُوح تم میں پھونک دی ہے (نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (حجر))! یہ اسلیئے کہ میں تم سے وہی چاہتا ہوں جو میں خود ہوں، وہی کہتا ہوں جو کر رہا ہوں۔ میں خود قوی اور عزیز ہوں، تمہاری بھی قوت اور عزت چاہتا ہوں۔ جبّار اور قہّار ہوں تم سے بھی جبر اور قہر چاہتا ہوں۔ رحیم اور رحمٰن ہوں تم سے بھی مسامحت اور رواداری کا متمنّی ہوں۔ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ (رحمٰن) کا مصداق ہوں تم سے بھی انتہائی سعی و عمل چاہتا ہوں، خلّاقِ عظیم ہوں، تم سے بھی بڑی بڑی ایجادات اور اختراعات کا متوقع ہوں، تم اس زمین پر میرے قائم مقام ہو، خلیفۂ خدا ہو، فرشتوں کی مرضی کے برخلاف تم کو یہ مقامِ رفیع مل چکا ہے (وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً، قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ

مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ٥ (بقرہ) اسلئے ان کے طعنہ آمیز قول کے مطابق اس زمین پر **فساد** پیدا نہ کرو! میری ہی تکبیر و اعلا میں لگے رہو، تمہیں اسلئے ممتاز کیا گیا ہے کہ تم میں علم ہے، **علم اسمار** اور علم **حقائق الاشیار** کی **کامل** استعداد رکھہ دی گئی ہے، ان بیچارے فرشتوں میں یہ بات اصلاً نہیں: وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ٥ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ٥ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ٥ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ٥ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ٥ (بقرہ) یہی علم و عمل تم کو اس دنیا میں سرفراز کرے گا، یہی خلیفہ خدا ہونے کا سچا اہل بنائے گا، یہ سب ملائکہ بھی تمہارے ہی خادم ہیں، تمہارے ہی مطیع بن کر رہیں گے، تمہیں ہی سجدہ کرتے رہیں گے، یہ جو کچھہ زمین و آسمان میں ہے تمہارے لیئے ہی مسخر کر رکھا ہے وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ (جاثیہ) ، تمہاری ہی اطاعت اور تمہارے ہی استعمال کے لیئے ہے بشرطیکہ تم اسکے اہل ہو، اگر کہیں کوئی شے تم سے برگشتہ ہو کر رہے گی تو وہ **شیطان** ہے۔ اُس پر غالب آنا تمہارا کام ہے، وہی تم سے اکڑ اکڑ کر رہے گا اور مطیع بننا حتی الامکان گوارا نہ کرسکے گا۔ پس اس خلافتِ خدا کے **اہل** بنکر دکھاؤ، **لاشریک** اور **قوی** بنکر دکھاؤ، **عالم** اور **عامل** بنکر دکھاؤ، یہ دنیا دار **المحن** ہے، اس میں بے علم اور بے عمل قوم کا طبعاً کچھہ گذارہ نہیں!

قانونِ خدا کا یہ وہ حیرت انگیز اور حقیقت کشا علم تھا جسکو تئیس برس کی جاں گزا اور روح فرسا محنت کے بعد پاکر عرب کی امی اور اُجڈ، بے ہتیار اور بے زر قوم نے روئے زمین کے چھتیس ۳۶ ہزار شہر بارہ برس کے اندر اندر سر کر لیئے تھے، زمین پر حفظ و امن کی ایک غیر منقطع صورت پیدا کر دی تھی! باغ کی مرجہائی ہوئی کھیتیاں یکدم لہلہا اُٹھی تہیں، سرو و سمن وجد میں آگئے تھے، یہی وہ **معرفت نفس** کی پردہ شکن اور تاب گسل منزل تھی کہ اعمال خدا کے علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان کا طغرائے امتیاز ہو گیا تھا۔ اسکی تلاش میں چین اور روم ایک کر دیئے تھے، مرد اور عورت سب اسی رنگ میں رنگے گئے تھے۔ خدا کی بنائی ہوئی اشیا سے طلب عمل کرنا، اُن کا علم حاصل کرنا جزو ایمان بن گیا تھا،

اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ؕ (جاثیہ) کی نغمت صورت قطعًا عیاں ہوگئی تھی! اگر آج بھی اسلام کسی بڑی بڑی پگڑیوں والے مولوی حضرات، یا گز گز بھر لمبی داڑھیوں والے فقیہوں کی کم نگہی کے باعث مسواکوں اور ڈھیلوں، استنجاؤں اور پاجاموں، عماموں اور داڑھیوں کے اندر گھس چکا ہے، اگر اُسکی اشد شدید حکمت اور مبلغ علم حیض و نفاس کے مسئلوں، گردن مروڑی مرغیوں کی تشریحوں، آمین بالجہر اور رفع یدین کی بحثوں پر ختم ہو چکے ہیں، اور اُدھر قاہر اور شدید العقاب خدا اپنے سب اگلے دیئے ہوئے انعام ایک ایک کرکے غیروں پر بانٹنے میں مصروف ہے تو خودکشی کی اس حسرت انگیز صورت کو پیدا کرنے میں قرآن یا اسلام کا کیا گناہ ہے! فتح قسطنطنیہ[1] کے محشر انگیز ایام میں رومی اور یونانی بھی اسی قطع کی مضحکہ انگیز بحثوں میں مصروف تھے اُن کا مابہ النزاع بھی یہی تھا کہ "عشائے ربانی" کے موقع پر عیسیٰ علیہ السلام نے جو کھانا حواریوں کی معیت میں کھایا تھا اُسمیں روٹی خمیری یا فطیری تھی! اسی پر آپس میں خون کی ندیاں بہ جاتی تھیں، اسی پر ایک فرقہ دوسرے گروہ کا پشتینی دشمن بن چکا تھا، دین خدا کی حفاظت میں سب کے سب اپنوں کو کاٹ کاٹ کر کھا رہے تھے، خمیری یا فطیری کا مُنہ سے کہہ دینا ایمان یا کفر کے ہم معنی بن گیا تھا! اِدھر یہ سب کچھ ہو رہا تھا، مگر دینِ خدا سے باخبر مسلمانوں کا قائد اعظم محمد فاتح اُدھر اپنی محاصرہ کرنے والی بڑی توپوں اور قلعہ شکن منجنیقوں کو قرۂ حصار پر لگانے میں مصروف تھا اور ابن اللہ کی روٹی کے قضیئے کو ازبس غنیمت سمجھکر روز بروز شہر کے نزدیک پہنچتا جاتا تھا! اس مضحکہ انگیز خودکشی کا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ دس مہینے کے اندر اندر محمد اللہ اکبر کہتے کہتے شہر میں جا داخل ہُوا اور ابن خدا کی روٹی کے شیدائی اس طرح دُم دبا کر بھاگے کہ آج اُس سرزمین میں چراغ لے لے کر ڈھونڈنے سے اُس نسل کا ایک فرد باقی نہیں ملتا! عہد حاضر کے مسلمان بھی جو مرضی ہو کرتے رہیں مگر خدائے قاہر کے انتقام کی یہی وہ دردناک صورت ہے جو ہر ظلم کار قوم پر ہمیشہ عائد ہوتی رہی ہے اور جبتک خدا کا قانون اس زمین پر جاری ہے یہی ہوتا رہے گا! وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ (ہود) ۔

[1] ۸۵۷ ہجری مطابق ۱۴۵۳ عیسوی میں قسطنطنیہ ترکوں کے قبضے میں آیا۔

پس میری دانست میں اسلام یہی ہے جو اوپر بیان ہوا؛ وہ وہی ہے جو رسولِ خدا اپنے ساتھ لائے
تھے، جو لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ* کا مصداق تھا، جس نے رسول پاک کی زندگی میں تمام عرب کو ایک نقطۂ
وحید پر جمع کر دیا تھا، جس نے اُن کی وفات کے بعد ایک عالم کو پابرکاب کر کے سب کو ایک رنگ، ایک
مسلکِ عمل، ایک راہ، ایک فطرت پر عامل کر دیا تھا۔ جبتک مسلمان اِس اسلام پر قائم رہے، جبتک وارث
زمین اور خلیفہ خدا بننا اُن کا واحد مطمحِ نظر رہا، وہ الٰہی اصطلاح میں مُسلمان بنے رہے۔ مسلمان ہونیکے
سب قرآنی وعدے، لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ (نور) کا وعدہ، سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ (محمد) کا وعدہ،
سَتُغْلَبُونَ (آل عمران) کا وعدہ، هُمُ الْغَالِبُونَ (مائدہ) کا وعدہ، يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا (نصر) کا وعدہ، سَنُدْخِلُهُمْ
جَنَّاتٍ (نساء) کا وعدہ، يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ (روم) کا وعدہ، لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ (حجر) کا وعدہ، لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَ
مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ (مائدہ) کا وعدہ، ایک ایک کر کے پورا ہوتا رہا۔ اُسی وقت تک دین اسلام دینِ خدا رہا، راہِ
مالک الملک رہا، صراطِ مستقیم رہا۔ اسکے بعد سے جو کچھ اس دین میں سعی و عمل کو کم کرنے کی نیت سے داخل ہوا
بدعت ہے، **کفر** محض اور گمراہی ہے، یا غلو فی الدین ہے یا فریب وریا ہے، یا آرام طلبی کے ڈھنگ ہیں یا
تن آسانی کے شیوے ہیں، یا مکر و تاویل کا جال ہے، یا بدمعاشی اور بے ایمانی ہے۔ اگر مسلمانانِ عالم آج اپنی سب
"محبوبیت" کے ادّعا کے باوجود موت کے گھاٹ اُتر رہے ہیں تو اسکی وجہ یہی صریح بددیانتی ہے، یہی اصلی اور سچا کفر ہے
اسلام کا **اسلام** رہ کر وہی قرنِ اول والے نتائج نہ پیدا کرنا ایسا ہی محال ہے جیسا کہ آگ کا آگ رہ کر کسی وقت
نہ جلانا، یا پانی کا پانی ہو کر کبھی نہ بہنا ایک امر متعذر ہے۔ مسلمان یا اُنکے عُلمائے دین اِس حقیقت کُبریٰ کو دو ہزار
برس تک دیکھنے سے انکاری ہیں، اپنے آباؤ اجداد کی گمراہ کن اور موت انگیز پیروی کو پیشِ نظر رکھکر دن کو رات

* صفحہ ۱۱ کے اخیر ۱۲ کے شروع میں لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ کو رسول خدا صلعم کے بھیجے جانے کی واحد غرض قرار دیا گیا تھا، اس امر کے ثبوت کے لیے اصل کتاب کے صفحہ ۱۸۲ سے ۱۸۵ تک کی آیتوں اور صفحہ ۱۸۲ و ۱۸۳ کے حواشی کو دیکھنا چاہیے لیکن سورۂ فتح کی ذیل کی آیتیں سیاق و سباق کلام سے الگ کر کے شاید اس دعوے کی نقیض قرار دی جائیں: إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا (۴۸: ۸-۹) لیکن سورۂ فتح کی پہلی سات آیتوں کو پڑھنے کے بعد ہر صاحب نظر پر واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں پر بھی اگر ایمان باللہ اور ایمان بالرسول اور اسکی نصرت اور تعظیم کو حضرت کے بھیجے کی **غرض** قرار دیا گیا ہے تو اسکا مطلب بھی یہی ہے کہ اہل عرب رسول خدا کے معاون ہو کر اس قانون پر چلیں جسکا نتیجہ اجتماعی تمکن اور بادشاہت ہے۔ یہ بات صاف طور پر (۴۸: ۱)، (۴۸: ۲)، (۴۸: ۳) (۴۸: ۴) بلکہ (۴۸: ۵) (جس میں مومنوں کو جنات زمین میں داخل ہونے کی خوش خبری دی گئی ہے)، اور (۴۸: ۶) (جس میں منافقوں اور دشمنان رسول کو اجتماعی عذاب سے ڈرایا گیا ہے) سے بھی ظاہر ہوتی ہے، اور (۴۸: ۸) میں مبشراً اور نذیراً کے الفاظ لکھکر تو اور بھی واضح کر دیا ہے کہ رسول خدا کے مبعوث ہونے کی غرض و غایت اجتماعی بقا کی بشارت دینا اور اجتماعی ہلاکت سے ڈرانا ہی ہے۔ (دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۱۸۱)۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مبشر اور نذیر ہونے کا ذکر تو کم از کم چار جگہ اور ہے مگر مذکورہ صدر آیات اور صفحہ ۱۸۲-۱۸۵ کے حوالہ جات کے ماسوا قرآن کے طول و عرض میں آنحضرت صلعم کے مبعوث ہونے کی اور کوئی **غرض و غایت** کہیں بیان نہیں کی گئی +

کہتے پھریں، آنکھیں ہو ہوا کر نہ دیکھیں، کانوں سے نہ سُنیں، ذہنوں کو استعمال میں نہ لائیں اور بکر کی نیندیں لے لے کر اسلامی اُمت کو اور رسوا و ذلیل کر دیں مگر قرآن کا بتایا ہوا اسلام ہر صاحب نظر کی نگاہ میں وہ روشن اور نالائق حجود حقیقت ہے کہ دس لاکھ علما کی متفقہ تاویل یا دس ہزار اُمتوں کا پورا اجماع بھی اُسکے بتائے ہوئے قانون کو بدل نہیں سکتا! جبتک اور جس شدت سے، جس وقت اور جس اُمت میں وہی قرن اوّل کا اسلام **عملاً** اور **معناً** موجود ہوگا، جو قوم اُس قانون خدا کا اتباع اپنے تن بدن کو دُکھ میں ڈال کر کرے گی، ہاتھوں اور پیروں کو محنت اور تکلیف برداری کا خوگر بنا کر اس کشت زار کسب وعمل میں، نہیں اس مزرعۃ الآخرۃ کی چمن خیز سرزمین میں چند دانے سعی وعمل کے بو کر انکی مناسب طور پر آبیاری کرتی رہے گی، اور سر بفلک درخت اُگنے کے والہانہ انتظار میں خوشدل باغبان بنے رہنے کو اپنی زندگی کا واحد مآل سمجھے گی، وہی اُس **جفا طلب** اور **صبر آزما** خدا سے کچھ لیکر رہے گی۔ وہی اسکی صحیح معنوں میں محبوب اور منظور نظر اُسکی مُسلم اور عابد بن جائے گی۔ اگر اس دنیا میں غالب بن کر رہنا مسلمانی اور ایمان کی **شرط** ہے اگر خلیفہ خدا اور مالک زمین بننا عین اسلام اور تمام قرآن ہے تو یہ سب کچھ عمل اور صرف عمل سے ہو سکتا ہے، پیہم اور شبانہ روز تکلیف سے ہو سکتا ہے آرام طلبی کے نئے ڈھنگ نکالکر اور قانون خدا میں آسانیاں وضع کر کے اس مقام جلیل کے برقرار رہنے کی امید کرنا ہوشمند قوم کا کام نہیں۔ لفظوں اور عقیدوں، کلموں اور قولوں پر اکتفا کر کے شرعی پاجامے اور باعزت پگڑیاں پہن لینا اور اس طرح پر اپنے آپ کو 'مسلمان' بنائے رکھنا **کامچور** اور **نابکار** اُمت کا شیوہ ہے۔ اُس دانائے نہان و آشکارا کو عبث دھوکا دینا ہے۔ خیر الماکرین کے ساتھ مکر کرنا ہے۔ ایک چھوٹے سے چھوٹا آقا بھی اُس زبانی جمع خرچ اور 'لفظی عبادت' کی کچھ پرواہ نہیں کرتا، کامچور نوکر کی صرف زبانی آؤ بھگت کو دیکھکر ملازمت سے چشم زدن میں رخصت کر دیتا ہے، پھر آقائے **شمس و قمر** سے اس کام پر اُجرت یا نعمت کی امید رکھنا پوری جہالت ہو اور جو قوم کی اُس حقیقت کی معترف بننے سے انکاری ہے یا معترف بننے کے بعد عمل سے گریزاں رہی ہے اُسکی زندگی کے دن اس سطح زمین پر قطعاً گنے جا چکے ہیں!

پس میری دانست میں اگر ایک شخص اپنے لفظی اور زبانی عقیدے پر **عامل** نہیں تو اُسکا عقیدہ خدا کی نظروں میں محض کچھ شے نہیں، اگرچہ کچھ وہ کہہ رہا ہے۔ اُسکے مطابق عمل نہیں کرتا تو یہ کہنا بھی کچھ نہیں، نہیں بلکہ کہنا اور کہہ کر پھر نہ کرنا سچی **منافقت** ہے، اصلی بدمعاشی ہے، ایمان کی ضد ہے: (یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (صفّ ۶))، **قرآن کا گناہ کبیرہ**† ہے: (کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (صفّ ۶))! ایسے شخص کے لیئے ایمان کا دعوے دار بننا حقیقت کا منہ چڑانا ہے، کم از کم خدا کے نزدیک اِس قول کی کچھ قیمت نہیں، وہ خدا کو دھوکا دینے کی سعی کر رہا ہے، اور خدا کو دھوکا کیا درا صل اپنے نفس سے مکر کر رہا ہے: (وَمِنَ النَّاسِ مَنْ **یَّقُوْلُ** اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ۝ (بقرہ ۲)) ۔ برخلاف اِسکے جو شخص **عمل** کر رہا ہے، کسی حکم خدا پر عامل ہو کر اپنے تن بدن کو تکلیف میں ڈال رہا ہے، اسکا عقیدہ بھی درست ہی نہیں بلکہ وہی عقیدے کا صحیح معنوں میں مدعی ہے، اُسی کے دل میں عقیدت اور یقین کا ایک لازوال ہیجان موجود ہے، وہی اُس حکم خدا کی نافعیت کا سچا قائل ہے، وہی اُسکے حاکم اعلیٰ ہونے پر سچا ایمان رکھتا ہے، وہی اُسکو صحیح معنوں میں مان رہا ہے، وہی اُسکو دل سے آقا تسلیم کرتا ہے، وہی مسلم اور مومن ہے۔ کسی نوکر سے **ملازمت** آجتک منہ کے کہے سے نہیں ہوئی، زبانی عقیدے یا کسی کلمے کو دُہرا کر ہرگز نہیں ہوئی، وہی صحیح معنوں میں نوکر ہے جو کام کر رہا ہے جو کہا مان رہا ہے، وہی تنخواہ بھی لے رہا ہے، وہی آقا کو آقا مان رہا ہے اور وہی اُسکے حاکم ہونے کا معتقد بھی ہے! چہروں کو غمگین بنا بنا کر اور لمبے سانس بھر بھر کر یہ کہتے رہنا کہ ہم خدا کے قائل ہیں، ہم اُسکو وحدہ لاشریک سمجھتے ہیں، ہم اُسکو ایک مانتے ہیں، ہم اُسکے وجود پر شاہد ہیں، ہم اُسکے ہونے کو تسلیم کرتے ہیں، ہم مسلمان اور مومن ہیں اور ساتھ ہی اُسکے دیئے ہوئے حکموں پر عمل نہ کرنا، اُنکو پرکاہ کے برابر نہ سمجھنا، توفیق نہ ہونے کا شیطانی عذر کہہ کر ٹال دینا اور باوجود اِسکے "عقیدہ درست رکھنے" کا طاغوتی اصرار کرنا میرے نزدیک پرلے درجے کی فریب کاری ہے، انتہائی ریا ہے، مُلّائی جہالت اور ابلیسی تجاہل ہے! کسی فرد واحد نے آجتک کسی شہر کے حاکم کو اِسطرح پر نہیں مانا، کوئی تن واحد اُس

† موجودہ فقہ کے بے سند فتواؤں اور مُلّائی افراط و تفریط سے قطع نظر، قرآن عظیم میں صرف چند مہلک جماعت گناہ ہیں جنکو گناہ کبیرہ کہا گیا ہے اُن میں سے ایک یہی مَا لَا تَفْعَلُوْنَ کا گناہ عظیم کر (بقیہ صفحہ ۸۵)

مالک نفع وضرر کا اس نہج پر قائل نہیں ہوا، کسی نے اُسکو اس طور پر تسلیم نہیں کیا! اُسکو ماننا، اُسکو تسلیم کرنا، اسکو حاکم سمجھنا، اُسکا معتقد ہونا ہر جگہ اور ہر شخص کے نزدیک ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ اُسکے احکام کی ہر نوع اور بہر حال تعمیل کی جائے، اُسکے حکم کو مرگِ مفاجات سمجھکر چار و ناچار مانا جائے، اُسکے مروج قانون کی حدود سے باہر نہ نکلا جائے شب و روز اور پیہم تعمیل ہو، طوعاً وکرہاً تعمیل ہو، توفیق ہو نہو مگر حکم کے برخلاف کچھ نہ ہونے پائے۔ اور اگر کوئی ستم ظریف حکم عدولیاں کر نیکے بعد بھی حاکم شہر کو یہ سُنا رہا ہے کہ وہ اُسکو کم از کم مُنہ سے مان رہا ہے، وہ اُس کو وحدہٗ لا شریک کہتا ہے، وہ اُسکے وجود کا زبان سے شاہد ہے، تو حاکم کیلئے اِس مسخرے کے دماغ کو درست کرنے کی اس سے بہتر کوئی سبیل نہیں کہ اُسکو پاگل خانے بھیج دیا جائے، یا جو کچھ منوانا ہے بنوک سنگین منوا کر شہر بدر کر دیا جائے! زبانی عقیدہ اطاعت اور عمل کے بدون کچھ شئے نہیں، نہ اس سے اس عالم اسباب و عمل اور مکافات شرط و جزا کے اندر سلطنتیں مل سکتی ہیں نہ غلبہ قائم رہ سکتا ہے، اور جب عمل موجود ہو اور کسی شخص کے ہاتھ پاؤں آقا کی ملازمت کے پیہم گواہ بنجائیں تو زبانی عقیدہ کی بھول بھلیوں میں پڑنا محض بیکار ہے۔ مسلمانوں کی کاہل، مجبور اور کم ہمت قوم نے آج اطاعت کی تکلیف دہ صورت کو خیر باد کہکر عقائد کی آرام دہ مکاری پر اپنے دین کا تمام حصر سمجھ لیا ہے۔ اور اس مکر کے اندر ایک نیا مکر یہ پیدا کر لیا ہے کہ نہایت عقیدتمندی سے اس بات کے درپے رہتے ہیں کہ خدا کو خوش کر نیکے لیئے "عقائد کو درست کیا جائے" اعمال کے درست ہونے پر بحث قطعاً بند ہو چکی ہے گویا مُلک اسلیئے چھینے جا رہے ہے کہ اس حاکم زمین و آسمان کو اس لاڈلی اُمت کے "ملفوظات" پسند نہیں رہے، اور جبتک اقوال کو درست نہ کیا جائے زمین و آسمان کی اس "قول پسند ملکوت" کے اندر خدا کو خوش کر لینا محال ہے، وکذالک جعلنا فی کل قریۃٍ اکٰبر مجرمیھا لیمکروا فیھا، وما یمکرون الا بانفسھم وما یشعرون ٥ (انعام) ✝

میں اس کتاب کو پہیلی یا بوجھارت قطعاً نہیں بنانا چاہتا۔ میرے نزدیک وہ وقت اب گذر چکا ہے کہ اسلام کی اجل زدہ اُمت کو پوری دس جلدوں کا انتظار کرا کر مذہب اسلام کے سر بمہر راز کو آہستہ آہستہ کھولیا جائے یا جبتک مبادیات پر مختتم اور فیصلہ کن بحثیں نہ ہو چکیں اور اُنکو من وعن قبلوانے کے لیئے زمین تیار نہ کر لوں مُنتہیات پر

(بقیہ صفحہ ۸۴) ایک شرکِ جلی جسکی بخشش متعلق نہیں، اور جس پر بحث آگے چلکر رہی ہے، ایسہٰ تا کہ ... اعمالکم ... بالکل باطل ہو جاتا ہے یعنی ... جس کی سزا جہنم ... ضرورت نہیں ✝

ایک قطعی اور آخری فیصلہ پیش از وقت دینے سے محترز رہوں۔ میرے نزدیک اسلام کی اس پُر آشوب حالت میں مصنف کے اپنی تصنیف کے بارے میں طبعی تحمّل کا وقت گذر چکا ہے۔ ایک مارگزیدہ اُمت کیلئے عراق سے تریاق منگوانے کی تجویز کرنا اب لاحاصل ہے۔ یہ تکلفات پُر امن اور فرصت کے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں، آج وہ زمانہ ہے کہ مسلمانانِ عالم کیلئے چند لمحوں کے لئے بھی کسی مستقل اور یقین انگیز، کسی نفعمند اور مختصر راہ عمل کیطرف نہ آنا **فوری ہلاکت** کا سامنا کرنا ہے۔ دلیلیں اور بحثیں اصل کتاب کے آیندہ اوراق میں ہوتی رہیں گی، میں نے اُن اوراق میں اس بات کا التزام کر لیا ہے کہ کسی امر کے متعلق ایک حرف بے دلیل نہ کہا جائے اور ایک قدم آگے نہ بڑہایا جائے جبتک کہ الٰہی حُجت کو پیش کر کے پچھلے قدم کو قطعاً مضبوط اور غیر متزلزل نہ کر لیا جائے لیکن دس جلدوں کا انتظار ناظر کتاب اور بالخصوص قرآن سے آشنا شخص کیلئے نہایت تکلیف دہ ہے، اور طوالت میں اصل مطلب کا خبط ہوجانا بھی بسا اوقات امر غالب ہے۔ اس امر کو مدنظر رکھکر میں نے **عربی افتتاحیہ** میں جو کچھ کہنا تھا حتی الوسع کہہ دیا ہے۔ مُسلمانانِ عہد حاضر کو ایک قطعی اور مختصر راہ عمل کیطرف عام فہم الفاظ میں پھر اشارہ کر دیا ہے، **ایمان** کے لازمات پیش کر دیئے ہیں، **توحید** کا سچا اور اصلی مفہوم بتا دیا ہے، **اتقا** کے اعمال واضح کر دیئے ہیں **شرک** کی ماہیت کو کھول دیا ہے، **کفر** کی مستور حقیقت کے بخیے اُدھیڑ دیئے ہیں، **صراط مستقیم** کو اظہر من الشمس کر دیا ہے، **قانون خدا** کا وہ علمی اور ابتدائی، وہ اہم اور اٹل حصہ پیش کر دیا ہے جسپر چلکر ہر قوم کو، ہر اُمت کو، ہر قریے اور محلے کو ہر وقت اور ہر جگہ اس دنیا کے کسب عمل کے اندر امن مل رہا ہے۔ وہ **دس عظیم الشان اصول**† غیر مشکوک اور واضح الفاظ میں پیش کر دیئے ہیں جنکو پاکر اُمت محمّدیہ کو چند **لمحوں** کے اندر بادشاہت زمین مل سکتی ہے، جنپر دین اسلام کا **تمام** حصر ہے، جنپر خاتم الانبیاءؐ کے لائے ہوئے قانون کی ساری بنیاد رکھی ہے، نہیں بلکہ جو ہر **بادشاہ قوم** کا **واحد اور دائم مذہب** ہے اور جبتک زمین و آسمان موجود ہیں یہی طرز عمل رہیگا۔ اس مختصر فاتحہ کتاب کے اندر حتی الامکان الٰہی سند بھی دیدی ہے، ایک ناقابلِ رد حُجت کو قرآن عظیم سے لیکر تاویل کی فریب کاری اور عقائد کی بدمعاشی کو جڑ سے اکھیڑ دیا ہے۔

† دیکھو افتتاحیہ کتاب صفحہ ۵۱ - الخ ۔

بُرہان خدا کی بے رحم کُلہاڑی کو انسان کے اپنی کامجوری اور غفلت سے اگائے ہوئے جنگل پر یہ بیدریغ استعمال
کیا ہے کہ ہر صاحب کو اِس مُہلک اور قاطع نمو، اس بیکار اور ناخوش آیند کاہ و گیاہ کے نیچے اسلام کے خوشنما
اور ثمر ور پودے کی شکل پھر نظر آجائے۔ بے خوف و خطر یہ دعوٰے کر دیا ہے کہ اسلام عمل اور صرف عمل ہے،
جو عامل ہے اُسکا عقیدہ بھی درست ہے۔ نہیں بلکہ اُسکو کسی عقیدے یا زبانی قول کی ضرورت ہی نہیں۔
جو قائل ہے وہ بہر نوع کچھ نہیں، آج کچھ نہیں، کل کچھ نہیں، ابدالآباد تک کچھ نہیں۔ نہیں بلکہ اس دعوے
کی الٰہی سند بھی ایک حد تک پیش کر دی ہے۔ قطعی اور نصی، ناقابل تاویل اور نالائق حجو و شہادتیں
پیش کی ہیں، جو کچھ کھول دیا ہے اس امر کو پیش نظر رکھکر کیا ہے کہ ناظر کتاب کو مذہب اسلام کے متعلق میرا
عندیہ پہلے سے واضح ہو جائے، ابتدا سے اُسپر یہ امر روشن ہو جائے کہ میں مذہب کو کیا سمجھ رہا ہوں، کس بات
کیطرف جا رہا ہوں، میری دانست میں قرآن کا کیا لائحہ عمل ہے، دین کیا شئے تھا اور کیا کا کیا بن چکا ہے! ایسا
اِس کتاب کے سیاق موضوع کے متعلق اُسکے پڑہنے والے کی تڑپ کو پہلے سے دور کر دینا چاہتا ہوں، اُسکو جو کچھ
میں نے بالآخر اور بتدریج تمام کہنا ہے اوّل کہہ کر جلد جلد ورق گردانی کے اضطراب کو دور کرنا چاہتا ہوں۔ قاری
کو چند الفاظ کے اندر سب کچھ بتلا کر آیندہ اوراق پر نہایت ٹھنڈے دل سے غور کا خواہاں ہوں۔ الفاظِ وحی کے
مطالب کے متعلق سب پُرانے اور دقیانوسی، سب ناکارہ اور بے نتیجہ خیالات پر بجلی گرا کر قرآن عظیم کو نئے سر
سے پھر پڑھوانا چاہتا ہوں! میں چاہتا ہوں کہ اُس کتاب جلیل کے ایک ایک لفظ پر غور رہو، اُسکے بارے
میں صاحب القرآن ؑ کے واحد اور صحیح عندیے کا کھوج لگایا جائے، تہ کو پہنچکر ایک مستقل راہ عمل پر پہنچا جائے،
الٰہی دلیل اور قرآنی سند سے باہستگی تمام پہنچایا جائے، ماسوا کے اقوال کو یکسر نظر انداز کر کے مفہوم خدا کی تلاش کیجائے،
لیکن اُقلیدس کے مقالوں کی طرح دعاوی کو پہلے بیان کر دیا جائے۔ قرآن سے آشنا شخص یا گروہ کیلئے
اِس طریق کار میں یک گونہ سہولت ہی، وہ ممکن ہے پہلے ہی انہی نتائج پر پہنچ چکا ہو اور ظاہر کرنے کی فرصت یا
ہمت نہ رکھتا ہو۔ مذبذب کیلئے سوچنے کا کُھلا موقع ہے، نا آشنا کے لئے ایک چونکا دینے والا انکشاف ہے،

متلاشی حقیقت کیلئے مقصود کا پالینا اور عامل کے لیئے ایک اہم کام کا درست پیش ہوجانا ہے! اس ترکیب سے مسلمانوں کے سامنے صدیوں کا بھولا ہوا قرآن پھر پیش نظر ہوجائے گا، ایک کامل صحیح یا کامل غلط راہ پیش پیش ہوجائے گی، وہ اسپر صحیح عمل شروع کرنیکے قابل ہوجائینگے یا کم از کم اسکو فوراً غلط قرار دے کر دس مجلدات کی طباعت کے انتظار میں پریشان قلب ہونیسے بچیں گے!

میرے نزدیک قرآن کی **توحید** یہ ہے کہ **دل کے اندر کسی ماسواسے تعلّق نہ رہے** کسی دنیاوی شئے سے اسقدر اعتنا نہ بڑھے کہ غیر خدا کو خدا پر ترجیح دیجائے، قلب کے اندر اولاد کا **بُت** نہ ہو، گھوڑوں اور مکانوں زمینوں اور بیویوں کے بُت نہ ہوں، باپ اور ماں کی اقربا اور اعزا کی محبت کا بُت نہ ہو، پیر و فقیر، اولیا و اصفیا کی ارادت کے بُت نہ ہوں، حکّام سے غرضمندی کے بُت نہ ہوں، طمع و حرص کے بُت نہ ہوں، نفس پسندی کا بُت نہ ہو، تن آسانی کا بُت نہ ہو، حُبِّ جاہ کا بُت نہ ہو، الغرض **شیطان** کا کچھ غلبہ نہ ہو، **کوئی شئے** سوائے خدا کے دل پر **حکمران** نہ رہے، کسی بُت کے دل آسا اور آرام دہ حکم کو خدا کے سعی طلب اور صبر آزما حکموں پر **کسی وقت** ترجیح نہ دیجائے۔ یہ **توحید** ہے، یہی اصل **ایمان** ہے، یہی سچّا **موحّد** بنتا ہے! وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (بقرہ)۔ جو شخص چوبیس گھنٹے اس توحید کو نباہ رہا ہے، ہر لمحہ جو کچھ کر رہا ہے خدا کا کام کر رہا ہے، شیطان کی ملازمت نہیں کرتا، اُسکی فوری اُجرت اور **نقد** مزدوری کا خیال نہ کرکے خدا کے اخروی اجر کو نہیں اُس حاکم مطلق کے وعدے کیئے ہوئے **نسیئے** کو، اسکے دہ چند اُدھار[*] کو بہتر سمجھکر شیطان کی ابلہ فریب ترغیب پر نہیں چلتا، وہ اُس چوبیس[۲۴] گھنٹے تک **موحّد** ہے، **مومنِ** خدا ہے، منکرِ شیطان ہے، **ملازم** احکم الحاکمین ہے، اللہ کا نوکر ہے، عبد ہے، **عابدِ** خدا ہے! جسوقت اُسنے حکم خدا کو چھوڑکر کوئی **بت** اپنے دل کے اندر پیدا کرلیا، کسی ماسوا کے حکم کو ترجیح دی، کوئی تن آسانی کا مکر بنالیا، کسی فوری نفع کے پیچھے **لگ گیا**، اُسیوقت سے اُسکا ایمان **ساقط** ہے، اُسکی توحید زائل ہے، وہ مومن نہیں رہا، مُسلم قطعاً نہیں، عبد نہیں، عبادت گذار نہیں، ملازم خدا نہیں۔ نہیں! بلکہ وہ صحیح معنوں میں **مشرک** ہے، منکرِ خدا ہے، **کافر** ربّ العلمین ہے! یہی میری

[*] مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا (انعام) کی طرف اشارہ ہے۔

نگاہوں میں **سچی عبادت** ہے، یہی لفظ عبادت کا الٰہی اور قرآنی، سچا اور اصلی مفہوم ہے۔ منہ سے "اللہ اللہ"
پکارتے رہنا، زبان سے احد احد کہتے رہنا، اور دل کے اندر تین سو ساٹھ ۳۶۰ بتوں کا ایک **صنمکدہ** سجائے رکھنا، اور
کام کے وقت "توفیق نہ ہونے" کا ابلیسی عذر تھان لینا میرے نزدیک بدمعاشی ہے، پوری بے ایمانی اور انتہائی
کفر ہے، مکر عظیم ہے! کسی ملازم نے آجتک اپنے آقا کو ایک ایک کرکے نہیں پکارا! کسی تنگ دل سے تنگ دل
آقا نے اپنے نوکر کو اس بات پر متعین نہیں کیا کہ وہ اسکو روز و شب ایک ایک کہہ کر پکارتا رہے! ایسا حکم ازبس
مضحکہ انگیز ہے، ایسا عمل ازبس ابلہانہ ہے! آقا کی توحید یہی ہے کہ نوکر کسی ہمسایے کا کام نہ کرتا پھرے، کسی
دشمن کا ملازم نہ بنے، جس سے امیدوار مزد ہو اُسی کا **حکم مانے**، نہ یہ کہ مُنہ سے تو اُس کا راگ الاپتا پھرے مگر
کام غیروں کا کرے اور تنخواہ کے وقت آ حاضر ہو۔ نہیں بلکہ جو شخص آقا کے اذن میں ہے، خوش دل مزدور ہے،
تندہی سے اُسکے احکام کی تعمیل کررہا ہے، اُسکی خاطر اپنی جان جوکھوں میں ڈال رہا ہے، شبانہ روز اطاعت
میں مصروف ہے اُسکے لیئے آقا کو دمبدم سراہتے رہنا بھی ضروری نہیں، اُسکو لمحے لمحے کے بعد سلام کرنا بھی **مخلِ
عبادت** ہے، اُسکا ہر وقت کلمہ پڑھتے رہنا بھی ملازمت میں **حارج** ہے، اُسکو ایک ایک کہتے رہنا بھی عبث ہے،
مضحکہ انگیز ہے، مسخرہ پن ہے! اُسکے ہاتھ پاؤں کی حرکت، اُسکے گھر کی جھاڑ پونچھ، اُسکا آقا کی اشیا کو درست
رکھنا، اُسکی تگ و دو، دوڑ دھوپ وغیرہ وغیرہ سب اِس بات کی حتمی **شاہد** ہیں کہ وہ **ایک** خواجہ کا ملازم
ہے، اشھد ان لا مولیٰ الا ھو کا مصداق ہے۔ اِس سے بڑھکر اُس آقا کی توحید کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں! ارادت
یا عقیدت کے اظہار کے لئے احیاناً نوکر کا سلام کرنا بھی ضروری ہے اُسکے حضور میں حاضر ہوکر نہایت عجز اور
محبت سے، اخلاص اور ولولے سے کچھ مُنہ سے کہہ دینا بھی ضروری ہے، یہ بھی مہیّج خدمت ہے، محرکِ اعضا ہے،
تگ و دو کے حوصلے بڑھاتا ہے، آقا سے ارادت پیدا کرتا ہے، اُسکو اور خوش کرنے کا ایک عجیب و غریب نسخہ ہے،
نہیں یہ بھی ایک نقطۂ نظر سے اُس نوکر کی ملازمت اور بندگی، اُسکی غلامی اور عبادت کا ایک جزو **خفیف** ہے
ادنیٰ سا مگر بہر نوع **ضروری** حصہ ہے مگر یہ سلام سلام بھی اُسی وقت سجتا ہے جب کہ نوکر اپنے مالک کے پیدا اذن میں ہے

دن رات اُسیکا کام کرتا رہے، اُسی کی خدمت کرتے کرتے لگتے ہاتھ چند لمحوں کے لیئے "غریب پرور" اور "بندہ نواز" بھی کہہ جائے۔ کامچور اور حرامخور نوکر کے لیئے یہ ہروقت سلام کرتے رہنا، یہ دمبدم ہاتھ باندھکر کھڑے ہوجانا یا مؤدّب سروقد ہوجانا پرلے درجے کی گستاخی اور بدمعاشی ہے، نہیں بلکہ غلام کارکُن ہو یا ناکارہ کوئی آقا اِس پیہم سلام کو قطعاً پسند نہیں کرتا اور بسا اوقات کام کو سلام پر چند در چند ترجیح دیتا ہے؛ اُسی شخص کو بہتر سمجھتا ہے جس کا کام اُسکے زبانی جمع خرچ سے کئی گنا زیادہ ہو، جو کرتا رہے اور کم گو ہو۔ مالکِ زمین و آسمان کی **توحید** کا بھی بعینہٖ یہی انداز ہے، قطعاً یہی رنگ ہے، یہی ابتدا اور یہی انتہا ہے۔ یہ اُسکی ملازمت میں ہاتھ پاؤں کا عمل کرتے رہنا ہی سچی عبادت ہے' یہی اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ (حج ۲۲) کے صحیح معنی ہیں، یہی شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (حج ۲۲) بننا ہے، یہی اشهد ان لا اله الا الله' کا واحد مطلب ہے، یہ اُسکی اطاعت میں دُکھ اٹھانا ہی سچا 'دین' ہے، یہی فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ (زمر ۳۹) کا سچا مفہوم ہے، یہی جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ (حج ۲۲) کے ٹھیک معنی ہیں، نہیں یہ خوشدل مزدور بنے رہنا اور ماتھے پر بل نہ لانا ہی مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (حج ۲۲) کا واحد مقصود ہے، یہی مسلم اور مطیع بننا ہے، یہی 'اسلام' اور 'ایمان' ہے! مُصلّاؤں پر بیٹھکر اللہ اللہ جپتے رہنا، کملیاں اوڑھ کر گوشوں میں اونگھنا اور تکلیف دہ احکام سے تجاہلِ عارفانہ کرکے اُن کو ٹالتے رہنا، ہاتھوں اور پیروں کے عمل سے گریز کرنا، اور دل کے اندر ایک لاکھ بتوں کی انجمن لگائے رکھنا میرے نزدیک قطعاً کوئی عبادت نہیں، کوئی توحید نہیں، عبادت کا دسواں بلکہ لاکھواں حصہ نہیں، نہیں بلکہ ریاکاری اور مکّاری ہے، شرک اور کفر ہے، خدا کو قطعاً ناپسند ہے، کامچوری کے ڈھنگ ہیں، نفس کو دھوکا دینا ہے: وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ[۲] فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا (حدید ۵۷) خدا کو انسان کی وہی حاضری پسند ہے جو کسی نتیجہ خیز **عمل** کے بعد ظہور میں آئی ہو، وہی اُبْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ کے تحت میں آسکتی ہے جو کسی کام کر لینے کے بعد واقع ہوئی ہو۔ جو نعمت اور انعام کے حصول کے لیئے ہو[۲]، جو شاباش لینے کی تڑپ میں از خود پیدا ہو گئی ہو، ناکارہ اور بے عمل، بھگوڑا اور کاہل الوجود نوکر آقا کے حضور میں کس مُنہ سے جائیگا، وہ کس

؎۲ اِبْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ کی تشریح قرآن حکیم نے ایک دوسرے موقع پر اس طرح کی ہے: وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۙ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى (الیل ۹۲) یعنی "لوگو! خدائے عزوجل کے پاس (عِنْدَهٗ) کسی فرد واحد کے لیے بھی (لِاَحَدٍ) کوئی نعمت (مِنْ نِّعْمَةٍ) نہیں کہ بطور انعام کے دیجائے (تُجْزٰٓى) مگر یہ کہ وہ انعام اُس شخص کو اپنے رب کی تلاشِ رضا اور ابتغائے وجہ کے صلے میں ملتا ہو" مجھے شارحین قرآن کے بنائے ہوئے مصنوعی بحث نہیں مگر میرے نزدیک اس آیہ شریفہ میں ایک عام محاکمہ پیش کیا ہے اور وہ یہ کہ اس دنیا کے اندر جو انعام یا نعمت کسی کو مل رہی ہے خوشنودیِ خدا کے صلے میں مل رہی ہے" ابتغائے رضائے خدا کی اس تعریف کو پیش نظر رکھکر میری نظروں میں سورۂ حدید کی زیر بحث آیت کا یہ مطلب ہے کہ وہی رہبانیت، وہی اشیائے دنیوی سے تجرد، وہی حیاتِ دنیا سے قطع تعلق، وہی تارک الدنیا ہونا خدا کو پسند ہے جسکا نتیجہ حصول (بقیہ بر صفحہ ۹۱)

شیخی پر مُنہ دکھلاتا پھرے گا۔ اگر اُسنے کچھ کام نہیں کیا تو اُسکی حاضری بھی عبث ہے، اسکی رہبانیت بھی لاطائل ہے۔
مالک کی رضا جوئی کے لیئے قطعاً نہیں، نہیں بلکہ اُسکو الٹا طیش میں لانے کا عمدہ بہانہ ہے! قرآن کی اَلصَّلٰوۃ
صرف ایک نوکر کا پنجوقتہ سلام ہے، ایک کارکن خادم کی احیاناً اپنے مالک کے حضور میں حاضری ہے، ایک نعمت کے
حصول کی عرضداشت ہے (اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (فاتحہ)) کسی ترقی تنخواہ کی عرض
معروض ہے، کچھ قربِ شاہ کے باعث حوصلہ افزائی کا سامان ہے، کچھ خدمت کے سوئے ہوئے جذبے کو متحرک کرنیکا
وسیلہ ہے، کچھ تھکے ہوئے اعضا کو پھر تروتازہ کرنے کا ذریعہ ہے، کچھ آقائے نامدار کے ساتھ اپنی ارادت کو تیز کرنے
کا اوزار ہے، یہ سب کچھ ہے مگر عبادت قطعاً نہیں۔ خدا کی 'عبادت' فی الحقیقت ان پانچوقتوں کے بعد
شروع ہوتی ہے، وہ اسوقت ہورہی ہے جب مصلاؤں سے اُٹھکر لوگ احکامِ خدا کی تعمیل میں لگ جاتے ہیں جب
ہاتھ اور پاؤں سعی و عمل (۱) میں مصروف ہوتے ہیں، جب تن آسانی کے بُت کو توڑ کر تگ و دو کی جاتی ہے، جب
وراثت زمین کے نصب العین کو پیش نظر رکھکر سب اعضا وقفِ عمل ہوجاتے ہیں، جب نفس کے بُت کو زیر کر کے
نادار کے ساتھ احسان کیا جاتا ہے، جب محبت مال کے بُت کی پرواہ نہ کر کے خدا کی راہ میں جہاد بالمال (۲)
ہوتا ہے، جب حُبّ اولاد کے بُت سے بے نیاز ہوکر حکم خدا سے سفر ہوتا ہے، جب مکانوں اور باغیچوں کے بتوں
سے تعلق توڑ کر خدا کے اشارے پر ہجرت (۳) ہوا کرتی ہے، جب نفس پسندی کے بُت کو توڑ کر جہاد بالسیف (۴)
کیا جاتا ہے، جان کھچ کھچکر حلق تک پونہچتی ہے اور خدا یاد آجاتا ہے، جب کبر و نخوت کے دیو کو رام کرکے امیر جماعت
کی اطاعت (۵) میں سر جُھک جاتے ہیں، جب فرقہ پسندی کے طاغوت اور خود رائی کے دجال کو جہنم میں جھونک
لوگ متحد ہوجاتے ہیں، تو حید کو عملاً مان کر اُمّت میں وحدت (۶) اور یکسوئی ہوجاتی ہے۔ يُوْقِعَ بَيْنَكُمُ
الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ (مائدہ) کا شیطانی وسوسہ اَللّٰهُ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ (انفال) کے ربانی عمل سے بدل جاتا ہے، شرک کی پیدا
کی ہوئی تفریق توحید (۷) کی پیدا کی ہوئی توحید سے بدل جاتی ہے! عبادت خدا کا وقت درحقیقت وہ وقت
ہے جب اعمال خدا کے علم (۸) کی تلاش میں مشرق اور مغرب ایک کر دیئے جاتے ہیں، جب خدا کو جاننے اُسکی

(بقیہ صفحہ ۹۰) نعمت ہوگیا جو رہبانیت اور توحید لوگوں کو تمکن فی الارض اور بادشاہت کی طرف لیجا رہی ہو یہی خدا نے اُنپر فرض کر دی تھی اور اسی حد تک سکو بنا چتے رہنا رضائے خدا ہو۔ بے تمیز عتکاف خدا کو ناپسند ہے +

عظمت اور حکمت کا برای العین اندازہ لگانے، اُسکی معرفت اور شناسائی کے مدارج عُلیا تک پونہچنے کے لیئے اسکی
بنائی ہوئی اشیا کی **معرفت** جزو دین بنجاتی ہے، جب **حُسن اخلاق**(۹) اور مسامحت، عدل اور احسان،
ایفائے عہد اور اخوت، رحم اور رافت کی ربّانی بزرگیاں ہر متنفس کا عین ایمان اور عین اسلام بنجاتی ہیں، ہاں خدا کی
عُبادت فی الحقیقت اُس وقت ہو رہی ہے جب روز جزا کے یقین پر اور یوم **آخرت**(۱۰) پر ایمان کے باعث بندہ خدا
اپنے تن کو من کو، دھن کو اُس آقائے نامدار اور اُس مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی خوشنودی اور خدمت میں قربان کر دیتا ہے،
مہینے کے **اخیر** پر تنخواہ ملنے کی امید میں مہینہ بھر جان لڑا دیتا ہے، نہیں اس چار دن کی زندگی کے ختم ہونے پر ابدالآباد
تک **الجنّة** کے حقدار ہونے کی توقع میں اپنے آپ کو پیہم دُکھ، مسلسل تکلیف اور متواتر سعی و عمل میں مشغول رکھتا ہے
عُبادت کا سچا اور صحیح مفہوم یہ ہے، یہی **توحید** ہے، یہی اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ (آل عمران) کے ناقابل انکار معانی ہیں،
یہی لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا (آل عمران) کا واحد مطلب ہے، ایسی عبادت وقت اور مقام، قوموں اور قعدوں، رکعتوں اور
رکنوں سے قطعًا مستغنی ہے، فجر اور ظہر، عصر اور مغرب، عشا، یا اشراق، مسجد یا خانقاہ سے اسکو کچھہ واسطہ نہیں،
یہ ایک پیہم اور مسلسل **عمل** ہے، چند لمحوں تک کھڑا ہونا یا بیٹھہ جانا اسکو ادا کرنے کا اسلوب نہیں۔ قرآن کی بتائی
ہوئی الصلٰوۃ اگر کسی معنوں میں داخل عبادت ہی تو اسلیئے کہ یہ بھی اَور بیسیوں حکموں میں سے خدا کا **ایک** حکم ہے،
اور بنا بریں اس فرض کا ادا کرنا بھی اور حکموں کی طرح شامل خدمت ہی یا اگر وہ داخل عبادت ہوسکتی ہے تو اسطرح پر جسطرح کہ
ایک نجّار یا معمار کا اپنے اوزاروں کو چند لمحوں کے لیئے تیز کرلینا دن بھر کی مزدوری میں شامل ہے۔ اگرچہ مستاجر کی
اصلی غرض معمار سے مکان تیار کروانے کی ہے اِس سے کمتر کچھہ نہیں، وہ اِسی بات کو پیش نظر رکھکر اوزاروں کو تیز
کرنا بھی ملازمت اور مزدوری میں شامل کرلیتا ہے۔ اور اسکو نوکری کا ایک جُز سمجھتا ہے۔ لیکن جو نجّار تمام دن ہتیار
تیز کرنے میں صرف کردے اور کام کرنے سے گریز کرے، ایک کیل نہ ٹھونکے، ایک تختے کو صاف نہ کرے، ایک شہتیر
کو موقع پر نہ لگائے، وہ مستاجر کے نزدیک کامچوری کر رہا ہے بلکہ اس بدمعاشی کی اُجرت مانگنا ہی گستاخی ہے

✝ یہ ... دنش اصل میں تمن پر مکمل بحث افتتاحیہ کتاب میں ہوچکی ہے۔ دین اسلام کا اصل یہی عشرہ مبشرہ ہے، اسی پر ایمان کا تمام دارومدار ہے (دیکھو افتتاحیہ صفحہ ۷۹ - ۱۹۶) ان پر ایک مجمل بحث عنقریب آئے گی +

پس میرے نزدیک اصل عبادت عمل اور صرف عمل ہے۔ نری پنجوقتہ نماز پڑھ لینا قطعاً کوئی عبادت نہیں، آقا کی ملازمت
اور عبادت کا پہلا محرک آقا سے تعلق لگائے رکھنا ہے، اور اس تعلق کو مستحکم کرنے کا عمدہ ذریعہ "الصلوٰۃ" ہے۔ پس اگر
کوئی نماز خدا سے لگاؤ پیدا کرکے اسکی خدمت اور عبادت نہ کرائے، اس کا "ذکر"، اس کا کھٹکا، اسکی یاد، اسپر بس پڑ
یقین، اسپر "ایمان بالغیب" پیدا کرکے اسکے دیئے ہوئے حکموں کی تعمیل پیہم نہ کراتی رہے تو وہ ایک بیکار
ہتیار ہے، نہیں بلکہ اس کارفرما کھٹکے اور ڈر کا پیدا ہو جانا ہی اصل مقصود ہے: اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ
وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ۞† (عنکبوت ۲۹) - نماز بجائے خود مقصود بالذات نہیں۔ الصلوٰۃ صرف
اسوقت ایک موثر اور بکار آمد ہتیار ہے جب اسکو پنجوقتہ ادا کرنیسے دلوں کے تنگ اور بغض سے بھرے ہوئے حجرے
پہنائے زمین و آسمان کیطرح فراخ ہوتے جائیں، جب سب نمازیوں کے دلوں میں محبت اور رافت کی ایک
نہر سلسبیل پیہم دوڑتی رہے، جب مسلمانوں کی عالم آرا امت میں باہمی اتحاد کی مشترک جنبشیں اور خوفِ خدا
کی مشترک لرزشیں ہر آن پیدا ہوں، جب مساوات اور اخوت کا آسماں شکن زور امت کے ہر رگ و پے میں ہر وقت
جاری ہے، جب اطاعت امام کو دراصل اطاعت امیر کی ایک پیہم یاددہانی سمجھکر پوری امت ایک
امیر کے اذن میں سربکف اور تیغ بہ بر پھرتی رہے، جب اس پنجوقتہ اجتماع کو الٰہی فوج کی اپنے سپہ سالار
کے حضور میں پنجوقتہ پیشی سمجھکر ہر مسلمان ہر وقت سپاہی بنا ہے، جب تمام جماعت کے متفقہ رکوع و سجود کو
نظم و نسق کا خدائی سبق اور اطاعت اولوالامر کا جرنیلی حکم سمجھکر ہر مسلمان کی گردنیں رسول خدا کے سچے جانشین
اور امت محمدیہ کے سچے قائد اعظم کے آگے ہر دم جھکی رہیں۔ ہاں الصلوٰۃ صرف اسیوقت الصلوٰۃ
ہے جب اس سے انہا عن الفحشاء والمنکر ہوتا رہے، جب خدا کے نزدیک انسان کی سب سے بڑی یعنی تفرقہ
نفاق کی بدی (المنکر)‡ کا نام و نشان باقی نہ رہے، جب اس پنجوقتہ صحبت کو اتحاد عمل کا ایزدی سبق یقین کرکے
عداوۃ اور بغضاء کا طاغوتی بت ہر لحظہ ٹوٹتا رہے، جب خدا کے نزدیک انسان کا سب سے بڑا یعنی تنگی قلب، تھڑدلی
اور بخل کا عیب (الفحشاء) دلوں سے معدوم ہوتا ہے، کوئی شئے، کوئی نماز گذار کسی مسلمان سے دریغ نہ کرے، بڑی سے

† ذکر خدا کے اصلی مفہوم کی صحیح توضیح اصل کتاب صفحہ ۲۳۰-۲۳۲ کے تحت المتن میں کر دی گئی ہے اور اس آیت کا صحیح مفہوم صفحہ ۲۰۹ پر واضح کر دیا ہے لیکن تَصْنَعُوْنَ کے الفاظ یہاں پر از بس معنی خیز ہیں۔ ‡ دیکھو اصل کتاب صفحہ

بڑی مساحت، بڑے سے بڑا ایثار، بڑی سے بڑی رواداری بھی کسی فرد پر گراں نہ گذرے۔ نہ یہ کہ نماز پڑھ پڑھ کر اور ریا کر کر کے دل اسقدر تنگ، خیالات اسقدر کمینے اور حوصلے اسقدر پست ہو جائیں کہ یَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (ماعون) کا مصداق بنے! (فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝ (الماعون)

قرآن کی الصلوٰۃ ان سب بیماریوں کی قاطع ہے، ان سب مزمن اور متعدی الطبعی اور جبلّی امراض کیلئے اکسیر اعظم، انسانی اخلاق کی اس دل آویز تعمیر کے لیے بہترین اوزار ہے: اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۝ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ۝ (معارج)۔ نہیں جنّاتِ زمین کی بادشاہت حاصل کرنے کا عمدہ ذریعہ ہے۔ (وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰي خَاۗىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (مائدہ)۔ اُسکا پیدا کیا ہوا ملکوتی اخلاق، اُسکے ذریعے سے پائی ہوئی قوت، اُسکی وساطت سے حاصل کیا ہوا غلبہ بلاشبہ **عبادت** ہے، خدا کی **نوکری** ہے، رب العالمین کی **بندگی** ہے، مگر وہ آپ داخلِ عبادت نہیں۔ **اوزار** کو مزدور کے دن بھر کا کام سمجھنا یا اوزار دکھا کر مستاجر سے اُجرت طلب کرنا حماقت ہے، بیکار اوزار یا کاہچور مزدور سے اُجرت کمانے کی امید رکھنا عبث ہے، اور جو قوم نماز کی روزانہ چند اُٹھک بیٹھکیں یا بے روح رکوع و سجود کر کے اپنے آپ کو عابدِ خدا تصور کر رہی ہے اُسکی کم عقلی اور ناخداداانی کا جسقدر ماتم کیا جائے کم ہے!

بعینہٖ یہی حال میری دانست میں اور اسلامی مناسک کا ہے۔ زکوٰۃ، حجّ، صوم، کلمہ شہادت سب کا یہی منتہےٰ ہے، یہی غرض و غایت اور یہی پیشِ نہاد ہے۔ **زکوٰۃ** میرے نزدیک صرف **جہاد بالمال** ہے، پیہم جہادِ مال ہے، اُمت کی **تقویت** کیلئے جہاد بالمال ہے، قوم کی **بہتری** کے لیے جہادِ مال ہے، کسی اہم غرض

† مطالب کے لیئے دیکھو اصل کتاب صفحہ ۲۵۲+

ومقصد کے لیئے جہادِ مال ہے، **شبانہ روز** جہادِ مال ہے، **حتی الوسع** جہادِ مال ہے: (یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ۭ قُلِ الْعَفْوَ (بقرہ))، نہیں **کامل** جہادِ مال ہے: (اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ **اَمْوَالَهُمْ** بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (توبہ))، ابوبکرؓ **صدیق** کا **پورا** جہادِ مال ہے، عمرؓ کا **آدھا**† جہادِ مال ہے، **تصدیق دل** اور **تثبیت نفس** کا پیدا کیا ہوا جہادِ مال ہے، **صدق** قلب اور **رضائے خدا** کا پیدا کیا ہوا صدقہ مال ہی، اُمّت کے نوخیز چمن کی محبت اور محنت سے آبیاری کر کے رشکِ جنان بنا دینے والا جہادِ مال ہے، (وَمَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَیْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ (بقرہ))۔ **خدا پر مَنّ و احسان** رکھ کر دیا ہوا یا بعد میں دل کے اندر دُکھ اور **اذیّت** محسوس کرانے والا اور پچھتاوے سے دیا ہوا جہادِ مال نہیں، (اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَاۤ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَاۤ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (بقرہ))، صرف ماہِ رجب کا جہادِ مال نہیں، نرا فقہی اور شرعی چالیسویں حصے والا جہادِ مال نہیں، بھک منگوں اور کامچوروں کو فروغ دینے والا جہادِ مال نہیں۔ ہاں زکوٰۃ میرے نزدیک **بیت المال** میں جمع ہونیوالا جہادِ مال ہے، منظّم اور مرتّب جہادِ مال ہے، توپوں اور تلواروں، جہازوں اور طیاروں والا جہادِ مال ہی، مجاہدین کو سرتا پا لیس رکھنے والا، اُن کو گدیہ گرنہ بنانے والا، اُنکو سوالی بننے سے مستغنی کرنے والا، اُمّت کے ہر طبقے سے مسکنت کو دور کر کے مسکین کو تنومند بنانے والا، مسافر کی آؤ بھگت کر کے عالم آرا اخوت پیدا کرنے والا، غلاموں کو آزاد بنانے والا، مقروضوں کو بے عزّت نہ کرانے والا، دشمن سے **جہاد بالسّیف** کر کے دنیا میں غالب رکھنے والا جہاد بالمال ہے، مُشت خاک کی طرح ہَوا میں بکھیر دینے والا، اور گھر پھونک تماشہ دیکھنے والا جہادِ مال ہرگز نہیں! (اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۭ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ (التوبۃ))۔ انفاق مال کے لیئے میری نگاہوں میں وقت اور مقدار کی قطعاً کوئی بندش نہیں، وہ بھی اور عبادات کی طرح کی ایک پیہم عمل ہے، تطہیر قلب اور تزکیہ نفس کا

† غزوۂ عسرۃ کے ایّام میں حضرت ابوبکرؓ نے اپنا سارا متاعِ بیت رسولِ خدا کے قدموں پر لا کر ڈال دیا اور حضرت عمرؓ نے نصف پیش کر دیا، اُسی کی طرف اشارہ ہے۔

بڑا ذریعہ ہے (خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (توبہ))، حُبِّ مال کے لم یزل اور لایموت بُت کو توڑتے رہنے کا عمدہ اوزار ہے! جو شخص اسکو حتی الامکان اور ہر آن نباہ رہا ہے وہ فی الحقیقت **توحید** کو نباہ رہا ہے جو اس سے گریز کر رہا ہے وہ دراصل اپنے قلب کے اندر **شرک** کا ناقابل عفو شائبہ پیدا کر رہا ہے، قوم کی بُری عاقبت اور بد انجام سے غافل ہے، روزِ آخرت کے نیک اجر سے **منکر** ہے؛ (يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ (حٰمٓ السجدۃ))۔ اُمت کی اجتماعی شکست اور محکومیت کے روزِ بد سے بے نیاز ہو چکا ہے، اپنے آپ سے دراصل بُخل کر کے اپنی جماعت کو موت کے گھاٹ اُتار رہا ہے؛ (هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ (محمد))۔ شرعی ماحول اس اسلامی شعار کے گرد اگرد کچھ کا کچھ پیدا ہو جائے، لیکن زکوٰۃ بہر نوع مسلمان قوم کی اپنی ہی **بہتری** اور **حفاظت** کے لیئے ہی، خدا اس روپے پیسے سے قطعاً بے نیاز ہے۔

حج کا اسلامی شعار میری نگاہوں میں صرف وحدتِ اُمت اور اتحاد کا ایک عظیم الشان مظہر ہے، صرف تمرکز اور اجتماع کا ایک بیمثال پیکر ہے، اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا† (بقرہ) کو عمل میں لانے کا صحیح اور کارگر ذریعہ ہے، يَاْتُوْكَ ۔ ۔ ۔ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ (حج) کے ولولہ انگیز منظر کو پیدا کرنے کا واحد وسیلہ ہے، مشترک آقا کے مشترک خوف کو اُمت کی ہر رگ و پے میں جاری کر کے سب کو **ایک** کر دینے کا مؤثر اوزار ہے؛ (لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ **التَّقْوٰى** مِنْكُمْ ؕ (حج))، اس سے کمتر یا زیادہ تر کچھ نہیں۔ خدا کی نظروں میں مشرق و مغرب سب ایک ہیں (قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ (بقرہ))، اسکی نگاہوں میں روئے زمین کی ہر اُمت کا کوئی نہ کوئی مرکز ہے (وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا (بقرہ))، کوئی نہ کوئی مرجع، اور ایک نہ ایک مآب ضرور ہے، نہیں بلکہ ہر قوم کا اپنے خدا سے تعبد اور تعلق کا طریقۂ اظہار بھی خود اُسی نے مقرر کیا ہے: (لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ (حج))، پس اگر حج سے میری نظروں میں دراصل کچھ مقصود ہے تو یہی لازوال عصبیت اور ناقابلِ **شکست اتحاد** ہے، یہی اس روئے زمین

† جہاں آیۂ شریفہ میں یہ الفاظ واقع ہوئے ہیں، اسکی تمام تشریح اس موقع پر اصل کتاب صفحہ ۱۳۷ کے تحت المتن میں دیکھ لینی چاہیئے تاکہ آیندہ مطالب کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

غالب اور لاشریک بن کر رہنا ہے، یہی اس وَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ کو يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ (قصص) کا ہر زمانے میں مصداق بناکر رکھنا ہے، ایک بے آباد اور بے آب سرزمین کو مالک زمین و آسمان کا مقرر کردہ مرکز قرار دیکر پروانہ وار اُسکے گرد یوں رہنا، اور زہرہ گداز سعی وعمل سے اُسکو رشک ارم بناکر یوں رکھنا ہے کہ لنڈن اور پیرس بھی اُسکی شان و اُبہت اسکے جاہ وجلال کے بالمقابل عرق شرم میں پڑے ڈوبتے رہیں۔ اگر مسلمانانِ عالم نے اس خدا کے مقرر کیئے ہوئے مرکز کو آسمان شکن اعصاب کے زور پر یہ کچھ نہیں بنایا تو اُنہوں نے فی الحقیقت حج کے الٓہی مقصود کو نظر انداز کردیا، وہ "فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ" کی الٓہی بُرہان اور آسمانی منطق تک کچھ نہیں پونہچے، وہ منعم لم یزل کے بہترین اجتماعی انعامات (الخیرٰت)† کیطرف ہرگز نہیں لپکے، اُنہوں نے حَرَمًا آمِنًا (قصص) کے لاہوتی فلسفے کو قطعًا نہیں پایا، اُنہوں نے حفظ وامن کی لشکر انگیز تڑپ کچھ پیدا نہیں کی، یہی وجہ ہے کہ آج وہ **بلد امین** اُن سے چھین کر لنڈن اور پیرس کے مستحق عاملوں کو دیا جارہا ہے، ایک عالم آرا اُمّت کی آبرو، حیا، شرم، عزت، موت، حیات الغرض سب کچھ اب **غیر** کے ہاتھ میں ہے۔ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ (محمد) کا الناک منظر پیدا ہوچکا ہے، ایک عصمت مآب خاتون کی **عفت** پر دوسروں کا قبضہ ہے۔ اس نصب العین سے پرے ہٹ کر حج کے فریضے کو علی الحساب ادا کرنا، یا حجر اسود کو چومنے کی خاطر چومنا میرے نزدیک فی الحقیقت بُت پرستی ہے، ایک عبث اور بے نتیجہ کام ہے، کروڑ در کروڑ ستیاروں کے مالک خدا کو بیت الحرام کا 'مکین' سمجھکر پھر اسکی حفاظت نہ کرنا، اُسکو فی الحقیقت بلد امین نہ بنانا، يُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (عنکبوت) کے منظر کو پیش نظر رکھکر اُسکو کم از کم اسقدر مامون ومصئون نہ بنا دینا جسقدر کہ لنڈن اور برلن ہے، اور باینہمہ عمر کے آخری حصے میں اپنے بلغم سے بھرے ہوئے وجود کو عصا کے سہارے آستانۂ خدا پر پونہچاکر حج کے "فرض کو" ادا کیا ہوا سمجھنا، میری نگاہوں میں پرکاہ کے برابر **عمل** نہیں، **عبادت** قطعًا نہیں، **توحید** قطعًا نہیں! **صوم** بھی میرے نزدیک صرف ایک جہاد نفس ہے۔ صرف نفس امّارہ کے دیو کو تیس دن تک تکلیف دے کر سال بھر کیلئے کمزور کرنا ہے، صرف خواہشات نفسانی کے زور کو کم کرکے زور آور بننا ہے، محض صبر و استقلال ہے، خدا کے

---

† الخیرٰت کے صحیح الٓہی مفہوم کے متعلق دیکھو اصل کتاب تذکرہ مقدمہ صفحہ ۱۳۴-۱۲۷۔

مشترک خوف کو دلمیں جاگزیں کر کے متحد بنے رہنا ہے (کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (بقرہ))†، لذیذ کھانوں کے بُت کو توڑنا ہے، جوع البقر کے دیو کو رام کرنا ہے، ہاں توحید کیطرف ایک قدم ہے، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ پر **عمل** ہے۔ کوئی آسمانی تقدس، کوئی دم مزن حکمت، کوئی لب کشا راز اسکے ماسوا اس عمل کی تہ میں مخفی نہیں۔ اس دنیائے سعی و عمل اور کائنات شرط و جزا کے اندر ایک قوم کی قوتوں کو برقرار رکھنے، اسکو موحد بنا کر زور آور اور غالب بنانے کا عمدہ ذریعہ اور بہترین اوزار ہے۔ جو قوم ان عظیم الشان اسلامی شعائر کو ہیں عظیم الشان حکمت کا حامل سمجھکر اسپر عمل کر رہی ہے وہی **اصل دین** اور **قانون خدا** کو پکڑے ہوئے ہے، وہی حقیقت کے راہ راست پر جا رہی ہے، وہی صراط مستقیم پر ہے۔ صوم و صلوٰۃ، حج و زکوٰۃ، سب کے سب اگر **ارکان اسلام** ہیں تو فقط انہی معنوں میں ہیں، انہی معنوں میں **قانون خدا** کی عظیم الشان عمارت کو **تھام** رہے ہیں، انہی معنوں میں **دین فطرت** کے قواعد ہیں، **توحید** کے علم بردار اور جنات زمین حاصل کرنے کے اوزار ہیں‡۔ اسکے ماسوا ان کی کچھ غرض و غایت خدا کے نزدیک ہرگز نہیں!

پس اصل دین میرے نزدیک **توحید** ہے اور توحید قلوب کے اندر پیہم بت شکنی کرتے رہنا ہے، یہی عبادت خدا ہے، صوم و صلوٰۃ، حج و زکوٰۃ کو رسماً اور عادتاً یا تعظیماً ادا کر لینا یا کلمۂ شہادت کو بصحت تمام پڑھ لینا میرے نزدیک قطعاً کوئی عبادت نہیں۔ عبادت میری سمجھ میں اُسکی ہو رہی ہے جسکے لیئے **عمل** ہو رہا ہے، جسکی خاطر تکلیف اُٹھائی جا رہی ہے! اگر ایک شخص کے ہاتھ پاؤں کسی نفسانی غرض کی خاطر حرکت میں آ رہے ہیں، اگر کسی شئے کی لو اسقدر لگی ہے کہ اُسکے لیئے ہر طرح کی تکلیف گوارا ہے، نیند حرام ہو گئی ہے، شبانہ روز اضطراب ہے، اگر ایک شخص کسی پیر یا ولی کے پیچھے لگا ہے، اُس سے ارادت یا تعبد ہے، اُسکے حکم پر اُٹھتا بیٹھتا ہے، اُسکے اشاروں پر عمل کرتا ہے یا اولاد کی محبت میں مستغرق ہے، دن رات اُنکی خدمت میں مصروف ہے، یا انگریز سے اعتنا رکھتا ہے اور اُس سے بیم و رجا کے لوازم پیدا کر لیئے ہیں تو میری دانست میں وہ شخص اُس نفسانی غرض، اُس شئے، اُس پیر، اُس انگریز کی عبادت کر رہا ہے: (وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللہِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَھُمْ کَحُبِّ اللہِ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا

† اتقا بمعنی وحدت اُمت جا بجا قرآن میں ہے۔ دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۱۵۴ + ‡ صفحہ ۱۴۹ کی سورۂ مائدہ والی آیات کی طرف اشارہ ہے +

اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (بقرہ))، وہ اُنکو خدا کے بالمقابل نِدّ اور **شریک** بنائے ہوئے ہیں۔ زمین پر سر رکھکر اُنکے آگے سجدہ کرنا عبادت کے متقرّ ہونیکے لیئے کچھ ضروری نہیں۔ خود اُسکے ہاتھ پاؤں، اُٹھنا بیٹھنا، محنت اور تکلیف اس امر کے پیہم گواہ ہیں کہ اُس کا معبود و مخدوم وہی ہے؛ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۔ (جاثیہ)، وہی اُسکا اِلٰہ ہے، وہی حقیقت میں خدا ہے، اِس حالت میں خدائے عزّوجلّ کی پنجوقتہ نماز پڑھ لینا یا حج، صوم، زکوٰۃ کا چھدّا سا اُتار دینا بھی کچھ معنی نہیں رکھتا۔ سجدہ اُسیکا ہے جس کا تعبّد ہو رہا ہے۔ دس یا بیس یا ایک سو سجدوں کا آسان عمل چند لمحوں کے لیئے کر کے باقی وقت غیروں کی اطاعت میں صرف کر دینا اور بعد ازاں عبودیتِ خدا کا دعوےٰ کرنا میری نگاہ میں از بس مضحکہ انگیز ہے۔ نہیں بلکہ ایسا سجدہ فی نفسہ بے معنی ہے، ایسی نماز ہو یا نہ ہو خدا کے نزدیک کچھ وقعت نہیں رکھتی بعینہ اسی بنا پر اگر کوئی فرد یا قوم اپنے **اعمال** میں خدا کے احکام پر چل رہی ہے، اُسکے قانون کی عملاً مطیع ہے لیکن رسمًا یا عادتًا یا رواجًا کسی بُت، کسی پتھر، کسی شمس و قمر کے آگے ماتھا ٹیک رہی ہے تو وہ درحقیقت **خدا کی عابد** ہے اگرچہ اُس کا اس پتھر کے آگے ماتھا ٹیکنا ایک فعل عبث ہے، اور عابدِ خدا قوم کیلئے یہ ظاہری سجدہ بھی فی الحقیقت اُسی خدا کے آگے ہونا چاہیئے: لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ✝ (حٰم السجدہ)۔ پتھر کی رسمی پرستش یا خدا کے آگے رسمی سجدے کر لینے سے کسی قوم یا فرد کے عابدِ خدا یا عابدِ ماسوا ہونے کا فیصلہ نہیں ہو سکتا، اُسکے مشرک یا موحّد بن جانے کا محاکمہ نہیں ہو سکتا۔ **عبادت** کا فیصلہ **عمل** اور صرف **عمل** پر ہے۔ اِس بات کو دیکھنا ہے کہ کس کے احکام کی تعمیل ہو رہی ہے، پھر جسکے حکموں پر عمل ہو رہا ہے، اُسیکی عبادت ہو رہی ہے! اگر خدا معبود ہے تو وہ قوم موحّد ہے اگرچہ رسمًا پتھروں کو کیوں نہ پوج رہی ہو، یا قولاً خدا کو تین یا دس یا دس ہزار کہہ رہی ہو۔ اگر ماسوا کی عبادت میں لگی ہے تو وہ قوم **مشرک** اور **کافر** ہے اگرچہ رسمًا اور عادتًا خدا کے آگے سجدوں کے انبار لگا کر مکرّر رہی ہو۔ اِس دنیائے کسب و عمل کے اندر جو شئے ضائع نہیں ہوتی وہ عمل ہے: اِنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ (آل عمران)

✝ اس آیۂ شریفہ کے مطالب کے لیئے دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۱۰۷

نماز اور زکوٰۃ اور حج اور روزے رسمًا ادا کر کے اور معنًا شیطان کی عبادت کر کے ضائع ہو سکتے ہیں: (فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۙ (مریم۱۹))، مگر صحیح یا غلط عمل ایک ذرے کے برابر ضائع نہیں ہوتا! (فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۔ (زلزال۹۹)) **ظاہری قول** اس زمین و آسمان کے اندر بہر نوع کچھ شے نہیں، اور جو قوم صرف ظاہر کو پکڑے ہوئے ہو اور باطن کو اپنے آرام کی خاطر نظر انداز کر رہی ہے وہ درحقیقت خدا سے مکر کر رہی ہے۔ نہیں بلکہ اُسکے **کافر** اور **مشرکِ** خدا ہونے میں شک شبہ کی قطعًا کوئی گنجایش نہیں: (اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۔ لَهُمْ عَذَابٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۔ (رعد۱۳) وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ† (الرعد۱۳))۔

اِس عبادتِ خدا، اِس توحید، اِس ملازمتِ ربّ العٰلمین کا **واحد منتہا** میری نگاہوں میں بنی نوعِ انسان کی اپنی ہی بہتری ہے، سب سے پہلے اِس **دنیا** کے اندر بہتری ہے، **قومی** اور **اجتماعی** بہتری ہے، **سیاسی** اور **اقتصادی** بہتری ہے، **تمکّن فی الارض** ہے، **جنّاتِ زمین** کی بادشاہت اور غلبہ ہے، استخلاف فی الارض اور بقا ہے۔ آگے چلکر اُخروی بہتری بھی ہے، الجنّۃ بھی ہے مگر اِس دنیا کے اندر اِسکے ماسوا یا کمتر حتمًا کچھ نہیں! جو قوم شب و روز اِس عبادتِ خدا میں مشغول ہے، چوبیس گھنٹے ماسوا کے بُتوں کو توڑ کر خدا کی طرف متوجہ ہے، چوبیس گھنٹے اُس قانون پر چل رہی ہے جو خدا نے بتایا ہے، چوبیس گھنٹے کسی غیرِ خدا، کسی طاغوت، کسی شیطان، کسی بُت، کسی صنم، کا آرام دہ حکم نہیں مانتی، چوبیس گھنٹے اُن حکموں پر نہیں چلتی جن میں فوری مزہ، نقد فائدہ، یک لخت اجر، معًا راحت، لیکن **بالآخر** نقصان اور **آخرش تکلیف** ہے اور ہر لحظہ اُن احکام پر عمل پیرا ہے جن میں فوری **تکلیف** اور بالآخر **راحت** ہو، جن میں گھڑیوں کا رنج اور گھنٹوں کا امن ہے،

† ان آیاتِ الٰہی کا جو مطلب میں نے سمجھا ہے اُسکے لیے دیکھو عربی افتتاحیہ صفحہ ۱۱۲

وہ توحید پر بلاشبہ عامل ہے، وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ (ہود) پر عمل کر رہی ہے، وہ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ (ہود) پر صحیح معنوں میں چل رہی ہے، عابد خدا ہے۔ ایسی قوم کا اس دنیا میں قوت اور زور سے رہنا اٹل ہے ہتمکن فی الارض رہنا اٹل ہے مستخلف فی الارض ہونا اٹل ہے، ہر مشرک اور آرام پسند، ہر کاہل اور شیطان پرست قوم پر غلبہ پانا اٹل ہے! ایسی قوم کے لیے **اتحاد امت، اطاعت امیر، جہاد بالمال، جہاد بالسیف، ہجرت، ایمان بالآخرۃ، علم، استقلال** وغیرہ وغیرہ سب احکام خدا فی الحقیقت توحید کے لوازم ہیں، کسی نہ کسی **بت شکنی** کی تمہید ہیں، اور جو امت ان احکام پر تن دہی سے عمل پیرا ہے اسکا وارث زمین بنجانا قطعی ہے۔ اگر نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو کسی عبادت کیلئے کہا تو اسی وارث زمین بنانے والی عبادت اور انہی معنوں میں تعبد خدا کے لیے کہا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاتَّقُوْہُ وَاَطِیْعُوْنِ ۙ یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وَیُؤَخِّرْکُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی (نوح)، اسی سیاسی تمکن اور اقتصادی نفع دینے والی ملازمت کے لیے کہا: یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا ۙ وَّیُمْدِدْکُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَیَجْعَلْ لَّکُمْ جَنّٰتٍ وَّیَجْعَلْ لَّکُمْ اَنْھٰرًا (نوح) اگر ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو کسی عبادت کی طرف متوجہ کیا تو انہی معنوں میں تعبد خدا اختیار کرنے کے لیے کہا، اسی رحمت ایزدی کے موسلادھار مینہ برسانے والی چاکری کے لیے کہا، اسی نفع مند، اسی نتیجہ خیز، اسی قوت افزا اور غلبہ اندوز توحید پر زور دیا؛ (وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ؕ ... ... یٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْہِ یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا وَّیَزِدْکُمْ قُوَّۃً اِلٰی قُوَّتِکُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِیْنَ ۝ (ہود)۔ اگر نبی آخر الزماں نے عرب قوم کو کسی عبادت خدا کسی توحید، کسی اسلوب تعبد کیطرف راجع کیا تو مشترک خدا کی اسی مشترک عبودیت کیطرف کیا جسکا نتیجہ **وحدت امت** ہے، اس دنیا میں قوت اور زور سے رہنا ہے: اِنَّ ھٰذِہٖٓ اُمَّتُکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً ۡ وَّاَنَا رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْنِ (انبیاء)، اسی دنیاوی حالت کو بہتر بنانے والی فضل خدا کو روز افزوں کرنے والی بقا نصیب کرنے والی اور اجتماعی ہلاکت سے بیخوف وخطر کرنے والی عبادت کی طرف مائل کیا، اسی قوت انگیز

توحید اور نفعمند چاکریٔ خدا کی طرف اشارہ کیا جس کا نتیجہ تمکن فی الارض اور متاع حسنہ ہو، تسبیحوں اور سجدوں
راہبوں اور گوشہ نشینوں والی عبادت کے لیے قطعاً نہیں کہا: اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّ
بَشِيْرٌ ۙ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ۭ
وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ (ہود)، اور اگر اس عبادتِ خدا، کا کوئی دنیوی انعام اور منطقی نتیجہ جتلا دیا
تو یہی اُسکی راہ میں جان کی متاع عزیز قربان کرنے کی **خدمت** کے عوض میں پہنائے زمین کے بر و بحر کی وسیع
بادشاہت پیش کر دی: يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ
الْمَوْتِ ۣ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۔ (عنکبوت)، بلکہ اسی **سعی و عمل** اور **استقلال** کے تسلسل میں اُخروی الجنۃ کا دائمی
امن بھی پیش کر دیا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَا ۭ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ † (عنکبوت)، نہیں بلکہ جب جب سجدہ اور رکوع
بلکہ الصلوٰۃ اور الزکوٰۃ کا ذکر کیا عبادت کے استمراری عمل کو ان رسمی اور وقتی افعال سے الگ کر دیا ‡ (فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ
وَاعْبُدُوْا ۔ (نجم)، وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۗءَ الزَّكٰوةِ ۚ
وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۔ (انبیاء)۔ قرآن کی بتائی ہوئی عبادت، قانون خدا کا وہ پیہم اتباع، اور توحید کے اصل اصول پر
وہ شبانہ روز مداومت ہی جس کا اٹل نتیجہ وراثت زمین ہے: وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ
يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۔ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ۔ (انبیاء)، وہ در اصل سب ماخلائے خدا کی عبادت
سے الگ تھلگ ہو کر قانونِ خدا کی تعمیل میں اپنے اندر وہ سپاہیانہ ستعدی، وہ اتحاد کا آسمان شکن زور،
وہ یک منعی کی ماحی عدو عصبیت پیدا کرنا ہے جسکا واحد نتیجہ فلاح دنیوی اور غلبہ ہے: اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ
الْمُفْلِحُوْنَ ۔ (مجادلہ)۔ کسی قوم نے آج تک زمین کی بادشاہت نری تسبیحوں یا رسمی نمازوں یا گوشہ نشینیوں کے زور پر
حاصل نہیں کی، اُسکا خدا سے مبشرا اسلوب وزراول سے مقاتلانہ اور مجاہدانہ ہی رہا ہے، دلوں کی پیہم بت شکنی اور
سعی و عمل پر مسلسل آمادگی ہی بہرحال قوموں کو اس مقام محمود پر ہمیشہ سے پہنچاتی رہی ہے، جہاں جہاں اور جس قوم میں

† صبر اور توکل کے اصلی مفہوم کے لیے دیکھو اصل کتاب صفحہ ۱۱۱ و ۱۲۲ و ۱۲۳ و ۱۴۲ و ۱۵۹ و ۱۷۸ وغیرہ ‡ اس موضوع پر ایک مفصل بحث اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۱۰۵ تا ۱۱۳ میں کی گئی ہے

اہرمن کا نقش اثر کمزور اور یزدان کی محرک اعضا حکومت دلوں پر استوار ہوتی گئی ہے وہیں خلافت زمین کا انعام بارگاہ ایزدی سے بے دھڑک ملتا رہا ہے! جہاں شیطان نے اپنے قدم جما کر اُمت کے تولیے عاملہ کمزور کردیئے ہیں، افراد کے اعضا میں آرام کا قاطع النسل چسکہ لگا کر انکو محنت سے متنفر کردیا ہے وہیں محکومیت اور ہلاکت کے انگارے پڑے دہک رہے ہیں۔ دنیا کے اس کارگاہ رنج و محن میں یہی دو بڑی طاقتیں ہیں جو ایک دوسرے سے پیہم نبرد آزمائی میں مصروف ہیں، شیطان کا متمرد اور خدا سے برگشتہ ملک ہر جگہ اپنے طاغوتی مکر وحیل سے انسان کو نقد اجرت کی طمع دے دیکر اپنے دام میں پھنسانا چاہتا ہے، بنی آدم کی ضعیف الخلق پیدائش کو فوری آرام کی مہلک اعضا ترغیب و تحریص پیش کرکے تھپک تھپک کر سلانے کے درپے ہے، اسکے قلب کے اندر دلفریب بتوں کی ایک بھری محفل لگا کر خدا اور اُسکے محرک اعضا احکام سے برگشتہ کرنا چاہتا ہے کبھی آگے سے آتا ہے، کبھی پیچھے سے آ بہر کتا ہے، کبھی دائیں سے آنکلتا ہے، کبھی بائیں سے آحاضر ہوتا ہے اور سعی و عمل کے صراط مستقیم سے ورغلاتا رہتا ہے، ممنوعہ درخت کی طرف بلا کر اُسکو حفظ و امن کے "الجنۃ" سے نکالنا چاہتا ہے: قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۔ (اعراف) ۔ یہی وہ لازوال طاغوتی طاقت ہے جو ہر وقت اور ہر لحظہ انسان کے درپے ہے، اُسکو ہر دم اور ہر آن بہکا رہی ہے، لمحے لمحے کے بعد نیا بُت پیدا کر رہی ہے، توڑے ہوئے بتوں کو چشم زدن میں پھر جوڑ دیتی ہے، نئی نئی اور دلفریب مورتیں از سر نو پیش کرکے خدا کے بتائے ہوئے صراط مستقیم میں لاینحل مشکلات، لازوال رکاوٹیں، قدم قدم پر ٹھیر جانے اور خدا تک پونہچنے کے سامان پیدا کر دیتی ہے، خدا کی راہ پر چلنے والے اور اُسکی عبادت اختیار کرنے والے شخص کیلئے شیطان کا اس زمین پر موجود ہونا ایک ابتلائے عظیم ہے، بلائے مسلسل ہے، شبانہ روز امتحان ہے! اُسکے لیئے اُس کا رطلب اور صبر آزما خدا کو خوش کرنے کی سبیل یہی ہے کہ ہر دم اس مردود خدا ملک کے بنائے ہوئے بتوں کو توڑتا رہے، راہ خدا میں اس قطاع طریق کے آراستہ کیئے ہوئے منظروں کیطرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے، اسکی ابلہ فریب آرامگاہوں کا کچھ خیال نہ کرے،

اِسکے عملے کے خوفناک فرش بتوں کی پس پردہ چشمکوں کو دھیان میں نہ لائے، (اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۔ (اعراف)، راہ خدا میں اُسکی یاد دلائی ہوئی تکلیفوں کی کچھ پرواہ نہ کرکے منزل مقصود تک پونہچنے کی سعی کرے، پیہم سعی و عمل کرکے اِس دُنیا کے اندر عزو تمکنت سے رہے، خلیفۂ خدا بنے، بادشاہ زمین بنے، نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ کا مصداق ہو، تخلقوا باخلاق اللہ پر عمل کرکے اپنے آپ کو خدا کا مماثل† ثابت کرے، مسجود ملائک ہو، مخدوم انام ہو، معبود انعام ہو۔ الغرض اس دربار احکم الحاکمین کی کسی صفِ نعال میں بیٹھنے کے قابل ہو جائے! بندۂ خدا اور عابد رب العلمین قوم کا اس زمین پر یہی کام ہے، یہی صراط مستقیم ہے: قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ۝ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (حجر) ! جو قوم اس عبادت خدا، اس توحید کے صراط مستقیم، اس تلوار سے سوا تیز اور بال سے سوا باریک "راہ سے اِدھر اُدھر ہٹی اسکے لیئے اس دنیا میں اجتماعی جہنم ہے، محکومیت کا دوزخ ہے، غلامی کا سعیر ہے اور آگے چلکر ایک کو جہنم ہے۔ (قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ قَالَ فَالْحَقُّ ۡ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ۝ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (ص)۔ عبد مخلص بن کر رہنا، اپنی تمام ارادت اور عقیدت کو خالصتہً اُسی کے لیئے وقف کرکے اُس کے تکلیف دہ احکام پر عامل ہو جانا، محنت طلب خدا کو شبانہ روز محنت کرکے خوش رکھنا ہی وہ صراط مستقیم ہے جسکے سوا اس دنیا کے اندر کوئی دوسرا راہ راست موجود نہیں اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (زخرف) وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (زخرف)۔ اُس کارکن اور کارفرما خدا کے لیئے نہیں اُس شاہد امتحان طلب کے لیئے اُسکے اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے اشرف الخلق انسان کی ارادت اور محبت، اُسکی اطاعت اور عبادت کی آزمایش کی اس سے بہتر کوئی سبیل نہیں کہ ایک **لایموت اولم نزل طاغوتی طاقت** پیدا کرکے اِس زمین پر عمداً کھلی چھوڑ دے، جو اُسکے دیئے ہوئے احکام سے انسان کو ہر دم ورغلاتی رہے، جو اُسکی راہ میں پیہم حائل ہو،

---

† عہد عتیق باب پیدائش میں کہا گیا ہے کہ خدا نے انسان کو اپنا مماثل پیدا کیا۔

جو لمحے لمحے کے بعد اسکے قدموں کو متزلزل کرتی رہے! ایک مطلوب کے لیئے طالب کی محبت کے امتحان کا اس سے بہتر کوئی اسلوب نہیں، جذبۂ دل کی تصدیق کا اِس سے صحیح تر کوئی معیار نہیں، کھرا اور کھوٹا پہچاننے کی اس سے بہتر کوئی محک نہیں! صرف زبانی دعووں سے اطاعت اور ارادت، عشق اور وِلا کا مقام قطعًا حاصل نہیں ہو سکتا! اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ ۝ (عنکبوت ۲۹)۔ اسکے لیئے پیہم جہاد شرط ہے، جان کی پیشکش شرط ہے، صبر اور استقلال شرط ہے: (وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِیْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ۝ (محمد ۴۷)، تمنائے موت شرط ہے: قُلْ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ (جمعۃ ۶۲)! اُس صبر آزما اور فتنہ شعار خدا نے اپنی راہ رضا میں آب گِل اور ابلہ فریب بتوں کا ایک جمِّ غفیر کھڑا کردیا ہے، اپنے اور انسان کے درمیان ہزار در ہزار حجاب آراستہ کرکے ہر پردے پر ایک عیّار اور عشوہ گر حاجب بٹھا دیا ہے، ہر حاجب کو اشارہ کردیا ہے کہ انسان کو حتی الوسع اُس حجاب آرائے حقیقی اور اُس منزلِ مقصود تک پونہچنے نہ دے۔ وحدتِ اُمّت کے حکم کے بالمقابل عداوت اور بغض کا بُت، اطاعتِ امیر کے بالمقابل خودرائی کا بت، جہاد بالسیف کے مقابلے میں نفس پسندی کا بُت، جہاد بالمال کے مقابلے میں حُبِّ مال کا بُت، ترکِ وطن کے بالمقابل ہجر اولاد کا بُت، الغرض ہر امر و نہی کے برخلاف ایک نہ ایک زبردست اور لازوال مخالفت کے سامان پیدا کردیئے ہیں۔ شیطان کو نفس امارہ کے اندر اسقدر متمکن کردیا ہے کہ قدم قدم پر لغزش کا سامنا ہے، انسان کو سمع و بصر اور قلب سلیم کی امانت عطا فرماکر اسکے لیئے اس دنیا میں صحیح طور پر رہنا وہ دشوار کردیا ہے کہ آسمان و زمین اس امانت کے بوجھ کو دیکھکر لرز رہے ہیں! تعقل اور ارادہ ارزانی فرماکر اسکے لیئے یہ موت انگیز اُلجھنیں، یہ المناک دشواریاں، یہ گمراہ کن نادور بینیاں، یہ ہلاکت خیز ناانجام شناسیاں پیدا کردی ہیں کہ ہر قدم پر لڑکھڑاہٹ ہے۔ بے تعقل اور بے ارادہ سورج کا زمین سے تیرہ لاکھ گُنا بڑا کُرہ تو روزِ اوّل سے اسی صحت اور اطاعت سے اپنے صراطِ مستقیم پر چل رہا ہے جو اسکے لیئے ایک دفعہ

مقرر کر دیا تھا، ہر وقت اور بہر کیف لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ (یٰس) کا مصداق ہے، کروڑ در کروڑ آسمانی اجرام اور سورج سے کروڑ در کروڑ گنا بڑے ستارے بھی اُنہی قاعدوں پر چل رہے ہیں جو قسام ازل نے ایک بار متعین کر دیئے تھے، سب کے سب کسی بے مثال **حاکم** کے اٹل حکم پر **مجبور** نظر آرہے ہیں، اُس **ناموس اکبر** کی ذمہ داری کے بار عظیم کے یہ متحمل ہیں کہ یک سر مُو ادھر اُدھر نہیں ہٹتے۔ نہیں ہزار در ہزار قسم کی ادنیٰ حیوانی اور نباتی مخلوق بھی روز آفرینش سے اپنے اپنے مقرر قاعدوں پر چل رہی ہے، اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (طٰہٰ) کی صحیح مصداق ہے، عبد مخلص ہے، حُنَفَآءَ لِلّٰهِ ہے، اِسی لازوال ہدایت اور صراط مستقیم کی بنا پر سطح زمین کے ہر حصے میں اجتماعی دوام حاصل کر رہی ہے متمکن فی الارض ہے، مگر فہم و ادراک کی امانت عظمیٰ کا قرعہ فال اس ظلوم جہول انسان کے نام کچھ ایسے بُرے وقت نکلا ہے کہ اُسکو اپنے دین سے محض بےخبری ہے، اپنے صراط مستقیم کا کچھ پتہ نہیں، اپنی عبادت کے انداز کچھ یاد نہیں، اپنا دین حنیف کچھ ازبر نہیں، اپنے راہ راست پر کچھ قیام نہیں اپنے قیام و دوام کا کچھ عشق نہیں، اپنا بقا کچھ میسر نہیں: اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (احزاب)۔ شیطان نے اس زمین پر اپنا مستقر قائم کر کے اس کمبخت وجود کے لیئے ہلاکت کے وہ لامتناہی سامان پیدا کر دیئے ہیں کہ روز آفرینش سے مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ (بقرہ) کا ایک لامتناہی محشر برپا ہے۔ ایک اُمت اگر خدا کی عبادت میں مصروف ہو کر اُبھر رہی ہے تو دس اُمتیں شیطان کی عبادت میں لگ کر ہلاک ہو رہی ہیں، مُلک سے مُلک الگ، اُمت سے اُمت جُدا، شہروں اور قریوں میں فساد، گھروں اور محلوں میں تفریق، بات بات پر تشتت، الغرض شیطان کی حکومت اکثر جگہ قائم ہے **شرک** کے خانہ برانداز تفرقوں اور عبادت شیطان کے فارق الناس وسوسوں نے بنی نوع انسان کے اندر وہ اختلال عظیم برپا کر رکھا ہے کہ پوری **نوع کی ہلاکت** سروں پر منڈلاتی نظر آرہی ہے! اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ (فاطر) کا ہولناک سماں قریب دکھائی دے رہا ہے! سفلی مخلوقات کی ہر نوع کے افراد کے مابین ایک غیر منقطع **امن** ہے، وہ سب کے سب آپسمیں متحد اور متفق العمل ہیں مگر انسان ایک نوع ہو کر

ایک دوسرے کو کاٹ کاٹ کر کھا رہے ہیں، ادنیٰ مخلوق کی ہر اُمت کا **ایک** مذہب، ایک راہِ عمل، ایک مسلک **ایک** رہنمائے اعظم ہے، مگر یہاں ایک نوع میں ہزار در ہزار اُمتیں، ہر طرف ایک علیحدہ رہنما، ہر جگہ ایک نیابت، اور گھر گھر فطیری اور خمیری کا جھگڑا ہے! ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ ۚ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ۝ (روم) - الغرض یہ سب کچھ **عبادتِ شیطان** کا ظہور ہے، اُس معلّم الملکوت کی ادنیٰ کارفرمائی ہے ورنہ بنی آدم درحقیقت **ایک** ہی اُمت ہیں: كَانَ النَّاسُ **أُمَّةً وَاحِدَةً** (بقرہ)، ایک نوع، ایک ماخذ و مصدر، ایک اب و جدّ، ایک تقویم، ایک خدا اور ایک ہی کارفرما کی رعیّت ہیں۔ شیطان کا تعبد اور خدا سے برگشتگی لاکھ ہوتی رہے مگر اُس چارہ فرمائے جہان اور بدیع زمین و آسمان نے بھی انسان کا ڈھانچا تیار کرتے وقت پہلا **معنوی عہد** جو اُسکی جبلّت اور طینت سے لیا یہی تھا کہ اِس دنیا کے اندر خوش اسلوبی اور زور سے رہنے کا صراطِ مستقیم یہی ہے کہ شیطان سے تعبّد قطعًا نہ ہونے پائے، جس کی مخلوق ہو، اُسی کے حکموں پر چلنا تمہاری **فطرت** میں داخل کردیا ہے، اُس بنّائے کون و مکان نے یہ بات تمہاری ہیئت اجتماعی کی ہر ممکن حالت تمہاری چال ڈھال، تمہاری سیرت اور چلن، تمہارے اندازِ معاشرت، تمہارے تمدّن، تمہاری تکوین میں نہیں بلکہ تمہارے بقا و فنا کے ہر شعبۂ سعی و عمل میں روزِ اوّل سے رکھدی ہے کہ غیر خدا کی ملازمت سِرے سے نہ ہو: أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝ وَأَنِ اعْبُدُونِي ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝ وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا ۖ أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ ۝ (یٰس) - **توحید** تمہاری مٹی میں **خمیر** کیگئی ہے - تمہاری **طینت** اور **جبلّت** میں مخمّر ہے۔ جس نے تمہیں پہلے دن بنایا تھا اُسنے اپنی ملازمت کے عنصر کو تمہارے ہیولے میں گوندھ دیا تھا، اُسکو بناتے وقت اِسقدر سوچ ضرور تھی کہ یہ سرکشی کا پُتلا اور آگ کا پرکالا، یہ خودرائے اور صاحبِ ارادہ مضغہ گوشت، یہ کبر و ادّعا کا نطفۂ منی، یہ انانیت اور شیطنت کا پیکرِ کبیر، یہ صاحبِ دست و قدرت، یہ اوصافِ خدا کا مجسّمہ صغریٰ زمین پر رہکر اسقدر شیطنت یا اسقدر کبریائی نہ کرتا پھرے کہ خدا کی خدائی سے نکل باہر ہو، اُس کے

دائرہ عبودیت کو مسترد کر دے، جس جس رنگ میں روئے زمین پر یہ اپنا اجتماع و استعمار کرتا پھرے گا، ربّ زمین و آسمان کے قانون کی پابندی، اُسکے حلقۂ عبودیت کے اندر ہو کر رہنا اُسکے ہر کہ و مہ پر، شاہ و گدا پر، مطیع و مطاع پر، مرید و مراد پر، کبیر و صغیر پر، جنّ و انس پر فرض رہیگا۔ (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (ذاریات)) - اگر اس تعبّد سے نکلکر اس نے شیطان کی ملازمت اختیار کی، توحید سے برگشتہ ہو گیا، زمین و آسمان کے اس عالم آرا اصل اُصول سے عملاً اُکھڑ بیٹھا تو کچھ پرواہ نہیں، اُسکی جبلّت میں یہ بات پہلے سے ودیعت رکھدی گئی ہے کہ اس خصومت کے ہوتے ہوئے اسکی اس زمین پر کچھ دال نہ گل سکیگی شکست اور انتشار کے جہنم میں پڑا جلتا رہے گا، فقر افلاس، واماندگی اور بیچارگی، محکومیت اور جوتیاں، چیتھڑے اور جوئیں، قحط اور وبائیں، ہر آن اُسکے دامنگیر رہا کرینگی، مَاهُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنَ النَّارِ (بقرہ) کا منظر ہر وقت پیش پیش ہوگا، لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۔ (ہود) کا قول پورا ہو کر رہے گا، یہاں پر اجتماعی جہنم اور آگے چلکر ایک ایک غلط کار کو اُخروی جہنم نصیب ہوگا! موجد زمین و آسمان ہو کر مجھ سے یہ توقع رکھنا کہ میں نے اپنی مملکت کے اندر انسان کو اپنے سے محض بے تعلق پیدا کیا ہے، یا اُسکو بھولے سے مختار بنا کر اپنا اختیار کھو دیا ہے محض عبث اور طفل تسلیاں ہیں! شیطان کا اگر اس زمین پر غلبہ ہے تو یہ بھی میری مشیّت اور قضا سے ہو رہا ہے۔ یہ بھی میرے ہی قانون فنا کی ایک شق ہے، میری ہی امتحان پسند عادت کا ایک کرشمہ ہے، میری ہی سعی طلب طبیعت کا تقاضا ہے تاہم اس زمین و آسمان کی حدود کے اندر رہکر اگر کوئی قانون بقا و حیات جاری ہے تو وہ خالصۃً میری ہی عبادت ہے، توحید اور صرف توحید ہے! میں آقا ہوں، موجد اور مصوّر ہوں، لیکن مومن اور مہیمن بھی میں ہی ہوں، اپنی ہی عبادت پر اس کارخانے کی بنیاد رکھنا میرا حق ہے، اور میری مخلوق ہو کر میری حدود مملکت سے باہر کسی کو مفر نہیں: يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۔ (رحمٰن) یہی توحید انسان کا وہ واحد دین قیّم، وہ ایک صراط مستقیم، ایک اصل اصول، ایک اساس کار، ایک دین حنیف، ایک فطرت ہے جس پر سب انسانی مجبول بلکہ مجبور ہے، اس خدا داد فطرت میں ردّ و بدل کا امکان

✽ اس آیۂ شریفہ کی مزید تشریح کے لیے دیکھو دیباچہ افتتاحیہ صفحہ ۲۲ وغیرہ نیز اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۱۱ ✽

حتماً نہیں: فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا، فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا، لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ، ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (روم)۔ اس مضبوط اور محفوظ کارخانے کی بنا قسط و عدل پر ہے، اس میں جو بات ہورہی ہے **قانون** کے ماتحت ہورہی ہے، جو نعمت، جو انعام، جو امن جہاں کہیں مل رہا ہے میری ہی ابتغائے وجہ اور میری ہی خوشنودی کے باعث مل رہا ہے، ظلم اور استبداد سے قطعاً کچھ نہیں ہوتا، پس جہاں کہیں میری رحمت کا موسلادھار مینہ برس رہا ہے، جہاں يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا کا سماں موجود ہے، جہاں يَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ کا وعدہ پورا ہورہا ہے، يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ کے انعام مل رہے ہیں، جہاں لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ہے، اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا منشور خسروی نافذ ہے، جہاں استخلاف فی الارض کا عطیۂ عظمیٰ ہے، وراثت زمین کی موہبت کبریٰ ہے، الغرض جہاں کسی قوم میں قوت اور زور ہے، امن اور قیام ہے۔ موت اور ہلاکت میں بہت کچھ ڈھیل ہے۔ وہیں **توحید** باقی ہے، وہیں صحیح معنوں میں میری **عبادت** ہورہی ہے، میرے قانون پر سچا **عمل** ہے، میرے آئین کا صحیح **علم** ہے، میری منشا کی سچی **درک** ہے، میری صحیح **معرفت** ہے، وہیں **صراط مستقیم** ہے، وہیں **اسلام** ہے، وہیں **محمد** پر سچا **ایمان** ہے، (وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ[†] ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ (محمد)، اُسکے لائے ہوئے **قرآن** پر ایمان ہے، انبیاء کی لائی ہوئی **الکتب** پر ایمان ہے، **توراۃ** اور **انجیل** پر ایمان ہے، زبور اور تلمود پر ایمان ہے، وہیں شیطان کی عبادت کم ہے، وہیں **بت کم** پُج رہے ہیں، شرک کم ہے، کفر کم ہے جہاں کوئی قوم مغضوب علیہ ہورہی ہے، اُسپر سیہ اور دناک عذاب نازل ہورہا ہے، اُسکے ملک یک بیک چھنے جارہے ہیں، اُسپر سے غیظ و غضب کا تنور جوش مار رہا ہے، وہیں عبادت شیطان جاری ہے، وہیں توحید قطعاً نہیں، وہیں اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا صراط گم ہوچکا ہے، كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ (روم) کے مصداق بن چکے ہیں، وہیں **شرک** قطعاً ہے، کفر قطعاً ہے، مجھ سے انکار قطعاً ہے، محمدؐ سے انکار قطعاً ہے! قول میرے نزدیک

[†] گویا رسول صلعم پر ایمان کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اُسکی **دنیاوی** حالت اچھی ہوگی، جس قوم کی دنیاوی حالت درست نہیں اُسکو نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کچھ ایمان نہیں کیونکہ وہ اُسکے لائے ہوئے احکام پر نہیں چلتی۔

کچھ شئے نہیں، عقیدے اور رسمیں کچھ شئے نہیں، عیسائی اور موسائی، کرشنوئی اور محمّدی بننا کچھ شئے نہیں، یہ بھی ایک **بُت پرستی** ہے، مجکو چھوڑ کر میرے بندوں کو پکڑتا ہے، قانون خدا اور امر رب العلمین سے جدا ہو کر کسی رسمی اور شرعی مذہب کے ظواہر کچھ شئے نہیں، نماز کی رکعتیں قانون سے الگ ہو کر کچھ شئے نہیں، حج کے مناسک کچھ شئے نہیں، جو شئے میرے نزدیک مقبول ہے وہ توحید پر **عمل** ہے، ہر نوع عمل ہی، ہر لحظہ عمل ہی، جو عمل کر رہا ہے، وہی میرے نزدیک مُسلم ہے، وہی مومن ہے، وہی محمّدؐ کا سچّا پیرو ہے، وہی بیخوف و خطر ہے، میں نے نوحؑ و ابراہیمؑ کی رسمی اُمتیں ہلاک کر ماریں، موسیٰؑ کی اُمت کو رسوائے جہاں کر دیا، لوطؑ شعیبؑ صالحؑ، ہودؑ، سب کی شرعی امتوں کی بھنگ تک باقی نہیں رکھی، وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۝ (مریم) ، یہ اس لیئے کہ وہ سب کی سب مجھ سے بگڑ بیٹھی تھیں، مَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ۝ (الشعراء) کی مصداق بن چکی تھیں، اب محمّدؐ کی اُمت کو ہلاک کرنے میں مجھے کیا شرم ہے یا مُنہ سے تین خدا کہنے والی لیکن توحید پر عمل کرنے والی اُمت کو زیر و زبر کرنے میں کیا عار ہے۔ مُسلمان اور اسکا انکار کیا نسل انسانی کا تختہ اُلٹ کر اُس سے بہتر اور قائم تر نسل کو لا بٹھانے میں کیا دیر ہے وَقَالَ مُوسَىٰ إِنْ تَكْفُرُوا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝ (ابراہیم) ۔ میں قاسط اور عادل، بے نیاز اور بے پرواہ خدا ہوں، بادشاہوں کا بڑا بادشاہ ہوں، میرے ہاں وہی قوم بے خوف و خطر ہے جو توحید پر عامل ہے، جو شیطان کی ملازمت کو قبول نہیں کرتی، اُسکے فوری اجر کو، اُسکی نقد تنخواہ کو اشر نہیں مانتی، جسکو میرے نبیے، میرے اُدبار، میری یوم آخرت کو دیجانے والی تنخواہ پر اعتماد ہے۔ قولی مسلمان یا شرعی ایمان دار، رسمی یہود یا اسمی نصاریٰ، گبر و برہمن، وغیرہ وغیرہ میرے نزدیک کچھ شئے نہیں، جو جس قدر عمل کر رہا ہے، اُسیقدر میرے ہاں سے اُجرت لے رہا ہے، اُسیقدر وہ قوم اس دنیا میں بے خوف و خطر ہے، اسیقدر غالب اور متمکن فی الارض ہے؛ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ (بقرہ) ۔ میری اُجرت شیطان کی اُجرت کی طرح فوری، عارضی، اور

تباہ کن نہیں وہ جسکو مل رہی ہے اُسیکو اس زمین پر کبریائی اور جبروت حاصل ہے!

پس اس کارگاہ کسب وعمل کے اندر اگر کوئی شخص کسی مفید جماعت منتہا کو پیش نظر رکھکر کڑیاں جھیل رہا ہے تو وہ ازروئے قرآن خدا کا عابد ہے۔ جو قوم تکلیف اُٹھا کر اپنے آپ کو بہتر بنا رہی ہے وہ فی الحقیقت توحید پر چل رہی ہے۔ جو کاہل اور بے عمل ہے وہ مشرک ہے، منکر خدا ہے، عابد شیطان ہے۔ جو کام کر رہی ہے وہ حلقۂ عبودیّت میں شامل ہے۔ جو کہہ رہی ہے وہ کچھ نہیں۔ جہاں جہاں جو جو کچھ سعی وعمل ہو رہا ہے، خدا کے قانون کو مانکر اور شیطان کو مسترد کر کے ہو رہا ہے۔ توحید کا اصل اصول فی الحقیقت اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (نجم) ہی کو تسلیم کرنا ہے۔ یہی خدا کو ماننا اور شیطان سے گریز کرنا ہے، یہی عبادت ہے، یہی توحید ہے، شیطان کی ملازمت کی اصل و بنیاد فوری آرام اور اُخروی تکلیف ہے، خدا کی خدمت کا اصل اُصول فوری تکلیف اور اُخروی آرام ہے۔ نہیں بلکہ جس عمل میں اُخروی آرام نہیں، جس کا انجام نیک نہیں، جس کا پیش نہاد اُمّت کی بہتری نہیں، جو آپ نامنظّم اور بے سلیقہ ہے، جس سے کچھ قوّت حاصل نہیں ہوتی، جو راکھ کے ڈھیر کی مانند پریشان ہوجانے والا ہے وہ بجائے خود کفر ہے، بڑی سے بڑی گمراہی ہے: مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ۔ (ابراہیم) - خدا کا منکر، اُسکے قانون کا منکر، اُسکے منظّم اور مرتّب زمین و آسمان کا منکر، اُسکے شمس و قمر کا منکر، اُسکی رکھی ہوئی میزان[†] کا منکر فی الحقیقت وہ شخص ہے جو ایک سعی بیجا اسی عمل کر رہا ہے، جسکی کوشش اس دنیا کے اندر کچھ ٹھکانے نہیں لگی، جسکی تگ و دو سے کچھ نتیجہ نہیں نکلتا، جو ایک بے حقیقت اور باطل شے کے درپے ہے: اَلَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ (محمد) جو کسی سراب کے پیچھے لگا ہے، پانی سمجھکر لپکتا ہے مگر پانی نہیں پاتا، ظن و وہم کی وادیوں میں سرگرداں ہے اور بے نتیجہ عمل کر کر کے دُکھ اُٹھا رہا ہے: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۚ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۗ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (النور) - عبادت کا خدائی مفہوم خدا کے اس آخری کلام میں اس قدر وسیع اور عالم آرا ہے، کفر کا الٰہی اطلاق اسقدر نامقید اور مطلق ہے، توحید کا قرآنی مقصود

[†] وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ۔ (رحمٰن) کی طرف اشارہ ہے۔

اِسقدر نفعمند اور نتیجہ خیز، اِسقدر روزمرّہ اور بکار آمد ہے کہ جہاں کہیں اِس دنیا کے اندر کوئی مستقل بہتری کی صورت پیدا ہو رہی ہے، جہاں کچھ کامیابی اور کامرانی کے سامان جمع ہو رہے ہیں، کوئی تکلیف، کوئی تگ و دو، کوئی شیطان سے انکار اِس بنا پر ہو رہا ہے کہ انسان کی ہیئت اجتماعی کی حالت بہتر بنے، کچھ قوت اور زور حاصل ہو، کچھ بادشاہت زمین ملے، عزت اور غلبہ ہو، ارتقا اور بقا نصیب ہو، وہیں عبادت خدا کا شائبہ قطعًا ہے، وہیں ایمان کا شائبہ قطعًا ہے، وہیں توحید کا عمل ضرور ہے، وہیں بُت کم ہیں، شیطان کا کم غلبہ ہے، وہیں ایمان باللہ ہے۔ جہاں نامرادی ہے، وہاں کفر قطعًا ہے، خدا سے انکار قطعًا ہے، شیطان کی عبادت قطعًا ہے (وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَکَفَرُوْا بِاللّٰہِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ (عنکبوت)۔ جہاں کوئی قوم ناکامیاب ہو رہی ہے وہاں خدا سے اعراض ہے، اُسکے قانون سے اعراض ہے، کسی ماسوا کی عبادت ہو رہی ہے، کچھ شیطان سے لگاوٹ ہے: وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ لَھُمْ بِشَیْءٍ اِلَّا کَبَاسِطِ کَفَّیْہِ اِلَی الْمَآءِ لِیَبْلُغَ فَاہُ وَمَا ھُوَ بِبَالِغِہٖ وَمَا دُعَآءُ الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ (رعد)۔ کفر اور توحید کا صحیح معیار اِس دنیا کے اندر حتمًا یہی ہے کہ موحد اور مومن قوم بہر نوع غالب ہے، بہر حال ترقی کر رہی ہے، اُسکی دولت اور حکومت، عزت اور اقتدار سب کچھ بڑھ رہے ہیں، جماعت کی کثرت ہو رہی ہے، جنّات اور انہار مل رہے ہیں، نئی قوموں پر حکومت مل رہی ہے، الغرض وہ منعم لم یزل اُس سے بحیثیت مجموعی راضی ہے، وہ بھی خدا سے راضی ہیں، اور جبتک عبادت خدا اُنکا وطیرہ رہیگا اِس دنیا کے اندر اُن کا فلاح پاتے رہنا ایک طے شدہ امر ہے: رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (مجادلہ)۔ شیطان کی عبادت اور خدا سے اعراض کرنے کا اس دنیا میں رسوا اور ذلیل ہو کر رہنے سے اسقدر گہرا اور طبعی تعلق ہے کہ کافر قوم کی زندگی بہر نوع چارپایوں اور مویشیوں کی زندگی ہے، بیگار اور بار برداری کی زندگی ہے، محکومیت اور بیچارگی کی زندگی ہے، افلاس اور آہ و بکا کی زندگی ہے، لیکن مومن کے لیئے بہر نوع جنّات زمین ہیں، بادشاہت اور عزت ہے، قوت اور امن ہے: اِنَّ اللّٰہَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ

وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (محمد) - کافر کا ہر جگہ اور بہر نوع منہ کالا ہے، مومن کو ہر جا اور بہر حال فتح نصیب ہے، نہیں بلکہ فتح و نصرت کی طرف اقدام کرکے اپنے آپ کو غالب کر دینا ہی عین ایمان ہے، عین عبادت اور نری توحید ہو۔ اگر زرتشت علیہ الرحمۃ نے یزدان اور اہرمن کو اس دنیا کے اندر دو بڑی طاقتیں مانا تھا، اگر اُس نے لوگوں کو اہرمن کی شکست انگیز طاقت اور یزدان کی خیر آفریں قوت کی طرف متوجہ کرکے رب بےمثال کے بقا و فنا کے اس پُر اسرار قانون سے آگاہ کرنا چاہا تھا تو اس کا پیش نہاد بھی ساکنانِ زمین کو اسی توحید اور تعبّد خدا کی طرف بلانا تھا، جن لوگوں نے اسکی تعلیم کو "وحدانیت" کے منافی یا "دو خداؤں کے منوانے والی" سمجھا ہے اُنکی جہالت پر جسقدر ماتم کیا جائے کم ہے! جس قوم نے اِس دنیا کے اندر شیطان کی بربادکن قوت کو تسلیم نہیں کیا، جو اُسکو ہر لحظہ اپنا کھُلا دشمن سمجھکر اُس سے فی الجملہ محترز نہیں رہے انہوں نے فی الحقیقت توحید کی حقیقت کو کچھ نہیں سمجھا!

اگر عہد حاضر کے مسلمان قرآن حکیم کے ان قطعی اور عام محاکموں کو نظر تعمق سے نہیں دیکھتے، اگر آج انکو تین خدا کہنے والے نصرانی کی دنیاوی خوشحالی کا خوشنودیٔ خدا اور عبادت رب یا توحید اور ایمان پر محمول کرنا ایک آنکھ نہیں بھاتا، اگر وہ آج اپنی ہر مصیبت کو "ابتلاء" اور دوسروں کی ہر راحت کو "بلا" سمجھکر مکر کی نیندیں لے رہے ہیں اور خدائے زمین و آسمان کو العیاذ باللہ مشرق کا کوئی لاابالی اور مستبد، کوئی بے اصولا اور بے قانونا نواب سمجھکر اپنی قسمت پر شاکر بیٹھے ہیں تو بیٹھے رہیں مگر انکیں ہو ہو اگر ان کا اس حقیقت سے انکار کرنا، مالک شمس و قمر اور خالق زمین و آسمان کو "ظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ" سمجھنا، اُسکے دیئے ہوئے انعاموں کو بلا استحقاق اور اُسکی بھیجی ہوئی عقوبت کو بلاوجہ سمجھنا، اسکی مشیت کو "گہ بسلامے برنجند و گہ بدشنامے خلعت دہند" کا مصداق یقین کرکے قسمت اور تقدیر کو پیٹتے رہنا فی الحقیقت وہ آشوب چشم اور وہ سودائے سر ہے جسکا علاج موت کے سوا کچھ نہیں۔ قرآن حکیم کے مطالعے کے بعد کفر اور ایمان، عبادت اور توحید، فتح و شکست کے متعلق میرا یہ فیصلہ اسقدر حتمی اور قطعی ہے کہ روئے زمین کی بڑی سے بڑی مخالفت بھی مجھے اس عزم میں کمزور نہیں کر سکتی۔ مجھے یقین ہو چکا ہے کہ مذہب اسلام اس دنیا میں قوت اور زور سے رہنے کا واحد اور سچا طرز عمل ہے، توحید اس مقام محمود پر پہنچنے کا واحد اور موثر ذریعہ ہے۔

اِس سطح زمین پر تنومند بنکر رہنے کی سچی اور کھری سیاست ہی۔ انسان کے ہر لمحہ عمل میں اسطرح شامل اُسکے ہر اسلوب کار میں اسطرح داخل، اُسکے قانون مد و جزر کی وہ شرط لاینفک، اُسکے بقا و دوام کی وہ علت اولی، اُسکی بہبودی اور خوشحالی کی وہ محرک اعلی ہے کہ اُسکو انسان کے کسی فعل حسن سے جدا کرنا ناممکن ہے، نہیں بلکہ میری نظروں میں اگر سورج اپنے وقت پر روز چڑھتا ہے تو اسی توحید کے زور پر، اگر چاند کی منزلیں مقرر ہیں اور وہ انکو نباہ رہا ہے تو اسی توحید کے زور پر، اگر نجم و شجر روز آفرینش سے اپنے مقررہ فرائض کو ادا کر رہے ہیں اور یک سر مو ادہر اُدہر نہیں ہٹتے تو اسی عبادت خدا کے زور پر: (وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ (نحل)) - اگر دابہ اور ملائکہ اپنا اپنا کام کر رہے ہیں تو اسی خوف خدا کے زور پر۔ یہ ہر ایک کا اپنے فرض کو مقررہ وقت پر اور بے رد و بدل ادا کرنا ہی اُنکی صلاۃ ہے، یہی اُنکی تسبیح اور سجدہ ہے، یہی كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ۝ (النور) کا صحیح مفہوم ہے، یہی وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۝ (بنی اسرائیل) کا صحیح تفقہ ہے۔ پس جب اِس زمین و آسمان کا سارا نظم و نسق اسی توحید کے زور پر ہے تو انسانی اُمتیں بھی جہاں کہیں اُبھر رہی ہیں اسی وحدت کے زور پر اُبھر رہی ہیں۔ جس قوم اور گروہ میں نظم و نسق قائم ہے، جسمیں ہر شخص اپنا مقرر فرض ادا کر رہا ہے، سب کا معاون اور سب سے متحد ہے، سب کا ایک صراط مستقیم، ایک راہ عمل، ایک قانون، ایک میزان ہے، نہیں جو قوم یا گروہ اِس سطح زمین پر اِسطرح عمل کر رہا ہے کہ اُس کا عمل اُسکو بہتر اور طاقتور بنا رہا ہے اُسمیں توحید قطعاً موجود ہی، اُسمیں ایمان باللہ موجود ہے، اُسمیں خشیتِ خدا موجود ہے، اسلام موجود ہے، دسواں یا ہزارواں حصہ موجود ہو، مگر ایک شائبہ قطعاً موجود ہے: (وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝ (رحمن)) - اسلام کے مذہب عمل سے کسی خاص فرقہ یا گروہ کی تخصیص نہیں۔ یہی اسلام ابراہیم اور موسی اور لوط اور شعیب وغیرہم علیہم السلام کی ہلاک شدہ اُمتوں سے پے در پے نکلکر قرون اُولی کے عرب و عجم تک پونہچا تھا، ایک سے نکلکر دوسری میں اور دوسری سے تیسری میں ودیعت ہوا تھا، اور اگر یہی اسلام ہم سے نکلکر کسی دوسری امت میں چلا گیا ہے تو یہ امر خدا کے نزدیک

کچھ مستبعد نہیں: وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا ۝ إِلَّا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا ۝ (بنی اسرائیل)

پس جو قوم توحید کی اس نفعمند اور نتیجہ خیز حکمت کو پیش نظر رکھکر اس دنیا کے اندر پیہم عمل کر رہی ہے، جو شیطان کو اپنے اعمال کا پیہم مخرب اور خدا کو افعال انسانی کا پیہم مصلح سمجھکر اُسکے "تکلیف دِہ احکام پر عمل کرتے رہنا اپنی زندگی کا واحد منتہائے حیات سمجھتی ہے، جو توحید کو فطرت انسانی کا سب سے نفعمند عنصر یقین کر کے حصول نعمت کے اس بال سے سوا باریک اور تلوار سے سوا تیز صراط مستقیم پر بجزم تمام چل رہی ہے، جن کا مرنا اور جینا، اُٹھنا اور بیٹھنا خالصتہً اِسی توحید کو پیش نہاد بنا کر ہو رہا ہے، جن کی الصلوٰۃ اور الزکوٰۃ میں، جن کے الصوم اور الحج میں قانون خدا اور امر رب العلمین کی سچی متابعت ہی، جسکے ہر فعل و عمل میں کسی نہ کسی بُت کو توڑنا ہے، کسی طاغوت کو، کسی دلفریب تصویر کو، کسی نابِ گُل وثن کو، کسی دل آرام صنم کو دل سے محو کرتے رہنا ہے، ہاں جو اُمتیں ہر آن اور ہر لحظہ اس امر کے درپے ہیں کہ **شرک** کا قاطع حیات شائبہ اُنکے اعمال سے حتی الوسع دور ہوتا ہے، وہی آج اُس لاشریک خدا کے بھرپور خزانوں سے انعام پا رہی ہیں، وہی آج 'أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ' (فاتحہ) کی مصداق ہیں، وہی صحیح معنوں میں **صالح** اور عابد ہیں، اُنہی کو آج **وراثت زمین** کا بے مثال انعام مل رہا ہے، اُنہی کو فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ہے، اُنہی کی **آخرت** بھی بہر حال درست ہی؛ قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ دِينًا قِيَمًا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ لَا شَرِيكَ لَهُ ۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝† (انعام) إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ ۚ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝† (نحل)۔ انسانی اعمال میں **شرک** کے جزو قلیل کا آجانا بھی فی الحقیقت **ظلم عظیم** ہے کہ اس سے قومیں چشم زدن میں تباہ ہو جاتی ہیں، پوری اُمت کے اعمال چند ستر نوں کے اندر خانہ برانداز ہو جاتے ہیں، اعضا میں سُستیاں اور ذہنوں میں ویرانیاں میلوں اور صدیوں تک ڈیرہ ڈالے رہتی ہیں۔

† ان آیات کے مطالب کیلئے اور صراط مستقیم کی تعریف کے لیے دیکھو اصل کتاب صفحہ ۲۱۴-۲۳۲ و صفحہ ۲۲۴ تا ۲۳۶۔

دل سخت ہو ہو کر وہ پتھر بنجاتے ہیں کہ پتھر بھی اُنکے سامنے مات ہو جاتا ہے، قلب کی سنگلاخ زمینوں میں وہ موت انگیز بربادیاں، وہ ہلاکت خیز ویرانے، وہ اعضا شکن خرابے پیدا ہو جاتے ہیں کہ سعی و عمل کی بالیدگی نام تک کو باقی نہیں رہتی: ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ۚ وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ (البقرۃ) یہ سب اس لیے کہ شرک **اتحاد** اور **عمل** دونوں کا صحیح معنوں میں قاطع ہے، دونوں کو قوم کے ہر کہ و مہ سے نیست و نابود کر دیتا ہے، لوگ اپنے اپنے **بتوں** کو لیکر اُن میں مست ہو رہتے ہیں، کسی کو کسی سے کچھ رسم و راہ باقی نہیں رہتی! کوئی مال میں مست، کوئی اولاد میں مگن، کوئی پیر و اولیا میں مشغول، کسی کا نفس حاکم، کسی کا حاکم وقت خدا، کسی کو جاہ سے غرض، الغرض کوئی **مشترک** تعلق، مشترک خوف، مشترک طاقت دلوں کو مشترک حرکت دیکر اُن کو آپسمیں متحد نہیں کر سکتی۔ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (الروم) کا سماں سب طرف بندھ جاتا ہے۔ اُمّت کے اندر ملک ملک میں، شہر شہر میں، محلّوں اور گھروں میں، قریوں اور مکانوں میں، حتیٰ کہ ایک گھر کے مختلف افراد میں، باپ بیٹوں میں، ماں بیٹیوں میں، ماں جائے بھائیوں میں تفریق و تشتّت کا ایک محشر بپا ہو جاتا ہے! (وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (الروم)۔ پیروین میں تفریق، طریق عمل میں تفریق، مذہب اور مسلک میں تجزّی افراد و دیار میں تحزّب، قوم کی تمام قوتوں کو بیکار کر دیتے ہیں۔ اپنے اپنے بتوں میں مشغول رہنے کے باعث ایک عارضی طمانینت اور فرحت تو فرداً فرداً ضرور حاصل ہو رہتی ہے مگر قوم کی بیخ و بنیاد ایک اقل قلیل مدت میں اس **ظلم عظیم** کے باعث اُکھڑ جاتی ہے! (وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۖ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (لقمٰن)۔ انسانی قلوب کے اندر **توحید** ہی فی الحقیقت وہ **محرّک** اوّل ہے جو افراد کے مابین ایک اصلی اور ناطق، ایک دائم اور قائم اتحاد پیدا کر سکتی ہے۔ یہ نفسانی اہوا و اغراض کے بتوں کو یکسر توڑ کر سب کا ایک **مشترک** خدا کے اِذن میں آجانا ہی اتحاد کا صحیح باعث اور توحید کی سچی تفسیر ہے۔ یہی وہ توحید

اور وہ ایمان باللہ ہے جسکا اٹل نتیجہ اس دنیا میں قوت ہی، زور اور بادشاہت ہے، **امن** اور بقا ہے؛ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ **بِظُلْمٍ** اُولٰٓئِكَ لَهُمُ **الْاَمْنُ** وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ۔ (الانعام) یہی سچی اور اصلی، دائم اور قائم **ہدایت** ہے! روئے زمین کے تمامتر خزانے بھی صرف افراد کے **جسموں** کو چند لمحوں کیلئے جوڑ سکتے ہیں اُن میں ایک ناقص اور عارضی اتحاد عمل پیدا کرسکتے ہیں مگر **دلوں** کا سچا اتحاد توحید اور صرف توحید ہی سے قائم ہوسکتا ہے! دو افراد آپس میں اُسوقت تک صحیح معنوں میں متحد نہیں ہوسکتے جبتک کہ نفسانی اغراض کے **سب** قلبی بُت پیہم نہ محو ہو رہے ہوں اور دلوں کے اندر **ایک** محرّک اعلیٰ عملاً اور اصالتاً نہ قائم ہوگیا ہو۔ جہاں **سب** بُت ٹوٹ چکے ہیں اور صرف خدا باقی رہ گیا ہے، وہاں وحدت اور مواخات، مسامحت اور ملاطفت اٹل ہی۔ جس قوم کے دلوں کا محرک شیطان نہیں رہا، اُسکا مؤلف خدا یکسر ہے، اور اُسیکا ہر دشمن سے عہدہ برآ ہونا اٹل ہے[†]: وَاَلَّفَ بَيْنَ **قُلُوْبِهِمْ** لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ **قُلُوْبِهِمْ** وَلٰكِنَّ اللّٰهَ **اَلَّفَ بَيْنَهُمْ** اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (انفال ۹)۔ جہاں **تفرقہ** ہے وہاں طاغوت سے تعبّد قطعاً ہے، **شرک** قطعاً ہے، نہیں بلکہ جو قوم متحد ہے اُسکے افراد کے دلوں میں توحید بلاشبہ قائم ہے! شیطان کی ملازمت سے عملاً انکار ہی خدا سے تعبّد کا **معنوی اقرار** ہے، اور جس قوم کے افعال روز و شب اس امر کے شاہد ہیں کہ اُس کا شیطان سے کچھ سروکار نہیں رہا، اُسکو خدا کی عابد نہ سمجھنا صرف لفظوں کا ہیر پھیر ہے۔ خدا کی نظروں میں وہ قوم اُسکی کڑی آزمایش میں پوری اُتر چکی ہے، شیطان کو عملاً مسترد کرچکی ہے اُسکے حلقۂ عبودیت میں داخل ہوچکی ہے کیونکہ اُسکے قانون کی معترف ہی، اُسکے حکموں پر عامل ہے، اُس کے سوا کسی کو الٰہ نہیں مانتی! یہی اصلی اور سچی توحید ہے! اس کارگاہ کسب و عمل میں نہ انسانی سعی و عمل خدا کیلئے ہے، نہ مُنہ سے اُس پناہ عالم کے مُقر بن کر اُسکی شان میں اضافہ ہوسکتا ہے۔ یہاں تو جو کچھ ہے انسان کی اپنی بہتری کے لیئے ہی، اگر اُسکے حکموں کی تعمیل ہورہی ہے تو اپنی ہی بہتری اور خوشحالی کے لیے، اور اگر انکار ہورہا ہے تو اپنی ہلاکت کے لیئے، اُسکی اپنی ذات کیلئے نہ یہ ہے نہ وہ ہو رہا ہے؛ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ

[†] یعنی یہ خدا کی مشترکہ ملازمت ہی تھی جس نے اُنکے درمیان اتحاد پیدا کردیا، دنیا جہان کے خزانے اُنکے دلوں کو جوڑ نہیں سکتے تھے۔ دیکھو جلی کتاب تحت المتن صفحہ ۶۲ و تحت المتن صفحہ ۹۶۔

إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (عنکبوت)۔ پس جو آقا اسقدر بے نیاز ہے کہ غلام سے اپنے حکموں کی تعمیل کو بھی غلام کی اپنی ہی بہتری کے لیئے کہہ رہا ہے اور مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ (ذاریات) کا مصداق ہو، اسکو اس امر کی کیا پرواہ ہے کہ مُنہ سے مقر کرنا† بھی کچھ شے ہے: قَالَ مُوْسٰۤى اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ حَمِيْدٌ ۝ (ابراہیم)۔

اس کشت زار سعی وعمل کے اندر نہ اعتقادی بُت پرستی کوئی بُت پرستی ہے، نہ قولی خدا پرستی کو عبودیت کہہ سکتے ہیں نہ مُنہ کی بکواس کر لینے سے اُسکی شان کم ہوسکتی ہے، نہ زبان سے خدا خدا کر لینے سے اُسکی عزت بڑھا سکتے ہیں۔ کون ومکان کے اس ناپید اکنار بحر میں نسل انسانی کی اضافی حقیقت وہی شخص جان سکتا ہے جو اُسکے اعمال کا علم رکھتا ہو، اور جو اُمت اس ہیچمیرزی اور بے حیثیتی کے بعد بھی مُنہ کے اقوال کو خدا کی کوئی خدمت سمجھ رہی ہے، یا اُسپر احسان رکھکر اُسکو خوش کر لینے کے زعم میں ہے، وہ درحقیقت اپنے آپ کو بہت بڑا اور اس مالک کبریا وجبروت کو بہت چھوٹا اور تھڑدلا سمجھ رہی ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ حکومت بھی اس دنیا میں صرف رعیت کے **اعمال** کو دیکھتی ہے، جو شخص رائج الوقت قانون کی پابندی کر رہا ہے اسکو اپنی رعایا سمجھتی ہے، رعیت کے حقوق، رعیت کی مراعات وانعام، امن وآسایش کے سامان بے نیازی اور استغنا سے دیتی ہے۔ جبتک حکموں کی تعمیل جاری ہے سلطنت کا قانون اسکو نہیں چھیڑتا، حکومت کے متعلق اُسکے افواہی عقیدوں کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ سزا اُس دن شروع ہوتی ہے، جبسے حکم عدولی شروع ہو جب قانون کی حد سے تجاوز عملاً ثابت ہو۔ بعینہ اسیطرح بلکہ اس سے بے انت بڑھ چڑھ کر رب زمین وآسمان کا محکمہ قضا وقدر **اقوال سے حسابے نیاز ہی**۔ وہ آج اسی قوم کی قوت کو بڑھا رہا ہے جو متحد ہے، اُسی کو ملک بخش رہا ہے، اُسی پر يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا (نوح) کا محاکمہ عائد ہے۔ نہیں مُنہ سے خدا پرست اور بے عمل مسلمانوں سے چھین چھین کر دے رہا ہے، مسیح کو ابن اللہ کہنے والی باعمل قوم کو دے رہا ہے، تیس کروڑ دیوتاؤں کے ماننے والوں کو دے رہا ہی جنہوں

† یہاں پر ایک بظاہر وزن دار اعتراض وارد ہو سکتا ہی کہ قرآن حکیم میں بعض جگہ صرف قول کیلئے کہا گیا ہو مثلاً قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ کے الفاظ میں کہا گیا ہے کہ اللہ کو صرف منہ سے ایک کہو، یا مثلاً اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (حم السجدۃ) یعنی جن لوگوں نے اللہ کو اپنا رب کہا پھر اُسپر جمے رہے اُنپر فرشتے اترتے ہیں۔ یا مثلاً حدیث میں ہی: مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ جس نے لا اله الا الله کہا جنت میں داخل ہوگیا۔ یہ مثالیں بظاہر اس امر کی موئید ہیں کہ یہاں پر قال کے معنی صرف منہ سے کہنا نہیں بلکہ اس قول پر عمل کرکے اسکو سچ کر دکھانا مراد ہے، ورنہ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ کے گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہو لیکن اس مطلب کے لیئے دیکھو اصل کتاب قرآن المتین صفحہ ۱۲۳-۱۲۶۔

اور کراہوں، نوحوں اور مرثیوں کے باوجود دے رہا ہے، مسجد اقصیٰ کو دے رہا ہے، بلد امین کو دے رہا ہے، بیت الحرام کو دے رہا ہے، روم اور مصر کو، عراق اور عرب کو دے رہا ہے! یہ سب اسلیئے کہ قانون پر عمل صحیح انہی ابن اللہ والوں کا ہے، حکموں کی تعمیل انہی مسیح کو خدا کہنے والوں کی ہے، پیہم تکلیف وہی اٹھا رہے ہیں، دلوں کی بت شکنی وہی کر رہے ہیں، شیطان کی عبودیت سے وہی خارج ہیں! نرے منہ سے کہنے والے مسلمان کچھ کام نہیں کرتے، کچھ پابند قانون نہیں، کچھ عابد خدا نہیں۔ اگر اس باریک بین اور دقیقہ رس، اس لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ (یوسف) اور خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (توبہ) خدا کے امتنان و امساک، اسکی جزا و سزا کی یہ توجیہ صحیح نہیں تو اس دنیا کے اندر جو کچھ مسلمانوں سے ہو رہا ہے ظلم ہے، جو کچھ نصرانیوں سے ہو رہا ہے استبداد ہے، بے سبب قہر ہے، بلا وجہ جبر ہے۔ ایسے مستبد، جابر اور العیاذ باللہ ظالم خدا سے کیا دور ہے کہ کل کو سورج کو حکم دے کہ صرف ملک فرنگ پر چڑھا کرے یا پانی کو کہہ دے کہ صرف المانیہ میں بہا کرے اور عرب میں جا کر لکڑی کی مانند ٹھوس ہو جائے! إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَٰكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ (یونس)۔ پس اس عظیم الشان اور صحیح، اس منظم اور منسق کارخانے کے اندر جو کچھ ہو رہا ہے کسی اصول کے ماتحت ہو رہا ہے، ظلم اور استبداد، جبر اور قہر سے کچھ نہیں ہوتا۔ ظاہری بت پرست مگر متحد قومیں اسکی مطلق اصطلاح میں عابد خدا اسلیئے ہیں کہ اسکے قانون پر عمل کر رہی ہیں، رسمی بت پرستی کے باوجود متحد ہیں۔ یہ اتحاد بھی اسوجہ سے ہے کہ دیبیوں کے آگے ماتھا ٹیکنا صرف رسمی اور عادتی رہ گیا ہے، صدیوں کے آبائی رواجوں کا بقیہ ہے، ایک فعل عبث ہے، ایک بے نتیجہ بات ہے، افواہی اور ملائی کفر ہے، لیکن ان پتھروں سے فی الحقیقت کوئی والہانہ تعلق یا اس میں کوئی تفرقہ انداز توغل باقی نہیں رہا۔ جو شئے قوم میں فی الحقیقت تفرقہ انگیز ہے، وہ لذات و اہوا کی پرستش ہے، اولاد کو پوجنا ہے، مال کی عبادت ہے، نفسی اغراض کا پیدا کیا ہوا تحزب اور تجرید ہے، وغیرہ وغیرہ ایسی وہ غیر مادی اور ہوائی بت ہیں جو بڑے سخت ہیں جنکو توڑنا بڑا مشکل ہے، پتھر کے بتوں کو توڑنا یا انسے تعلق منقطع کر لینا کوئی بڑی مردانگی نہیں، وہ صرف محمود غزنوی کی توحید ہے، احمد مرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توحید قطعاً نہیں†! پتھر کے بت اسوقت صحیح معنوں میں ہلاکت انگیز

† چنانچہ اگر کعبے کے ۳۶۰ پتھر کے بتوں کا توڑنا اسلام کا مدعا ہوتا [illegible]

ہوجاتے ہیں جب اُن سے بھی وہی مال و اولاد والا اعتنا پیدا ہوگیا ہو، جب اُن کے آگے چند لمحوں تک ماتھا رگڑنے کی بجائے چوبیس گھنٹے کا تعبّد ہو اور ہر گھر اور قبیلے کا بُت جدا ہو لیکن یہ عبودیّت جس قوم میں پیدا ہوئی ہے چند مہینوں یا برسوں سے زیادہ طبعًا نہیں رہ سکی۔ ایک اقل قلیل مُدت کے اندر اُن پتھروں سے عبودیّت مسلمانوں کے آجکل کے خدا سے تعلق کی طرح صرف رسمی اور زبانی رہ گئی ہے اور وہ بُت فی الجملہ بے نفع و ضرر ہوگیا ہے۔ لذات اور اہوا یا پیر و اولیاء کے اعتقادی نفع و ضرر کے بُتوں کا یہ انداز قطعًا نہیں، وہ جبتک نسل انسانی اور خدا کا بنایا ہوا عالم الملکوت موجود ہے انسان کے ساتھ لگے رہیں گے، اُسکو اپنی عبادت پر پیہم اُکساتے رہیں گے، جوں جوں اُنکی عبادت زیادہ ہوتی رہے گی، اُن سے ولوع زیادہ ہوتا رہے گا، سب تگ و دو اُنکے لیئے وقف ہوتی رہے گی، خدا کے حکموں کیلئے کچھ عمل باقی نہ رہیگا، پھر اعضا سُست پڑ پڑ کر اُس قوم کو تباہ کر دینگے! یہی حیوۃ دنیا میں استغراق ہے، یہی حیوۃ دنیا کی وہ متاع قلیل ہے جس سے اجتناب کرتے رہنا ہر عابد خدا قوم کا شیوہ ہے: زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاۗءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّھَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا، وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ (آل عمران)۔ جس قوم نے ان بُتوں کی عبادت کی اُسکی اِس دنیا میں مٹی پلید ہے، وہ اپنے حقیقی دشمن شیطان کی عبادت کر رہا ہے جو اِن سے عفو و درگذر کر رہا ہے، اِن سے کھچا کھچا پھرتا ہے، اِن سے کنارہ کشی اور مغفرت کر رہا ہے۔ اِن پر صفح جمیل کا پردہ ڈالکر اُنکی طرف نظریں بھر بھر کر نہیں دیکھتا وہی اُس خدائے بے نیاز سے اجر عظیم کا مستحق ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا† فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (تغابن)۔ جس قوم نے اِن بُتوں میں لگ کر اپنی قوائے عاملہ کو مضمحل کر دیا جو اِن مرادوں کی مرید بن گئی، جسنے مال اور مکان، بیٹوں اور بیٹیوں، گھوڑے اور جورو، پیر اور کبیر، باغوں اور طویلوں کو اپنا معبود بنالیا اُسکی عاقبت قطعًا خراب ہے، اُسکی سب رسیاں ایک نہ ایک دن کٹ جائینگی، بہتری کا کوئی وسیلہ باقی نہ رہیگا، اُسدن مرید سے مراد الگ، مطیع سے مطاع جُدا، اور یاس و حسرت کے سوا کچھ سامنے نہ ہوگا۔

† یعنی اگر تم اپنی اولاد و ازواج کی محبت سے درگذر کرتے رہو (تَعْفُوْا) اگر اِن سے کنارہ کشی کرو (تَصْفَحُوْا) اور اِنپر پردہ پوشی اور اِن سے اغماض کرو (تَغْفِرُوْا) تو خدا بڑا صاحب عفو و درگذر ہے +

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ○ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ○ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ○ (بقرہ)۔ حیوٰۃ دنیا کی عبادت میں جو قوم لگ گئی اُسکی عاقبت بہر نوع خراب ہے، یہی سچی بت پرستی اور سچا شرک ہی، یہی وہ ظلم عظیم ہے جسکی بخشش کی کوئی آس نہیں: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ○ (النساء)۔ اسی عبادت اور لگاوٹ کا نتیجہ **جہنم** ہے، دہکتی ہوئی آگ کے انگارے ہیں: اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ (یونس)

جس قوم نے دنیا کے متاع و اسباب سے نفرت کی، دنیا اُسکے قدموں پر گرتی رہے گی، اسکی زرخرید لونڈی بنی رہے گی، جسنے دنیا سے اعتنا پیدا کیا، اُسکے ہاتھ سے وراثتِ زمین کا نکل جانا اٹل ہے۔ دنیا سے نفرت دنیا کی نعمت کو اپنے پاس برقرار رکھنے کیلئے ہو، تمکن فی الارض اور استخلاف کیلئے ہے، متحد رہکر قوی بننے کیلئے ہو، موحد بنکر عابد خدا بننے کے لیئے ہو، عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ (انبیاء) بنکر وارث زمین بننے کیلئے ہے، یہ اسلیئے کہ یہ عجوزہ عشوہ گر کمزور اور سست اعضا خاوند کو مسترد کردیتی ہے، قوی اور مضبوط خاوند کو اپنی لو لگا کر کمزور اور کمزور کو طلاق دیکر پھر نئے خاوند کے درپے ہے، پس جو قوم حتی الوسع اسکی محبت کی مجرم نہ بنی، دنیا اور زمین اُسی کی ہے، خدا اُسیکا ہی، توحید اُسیکی ہے، آخرت اُسیکی ہے، یہاں پر سرسبز جنات اور سر بفلک محلات، زُہرہ وش حوریں اور جگرخوں کن حوریں، سونے کے کنگن اور لباس حریر، اور آگے چلکر الجنّۃ ہے، لیکن جس قوم کو اس دنیا کے اندر خوش اسلوبی سے رہنے کی راہ نہ ملی، جسنے توحید کے اس سربمہر راز کو نہ پایا اُسکی آخرت بھی خراب ہے، اُسکو بالآخر بھی جہنم ہے، جو یہاں پر اندھا رہا اور لذات دنیوی میں مستغرق ہوگیا اُسکی آگے چلکر بھی مٹی پلید ہے: وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ○ (بنی اسرائیل)۔ خوشنودی خدا اور ابتغائے رضوان اللہ کی نعمت

+ یعنی کاش کہ ظالم لوگ عذاب آتے وقت اِس بات کا احساس کرلیتے کہ قوم کو قوت خدا ہی کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے حاصل ہوتی ہے شیطان کی عبادت سے نہیں ہوتی +

اور صراطِ مستقیم کے حصول کیلئے رہبانیّت اور توحید کا یہ وہ فلسفۂ عظمیٰ [†] تھا جسکو قرآن عظیم نے صدرِ اسلام میں ختمِ رسلؐ کی وساطت سے پیش کیا، جسکی حقیقت کو پاکر نسلِ انسانی کا ایک بڑا حصہ چند قرنوں کے اندر نہال ہوگیا، جسپر چلکر آسمان و زمین کے دروازے چوپٹ کھل گئے، جسکی تعمیل کرکے اوپر سے رزق برسنے لگا، نیچے سے دودھ اور شہد کی نہریں پھوٹ نکلیں، لیکن آج اسی فلسفے کو اس زمانے کے خرقہ پوش صوفیا، اور اپنے زعم میں اولیاء اللہ خانقاہوں کے اندر کملیاں اوڑھ اوڑھ کر، تسبیحوں کے منکوں کو چٹخا چٹخا کر اور اوندھے منہ غوں غوں کرکے دنیا کی اس نعمتِ عظمیٰ پر وہ بیدردی سے لات مار رہے ہیں کہ اُس منعمِ لم یزل نے بھی ایک چپّہ بھر زمین مسلمانوں کے پاس باقی نہیں رکھی۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (بقرہ) کا غلط تخیل اسقدر نابکار، اسقدر مجنونانہ، اسقدر مضحکہ انگیز، اسقدر سوقیانہ، نہیں اسقدر آرام دہ اور ریاکارانہ بنالیا ہے کہ اُس مالکِ زمین و آسمان کے "سودائے عشق" میں تلوار ہاتھ میں لیکر دشمن سے خدا کی زمین چھیننے کی بجائے کفنیاں پہن پہن کر حال کھیلتے ہیں، سر کو ہولے سے پٹخا پٹخا کر دیوار و ں سے مارتے ہیں، وجد میں آ آکر بے ہوش ہو ہو جاتے ہیں۔ بازاری عشق و تغزل کے سب لازمات اس حد تک پیدا کرلئے ہیں کہ خدا اور اُسکے رسولؐ کے ہجر میں حیا سوز غزلیں گائی جاتی ہیں، کمروں اور گیسوؤں، گالوں اور جوبن حتّیٰ کہ شبِ وصال اور شبِ ہجر والی غزلیں ہیں اور سب سے بڑھکر یہ کہ وہ لشکر انگیز، اور آسمان شکن توحید، وہ چالیس ہزار شہر اور قلعوں کو بارہ برس میں سر کرنے والی **توحید** علم و نبوت کی سطح سے گرکر ظن و اعتقاد کی تحت الثریٰ تک اسقدر پہنچ چکی ہے، خدا کے اولیائے کرامؒ کی شرم و حیا پر یہ پردہ پڑگیا ہے کہ اسکو بازار کی عصمت فروش طوائف کسی واصل باللہ اور خانہ برانداز ولیؒ کے مزار پر بیٹھی ہوئیں پان کھا کھا کر گا رہی ہیں! ہاں یہ سب کچھ **شرک** کا ایک بیگماں منظر ہے، محبتِ نفس کے مکر ہیں، ضعفِ ایمان کا تہلکہ انگیز ریا ہے، یہ اسلئے کہ جہاد بالسیف کے جگر نہیں رہے، تمنائے موت کے دل نہیں رہے [‡]، متحد بنکر رہنے کی نفس کشیاں نہیں رہیں، خدا پر **یقین** نہیں رہا، یوم آخرت پر ایمان نہیں رہا، جان پیاری ہوگئی ہے، ایک نصب العین، ایک پیش نہاد، ایک **قرآن**، ایک **اُمّت**، ایک امیر، ایک **رسول**، ایک **خدا** نہیں رہا۔ پس جس قوم کے ہر فعل و عمل میں شرک کا جزوِ کبیر اسقدر موجود ہو وہ خدا کی

† صفحہ ۹۰ کی سورہ حدید والی آیت اور تحت المتن کی طرف اشارہ ہے ‡ دیکھو صفحہ ۱۰۵ سورہ جمعہ والی آیت

دوستی اور ولایت کا دعوے کس مُنہ سے کر سکتی ہے! اُسکو منعم علیہ قوموں کی توحید میں شک کرنے کا کیا حق ہے؟ اُسکو نصرانی کی عبودیت سے انکار کس برتے پر ہے؟ اُسکو اس اسلام کا احسان کس شیخی پر ہے: قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ (حجرات) نبی آخر الزمان کی صدر اسلام میں لائی ہوئی توحید فی الحقیقت وہ سکوں سوز اور تاب گسل، وہ لرزہ فگن اور شکر شکن شئے تھی، مومن کے لیئے اُسکا ہر وقت نباہتے رہنا وہ مصدر کسب عمل بن گیا تھا، اسکا دلوں کے اندر کیف حال وہ مصلح اعمال اور مزکی افعال شئے تہا کہ چند لمحوں کے لیئے کسی ادنی سے ادنی بُت کی محبت کو قلب پر حکمران کر لینا بھی ایمان کے منافی ہو چکا تہا! اُنکو ہر لحظہ اور ہر آن اس امر کا خوف تہا کہ ادنی سی عبادت ماسوا کر کے مشرکوں کے حلقے میں جا داخل ہونگے۔ اُنکے دن مسلسل تکلیف اور پیہم اطاعت میں گذرتے تھے، راتوں کو بستر سے پہلو آشنا نہ ہوتے تھے: تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؗ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ (السجدہ) ۔ امت کی بہتری اور وراثت زمین کی طمع میں روحیں کھچ کھچکر حلق تک پہنچتی تہیں کلیجے مونہوں کو آجاتے تھے، آنکھیں پھر پھر کر رہ جاتی تہیں مگر اُس رب امتحان طلب کی خوشنودی لازمت ا نہوں کو بل نہ آنے دیتی تھی: اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ○ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ○ (احزاب) ۔ منعم لم یزل کے یہ خوشدل مزدور اور چاکری خدا کے یہ سچے شہدا[†] اسی دم مزن اطاعت اور غیر متزلزل عبادت کو الجنۃ میں داخل ہونے کا واحد ذریعہ سمجھتے: اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ○ (بقرہ) مومن کے دنیا ہی تمکن کو رضائے خدا کا آخری وسیلہ جانکر دشمن پر غالب آکر رہنا عین ایمان سمجھتے: رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (مجادلہ) ۔ قرن اول کے مومن کی توحید کا سچا کیف کسی طوفان زدہ کشتی کے بیکس مکینوں کا وہ کیف خشوع، اور اُسکے ڈوبتے ہوئے بے بسوں کا وہ زہرہ گداز

[†] دیکھو اصل کتاب تحت اللفظ صفحہ ۱۰۵

خضوع وسجود تھا جسکے ہوتے ہوئے دلوں کے اندر کسی ماسواسے اعتنا کا باقی رہجانا طبعًا ناممکن ہے! اسکا شرک بھی سبکساران ساحل کی تمرّد اور نڈری کی پیدا کی ہوئی وہ بتگری تھی جس کی ایک بہری اور آراستہ محفل شیطان کی دلوں پر حکومت ہر جگہ قائم کردیتی ہے ؛ فَاِذَا رَکِبُوْا فِی الْفُلْکِ دَعَوُا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰھُمْ اِلَی الْبَرِّ اِذَا ھُمْ یُشْرِکُوْنَ ۙ لِیَکْفُرُوْا بِمَآ اٰتَیْنٰھُمْ ۚ وَلِیَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ۔ (عنکبوت ۲۹) ۔ اگر آج بھی توحید مسلمان کی آرام پسندی اور ہرزہ درائی، کاہچوری اور یاوہ گوئی کے باعث پتھر کے بتوں سے پرہیز کرنیوالی توحید بن چکی ہے، اگر آج ہر مسلمان نے بلا استثنا سے احاسے لَا تُشْرِکْ بِیْ شَیْئًا (حج ۲۲) کی روح فرسا مگر بادشاہ گر توحید کو لَا تُشْرِکْ بِیْ حَجرًا کی آرام دہ مگر محکوم کن توحید سے بدل دیا ہے، اگر وہ سب کے سب الٰہی مقاصد اور کلام خدا کے اندر حیرت انگیز تحریفیں پیدا کرکے اپنے نفس کے لیے آسانیاں پیدا کررہے ہیں اور خدا کو مُنہ سے ایک ایک بکتے رہنا اپنی زندگی کا منتہائے اہم سمجھتے ہیں تو سمجھتے رہیں لیکن وہ یاد رکھیں کہ خدا بھی وہ خیر الماکرین خدا ہے کہ آج اُن سے اُنکے مکر کا دردناک بدلہ اُنکی پوری امت سے لے رہا ہے، اُن کے گھروں کو اُجاڑ رہا ہے! اُنکے مرکزوں کو تباہ کررہا ہے! اُنکی قوتوں اور فضیلتوں کو آہستہ آہستہ سلب کرکے موت کے گھاٹ اُتار رہا ہے! ہاں یہ سب کچھ اُنسے چھین چھین کر علیٰ رغم انف اُن لوگوں کو دے رہا ہے جنہوں نے باپ، ماں، بیٹا، روح القدس الغرض خدا کا ایک پورا کُنبہ بنا رکھا ہے، جنہوں نے آجتک ایک کلمۂ شہادت نہیں پڑھا، ایک مسجد نہیں دیکھی، ایک رکعت بھولے سے ادا نہیں کی، ایک روزہ نہیں رکھا، ایک پیسہ زکوٰۃ میں نہ دیا، بھولکر مکے اور مدینے یا نبی آخر الزماںؐ اور قرآن کا نام تک نہیں سُنا! ہاں لیکن خدائے عادل کے ہاں سے تباہی کا فرمان خسروی اسی قوم کے حق میں نافذ ہوتا ہے جو اُسکے ساتھ مکر کررہی ہے جو اُسکے حکموں کو عملًا اور معنًا جھٹلا رہی ہے جو مُنہ سے اُسکو ایک ایک کہکر عملًا اُسکو دس ہزار ثابت کررہی ہے، عادل اور دقیقہ رس، اَللَّطِیْفُ (انعام) اور الْخَبِیْرُ (انعام) خدا صرف نیتوں اور اعمال قلوب کو دیکھتا ہے ؛ لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ (بقرہ)، لوگوں کے لغو اقوال اور بیہودہ اعتقادات کو کچھ نہیں دیکھتا، اُسکی تمامتر توجہ اسی بات پا ہیں

صرف ہوتی ہے کہ کام کیا ہو رہا ہے، داڑھیوں اور مسواکوں، ڈھیلوں اور استنجاؤں کی طرف اسکی نگاہ ہرگز
نہیں جاتی! (وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ وَاُمْلِیْ لَهُمْ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ ۝ الاعراف)
الغرض اس لفظی اور قولی، اس سیہ کارہ اور ناکار بر آر توحید سے قطع نظر قرآن حکیم کی توحید کا سب سے **پہلا**
اور اہم عمل **اتحاد** ہے، **وحدت امت** ہے، تالیف بین **القلوب** ہے، وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِکُمْ ۔ ۔ ۔ ۔
اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ (انفال) ہے۔ جس قوم کے ذہنوں اور دلوں میں، جسکے اعضا و جوارح میں یہ توحید سرتاپا گھر کر گئی
اُسکے افراد میں **نظم و نسق** کا قائم ہو جانا اٹل ہے۔ جو امت توحید کے اس مشروط با یمان✝ اور **عظیم الشان** راز
کو پا گئی، اس کی دنیوی فلاح قطعی ہے، اُسکا اس دنیا میں **بقا** طے شدہ امر ہے، **استخلاف** طے شدہ امر ہے،
دوام طے شدہ امر ہے، نہیں بلکہ آگے چلکر آخرت کا دوام بھی اُسیکا ہے! جو قوم اس طرح پر موحد ہے، جس نے
خودرائی اور نفس پسندی کے **بُت** کو ہر دم توڑکر اپنے اخلاق و اعمال میں ایک لازوال متانت اور توازن پیدا
کر لیا ہے، اُسکے سب افراد کا **ایک امیر** کے ماتحت ہو جانا اٹل ہے، حکم امیر پر فی الفور لبیک کہدینا اُن کی
نظروں میں درحقیقت **خدا** ہی کی اطاعت ہے، اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کے آگے گردن تسلیم خم کر دینا دراصل رب بے نیاز
کے ایک اہم ترین اور مشروط با یمان حکم کو نباہنا ہے، قرون اولیٰ کے عرب کی مانند رسول خدا اور امیر المومنین کی
اطاعت اُنکی نظروں میں خدا کی اطاعت ہے: مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء)۔ جس قوم نے توحید کو اس طرح پر
شعار عمل بنا لیا، اُسکے لیئے امیر کے کہے پر دشمن سے **جہاد بالسیف** کرنا صرف ایک بُت شکنی ہے، توحید کی
طرف ایک قدم ہے، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پر عمل ہے، جان کے پیارے بُت کو توڑنا ہے، خدا کی دی ہوئی جان کو خدا ہی کی
راہ میں قربان کرنا ہے✝! جس اُمت نے توحید کو اس طرح پر سمجھ لیا، جس نے اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (بقرہ) کے عالمگیر فلسفے
کو اپنے اور جماعت کیلئے لفظ بہ لفظ یقین کر کے اسکو عملاً کر دکھایا، اُسکے لیئے **جہاد بالمال** کچھ مشکل نہیں، اُس کیلئے
حسب موقع صدیق اکبرؓ کی طرح اپنا سارا اثاث بیت لاکر امیر جماعت کے قدموں پر ڈالدینا کچھ مشکل نہیں، اُس محبوب کو

✝ مشروط با یمان اسلئے کہ سورہ نساء میں ہے یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ (النساء)۔ گویا اولی الامر کی مہر لوث اطاعت اور متنازعہ فیہ امور کا رسول خدا کے سپرد کر دینا اور جماعت میں فتنہ و فساد برپا نہ کرنا ہی ایمان باللہ کی شرط ہے ✝ معرکہ حمص میں جو حضرت
عمرؓ کے عہد میں حضرت ابو عبیدہؓ کی قیادت میں ہوا تھا موخر الذکر نے تمام فوج کو جمع کر کے ایک نہایت موثر تقریر کی اور کہا کہ مسلمانو! جو آج ثابت قدم رہ گیا اور زندہ بچا تو جنات زمین اسکے ہیں، جو شہید ہو گیا تو لِلْجَنَّةِ اسکے سوا یاد دلاتا ہوں
دیتا ہوں کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ جو شخص مرے اور مشرک ہو کر نہ مرے وہ ضرور جنت میں جائیگا۔ گویا امیر کا نہ ماننے میں میدان جنگ میں جان کو پیارا سمجھنا شرک تھا اور ہر شخص کو یہ خیال تھا کہ مشرک بن جانے کا امکان تھا۔

خوش کرنیکے لیئے اپنی محبوب ترین شئے دیدینا کچھ مشکل نہیں، اُسکی نگاہ میں اپنی محبت کی تصدیق کیلئے اس سے بہتر کوئی سند نہیں: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ (آل عمران)! ہاں جس قوم نے توحید کو اسطرح پر یقین کرلیا جس نے ہر بُت شکنی کو خدائے بیمثال کی سچی عبادت سمجھکر اپنے دل کے اندر ایک غیر منقطع اجر کی ڈھارس باندھ لی، اُسکے لیئے اپنی قوم کی بہتری کی خاطر **ہجرتِ وطن** کچھ شئے نہیں، ترکِ اولاد کچھ شئے نہیں، ترکِ اقربا، ترکِ متاع، ترکِ خان و مان کچھ شئے نہیں! اُسکی نظروں میں یہ سب فوری تکلیف ایک لازوال و غیر منقطع **امن** کا پیش خیمہ ہیں، ایک قائم اور دائم حکومت، ایک رحمتِ خدا کی موسلا دھار بارش کی تمہید ہیں، يُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ (نوح) کا مقدمۃ الجیش ہیں، ایک نقد دیکر اُس صادق الوعد خدا سے دس اُدھار کر لینے کی تیاریاں ہیں! ہاں جو اُمت اس توحید پر اس نہج سے چل رہی ہے، اسکے لیئے اپنی سعی و عمل میں **استقامت** اور نتائج کے رو سے خدا پر **توکّل** ناگزیر ہے، اُسکے افراد میں **ایمان بالآخرۃ** کا موجود ہونا قطعی ہے، اُسمیں **علوِّ اخلاق** کی قدوسی بزرگیوں کا قائم رہنا قطعی ہے۔ روزانہ معاملات میں مسامحت، عدل، ایفائے عہد، رحم، نکوکاری، پاکدامنی، حیا، دیانت، وغیرہ وغیرہ الغرض ان سب **مکارمِ اخلاق** کا موجود رہنا جو سچی خدا ترسی اور خدا شناسی کے باعث قوم میں پیدا ہو جاتے ہیں اٹل ہے۔ یہی نہیں بلکہ اُس قوم میں زمین و آسمان کی اس ناپیدا کنار تکوین کے گوشے گوشے کا **علم** حاصل کرکے اپنے دوام و بقا کے لیئے قانونِ خدا اور امرِ رب العلمین کا پتہ لگاتے رہنا، اُسکی **مشیت** کی صحیح درک لگانا، اُسکے بالا و پست میں آیاتِ خدا† کی تلاش کرنا، سمع و بصر کا صحیح استعمال کرکے اُسکی سچی **معرفت** میں لگے رہنا نہ صرف عین اسلام اور عین ایمان بلکہ عین توحید ہے! جس قوم کے اندر توحید کے یہ سب عظیم الشان اعمال بدرجۂ اتم قائم ہیں، جسکے افراد میں **توحید فی العمل، وحدتِ امت، اطاعتِ امیر، جہاد بالمال، جہاد بالسیف والانفس، ہجرت، استقامۃ فی السعی مع التوکل فی النتائج، علم، مکارمِ اخلاق، ایمان بالآخرۃ** کے دس عظیم الشان اصول عملاً اور اصالتاً موجود ہیں، اُس کا اس دنیا میں ہمیشہ تک بادشاہِ زمین رہنا، جناتِ زمین میں متمکن رہنا، قائم و دائم رہنا، منظورِ خدا رہنا، منعم علیہ رہنا، ایک طے شدہ امر ہے! جبتک نسخِ ...

† دیباچہ صفحہ ۱۰ کی سورۂ جاثیہ کی آیت کی طرف اشارہ ہے ٭

آسمان قائم ہیں اُس اُمت کو کسیطرف سے کوئی آسیب قطعًا نہیں پہونچ سکتا، اُسکی زندگی اس دنیا میں قطعًا بیخوف و خطر ہے اور یوم آخرت کو الجنۃ کی نعمت عظمٰی کا وارث بنکر ابدالآباد تک آرام پانا اُسیکا حصہ ہے؛ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ (زمر)۔

یہ وہ دس عظیم الشان اصول ہیں جنپر میری دانست میں نبی آخر الزمانؐ کے لائے ہوئے اسلام کی تمام بنیاد ہے۔ کلمہ شہادت، صوم، صلوٰۃ، حج، زکوٰۃ سب اسلامی شعائر جو آجکل ارکان اسلام سمجھے جاتے ہیں انہی دس سے ماخوذ اور انہی دس میں شامل ہیں۔ کلمہ شہادت صرف توحید کا ایک رسمی اظہار ہے، صوم صرف جہاد نفس کا ایک ادنیٰ مظہر ہے، الصلوٰۃ صرف اطاعت امیر اور وحدت اُمت ہے، الحج صرف وحدت اُمت اور جہاد نفس ہے، الزکوٰۃ صرف جہاد مال ہے۔ یہ سب کے سب مناسک دین اسلام کے صرف ظواہر اور شعائر ہیں لیکن اصل دین اور الامر یہی دس اصول ہیں یہی عشرہ مبشرہ دین فطرت ہی، یہی فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا (روم) ہی، یہی وہ لائحہ عمل ہے جسپر چلکر ہر قوم آرام پا رہی ہے، متمکن فی الارض ہے، مورث زمین ہے جس سے اجل زدہ قومیں اکثر نا آشنا ہیں، ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (روم)۔ یہی وہ علم ہے جس کے نتائج ان آنکھوں کے سامنے نظر آرہے ہیں[٭]، وہ سمع و بصر کی شہادت ہی جسپر سب دنیا طوعًا و کرہًا متفق ہے، وہ علم جلیل ہے جو سب انبیائے کرامؑ بلا استثنائے احدے آسمان سے لائے، وہ عہد خداوندی ہے جو بنی اسرائیل سے قائم ہوا تھا جو نسیان کار انسان سے بارہا کیا گیا، جو نوحؑ اور ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور باقی سب انبیائے عظام لائے؛ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ كَبُرَ عَلَی الْمُشْرِكِیْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَیْهِ اَللّٰهُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ (شوریٰ) جو ہر مشرک اور طاغوت پرست قوم پر طبعًا گراں گذر رہی ہے جسکی طرف ہر موحد اور خدا پرست قوم لپک لپک کر پہونچتی ہی، جو گیتا کا واحد مذہب ہی، کرشنؑ کا واحد پیغام ہے! یہی وہ عشرہ مبشرہ ہے جسکا ایک جزو قلیل (جہاد بالسیف) مچھر کا دائمی مذہب ہے، جسکے ایک حصہ صغریٰ (استقامۃ فی السعی) پر شہد کی مکھی روز آفرینش سے چل رہی ہے، جسکے اصل اصول (توحید) پر نجم و شجر چلے جا رہے ہیں؛ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ یَسْجُدٰنِ (رحمٰن)، جسکی بیخ و بنیاد (اتحاد) پر بر و بحر قائم ہیں، جسکی اساس مشترک پر دنیا آباد ہے،

[٭] دیباچہ صفحہ ۱۳ کی سرخ کی آیت کی طرف اشارہ ہے ‹ دیباچہ صفحہ ... کے مضامین کی طرف اشارہ ہے

جو باعث تقویم کائنات اور بنیاد تکوین جہان ہے! جس قوم نے اس **دین حنیف** سے منہ موڑا، جسنے وحدت اُمت اور اطاعت امیر، قتال بالسیف اور جہاد بالمال، استقامة فی السعی اور ترک لذّات (ہجرت)، معرفت خدا (علم) اور ایمان بالآخرۃ، مکارم اخلاق اور توحید فی العمل کو اپنا واحد اور دائمی شعار نہیں بنایا، ہاں جس قوم نے لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (انبیاء) کی لاہوتی اور عالم آرا حکمت کو نہ سمجھکر اپنے اندر ایک غیر منقطع امن کی صورت قائم نہیں کی، اُسکی اس دنیا میں ہستی پلید ہے! زمین و آسمان کا یہ منظم اور مضبوط، یہ بے بدل اور مضبوط کارخانہ اُسکی دھجیاں اڑا کر رہیگا، اور اقل قلیل مدّت میں وہ قوم صفحۂ زمین سے حک کر دیجائیگی۔ فاطر زمین و آسمان کی نگاہ میں وہی قوم **ظالم** ہے جس نے اپنے افراد میں تفرقہ ڈالا[†]، **متقی** وہی ہے جو امت واحدہ بنکر رہی[‡]، **مومن** وہی ہے جسنے سب کو پچھاڑ دیا[‡]، **کافر** وہی ہے جو سب سے پیچھے رہ گئی[‡]، **فاسق** وہی ہے جسنے اپنی حفاظت نہ کی[‡]، **عابد** وہی ہے جو وارث زمین بنی، **صالح** وہی ہے جو بیخوف خطر ہو گئی؛ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ؀ (اعراف) ۔ قرآن حکیم کا دستور العمل اول سے آخر تک اسی فتح و شکست، اسی اجتماعی ہلاکت اور بقا کا ایک مکمل اور مفصل، ایک ناقابل بدل اور ازلی مرقع ہے اور جبتک سعی و عمل کا یہ کارگاہ اکبر قائم ہے اس آسمان و زمین کے ہوتے ہوئے یہی قانون نافذ رہیگا۔

قانون خدا کا یہ عشرہ بشرہ دین اسلام کا جزو لاینفک اسقدر ہے کہ قرآن حکیم کے طول و عرض میں جہاں جہاں اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کی شرط ہے وہیں ان دس اصولوں میں سے کوئی نہ کوئی اصل قطعًا موجود ہے (افتتاحیہ کتاب صفحہ ۸۰ تا ۹۰) جہاں **اتقائے خدا** کے الٰہی مفہوم کی تشریح ہے وہیں ان دس میں سے ایک نہ ایک اصل **شرط لاینفک** ہے (افتتاحیہ صفحہ ۱۰۲ تا ۱۰۹) جہاں **صراط مستقیم** کی توضیح کر دی ہے وہیں یہ دس بطور **حکم ناطق** کے ہیں (افتتاحیہ صفحہ ۱۲۹ تا ۱۳۸ - اصل کتاب صفحہ ۳۳ تا ۱۲۶) جہاں کفر کی الٰہی تفسیر ہے وہیں ان دس میں سے کسی ایک سے عملًا اعراض ہے، (افتتاحیہ صفحہ ۱۰۹ تا ۱۲۷)، جہاں **شرک** کا قطعی محاکمہ دیدیا ہے وہیں اس دہ گونہ توحید سے عملی تناقض ہے (افتتاحیہ صفحہ ۶۶ تا ۷۷)، جہاں جہاں اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی کوئی شق بیان کر دی ہے وہیں ان دس کا کچھ نہ کچھ حصہ ہے، جہاں وراثت زمین کی جزا پیش کر دی ہے وہیں یہ بطور شرط کے موجود ہیں، جہاں الجنّة کی شرط لکھدی ہے وہاں یہ بطور لاینفک جزا کے قائم ہیں، جہاں جہنّم کی سزا عائد ہو رہی ہے وہاں ان دس سے

† دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۲۵۶ ‡ دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۱۵۲ ‡ دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۱۶۴ ‡ دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۸

احراز قطعاً† ہے۔ الغرض جس قوم کے افراد میں ان عظیم الشان اعمال کا کچھ نہ کچھ شائبہ پیدا ہو گیا ہے اُسمیں **دین خدا** کا ایک شمہ ضرور ہے، **اسلام** ضرور ہے، **اتّقا** اور **ایمان** ضرور ہے، **صراط مستقیم** پر اقامت ضرور ہے، نہیں بلکہ بطور نتیجے کے زمین کے کسی نہ کسی ٹکڑے کی **وراثت** ضرور ہے، آگے چلکر الجنّة کے کسی نہ کسی درجے کا انعام ضرور ہے! جس اُمت نے اس دین فطرت کے اصولوں کو چھوڑ دیا، اکثر کو چھوڑ دیا یا سب کو چھوڑ دیا اُسکا **ایمان** یکسر **ساقط** ہے، وہ دائرہ اسلام سے یکسر خارج ہے، وراثت زمین سے قطعاً محروم ہے، اُسکی ہلاکت کا فیصلہ حتماً ہو چکا ہے، اُسکی زندگی کے دن سب پورے ہو چکے ہیں۔ پس نبی آخرالزمانؐ کا لایا ہوا ایمان نہ بڑی بڑی پگڑیاں باندھ لینا ہے، نہ اسکا اتّقا داڑھیوں کو چھوڑ دینا اور مونچھوں کو کتروانا ہے، نہ دین حیض و نفاس کے مسئلوں کو یاد کرنا یا ڈھیلوں سے استنجا کرنا ہے، نہ کفر "مالابدمنہ" کا کفر ہے، نہ شرک "کنز" و "اصول" کا شرک، نہ مذہب تسبیحوں کا ہیر پھیر ہے، نہ دین نیت رہبانیت کی مشق و کسرت ہے۔ دین خدا ان سب سے جُدا، اور سب کا نقیض ایک علیحدہ شئے ہے جسکی ہیئت اس مُلّائی شرح و تسہیل سے اصلاً مختلف ہے!

مغرب آج اس دین فطرت کے صرف چار یا پانچ اصولوں پر کماحقہٗ عمل کر رہا ہے اور فطرت کے خزانۂ عامرہ سے بیمثال **امن** حاصل کر رہا ہے۔ مسلمانوں کا **ایک** اصل پر بھی کچھ عمل نہیں رہا اسلئے جلد مٹ رہے ہیں۔ آج اُنکے کسی گروہ میں نہ توحید باقی رہی ہے نہ اتّحاد، نہ طاعت ہے نہ قابل فکر امیر، نہ جہاد بالسّیف کے ولولے ہیں نہ ایثار مال، نہ اعمال خدا کا علم ہے نہ استقامت، نہ ایمان بالآخرۃ ہے نہ مکارم اخلاق، نہ خوف عذاب ہے نہ طمع ثواب، نہ شوق اصلاح ہے نہ ذوق ایمان۔ **خلافت** کا منصب جسکا ایک مُلّائی اور اعتقادی، ایک ناکارہ آرا و مضحکہ انگیز ڈھانچ قرنوں کے تعطل و جمود کے بعد باقی ہے صرف ایک **عضو معطل** ہے جسکا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ کہیں کہیں کوئی امید کی جھلک نظر آتی ہے مگر یہ صرف اُس چراغ سحری کا ٹمٹمانا ہے۔ کسی طرف سے کوئی درد انگیز کراہ نکل جاتی ہے مگر یہ سب شیوۂ زنان ہے۔ اب جو شئے سامنے نظر آ رہی ہے **موت** ہے اور موت وہ لازوال حقیقت ہے جس سے کسی متنفس کو مفر نہیں!

مذہب کی ماہیت اور پیغام خدا کی حقیقت کے متعلق یہ وہ ابتدائی اور انتہائی خیالات ہیں جو میں نے اس دیباچے میں

† اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی اس تعریف الجنّة کے حصول کی ان شرائط کی توضیح اور جہنم کے متعلق ان شرائط سے اعراض کا ثبوت آیندہ مجلدات میں پایا جائیگا۔ ف ی افتتاحیہ میں خوف طوالت کے باعث نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

تمہیداً پیش کر دیئے ہیں۔ اصل کتاب کو شروع کرتے وقت مجھے اِس تحریر یا اسقدر مفصل افتتاحیہ لکھنے کا گمان تک نہ تھا، میرا خیال تھا کہ قانون خدا ایکطرف دس مجلدات کے طول و طویل مباحث کے بعد بتدریج تمام رہنمائی ہو، کسی متنفس یا گروہ کے اعتقادی جذبات کو بیک وقت کم سے کم ٹھیس لگے اور جبتک شبہات دلیل کے پیہم تقاطر سے دلوں کی زمینیں قطعاً نرم نہ ہو جائیں اور قرآن حکیم کی ایک ایک آیت اور لفظ کے متعلق کئی پہلوؤں سے نقد و نظر کر کے کوئی قطعی اور آخری، ناقابل رد اور ناقابل انکار فیصلہ نہ ہو جائے کلام الٰہی کا تمام لائحہ عمل ظاہر نہ کیا جائے۔ اس امر کو پیش نظر رکھکر میں نے قریباً چھ مجلدات کا مسودہ دو سال کے اندر اندر ختم کر دیا۔ اسمیں یہ التزام کیا کہ تمام کتاب اوّل سے آخر تک کلام الٰہی کے مطالب اور مقاصد کی ایک مسلسل اور مربوط کہانی ہو، اس داستان میں صرف قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے بیمثال عروج کا راز کھولدینا پیش نظر ہو، عہد حاضر کے مسلمانوں کے انحطاط کی تہ کو پہنچکر اسکی وجوہات کا کھوج لگایا جائے، سب سے پہلے قرآن حکیم کے اپنے متعلق نفس دعاوی کو دیکھا جائے، پھر ان دعاوی کی تصدیق کی تلاش ہو، پھر نفس اسلام کے ہر شعبۂ عمل پر مستقل مباحث ہوں، اُسکے قانون کی کُنہ و ماہیت اور الٰہی اوامر و نواہی کی منطق کیطرف توجہ ہو، اور انہی مباحث کے ضمن میں آیات الٰہی کے صحیح مطالب کی تبیین کر دیجائے۔ آیات الٰہی کی توضیح اس ترتیب سے ہو کہ ہر آیت کے مطالب کا انحصار حتی الوسع پہلے تصدیق شدہ مطالب کی بنا پر ہو، کوئی آیت حتی الامکان ایسی نہ پیش کیجائے جسکی مصطلحات کی تبیین اس سے پیشتر کی آیات میں نہ ہو چکی ہو۔ گویا سب اگلے اور پرانے خیالات کو یکطرف کر کے اور قرآن کے متعلق **خالی الذہن** ہو کر اسکو **از سر نو** پڑھا جائے اور جوں جوں آیات الٰہی پیش ہوتی جائیں، مذہب کی ماہیت کا نقشہ خود بخود ذہنوں میں بیٹھتا رہے۔ یہ التزام اصل کتاب کی تمام تحریریں جو متن میں ہیں قائم ہے اور حتی الوسع قائم رہے گا۔ حواشی کتاب میں جو بعد میں فرمایش پر اور نہایت اصرار سے لکھے گئے یہ التزام ہر جگہ قائم نہ رہ سکا اور نہ اسکا رکھ سکنا **ممکن** تھا لیکن اسلام کی پر آشوب حالت اور طباعت کی بعید مشکلات نے اس تدریج کے خیال کو بدل دیا۔ اور جب دس مجلدات کا بیک وقت پیش کر دینا متعذر نظر آیا تو خیال ہوا کہ تمہید کے طور پر جو کچھ کہنا ہے بیخوف خطر کہدیا جائے۔ جب ایک شے **حقیقت** ہو تو اسکا چھپانا یا اسکو روک روک کر ظاہر کرنا بھی اصل مطلب کو خبط کرنا ہے۔ دلیل کے انتظار میں یا مخالفت کے خوف سے ایک عالم آرا حقیقت کے

⁂ چنانچہ صرف پہلی مجلد کی طباعت میں شبانہ روز محنت کے باوجود دو برس کے قریب وقت صرف ہوا۔

اعلان کو ملتوی کر دینا شیوہ مردانگی نہیں۔ نہیں بلکہ **آفتاب** کی دلیل **آفتاب** کے سوا اور کچھ شئے نہیں! جو شخص صاحب نظر ہے اسکو کسی طول و طویل تحریر کی بھول بھلیوں میں لیجا کر منوانا عبث ہے، جسکی نگاہ کمزور ہو اسکو آہستہ آہستہ آفتاب دکھلانے کیلئے سب کے واسطے اندھیرا کر دینا کچھ ضروری نہیں۔ اگر جو کچھ میں نے کہنا ہو میری نگاہوں میں **حقیقت** ہو، **صدق بسیط** اور **واقع الامر** ہو، زمین و آسمان کا ایک اور اٹل، دائم اور قائم **قانون** ہے، اگر یہ سب کچھ جو آج ان آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے اسکی **تصدیق** ہے، جو ہو چکا اسکی ایک ناطق اور فیصلہ کن **سند** ہو، جو ہو کر رہیگا اسکی مبرہن دلیل ہے، تو اس حقیقت کا جسقدر جلد بہ بانگ دہل اعلان کر دیا جائے اچھا ہو۔ جسقدر جلد اسکے مخالف یا موافق پیدا ہو جائیں بہتر ہے۔ **علم** کے اعلان کیلئے کسی لمبی چوڑی **دلیل** کی ضرورت نہیں، وہ بذات خود ایک مبرہن شئے ہو اور مبرہن کو مبرہن کرنے کی سعی کرنا دراصل اسکے سچ ہونے میں شکوک پیدا کرنا ہے۔ خود قرآن حکیم جب نازل ہوا **علم** تھا، ایک روشن اور مبین حقیقت تھی، لیکن جب آیا بن دلیل آیا، اس بن دلیل علم اور صدق بسیط نے سعی و عمل کی آگ اسلیئے لگا دی کہ اس حقیقت کو تسلیم کرنیکے لیئے دلیل کی **ضرورت** نہ رہی تھی، اس آفتاب کے آفتاب ثابت کرنیکی حاجت نہ باقی تھی۔ جب قرآن علم نہ رہا اور ظن و اعتقاد کی ادنیٰ سطح پر گر گیا اسیدن سے دلیلیں شروع ہوئیں، اسیدن سے لوگوں نے تفسیر و تشریح کے طومار باندھ دیئے! ہر کس و ناکس نے اسکو سچ ثابت کرنا اپنا شعار بنا لیا، اسکا نتیجہ یہی ہوا کہ استدلال کے باوجود قرآن پھر **علم** نہ بن سکا، سفلی منطق کے پائے چوبیں سخت بے تمکیں ہی رہے، سعی و عمل پھر پیدا نہ ہو سکا پس اگر آیندہ اوراق کے اندر منطق اور دلیل کا ایک بے پایان دریا عزو تمکنت سے بہ رہا ہو تو اس دیباچے کے اندر اس دریا کا آبدار موتی اور **گوہر غلطاں** موجود ہے! اگر اس مفصل کے اندر دلیل اور برہان کی متانت قائم ہے تو **دیباچے** اور **افتتاحیے** کے مجملوں میں علم کا تحکمانہ استیلا اور حقیقت کا بے نیازانہ اختصار ہے۔ جس سرد مہری یا گرمجوشی سے اس کتاب کا عالم اسلام میں استقبال ہوگا مجھے اس سے سروکار نہیں، میں نے اپنی طرف سے **علم** اور **منطق** دونوں پیش کر دیئے ہیں، اجمال اور تفصیل دونوں یکجا کر دیئے ہیں! جس نے اس اجمال سے کچھ حاصل نہیں کیا اسکے لیئے دلیل اور تفصیل آگے آ رہی ہے، جسنے تفصیل کو دیکھکر کچھ نہیں سمجھا اسکے لیئے اجمال حاضر ہے۔ اسلام کی ماہیت کے متعلق جو کچھ میں نے کہا اور کہنا ہو میری نگاہوں میں

حقیقت ہے۔ فی الجملہ اور بحیثیت مجموعی حقیقت ہے۔ پس اس امر کے متعلق کسی حیص بیص میں پڑنا میری نظروں میں عبث ہے۔ میں اسلام کے اندر اسکی اس آفتاب لب بام حالت میں کوئی نیا فرقہ پیدا کرنا نہیں چاہتا، نہ معترض سے مخالفانہ رویہ اختیار کر کے مجھے اپنا اعلا مقصود ہے، پس مجھے اس تحریر کے مؤید سے اعتنا ہے نہ مخالف سے سروکار، اگر تمام عالم اسلام بیک آواز اسکا مؤید بنکر اسپر عامل ہو گیا تو میں سمجھوں گا کہ میرا مقصود حل ہو گیا۔ اور اگر نہیں تو خمیری اور فطیری کی بحث میں پڑنا یا ایک گروہ کی آمادگی عمل پر خوش ہو جانا میرے نزدیک لا طائل ہے۔ مسلمانان عالم دین اسلام کی اس تبیین سے پچاس یا سو برس تک اور انکاری ہو لیں، لیکن جبتک شدید العقاب خدا کا منتقمانہ عذاب اسطرح پر نازل نہیں ہو گا کہ موت کے علمبردار خدائی جلاد سینوں پر چڑھ چڑھ کر اُمت کا گلا گھونٹ رہے ہونگے اور فنا کی لازوال حقیقت عین سامنے آ حاضر ہو گی تب تک اس کتاب کے مقصود کیطرف ہمہ تن رجوع ہو جانے کی امید عبث ہے۔ ابھی تک جو کچھ ہے صرف فاقہ مستی اور بے آبروئی کے نشے ہیں، فتح و شکست کے قمار خانے میں پاک بازی کی اکڑ ہے، ملائی تکبر یا جہالت کا پیدا کیا ہوا استغنا ہے، نسیان درس کی خوش طبعی یا بِمَا عِندَهُم مِّنَ الْعِلْمِ (المؤمن) کی فرحت ہے لیکن جسدن موت نے چپکے سے آ سلام دیا اُسدن یہ اکڑ سب نکلجائے گی، یہ غفلت کے نشے سب ہرن ہو جائینگے، یہ کبر و منی کے دعوے سب باطل ہو جائینگے: فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ ۝ وَأَنتُمْ حِينَئِذٍ تَنظُرُونَ ۝ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُبْصِرُونَ (الواقعہ)۔ ہاں اُسدن اس تحریر کی طرف پھر رجوع ہو گا، اسکے اوراق کو طاق نسیاں سے اُٹھا کر پھر پڑھنا شروع کر دیں گے، اسکی توحید کو پا کر آمنّا پکار اُٹھیں گے، قرآن کو اُٹھا اُٹھا کر حسبنا کہدینگے، غیظ و اسف سے انگلیاں کاٹ کاٹ کر رہ جائینگے، فرش سے عرش تک ایک چیخ پکار پیدا ہو جائے گی، آہ لیکن وہ وقت توبہ اور عمل کا نہیں ہو گا، **قضا** اور **اجل** کا ہو گا، موت و ہلاکت کا ہو گا، يَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ کا ہو گا، **هَلْ مِن مَّزِيدٍ** کے نعروں کا ہو گا، جہنم کے سربفلک شعلوں کا ہو گا، آہوں و کراہوں کا ہو گا، اُس اڑے اور آخری وقت میں اس توحید، اس اسلام، اس ایمان کیطرف رجوع کرنا عبث ہے! فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ ۝ فَلَمْ يَكُ يَنفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا ۖ سُنَّتَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ ۖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ (المؤمن)۔

ادارۃ الاشاعت للتذکرہ امرتسر

[illegible] شعبان ۱۳۴۸ ہجری [illegible]

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْۤ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۜ ○ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۙ○ (۱۸ : ۱-۲)

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ○ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِىْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِى الْقُرٰۤى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ○ (۲۸ : ۵۸-۵۹)

مسلمانانِ عالم گذشتہ دو صدیوں سے ایک مسلسل انحطاط کے گرداب میں مبتلا ہیں۔ اِس تنزّل کی سُرعت، اور ہبوط کی تیز رفتاری جس قدر خوفناک ہے اُسی قدر وہ عام جمود اور فقدانِ حِسّ درد انگیز ہے جو مسلمانوں کو کامل طمانیت اور سکونِ دل کے ساتھ قطعی ہلاکت اور یقینی موت کی طرف لیجا رہا ہے۔ ملّت کے ہر فرد میں وہ قوائے ظاہری و باطنی جو تمدّن کی جان، اور عمران کی رُوحِ رواں ہیں مفقود ہو چکے ہیں۔ وہ جذباتِ آہنی جن کی زد بنیادِ اقوام کو کپکپا دیتی ہے نرم پڑ چکے ہیں۔ قوم کا ایک ایک متنفّس انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے بیکار ہو گیا ہے۔ حسّیاتِ دینی کا اہم اور مفید تر حصّہ زائل، اور امتیازاتِ دنیوی کی تحصیل میں مسلمانوں کا تعطّل

ضرب المثل ہو گیا ہے۔ قوّتِ ارادی اور قدرتِ اقدامِ عمل تنظیم جماعت اور تقسیم کار، قوائے عاملہ کا اتحاد و تمرکز، استقلال اور استمدادِ باہمی کا دستور العمل، مطاوعت و انقیاد کا جذبۂ مشترک، اور سیادت و قیادت کا ملکۂ سلیم، جن کے التزام کے بغیر اقوام کیا افراد بھی چھوٹے سے چھوٹا کام پایۂ تکمیل کو نہیں پونہچا سکتے محض چند مُہمل کلمات رہ گئے ہیں جو حقیقت سے بے بہرہ، اور معانی سے ناآشنا ہیں۔ اس حالت میں تعجب نہیں اگر حصولِ مُراد کی ہر کوشش میں مسلمانوں کو بالآخر ناکامی کا سامنا ہوتا ہو، ہر تدبیر جو وہ اپنی بہتری کی اُمید میں عمل میں لائیں نامُرادی سے بدل جاتی ہو، ذہنی انتشار، اور جماعتی تفریق و اشتات کا ہولناک عفریت اُن کی قوّتِ عمل کو بے اثر کر دیتا ہو، اور حرماں نصیبی ان کے کمزور اخلاق پر غلبہ پا کر اُن کے جذبۂ ایمان کو کچل دیتی ہو۔

مَیں ایک مُدّت سے اِس دردناک نظارے کو باکراہ تمام دیکھ رہا ہوں۔ گذشتہ سَو سال کے تاریخی شواہد، اور سیاسی نامۂ اعمال کی روح فرسا سرگذشت نے ثابت کر دیا ہے کہ اُمّتِ حاضرہ اب اخلاقی تنزّل کے اُن انتہائی مدارج تک پونہچ چکی ہے جہاں اُن کا کوئی فعل، کوئی طریقِ عمل، روئے زمین کے کسی حصّے پر صلاحیت سے تکمیل کو نہیں پونہچتا۔ اگر نظامِ عمل کے عام فقدان کے باوجود بالفرض کسی فرد یا جماعت کو ایک طریق کار کی طرف جانے کی توفیق عطا ہوئی ہے تو پیشتر اِسکے کہ کوئی مفید نتیجہ نکلے، مخالف اثرات اور تشتّت کے ہلاکت آفرین جراثیم نے اُس جماعت کی انتظامی قُوّت کو اندر ہی اندر سلب کر دیا ہے! قوم کی جس تحریک کی طرف دیکھو یہی حال ہے۔ گذشتہ قرن کے اندر ترکوں کی سب سے اہم مُلکی تحریک، جو ایک نقطۂ نظر سے منظّم، اور ایک مقتدر وزیرِ اعظم (مدحت پاشا) کے سیاسی تخیّل کا نتیجہ تھی، دستوری حکومت کے حصول کی سَتّی سالہ تبلیغ اور بالآخر اس کا انعقاد ہے۔ مگر یہ ایک کھُلی حقیقت ہے کہ انجمن اتحاد و ترقی' چند لمحوں کے لیئے بھی' یورپ کی اس عجیب و غریب صنعت کی 'حسناتِ جاریہ' اور 'برکاتِ لامتناہیہ' سے بہرہ اندوز نہ ہو سکی، اور ترکوں کی سلطنت کے لیئے اس کار سی نفاذ بالآخر اعلانِ شکست ثابت ہوا!

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولا برق خرمن کا ہے خونِ گرم دہقاں کا

تاریخ کے صفحاتِ خونیں کو اور اُلٹ دیجئے، یہی رنگ نظر آئے گا۔ سوڈان میں مہدی کا ہولناک خروج، مصر میں محمدؔ عبدہ کی نیم سیاسی تبلیغ، ہندوستان میں ہنگامۂ غدر، جنگ بلقان کا المناک حشر، ایران میں مجلس شوریٰ کا انعقاد وغیرہ وغیرہ، سب کے سب اہم اور ہمہ گیر انقلابات تھے، لیکن اگر بہ امعانِ نظر اُن کے سقوط کے اصلی اسباب کی چھان بین کی جائے تو ہر نامرادی اور فساد کی تہ میں عدم نظامِ عمل اور وسائل کی یاس انگیز کمی، استقلال کا فقدان اور ذہنی طوائف الملوکی، جدّوجہد کا تشتت اور غلط اندازۂ کار، آرا کا ہولناک تفرقہ اور قوتوں کا المناک انتشار، ایک ہلاکت آفریں معجون کی صورت میں نظر آئے گا۔ کم و بیش یہی صورت قوم کے ادنیٰ مشاغل کی ہے۔ کوئی مُلکی تحریک یا مقامی تجویز، اجتماعی انجمن یا سیاسی مجلس، خیراتی مصرف یا تجارتی شرکت، علمی مشغلہ یا انتظامی سلسلہ، ایسا نہیں جو مسلمانوں کی مختصر پسندانہ کارفرمائی سے ایک اقل قلیل مدت میں کالعدم نہ ہو گیا ہو!

ہمچوں سپند پیشِ توائے مختصر پسند!
در نالۂ تمام کنم ماجرائے دل

مگر فی الحقیقت جو حوادث دنیائے اسلام پر اس چودھویں صدی کے آغاز میں رونما ہو رہے ہیں اُن کی مثال اسلام کی گذشتہ ہزار سالہ تاریخ کا تاریک سے تاریک صفحہ بھی پیش نہیں کر سکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بالآخر صدیوں کی مُزمن بیماری نے مریض کے ہر عضو کو مضمحل، اور ہر جوڑ کو درد آمود کر دیا ہے؛ اعضا کی پیہم شکست، اور طاقت کے مسلسل زوال نے دفعۃً خوفناک علامات پیدا کر دی ہیں؛ دل، دماغ، اور جگر، سب کے سب مرض کی لپیٹ میں آچکے ہیں؛ سلامتی اور بقا کی چند آخری گھڑیاں ہلاکت اور فنا کے مہیب دیو سے قطعی اور فیصلہ کن مجادلہ کرنے کو ہیں؛ حیاتِ مستعار کے چند عارضی لمحات عدم کی بیکران ازلیت اور ابدیت کے محیط میں پیوست ہونے کو ہیں! اگر عیشت

اور ممات کی یہ اندوہناک کشمکش فی الحقیقت کذب اور یقین، فساد اور امن، باطل اور حق کی آخری آویزش ہے تو فیصلہ اٹل ہے: **فنا** کی لازوال حقیقت کے سامنے کسی باطل اور فاسد ہستی کی کچھ وقعت نہیں، وہ مٹ کر رہے گی، اور تمام کوششیں جو اسکو فروغ دینے کے لیئے اس اخیر وقت میں کی جائیں گی بیکار ثابت ہوں گی۔ لیکن اگر اسلام سراپا **حقانیت** ہے، مجسمہ **صدق** اور سرچشمہ **حقیقت** ہے، شارع قدرت کی عالمگیر سنّتوں میں سے ایک **سُنّت** ہے، تو فطرت کا عدل اور تسویہ اس امر کا مجاز ہو نہیں سکتا کہ ایک حقیقت کے نفوذ و ابھار کے ضمن میں دوسری حقیقت قربان کر دی جائے، یا کائناتِ فطرت کی اپنی طاقتیں ہی ایک دوسری کی تخریب و تعدیم پر آمادہ ہو جائیں!

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا† لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (۳۰ : ۳۰)

دین اسلام خدا کی بنائی ہوئی وہ فطرت ہے جس پر اُسنے تمام انسانوں کو پیدا کیا، اس سے کسی فرد کو مفر نہیں، اور خدا ساز فطرت میں کسی ردّوبدل کا امکان نہیں۔ دنیا کو نباہنے کا یہی صحیح اسلوب عمل اور صراط مستقیم ہے، لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝ (۳۳ : ۶۲)

اور تو قانونِ خدا میں کوئی ردّوبدل ہرگز نہیں پائے گا۔

اس قطعی استدلال کی بنا پر میرا ایمان ہے کہ قانونِ فطرت کی کوئی مُضمر حقیقت اسلام کو فنا نہیں کر سکتی، مسلمانانِ عالم کا روئے زمین پر بالآخر بطور ایک غالب عنصر کے رہنا لابدی ہے، اور جب تک زمین و آسمان اور کُل کائنات موجود ہے یہ صورت قائم ہو کر رہے گی۔ اگر موجِ حوادث کے تلاطم اور واقعات کی لشکر انگیزی نے بظاہر اس کُلیے سے انحراف پیدا کر دیا ہے تو وہ استثنائی اور عارضی ہے، اسکی حقیقت سوا اسکے نہیں کہ مخالف

† دین اسلام کے متعلق قرآن کا دعوٰے ہے: فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا، یعنی یہ کہ تمام ساکنانِ زمین کو اسی پر مجبول کر دیا ہے، اور یہی اُن کی فطرت ہے! یہ ایک بڑے اور حیرت انگیز دعوے کا اعلان ہے جسکو دو اور دو چار کی طرح عیاں کر دینا ہر مُسلمان کا فرض ہے۔ صرف کہہ دینے سے کوئی شخص اسکو مان نہیں سکتا اور یوں تو اس دعوے کے صحیح مفہوم کو سرسری نظر سے پا لینا بھی از بس مشکل ہے۔ اور اسی لیئے کہا گیا ہے کہ اکثر لوگ اس حقیقت کبریٰ کا علم نہیں رکھتے۔ بہر نوع یہی نکتہ اس کتاب کے طول و عرض میں پیش نظر ہے، اگرچہ نتائج اخیر پر جا کر مترتب ہوں گے۔

اثرات کے دباؤ نے ایک غیر مانوس صورت نمایاں کردی ہے جو ہٹ کر رہے گی! دینِ اسلام کے عالم آرا تعمیری✢
فلسفے کا یہی وہ بنیادی پتھر ہے جس نے اُس کے قیام و استحکام کا ذمہ ابتدائے آفرینش سے لیا اور جو آج تیرہ سو
سال کے مصائب و نوائبِ ہائلہ کے باوجود اسکی حیات کو قطعی، اور اسکے قانون کو ازلی اور ابدی قرار دیتا ہے۔ صانع
قدرت نے اِس اصلیت کا انکشاف فطرت کے ہر اصول اور ہر طرزِ عمل میں کیا ہے، جب تک صداقت صداقت ہے
اُس کا غلبہ، جہاں کہیں وہ ہو، یا جس پیرایہ میں ظاہر ہو، ناگزیر اور اٹل ہے۔ اگر دنیا میں کذب وریا، مکر و تلبیس، ظلم و
خدع کے لاانتہا فساد انگیز اثرات کے باوجود فطرت کے اصول قائم، اور قانونِ خدا کی حکومت مسلط ہے تو اس کا
اصلی راز یہی ہے۔ اگر ہوا و ہوس کی چند روزہ گرم بازاری، اور خواہشاتِ سفلی کی عارضی رَوا روی کے باوجود سطح زمین اب تک
بحیثیت مجموعی جادۂ اعتدال سے منحرف نہیں ہوئی تو اس کا حقیقی باعث یہی ہے۔ باطل اور فاسد ہستی کے تصادم کا
ایک مستقل حقیقت پر اثر بعینہٖ مثل اُس پتھر کے نقش کے ہے جو ایک اتھاہ سمندر کی سطح پر پھینکنے سے خفیف تموج تو چند لمحوں کے
لیئے پیدا کر دیتا ہے، مگر اپنی ہستی کو ابد الآباد کے لیئے کالعدم کر دیتا ہے!

فروغِ شعلہ خس یک نفس ہے
ہوس کو پاسِ ناموسِ وفا کیا

اسلام کا زور اثر آج اگر اس قلیل مُدت کے بعد، فی الحقیقت نابود ہوگیا ہے تو دو صورتیں ہیں: کائناتِ قدرت
کا مسئلۂ قیام نیز ختم ہے۔ فطرت کی عظیم الشان تعمیر کا نظم و نسق بھی اپنی بنیاد سے ہٹ چکا ہے، کیفیات کے
طلوع و غروب کی عمر بھی پوری ہونے کو ہے، اجسام کا جذب و اتصال، اجزا کا مزج و خلط، احوال کی مداولت،
آثار کا حلول، تراکیب کا قدر و عمل، یہ سب کچھ بھی اپنی اپنی مہلت پاکر رخصت ہو رہے ہیں اور بالآخر معمولِ فطرت
کے اِس حیرت انگیز استیلائے اثر کے بعد، زوالِ عالم کی منزل قریب ہے! اور اگر یہ حالت نہیں تو آج خود نفسِ اسلام
بلکہ مقاصدِ قرآن کے اندر، حقیقت کی روح قطعاً نہیں رہی، اُسکی قوتِ تاثیر و نفوذ اپنا ظرف چھوڑ کر کسی دوسرے قالب میں

✢ فلسفۂ اسلام کو عالم آرا اور تعمیری دونوں ثابت کرنا اس کتاب کا منتہائے نظر ہے۔

منتقل ہوگئی ہے؛ اُسکا دائرۂ علم وعمل مُندرِس، اور اُسکی رُوِیائے قلب محو ہوگئی ہے! **معنی** کی عروسِ منفعل، بدسلوکِ نااہل مسلمان کی رفاقت سے بیزار ہوجانیکے بعد، **صورت** کے تنگ و تاریک اور **الفاظ** کے مہلک و روح حجلوں کے اندر، اس تغافل، بے اعتنائی، اور بیدردی کا شکار ہوئی ہے کہ آج اُسکی ہستی کا اعتراف بھی کسی متنفس کو نہیں رہا! دنیائے حقیقت نواز کی جنگ آج اس قتیلِ غفلت کی انہی فاسد اور ناکارہ ہڈیوں سے ہے جن کے ڈھیر کی المناک سرگذشت، مہلت[†] کے پردہ خفانے قرنہا قرن تک مستور رکھی! زمانے کا باطل رُبا مگر بیرحم ہاتھ آج قصاب خانۂ روح عمل کی اِسی مذبوحِ حیا نعش کو سپردِ زمین کر رہا ہے جس کے ایام سعید کا عہدِ حیات، مہر نیمروز کی کرنوں سے بھی درخشاں تر حقیقت تھی! آہ! لیکن قالب کا مکین اگرچہ رخصت ہو چکا ہے، اور حقیقت کی مضطر و بیقرار روح بہتر اور صالح تر جسموں میں حلول کر گئی ہے، مگر زمانے کی عجائب نمائی، بلکہ ربِ لم یزل کے تقاضائے غیرت نے کم از کم اِس مُردہ ڈھانچے کی اس قدر حُرمت تو ضرور برقرار رکھی ہے کہ آج صدہا برس کی موت کے بعد بھی اُس کے اصلی خط و خال کا نقشہ صاحبِ نظر سے نہاں ہو نہیں سکتا۔ **قرآنِ عظیم** اب بھی جہل و نسیان کی ظلمات کے اندر وہ سطیع و نطیق **حکمت** ہے کہ عمیق نظروں میں سیاہی کا تقابل اُسکی سپیدی اور چمک کو اور بھی دوبالا کر رہا ہے! مطالب کی غلط فہمیوں، اور مقاصد کی دور افتادگیوں کے باعث جس قدر اسکی ہر بات عوام کے نزدیک ناقابلِ التفات اور بے معنی ہو رہی ہے، اُسی قدر صحیح القلب نقاد کی نظروں میں اسکی عظمت کا رنگ کھلتا جا رہا ہے! اسلام کی از سرِ نو حیات کے دن لامحالہ اُس وقت پھرنے لگیں گے جب کہ بداعمالی، کفر، اور تکذیب کے ہوش رُبا جمود، اور عالمگیر شکست و ریخت کے مُحیط الکُل عجز میں خود مُسلمانوں کا کوئی غمزدہ اور دل باختہ بندۂ خدا، قرآنِ حکیم کی طرف پھر متوجہ ہوگا، اور نافہمی، غلط عملی، سیہ بینی، باطل آرائی اور عدم تیقین کے حجاب در حجاب کو اُس کے ماتمی اور پژمردہ چہرے سے اُلٹ کر، **ایمان** کی اصلیت کو بے نقاب کر دے گا۔ اُسی دن حقیقت کی روٹھی ہوئی دُلہن پھر

---

† خلافت عباسیہ کے عہد انحطاط (چوتھی صدی ہجری) یا اسکے کچھ دیر بعد سے آجتک جو زمانہ جزوی امن یا عالم آرا خوف کا دنیائے اسلام پر گذر رہا ہے میرے نزدیک 'مُہلت' کی ایک صورت ہے جو لامحالہ آخری اور انتہائی عذاب کا پیش خیمہ ہے۔ اِسی زمانے میں اسلام رفتہ رفتہ صرف ایک 'صورت' اور 'رسم' کا نام رہ گیا 'معنی' اور 'روح' دونوں نکلتے گئے!

مٹ جائے گی اور اسلام کے ویران گھر کو یک دم آباد کر دے گی!

اسی بنا پر قرآن کریم کا وہ مبشّرانہ اور فیصلہ کُن وعدہ جو آیۂ کریمہ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ[1] ○ (۳ : ۱۳۸) میں ہے، ایک ایسی حقیقت کے ساتھ مشروط ہے جس کا التزام اجتماعی غلبے کے استمرار و تسلسل کے لیئے بمنزلہ روح ہے۔ **ایمان** کی جانفزا صداقت، مرگ و زیست کی ہر کشمکش کے قیام کے لیئے اکسیرِ اعظم ہے؛ وہ ہر کامرانی کی کلید، اور ہر کامیابی کی تمہید ہے؛ وہ ٹوٹے ہوئے دلوں کے لیئے مومیائی اور مرے ہوئے حوصلوں کے لیئے آبِ حیات ہے؛ اسکی ہر افزایش میں کُشادِ کار کا راز، اور ہر کاہش میں نامرادی کا بھید ہے؛ وہ فتح کی ہر منزل پر نئی روح، اور شکست کی ہر علامت پر نئی زندگی بخشتی ہے؛ وہ اجماعِ اُمّت کا مرکزِ نظم و نسق کا محور، اور انتہائی جدّ و جہد کی اساس ہے؛ اسکی کششِ اتّصال، فاسد اور متفرق طاقتوں کو جمع کر کے قوّتِ دفاع کو دیوارِ آہن کی طرح مضبوط کر دیتی ہے؛ اسکا انجذابی اثر، اشتات و انتشار کے اجزا کو سمیٹ کر اقدامِ عمل کی توفیق دیتا ہے؛ جس متنفّس کو حیات کی جانکاہ مسافرت میں ایسا سچّا رہنما نصیب ہو، اُسکے ہر گام پر فتح و نصرت شاملِ حال ہے؛ اور جس قوم کو تحفّظ و بقا کے اندوہناک مجادلے میں ایسا جارحانہ اور مدافعانہ حربہ عطا ہُوا ہو، اُسکا مخالف اثرات پر تسلّط یقینی، اور تغلّب اور **تمکّن فی الارض** ایک طے شدہ امر ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ (۲۴ : ۵۵)

تم میں سے جن لوگوں کا ایمان سچّے دل سے قائم رہا، اور جنہوں نے اسکے علاوہ تن دہی سے اعمالِ صالحہ بھی کیئے، اُن سے اللہ جل شانہٗ کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں زمین میں قیام عطا فرمائے گا جیسے اُن لوگوں کو قیام عطا فرمایا تھا جو اِن سے پہلے ہو گذرے ہیں؛ وہ اِس دین کو جو اُس نے اُنکے لیئے پسند کیا ہے جما کر رہے گا، اور بعد ازاں اُس خوف کو بھی جو اُنہیں دشمن سے لاحق ہے امن سے بدل دیگا۔ ان کا مسلکِ عمل یہ ہے کہ میرے غلام بنکر میرے حکموں پر چلتے رہیں (يَعْبُدُوْنَنِيْ)، اور طاعت گذاری میں کسی دوسری شئے کو میرے ساتھ شام

---

[1] اور نرم پڑکر ہمت نہ ہارو، اور آزردہ خاطر نہ ہو، کیونکہ اگر تم ایمان والے ہو تو آخر کار سب میں تمہاری ہی جیت ہے۔

نہ کریں (لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا)۔ اور جنہوں نے اِس تمکن اور قیام کے بعد اطاعت احکام سے انحراف کیا، اور اپنی بداعمالیوں کے باعث اِس نعمتِ عظمیٰ کی بیقدری کی (کَفَرَ) تو وہی فاسق ہیں[†]؛ (اور وہی اجتماعی ہلاکت کے اہل ہوں گے[‡] (۴۶ : ۳۵))

شارعِ قدرت کا یہ حتمی میثاق، نہ صرف اسلام بلکہ تمام اقوامِ عالم کی حیات و ممات کا مکمل اور آخری فیصلہ ہے۔ قرآن کریم کی حجت بالغہ، اور شریعت خدا کی حکمت جامعہ و مانعہ، جہد للبقا اور مقاومۃ للنفس کے اُس طبعی نتیجے پر تیرہ سو برس پہلے پونہچ چکی ہے، جو فلسفہ دان فارابی، ہیکل اور ڈارون[‡] کے مسئلہ ارتقا و انتخاب طبیعی کی اصطلاح میں "بقائے اصلح" کے نام سے معروف ہے۔ اِس آیہ کریمہ میں دو باتوں کا فیصلہ کر دیا ہے: اوّلاً یہ کہ "استخلاف فی الارض"

[†] آیاتِ ماقبل، (۲۴ : ۴۸ - ۵۴)، و مابعد (۲۴ : ۵۶)، کے ربط کو پیشِ نظر رکھکر، 'عبادت'، 'شرک'، 'کفر' اور 'فسق' کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔ قرآنِ کریم کی لغت میں یہ چاروں اصطلاحیں، اور اِن کی مثل اور الفاظ جن کا ذکر آگے آئے گا، اِس قدر جامع اور مانع ہیں کہ ان کی صحیح اور قابلِ اعتبار تشریح کرنا، دراصل قرآن کی تمام حکمت اور لائحۂ عمل کو عیاں کر دینا ہے۔ یہاں پر یَعْبُدُوْنَنِیْ سے لیکر فٰسِقُوْنَ تک جو ترجمہ کیا گیا ہے ذرا پیش از وقت ہے، مگر اس کا کافی ثبوت کتاب کے آیندہ اوراق میں مل رہیگا۔ قرآن حکیم کا ربط بھی اس قدر ظاہر اور باہر شئے نہیں کہ اس کو کتاب کے محض ابتدائی اوراق میں واضح کیا جا سکے۔ اس کے لیئے بے انتہا غور و فکر اور صحیح علم کی ضرورت ہے۔

[‡] سورۂ احقاف کے اخیر میں ہے: فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ (۴۶ : ۳۵) "تو کیا ماسوا فاسق قوم کے کوئی اور قوم بھی ہلاک ہو سکتی ہے؟" گویا فاسق قوم کی ہلاکت قطعی ہے۔ اس بنا پر ترجمے میں اس ضروری ایضاح کا سبب ظاہر ہے۔

[‡] مسئلہ ارتقا جس کی مجمل تشریح آیندہ موقع پر کر دی جائے گی، منجملہ ان عالم آرا مسائل کے ہے جس کی اختراع و ابداع اور تصدیق کے متعلق چند سر برآوردہ ناموں کا انتخاب کر لینا ازبس مشکل ہے۔ مختلف قرون کے علما نے اس مسئلے پر بحثیں کیں، اور ہر بار متعدد اضافے ہوتے رہے۔ اہل یونان اور رومۃ الکبرےٰ کے زمانۂ عروج میں اسکے اعتراف کے آثار پائے جاتے ہیں؛ مگر ماسوا ہرقلیطس (المتوفی ۴۷۵ قبل مسیح) اور لوقریطس (المتوفی ۵۵ قبل مسیح)، مشہور شاعر کے کوئی پرانا فلسفی اسکے متعلق مفید معلومات بہم نہیں پونہچاتا۔ اہل ہند کی پرانی کتابوں میں کہیں کہیں اسکا مشکوک سا ذکر پایا جاتا ہے۔ اسلام کے عہد عروج میں مختلف حکما نے اس مسئلے کو لیا، اور اسکے متعلق بہت کچھ چھان بین کی۔ اس سلسلے میں، الفارابی (المتوفی ۳۳۹ھ، ۹۵۰ء) ابن سینا (المتوفی ۴۲۹ھ، ۱۰۳۷ء)، ابن باجہ (المتوفی ۵۳۳ھ، ۱۱۳۸ء)، اور ابن مسکویہ (المتوفی ۴۲۱ھ، ۱۰۳۰ء)، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یورپ کے عہد ارتقا میں جو نام سب سے زیادہ سر برآوردہ ہیں، ہیکل (المتولد ۱۲۵۰ھ، ۱۸۳۴ء)، والیس (المتولد ۱۲۳۸ھ، ۱۸۲۳ء)، ہکسلے (المتوفی ۱۳۱۲ھ، ۱۸۹۵ء)، اور ڈارون (المتوفی ۱۲۹۹ھ، ۱۸۸۲ء) کے نام ہیں۔ موخر الذکر کی کتاب 'اصل الانواع' مطبوعہ ۱۲۷۵ھ، ۱۸۵۹ء نے آج اس مسئلے کو پایۂ ثبوت تک اس قدر پونہچا دیا ہے کہ اب اسکی تحقیق و تدوین کا تمام سہرا ڈارون کے سر پر ہے۔ لیکن اس عظیم الشان نظریے کی ارتقائی شق کے دعوے کو اوّل اوّل جن علما نے مستقل صورت دی وہ حکمائے اسلام ہی ہیں۔ ابن خلدون نے تاریخ العبر کے مقدمے میں بھی ضمناً اسکی طرف اشارہ کیا ہے۔ اصل کتاب میں ہم نے ابو نصر محمد الفارابی کا نام بالتخصیص پیش کیا ہے نہ صرف اسلیئے کہ مسئلہ ارتقا کی ابتدائی تدوین و تحقیق میں الفارابی کو بہت بڑا دخل تھا بلکہ اسلیئے کہ اس حکیم اجل کی عالمِ اسلام میں خاص قدر و منزلت ہے۔ وفیات الاعیان میں ابن خلکان نے بوعلی سینا کے اِس استادِ معظم کو اسلام کا سب سے بڑا حکیم کہا ہے!

یعنی† **بقا و استبقا** کے لیئے **ایمان** شرط ہے، اور اللہ کا وعدہ انہی لوگوں سے کیا گیا ہے جو ایمان رکھتے ہوں۔ ثانیاً یہ کہ ایمان کامل کے ہوتے ہوئے **اعمالِ صالحہ** کا اکتساب لازمی امر ہے جس جماعت کے افراد میں یہ دونوں باتیں موجود ہوں وہی **اصلح** ہے، اُسی کی صیانت اور سلامتی کا ذمہ قانونِ فطرت نے اپنے

---

† قرآن کریم میں استخلاف کا لفظ، آیہ استخلاف سے قطع نظر، چار موقعوں پر آیا ہے جو یہاں پر اس وسیع التاویل لفظ کے مطلب کی صحیح توضیح کے خیال سے لکھ دیئے جاتے ہیں۔ پہلا موقع سورہ انعام میں ہے:

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۚ إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِن بَعْدِكُم مَّا يَشَاءُ كَمَا أَنشَأَكُم مِّن ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ آخَرِينَ ‎(۶: ۱۳۴)

اور اے پیغمبر! جہاں تمہارا پروردگار بڑا رحم والا ہے وہاں بڑا بے نیاز بھی ہے، وہ اگر مناسب سمجھے تو تم سب کو دنیا سے اٹھا لے جائے، اور تمہارے بعد جس میں اہلیت دیکھے تمہارا جانشین کر دے، جیسا کہ آخر دوسرے لوگوں کو ہلاک کر کے اُن کی بقیہ نسل سے تم کو فروغ دے ہی چکا ہے۔

(یَشَاء کے معنی ہم نے مناسب سمجھنا کیئے ہیں، اس کا ثبوت فلسفۂ عمل کے عنوان یعنی دوسری مجلد میں آئیگا)۔ دوسرا موقع سورہ اعراف میں ہے:

قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ‎(۷: ۱۲۹)

اس پر موسیٰ نے جواب دیا کہ لوگو! اب وہ وقت قریب آلگا ہے کہ تمہارا خدا تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے، اور تم کو ملک میں اُسکا جانشین بنائے۔ پھر دیکھے کہ تم کیا سعی و عمل کرتے ہو۔

تیسری جگہ سورہ ہود میں ہے:

فَإِن تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُم مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ ۚ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ‎(۱۱: ۵۷)

اس پر ہودؑ نے اُن سے کہا کہ اگر تم نے ان احکام سے گریز کیا تو کم از کم میں نے اپنا پیغام تم تک پہنچا دیا، اور اس نافرمانی کا نتیجہ لامحالہ یہ ہوگا کہ خدائے عظیم تم کو ہلاک کر کے کسی دوسری قوم کو تمہارا جانشین کر دے گا، اور وہ اس قدر صاحب قوت ہوں گے کہ تم اُن کا کچھ بگاڑ بھی نہ سکو گے۔ اور یاد رکھو کہ میرا پروردگار ہر قوم کے اعمال کو بغور تمام دیکھ رہا ہے۔

ایک موقع جس میں استخلاف کا لفظ ذرا مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے، سورہ حدید میں ہے:

آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُم مُّسْتَخْلَفِينَ فِيهِ ۖ فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَأَنفَقُوا لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ ‎(۵۷: ۷)

لوگو! خدا کو خدا مانو، اور رسولؐ کو اُسکا بھیجا ہوا پیغامبر سمجھ کر اُسکے احکام کی تعمیل کرو، اور اُس مال میں جسکا وارث اگلوں کو تباہ کر کے تم کو بنایا ہے (اعلائے خدا میں) صرف کرو۔ کیونکہ جو لوگ احکام کی پیروی کرتے رہے، اور جنہوں نے ایثار مال کیا، اُن کو خدا کے ہاں سے اجر عظیم ہے۔

(آمنوا کے ان معانی کی تشریح آگے آئے گی، یہاں اس سے بحث نہیں۔) ان چاروں مثالوں سے یہ امر واضح ہے کہ استخلاف کے معانی قرآن کریم میں ایک قوم کو ہلاک کر کے دوسری کو اُسکا جانشین بنانا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ نہ اس سے مراد بالخصوص وہ سلسلہ خلافت ہی جس کا مرکز آجکل قسطنطنیہ ہے۔ اگرچہ وہ بھی اسمیں شامل ہے۔ نہ اس سے مراد خاص کر عرب کا استخلاف ہے، نہ عجم کا۔ نہ مشرق اور مغرب کا۔ جو قوم ایک کے ہلاک ہوئے پیچھے اُسکے ملک اور دولت کی وارث ہوئی وہی مستخلف ہی۔ خواہ وہ چین کی ہو یا روم کی۔ یہی بقا و استبقا ہے، اور اسی لحاظ سے ہم نے یہ معانی متن میں لکھے ہیں۔

استخلاف کے ان معانی کی حتمی تائید قرآنِ عظیم کی دو اور آیتوں سے ہوتی ہے جن کے نفس موضوع کا مقابلہ سورہ ہود کی متذکرہ صدر آیت (۱۱: ۵۷) سے کرنا چاہیئے۔ سورہ توبہ میں ہے: إِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ‎(۹: ۳۹)

"اگر (اے عافیت پسند عرب کے لوگو!) تم اس موقع پر لڑائی کے واسطے ہمہ تن مستعد نہ ہوئے تو خدا تم کو دردناک سزا دے گا اور تمہارے سوا کسی دوسری مستعد

اوپر لیا ہے، قرونِ ماضیہ کی اقوامِ متمدنہ کی طرح اُسکا غلبہ اور استخلاف قائم رہیگا جب تک ایمان اور صلاحیتِ عمل اُن میں باقی رہے؛ اور فسق و کفر کی حد تک نہ پہنچیں!

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت ست بر جریدۂ عالم دوامِ ما!

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۹) قوم کو تم سے بدل دے گا، اور وہ اِس قدر صاحبِ قوّت ہوں گے کہ تم اُن کا کچھ بگاڑ بھی نہ سکو گے، اور یاد رکھو کہ خدا وہ بے نیاز خدا ہے کہ وہ ہر بات کر سکتا ہے'۔ یہاں 'یستبدل' اور 'یستخلف' کا ترادف عیاں ہے۔ سورۂ محمد میں بھی 'یستبدل' اِنہی معنوں میں ہے: وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ٥ (۴۷: ۳۸) یعنی اگر تم نے اِن احکام سے سرتابی کی تو کچھ پروا نہیں وہ خدائے عظیم تمہارے سوا کسی اور قوم کو تم پر لا بٹھائے گا۔ پھر وہ تم جیسے بدعمل، نافرمان، اور نفس پسند بھی نہ ہوں گے'۔ اِن آیاتِ الٰہی سے صاف ظاہر ہے کہ استخلافِ اقوام دراصل اُن کا استبدال ہی ہے۔ جو قوم بادشاہت زمین کی اہل نہ رہی، جو قانونِ خدا سے سرتابی کرنے کے باعث اپنی قوتیں سلب کر چکی اُس کا روئے زمین پر سے بیک بینی و دو گوش نکالے جانا قطعی ہے۔ جو وارث زمین ہے وہی 'مستخلف' ہے وہی بہتر اور صالح تر ہے، وہی ناقابلِ ضرر اور قوی تر ہے، اور اُسیکا اس دنیا پر باقی رہنا طے شدہ امر ہے۔

خَلَفَ کا استعمال استخلاف اور اِبقا کے معنوں میں کئی جگہ ہوا ہے۔ یہاں پر تین موقعے قابلِ ذکر ہیں: وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنكُم مَّلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ يَخْلُفُونَ ٥ (۴۳: ۶۰)، 'اور اگر ہم مناسب سمجھتے تو تمہی کو فرشتے بنا کر اس زمین میں تمہارا جانشین کر دیتے'۔ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِن بَعْدِهِمْ لِنَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ٥ (۱۰: ۱۴)، 'پھر ہم نے اُن کے ہلاک ہوئے پیچھے تم کو زمین میں ان کا جانشین بنایا کہ دیکھیں کہ تم کیا سعی و عمل کرتے ہو'۔ وَمَا أَنفَقْتُم مِّن شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ ۖ (۳۴: ۳۹)، 'اور جو ایثارِ مال بھی تم کرتے ہو خدا اُسکو بقا نصیب کرتا ہے اور اسکا عوض دیتا ہے'۔ اِن مثالوں سے ظاہر ہے کہ خَلَفَ اور استَخلَفَ دراصل ایک ہی معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ اور اِنہی معنوں میں إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ (۲: ۳۰) ہے؛ یعنی 'میں زمین میں ایک قائم مقام بنانے والا ہوں'۔

ایک اور بات جو ضمناً اِن آیتوں اور بالخصوص (۷: ۱۲۹)، (۱۱: ۵۷)، (۱۰: ۱۴) سے مترشح ہے، یہ ہے کہ مستخلف فی الارض کا مقام حاصل کرنے، اور اُسکو قائم رکھنے کے لیے 'عمل' کرنا شرط ہے۔ آیۂ استخلاف میں شرط 'عمل صالح' ہے۔ اب ہی یہ بات کہ 'عمل صالح' کیا شئے ہے۔ اِس کا جواب اس کتاب کے طول و عرض میں ملے گا۔ اور 'صلاح' کی تعریف از روئے قرآن کرنا آسان کام نہیں۔

تیسری بات جو اِن آیات میں غور طلب ہے یہ ہے کہ 'الارض' کا استعمال (۷: ۱۲۹)، (۴۳: ۶۰)، اور (۲: ۳۰) میں مطلق معنوں میں ہوا ہے، اِس سے کوئی خاص حصہ زمین مراد نہیں، جیسا کہ آیۂ استخلاف کے 'الارض' کے متعلق بعض مفسرین کا خیال ہے، اور وہاں 'الارض' کے معنی زمینِ مکہ لیے ہیں۔ یہ بحث کتاب کے متن میں کی جائے گی، لیکن یہاں اِس بات کا اظہار ضروری ہے کہ 'الارض' کا لفظ مطلق ہے۔ (۷: ۱۲۹) سے کچھ شبہ پڑتا ہے کہ موسیٰ کی مراد خطۂ مصر ہو مگر تاریخ شاہد ہے کہ بنی اسرائیل کو استخلاف سرزمین مصر میں ایک مدّت مدید کے بعد حاصل ہُوا، اِس سے پیشتر وہ مُلک شام میں بادشاہ بن چکے تھے۔ (۱۰: ۱۴) سے بھی خفیف سا شبہ پڑتا ہے۔ لیکن اِس سے پہلی آیت (۱۰: ۱۳) کو ملا کر پڑھنے سے یہ شبہ رفع ہو جاتا ہے۔ بہر نوع اِن آیات کے غائر مطالعے کے بعد یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ قرآن میں 'استخلاف فی الارض' کے الفاظ سے اقوامِ عالم کا اِس سطحِ زمین پر اجتماعی بقا حاصل کرنا مراد ہے، اِس سے کم و بیش کچھ نہیں۔ وہ شرعی یا مذہبی حل جو اِس اصطلاح کے گرداگرد مرورِ وقت یا رسمی تکرار کے باعث پیدا ہو گیا ہے خود لوگوں کا پیدا کردہ ہے، قرآن کریم کو اِس سے کچھ سروکار نہیں۔

ڈارون کا نظریہ ارتقا[1] نشاءِ آفرینش سے لیکر ظہورِ انسان تک، ہر ذی حیات شئے کی انفرادی

۴۔ مسئلہ ارتقا کی تخفیف و توہین جس انداز سے آج مسلمانانِ عالم اپنی کمیٔ علم اور غلبۂ جہل کے باعث کر رہے ہیں، اس سے کم از کم یہ تو مترشح ہوتا ہے کہ انحطاط پذیر اقوام میں اپنے آبائی کارناموں کی یاد کس سُرعت سے محو ہو جاتی ہے۔ صفحہ ۸ کے تحت المتن میں چند اُن اسلامی حکمائے عظام کا ذکر کیا گیا تھا جنھوں نے اس مسئلے کی تصدیق و تثبیت میں مستقل حصہ لیا، اِسکو علم کلام کا اہم جزو قرار دیا، علم فطرت کی ایک بڑی حد تک توسیع کر کے مختلف ثبوت اسکی تائید میں بہم پہنچائے، اور صاف اور غیر مشکوک الفاظ میں ارتقا کی نوعیت بیان کی، لیکن آج چونکہ مغربی حکمانے اِس نظریے کو پایہ ثبوت تک پہنچا دیا ہے، اور اِس سے مستقل نتائج اخذ کر کے حفظ و امن کی راہیں ڈھونڈھ رہے ہیں، مسلمان اس سے یکسر بیزار ہو گئے ہیں، اور اسکی تضحیک کر کے اپنی نادانی کا ثبوت دے رہے ہیں! مسئلہ ارتقا و انتخاب طبیعی، آج مغرب کے تمام پہنائے علم و تحقیق میں وہ عظیم الشان انکشاف ہے جس کی عظمت اور نافعیت کا صحیح اندازہ لگانا قانون فطرت کے صحیح علم کے بدون از بس مشکل ہے۔ اِس مسئلے نے صحیح معنوں میں فطرت کے سرِ عظیم کو ایک بہت بڑی حد تک آشکارا کر دیا ہے! اس نے حیات کے حجاب ابہام کو چاک کر کے انسان کو معرفت نفس کا پہلا اور گراں قدر سبق دیا ہے! اس نے انسان کو شناسائی خدا میں مستقل مدد دی ہے! اس نے وحدتِ خدا اور وحدتِ ما سوا، وحدتِ مکان اور وحدتِ مکین کو ثابت کرنے میں اہم حصہ لیا ہے! اِس نے انسان کا دائرہ علم و عمل بیحد وسیع کر کے اُسکو صحیح معنوں میں خدا کا قائم مقام بنا دیا ہے! نہیں! بلکہ اسنے زوال و بقائے اُمم کے وہ پنہاں اصول بھی ایک حد تک عیاں کر دیئے ہیں جو الہامی کتابوں، اور بالخصوص قرآن حکیم کے سوا آج تک اور کہیں نہیں ملے۔ جو لوگ اِس مسئلے سے اِس لیئے بیزار ہیں کہ اِسمیں نشو و خود اختیاری کے باعث تعطّل خدا کی شان پائی جاتی ہے، یا اُسکی خالقیت میں ایک ناقابل برداشت تعویق ثابت ہوتی ہے، اُن کے دلوں میں خدا کی عظمت اور قدرت، ازلیت اور ابدیت کا اندازہ بہت کم ہے۔ قرآن میں مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (۲۲ : ۷۴)، اِس امر کی شہادت ہے۔ اکثر لوگ اُس خلاقِ عظیم کا اندازہ انسانی قوتوں اور بشری واماندگیوں کو پیشِ نظر رکھکر کرتے ہیں، اور اسی لیئے اصلیت کی لاانتہا وسعت تک نہیں پہنچ سکتے۔ مختصر الفاظ میں اس مسئلے کا یہ دعوےٰ ہے:۔

۱۔ "اِس عالم کون و مکان اور پہنائے زمین و آسمان کے اندر آفرینش کے ابتدائی ایام سے لیکر آج تک ایک ارتقائی اور تعمیری، ایک تدریجی اور ترکیبی انقلاب واقع ہو رہا ہے جو تخلیق کا فوری اور بلا واسطہ باعث ہے، حرکت اور حرارت اِس تکوین کی عللِ اُولیٰ ہیں۔ علّت انتہائی وہ علّۃ العلل وجود ہے جس نے سب اشیا کو اپنی اپنی جبلّت عطا کر کے اپنے اپنے کام پر لگا دیا ہے۔"

قرآن حکیم کا محاکمہ اِس امر کے متعلق موسیٰ علیہ السلام کے اِن الفاظ سے ظاہر ہے:۔

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝ (۲۰ : ۴۹-۵۰)

فرعون نے ازراہ سوال پوچھا کہ اے موسیٰ! وہ تم دونوں بھائیوں کا پروردگار کون ہے؟ موسیٰ نے جواب دیا کہ وہ رب بے مثال ہے جس نے اِس عالمِ کائنات کی ہر مخلوق شئے کو اسکی جبلّت اور خلقت عطا فرما کر اپنا اپنا راہ راست دکھلا دیا ہے۔

۲۔ "عالمِ موجودات کی سب ذی حیات مخلوق، بشمولیت نباتات و خوردبینی حیوانات، ایک سلسلہ تکوین کی مختلف کڑیاں ہیں جنکو بقدر اُنکے اعضائے رئیسہ و غیر رئیسہ کی سہولت اشکال ترکیب کے ایک تدریجی سلسلے میں سیٹ کیا جا سکتا ہے۔ یہ سب تکوین آفرینش کے مختلف مراحل میں ایک معین ترتیب سے ہوئی اور بتدریج ہوئی۔ اِس دوران کا کمال اوج انسان ہے جسکے اعضا کی تقویم سب ادنیٰ حیوانات سے بہر نوع بہتر ہے۔"

[1] لوگوں نے خدا کی عظمت کا اندازہ ہرگز اِس طرح پر نہیں کیا جیسا کہ کرنے کا حق تھا۔

اور اجتماعی جدوجہد کی داستان ، حفظِ نفس اور ترقیِ نسل کے متواتر اجتہاد کی سرگذشت ، جنسِ قوی کے تغلب

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۱) لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝ (۹۵: ۴-۵)

(اے ساکنانِ زمین ! اس عالمِ کائنات کا ہر ذرّہ اِس بات کا شاہد ہے کہ) ہم نے انسان کو احسن الخلق بنایا ، اُسکے اعضا میں بہترین صلاحیت اور استعداد پیدا کی ۔ پھر اِس صلاحیت کے انحطاط کے باعث اسکو (اُسی) کمتر سے کمتر مخلوق کی طرف لوٹا لائے (جو کبھی زمانے میں تھا) ۔

(ہم نے التین و الزیتون کی شہادت پیش نہیں کی ، ان کی تشریح میں ابھی بہت دیر ہے ۔ مگر "رَدَدْنٰهُ" کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ انسان اپنی نشارِ اول کے ابتدائی مراحل میں 'اسفل سافلین' تھا ۔ 'اسفل سافلین' کی علمی تشریح آگے چلکر ملے گی ۔)

۳ ۔ "دنیا ایک عظیم الشان امتحان گاہ جہد و عمل ہے ، جسمیں ہر ذی حیات فرد بطور ایک مجاہد کے ہے ۔ سب کے سب اپنے اپنے دائروں کے اندر ، ایک لامتناہی کشمکش ، اور غیر منقطع مزاحمت میں لگے ہیں ۔ قیام و بقا کا تمامتر حصر اسی جدّ و جہد پر ہے ۔ ہر جنس ، نوع ، اور فرد ، جغرافیائی اور استطاعتی حدود کے اندر ، اپنی ہمسایہ مخلوق کے بالمقابل صف آرا ہے ، فطری اور مقامی موانعات کا مقابلہ کر رہی ہے ، بہتر اور قوی تر اجناس سے نبرد آزما ہے ، دشمن سے عہدہ برآ ہونے کی تجویزیں لگی ہے ، کمتر اور کمزور تر مخلوق پر متسلط ہونے کی سعی کر رہی ہے ۔ الغرض اپنی بہبودی اور بچاؤ ، اپنی تقویت اور دفاع کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہی ہے ۔ اِس مقامِ نظر سے عالمِ حیوانات و نباتات کی سب مجتمعات باقیہ ، قوی تر اجناس و انواع کی جارحانہ دستبرد کے باعث ، ایک متصل خوف کے ماحول میں گھری ہیں جس سے بچ نکلنا ، اور جسکو امن سے بدل دینا ہر زندہ مخلوق کا منتہائے وحید ہے ۔"

قرآن حکیم کا تمام دستور العمل من و عن اِس فردی اور اجتماعی جدّ و جہد کا مؤید ہے ۔ چند مثالیں صفحہ ۱۰ کے تحت المتن میں لفظ استخلاف کی بحث کے ضمن میں گذر چکی ہیں ، مگر لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ (۵۳: ۳۹) کا اصل اُصول قرآنِ عظیم کے ہر ورق پر جلی حروف میں لکھا ہے ۔ آیۂ استخلاف کا نفسِ موضوع بھی اِسی خوفِ عدو کو حفظ و امن میں بدل دینے کی معنی خیز داستان ہے ؛ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۔ کا محفوظ مقام کسی قوم کو صرف اُس وقت نصیب ہو سکتا ہے جب وہ 'متمکن فی الارض' بن چکے ، اور بے سعی و عمل اسکا حاصل کر لینا قطعاً محال ہے ۔

جنسِ قوی کی جارحانہ دستبرد اور تشدد ، اِس ابتلا گاہ سعی و عمل میں ، وہ بدیہی امر ہے کہ اسکے لئے کسی بڑی چھان بین کی ضرورت نہیں ۔ ادنیٰ مخلوق سے لیکر اشرف الخلق انسان تک ہر نوع اِس قاعدے پر عمل پیرا ہے ؛ قوی ہر جا اپنی طاقت کا استعمال ضعیف جنس پر کر رہا ہے ؛ بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل کر اپنا پیٹ پال رہی ہے ؛ کمزور قومیں زور آور قوموں سے ہر دم خوف زدہ ہیں ، اور ہر طرف 'دست زور بالا' کی تعمیل بظاہر ہو رہی ہے ۔ سورۂ انفال میں خدائے عظیم نے قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں کو اِسی خوفِ عدو کا ماحول یاد دلا کر عیاں کر دیا تھا کہ دشمن پر غالب آکر محفوظ مقام حاصل کر لینا ہی تائیدِ الٰہی ہے :

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (۸: ۲۶)

اور مسلمانو ! وہ وقت یاد کرو جب تم اِس زمین میں تھوڑی سی تعداد میں تھے ، کمزور اور بے بس گنے جاتے تھے ، اور ہر آن اِس خوف کے باعث سہمے رہتے تھے کہ دشمن تمہیں اُچک نہ لیجائیں ۔ پھر خدائے ذو الجلال نے (تمہارے اعمال کو پسند فرما کر) تم کو اپنی پناہ میں لے لیا ، اپنی مدد سے تم کو قوی

---

۵۱ انسان کو کچھ میسر نہیں مگر وہ جو بقدر اُسکی سعی کے ہے ۔ ۵۲ مطالب کے لیئے دیکھو صفحہ ۷ ۔

صنفِ ضعیف کے سقوط، اور جنسِ اصلح کے بقا اور تدریجی ارتقا کی مسلسل رُوئیداد، طبقات الارض کی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲) بنایا، اور دشمن پر فتح دے کر عمدہ قسم کی دنیاوی نعمتیں بخشیں، اور یہ سب اِس لیئے کہ تم اِن نعمائے الٰہی کی دل سے قدر کرو۔ (لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ)۔ شکر کے اِن معانی کا ثبوت بعد میں ملیگا، یہاں اِس پر بحث نہیں)۔

۴ "مختلف انواع و اجناس کا ظہور اور قیام، خارجی اور مقامی حال و احوال اور باطنی استعداد و صعود کے متفقہ زور یا اثر سے ہوا۔ جو نوعیں احوالِ طبیعت کی خارجی مزاحمت کے بالمقابل پوری نہ اتر سکیں ہٹتی گئیں، جنہوں نے اس کشمکش میں پورا حصّہ لیکر اپنے آپ کو مستعد ثابت کیا، صعود کرتی گئیں۔ عالمِ حیات کا سب کون و فساد اسی عالم آرا اصول کے ماتحت ہو رہا ہے، 'حفظِ نفس' اِس مزاحمت کا محرکِ اول ہے۔ جس نباتی یا حیوانی نوع کا 'استخلاف' زمین کے کسی حصّے پر قائم ہے، وہ 'صالح' ہے جس کا تمکّن فی الارض ہٹتا جا رہا ہے وہ 'غیر صالح' ہے۔ جو نوع سب سے متمکن، سب سے زیادہ مُجاہد اور مستعد، سب سے زیادہ تکثر اور ارتقائی اہلیّت رکھتی ہے وہی اپنے دائرے کے اندر 'اصلح' ہے، اسی کا بقا قطعی ہے، فطرت خود بخود اُسکا انتخاب کر کے اُسکو بے خوف و خطر کر دیتی ہے"۔

انسانی امتوں کے قیام و بقا کے متعلق قرآن حکیم نے بعینہٖ وہی لازوال اصول پیش کیئے جو آج مغرب کی تمام علمی تحقیقات اور مادّی تقدم کے محورِ عمل بن چکے ہیں۔ سورۂ اعراف میں ہے:-

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (۷: ۳۴-۳۵)

اور ہر ایک گروہ کے صفحۂ ہستی سے مٹنے کی ایک میعاد مقرر ہے، پھر جب اُسکی تباہی کے اسباب مکمل ہو چکتے ہیں تو اس سے ایک گھڑی نہ پیچھے رہ سکتے ہیں نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکتے ہیں۔ پھر اگر اُس وقت کوئی عذر پیش کرے گا تو ہم کہیں گے کہ اے بنی آدم! ہم نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ جب کبھی ہماری طرف سے تم ہی میں سے ہمارے قاصد تمہارے پاس پہنچیں، اور ہمارے احکام تم پر واضح کر دیں، تو جس قوم نے اِن احکام پر عمل کر کے حفظِ نفس کی راہ اختیار کر لی (اتَّقٰى)، جو ہلاکت سے دامن بچا کر چلی (اتَّقٰى)، اور صالح بن گئی (اَصْلَحَ) اُسکو اِس دنیا میں کسی قسم کا خوف و خطر نہیں۔

آگے چلکر ہم اسی مجلد میں ثابت کرینگے کہ 'اتقا' کی بعض اہم شرائط کیا ہیں، 'اتقا' کی مکمل تشریح 'عمل' کے عنوان (چوتھی مجلد) میں آئے گی۔ 'صلاح' کی تعریف میں ابھی بہت دیر ہے۔ وہ عظیم الشان آیات جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عالمِ حیوانات کا قانون فنا و بقا بھی اسی انداز پر ہے جس پر انسانی امتیں چل رہی ہیں بہت بعد میں آئینگی۔ یہاں پر ہم نے صرف قرآن حکیم کی چند معاون آیات کو پیش کر دیا ہے۔ ان سے کچھ ثابت کرنا ابھی مقصود نہیں۔ لیکن اگر کتاب کے اِس محض ابتدائی حصّے میں کوئی نتیجہ خیز اور قابلِ ذکر بات اِن آیات سے مستنبط ہو سکتی ہے تو یہ ہے کہ کتابِ الٰہی نے کس التزام کے ساتھ استخلاف فی الارض کی شرط کو جا بجا سعی و عمل، امتحان و ابتلا، تگ و دو قرار دیا ہے جو مسئلہ ارتقا کی اصلی روح رواں ہے۔ چنانچہ اسی ضمن میں سورۂ انعام کی آخری آیت نہایت قابلِ لحاظ ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (۶: ۱۶۶)

اے ساکنانِ زمین! خداوہ عظیم الاختیار خدا ہے جس نے تمکو اِس زمین میں اپنا نائب اور قائم مقام مقرر کیا ہے (کہ تم اِسکی حکومت اور انتظام کو اپنے ہاتھ میں لو)، اور تم میں سے ایک قوم کو دوسری قوم پر کئی درجے فضیلت اِس لیئے دی ہے کہ معیشت کی اِس مسابقانہ کشمکش میں وہ تمہاری اُن قوتوں اور صلاحیتوں کا امتحان لے جو اُس نے تم کو دیں۔ جانتے رہو کہ اگر تم اِس ابتلا میں پورے نہ اتر سکے، اور دوسروں سے پیچھے رہ گئے، تو لامحالہ خدا بڑا جلد جلد سزا دینے والا ہے، اور اگر اپنی سعی و عمل کے باعث سبقت لے گئے تو اِس میں بھی شک نہیں کہ وہ عیوب پر بڑا پردہ ڈالنے

مٹی میں دبی ہوئی ہڈیوں کی زبانی ہے۔ اِس تمام پیچیدہ مسئلے کی تہ میں یہ بات ظاہر کردی گئی ہے کہ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳) (غفور) اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

۵۔ "انسان کی تکوین کمتر مخلوق کے ارتقا سے ہوئی، مگر اس انقلابِ عظیم کی تکمیل میں قرنہا قرن گذر گئے، حتیٰ کہ ایک نوع کا انتقال اُس سے اگلی نوع میں بھی ہزارہا برس میں ہُوا! اس مُدت مدید میں زمین بھی لاانتہا جغرافی اور طبعی، کیمیاوی اور تعمیری انقلابات کا مکین رہی، اور اب تک ہے۔ ارتقا کا سلسلہ بند نہیں ہوا، بلکہ جب تک زمین و آسمان موجود ہے، جاری رہیگا۔ اِس نقطۂ نظر سے بہت ممکن ہے کہ ایک مُدت کے بعد انسان اپنی قوتوں، صلاحیتوں اور علم و عمل میں ارتقا کرتے ہوئے اس سے بھی بہتر مخلوق بن سکے جو اپنی صفات میں شارعِ کائنات کی ذات سے قریب ہو! اِس بنا پر زمین و آسمان کی تکوین کا سلسلہ انسانی نقطۂ نظر سے ایک بے پایاں سلسلہ ہے جو ہزار در ہزار بلکہ لکھو کھا برس سے چل رہا ہے اور ممکن ہے کہ لکھو کھا برس تک اسی طرح چلتا رہے"!

مسئلہ ارتقا کی اِس شق کے متعلق قرآن کریم میں وہ حیرت انگیز اور ناقابل انکار شہادت موجود ہے کہ اُس کا تمام و کمال یہاں پر لکھ دینا بہت کچھ پیش از وقت ہے۔ یہاں پر صرف چند آیات اور اُن کا مربوط ترجمہ لکھ دیا جاتا ہے۔ صحت مطالب کی ناقابل رد دلائل ایک ایک لفظ کے متعلق اپنے اپنے موقع کتاب کے متن میں آئیں گی۔ سورہ سجدہ میں ہے:

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ مَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ اَفَلَا تَتَذَکَّرُوْنَ ۝ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗٓ اَلْفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ ذٰلِکَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝ الَّذِیْٓ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَہٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَہٗ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّھِیْنٍ ۝ ثُمَّ سَوّٰىہُ وَنَفَخَ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِہٖ وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَۃَ قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ ۝ (۳۲: ۴-۹)

لوگو! خدا وہ عظیم و جلیل خدا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کے اِس حیرت انگیز کارخانے کو چھ بڑے مدید الوقت اور طویل المیعاد دَنوں میں پیدا کیا، اور اب تختِ سلطنت (الْعَرْش) پر جما بیٹھا اس ادارتِ عظمیٰ کو چلا رہا ہے۔ لوگو! اُسکے سوا نہ تمہارا کوئی کارساز ہے، نہ سفارشی۔ اُسی کی حکومت ہر جا چل رہی ہے، اُسی کا قانون ہر جگہ جاری و ساری ہے، تو کیا تم لوگ اِس کارخانہ جہان اور اِس عالم آرا حکومت سے کچھ عبرت نہیں پکڑتے!

وہ وُہ عظیم کار اور بزرگ اعمال خدا ہے کہ ایک عالم آرا قانون (الْاَمْر)، ایک امرِ مُہتم (الْاَمْر)، ایک جلیل القدر فیصلے یا معاملے (الْاَمْر) کی تجویز آسمان سے لیکر زمین تک کر دیتا ہے، پھر وہ معاملہ، اپنی عظمت اور وسعت کے باعث، رفتہ رفتہ اور نامحسوس طور پر، ایک مُدت مدید میں (فِیْ یَوْمٍ) جس کی مقدار انسانی شمار کے لحاظ سے ایک ہزار برس یا اس سے بھی زیادہ ہو، اُسکی مشیت کی طرف (اِلَیْہِ) صعود کرتا ہے (یَعْرُجُ)، اور اپنے اٹل زور اثر سے کمال کو پہنچ جاتا ہے! (گویا اُسکی عظیم الشان تجویزیں ہزاروں برس میں جاکر مکمل ہوتی ہیں، اُسکے قانون کا عالم انگیز نفوذ صدیوں میں جاکر محسوس ہوتا ہے، اسکی اٹل مشیت قرنوں کے امتداد کے باوجود پوری ہو رہتی ہے) یہ ہے وہ ہزاروں برس کے بعد کے حالات کا علم رکھنے والا (عٰلِمُ الْغَیْبِ)، اور آج کے حال و احوال کا صحیح پرکھنے والا (وَالشَّھَادَۃِ)، غالب القوی (الْعَزِیْزُ)، صاحبِ عفو و درگذر (الرَّحِیْمُ)، خدا جسکے رحم و تحمّل اور کمال علم و عمل پر یہ کارگاہ اکبر چل رہا ہے!

وہ وُہ صنّاع عظیم ہے جس نے ہر پیدا کردہ شئے کو بہتر سے بہتر کر دیا ہے، اور انسان سی اشرف الخلق مخلوق کی ابتدا (بَدَاَ) مٹی سی حقیر اور کمتر مخلوق سے کی، پھر رفتہ رفتہ اِس بدأ اول، اِس کمتر مخلوق، اور اِس خَلق قدیم کی نسل کو ہزارہا برس کی تدبیر امر اور تشکیل نوع کے بعد (اعلیٰ حیوانات کے)

عالمِ حیوانات کی کشمکشِ حیات میں جسمانی زور، یا جارحانہ قوّت ہی کسی جنس کے قیام کے لیئے کافی نہیں ہوسکتی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴) مادّہ تناسل سے، جو ایک حقیر سا پانی کا نچوڑ ہے، جاری رکھا؛ پھر تناسل کے اِس عظیم الشان مرحلے کو طے کرنیکے بعد اُس خلقِ جدید کے اعضا میں، ہزار ہا برس کی مزید تجویز و تدبیر کے بعد، بہترین تناسب قائم کیا (ثُمَّ سَوّٰىهُ)؛ اور پھر اس حسن الخلق شئے میں اُس خدائے عزیز و رحیم نے اپنی ناپیدا مثال صفات اور اوصاف کا ایک ایک شمہ ڈالا، اسکو اپنی جناب سے تھوڑا سا علم، تھوڑی سی قدرت، تھوڑی سی سمجھ وغیرہ وغیرہ عطا فرماکر گویا اپنی روح اسمیں پھونک دی (وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ)؛ اور آج اے اشرف الخلق انسانو! اس نے تم کو ان تمام مرحلوں سے گذار کر وہ عظیم الشان نعمائے الٰہی، اور اوصافِ کبریا کے وہ عدیم المثال مظاہر عطا کیئے ہیں، جن کا نام کان ہے، آنکھ ہے، اور ذہن سلیم ہے، جن کے ذریعے سے تم صحیح معنوں میں (سب کمتر مخلوق کے نقلی کانوں، آنکھوں، اور قلوب سے قطع نظر) سُن سکتے ہو، دیکھ سکتے ہو، اور سمجھ سکتے ہو! افسوس کہ تم اِن حیرت انگیز نعمتوں کی بہت ہی کم قدر کرتے ہو، اور ان کو بہت ہی کم صحیح استعمال میں لاتے ہو! قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ○

(الف) اِن جلیل الشان آیات کے مطالب تک پونہچنا آسان کام نہیں، مگر قرآن کے طالب العلم کو محولہ بالا مطالب کی ابتدائی تصدیق کے لیئے سورۂ مؤمن کی اُس آیت کو پیشِ نظر رکھنا چاہیئے جس میں انسان کی پیدائش کو اسقدر عظیم اور مُہتم امر قرار دیاگیا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش کا اُس سے مقابلہ کیا ہے: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ○ (۴۰ : ۵۷) "لوگو! اگر بچشم واشاہدہ کرو تو لامحالہ اس نتیجے پر پونہچو کہ آسمانوں اور زمین کی تکوین کا سلسلہ بنی نوع انسان کے سلسلۂ تکوین سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔ لیکن اکثر لوگ اِس حقیقت کا علم نہیں رکھتے"؛ گویا انسان کی تکوین کوئی خالہ کا گھر نہ تھی کہ ایک مٹی کا پُتلا سا بناکر رکھدیا، اور پھر اُسمیں معاذاللہ کسی شعبدہ باز نے پھونک مار کر جان پیدا کردی، جیسا کہ جُہلا کا خیال آجکل ہے؛ بلکہ وہ ایک عظیم الشان تعمیری سلسلہ تھا جو ہزار ہا سالوں کے بعد اختتام پذیر ہُوا! یہی بات ثُمَّ کی معنی خیز تکرار سے ظاہر ہے: (۳۲ : ۸-۹) - نَسْلَهٗ، اور سَوّٰىهُ اور فِيْهِ، میں هُوَ کی غائب ضمیر سے "لَكُمُ" کی مخاطب ضمیر کی طرف رجوع کرنا بھی اِس امر کی طرف اشارہ ہے کہ هُوَ کی ضمیر انسان کی پہلی خلقتوں کی طرف ہے نہ کہ خود انسان کی طرف۔ علاوہ ازیں انسانی نسل کو ایک دفعہ قطرہ منی سے جاری کرکے بعد میں اُسکا تسویہ کرنا قطعًا بے معنی ہے (ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ...ثُمَّ سَوّٰىهُ) بَدَاَ کے لفظ سے بھی جو (۳۲ : ۷) میں ہے یہ ظاہر ہے کہ خلقت کی ابتدا مٹی سے ہوئی نہ کہ تکمیل۔ آج علم جدید کی حیرت انگیز تحقیق بھی انسان بلکہ تمام حیوانات کو اسی "طین لازب" سے بنایا ہوا قرار دیتی ہے: اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ○ (۳۷ : ۱۱) "ہم نے انسان کو لیس دار کیچڑ سے پیدا کیا" سورۂ الرحمٰن میں ہے: خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ○ (۵۵ : ۱۴) "اُس نے انسان کو ٹھیکری کی مانند بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا"۔ یہ بجتا ہوا لیس دار کیچڑ انسان کی تخلیق کا وہ سامان اوّل ہے جو ہر تالاب اور دَلدَل، جوہڑ اور سنڈاس کی تہ میں، یا جھیلوں کے کنارے پر، کثرت سے نظر آتا ہے، اور جس کے مرطوب قِوام کے اندر یورپ کا دقیقہ رس عالم اپنی خوردبین کے ذریعے سے اُس خلاقِ عظیم کی کروڑ در کروڑ مجرد ہستیاں چھپی ہوئی دیکھتا ہے۔ یہ سب وجود اسقدر دقیق ہیں کہ اُن کی کُل کائنات صرف ایک خلیہ یا حجُرہ ہے جسکے اندر حیات کا عالم آرا نگین محفوظ بیٹھا ہے! یورپ کے طبعی فلسفی کا دعوٰے ہے کہ کل ذی حیات مخلوق اِسی نفس واحد کے اجتماع اور استعمار سے ہوئی، اور قرنہا قرن میں اپنی ارتقائی استعداد کے باعث ایک مکان سے دوسرے مکان، اور ایک جائے قرار سے دوسری جائے قرار میں منتقل ہوکر اس مقام پر پونہچی جسکا نتیجہ اشرف الخلق انسان ہے! قرآن حکیم نے اِس مہتم بالشان حقیقت کو، یورپ کی روح فرسا علمی تحقیق سے کامل بارہ سو برس پہلے، اُن ناقابل تاویل اور ناقابل جمود الفاظ میں ادا کیا ہے جن کی اطلاع پاکر مغرب کے سب حکمائے عظام کا اِس کتاب عظیم کے آگے سر جھکا دینا قطعی ہے! سورۂ انعام میں ہے:

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ○ (۶ : ۹۹)

لوگو! وہی خلاق عظیم تو ہے جس نے تم جیسے اشرف الخلق وجود کی ابتدا اور اسکی نشاء، اول ایک خوردبینی نفس مطلق سے کی (اَنْشَاَكُمْ) پھر اس نفس واحد کو ایک عارضی جائے قرار (فَمُسْتَقَرٌّ) اور ایک مکان مستقر سے دوسری جائے قرار میں بدلا حتیٰ کہ اُسے آخری مکان قرار یا مستقل جائے استیداع

بلکہ اسکی حفاظت اور بقا کا اصلی راز صلاحیت اور استعداد ہے۔ جس نوعِ حیوانی نے سعی و ابتلا کے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۵) (مُسْتَوْدَعٌ) میں سے آیا، جو احسن الخلق بشر کا قالب ہے۔ جو قوم ہمارے اعمال کو سمجھتی، اور اُسکا صحیح علم رکھتی ہے، اُسکو ہم نے اپنی قدرت کے یہ عجوبات (الآیٰت) ان لفظوں میں بالتفصیل بیان کردیے ہیں۔

'نفس' کا لفظ نہایت معنی خیز ہے جسکے معنی مطلق جان کے ہیں۔ قرآن حکیم میں انسان کی پیدائش کے متعلق ہر جگہ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ کا ذکر ہے بَشَرٍ وَاحِدٍ کا کہیں ذکر نہیں لیکن یہ بحث اپنے موقع پر دوسری جگہ آئے گی)

قرآن کو کتاب خدا مان کر مسئلہ ارتقا کے درست ہونے، یا مسئلہ ارتقا کی عینی اور علمی شہادت پاکر قرآن حکیم کے منجانب اللہ ہونے کی آجتک اِس سے بہتر اور روشن تر شہادت کہیں موجود نہیں!

(ب) یَعْرُجُ کے لفظ سے جو سورۂ سجدہ کی محولہ بالا آیت (۳۲ : ۵) میں ہے، ازروئے نحو یہ ظاہر ہے کہ اِس کا فاعل خدا ہونا چاہیئے (یُدَبِّرُ الْاَمْرَ .... ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ)، اور اِلَیْهِ کی ضمیر کا مرجع الْاَمْر ہونا چاہیئے۔ مگر مفسرین نے یَعْرُجُ کا فاعل الْاَمْر اور ضمیر کا مرجع خلاف اسلوب کلام خدا لکھا ہے، اور اِس آیت کا عجیب و غریب ترجمہ کردیا ہے جس کے نقل کرنے کی یہاں ضرورت نہیں۔ متذکرہ صدر ترجمے میں ازروئے نحو عام مفسرین کا اتباع کیا گیا ہے، مگر انصافاً اس اتباع کی ضرورت بھی معلوم نہیں ہوتی۔ اور چونکہ یَعْرُجُ کے معنی یہاں پر بتدریج ارتقا کرنیکے ہیں۔ اِسلیے اِس نقطۂ نظر سے معانی اور بھی زیادہ صاف ہوجاتے ہیں:

"خداوہ عظیم کار اور بزرگ اعمال خدا ہے کہ ایک امرِ مہم کی تجویز آسمان سے لیکر زمین تک کردیتا ہے اور پھر اس امرِ عظیم کی طرف ایک مدّت مدید میں جسکی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال ہوتی ہے آہستہ آہستہ اور نامحسوس طور پر ارتقا کرتا ہے۔" گویا اس امر کی تکمیل کہیں ہزار برس میں جاکر ہوتی ہے۔ اِس صاف ترجمے سے ارتقا کا وجود اور بھی واضح ہوجاتا ہے۔

(ج) سورۂ سجدہ کی یُدَبِّرُ الْاَمْرَ والی آیت سے یَوْم کی تشریح فیصلہ کن ہے، اور ظاہر ہے کہ زمین و آسمان کی پیدائش ہماری گنتی کے چھ دنوں میں، جنکا وجود بھی اُسوقت نہ تھا، نہیں ہوئی، بلکہ ہزاروں برس یا کم از کم چھ ہزار برس میں ہوئی۔ لیکن یہ تعیین بھی درست نہیں۔ کیونکہ ایک دوسری آیت میں یوم کی اِس تعیین کو اُڑا دیا گیا ہے اور "کَاَلْفِ سَنَةٍ" کہکر اُسکو غیر محدود کردیا گیا ہے: وَیَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ (۲۲ : ۴۷) "اور یہ لوگ تم سے عذاب کے بارے میں جلدی مچا رہے ہیں، حالانکہ خدا اپنا وعدہ ہرگز خلاف نہیں کرتا اور تمہارے پروردگار کے نزدیک تو ایک دن بھی تمہارے شمار کے ایک ہزار برس کی مانند ہوتا ہے، پھر اُسکو کونسی جلدی پڑی ہے۔" اور سورۂ معارج میں تو یوم کی مدت پچاس ہزار برس لکھی ہے: تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝ (۷۰ : ۴) "ملائکہ اور روح اُس خدائے عظیم کی طرف ایک مدت مدید (یَوْم) میں ارتقا کرتی ہیں جس کی مقدار پچاس ہزار برس کے برابر ہے۔" الْمَلٰٓئِكَة اور الرُّوْح کی تشریح میں ابھی بہت دیر ہے۔ لیکن اِن آیاتِ الٰہی سے ظاہر ہے کہ 'یَوْم' ایک لامحدود مدت ہے جو ہزاروں بلکہ لاکھوں برس کی ہوسکتی ہے، اور اَرْض و سَمٰوٰت کی پیدائش بھی لاکھوں برس میں ہوئی۔ ملائکہ اور روح کا پچاس ہزار برس میں عروج کرنا (خواہ اُن کی حقیقت کچھ ہی کیوں نہ ہو) ارتقا کی طرف ایک اور اشارہ ہے جو ہر صاحب نظر پر واضح ہے۔ 'ستۃ ایام' کے متذکرہ صدر الفاظ میں لفظ سِتَّةَ (چھ) کی تخصیص کو سمجھنے کے لیئے مزید تشریح درکار ہے جو آیندہ اوراق (صفحہ ۳۶-۳۷) میں کردی جائے گی۔

(د) انسان کے اپنی موجودہ حالت سے بہتر مخلوق بننے کے متعلق قرآن عظیم میں ایک خفیف سا اشارہ ہے جو استخلاف کی بحث میں صفحہ ۱۰ کے تحت المتن میں ہوئی، گذر چکا ہے۔ یہاں پر اسکا اعادہ کیا جاتا ہے: وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِی الْاَرْضِ یَخْلُفُوْنَ ۝ (۴۳ : ۶۰) "اور اگر ہم مناسب سمجھتے تو تم ہی کو فرشتے بناکر اس زمین میں تمہارا جانشین کردیتے۔" یہاں مِنْكُمْ کے الفاظ نہایت قابل لحاظ ہیں، لیکن یہ امر کہ آیا ملٰٓئِكَة بہمہ وجوہ انسان سے بہتر مخلوق ہیں یا نہیں نہایت بحث طلب ہے، اور اسکی تشریح اپنے موقع پر آئے گی۔

اِس عظیم الشان عمل میں موانع فطرت کا مقابلہ تندہی اور استقلال سے کیا، جو مخلوق موت

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۶) مسئلہ ارتقا کی باقی شقیں یہ ہیں:-

۶ "نفس واحدہ کے اجماع اور استعمار سے مختلف نوعیں پیدا ہوئیں لیکن ہر نوعی اجتماع نہ صرف پہلے نوعی اجتماع سے بہتر اور صالح تر ہوا بلکہ ہر ایک صورت اجتماع میں بھی، اسکے اپنے دائرے کے اندر اصلاح اور ارتقا کی تجویز قائم رہی، حتٰی کہ وہ صنف بذاتِ خود اوجِ کمال کو پونہچ گئی۔ گویا ارتقا ایک شجر ہے جسکی متعدد متفرع شاخیں ہیں، اگرچہ اصل ایک ہی ہے، مختلف شاخیں اپنے اپنے خطوں پر پھولتی پھلتی گئیں، بلکہ شاخ در شاخ بن گئیں، اُن پر مختلف پھول لگے، جو اس شق کی 'صالح ترین انواع' ہیں۔ بعض شاخیں اور پتے جھڑتے گئے، جو 'غیر صالح' انواع کی مصداق ہیں۔ اِس تنے کی بلند ترین شاخ انسان ہے، جسکی کئی ایک فروع ہیں جو بلحاظ اختلاف لون ونسل، اور امتیازِ فہم وادراک، ایک دوسرے سے قوی تر، صالح تر اور ممیز تر ہیں۔ جس قوم یا نسل کی حکومت، صورتًا اور معنًا، اِس زمین کے بر و بحر پر قائم ہے وہی آج 'اصلح' ہے، اور اس عظیم الشان درخت کی چوٹی پر متمکن ہونا اُسیکا طغرائے امتیاز ہے"!

(الف) کتاب خدا نے شجرے کی صورت کو نہایت بلیغ اور پُر معنی الفاظ میں ادا کیا ہے، مگر اُن کی حقیقت نااہل مسلمانوں کے ہاتھوں مدت ہوئی مسخ ہو چکی ہے۔ سورۂ نوح میں ہے: وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۙ (۷۱: ۱۷) "اور اے ساکنانِ زمین! خدائے عظیم نے تم انسانوں کو زمین سے ایک درخت کی طرح اُگایا"! گویا جب انسان کی زمین سے درخت کی مانند اُگنے کی ظاہری صورت کوئی نہیں تو ان الفاظِ وحی کے لامحالہ کوئی اور عظیم الشان معانی ہیں جن کی تعلیم دینے کے لیے ربّ بے مثال نے ایک مستقل آیت بھیجنے کی تکلیف گوارا کی۔ مگر آجکل کے مسلمانوں کو جو کسی عزیز کے مرنے پر ایک رات میں پورے قرآن کو کئی بار دُہرا کر مُردے کو ثواب پونچانے میں مشغول ہیں، قرآن عظیم کے مطالب سے کیا غرض ہے! جب ایک ایک حرف کی تلاوت پر لاکھوں نیکیاں خود بخود مل رہی ہیں تو معانی جو کچھ بھی ہوں ہوتے رہیں، اُن سے بحث کرنے کی کیا ضرورت ہے! اسی سورۃ میں ایک اور مہتم بالشان مضمون ہے جو پوری دو آیتوں میں ادا کیا گیا ہے:

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۚ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝ (۷۱: ۱۳-۱۴)

اے لوگو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اس خدائے عظیم سے عزت اور آبرو کی آس نہیں لگاتے، تم اُسکے قانون پر چل کر بہتر بن بننے کی اُمید نہیں رکھتے، حالانکہ وہی ربّ بے مثال اور وہی منعم حقیقی تو ہے جس نے تم کو کئی طریقوں، اور تخلیق کے کئی مرتبوں سے مرتقی کر کے پیدا کیا ہے، ادنیٰ مخلوق سے اعلیٰ مخلوق میں ترقی دیکر، اور ایک جبلت سے دوسری اعلیٰ جبلت میں بدلکر اشرف الخلق ہونے کا وقار بخشا ہے!

کیا 'وقارا' اور 'اطوارا' والی آیات کا ربط اِس کے سوا کسی اور معانی میں ہو سکتا ہے؟ اور کیا نوح علیہ السلام ایسا اولوالعزم نبی اس وقار کی حقیقت معلوم کیئے بغیر اپنی قوم کو خطاب کر رہا تھا؟

(ب) بنی نوع انسان کی سب مخلوق پر فضیلت خدائے عظیم کی اِس زمین پر ہر شخص کو بہر نوع واضح ہے، اور جو انسانی نسل زمین کے بر و بحر اور طیبات رزق کی مالک ہے، اُس کا تفضل بھی اظہر من الشمس ہے۔ مگر زمین و آسمان کے مالک کا کلام انسان کی فضیلت تمام عالم کی مخلوق پر نہیں مانتا، اور اسکی ناپیدا کنار آسمانی فضا میں لامحالہ کسی شریف تر مخلوق کے وجود کی گواہی دے رہا ہے، لیکن اِس نکتے کی تصدیق کے لیئے مریخ سے چشمک زنی کی سعی کرنے والے یورپ کو ابھی نہ معلوم کتنی اور صدیاں درکار ہیں! سورۂ بنی اسرائیل میں ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ (۱۷: ۷۰)

اور بیشک ہم نے بنی آدم کو اشرف المخلوق بنا کر بڑی ہی عزت دی، اُن کو اس پھیلائے زمین کے بر و بحر پر قابض کر کے صحیح معنوں میں اِس زمین کا حکمران کر دیا،

وحیات کی اِس مجاہدانہ کشمکش میں اپنی ظاہری اور باطنی قوّتوں کا مناسب اور بہترین استعمال

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۷) اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں اُنکو دیں، اور اِس کائنات عالم میں جسقدر مخلوق ہم نے پیدا کی ہے، اُن میں سے اکثر پر ان کو فضیلت عطا فرمائی۔

۱۴ "طبقات الارض کی تہوں میں میلوں کی گہرائی پر دبی ہوئی ہڈیاں نہ صرف اس مخلوق کی یادگار ہیں جو انسان سے پہلے اِس زمین پر بس رہی تھی، بلکہ زمین کے اُن طبیعی اور جغرافی، مقامی اور تخلیقی انقلابات کی سلسلہ وار سرگذشت ہیں جو نشاءِ آفرینش سے ہوتے، اور آج ہو رہے ہیں۔ گویا زمین کے تہ در تہ طبقے کتابِ فطرت کے مرتّب اوراق، اور اُن کی ہڈیاں وہ ناقابلِ محو حروف ہیں جن کی وساطت سے ماجرائے زمین کا سلسلہ وار پتہ لگ سکتا ہے۔ اسفل طبقے اعلیٰ طبقوں سے لامحالہ قدیم تر ہیں، اور اُن کے باقیماندہ آثار تکوین کے تدریجی سلسلے کی صحیح سند ہیں۔ اِن آثار کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ شجرِ ارتقا کی ابتداء سب سے نیچے طبق میں اُن نہایت ابتدائی حیوانات سے ہوئی جو محض ایک خورد بینی مضغۂ گوشت تھے، مگر سطح زمین کے نزدیک کے اعلیٰ طبق میں فرعی ارتقا، اُس شدّ ومد سے ہوا کہ بڑے بڑے جسیم اور زور آور حیوان (جن کے ڈھانچے آجکل کے بڑے سے بڑے حیوان سے بھی کئی گنا بڑے ہیں) روئے زمین پر مدتوں کثرت سے آباد رہے۔ اُن کا بالآخر سطح زمین سے محو ہو جانا، اور بظاہر ضعیف جنسوں کا لکھوکھا برس سے جاری رہنا، اس امر کی دلیل ہے کہ مزاحمت حیات میں جسمی زور یا جارحانہ قوت ہی کفایت نہیں کرتی بلکہ صلاحیتِ بقا ان کے سوا کچھ اور شے بھی ہے۔ یہ صلاحیت فطرت کی اُٹل قوتوں کا، جو بقا کی راہ میں حائل ہیں، اور جو ہر مخلوق کے بالمقابل بقدر اسکی بساط کے نبرد آزما ہیں، مستعدی سے مقابلہ کرنا ہے۔ اگر چیونٹی کی نسل باوجود اپنے ضعفِ جسم کے، ایک مدت مدید سے اس زمین پر متمکن ہے، درآنحالیکہ وہ عظیم و جلیل 'میمتھ' جو موجودہ ہاتھی سے کئی گنا بڑا تھا، تباہ ہو چکا ہے، تو اس کا باعث لامحالہ یہی ہے کہ چیونٹی نے موانع طبیعت کا مقابلہ زیادہ مستعدی اور کامیابی سے کیا ہے۔"

قرآن کریم کا تمام دستور العمل اِس حیرت انگیز اور گرانبہا حقیقت کا وہ مکمل اور آخری، وہ ناقابل ترمیم اور ناپیدا مثال مرقع ہے، جسکے بالمقابل آج اِس بیسویں صدی کے یورپ کا علم و عمل، اسکے سب معاشری اصول اور اجتماعی حکمت، اسکا علمی تفضّل اور سیاست مدن، ابجد اطفال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ یہ صلاحیت کی صحیح اور ناقابل انکار تعریف کرنا ہی اِس کتاب کا اہم موضوع ہے، اور اِسکی شہادت کتاب کے ہر ورق میں ملے گی خود آیۂ استخلاف اِس حقیقت کبریٰ کی بصراحت تمام مؤید ہے۔ فی الحال مسئلہ ارتقا کی اس شق کی تائید میں رسمًا صرف دو معنی خیز آیتوں کو پیش کیا جاتا ہے لیکن مجھے خوف ہے کہ کتاب کے اِس ابتدائی حصے میں اُنکے صحیح مطالب اخذ کرنے میں غلط فہمی نہ پیدا ہو، اگرچہ فہم مطلب کے لیئے ان کا اعادہ کتاب کے متن میں اپنے موقع پر کیا جائے گا:

وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ ۝ (۲۸ : ۵-۶)

(اُدھر فرعون اپنی فرعونیت میں مصروف تھا، کمزور اور مظلوم رعیت کے مختلف فریقوں کو ایک دوسرے سے لڑا کر اپنا اُلّو سیدھا کر رہا تھا، اور بنی اسرائیل کی بے کس قوم پر توبرتو ظلم ہو رہے تھے (۲۸ : ۴))، اِدھر ہم اس بات کے درپے تھے کہ انہی لوگوں کو جو اُسکے مُلک میں نہایت کمزور سمجھے جاتے ہیں، اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیں، ان کو قانون خدا کا پابند بنا کر زمین کے سردار بنا دیں

---

۱۵ سطح زمین کی عمیق تہوں میں مخلوقات قدیمہ کے ان آثار باقیہ کو طبقات الارض کی علمی اصطلاح میں رکاز کہتے ہیں۔ ان رکازات کی تفصیل عنقریب آئندہ تحت المتن صفحہ ۲-۲۹ میں آئیگی۔

کرتی رہی، اور حفظِ نفس کے اصل اصول پر چلکر ہر مدِّ مقابل سے فی الجملہ عہدہ برآہوئی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۸) اور بالآخر اسی سلطنت کا وارث بنائیں جس کی شیخی پر فرعون اُن سے یوں ناک بھوں چڑھاتا تھا۔ نہیں بلکہ ہم چاہتے تھے کہ انکو اِس زمین میں یکسر متمکن کردیں، اور فرعون بادشاہِ مصر، اور ہامان فدیرِ اعظم، اور اُن کے مغرور گوراشاہی سپاہیوں کو جو یوں مونچھوں پر تاؤ دیکر اینٹھے اینٹھے پھرا کرتے تھے، ایکدفعہ وہی تباہی اور زوال اُن کی اپنی آنکھوں سے دکھادیں جس کا چور اُنکے دلوں میں بنی اسرائیل کے مظلوم خستہ پُتوں کو کوڑے مارتے، اور اُن کی عورتوں اور بچوں کو بے دھڑک قتل کرتے وقت (رہا کرتا تھا! (مَّا كَانُوا يَحْذَرُونَ)

وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا ۖ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا ۖ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ ٥ (۷: ۱۳۷)

اور اس مبارک اور زرخیز سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بالآخر ہم نے اُنہی لوگوں کو کیا جو بظاہر کمزور گنے جاتے تھے۔ اور خدائے عظیم کا وعدۂ نیک تو بنی اسرائیل کے حق میں اوجِ تکمیل تک ٹھیک پونہچا، کیونکہ اُنہوں نے نہایت عزم اور استقلال سے دشمن کی سختیوں کی برداشت کی تھی، اُن کے ظلم و ستم کا مردانہ وار مقابلہ کیا تھا، اور موسیٰؑ کی قیادت میں مدافعت کے لیئے نکل کھڑے ہوئے تھے (بِمَا صَبَرُوا)، پھر ہم نے فرعون کے سب منصوبوں کو تہس نہس کردیا؛ اُس کی قوم کی سب عظمت خاک میں ملادی؛ اور جو اونچی اونچی عمارتیں وہ بنی اسرائیل کے آدمیوں کو بیگار میں پکڑ پکڑ کر بنواتے تھے، ایک اقل قلیل مدت میں خاک میں ملادیں!

کیا آج فرعون اعمال اور خون آشام یورپ کو اِس قانونِ خدا، اِس آئینِ موت و فنا، اِس تعریفِ عدمِ صلاح کو پڑھکر کچھ لرزش نہیں ہوگی؟ یا کیا بیچارہ اور مظلوم مشرق کو، اِن آیاتِ خدا کی صحیح روح جذب کرلینے کے بعد، صلاحِ عمل کی کوئی اور تعریف کردینا باقی ہے!

مسئلہ ارتقا کی آخری شق یہ ہے:

۸۔ (الف) کرۂ فلک کے اِس ناپیدا کنار محیط میں، جسکی وسعت قطعاً ناقابلِ مساحت ہے، لاانتہا عظیم و جلیل کُرے ہول انگیز فاصلوں پر ہر طرف پھیلے ہوئے اپنے اپنے مداروں پر چل رہے ہیں۔ منظار اللّون کی ناقابلِ انکار شہادت نے آج یہ بات پایۂ ثبوت تک پونہچادی ہے کہ اِن سب مجامع عوالم کی ترکیب اجزا میں وہی مشترک عناصر، ہوئے اور فلزات، شامل ہیں جو زمین پر موجود ہیں؛ کوئی نیا عنصر یا فلزی اور ہوائی مرکب ابتک اُن کے کسی حصے میں داخل ثابت نہیں ہوا۔ اِس مشاہدے سے لامحالہ ثابت ہو کہ آسمان کے سب دور اور نزدیک کُرے بشمولیت زمین، آفرینش کے محض ابتدائی مراحل میں ایک مشترک "ہیولائے فضائی" تھے جسکے مختلف حصے علحیدہ علحیدہ ہوکر، (فارق المرکز قوت کے اثر سے) ٹھوس اجسام بن گئے، اور نئے مداروں پر چلنے لگے۔ طبعی نقطۂ نظر سے **فطرت کی وحدت** اِس بنا پر ایک آشکارا امر ہے جسکے لیئے کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہیں!

(ب) اجرام سماوی سے قطع نظر کرکے پھر اگر تمام عالمِ حیات کی طرف نظر دوڑائی جائے تو فطرت کا طالب العلم لامحالہ اِس نتیجے پر پونہچتا ہے کہ ماہیتِ حیات کا راز سب روئے زمین پر ایک ہے۔ اسکا کیف و حال سب مخلوق میں اصلاً ایک ہے، اسکے لازمات اور ماجریات، تاثرات اور محسوسات ایک ہیں۔ بانی اُسکا وہ مشترک اور عالم آرا قوام ہے جسکے بغیر اس کا قائم رہنا محال ہے۔ ارتقائے حیات کے مختلف منازل میں بھی وہ شئے ہے جو ہر حال میں موجود ہے۔ اِس بنا پر **حیات** کی روئے زمین پر **وحدت** بھی ایک بدیہی امر ہے!

سلہ اِس حیرت انگیز حقیقت کو سرزمین ہند کے مشہور طبعی فلسفی (جگدیش چندر بوس) نے حال (۱۳۳۷ھ ۱۹۱۸ء) ہی میں پایۂ ثبوت تک پونہچادیا ہے۔

وہی قانونِ طبعی کی اصطلاح میں صالح ہے، وُہی مستخلف فی الارض اور غالب ہے، وہی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۹) (ج) مشاہدہ فلک نے ثابت کردیا ہے کہ ہیولائے فضائی "سب کا سب ابھی ختم نہیں ہوا، بلکہ مختلف شکلوں میں، بعض مجامع النجوم کے گرداگرد، فضائے اثیری میں پڑا چکر لگا رہا ہے۔ اس بنا پر تخلیق عالم کا سلسلہ بھی ختم نہیں ہوا، بلکہ روز بروز نئے کُرّے وجود میں آرہے ہیں، یا پُرانے نسیاً منسیاً ہو کر ہیولائے فلک بن رہے ہیں۔ الغرض یہ سب تعمیر و شکست ایک بے پایاں سلسلہ ہے جس کا، کوتاہ نظر انسان کے محدود علم کے رو سے اٹل نتیجہ ایک ہی ہے؛ اور وہ یہ کہ تمام کائناتِ فطرت ایک ہے، اسکی علۃ العلل ایک ہے، صورتِ اتحاد ایک ہی، نسخہ حیات ایک ہی، رازِ ممات ایک ہی، نظم و نسق اور مطلع بے مثال ایک ہے"!

وحدتِ کائنات کا یہ ہوش رُبا انکشاف مغرب کے حکمائے عظام کو آج اِس جانگزا تلاش اور قرنوں کے پیہم مشاہدے کے بعد حاصل ہوا ہے جسکی مثال سطحِ زمین کا کوئی گذشتہ قرن حتماً پیش نہیں کرسکتا۔ مگر اسی عالم آرا اور حقیقت کشا توحید کا اعلان تیرہ سو برس پہلے اس پہنائے زمین پر ریگستانِ عرب کے اُمّی پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھوں اس شدّ و مد سے ہوا کہ دنیا اُس نتیجہ خیز یقین کی مثال پھر پیدا نہ کرسکے گی۔ آج اس توحید کے رسمی نام لیوا اگرچہ اُسی خدائے واحد کے اٹل قانون کے مطابق مٹ رہے ہیں۔ مگر خدا کا نوشتہ اٹل ہے، اور یورپ کے تثلیث سے بیزار، اور قرآن سے ناآشنا طبعی فلسفی تحسین و آفرین کہتے ہوئے نہ جانے کیا کیا معنی خیز سوال کر رہا ہے! سورۂ انبیاء میں ہے:

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ (۲۱: ۳۰)

اے پیغمبر! کیا قانونِ خدا اور خدا کے منکروں نے، انکار کرتے وقت، اس عظیم الشان حقیقت پر نظر نہیں کی کہ آسمانوں کے لاانتہا کُرّے بشمولیتِ زمین، پیدائش کے ابتدائی مراحل میں، باہم ملے ہوئے تھے (كَانَتَا رَتْقًا)، ان کے مواد کا باہمی انضمام اور اتصال تھا (كَانَتَا رَتْقًا)، ان کا ہیولا ایک تھا (كَانَتَا رَتْقًا)، پھر ہم ہی نے اُس ہیولائے فضائی کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے اس حیرت انگیز سلیقے اور ترتیب اس محیر العقول نظم و نسق کے ساتھ آسمان اور زمین کو بنایا (فَفَتَقْنَاهُمَا)۔ اور تمام عالم کے سب بالا و پست میں وحدتِ کائنات اور وحدتِ خدا کی عینی اور ناقابلِ انکار، زندہ اور لازوال شہادت قائم کردی! اور یہی نہیں بلکہ ہم ہی نے ہر ذی حیات شئے کی حیات کا قوام پانی سی عام اور مشترک شئے سے کرکے، تمام عالم کو وحدتِ حیات اور وحدتِ خلّاق کا بدیہی ثبوت دے دیا! تو کیا اب بھی یہ لوگ اُس خدائے عظیم کی وحدت، اُسکی لامثالیت، اُسکی لاشریک حکومت، اُس کے عالم آرا تسلّط، اُس کی عظیم کاری اور نظم پسندی پر ایمان نہیں لاتے؟

کیا آج سے تیرہ سو چالیس برس پہلے، جب کہ زمینِ خدا کے طول و عرض میں مغرب کی موجودہ علمی تحقیق کا نام و نشان تک نہ تھا، جب جہل و وہم کی گھٹا ٹوپ ظلمت سب طرف یکسر چھائی ہوئی تھی، پہنائے بر و بحر کی سب سے جاہل، سب سے بے علم، مغلوب الوہم اور بے ہنر قوم کا ایک اَن پڑھ، یتیم، اور مظلوم بشر اپنے زورِ مشاہدہ سے، اپنے خداداد علم، اور قلبِ سلیم کے باعث سب دوربینوں اور خوردبینوں سے بے نیاز ہو کر ملکوتِ زمین و آسمان کا وہ یکتا اور فرید الدہر عالم نہ بن گیا تھا جس کا اندازہ آج لگاتے ہوئے ہوش پاش پاش ہوجاتے ہیں! اور کیا وہ ان آیاتِ خدا کے قلب پر نازل ہوتے وقت اُس صاحبِ کبریا و جبروت سے، جو اس کائناتِ جہان کا باعثِ اول ہے، دو گز بلکہ اس سے بھی قریب تر بیٹھا ہوا گردوں کے اُفقِ اعلیٰ کا تماشا بچشمِ خود نہ دیکھ رہا تھا؟ سورۂ نجم میں اللہ العالمین کی طرف سے اس یتیم بچے کو یہی سند ملی ہے جس کی شہادت آیۂ رتق کے اس حیرت انگیز انکشاف کے بعد مغرب کا ایک ایک حکیم بے اختیار دیگا!

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۝ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۝ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ ۝ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۝ أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ (۵۳: ۱-۱۲)

مرتقی، متمکن، اور صحیح معنوں میں زور آور ہے۔ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو آج وہ عظیم الجثہ اقبال

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۰) اے صحنک زمین کے بے خبر بسنے والو! اور اے عظمت خدا کے ناقدردان بندو! بام آسمان کا وہ بلندیوں پر ٹوٹنے والا ستارہ جو شکست کے آخری مرحلوں سے گذر کر تم سے بدرجہا زیادہ قانون فنا و بقا سے باخبر ہو گیا ہے، اس بات کا شاہد ہے (وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى) کہ تمہارا رفیق محمدؐ نہ تو غلط چل رہا ہے، اور نہ کچھ بہک گیا ہے۔ وہ زمین و آسمان کے جو جو حقائق عالیہ تمہارے سامنے بول رہا ہے، کچھ اپنے وہم اور خواہش نفسانی سے نہیں بولتا، بلکہ وہ سب کے سب آسمانی انکشاف ہیں جو اس پر کیے جاتے ہیں؛ وہ خدائی آواز ہے جو اوج آسمان سے بول رہی ہے۔ اسکو یہ سب علمی اور حکمی معارف شدید القوی اور غالب الامر خدا نے خود سکھائے ہیں! اسی علم کے زور اثر سے وہ آج، اوج کمال پر پونہچکر، افق اعلیٰ پر متمکن ہے (فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى) فلک الافلاک کی بلندیوں پر جم کر بیٹھا (فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى) ملکوت خدا کا تماشا کر رہا ہے! نہیں، بلکہ وہ اس سے بھی بلند تر ہو کر آستانۂ ازل تک کے عرش تک پونہچ گیا ہے (ثُمَّ دَنٰى)، اور اس آستانہ کبریا و علم پر جبین نیاز گھستے گھستے (فَتَدَلّٰى) بقدر دو کمان بلکہ اس سے بھی کم فاصلے پر رہ گیا ہے! پھر جب وہ علم اور عجز، مشاہدہ اور ارادت، استعداد اور نیاز، ذوق اور شوق کے اس مقام منیع تک پونہچ چکا، تب کہیں اس ایزد بیمثال نے اپنے بندے کو وہ بات وحی کی جو تمہارے سامنے ہے! (فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى) بے خبرو، اور ناحقیقت شناس لوگو! ذہن اور قلب سلیم (فُؤَادُ) نے جو حقیقت حال دیکھی اس میں محمدؐ کو کچھ دھوکا نہیں ہوا، تو کیا تم لوگ قرآن حکیم کے ان برحق نتائج کے متعلق جنکی حقیقت اسنے بچشم خود دیکھی ہے، اس سے جھگڑا کرتے ہو (اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى)۔

کیا اس سے بہتر اور قائم تر معراج علم و کمال آج تک کسی بڑے سے بڑے یورپی فلسفی، بڑے سے بڑے حکیم، بڑے سے بڑے طبعی کو حتماً حاصل ہوا ہے؟ کیا جہل و وہم، ظن و گمان کے عالم آرا ماحول میں اتنی وسیع نظری، ایسی صاف بینی، اسقدر بلند نگہی، ایسے حقیقت کشا انکشاف کا حاصل ہو جانا، العیاذ باللہ، کسی دہوکہ باز، بے علم، نفس پرست اور جاہ طلب آدمی کا کام ہو سکتا ہے؟ کیا آیۂ رتق (۲۱ : ۳۰) آیۂ مستودع (۶ : ۹۹) آیۂ نبات (۷۱ : ۱۷)، آیۂ سافلین (۹۵ : ۵) وغیرہ وغیرہ کا مضمون آج سے صدیوں پیشتر اس سید کائنات، اس حقیقت شناس اور خداشناس اس خیر الوریٰ اور اعلم الناس بشر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے سوا کسی اور مدعیٔ علم کسی دوسرے معلم حکمت، کسی ارسطاطالیس، یا افلاطون زماں کے منہ سے نکلا؟ کیا وہ مغرب کا سب سے بڑا "معلم الحکما" ارسطو (المتوفی سنہ ۳۲۱ قبل مسیح) جس کی حکمت اور پیش بینی پر آج یورپ بھی اپنی ہٹ دھرمی اور تعصب کے باعث اسقدر نازاں ہے، اور جسکی علم فطرت کے متعلق ہولناک غلطیوں کی عجیب غریب تاویلیں پیش کر کے اس کے جہل پر پردہ ڈالنے کی سعی کر رہا ہے، فیثاغورس (المتوفی سنہ ۵۰۰ قبل مسیح) کے دو سو برس پیشتر کے صحیح دعاوی کے باوجود، زمین کو مرکز عالم قرار دینے، اسکو ساکن اور شمس و قمر کو اسکے گرد متحرک بتانے، اور بہتائے آسمان کو خالی فرض کر کے نجوم کو آسمان کے بلوری کروں میں نصب کیا ہوا یقین کرنے میں وہ مہلک غلطی، وہ المناک نادانی، وہ مضحکہ انگیز سوقیانہ کلام نہیں کر رہا تھا جسکے زیر اثر دنیا، کاپرنیکی نظام (سنہ ۹۳۶ھ سنہ ۱۵۳۰عیسوی) کے شائع ہونے تک، کامل اٹھارہ سو برس تک پڑی بھٹکتی رہی؟ اور کیا وہ پھر اس فخر موجودات، اس حکیم عرب، اس مکی اور مدنی معلم الناس اور متعلم خدا کا لایا ہوا معجز نما کلام نہ تھا جسنے کاپرنیکس (المتوفی سنہ ۹۴۹ھ سنہ ۱۵۴۳ء) کے موجودہ مسلم نظام سے کامل نو سو برس پیشتر نا اہل مسلمان کی ناقدردانی اور نارمز شناسی کے باوجود، زمین کو بلکہ بلا استثنا تمام اجرام سماوی کو متحرک قرار دے کر ارسطو کی شرارت انگیز حکمت کا یکسر قلع قمع کر دیا تھا:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ (۳۹ : ۵)

اور الجسیم الجسد اژدہے جو قرون خالیہ میں روئے زمین پر اس کثرت سے آباد تھے متسلّط

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱) لوگو! اُس رب بیمثال نے ہی آسمان کے لاانتہا ستاروں (السَّمٰوٰت) اور زمین کے عظیم الشان کُرے کو پیدا کیا، اور اب روز روزان اجرام سماوی کی حیرت انگیز ترتیب اور قت طلوع وغروب کی تعیین سے رات کی ظلمت آرا چادر کو دن کے روشن جسم پر لپیٹ دیتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ دن کے نورانی حجاب کو رات کے سیاہ جسم پر اوڑھ دیتا ہے۔ اور بڑی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ سورج اور چاند جیسے عظیم و جلیل کُروں کو اُسنے اپنی مرضی کے تابع، اپنے حکم کا محکوم، اور اپنے اشارے پر مجبور کر رکھا ہے (سَخَّرَ)۔ یہ سب آسمانی کُرے، یہ شمس و قمر، یہ سماوات، اور زمین سب کے سب (كُلٌّ) ایک مدت مقرر تک حرکت کر رہے ہیں (يَجْرِىْ) اور منشائے ایزدی کو پورا کر رہے ہیں۔ لوگو! بگوش ہوش سُن رکھو کہ وہ خدائے بے ہمتا بڑا غالب القوی (اَلْعَزِيْزُ) اور بڑا پردہ پوش (الْغَفَّارُ) ہے۔

کیا پھر دشمن کی حُجت کو یکسر توڑنے اور اسلام کے عالم آرا فلسفے کو ارسطاطالیسی نظام سے بدرجہا بلند اور عمیق تر جتلانے کے لیئے اُس نے اسی يَجْرِىْ کے قدرے مشکوک لفظ کی ناقابل انکار تشریح، آیہ رتق (۲۱: ۳۰) کے مابعد کرکے یہ دعوٰے نہ کیا تھا کہ ”سَمٰوٰت“ اور زمین، اور شمس اور قمر سب کے سب بلا استثنا اپنے اپنے ”فلک“ اور اپنے اپنے مدار میں پڑے چل رہے ہیں، اور اَلسَّمَآءُ سے مراد (”السَّمٰوٰت“ اور ”فلک“ کے قرآنی مفہوم سے قطع نظر) وہ ”محفوظ“ اور ناقابل درک، وہ نادست رسیدہ اور نانظر یافتہ ”چھت“ ہے جسکے نیچے یہ سب ہنگامہ کائنات ہو رہا ہے، اور جسکے محفوظ ہونے کا آج تمام یورپ قائل ہو چکا ہے:

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاۗءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۠ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا السَّمَاۗءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ښ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝ (۲۱: ۳۰-۳۳)

اے پیغمبر! کیا منکرین خدا نے اس حقیقت پر نظر نہیں کی کہ آسمان کے لاانتہا کُرے (السَّمٰوٰت) اور زمین پیدائش کے ابتدائی مراحل میں ملے ہوئے تھے (كَانَتَا رَتْقًا)، پھر ہم نے اِن دونوں کو آپس سے الگ الگ کر دیا، اور سب زندہ اشیا کا قوام پانی بنا دیا۔ تو کیا یہ لوگ اس حیرت انگیز انکشاف کے بعد بھی خدا کی توحید پر ایمان نہ لائیں گے؟ اور ہم ہی نے زمین میں عظیم الشان پہاڑ اپنے اپنے موقع پر ڈال دیئے کہ زمین (اپنی حرکت میں) انکو لیکر ایک طرف کو نہ جُھک جائے (اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ)، اور اسکا مرکز ثقل قائم رہ سکے، اور کشادہ راہیں اُس میں بنا دیں کہ لوگ راہ پا سکیں۔ اور آسمان (السَّمَآءَ) کو ایک مضبوط اور ناقابل شکست ”چھت“ بنا دیا، اسکے ہر حصے کو انسان یا دیگر مخلوق کے دست تصرف سے ہمیشہ کے لیئے محفوظ کر دیا (سَقْفًا مَّحْفُوْظًا)؛ خدا کی اس حیرت انگیز مضبوط کاری اور حفاظت پسندی کو دیکھنے کے باوجود لوگ اس کے حفظ و امان دینے والے احکام سے گریز کرتے ہیں۔ اور لوگو! وہ خدا ہی تو ہے جس نے رات اور دن کی عظیم الشان حقیقتوں کو نیست سے ہست کیا، اور شمس و قمر کے عظیم الشان کُروں کو پیدا کیا۔ یہ سب کُرے، یہ شمس و قمر، یہ سموات اور زمین، یہ لیل و نہار اپنے اپنے مداروں میں پڑے تیر رہے ہیں!

کیا جبالِ زمین کے قیام کی یہ حیرت انگیز تشریح موجودہ علم جرّ ثقیل کے اُس اصولی ضابطے، اور علم التجمیعات (انٹیگرل کلکولس) کے اُس اساسی قاعدے کے بالمقابل حرف بحرف پوری نہیں اُترتی، جسکے رُو سے کسی دوّار جسم کے مرکز ثقل کا محور پر واقع ہونا، اُسکی یکساں اور ہموار حرکت کے لیئے لابدی ہے، اور جسکے بدون اُس محور کا، اُس جسم کا، بلکہ جسم کے اجزا کا ہر دم لڑکھڑاتے رہنا اٹل ہے کیا ”اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ“ کے بعد ”كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ“ کا دعوٰے خود اس امر کی روشن دلیل نہیں ہے کہ بطلیموسی اور ارسطاطالیسی نظام ایک لغو نظام تھا، جسکی تقلید ساکنانِ زمین نے صدیوں تک غلط اُصول پر کی! اور جب ہر جرم فلکی کا ایک علٰحدہ مدار (فلک) ہے تو لامحالہ زمین بھی اپنے مدار پر چل رہی ہے اور یکساں حرکت سے

ہو جاتے اور حضرت انسان کے لئے گز بھر جگہ میسر نہ ہوتی۔ چیونٹی سے لیکر ہاتھی اور کنجشک

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲) چل رہی ہے! نہیں کیا خود کا پرنیکی نظام کے اندر، جس کے اہم حصّوں کو آج یورپ نے پایۂ ثبوت تک پہنچا کر تلاش حقیقت میں کامیاب ہونے کا سہرا ہمہ تن اپنے سر پر رکھا ہے، اور جسکی بعض شقوں پر نادیدہ ایمان بلا حیل و حجت قریباً تین سو برس تک قائم رہا، کیا خود اس نظام کے اندر سورج کے ساکن فرض کر لینے کی وہ شرمناک غلطی کئی قرنوں تک نہایت التزام کے ساتھ جاری نہ رہی جس کو ہرشل (المتوفی ۱۲۳۷ھ=۱۸۲۲ء) نے، مدۃ العمر مشاہدے کے بعد ابھی پورے ڈیڑھ سو برس نہیں گذرے، ۱۱۹۷ھ=۱۷۸۳ء میں ان معرکۃ الآرا الفاظ میں درست کیا:۔

"سورج مع اپنے تمام نظام شمسی کے خود ایک دور و دراز مرکز کے گرد چل رہا ہے اور موجودہ اوقات میں اس کی سمت حرکت ایک مجمع النجوم کی طرف ہے جس کا نام "الجاثی علیٰ رکبتیہ" (ہرکولیس) ہے۔"

آہ! کیا پھر اسی عظیم الشان حقیقت اور محیر العقول صداقت کو محمّد (صلعم) کے لائے ہوئے قرآن عظیم نے کامل بارہ سو برس پیشتر "کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ" کے عالم آرا الفاظ کے علاوہ (جس سے لامحالہ سورج کا کسی مرکز کے گرد چلنا ظاہر ہے) انہی شاندار اور شرمندہ کن الفاظ میں بصراحت تمام بیان نہیں کیا جن کو دُہرانے پر قرآن سے بیخبر اور محمّد (صلعم) سے ناآشنا ہرشل قطعاً مجبور ہو گیا تھا!

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (۳۶: ۳۸)
وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ۞ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ۞ (۳۶: ۳۹-۴۰)

اور آفتاب ہے کہ اپنے کسی ایک جائے قرار کی طرف برابر چلا جا رہا ہے! لوگو! اُس قاہر القوی اور غالب العلم خدا کا باندھا ہوا اندازہ اس عظیم الشان شعلۂ نور کے حق میں یہی ہے (جس سے اِدھر اُدھر ہٹنے کی اُس بیچارے میں کچھ طاقت نہیں۔)

اور چاند کی حرکت کی ہم ہی نے منزلیں مقرر کر دی ہیں تو وہ اس انداز سے کہ اُس کا روشن حصّہ گھٹتے گھٹتے ایسا ٹیڑھا اور پتلا رہجاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی سوکھی ہوئی ٹہنی۔ نہ تو سورج بیچارے میں طاقت ہے کہ اپنے سے کمزور چاند کو لپک کر پکڑ لے، نہ رات ہی سے بن پڑتا ہے کہ دن سے پہل کرے۔ اور یہ اجسام سب کے سب (بشمولیت زمین جسکا ذکر (۳۶: ۳۳) میں ہوا) اپنے اپنے فلک، اور آسمان میں پڑے تیر رہے ہیں!

ہاں! لیکن اُس عزیز و علیم ہستی کے بالمقابل، جسکے دست قدرت میں سورج کا زمین سے تیرہ لاکھ گنا بڑا کرہ محض بیچارہ ہے، غریب ہرشل کی کیا بساط تھی کہ علم میں مسابقت کرتا!

مسئلہ ارتقا کی آخری شق کے تیسرے حصّے (ج) کے متعلق بھی قرآن میں وہ فیصلہ کن شہادت موجود ہے جس سے خدائے عظیم کے متعلق تعطل کا نظریّہ، (جس کا فلسفہ داں ابن باجہ اسقدر قائل تھا)، محض ساقط ہو جاتا ہے۔ "خَلَقَ" کا لفظ قرآن کریم میں ہر قسم کی مخلوق کی پیدائش کے متعلق استعمال ہوا ہے۔ خود اسی تحت المتن میں یہ اصطلاح اِنْسَان (۹۵: ۴) صفحہ ۱۳، (۳۷: ۱۱) صفحہ ۱۵، (۵۵: ۱۴) صفحہ ۱۵، (۷۱: ۱۴) صفحہ ۱۷، (۳۲: ۷) صفحہ ۱۴)، اَلسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (۳۲: ۴) صفحہ ۱۴، (۴۰: ۵۷) صفحہ ۱۵، (۳۹: ۵) صفحہ ۲۱)، لَیْلَ وَنَهَارَ شَمْسَ وَقَمَرَ (۲۱: ۳۳) صفحہ ۲۲) بلکہ آیہ (۲۰: ۵۰) صفحہ ۱۱ میں بلا تخصیص ہر شئے کی پیدائش کے بارے میں مستعمل ہوئی ہے۔ اس نقطۂ نظر سے خدا کے ابداء و اعادۂ خلق کے متعلق وہ تمام دعاوی جو قرآن میں جا بجا موجود ہیں، کسی ایک قسم کی مخلوق، (مثلاً انسان یا حیوانات یا نباتات) تک ہی محدود نہیں ہو سکتے، بلکہ ان سے مراد ہر قسم کی مخلوق کا بار بار پیدا کرنا ہے۔ اور جس میں لامحالہ نئے سمٰوات، نئے ستاروں اور نئے کروں کی پیدائش شامل ہے۔ یہاں پر ایک دو موقعے قابل ذکر ہیں۔ سورۂ یونس میں ہے:

سے لیکر انسان تک جو جو نسلیں اِس وقت تک قائم ہیں اُن میں صلاحیت عمل کم و بیش باقی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۳) قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ (۱۰: ۳۴)

اے پیغمبر! اِن لوگوں سے کہو کہ کیا تمہارے شریکوں اور ٹھیرائے ہوئے خداؤں میں کوئی ایسا بھی ہے جو مخلوق کو نیست سے ہست کرے اور پھر بار بار نئی مخلوق پیدا کرتا رہے؟ ان کو کہو کہ خدا ہی مخلوق کو نیست سے ہست کرتا ہے اور پھر اُسکو بار بار پیدا کرتا رہتا ہے تو تم کدھر کو بہکے چلے جا رہے ہو!

سورۂ عنکبوت میں یہی اشارہ ذرا واضح تر ہے، کیونکہ اعادۂ خلق کے عینی مشاہدے کی ترغیب دی گئی ہے، اگرچہ اِس 'خلق' سے مراد مخلوق زمین ہی ہے:

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (۲۹: ۱۹-۲۰)

کیا منکرینِ خدا نے اِس بات پر نظر نہیں کی کہ خدا مخلوق کو کس طرح نیست سے ہست کرتا ہے اور پھر اُسکو بار بار پیدا کرتا ہے۔ بہیں شک نہیں کہ یہ سب کام (یعنی ابدا اور اعادہ) خدا پر بیحد آسان ہے۔ ان کو کہو کہ جاؤ زمین کے طول و عرض میں جا کر تماشا کرو کہ خدا نے مخلوق کی ابتدا کیونکر کر دی ہے۔ پھر وہی خدا ان سب کو نیست کرکے ایک دوسری پیدائش کی ابتدا (يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ) کرے گا۔ اِس میں شک نہیں کہ خدا ہر شے پر قادر ہے! (آیہ (۲۹: ۱۹) اِس دنیا میں مخلوق کے اعادے کے متعلق ہے اور (۲۹: ۲۰) آخرۃ کے اعادے کے متعلق ہے)

سورۂ روم میں اعادۂ خلق کے ساتھ ساتھ سموات اور زمین دونوں کا ذکر کرکے نوع مخلوق کو اور بھی عام کر دیا ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (۳۰: ۲۷)

لوگو! وہی رب قدیر تو ہے جو مخلوق کو نیست سے ہست کر رہا ہے پھر اُسکو بار بار پیدا کرتا ہے، اور یہ سب کچھ اُسکے لئے بیحد آسان ہے! اور آسمانوں اور زمین میں اُسکی اِس عظیم الشان طاقت کی دھاک بندھی ہوئی ہے، اور وہ خدا بڑا غالب القویٰ اور صاحب حکمت خدا ہے جو ایسا کر سکتا ہے!

آسمانوں میں قوت کی دھاک تبھی بیٹھ سکتی ہے، جب وہاں بھی تخلیق کا سلسلہ اُسی طرح جاری ہو جیسے یہاں پر ہے۔ لیکن ان شہادتوں سے قطع نظر جن کے مطالب میں مفسرین نے تاویل کی بہت کچھ گنجایش اختیار کرکے اُن کو متشابہ المعانی بنا دیا ہے، اور جن کے صحیح اور مربوط معانی اپنے اپنے موقع پر کتاب کے متن میں آئینگے، اور شہادتیں بھی ہیں جنسے لامحالہ ثابت ہوتا ہے کہ آسمان و زمین کا خلاق عظیم اُن کی پیدایش کے بعد بھی نئے مہمات امور میں مصروف ہے، اور روز بروز نئے عظیم الشان کام کر رہا ہے۔ سورۂ الرحمٰن میں ہے:

يَسْـَٔــلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ۝ (۵۵: ۲۹)

لوگو! جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے سب اُسی کے آگے ہاتھ پھیلا رہا ہے، اُسی کا محتاج اور سوالی ہے۔ وہ بیکار اور معطل خدا نہیں بلکہ آئے دن کسی نہ کسی عظیم الشان کام میں مصروف ہے!

یَوم کی تشریح پہلے گذر چکی ہے جس سے ظاہر ہے کہ 'کام' بھی نہایت عظیم الشان ہونا چاہیئے۔ خدا کے بیکار نہ رہنے کے متعلق سورۂ قٓ میں بھی ایک پر معنی اشارہ ہے جس سے نتیجہ اخذ کرنا کچھ مشکل نہیں کہ خدا ہر دم نئی تخلیق میں مصروف ہے اور تعطل کا دعوے محض باطل ہے:

ہے۔ اگر افریقیہ کا قصیر الجسم ہاتھی رفتہ رفتہ کشمکشِ حیات سے شکست کھاکر معدوم ہوچکا ہے"

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۴) وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ (۵۰: ۳۸)
اور لوگو! بالتحقیق ہم ہی نے آسمانوں اور زمین کے اِس حیرت انگیز کارخانے کو، اور جو عظیم الشان کُرے اور زندہ مخلوق
اِن کے درمیان ہے اُسکو چھ بڑے مدید الوقت دنوں میں پیدا کیا، اور باوجودیکہ کام اسقدر تھا کہ اسکو دیکھکر عقل ششدر ہے!
اور مدّت یہ دراز تھی کہ تمہارے وہم و گمان میں نہیں آسکتی، لیکن ہماری یہ حالت ہو کہ تھکاوٹ نے ہم کو چھوا تک نہیں، اور ہم
برابر اُسی طرح نئے کاموں میں مشغول ہیں۔

نوعیتِ خلق کے متعلق سورۂ نحل میں ہے: وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۱۶: ۸) "اور وہ خدائے عظیم اُن اشیا کو بھی پیدا کر رہا ہے جن کا تم کو سِرے سے علم ہی نہیں" جس سے کنایۃً بظاہر اُس مخلوق سمٰوٰت کی طرف معلوم ہوتا ہے جس کا علم حاصل کرنا کوتاہ بین انسان کے لیے ممکن نہیں۔ بہر نوع یہ تمام اشارات اِس امر کی مجموعی شہادت ہیں کہ زمین و آسمان کا ربِ لم یزل تخلیقِ کائنات کے بعد "تدبیرِ امر" میں ہی مصروف نہیں جس کا ذکر آیۂ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ (۳۲: ۵) صفحہ ۲۴ میں آچکا ہے بلکہ ہر قسم کی تخلیق کے نئے مہماتِ امور میں مشغول ہے اور جن میں نئے آسمانی کُروں کی پیدائش بھی شامل ہے۔ یہی مذہب آج یورپ کے طبعی حکما کا ہے، اور اُس لایزال و لم یزل خدا کے شایانِ شان بھی یہی ہے کہ ہر لحظ کچھ نہ کچھ کرتا رہے۔ جو لوگ اسکو آجکل کے کسی عیش پرست حکمران کی مانند سریرِ حکومت پر معطّل اور مسند آرا سمجھتے ہیں، اُنکی شناسائی اُس احکم الحاکمین سے بہت کم ہے، اور معرفت کی پہلی بلکہ آخری منزل یہی ہے کہ اعمالِ خدا کا صحیح اور برای العین علم ہو، اسکی عظمت اور طاقت کا صحیح اندازہ ہو، اُس کے معمول سے پوری واقفیت، اور عادات کی کماحقّہٗ شناخت ہو۔ مگر یہ بحث بجائے خود ایک مستقل موضوع ہے جسکا یہاں پر چھیڑنا ضروری نہیں۔

مختصر الفاظ میں ڈارون کے مسئلہ ارتقا کا دعوٰے یہ ہے جسکی شرح و بسط اوپر ہوئی۔ جو قرآنی شہادتیں اِس مسئلے کی تائید میں پیش ہوئیں، اُنکی بحث دراصل "علم القرآن" کے متعلق ہے، جو اِس کتاب کا اخیر ترین حصہ ہے۔ اُن کا یہاں پر لکھ دینا کم از کم ایک ایسی کتاب کے لیے جسکا منتہا علم و یقین کی طرف بالدلیل اور بتدریج رہنمائی کرنا، اور فرض و اعتقاد کے عنصر کو بیدخل کرکے قرآن کو سب انسانی علم سے بالاتر اور عالم آرا حقیقت ثابت کر دینا ہو، بہت کچھ پیش از وقت ہے۔ ہم نے اِس تصنیف کے ابتدائی اوراق میں اِن مباحث عالیہ کو محض اسلیئے جا دی ہے کہ کلامِ الٰہی کے اُن متلاشیوں پر جو اسکی ہر آیت میں ایک مستقل حقیقت کے موجود ہونے کا یقین رکھتے ہیں، مسئلۂ ارتقا کی اہمیّت (جو فی الحقیقت انسانی علم کا معراج ہے) ایک حد تک واضح ہو جائے، اور ساتھ ہی اُن علمائے علمِ فطرت کے ذہنوں میں جو قرآن کو لاشئے سمجھکر اُس سے بیزار ہو گئے ہیں، اِس عجیب و غریب کتاب کی دقّتِ مطالب اور عمقِ نظر کا اندازہ ابتدا سے ہو جائے۔ وہ آیندہ اوراق میں بچشم خود دیکھیں کہ قرآن کسقدر اِس عظیم الشان مسئلے کا مؤیّد ہے، اسکا دستور العمل کہانتک اِس حقیقتِ کبریٰ کے عین مطابق ہے۔ اُس کا تمام لائحہ عمل کیونکر "حفظِ نفس" کے منتہائے وحید کی طرف جا رہا ہے، کس انتہائی شدت سے "اجتماعی سلامتی" کے درپے، اور "انفرادی سعی و عمل" کا مؤیّد ہے۔ نہیں بلکہ جوں جوں اُنکا علم قرآن کے حقائقِ عالیہ کے متعلق وسیع ہوتا جائے، وہ آجکل کے رسمی اور لفظی اسلام کو نظرانداز کرکے اُس یقین انگیز اسلام کی ماہیّت کی طرف متوجہ ہوں جس نے ایک عالم کے اعمال اور اخلاق میں انقلابِ عظیم پیدا کر دیا تھا، جس نے افراد کے دلوں میں وہ ہیجانِ عمل، وہ سلیقۂ نظم و نسق، وہ اتحاد اور ارتباط جاری کر دیا تھا جو ابتدائے آفرینش سے آجتک سرزندہ اور مرتقی قوم کا خاصّہ ہے۔ وہ اِس حیرت انگیز کتابِ الٰہی میں بطور خود وہ عظیم الشان اصولِ فنا و بقا دیکھیں جن کا اجرا روزِ اوّل سے صفحۂ زمین پر ہو رہا ہے جن کی تاریخ بزبانِ حال شاہد ہے، جن سے قومیں فلک الافلاک پر چڑھ جاتی ہیں یا تحت الثّرٰے میں گر کر ملیا میٹ ہو جاتی ہیں۔ اِس نقطۂ نظر سے یہ تحت المتن جسکی طوالت کا اندازہ مصنف نے کتاب کی تحریر کے وقت نہیں کیا تھا اور جو بعد میں فرمایش پر لکھا گیا، محض ایک ابتدائی تحریر ہے جس کا محولہ بالا اوراق کے نفسِ موضوع سے تعلق ابھی عیاں نہیں ہو سکتا، اور نہ مسئلہ ارتقا کو صحیح فرض کرکے قرآن کی صحت کو ثابت کرنا ہمارا پیشِ نہاد ہے۔

یا امریکہ کا ہندوئے احمر منقطع النسل ہونے کو ہے تو مسئلہ ارتقا کے رو سے اُن کی مدافعانہ جدّوجہد

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۵) کتاب کے متن کا سلسلہ استدلال بجائے خود ایک مستقل شئے ہے جسمیں اِس تحریر کو چنداں دخل نہیں البتہ اگر کتاب خدا کا علم، اِن مباحث کے ضمن میں مسئلہ ارتقا کو اپنی آغوش میں لیکر اپنے آپ کو یورپ کے اُس علم سے بدرجہا وسیع تر ثابت کردے جس کے باعث وہ آج اوج کمال پر چڑھ گیا ہے تو منکرین کیلئے یہ معجزہ خود قرآن کے منجانب اللہ ہونے کی روشن اور نا قابل انکار دلیل ہے!

مسئلہ ارتقا کی بحث آیۂ استخلاف کے الفاظ "عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" سے شروع ہوئی تھی "عمل صالح" کی مکمل اور نا قابل انکار تشریح کردینا فی الحقیقت قرآن کے تمام دستور العمل کو از سرِ نو آشکارا کرنا ہے۔ اور یہ "صلاحیت عمل" ہی مسئلہ انتخاب طبیعی کی وہ مضبوط اساس ہے جس پر اقوام کے بقا و استخلاف کا سب دارومدار ہے۔ پس آج اِس علم و شہادت کے زمانے میں قرآن کریم کا طبعی تعلق اِس مسئلے سے ہے، اگرچہ حکمائے مغرب کو اِس کا علم نزول قرآن کے صدیوں بعد حاصل ہوا ہو۔ یا "صالحات" کے عظیم الشان لفظ کے معانی قرنوں تک بگڑتے بگڑتے نہایت محدود، یا قطعاً محجوب ہوگئے ہوں، اور اپنا اصلی اثر کلیۃً کھو چکے ہوں! یہ حقیقت اور بھی واضح تر اس وقت ہوجاتی ہے جب کلام الٰہی کا طالب العلم کامل غور و تعمق کے بعد لامحالہ اِس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ قرآن کریم درحقیقت اقوام عالم کے فنا و بقا کے اسباب کی مکمل داستان ہے جو شارع کائنات نے تذکیر و اعتبار کے لیئے انسان کے حوالے کردی ہے۔ اور جسکے لائحہ عمل کو نباہنا دراصل اِس روئے زمین پر اپنی مدت قیام کو دراز کرنا ہے۔ سورہ ملک میں مالک زمین و آسمان نے اِس حقیقت کو بوضاحت تمام بیان کرکے موت و حیات کے سوال کو خاتمہ کردیا ہے:

الَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَ الۡحَیٰوۃَ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡغَفُوۡرُ ۙ (۶۷ : ۲)

لوگو! وہ وُہ مالک الملک اور صاحبِ اختیار خدا ہے جس نے اجتماعی موت و حیات کے قانون کو رائج کردیا ہے تاکہ اِس بات کی آزمایش کرے کہ تم میں سے کونسی قومیں حُسن عمل کرتی ہیں؛ جبتک صالح ہیں اُن کو بقا نصیب کرے؛ جب غیر صالح بن جائیں اُن کو صفحۂ زمین سے یکسر محو کردے! اور لوگو! یاد رکھو کہ وہ شارع کائنات بڑا زبردست اور بڑا شدید العقاب (اَلۡعَزِیۡزُ) ہے، اور تائب اقوام کے اجتماعی عیوب پر بڑا پردہ ڈالنے والا بھی ہے (اَلۡغَفُوۡرُ)۔

آج اِس مسئلہ ارتقا کی تائید و تثبیت انسانی علم و یقین کے قریب قریب ہر شعبے نے اِس حیرت انگیز طریقے پر کی ہے کہ مغرب کے لیئے اسکا منکر ہوجانا قطعاً غیر ممکن ہوگیا ہے۔ سطح زمین کے موالید ثلاثہ کی کامل تدوین و تنظیم نے اِس حقیقت کو اور بھی آشکارا کردیا ہے۔ طبقات الارض کی تمام داستان من و عن اسکی مؤید ہے؛ عالمِ افلاک کے پیہم مشاہدے اِسی کی طرف اشارہ کررہے ہیں؛ روئے زمین کے طبعی انقلابات یہی کہہ رہے ہیں؛ اجناس حیوانات کی داستانِ حیات یہی سبق دے رہی ہے؛ اطلال دیار کی روئداد یہی ہے؛ احوال جہان کی سرگذشت بھی اسی قطع کی ہے؛ جنین یا درمیں تخلیق انسان کا تدرج یہی ثابت کررہا ہے؛ طبعیات، ریاضیات، کیمیا، تشریح الابدان، غیرہ وغیرہ اکثر یقینی علوم اسکی مساعدت پر ہیں۔ خود انسان کی مائل بہ حیوانیت فطرت زبان حال سے کہہ رہی ہے کہ انسان کسی ادنٰی مخلوق کا ملخص اور مکرّر مؤلد سا خود ہے۔ عام تخیل کہ بندر ارتقا کرتے کرتے انسان بن گیا جہلا کی نامنصفانہ تشریح ہے، اسکو اِس مسئلہ سے اتنا ہی تعلق ہے جتنا کہ خود بندر کو انسان سے بظاہر ہے۔ تاہم اِسمیں شک نہیں کہ اِس مسئلے کے نفس دعوے میں بھی وقتاً فوقتاً ارتقا ہوتا رہا۔ روئے زمین پر تدریجی انقلاب کا اعتراف (شق اول) انسان کو غالباً اُسوقت سے ہے جسکی صحیح تعیین بہت مشکل ہے۔ قدیم ہندو فلسفہ تکوین عالم کے متعلق عجیب و غریب دعاوی پیش کرتا ہے جن کی مماثلت موجودہ مسئلے سے ایک خفیف سی ہے۔ یونانی حکمانے قدامت مادّہ کے نظریّے کی ترویج کی۔ مگر کوئی خاص مسئلہ مدوّن کیا اسلامی حکمانے پہلی، دوسری، تیسری اور آٹھویں شقوں کے متعلق مستقل دعاوی مرتّب کیئے۔ مگر باقی تمام شقوں کی تدوین اور تحقیق (بلکہ ایک رو سے تمام مسئلے کی تصدیق)، ہمہ تن علم جدید کا کارنمایاں ہے۔ مسئلہ انتخاب طبیعی (یعنی چوتھی اور ساتویں شق)، کا دعوے اوّل اوّل سنہ ۱۲۲۸ھ سنہ ۱۸۱۳ء اور بعد ازاں سنہ ۱۲۴۶ھ سنہ ۱۸۳۱ء میں یورپ کے دو غیر معروف طبعی فلسفہ دانوں نے کیا۔ مگر ڈارون اور والیس نے سنہ ۱۲۷۴ھ سنہ ۱۸۵۸ء میں اسکو از سرِ نو

اور صلاحیت کا خاتمہ ہوگیا ہے[†]!

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۲۶) دریافت کر کے پایۂ تحقیق تک پونہچا دیا۔ اُس وقت سے آجتک اِس مسئلے کی روز افزوں شہادت برابر مل رہی ہے حتیٰ کہ آج اُسکو علم جدید کی بدیہیات میں شامل کر لینا مغربی حکما کے نزدیک کچھ قابل اعتراض نہیں۔ اصل کتاب میں اِسکے متعلق "نظریّے" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے (دیکھو صفحہ ۱۱) مگر "نظریّہ" کا لقب فی الحقیقت اِس کے شایانِ شان نہیں، اگرچہ قرآن حکیم کی مستقل اور ناقابل بدل حقیقت کے بالمقابل اِن نامکمل اور غیر مستقل مسئلے کو یہی لقب دینا زیادہ موزوں ہے!

مسئلہ ارتقا کی محولۂ بالا چوتھی شق، یعنی مسئلہ انتخاب طبیعی (صفحہ ۱۳) کی صداقت پر جو ناگہاں حملہ حال ہی (یعنی ۱۳۴۱ھ ۱۹۲۲ء) میں جامعہ کیمبرج (انگلستان) کے دو نامعروف الاسم حکما ڈاکٹر وِلس اور ڈاکٹر یُول نے کیا ہے اِس قابل نہیں کہ اسکی باضابطہ تردید یا تشریح اِس کتاب میں کیجا سکے۔ ابھی تک کسی قابل ذکر علمی حلقے نے اِن حکما کے دعوے کی اہمیت کو تسلیم نہیں کیا، اور چند اشتباہی اور مشترک النتائج دلائل کی بنا پر انتخاب طبیعی کے اصل اصول کو مشکوک قرار دینا بہت کچھ پیش از وقت بلکہ حتمًا نا روا ہے۔ اِن حضرات کا دعوےٰ ہے کہ انواع و اجناس حاضرہ کا روئے زمین پر تخلف "بقائے اصلح" کے قاعدے کے ماتحت رہ کر نہیں ہوا، بلکہ ہر نوع بقدر اپنی قدامتِ ظہور اور مدّتِ قیام کے روئے زمین پر توسیع و تمکن حاصل کرتی رہی حتیٰ کہ کسی ایک باقی یا فنا شدہ نوع کے رقبہ توسیع کا حال ضرب و تقسیم کے حسابی قاعدوں کے ذریعے سے معلوم ہوسکتا ہے۔ اِسی نقطۂ نظر سے اِن کے نزدیک ہر جنس کے تعدد انواع کی توسیع بھی روئے زمین پر ہوتی رہی۔ بہت ممکن ہے کہ صلاحیّت اور قدامت کے اعداد و شمار کے درمیان کوئی اتفاقی تعلق ظاہر ہوا ہو جس کی وجہ سے حساب لگانے میں یک گونہ سہولت پیدا ہوگئی ہو، مگر ظاہر ہے کہ فطرت کا یہ کارگاہ عظیم انسان کے تسلیم کیئے ہوئے وضعی قاعدوں کی پابندی سے اصلاً بے نیاز ہے۔ جب کون و مکان کے ہر شعبہ بقا و حیات کی بنیاد سعی و عمل پر ہے تو سعی و عمل کا قیام ہی عین صلاحیت ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس صلاحیّت کا وجود ہی عین قیام و بقا ہے! پس اِس مقامِ نظر سے مدّت قیام کی درازی اور صلاحیت دو مترادف اشیا ہیں جن کی اصل ایک ہی ہے۔ یہی قرآن عظیم کا دعوےٰ ہے۔ اور یہی مسئلہ ارتقا کا اصل اصول۔ اگر قدامتِ ظہور اور تکثّر و تمکن فی الارض میں کوئی ظاہری تعلق پیدا ہوگیا ہے تو وہ بھی اِسی باطنی ترادف کی وجہ سے ہے نہ اِس وجہ سے کہ قانون بقا و فنا کے متعلق کوئی نیا انکشاف ہوا ہے جس کا اعتراف پہلے لوگوں سے نہیں ہوسکا۔

[†] اثر دہوں اور افیال کے متعلق اِس اجمال کی تفصیل کے لیئے علم طبقات الارض کی مفصلہ ذیل معلومات کا یہاں پر لکھ دینا ضروری ہے:۔

"قشر الارض"، یعنی کرۂ زمین کے سطحی غلاف کی تفحص اور تلاش کرنے سے فطرت کے طالب العلم پر یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ سطحِ زمین کا وہ حصہ جو انسان کے دست قدرت میں ہے، اور جہانتک اسکی کدال کی زد پونہچ سکتی ہے، دو قسم کے احجار پر مشتمل ہے۔ ایک حصہ جو نسبتًہ مختصر سا ہے اُن چٹانوں کا ہے جو وقتًا فوقتًا زمین کے بطن سے سیّال حالت میں آتش فشاں پہاڑوں کے دہانوں سے نکل کر سطحِ زمین پر جمتی گئیں، اور بعدازاں اِس مُہمل مذاب کے عظیم الشان تودے بن گئے۔ یہ سب چٹانیں نہایت سخت ہیں، اِنکے زمین پر پھیلاؤ کی کوئی ترتیب نہیں، اِن کے اندر کسی قدیم حیوان کے بقیہ آثار کا نشان تک نہیں۔ جہاں جہاں غلاف زمین کا کوئی کمزور حصہ ہے وہاں یہ چٹانیں اسکو پھاڑ کر نمودار ہوگئی ہیں۔ قدامت کے لحاظ سے اِن کی ترکیب میں کچھ کچھ کیمیاوی تغیر و تبدّل ہوا ہے مگر ماہر فن کے لیئے اِن احجار منقلبہ کی شناخت کچھ مشکل نہیں، اور اگر کوئی شئے مشتبہ نظر آئے تو خوردبین اسکا یکدم فیصلہ کر دیتی ہے۔

دوسری قسم چٹانوں کی وہ ہے جو مطبّق یعنی تہ در تہ ہے۔ ایک تہ نہایت سلیقے سے دوسری تہ کے اوپر جمی ہے۔ انکی سطحیں بھی قریب قریب ہموار ہیں۔ ہر ایک تہ کا رنگ اُس کے ذاتی اجزا، اُسکی ظاہری ساخت، اُسکی خوردبینی بافت اور کیمیاوی ترکیب دوسری تہ سے جُدا ہے، کوئی نرم ہے

قرآن حکیم نے اِس آیۂ کریمہ میں آفرینش کی بقاو فنا، اور اقوام کے عروج وزوال کا وہ مہتم بالشان کلّیہ بیان کر دیا ہے جس کی صرف پہلی شق کی اصلیت کو یورپ کے طبعی فلسفی طبقات الارض کی مسلسل تفتیش و تفحّص کے بعد ابھی پہونچے ہیں۔ غیر ناطق حیوانات میں چونکہ ایمان کی انسانی طریق پر گنجائش نہیں اور عمل مقتضائے طبیعت ہے، اِس لیئے فطرت کے حال و احوال کا ان کی ضروریاتِ زندگی سے تطابق

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۷) کوئی سخت کسی کے اجزا نہایت باریک ذرات سے بنے ہیں، کسی میں چھوٹے چھوٹے ساحل آب کے گھسے ہوئے گول پتھر جُڑ کر چٹان بن گئے ہیں، کسی کے سالمات اسقدر نفیس ہیں کہ بمشکل تمام اُن کے اتصال کو شناخت کیا جا سکتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ سورۂ فاطر میں انہی حیرت انگیز اور جلیل الشان چٹانوں کیطرف اشارہ ہے جن کی حقیقت کشا سرگذشت کم بین اور کوتاہ نظر انسان نے ہزاروں برس تک سُننے سے انکار کیا، اور ابھی ڈیڑھ سو برس نہیں گذرے، کہ مغرب کے چند طبعی حکما اپنی جان جوکھوں میں ڈالکر اُن سے ہمکلام ہوئے، اور اُن کی جگ بیتی داستان کو سُن کر ایک عالم کو محو کر دیا! نہیں، بلکہ قرآن حکیم کے ایک اہم حصّے پر عمل کر کے دنیا کو معرفت خدا کے فلک الافلاک پر پہونچا گئے!

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ۝ (۳۵: ۲۷)

اے ساکنانِ زمین! کیا تم نے اِس حیرت انگیز حقیقت پر غور نہیں کیا (اَلَمْ تَرَ کا ترجمہ جو اسی آیۂ کریمہ کے شروع میں ہے) کہ پہاڑوں کے اندر عظیم الشان طبقے ہیں جن میں سے کوئی سفید ہے کوئی سُرخ، اُن کے رنگ جدا جدا ہیں اور بعض اُن میں سے ایسے بھی ہیں جو بُھجنگ کالے ہیں! تم جاؤ ان کو دیکھو کہ وہ کیا داستان سُنا رہے ہیں، سفید کیا انکشاف کر رہے ہیں، سُرخ کیا کہہ رہے ہیں، خدا کی عظمت اور معرفت کا کیا گراں بہا سبق دے رہے ہیں، کالے کیا بے بہا نعمتیں بخش رہے ہیں!)

اِن طبقوں کی متوازی حدیں، انکی ہموار سطحیں، انکی ظاہری ساخت اور خوردبینی بافت، اِن کے مختلف اور متقابل رنگ، لامحالہ اِس نتیجے پر پہونچا دیتے ہیں کہ یہ سب احجار پانی کی تہ میں اور سمندروں کی وساطت سے بنے۔ سطحِ زمین کے مختلف نالوں اور دریاؤں کے مکدّر اور ذرّات آمیز پانی جھیلوں اور سمندروں کے پانی میں ملکر ساکن ہوگئے۔ وہاں پر آہستہ آہستہ انکی تلچھٹیں (رسوبات) تہوں پر بیٹھتی گئیں اور مرورِ وقت کے باعث ہزارہا گز موٹی تہیں بن گئیں۔ ایک تہ کے اوپر سطحِ زمین کے تبدیلِ احوال کے باعث، دوسرے رنگ، ساخت اور قماش کی تہ بیٹھی۔ تبدیلیٔ موسم، طوفان باد و خاک اور حرکت انہار کے تخریبی اثرات (تعریۂ جوّی)، شبنم اور طبعی میاہ، باران و یخ بستہ کے کیمیادی اور اِداتی اعمال (تعریۂ مطری)، اور تصادمِ امواج، مدّ و جزرِ بحر کی زمینی شکست و ریخت (تعریۂ بحری) نے اِن طبقات کی تدریجی تعمیر میں مستقل حصہ لیا۔ پھر ان کے اوپر کا پانی زلازلِ زمین یا اور مقامی انقلابات کے باعث رفتہ رفتہ خشک ہوگیا، اور یہ طبقے سطحِ زمین پر نمودار ہوگئے۔ بعد ازاں اوپر کے طبقوں کے کروڑوں من بوجھ اور زمین کی اندرونی حرارت نے قرنوں کے بعد ان رسوبات کو پتھر کی مانند سخت کر دیا، اور وہ مختلف چٹانیں بن گئیں۔ آج بھی ہر سمندر، جھیل، بلکہ معمولی تالاب کی تہوں میں یہ رسوبی طبقات روز بروز بن رہے ہیں اور ہر صاحب نظر کو ارضی تعمیر و شکست کا سبق دے رہے ہیں!

لیکن جو حیرت انگیز امتیاز ان آبی اور ترسیبی احجار میں نمایاں ہے وہ ان کا حیوانی ہڈیوں اور ڈھانچوں، اُن کے قدموں کے نشانوں، اور نباتی پتّوں اور تنوں کے بقیّہ آثار (رکازات) سے معمور ہونا ہے۔ سطحِ زمین سے کئی کئی ہزار گز، بلکہ بعض اوقات چار چار میل نیچے تک یہ ہڈیاں کیمیاوی طور پر تبدیل شدہ حالت میں ملتی ہیں۔ بلند ترین طبقوں میں مرے ہوئے حیوانوں کے سالم ڈھانچے ترکیبی اجزا کے معمولی ردّ و بدل کے بعد پائے جاتے ہیں۔ اُن کی شکلیں بالکل محفوظ ہیں لیکن اجزا متحجّر یا متحدّد بن گئے ہیں۔ بعض کے اجزا چونے سے بدل گئے ہیں، بعض لوہا یا تانبا وغیرہ بن چکے ہیں۔ قرآن حکیم میں عظام کی اسی بدلی ہیئت کی طرف علیمانہ اشارہ کر کے خدا فراموش انسان کو بعث کا عبرت انگیز سبق دیا گیا ہے:

یا تخالف پذیر ہونا ہی ان کی صلاحیت یا عدم صلاحیت ہے، اور وہی جنس قوی تر یا صلح تر ٹھیرے گی جسکے وسائل وفاع کا توازن (جو فطرت نے اُسکو سپرد کیے ہیں) قدرت کی خارجی اور اٹل طاقتوں کے ساتھ قائم رہے گا۔ مگر مجامع انسانیہ کی حالت جن کے ہر فرد کی ادنے سے ادنے ضرورت بھی تدبیر و عمل کے بغیر پوری نہیں ہوسکتی، قطعی مختلف ہے۔ ان کے تحفظ و ارتقا کا مسئلہ بیحد مشکل اور بدرجہا پیچیدہ ترہے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۸) وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ۝ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ۝ (۱۷: ۴۹-۵۱)

اور لوگ کہتے ہیں کہ جب ہم مرنے پیچھے گل سڑکر ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ایسی حالت میں ہم کو از سر نو پیدا کر کے اٹھا کھڑا کیا جائے گا۔ اے محمدؐ! ان سے کہدو کہ کم عقلو! تم مرنے پیچھے پتھر ہو جاؤ، یا لوہا بن جاؤ، یا کوئی اور شے جو تمہارے خیال میں اس سے بھی عجیب تر ہو، پھر کہیں گے کہ اچھا بھلا اب کون ہم کو زندہ کر سکے گا۔ انہیں کہہ دو کہ وہی خلاق عظیم جس نے تمہیں پہلے پیدا کیا تھا۔ اس پر یہ لوگ تمہارے سامنے انکار کے طور پر سر ہلانے لگیں گے اور کہیں گے کہ اچھا یہ کب ہوگا۔ انہیں کہہ دو کہ عجب نہیں کہ یہ سب کچھ قریب ہی آن لگا ہو!

ایک مدت تک ان آثار باقیہ کے متعلق لوگ یونہی سر ہلایا کیے؛ انکے وجود کے بارے میں اکثر اغماضی اور تجاہلی شان رہی؛ لوگ انکو دیکھتے مگر ان کے متعلق بحث کرنے سے محترز رہتے؛ کسی نے ان کو فطرت کا کھیل کہا؛ کسی نے خدا کی شان کا ایک نمونہ بتا کر معترض کو چپ کیا۔ عیسائی پادریوں نے جو یورپ کی علمی تحقیقات سے خوفزدہ ہو کر اپنی انجیل کی حفاظت میں حواس باختہ تھے، اور پاپائے رومۃ الکبریٰ نے جو محافظ دین ہونے کی حیثیت میں علمائے فطرت کو دار و صلیب پر چڑھانے میں مصروف تھا، ان کو نوح علیہ السلام کے طوفان کا بقیہ قرار دیکر اپنی جان چھڑانی چاہی، مگر حقیقت کے بالمقابل باطل کب تک ٹھیر سکتا تھا۔ جب کئی کئی گز لمبے ڈھانچے اور پورے سر، اور پیر اور دھڑ برآمد ہونے لگے، اور میلوں کی گہرائی تک تمام سطح زمین آباد نظر آئی تو پادری دم دبا کر بھاگے؛ سب یورپ دم بخود ہو گیا؛ علمائے فطرت کی چڑھ بنی۔ انہوں نے کامل غور و خوض کے بعد اعلان کر دیا کہ دنیا عہد عتیق کے شمار کے مطابق محض چھ ہزار سال سے ہی آباد نہیں بلکہ تخلیق کا سلسلہ لکھوکھا برس سے جاری ہے! یہ ہڈیاں لامحالہ ان حیوانوں کی ہیں جو روئے زمین پر انسان سے پہلے بس رہے تھے۔ ان کے ڈھانچے پانی کے سیلاب، ہوا کے جھکڑ یا اور مختلف اسباب کے ذریعے سے سمندروں میں چلے گئے؛ آبی حیوانوں کے ڈھانچے وہیں تہ میں گرتے رہے، بالآخر جب رفتہ رفتہ رسوبات اور ذرات کی تہ اُن پر جمی، دب گئے۔ فطرت نے ان کو نہایت حفاظت سے یادگار کے طور پر محفوظ رکھا۔ ان کی شکلیں برقرار رکھیں، اُن کے کیمیاوی اجزا تقطیر عوامض الملاح کے باعث بدل گئے مگر شکل نہ بدل سکی۔ انسان کی نوعی تخلیق ان حیوانات کے مدتوں بعد ہوئی اور بتدریج تمام ہوئی۔ اس بنا پر سطح زمین کے لاتعداد رنگارنگ طبقے فطرت کی عظیم الشان کتاب کے زنگارنگ ورق ہیں؛ یہ رکازات باقیہ ان اوراق پر خدا کے ہاتھوں سے لکھے ہوئے "حروف" ہیں؛ انسان کو یہ عالم آرا "کتاب" اسلیئے دی گئی ہے کہ اسکو پڑھے اور اُس خلاق عظیم کی عظمت کا اندازہ بچشم خود کرے!

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ۭ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ۝ (۶۷: ۱۵)

لوگو! وہ وہ منعم حقیقی ہے جس نے زمین کو تمہارے لیئے میدان کر دیا ہے کہ تم اسکے اطراف و اکناف میں دل کھول کر پھرو، خدا کے

اور جوں جوں اقوامِ عالم ترقی کی تگ و دَو میں ایک دوسرے پر سبقت لیجا رہی ہیں انفرادی معیشت اور اجتماعی حفاظت کا سوال اور بھی لاینحل ہوتا جا رہا ہے۔ آج معاشرت کی اِس حیران کن مسابقت میں تمدّن کی لاانتہا ضروریات، اور تہذیب کے اَن گنت لازمات جزوِ زندگی بن گئے ہیں۔ علم کی حیرت انگیز جدت آفرینی اور عمل کی محیّر العقول جولانی نے میدانِ حیات ناقابل گذر کردیا ہے۔ ذرائع کی ناقابلِ یقین توسیع کے باوجود

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۹) عجیب غریب اعمال کا بچشم خود مشاہدہ کرو اور اس کا رزق کھاؤ، ترقی اور آسودگی کے بامِ بلند پر چڑھو لیکن اِس بات کو یاد رکھو کہ تم نے ایک نہ ایک دن اُسکے حضور میں کھڑے ہو کر اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے۔

کتابِ فطرت کی اِس حیرت انگیز اہمیت کو پیش نظر رکھ کر مغرب کے طبعی حکمانے احجارِ زمین کے اُس حصۂ عظمیٰ کو جن کی تخلیق سمندر کی وساطت سے ہوئی پانچ بڑے بڑے جلیل القدر اور طویل المدّت زمانوں یعنی "القدیمۃ الاولیٰ" ۔ "القدیمۃ الاخریٰ" ۔ "الحیات الوسطیٰ" "الجدیدۃ القصوٰی" ۔ اور "الجدیدۃ الادنیٰ" کے صخور پر منقسم کیا ہے۔ پہلی قسم یعنی **القدیمۃ الاُولیٰ** کے طبقوں میں جنکی گہرائی زمین کے بعض حصّوں میں میلوں تک پہنچتی ہے اور جو اور سب طبق کی تہ میں ہیں، کسی ذی حیات مخلوق کا باقی نشان آجتک نہیں ملا، اگرچہ ان کی تہوں کے اندر بعض مشکوک سی لکیریں اور سوراخ پائے جاتے ہیں جنسے شبہ پڑتا ہے کہ وہ کسی بے استخوان حشرات الارض کے نشاناتِ قدم ہیں۔ باقی چار حصّے حیرت انگیز ترتیب اور تسلسل کے ساتھ عجیب و غریب حیوانات کے بقیہ آثار (رکازات) سے پُر ہیں، سطح زمین کا کوئی حصّہ اُن سے خالی نہیں۔ "**القدیمۃ الاُخریٰ**" کے طبق میں جن کی تقسیم چند بڑے بڑے حصّوں میں کیگئی ہے، زندگی کے آثار غیر مشکوک طور پر نمایاں ہیں استخوان کے تمام فقدان کے باعث سب مخلوق غیر ذی فقری (یعنی ریڑھ کی ہڈی کے بغیر) ہے۔ پہلے حصّے میں (خوردبینی حیوانات سے قطع نظر جنکے نشانات کا باقی رہنا ناممکن ہے) سرطان نما قشری حیوانوں (القشریات) کی ایک تعداد کثیر پائی جاتی ہے جو آج سطح زمین سے قطعًا ناپید ہوچکے ہیں۔ اِسی حصّے میں اسفنج، مفصلی اور دوبرگی حَلَزون (گھونگھے) کی ابتدائی نوعیں رونما ہوئی ہیں۔ دوسرا حصّہ اِن "سرطانی" انواع سے نسبتًا کم آباد ہے۔ مگر مرجان (مونگے) کی فی الحال ناپید انواع، اسفنج، شوکیۃ القشر لولبی (پیچدار) حلزون، اور ناموجود "سنجابی" حشرات سے پُر ہے۔ تیسرے حصّے میں قشریات "کشمکشِ حیات" کے باعث نہایت قلیل التعداد اور نحیف ہوچکے ہیں، مگر نجم نما آبی حیتان کی ابتدا ہو رہی ہے۔ دریائی حلزون زوروں پر ہیں، ریڑھ کی ہڈی والے (ذی فقری) جانوروں کی نشانات اوّل کہیں کہیں نمودار ہے مگر نہایت ابتدائی اعضائی ترکیب کی مچھلیوں کے سوا اور کوئی حیوان اِس جنس کا کہیں نظر نہیں آتا۔ البتہ سرطانی قشریات اعضائی ارتقا کر کے ہزار پائے بن گئے ہیں۔ آبی عقرب، جن کی کوئی قسم آج نہیں ملتی، کہیں کہیں جلوہ گر ہے۔ نمل (چیونٹی) کی ابتدائی انواع، پردار اور بے پر، دونوں پائی جاتی ہیں۔ چوتھا گروہِ طبق مچھلیوں کی بے شمار ناپید انواع سے پُر ہے۔ ارضی حیوانات کی اکثر انواع وہی ہیں جو تیسرے حصّے میں تھیں۔ مگر اقسام نسبتًہ بہت زیادہ ہوگئی ہیں، مرجان کی کثرت ہے۔ "القدیمۃ الاخریٰ" کے طبقات کا پانچواں حصّہ روئے زمین کی انقلابی نشوونما کا وہ یادگار زمانہ ہے جس میں انسان کی آیندہ بہبودی کے عجیب و غریب سامان پیدا ہوئے۔ اِس زمانے میں سطح زمین پر نباتات کا وہ عظیم الشان دَور دَورہ ہوا جسکی مثال آجتک پھر پیدا نہ ہوسکی۔ بڑے بڑے سرفلک درخت جن کے تنے موجودہ درختوں سے کئی کئی گنا بڑے تھے سطح زمین کے سب بالا و پست میں پھیل گئے۔ ہزارہا اقسام کی نئی نباتات کا ظہور ہوا، بالآخر اِسی سرسبز نباتات کے ہزاروں میل تک پھیلے ہوئے خزانے پایاب جھیلوں اور دَلدلوں میں جمع ہو کر صدیوں کے بعد معدنی کوئلہ بن گئے، جس پر آج یورپ کی بے مثال ترقی اور تمکّن فی الارض کا اکثر حصہ ہے! قرآن حکیم میں اِسی اہم نعمت خدا کا تذکرہ، اور اِسی بے مثال صنّاعی کا بیان سورۂ یٰسٓ کے اندر ہے (سورۂ فاطر میں بھجنگ کالی (غَرابِیبُ سُوْدٌ) چٹانوں کا اشارہ بھی اِسی معدنی کوئلے کی طرف ہے جسکا ذکر آیہ (۳۵ / ۲۷) صفحہ ۲۸ میں ہوچکا ہے)!

ذاتی آسائش مفقود، اور بین الاقوامی امن ممتنع الحصول ہوگیا ہے۔ عمران و حفظانِ صحت کے التزامات نے آبادی کی المناک کثرت پیدا کردی ہے؛ ہلاکت کے شہر شکن سامان اور بربادی کے کوہ پاش وسائل کا مہیا کرنا ہر متمدن قوم کا منتہائے عمل ہوگیا ہے۔ وہ روٹی کا ٹکڑا جو انسان کو نشاءِ اوّل میں قلیل ہی قلیل سعی اور ادنے سی ادنے تدبیر کے باعث مِل رہتا تھا آج انتہائی جدّ و جہد کے بغیر میسّر نہیں ہوتا۔ علاوہ اِن

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۳۰) قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ ۝ (۳۶: ۷۹-۸۰)

اے محمد! ان منکرینِ بعث کو جواب دو کہ تمہاری بوسیدہ ہڈیوں کو ازسرِ نو زندہ وہی خلاقِ عظیم کرے گا جس نے اوّل بار انکو نیست سے ہست کیا تھا، اور وہ اپنی پیدا کی ہوئی ہر چیز کے سب کیف و حال، اور اسکی تمام ممکنات سے بخوبی واقف ہے۔ وہ وہ کارسازِ جلیل اور وُہ بنائے رحیم ہے جس نے تمہارے استعمال کے لیئے سرسبز درختوں کے بوسیدہ تنوں سے آگ کے عظیم الشان خزانے پیدا کیئے اور آج تم انہی خزانوں کو اپنے مصرف میں لا کر ترقی کے بامِ بلند پر چڑھ رہے ہو!

آج اِن گرانبہا خزانوں کے تہ در تہ طبقے ہزارہا گز گہرے وسطِ یورپ اور امریکہ، وسطِ ایشیا اور شرقِ ہند، روم، عرب اور مصر کی سرزمینوں میں دبے ہوئے انسانی سعی و عمل کا انتظار کر رہے ہیں۔ معدنیاتِ زمین کے اِسی حصّہ کبرا ے میں پردار مچھلیاں کثرت سے دبی ہیں۔ گویا مچھلیوں کی نسبتاً ادنیٰ مگر استخوان دار مخلوق کے ارتقا سے پرندوں کی مقابلۃً اعلیٰ مخلوق کے ابتدائی اسباب پیدا ہوئے ہیں۔ انکی اقسام ترقی کرتے کرتے موجودہ مچھلیوں کے لگ بھگ بن چکی ہیں۔ اسفنج اور بولبی حلزون، کیڑے اور کوڑے زیادہ طاقتور اور بہتر اعضائی ترکیب کے بنتے جاتے ہیں۔ لیکن جس خاص جنس کا ظہور اِس عہدِ ارتقا میں اوّل مرتبہ ہوا وہ پیٹ کے بَل چلنے والے دابّہ ہیں۔ اُن میں سے ایک نوع کسی منقار دار چھپکلی کی ہے جس کی ایک باقی قسم ابھی تک نیوزیلینڈ کے بعض متعلقہ جزائر میں سسک سسک کر اپنی حیات کے آخری دن گذار رہی ہے!

لیکن طبقاتِ زمین کے اِس "درک اسفل" سے قطع نظر "الحیات الوسطیٰ" کے طبق فی الحقیقت وہ حیران کن طبقے ہیں جن کے اندر اُس خلاقِ عظیم کی کبریائی سب سے زیادہ واضح طور پر آشکارا ہوئی ہے۔ دریائی اور ساحلی کیکڑے قدیم قشری سرطانوں اور عقربوں سے ارتقا کرتے کرتے موجودہ کیکڑوں کے متشابہ بن گئے ہیں، مچھلیاں بدرجہا بہتر اور صالح تر ہو رہی ہیں، اُن کے پھیپھڑے اور سر استخوانی ڈھانچے اور منفذ میں آجکل کی مچھلیوں کے اعضا سے مشابہ ہو چلی ہیں، پیٹ کے بل چلنے والی چھپکلیاں (حرزون) نہایت تیز رفتاری سے ترقی کر رہی ہیں، اُن کی منقاریں رفتہ رفتہ موجودہ حرازین کے دنداں دار منہوں سے بدل گئی ہیں، ایک گروہ اِسی جنس کا دریائی مسکن اختیار کر چکا ہے۔ جہاں یہ آجکل کے دریائی دودھ پلانے والے حیوانوں (ذوات الثدی یا مرضعات) کا پیش خیمہ بن رہا ہے۔ "الحیات الوسطیٰ" کے اِسی پہلے حصّہ طبق میں حرازین کے فرعی ارتقا کے باعث رضاعی حیوانوں کے مشکوک یا متشابہ آثار بھی پائے جاتے ہیں، اکثر وہ اعضائی خاصیات اور آلی امتیازات جو اِس جنس کے لیئے مختص ہیں، بعض اعلیٰ اقسام کے حرازین میں نمودار ہو رہی ہیں۔ دوسرے حصہ طبق میں حرزونی جنس کے حیوانات کی یہ حیرت انگیز کثرت اور پرورش ہوئی ہے کہ اُن کے بقیہ آثار کو دیکھکر عقل دنگ رہجاتی ہے۔ بڑے بڑے عظیم الشان پیٹ کے بل چلنے والے جانور جن کے ڈھانچے کئی کئی گز لمبے ہیں اور جنکی رانوں کی قد آدم کے برابر ہڈیاں اور گردنیں لمبی دُمیں اُن کو اژدہوں کے مماثل کر دیتی ہیں، اِس زمانے میں سطحِ زمین پر معمور دکھائی دیتے ہیں۔ ان ڈھانچوں میں سُم قدم، چنگال قدم، اور پنجہ قدم، تینوں قسم کے حرزون

مشکلات کے مادّیت کے غلبے نے اقوامِ متمدّنہ میں روحانیت سے عام انحراف پیدا کر دیا ہے! جسمی طاقت اور مادّی اقتدار پر ناز، کبریائی کا ادّعا اور بہیمی اخلاق سے تخلّق طبیعت ثانیہ ہو گئی ہے! مکر و دروغ مجامع عالم کا شعار، بلکہ طغرائے امتیاز بن گیا ہے! بین المِلّی خُلق اور اتحادِ عالم کا نصب العین خواب و خیال ہو چکا ہے! طاقتور اقوام کی سبعیّت اور درندگی کی یہ شان ہو کہ ایک دوسرے کی تباہی کے ہولناک سامان روز بروز بڑھ رہے ہیں۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۳۱) شامل ہیں گویا پرندوں اور رضاعی حیوانوں کی طرف ارتقا کا میلان ابھی سے ظاہر ہے۔ حزنی اژدہوں کے اعضا کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیس بیس گز لمبی چھپکلیاں اپنی پچھلی دو ٹانگوں کے بل سطح زمین پر کودتی پھرتی تھیں، یا عظیم الشان تمساحوں (مگرمچھ) کی طرح پایاب ساحلوں اور دریاؤں کے دہانوں پر شکار کی گھات میں پڑی رہتی تھیں۔ امریکہ کے بعض حزرون اپنی جسامت کے لحاظ سے اسقدر عظیم الشان تھے کہ آج سطح زمین کا بڑے سے بڑا جانور اُن کے بالمقابل دیوار کی چھپکلی سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا! ایک منقار دار حزرون جسکے پاؤں کی ساخت پرندوں کے پنجوں سے بہت مماثل تھی اسقدر قدآور تھا کہ الف لیلہ کا سیمرغ بھی اسکے آگے محض ایک کنجشک نظر آتا ہے! اُسکی تمام محدّب کمر پر ریڑھ کی ہڈیوں کے عین اوپر دو دو گز اونچی گھریلو مرغ کی مانند کلغی تھی، اور مخروطی دُم کے اوپر ڈیڑھ ڈیڑھ گز لمبے اور ہاتھی کی ٹانگ کے برابر موٹے کئی کانٹے تھے! اونچائی میں چار انسانوں کے قد کے برابر اور دُم سے لیکر چونچ تک بلا مبالغہ دس گز لمبا تھا!

يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ○ (۳۵ : ۱)

وہ رب عظیم اپنی مخلوق میں جو مناسب سمجھتا ہے زیادہ کر دیتا ہے۔ لوگو! بگوش ہوش سن رکھو کہ وہ خدائے بے مثال ہر بات کر دینے پر قادر ہے!

"الحیات الوسطیٰ" کے اسی زمانے میں فرعی ارتقا کے باعث اُڑنے والے اژدہوں کی ایک تعداد کثیر نظر آتی ہے۔ اُن کے تمساح (مگرمچھ) کی مانند لمبے لمبے دنداں دار مُنہ اور خفاش (چمگادڑ) کی مثل جھلی والے پر اس بات کی شہادت ہیں کہ یہ ہولناک "پرندے" درندوں سے بدرجہا خوفناک تھے۔ معمولی اژدہوں کے پروں کا پھیلاؤ بھی آٹھ آٹھ گز تک پہنچتا تھا۔ دُم سے لیکر چوٹی تک ہر ایک کی لمبائی کئی کئی گز تک تھی، اور الف لیلہ کے رُخ کی مانند یہ دہشت انگیز درندے جہاں اُڑتے تھے اپنے پروں کے پھیلاؤ سے زمین پر اندھیرا کر دیتے تھے![1]

لیکن فرعی ارتقا کی اِن حیرت انگیز عجائب نمائیوں سے قطع نظر جو اصلی ارتقا اس زمانے میں نمودار ہوا وہ پر والے پرندوں کا ظہور ہے۔ اِن طبقات میں مُرغِ ہوا کی صرف ایک قسم محفوظ رہ گئی ہے جو آجکل کے پرندوں سے کچھ کچھ مماثل ہے۔ رضاعی (ذات الثدی) حیوانات کے آثار خال خال نظر آتے ہیں۔ لیکن حزنی اور رضاعی اجناس کے سلسلہ تکوین کی درمیانی کڑیاں صاف طور پر ظاہر ہیں۔ "انڈے دینے والے رضاعی حیوان" جو مرغ اور چارپائے کے بین بین نظر آتے ہیں کثرت سے ہیں۔ تھیلی والے رضاعی حیوانات کی جو حزرون اور مویشیوں کی درمیانی کڑی ہیں رونق لگی ہے۔ مقدّم الذکر نوع کی دو قسمیں آج بھی آسٹریلیا کے بعض حصّوں میں پُرانے وقتوں کی یادگار کے طور پر قائم ہیں۔

ارضی، ہوائی اور دریائی تمساحوں اور اژدہوں کا قیام "الحیات الوسطیٰ" کے تیسرے اور آخری حصے میں بھی بدستور رہا۔ لیکن اُنکی جسامت اِس زمانے میں اور بھی حیران کن ہو گئی۔ ایک ارضی حزرون جسکے جسم کی شکل موجودہ اُود بلاؤ سے بہت کچھ ملتی جلتی تھی۔ اپنی پچھلی ٹانگوں پر کھڑا پانچ گز کے قریب بلند نظر آتا ہے۔ بعض ہوائی تمساح اُڑتے وقت تین تین گز لمبے خفاشی پر پھیلا سکتے تھے۔ بعض امریکی دریائی انواع کی لمبائی سر سے لیکر دُم تک پچاس پچاس گز ناپی گئی ہے! ایک ارضی تمساح کی ہڈیاں اسی زمانہ قدیم کے طبقوں میں سے ابھی (نجیسر ۱۳۴۱ھ ۱۹۲۳ء) چھ ماہ نہیں گزرے

[1] ابن بطوطہ (المتوفی ۷۷۹ھ مطابق ۱۳۷۷ء) اور مارکو پولو (المتوفی ۷۲۵ھ مطابق ۱۳۲۴ء) نے ان مہیب ناک پرندوں کا ذکر اپنے سفرناموں میں کیا ہے۔

الغرض عقل کی بے اندازہ کارفرمائیوں اور فوق الضرورۃ چارہ جوئیوں نے آج عقدۂ معاش میں وہ صورتِ اشکال پیدا کر دی ہے جو فی الحقیقت ناقابلِ تحمل ہے!

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ۝ (۳۳ : ۷۲)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۳۲) کہ ہند کی سرزمین میں دریائے جہلم کے قریب نکلیں مگر اُس کا ڈھانچا اِسقدر وزنی تھا کہ تیس نفر اسکو بمشکل اُٹھا کر اپنی جگہ پر سے جا سکے! الغرض جس حیرت انگیز طریق پر رب زمین و آسمان کی اِن ہولناک اجناس نے انسان کے زمین پر وارد ہونے سے پیشتر زور پکڑا تھا، اُس سے گمان ہو سکتا تھا کہ انسان جیسی بظاہر کمزور، نو وارد اور بے نوا مخلوق اُن کے ہوتے ہوئے کچھ حفظ و قیام حاصل نہ کر سکے گی، مگر شارع فطرت کو اِن کا روئے زمین پر دیر تک رکھنا منظور نہ تھا، کارخانۂ طبیعت کے اٹل قوانین اُنکے تمکن فی الارض کی مخالفت میں حتماً تھے؛ بقا و معیشت کے پیہم مجادلے میں اُنکی جسامت، اُنکی قوتِ لایموت کی مقدار، اُن کا ممتنع السیر، کاہل الوجود اور بطی النسل ہونا ہی اُنکے بقا کا مانع تھا؛ وہ سب کے سب ایک اقلِ قلیل مدت میں صفحۂ زمین سے محو کر دیئے گئے، اور باعمل اور صالح تر مخلوق کو اُن کا جانشین کر دیا گیا۔ "الحیات الوسطٰی" کے بلند ترین طبقات جسقدر ان اجناس سے پُر نظر آتے ہیں، اُسیقدر "الجدیدۃ القصوٰی" کے احجار کا ورک اسفل اُنسے نسبتاً خالی پایا جاتا ہے۔ مقدم الذکر زمانے کے زیر و بالا سب طبقات میں اُن کے حیرت انگیز ہَول آفرین تکثر کے بعد بلند تر طبق میں اُنکا یکلخت معدوم ہو جانا فطرت کے طالب العلم کے لیئے ازبس عبرت آموز ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سعی و عمل، تگ و دو، صبر و ابتلا کے اس عظیم الشان معمل میں اُنکی سعی کچھ مشکور نہ ہوئی؛ بدیع کائنات تعالیٰ کو جو بذاتِ خود شبانہ روز سعی و عمل میں مصروف ہے، اور ہر آن "کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ" کا مصداق ہے، اُن کا جمود، اُن کا ناکارہ پن، اُنکی گرانجانی کچھ پسند نہ آئی، اور ایک دو "یوم" کے اندر اندر اُن کو روئے زمین سے خاک کر دیا گیا۔ قرآن کریم میں سورۂ قصص کے اندر اُس ربِ عظیم کے اسی بے مثال اختیار کی طرف اشارہ ہے جس کے مطالب کی عظمت کو طبقاتِ زمین کی "کتاب عظیم" میں بچشم خود دیکھکر ہر صاحبِ نظر کا کپکپا جانا یقینی ہے!

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ (۲۸ : ۶۸)

اور اے محمدؐ! تیرا پروردگار زمین و آسمان کے اِس بیکران محیط میں جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور پھر پیدا کرنے کے بعد اُن کی سعی و عمل کا امتحان لیکر جو مخلوق چاہتا ہے پسند کر لیتا ہے، اور جسکو مناسب سمجھتا ہے روئے زمین سے محو کر دیتا ہے (یَخْتَارُ) اور جو فرضی معبود اور حاکم اعلیٰ انسانوں نے اپنی طرف سے گھڑ لیئے ہیں انکو تو یہ عظیم الشان اختیار کچھ بھی نہیں! اے ساکنانِ زمین! وہ خدائے عظیم اُن تمام من گھڑت مطاعوں اور معبودوں سے بدرجہا بلند تر اور ارفع ہے جن کو لوگ اسکے برابر بناتے رہتے ہیں (یُشْرِكُونَ)۔

اور اسپر طرّہ یہ کہ اگر اس قیام و ممات، اس ردّ و قبول، اِس فنا و بقا اور اِس شکست و فلاح کے اختیار کرنے کی کوئی شرط قرآن کریم پیش کرتا ہے تو وہ بھی مغربی طبیعیّوں کی علمی تحقیقات کی تائید میں "عمل صالح" ہی ہے جو اِس آیۂ کریمہ سے پیشتر کی آیت میں بوضاحت تمام بیان کر دی گئی ہے:

فَأَمَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰ أَن يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ۝ (۲۸ : ۶۷)

پھر جو مخلوق اُسکے قانون کیطرف لوٹ آئی (تَابَ) اور جنے ایمان کی اٹل قوتیں اپنے اندر قائم رکھیں (آمَنَ) اور جنے عمل صالح کیئے تو قریب ہے، کہ وہی اِس دنیائے کسب و عمل میں کامیاب ہوگی۔ (توبہ اور ایمان کی تفصیل کے لیئے ابھی بہت دیر ہے مگر یہاں ایک عارضی ترجمہ کر دیا گیا ہے)۔

ہم نے فہم و ادراک کی امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے پیش کیا کہ شاید وہ اُسے قبول کریں،
مگر اُنہوں نے بزبانِ حال اِس عظیم ذمہ داری کے حامل ہونے سے انکار کیا، اور اِسکی اہمیت کو پاکر خوفزدہ
ہوگئے۔ بالآخر انسان نے اسکو اُٹھانا قبول کیا مگر وہ درحقیقت بڑا ہی ظالم اور بڑا ہی جاہل تھا جو یوں
ناحق اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالا!

عالم الغیب کے حضور میں شاید تمدن کی اِسی رست و خیز، اور عمرانِ حاضرہ کی اِسی نفسانفسی کی قیامت نما

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۳۳) ایک اور موقع پر نسلِ انسانی کو اِنہی معنوں میں خدا کا محتاج گردانا گیا ہے، ساکنانِ زمین کو قانونِ فطرت اور حکمِ خدا کی کامل متابعت کی ترغیب دی گئی ہے، اور ان سب کو یکسر ہلاک کرکے کسی خلقِ جدید کے تمکن فی الارض کرنے کی دھمکی اِس حیرت انگیز جراُت، صحت اور وثوق سے دی ہے کہ اعمالِ خدا کا علم رکھنے والا انسان بے اختیار لرز جاتا ہے۔ لیکن یہ آیاتِ کبریٰ اپنے اصلی رنگ میں لامحالہ اُس وقت نظر آئیں گی جب کتاب کے متن (غالباً چھٹی مجلد) میں تمام سورہ کا مربوط ترجمہ کردیا جائے گا:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الۡغَنِیُّ الۡحَمِیۡدُ ۝ اِنۡ یَّشَاۡ یُذۡهِبۡكُمۡ وَیَاۡتِ بِخَلۡقٍ جَدِیۡدٍ ۝ وَمَا ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ بِعَزِیۡزٍ (۳۵: ۱۵-۱۷)

اے ساکنانِ زمین! تم سب کے سب کسی حال اور رنگ ڈھنگ میں ہو بہر نوع اُس خدائے عظیم کے محتاج ہو، اُس کے لطف و کرم کے محتاج ہو، ہدایت اور رہنمائی کے محتاج ہو، قانون پر چلنے کے محتاج ہو۔ اور اِسکی یہ شان ہے کہ وہ تم سب سے قطعاً بے نیاز ہے اور باوجود اِس بے نیازی کے سزاوارِ حمد ہے۔ وہ اِسقدر بے پروا خدا ہے کہ اگر تمہارے اعمال کو دیکھکر مناسب سمجھے تو تم سب کو تختۂ زمین سے یکسر اُچک لے، اور کسی نئی مخلوق کو تمہاری جگہ لا بسائے، اور جانے رہو کہ یہ خدا کے لیئے کچھ بھی دشوار نہیں (وہ تم سے پہلے بارہا اِسی طرح کرچکا ہے، اور پھر کرنے میں اُسکو کوئی تکلیف نہیں ہوتی)

ایک عجیب و غریب مشاہدہ جو یہاں "صلاحیت" کے صحیح مفہوم کو سمجھنے کے لیئے نہایت غور طلب ہے، اور جو "الحیات الوسطیٰ" کے اِن عظیم الشان اژدہوں کے متعلق کیا گیا ہے، یہ ہے کہ وہ آجکل کے بڑے سے بڑے تمساحوں اور سنساروں کے بالمقابل نہایت چھوٹے چھوٹے دماغ رکھتے تھے۔ بعض حالات میں، باقی جسم کے تناسب کو پیش نظر رکھکر کاسہ سر (جمجمہ) بھی بے اندازہ مختصر تھا، بعض میں گوشت اور اعصاب کی زیادتی کے باعث بظاہر سر کافی بڑا دکھائی دیتا تھا، مگر حجرۂ دماغ ناقابلِ یقین طور پر تنگ تھا؛ حتیٰ کہ موجودہ مگرمچھ کا دماغ تناسب بدن کے لحاظ سے دس گنا بڑا ہے۔ اِن مشاہدات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کچھ دور از کار نہیں کہ کشمکشِ حیات کی اِس شکستِ فاش میں جو اِن حیوانوں کو نصیب ہوئی دماغی قوٰی کو بھی بہت بڑا دخل تھا۔ کمزور دماغی طاقتوں والے حیوان مقابلۃً جلد مٹ گئے؛ جن کی قوتِ مُدرکہ بڑھتی گئی محفوظ رہے۔ آجکل انسان کی نظروں میں بیوقوفی اور کُند ذہنی کا مجسمہ گدھا ہے مگر اُس کا انسان کے لیئے مفید ہونا خود اسکی نسل کی حفاظت کررہا ہے۔ اگر وہ بھی مزاحمتِ حیات کے میدان میں اور حیوانوں کے بالمقابل جم کر کھڑا ہوجاتا اور انسان کے سایۂ عاطفت میں پناہ نہ لیتا تو شاید کبھی کا صفحۂ زمین سے نابود ہوگیا ہوتا!

"الجدیدۃ القصویٰ" کے ادنیٰ طبقات زیادہ تر اُن دیرینہ حیوانات کے آثار سے پُر ہیں جو "القدیمۃ الاولیٰ" کے زمانے سے رفتہ رفتہ ارتقا کرکے بہتر بن گئے ہیں۔ حلزون اور اسفنج، حیتان (مچھلیاں)، ہزار پائے، مرجان، انجم نما مچھلیاں، قبہ دار حلزون، حشرات الارض، شقایق بحری، خارپشت بحری، وغیرہ وغیرہ نہایت کثرت سے ہیں۔ حرزون (چھپکلیاں)، حربا (گرگٹ)، ثعبان (اژدہے)، تنین (منقاری اژدہے)، تمساح (مگرمچھ)، خفاش (چمگادڑ) وغیرہ وغیرہ نسبتاً بہت کم ہیں۔ لیکن پرندے غیر مشکوک طور پر نمایاں ہوگئے ہیں۔ اُن کے منقار دندانہ دار

تصویر درپیش تھی جو انسان کو قبولِ امانت کے وقت ظلوم و جھول ٹھیرا یا تھا، مگر تصویر کے اِس تاریک پہلو سے ایک لمحے کے لیے قطع نظر کرکے جو اہم سوال آج اِس زمانے میں پیدا ہوتا ہے یہ ہے کہ مسئلہ ارتقا کے روسے وہ **کونسی صلاحیت** ہی، اور قرآن کریم کی لازوال صداقت کے تتبع میں وہ **کیسا ایمان** اور **کیا اعمال صالحہ** ہیں جسنے آج اقوامِ یورپ کو مادی ترقی کے انتہائی منازل پر پونہچا کر "اعلون" بننے، اور

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۳۴) گویا ہوائی تمساحوں سے ارتقا ظاہر ہے۔ رضاعی حیوانات کی بعض ناکمل نشانیاں نچلے حصے کے بعض اعلٰے طبق میں نمودار ہیں مگر ٹھیٹھ رضاعی حیوان اِن طبقوں میں بھی بہت کم ملتا ہے۔

"السجدیدۃ القصویٰ" کے اعلیٰ طبق میں بھی قریب قریب یہی حال ہے، مگر اکثر اجناس کا بہتر اور صالح تر ہوجانا بیش از بیش ظاہر ہے۔ لیکن **السجدیدۃ الادنیٰ** کے طبقات وہ سبق آموز اور عبرت انگیز طبقات ہیں جن کی مخلوق کے مطالعے سے سطح زمین کی موجودہ مخلوق کا تدریجی ارتقا اظہر من الشمس ہوجاتا ہے۔ اِن حصص زمین میں حیوانات کے آثار باقیہ نہایت وضاحت اور حفاظت کے ساتھ ملتے ہیں۔ ادنیٰ حیوانات کی ایک شاندار تعداد ارتقا کی ہوئی ملتی ہے۔ حرازین کی قسم کے حیوانات اکثر نابود ہوگئے ہیں مگر **رضاعی اجناس** کی ایک بہت بڑی تعداد آبی گاؤ، اود بلاؤ اور ویل مچھلی (حوت) کی صورت میں پیدا ہورہی ہے، مچھلیاں آجکل کی ساحلی مچھلیوں سے ترکیب اعضا میں زیادہ مشابہ ہورہی ہیں، مگرمچھ اور سنسار کہیں کہیں نظر آتے ہیں، عقرب، عنکبوت، ہزار پائے وغیرہ وغیرہ ایک حد تک قائم ہیں، حشرات الارض کی سب قسمیں کثرت سے ہیں، پتنگے اور تیتریاں پہلی دفعہ جلوہ گر ہیں، پیٹ کے بل چلنے والے جانوروں کی یادگار مینڈکوں میں رہ گئی ہے، پرندوں نے اپنی چونچوں کے اندر دانت رکھنا قطعاً چھوڑ دیا ہے لیکن اُن کی جنس کا داخلی ارتقا حیرت انگیز طریقے پر ہوا ہے۔ اسی کے زور اثر سے اُڑنے کی بجائے دوڑنے والے پرندے (یعنی مرغ میدان) جلوہ گر ہیں، نعامہ (شترمرغ) اور اسی جنس کی اور انواع جو آج صرف عرب اور افریقہ تک محدود ہوگئی ہیں نصف کرہ شمالی، یورپ اور شمالی امریکہ میں بھی پائی جاتی ہیں۔ گویا خط استوا کی طرف کوچ بعد میں شروع ہوا۔ نیوزیلینڈ میں آج صرف ایک قسم نعامہ کی رہ گئی ہے مگر ابھی دو سو برس نہیں گذرے کہ شترمرغ سے نسبتہً بہت بڑے بڑے پرندے جن کی اونچائی چار چار گز تک پونہچتی تھی، اُن اقطاع میں آباد تھے جنکو بالآخر اُس سرزمین کے اصلی باشندوں نے نابود کردیا۔ جزیرۂ مدغاسکر میں کچھ اوپر سات صدیاں گذریں کہ ایک عظیم الشان مرغ رہا کرتا تھا جسکے قد آدم کے برابر انڈے ابھی تک الف لیلہ کے افسانوں میں بطور یادگار کے رہ گئے ہیں مگر اسکا نشان آج صرف ہڈیوں میں ملتا ہے۔

"السجدیدۃ الادنیٰ" یا "السجدیدۃ الحاضرۃ" کے اعلیٰ طبق کی مخلوق اور موجودہ مخلوق میں بہت کم فرق نظر آتا ہے۔ عجیب غریب رضاعی حیوانات کی ایک تعداد کثیر سے یہ سب طبقے پُر ہیں۔ اُن کی نو مختلف نوعیں شناخت کی گئی ہیں جن میں ویل مچھلی کی قسم کے مرضعات، آبی گاؤ، سم دار مویشی، کُترنے والے موش، گوشت خور گربہ، کرم خور خار پشت، چمگاڈر، بغیر دانت کے رضاعی حیوان، اور بوزنہ وش انواع شامل ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک نوع اِس زمانے میں بھی پائی جاتی ہے۔ رضاعی اقسام میں عجیب غریب حیوانات مرامیس (گینڈے) ہیں، جن کی بعض قسمیں نہایت خوفناک تھیں جو نابود ہوگئیں۔ ہاتھی کی بعض حیرت انگیز قدآور انواع اِسی زمانے میں ظاہر ہوئیں۔ ایک بالوں والا یال دار ہاتھی (میمتھ) جو انسان کا ہمعصر تھا، اور موجودہ دو اقسام سے کم از کم دوگنا بڑا تھا، شمالی سائبیریا اور انگلستان میں نہایت کثرت سے ملتا ہے۔ اُسکے دانت سائبیریا میں اِس کثرت سے ملتے ہیں کہ روسی تجارت کی محبوب شئے بن گئے ہیں۔ موجودہ فیل کی بقیہ دو اقسام کا بھی انسان کی دستبرد سے مدت تک محفوظ رہنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ ہاتھی دانت کی تجارت کو موجودہ مقدار میں برقرار رکھنے کے لیے دنیا میں ہر سال ایک لاکھ ہاتھیوں کا

مُستخلف فی الارض" کا مقام حاصل کرنیکا قطعی مستحق قرار دیا ہے، اور مسلمانوں میں وہ کیا ضعفِ ایمان اور کیا غیر صالحہ اعمال آگئے ہیں جنہوں نے اُنکی ہزار سالہ عظمت کو محو کر کے اُنکو تنزل کا مترادف ور جہانبانی کا نا اہل کر دیا ہے؟

پیشتر اسکے کہ یہ عظیم الشان سوال، اس کتاب کے طول و عرض میں[4]، ایک مُدلّل اور ناقابلِ انکار طریقے پر طے کر دیا جائے، اِس امر کا فیصلہ ضروری ہے کہ مفسّرین نے جن سہل اور محدود معنوں میں آیۂ استخلاف کو لیا ہے کس حد تک اُس کی مشروط اور مطلق لغت کے تابع، اور سیاق کلام کے مطابق ہے: اولاً اس آیت کا

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۳۵) شکار ہوتا ہے۔ اور چونکہ ہتھنی پندرہ سال میں صرف ایک بچہ جنتی ہے، اور موجودہ حیوانوں میں سب سے زیادہ بطئی النسل ہے، اسلئے چند اور صدیوں کے اندر اس نوع کا تباہ ہو جانا بھی یقینی ہے۔ لیکن "الجدیدۃ الحاضرہ" کے اعلیٰ طبق میں خدا کی جس حیرت انگیز، عالم آرا، اور احسن الخلق مخلوق کا ظہور ہوا وہ حضرت انسان ہے۔ ادنیٰ طبقوں میں کچھ مشکوک سی ہڈیاں ملتی ہیں جنکو رضاعی حیوانات اور ابتدائی انسان کی "درمیانی کڑی" کہا جا سکتا ہے، مگر قطعی طور پر کچھ حل نہیں سکا۔ ایک مدت مدید تک حکمائے مغرب اس "درمیانی کڑی" کی تلاش میں سرگردان رہے، اور اب تک ہیں۔ اعلیٰ طبق میں ابتدائی انسان کے ڈھانچے صاف طور پر ادنیٰ حیوانوں سے ارتقا کئے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اُنکے جسم نسبتاً قوی ہیں مگر دماغ کے حجرے موجودہ انسان کے بالمقابل بہت چھوٹے ہیں۔ قدیم غاروں میں اُنکی ہڈیاں نہایت صفائی سے دبی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اُنکے ساتھ ساتھ اکثر اوقات پتھر اور لوہے کے بیڈھنگے اوزار اور برتن بھی دبے ہیں جنسے معلوم ہوتا ہے کہ آفرینش کے ابتدائی ایام میں انسان اپنے آپ کو زور آور حیوانوں سے بچانے، اور سردی اور گرمی سے محفوظ رکھنے میں مصروف رہا، اس وجہ سے مدت مدید تک وہ کوئی معاشری ترقی نہ کر سکا۔ پہاڑوں کی غاریں اور وادیوں کے اوٹ اُسکے مستقل نشیمن تھے، حفظِ نفس اُسکا منتہائے وحید تھا۔ بالآخر جب انفرادی دفاع مفید نظر نہ آیا تو عقل سلیم نے اجتماعی اور معاشری حیات اختیار کرنے پر مجبور کیا، اور آج اُنکی یہ حالت ہے کہ علم و عمل کے بام بلند پر چڑھکر فطرت کی عالم آرا قوتوں کو قابو میں لانے کی سعی کر رہا ہے!

ارتقائے حیات کی متذکرہ صدر تشریح میں جو بات نہایت قابل لحاظ ہے یہ ہے کہ سلسلہ تکوین متعدد مستقل منازل طے کر کے انسان تک پہنچا۔ "القدیمۃ الاخریٰ" کے پہلے حصے میں زندگی صرف غیر ذیفقری اور مفصلی مخلوق تک محدود رہی، دوسرے اور تیسرے حصے میں ان بے استخوان اور مضغہ وش حشرات سے ریڑھ کی ہڈی والے (ذیفقری) بے دست و پا جانور پیدا ہوئے جن کی نشاۃ اول مچھلی سے ہوئی، چوتھے اور پانچویں حصوں میں مچھلیوں کا اعضائی ارتقا اوج کمال کو پہنچا، چھٹے حصے میں پردار مچھلی کے ساتھ ساتھ پیٹ کے بل چلنے والے دابّہ کا ظہور ہوا۔ "الحیات الوسطیٰ" میں بے دست و پا مچھلی اور دابّہ سے پرو پا دار پرندوں کا ارتقا ہوا۔ پھر "الجدیدۃ القصویٰ" کے زمانے میں دو پاؤں والے پرندوں اور حرازین کے ارتقا سے چار ٹانگوں والے ذات الثدی حیوان پیدا ہوئے جو اس سلسلے کی آخری کڑی ہیں۔ ان انواع شریفہ کا مقدمۃ الجیش "الحیات الوسطیٰ" کے ادنیٰ طبق میں ہی نمودار ہو گیا تھا مگر نوعی ارتقا احسن الخلق انسان پر کر مکمل ہوا۔ طبیعی حکما کا اندازہ ہے کہ یہ تمام نوعی اور جنسی تبدیلیاں لاکھوں بلکہ کروڑوں برس میں جا کر واقع ہوئیں اور بتدریج تمام ہوئیں۔ ادنیٰ مخلوق ہی بلند تر طبقوں میں اُسی ایک سلسلہ توالد و تناسل کے ذریعے سے وقتاً فوقتاً اعلیٰ مخلوق میں مبدّل ہوتی رہی۔ کسی نئی نوع یا جنس کا ناگہاں اور بلا واسطہ ظہور مافوق الطبیعی یا خارق عادت اصول پر نہیں ہوا جیسا کہ عوام کا خیال ہے۔ قرآن حکیم نے سورۂ نور میں حیوانات زمین کی اس وحدت اصل و نسل کو، اور جوارح حیوانی کے اِس تدریجی اور سلسلہ وار انقلاب کو اُن غیر مشکوک، پر معنی، اور نتیجہ خیز مُبَیِّنات میں ادا کیا ہے جن کے حقیقت کشا انکشاف کو صحیفہ فطرت میں بچشم خود دیکھکر خدا کی طاقت کا ہر شخص کے دل میں مشخص ہو جانا، نہیں بلکہ تخلیق عالم اور سرّ حیات کی اصلیت کے متعلق صراطِ مستقیم کا پتہ لگ جانا یقینی ہے!

وَاللّٰہُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَّنْ

[4] اس سوال کے متعلق قطعی فیصلہ غالباً پانچویں مجلد سے پہلے نہ ہو سکے گا۔ لفظ "کُلّ" کی تعمیم، "مَآءٍ" کی تنکیر و تنوین اور "خَلَقَ" کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ یہاں مراد ایک سلسلہ تناسل ہے (صفحہ ۳ کی بقیہ) (۲۱:۳۰) کا آلماء

خطاب بلا قید وقت عام مسلمانوں[1] کیطرف ہے، مگر معاہدہ لا محالہ اُنکے ایک گروہ ہی سے باندھا گیا ہے اگرچہ چونکہ دعوے کی توسیع ایمان اور اعمال صالحہ کی موجودگی میں ہر مسلمان تک ہو سکتی ہے۔ اِس بنا پر مسلمانانِ عالم میں سے صرف اُسی گروہ کا استخلاف شرط ہے جو ایمان اور اعمال صالحہ رکھتا ہو؛ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (۲۴: ۵۵)۔ ثانیاً استخلاف فی الارض کا میثاق، جزیرۃ العرب پر تسلط یا سیادتِ حرمین کے معنوں میں کسی فرد واحد، یا اُسکی نسل، یا زیادہ سے زیادہ عرب قوم کے ساتھ ہو سکتا تھا، سب مسلمانانِ عالم سے ضروری نہ تھا۔ ثالثاً كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ نے معاملہ بالکل صاف کر دیا کیونکہ اسلام سے پہلے حرمین پر

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۳۶) يَمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۲۴: ۴۵-۴۶)

اور لوگو! اس خلاقِ عالم کی طاقت کی یہ شان ہے کہ اس نے روئے زمین کے تمام حیوانوں کو ایک ہی نطفے اور ایک ہی سلسلہ توالد و تناسل کے ذریعے سے (مِنْ مَّاۗءٍ) پیدا کیا، اور آج اِس وحدت تناسل کا نتیجہ یہ حیرت انگیز ہے (فَـ) کہ اُن حیوانوں میں سے بعض وہ ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں، اور بعض وہ ہیں جو صرف دو پاؤں پر چلتے ہیں، اور بعض وہ ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں (اور یہ محیر العقول تباین اور اختلاف اسی ترتیب و تسلسل سے اُس ایک نطفے کی قوت تولید میں ظاہر ہوا ہے)، لوگو! خدا جو شے جس ذریعے سے مناسب سمجھتا ہے پیدا کر دیتا ہے، بگوش ہوش سن رکھو کہ وہ ہر بات کے کر دینے پر قادر ہے۔ اے ساکنانِ زمین! ہم نے تم کم علم اور کوتاہ نظر انسانوں پر یہ حقیقت کشا اور جہاں نما آیات اوج آسمان سے اُتاری ہیں تاکہ تم پر تکوین حیات کا راز عیاں ہو جائے اور یاد رکھو کہ خدائے عظیم اُسی کو علم کے صراط مستقیم پر لے جاتا ہے جسکو مناسب سمجھتا ہے۔

کیا آج سطح زمین کے طول و عرض میں مذاہب عالم کی آسمانی کتابوں کے اندر تکوین حیات کی اِس سے بہتر، صحیح تر اور مکمل تر داستان کہیں موجود ہے؟

طبقات زمین کی تعمیر کے یہ پانچوں زمانے جن کا ذکر اوپر ہوا اور جنمیں زمین و آسمان کی پیدائش فی الحقیقت تکمیل کو پہنچی، اور ظہور انسان سے لیکر آج تک کا زمانہ حال جسمیں بنی نوع انسان کا ارتقا مکمل ہو رہا ہے، مالک کون و مکاں کی حکیمانہ لغت میں وہ "سِتَّةِ اَيَّامٍ" (آیہ ۴۳۲ : ۴۳ صفحہ ۱۴) ہیں جنمیں اُسنے زمین و آسمان کو پیدا کیا؛ یوم کی تشریح کافی طور پر صفحہ ۔ میں گذر چکی ہے، اور لفظ ستہ سے ظاہر ہے کہ قرآن حکیم زمین و آسمان کی تدریجی اور ارتقائی تعمیر کا مؤید ہے پس عہد عتیق کا دعوے کہ دنیا صرف چھ ہزار برس سے قائم ہے از روئے قرآن محض غلط ہے اگرچہ ستہ ایام کا ذکر اُس الہامی کتاب میں بھی موجود ہے؛ حکمائے مغرب نے زمین کی مدت تعمیر کو چھ زمانوں میں اس بنا پر تقسیم کیا ہے کہ انکی مخلوق کے مابین ایک صریح تباین اور قطعی بُعدالامتیاز پیدا ہے جسکے باعث وہ طبقے اور زمانے ایک دوسرے سے طبعاً اور خلقاً الگ نظر آتے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ یہی وجہ افتراق اُس ہدیع کائنات کے پیش نظر ستہ ایام کے الفاظ میں مضمر ہو مگر یہ بحث کسی آیندہ موقع پر بتفصیل کیجائے گی۔

قصیر الجسم ہاتھی جسکا ذکر اصل کتاب (صفحہ ۲۵) میں ہوا، دراصل افریقہ کا باشندہ تھا جو کشمکش حیات کے باعث در بدر بھٹک کر چند صدیاں گذریں نابود ہو گیا۔ اُسکی ہڈیاں آج جزیرۂ مالٹا میں ملتی ہیں۔ ایک نوع کی اونچائی گھٹتے گھٹتے ڈیڑھ گز اور دوسری کی صرف ایک گز رہ گئی تھی۔ نئی دنیا کا ہندی احمر جو آجکل شے عین سے ناقابل یقین سرعت سے ناپید ہو رہا ہے، سولہویں صدی کے احتلال امریکہ کے بعد یورپی اقوام کی جارحانہ دستبرد اور ستم ایجاد کا شکار ہوا؛ انسانیا مستعمرین نے اس بیخ کنی میں سب سے زیادہ شرمناک حصہ لیا۔ ایک موقع پر مہلک متعدی بیماریوں کے جراثیم سے آلودہ کمبل، رواداری اور غریب پروری کے بہانے سے اُنمیں تقسیم کر دیئے جس سے اِردگرد کی آبادی سال بھر میں آدھی رہ گئی۔ لیکن تمدن کے مقابلہ میں آج وہ اور دوسری غیر صالح قومیں جس تیزی سے محو ہو رہی ہیں اس داستان سے کہیں زیادہ دردناک ہے!

[1] اگر نہیں تو آج مِنْكُمْ کا خطاب بمعنی ہر اور تمام آیت سے کوئی مستقل نتیجہ اخذ نہیں ہوتا؛ [2] مثال کے لیئے دیکھو صفحہ ۔ لیکن مِنْكُمْ کے الفاظ نہایت قابل غور ہیں۔

یا عرب میں استخلاف اِن خاص معنوں میں نہ تھا، اور نہ عرب کے متخاصم قبائل ایمان اور اعمالِ صالحہ کا دعوےٰ کر سکتے تھے۔

درحقیقت اِس آیۂ کریمہ میں، شارعِ فطرت نے مسلمانانِ عالم کے سامنے وہ عظیم الشان دستور العمل پیش کر دیا ہے جو ہر کیفیت میں، اور ہر موقع پر اُن کی انفرادی اور اجتماعی، اعتقادی اور عملی، روحانی اور مادّی زندگی میں کامل طور پر کارآمد ہو سکے۔ اِسی نصابِ عمل میں افراد کے اخلاق کی صلاحیت، اعمال کی درستی، اعتقادات کی سلامتی، ہمت کے قیام، قوّت کے توازن، دینی بہبودی، اور دنیاوی مرفہ الحالی کا سامان موجود ہے، اور اِسی ضابطے کے اندر اقوام کے سیاسی غلبے، اقتصادی ترقی، اجتماعی اقتدار، علمی ارتقا، اور تسلّط فی الارض کے جراثیم مخفی ہیں۔ "استخلاف فی الارض" جسکا وعدہ خدائے پاک نے بلا قیدِ وقت مسلمانوں سے کیا محض ایک کمزور اور مرنجان و مرنج ملکی تسلّط ہی کا دوسرا نام نہیں جو مسلمانوں کو کچھ دیر ہوئی سرزمینِ عرب پر حاصل تھا، اور اب بھی زمین کے دو ایک ٹکڑوں پر حاصل ہے، بلکہ وہ تمام روئے زمین یا اُسکے بڑے سے بڑے حصّے پر کامل سیاسی اقتدار، اور مکمّل اجتماعی اور اقتصادی غلبے کا نام ہے؛ وہ قومی آزادی، عملی بیداری، علمی اور ادبی احیا، جمعی عصبیّت، اور اخلاقی علوِّ مرتبت کا وہ انتہائی معراج ہے جو صحیح معنوں میں مسلمانانِ عالم کو کئی سو سال تک قرونِ اولیٰ و متوسطہ میں حاصل رہا، اور معانی کی خاص حدود کے اندر یورپ کی بعض اقوام کو اِس وقت حاصل ہے؛ وہ مغرب کی سیاسی اصطلاح میں امن کے زمانے میں اپنی بہتری کی خاطر ہر ملّی اور بین الملّی وسیلے کا اختیار، اور ایامِ جنگ میں اپنے بچاؤ کے لیئے ہر جائز اور مناسب حربے کا استعمال ہے؛ حرمین شریفین کی حفاظت، جزیرۃ العرب کی کامل سیاسی آزادی، اور رسمی خلافت کا قیام و استحکام، اُسکے کُل کا صرف ایک جزو لاینفک ہے؛ وہ آیۂ استخلاف کے الفاظ میں شارعِ فطرت کی اپنی بنائی ہوئی شریعت، اپنے پسند کیئے ہوئے نظامِ عمل، اور اپنے اختیار

* اِن اہتم بالشان دعاوی کا ثبوت آگے چل کر اِس کتاب میں جا بجا ملے گا۔

کیے ہوئے مسلک و مذہب کا زمین پر حقیقی تمکن، اور معنوی تسلط ہے: وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا (۲۴: ۵۵) وہ مسلمانوں کے دینی اور دنیاوی عروج، قومی اور انفرادی تفوق اور علمی اور ذہنی تقدم کی وہ خوشگوار منزل ہے جہاں ایمان اور عمل صالح کی قوت افزا وساطت سے ہر شکست کا فتح میں، ہر فنا کا بقا میں، اور ہر خوف کا امن میں تبدیل ہو جانا یقینی ہے۔

جس طرح ہر متنفس میں بقائے نسل اور تحفظ ارث کی خواہش ایک طبعی امر ہے اسی طرح پر ابتدائے آفرینش سے آج تک، ہر زندہ قوم کا منتہائے نظر قیام سلطنت اور حفظ نسل رہا ہے۔ قرآن حکیم نے اس حقیقت کو لفظ استخلاف سے تعبیر کیا ہے، اور ظاہر کر دیا ہے کہ اسلام سے پہلے بھی اقوام عالم میں یہ فطری جذبہ موجود تھا۔ شارع دین نے بعینہٖ اسی قطع کے تخلف کا وعدہ، سابقہ اقوام کی مانند مسلمانوں سے بھی کیا، اور اسی قرینے سے اس نے جا بجا وراثت زمین کے نام سے موسوم کیا ہے:۔

قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوا ۚ إِنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝† (۷: ۱۲۸)

موسیٰ نے اس پر اپنی قوم سے کہا کہ تم ان مشکلات کی حالت میں اللہ سے مدد مانگو اور مستقل مزاج بنے رہو۔ زمین تو سب اللہ ہی کی ہے، وہی اپنے بندوں میں سے جسکو مناسب سمجھتا ہے وارث بنا دیتا ہے اور بالآخر جیت تو انہی کی ہے جو مقام خدا سے ڈرتے رہتے ہیں۔

۵۱ اور وہ خدائے عظیم اس دین کو جو اس نے مسلمانوں کے لیے پسند فرمایا ہے متمکن کر کے رہے گا، اور اس حالتِ خوف کو بھی جو آج دشمن سے لاحق ہے، امن سے بدل دے گا۔

† گویا اس آیۂ کریمہ کے رو سے وارث زمین وہی قوم بنتی ہے جس کے افراد میں صبر اور استقلال بدرجۂ اتم موجود ہو۔ اس بنا پر آیۂ استخلاف کو پیش نظر رکھکر عملوا الصّٰلحت کی ایک شق صبر ہے۔ استعانت باللہ سے مراد، درگاہ خدا میں عاجزی کرنیکے علاوہ احکام خدا سے استعانت بھی ہے لیکن خود صبر کے معانی بھی آج مسخ ہو چکے ہیں "یشاء" کے محولہ بالا معانی کا ثبوت دیر میں آئے گا۔ "عاقبۃ" کے معنی یہاں پر قیامت کی آخرت کے نہیں اور نہ اس سے معانی مربوط ہو سکتے ہیں۔ بلکہ اس کا صحیح مفہوم کسی قوم کی سعی و عمل کا اس دنیا میں منتج بخیر یا بشر ہونا ہے۔ انہی معنوں میں "عاقبۃ" کا لفظ آیہ: اَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (۴۰: ۸۲) میں، یا "اَفَلَمْ" کی بجائے "اَوَلَمْ" کے ساتھ (۴۰: ۲۱)، (۳۵: ۴۴)، (۳۰: ۹) میں استعمال ہوا ہے جسکے معنے یہ ہیں: "تو کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ اپنی آنکھ سے دیکھ لیں کہ ان لوگوں کا کیا برا انجام ہوا جو ان سے پہلے ہو گذرے ہیں"۔ "متقین" کی تشریح میں ابھی دیر ہے، لیکن ترجمے میں مطالب کی تصریح کر دی ہے۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ڏ بِمَا صَبَرُوْا † (۷ : ۱۳۷)

اور اس مبارک اور زرخیز سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بالآخر ہم نے اُنہی لوگوں کو کیا جو کمزور گنے جاتے تھے۔ اور خدا کا وعدۂ نیک تو بنی اسرائیل کے حق میں ٹھیک پورا ہوا کیونکہ اُنھوں نے عزم و استقلال سے دشمن کی سختیوں کی برداشت کی تھی۔

اسی ضمن میں ایک اور جگہ بعینہٖ آیۂ استخلاف کا مضمون ہے :-

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ۝ ‡ (۲۱ : ۱۰۵-۱۰۶)

† اس آیۂ کریمہ میں صبر کا انجام اور بھی واضح طور پر وراثت زمین ہے۔ گویا صبر کے معنی استقلال اور استقامت سے سب مشکلات کا مقابلہ کرتے رہنا ہے، ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنا، اور اپنی بربادی کا تماشہ دیکھنا نہیں۔ یہ آیۂ عظمیٰ مسئلہ ارتقا کی تشریح کے ضمن یعنی صفحہ ۱۹ کے تحت المتن میں آچکی ہے۔ مزید تشریح کے لیئے وہاں دیکھنا چاہیئے۔

‡ ان آیاتِ الٰہی میں 'وارثینِ زمین' کی مکمل تشریح 'عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ' کے الفاظ میں کر دی گئی ہے 'صلاح' کی تعریف از روئے قرآن مجید جامع و مانع ہے۔ علیٰ ہذا القیاس لفظ 'عبادت' کی۔ مگر یہ امر نہایت غور طلب ہے کہ مسئلہ ارتقا کے 'بقائے اصلح' کا مفہوم اس آیۂ کریمہ (۲۱ : ۱۰۵) کے دعوے کے کسقدر عین مطابق ہے۔ 'عبادت' کا لفظ عبد سے مشتق ہے جسکے معنی غلام کے ہیں۔ اور وہی قوم درحقیقت عابد ہے جو خدا کی عملاً غلام ہے جو اُسکے قانون اور احکام پر عمل کر رہی ہے۔ ورنہ کوئی رسمی نمازگزار اور باقی احکام سے غافل قوم عابد کہلانے کی مستحق نہیں ہو سکتی کیونکہ ملازمت کی شرطِ اول آقا کے احکام کی تعمیل ہے۔ لیکن 'عبادت' کے متعلق مکمل بحث اصل کتاب میں آگے چل کر جا بجا آئے گی۔

'صلاح' کی ایک اہم شق ہم نے 'صبر' بتلائی۔ لیکن اگر 'صالح' کے معانی کی ایک جھلک کتاب کے اس ابتدائی حصے میں دیکھنی ہو تو اس آیۂ کریمہ پر غور کرنا ضروری ہے جس میں شارع کائنات نے نوزائیدہ بچے کو 'صالح' کہا ہے :

فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَاۗءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (۷ : ۱۸۹-۱۹۰)

پھر جب خداوند کے لطف سے بیوی کا حمل ٹھیر گیا اور وہ رفتہ رفتہ بوجھل ہوتی گئی تو مرد اور عورت دونوں ملکر دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! اگر تو ہمکو یہ بچہ صحیح الاعضا (صالح) متناسب البدن (صالح) جیتا جاگتا (صالح) خوبصورت (صالح) دیگا تو ہم تیرے بڑے ہی شکرگزار ہونگے۔ پھر جب ان دونوں کو وہ خدائے عظیم صحیح اور سالم، توانا اور تندرست (صالح) بچہ عطا فرماتا ہے تو اُس منعم حقیقی کے ساتھ اُسی انعام دی ہوئی چیز کو شریک کرنے لگتے ہیں، اس بچے کی محبت میں اسقدر منہمک ہو جاتے ہیں کہ خدا کے برابر اُسکو کر دیتے ہیں، اُسی کو اپنا بُت بنا لیتے ہیں۔ تو لوگو! خدائے عظیم اُس شے سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے جو یہ لوگ اُس سے شریک کرتے ہیں۔ (پچھلے حصے کا ثبوت بعد میں آئے گا)

ان آیات سے واضح ہو کہ بچے کا صالح ہونا اسکا فی الحقیقت بے نقص اور تندرست، صحیح الاعضا اور سالم الجسم ہونا ہی ہے یہی ڈر ماں باپ کو حمل ٹھیرنے کے بعد لگا رہتا ہے۔ ورنہ ماں کے پیٹ سے بچے کا نیک پیدا ہونا بے معنی ہے اور نہ یہاں جوان بنکر نیک ہونے کا ذکر ہے۔ اس نقطۂ نظر سے صالح قوم وہی ہے جسکا ہر عضو درست ہو، متناسب ہو۔ بڑھا گھٹا نہ ہو، اُسکے ہر حصے میں یکساں بیداری ہو، حیات کا جوہر لطیف اُسکی ہر رگ و پے میں دوڑ رہا ہو وغیرہ وغیرہ جبتک مسلمانانِ عالم ان معنوں میں صالح رہے وراثت زمین اُنکے پاس رہی۔ جب صلاح کے معنی محدود ہو گئے تو اس آیت (۲۱ : ۱۰۵) کی ناروا تاویلیں بھی ہونے لگیں مگر کلام خدا کے صحیح مفہوم میں ردّ و بدل قطعاً محال ہے۔ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ (۶ : ۱۱۶) اِسکی شہادت ہے۔

اور ہم زبور میں تمام احکام کی شرح وذکر کے بعد یہ بات لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث تو ہمارے صالح العمل بندے ہی ہیں۔ بلاشبہ اسمیں اطاعت گذار قوم کے لیئے ایک بڑا پیغام ہے۔

اور سورۂ زمر کے تفسیر میں:۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ۝ † (۳۹ : ۷۴)

اور وہ لوگ کہیں گے کہ شکر ہے اُس خدا کا جسنے اپنا یہ وعدہ بھی سچ کر دکھایا، اور اس سے پیشتر زمین کا وارث بھی ہمیں کو بنایا، اب ہم بہشت میں جہاں بھی چاہیں رہیں گے، تو دیکھو کام کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے!

اب یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ آیۂ استخلاف میں فاطر ارض وسما نے خاص مسلمانانِ عالم کے ساتھ ایک ایسے کامل سیاسی غلبے کا حتمی وعدہ کیا ہے جو محض سرزمین عرب پر قبضے کے متعلق، یا اس کمزور اور برائے نام خلافت کے قیام پر ہی مشتمل نہیں جسکو یورپ کی خون آشام طاقتیں آج ایک لمحے کے لیئے چین نہیں لینے دیتیں، بلکہ اُسکا نصب العین دنیا کے عظیم ترحصے پر حقیقی اور قرار واقعی سیاسی اور اجتماعی حکومت ہے۔ اِس نعمت عظمیٰ کے حصول کے بغیر نہ تو خدائے پاک کا دین کسی معنوں میں اکنافِ عالم میں متمکن ہو سکتا ہے، اور نہ وہ خوف جو آج ہر سمت سے مسلمانانِ عالم پر طاری ہے کسی طرح امن سے بدل سکتا ہے۔

† یہاں پر لوگوں نے 'الْاَرْضَ' کے معنے ارض جنت لے لیئے ہیں۔ مگر اس دل خوش کن تاویل کی کوئی سند نہیں۔ اَوْرَثَنَا کا ماضی کا صیغہ اور نَتَبَوَّاُ کا حال کا صیغہ اِس کا شاہد ہے کہ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ کا واقعہ پیشتر کا واقعہ ہے۔ اور جب الْجَنَّةِ کا ذکر آگے صاف ہے تو خدا کے کلام میں ایک آیت کے اندر یہ بے نتیجہ تکرار پیدا کرنا محض لغو ہے۔

دوسری بات جو غور طلب ہے یہ ہے کہ اس آیۂ کریمہ میں بھی 'فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ' کہہ کر سعی و عمل پر کسقدر زور دیا گیا ہے۔ گویا عمل وہ چیز ہے جسکا نتیجہ وراثت زمین ہے۔ اور وراثت زمین کا نتیجہ ہی الْجَنَّةُ آخرت میں ہے!!

ایک اور اہم بات جو قابل لحاظ ہے یہ ہے کہ ان سب آیات (یعنی (۷ : ۱۲۸)، (۷ : ۱۳۷)، (۲۱ : ۱۰۵) اور (۳۹ : ۷۴) میں بھی 'الْاَرْضَ' کا لفظ مطلق معنوں میں استعمال ہوا کہ کسی خاص حصۂ زمین کی تخصیص ان میں نہیں جیسا کہ بعض شارحین نے آیۂ استخلاف میں فرض کر لیا ہے۔

یہ آیت اُسوقت نازل ہوئی تھی جب دینِ الٰہی کے سچے علمبرداروں، اور بے ریا عمالوں کی ایک چھوٹی سی جماعت، کفارِ مکہ کے سلوک سے تنگ آکر مدینے میں پناہ گزین ہوگئی تھی۔ دشمن کے پے در پے حملوں کے باعث خوف وہراس ہر طرف طاری تھا؛ مجبوری اور بے چارگی کا یہ عالم تھا کہ ایک لمحے کے لیے بھی ہتیار بدن سے جدا نہیں ہوسکتے تھے؛ مَردوں اور یتیموں کی نیم شبی آہیں، اور عورتوں اور بوڑھوں کی صبحگاہی دعائیں آسمانوں کو ٹکرا رہی تھیں۔ مایوسی اور اضطراب کی ان گھڑیوں میں، خدائے پاک کی غیرت نے جوش زن ہوکر مُسلمانوں کو بشارت دی کہ اگر تمہارے ایمان میں یہ استواری، اور اعمال میں یہ صلاحیت ہے تو یقین جانو کہ دُنیا کی کوئی طاقت تم کو مقہور و مغلوب نہیں کرسکتی؛ تم خدائے واحد کے پرستاروں کی ایک عاجز اور حقیر جماعت ہو، مگر یاد رکھو کہ قادرِ مطلق کی جناب میں تمہارے کاموں کی حقیقی وقعت، اور تمہارے ایمان کی سچّی قدر ہے؛ تمہارے سینوں میں صداقت کے موجزن دریا، اور حقانیت کے اُمڈتے ہوئے طوفان ہیں؛ تمہارے دلوں میں خدا کی مُحبّت کا سچا ولولہ، اور رسول کی اطاعت کا سچّا ولولہ ہے؛ تم بے خان ومان ہو، مگر تمہاری نظروں میں آخرت کی لازوال متاع، اور عقبیٰ کی راحت افزا منزل ہے، تم بے سروسامان ہو، مگر تمہاری اَنتھک کوششیں اور اتحادِ عمل ہی خدا کی دائمی نصرت کا سامان ہیں؛ تم قلیل التعداد ہو، مگر جہاں جاتے ہو استقلال کے فرشتے تمہارے ہمرکاب، اور حوصلوں کے غیبی لشکر تمہاری تائید پر ہوجاتے ہیں: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَآءَتْکُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْھَا، وَکَانَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا۝† (۳۳ : ۹)؛ تم ایک ہو، مگر قوتِ ایمان اور صلاحِ عمل کی برکت سے

ؔلہ اے ایمان والو! خدا کے اس احسان کو یاد کرو جو اُسنے تم پر کیا تھا جب کہ تم پر لشکر کے لشکر آچڑھے تھے۔ تب ہم نے اُن پر آندھی بھیجی اور اسکے علاوہ اور لشکر بھی جو تم کو دکھائی نہ دیتے تھے۔ یہ سب کچھ اس لیئے تھا کہ اللہ تمہارے مردانہ وار اعمال کو بغور دیکھ رہا تھا اور تمہاری تائید و نصرت پر بہمہ وجوہ تُلا ہوا تھا۔

† ۵ ہجری میں غزوۂ خندق کے موقع پر اس جلیل القدر آیت کا نزول ہوا۔ آیت کے آخری حصے "وَکَانَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا" سے ضمناً یہ ظاہر ہے کہ صدرِ اسلام کے مومنوں کا سعی و عمل ہی نصرتِ خدا کا باعث ہوا تھا نیز یہ کہ شارعِ کائنات ؐ کی توجہ سعی و عمل کی طرف کس قدر ہے اور اسکا انعام کیا ہے۔

دس ہنجاتے تم ہو، تمہارا عزم صمیم اور سچا ایثار ہی تمہارے لیئے پیغام بقا ہے؛ دشمن کے ہجوم نے ایک لمحے کے لیئے تم کو مرعوب اور بے بس کر دیا ہے، مگر میرا تم سے وعدہ ہے کہ اگر تم میں یہی خوبیاں رہیں تو تم نہ صرف خانہ کعبہ کے قطعی محافظ، اور سرزمین عرب کے حقیقی وارث بنوگے بلکہ کسریٰ کی دیرینہ عظمت کے اصلی حقدار، اسکندر کی عالم آرا سلطنت کے مسلّم جانشین، بکرماجیت کی بھارت کے سچے سپوت، اور قیصر کے دنیاوی جاہ و اُبہت کے بہترین خلف ٹھیروگے!

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ† اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۚ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ‡ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ۝ (۱۴ : ۱۳-۱۴)

اور منکرینِ خدا نے اپنے پیغمبروں سے کہا کہ ہم تم کو اپنی زمین سے نکال باہر کرینگے یا ہار کر تم پھر ہمارے مذہب میں آملوگے۔ اس پر خدا نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ تم بدستور اپنی سعی میں لگے رہو ہم یقیناً ان ظالموں کو ہلاک کر دینگے اور ان کے پیچھے تم ہی کو اس سرزمین میں بسائیں گے۔ یہ صلہ اس قوم کا ہے جو میرے مقام و منصب سے ڈر کر میرے احکام کی اطاعت کرتی رہی، اور جسنے میرے عذاب سے بچنے کی کوشش کی۔

اِس بحث و تمحیص کے بعد یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ آیہ استخلاف مسلمانوں کے ساتھ وراثت زمین کے متعلق ایک **مشروط وعدہ** ہے، اجتباری اور بلا قید شرط نہیں۔ جب تک مسلمانانِ عالم **ایمان** اور **اعمال صالحہ** کے صحیح مفہوم پر کم و بیش قائم رہے زمین کے ایک عظیم تر حصے کی وراثت اُن کے قبضے میں رہی، دین اسلام کا تمکّن مستقل ہوتا گیا، اور یکے بعد دیگرے ہر مخالف طاقت کا خوف امن سے بدل گیا۔

† اس موقع پر 'اَرْضِنَا' سے مراد منکرینِ خدا کا وطن ہے اور اس لحاظ سے (۱۴ : ۱۴) میں 'الْاَرْض' کے معنے بلاشبہ اسی مخصوص سرزمین کے ہیں۔ مگر آیہ استخلاف یا اور متذکرہ صدر آیات میں جنہیں 'الْاَرْض' کا لفظ واقع ہے تخصیص اسلیئے نہیں ہوسکتی کہ ان میں کسی خاص وطن کا ذکر نہیں۔

‡ یہاں صاف ظاہر ہے کہ 'مَنْ' کسی فردِ واحد کے لیئے نہیں آیا بلکہ تمام قوم کے لیئے استعمال ہوا ہے۔ اجتماعی حرف موصول کی اس قطع کی مثالیں قرآن حکیم میں آگے چل کر جابجا ملیں گی۔ ایک مثال مسئلہ ارتقاء کے تحت المتن صفحہ ۱۳، آیہ (۷ : ۳۵) میں گذر چکی ہے : فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

قرآن کی اعجاز نما تعلیم نے ایک اقل قلیل مدت میں عرب کے رہزنوں اور مردم کش وحشیوں کو روحانیت اور ایمان کے حلقۂ اثر میں لاکر، انکی کایا پلٹ دی۔ ریگستان کے ان بے مُہار حُدی خوانوں کو، جن کی زندگیاں سالہا سال سے ریت کے چٹیل اور خشک میدانوں میں تشنۂ اِل اور آوارہ مراد کٹتی تھیں، خدا کی حبل متین میں جکڑ کر کامران صلاح اور سُبک گام عمل کر دیا۔ بداعمالی اور فسق کے یہی آزادہ رَو بندے، جن کے ہر فرد کو قتل و غارت پر ناز، اور ہر شخص کو بدکاری کا ادّعا تھا، چشم زدن میں طاعت کی لذت اور عشق خدا کی خلش سے آشنا ہو کر، عبودیت کے رہ نورد بن گئے۔ اخلاق کی درستی کے ساتھ ساتھ دنیاوی اعمال میں صلاحیت آگئی۔ وہی طاقتِ عمل جو داحس اور بسوس* کی خانہ جنگیوں میں قومی تخریب کا باعث ہوا کرتی تھی، قرآن کی حسن تجویز سے اعلائے حق میں صرف ہوئی؛ وہی خوش اعتقادی جو لات و منات، ہُبل و عزیٰ کی جاہلانہ پرستش سے قبائل عرب کو نصیب تھی، خدائے واحد کی سرفروشانہ عبادت سے بدل گئی۔ بالآخر ایمان کے انہی بے محابا فدائیوں، اور عمل صالح کے انہی نامصلحت اندیش والہوں نے باطل کو دنیا سے یک قلم محو کر کے، اُسکے ہر گوشے میں صداقت کی گونج اور فدویت کی ہیبت پیدا کر دی! کلام الٰہی نے منتشر قوتوں کو جمع، کمزور جذبات کو مضبوط، اور نفسانیت کو مغلوب کر دیا۔ وحشیانہ عادات کو مناسب سطح پر لاکر، اقتصاد اور میانہ روی کی ہدایت کی حسیات ملیہ کو متحرک اور وسیع الاثر کر کے عالم گیر اسلامی اخوت کا سبق دیا۔ نیتوں کی راستی اور ارادوں کی درستی کو اعمال کے عواقب پر مقدم کر کے ہیجانِ عمل پیدا کر دیا۔ جائز مراسم اور مفید روایات کو مفید تر پیرائے میں بدلکر پھر رائج کیا۔ الغرض ارادات اور اعتقادات کی

---

* زمانۂ جاہلیت کی دو مشہور خانہ جنگیاں حرب بسوس اور حرب داحس کے نام سے موسوم ہیں۔ اول الذکر لڑائی بنی بکر اور بنی تغلب کے درمیان سنہ ۴۹۴ء میں شروع ہوئی اور چالیس برس تک جاری رہی۔ وجہ یہ ہوئی تھی کہ ایک شخص کا اونٹ کھیت میں چلا گیا۔ کھیت والے نے اونٹ کو مارا بلکہ غصّے میں آکر اُس کے تھن کاٹ ڈالے، اس پر فریقین میں لڑائی چھڑ گئی۔ پھر رفتہ رفتہ عرب کے سب قبائل اس لڑائی میں شریک ہو گئے، اور ستّر ہزار آدمی اس خانہ جنگی کی بھینٹ چڑھے۔ حرب داحس گھوڑ دوڑ میں کسی شخص کے گھوڑا بدکانے پر سنہ ۵۶۸ء میں شروع ہوئی اور ترسٹھ برس تک جاری رہی! اس لڑائی کا خاتمہ اُس وقت ہوا جب بعض قبیلے حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ مگر قبیلوں کے قبیلے اُس وقت تک کٹ مرے تھے!

کامل صلاحیت کو **ایمان** سے، اور عبادات اور معاملات کی کامل درستی کو **اعمالِ صالحہ** سے تعبیر کر کے شریعت اور سیاست کی بُنیاد ایک پتھر پر رکھدی۔ اور چند برسوں کے اندر اندر عرب کے ان سیہ کار اور فاقہ مست گداؤں کو شناسائی خدا کے ساتھ ساتھ بادشاہت زمین کی ہر رمز سے آگاہ کر کے عالم ستانی کے لائق اور جہانبانی کا اہل بنا دیا!

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا (۱۷: ۹)

بیشک یہ قرآن اپنے عاملوں کو اُس طرف لیجاتا ہے جو سب سے زیادہ راست اور قیام آفرین ہے اور اُن صاحب ایمان لوگوں کو جو صالح العمل ہیں بشارت دیتا ہے کہ اُنکے لیئے بڑا اجر ہے۔

پس اگر آج تیرہ سو سال کے بعد اسلام کا لہلہاتا ہوا چمن مایوسی اور شکست کی ماتم سرا بن گیا ہے، اگر آج اُسکی ہر روش بربادی کے سپرد، اور اُسکا ہر گوشہ خرابی کا امین بن چکا ہے، اگر اُسکی بد طالعی اور خانہ ویرانی کے افسانے دشمن کے شکر خند اور قہقہے بن رہے ہیں، اگر اسکی بے آبروئی اور فاقہ مستی کا ماجرا شرمندۂ بیان اور رُو کش تشہیر نہیں رہا، اگر آج اُسکی ذلت اور مسکنت کی چوٹ جگروں کو فگار اور سینوں کو پاش پاش نہیں کرتی، اگر بے حسی کے موت آفریں زہر نے آج اُسکے ہر فرد کو بے پروائے سعی اور بیگانۂ عمل کر دیا ہے، اگر افلاس کی غیرت اور بےحرمتی کی آن آج اُسکو منت کش چارہ گر ہونے نہیں دیتی، اگر اس کی نعش جاں سپار پر آج ایک سچا ماتمی اور نوحہ گر موجود نہیں، نہیں نہیں، اگر اسکے عزاداروں کی آسمان رس فغاں اسکے بخت خوابیدہ کو جگا نہیں سکتی، اگر اسکے یتیموں کے دلفگار آنسو، اور بھک منگوں کی جاں گداز آہیں فرش زمین میں شگاف اور سقفِ آسمان میں سوراخ نہیں کرتیں، اگر اسکے پسماندوں کی محشر انگیز سینہ کوبیاں اللہ میاں کے عرش کو متزلزل نہیں کرتیں، اگر خدائے پاک کی غیرت اور شان عفو، زمیں پاش سجدوں اور فلک شگاف دعاؤں کے باوجود، جوش زن اور متحرک نہیں ہوتی، اگر آج محبوبِ خدا اور حبیب ملت نبیؐ کی **شفاعت** بھی اُمت کے حق میں کارگر ہوتی نظر نہیں آتی، نہیں العیاذ باللہ نہیں! اگر خود اُمت اپنی مجرمانہ غفلت اور ظالمانہ طریقِ عمل،

عداوتِ رسولؐ اور عصیانِ خدا کے باعث رحم کی قطعی غیر مستحق، اور شفاعت کی یقیناً نااہل ہوگئی ہے۔ اور آسمانی اور زمینی بلائیں آج ہر طرف سے اُسکے اُجڑے ہوئے جھونپڑوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ویران کر رہی ہیں تو اسکی وجہ یہی ہے کہ مسلمان قرآن کے مقاصد سے قطعاً ناآشنا ہو گئے ہیں اور **ایمان** اور **اعمالِ صالحہ** کے اصلی مفہوم سے کوسوں دور جا پڑے ہیں!

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي* اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۗ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝ (۲۵: ۳۰-۳۲)

اسوقت رسولؐ پاک اللہ کی جناب میں بصد حسرت عرض کرینگے کہ آہ! اے میرے پروردگار، میری اُمت نے تیرے اس بھیجے ہوئے قرآن کو لغو سمجھکر چھوڑ دیا! اور بعینہٖ اسطرح ہم نے ہر نبی کی مخالفت میں احکام خدا سے مجرمانہ تغافل کرنے والوں کی ایک جماعت بنا رکھی ہے، مگر اس مایوس کن حالت میں بھی تمہیں راہ سجھانے اور مدد کرنے کو تمہارا پروردگار بس ہے۔ اور آج منکرین خدا جو اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن سارے کا سارا ایک دم سے رسول پر کیوں نہیں نازل کیا گیا اور جستہ جستہ کیوں اُترا، فی الحقیقت مناسب یہی تھا کیونکہ ہم انکو مطمئن کرنے کی بجائے سب سے پہلے اسکی صداقت اور عظمت کو تمہارے دلنشین کرنا اور تمہارے قلب سلیم کو مطمئن کرنا چاہتے تھے۔ اور اسی غایت کو پیش نظر رکھکر ہم نے اسکو ٹھیر ٹھیر کر اُتارا کہ اسکی ایک ایک آیت کی اہمیت کو تمہارے دل پر کالنقش فی الحجر کر دیں۔

* "قوم" کا لفظ قرآن کریم میں مختلف جگہ پر خاص اُس اُمت کے لیئے آیا ہے جس کی ہدایت کے لئے کوئی رسول بھیجا گیا ہو، مثلاً آیات (۶: ۶۶)، (۱۱: ۳۶)، (۴۳: ۴۴)، (۴۳: ۵۷) میں، اور بالخصوص آیہ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ (۱۴: ۴) میں، "اور ہم نے کوئی رسول اپنے ہاں سے نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہ ہمارا پیغام اُسی زبان میں لے جاتا ہے جو اُسکی قوم کی ہے تاکہ انپر ہمارے منشا کو غیر مشکوک طور پر واضح کر دے"۔ جس سے ظاہر ہے کہ متذکرہ صدر آیت (۲۵: ۳۰) میں قرآن کو لغو سمجھکر متروک کر دینے کا اشارہ بالخصوص قوم عرب کی طرف ہے۔ اور چونکہ کتاب خدا کے عربی زبان میں ہونے کے باعث، اِس کے مقاصد اور مطالب اہل عرب کو عجم کے بالمقابل، بدرجہا واضح تر ہونے چاہیئے تھے، اسلیئے آج فقدان مطالب کی اکثر ذمہ داری اہل عرب کی گردن پر ہے، نہ باقی دنیائے عجم پر۔ آیندہ اوراق میں چلکر بتایا جائے گا کہ اسلاف صالحین سے قطع نظر جن کے سلیم الذہن طبقے قرآن کے عظیم الشان مطالب سے کماحقہٗ واقف تھے، اور جن کے علم و عمل نے ہی فی الحقیقت اسلام کو تمدن کے فلک الافلاک تک پونہچا دیا تھا، اخلاف عرب نے کتاب خدا کو ہجر و ہذیان بنانے میں کسقدر مستقل حصہ لیا، اسکے مطالب میں کیا کیا آمیزشیں کرکے ایک دنیا کو اس سے بیزار کر دیا۔ آج اس زمانے میں بھی مسلمانانِ عالم کے اکثر مذہبی اور معاشری، تمدنی اور اجتماعی معاملات میں اہل عرب کا روایتی اقتدار اس انتہائی حد تک نمایاں ہے کہ اسلام کی موجودہ حالت کی اکثر ذمہ داری بھی اہلِ عرب پر ہی عاید ہوتی ہے۔ اسلام کی داستان زوال کے ہر مرحلے میں یہ امر اسقدر روشن ہے کہ تاریخ کے ہر وسیع النظر طالب العلم کا اس تلخ حقیقت سے انکار کرنا قریباً محال ہو گیا ہے۔

آج قرآن کی سچی عظمت دلوں سے محو ہوگئی ہے! اُسکے عالم افروز مطالب ورمحیّر العقول معانی کو دلنشین کر دینے والے درس متنفس زندہ نہیں رہے؛ اُسکے حیرت انگیز ربط اور مکمل لائحہ عمل کو عیاں کرنے والا ایک فرد باقی نہیں رہا! اُسکی بُرہان ساطع اور حکمت لامعہ، رسمی ادب اور سطحی تعظیم کے گرد آلود جزدانوں اور ریشمین غلافوں کے اندر سربلند طاقوں میں چھپی ہے؛ اسکی حُجت قاطعہ زبان کی عام نافہمی، تراجم کی حسرت آفرین کمی، اور مطالب کی نفرت انگیز تشریحوں کے باعث مُہجر ومہذیان بنکر دردناک کس مپرسی کی حالت میں پڑی ہے۔ طہارت کے سقیم عذروں، رموزِ اوقاف اور اسالیبِ قرأت کے فوق الضرورۃ خوف آلود فتواؤں نے اِس عظیم الشان کتاب کو اور بھی متروک ومہجور کر دیا ہے۔ اِسکے کُھلے کُھلے احکام کے مطالب، اور سیدھی سادی آیتوں کے معانی بھی لغت، صرف و نحو، علم الانشا، علم المعانی، علم البیان، علم البدیع، علم رسم الخط وغیرہ وغیرہ، کے اُن لامتناہی نکات اور مصنوعی رعایات کی شرح وبسط کے نیچے دب گئے ہیں جو عرب زباں دانوں نے محض اپنی زبان کو جِلا دینے کی خاطر ترتیب دیئے تھے۔ قرآن کا صحیح مطالعہ عرب تو درکنار، دنیائے عجم کے نزدیک بھی آج زیادہ تر انہی غیر متعلق علوم وفنون کا شبانہ روز درس والتزام ہے جو اہلِ عرب نے خود قرآن ہی کو معیارِ فصاحت وبلاغت مان کر اُسی کے تتبع میں قرنوں[†] بعد اختراع کیئے تھے۔ مسلمانوں کا درد انگیز قحط عقل، اور اُن کی مضحکہ خیز کم فہمی آج عرب کی کورانہ تقلید میں مغز کو چھوڑ کر پوست کی محبت میں گرفتار ہے، اور قرآن کی نہایت ادنیٰ، وہمی، اور سطحی فضیلت کو اہلِ غرض کی

[†] علم نحو کی ابتدا خلیل ابن احمد (المتوفی ۱۷۰ھ ۷۸۶ء) سے ہوئی، اگرچہ ابو الاسود الدوٴلی (المتوفی ۶۹ھ ۶۸۸ء) نے اس موضوع پر چند ابتدائی تقاریظ لکھیں۔ سیبویہ (المتوفی ۱۸۰ھ ۷۹۶ء)، اور کسائی (المتوفی ۱۸۹ھ ۸۰۵ء) نے بعد ازاں اس فن کو مستقل کیا۔ علم صرف عام طور پر کسائی سے منسوب ہے مگر اسکا اصلی موجد ابو عثمان بکر بن محمد مازنی بصری (المتوفی ۲۴۸ھ ۸۶۳ء) ہے۔ علم لغت کی ابتدا ابو عبیدہ (المتوفی ۲۱۰ھ ۸۲۵ء) نے کی۔ علم انشا کا ظہور ابو جعفر منصور عباسی (المتوفی ۱۳۶ھ ۷۵۴ء) کے عہد میں ہوا۔ علم المعانی والبیان پر پہلی کتاب غالباً عبد القادر جرجانی (المتوفی ۴۷۱ھ ۱۰۷۸ء) نے خلیفہ المقتدی باللہ کے عہد میں لکھی۔ علم بدیع کا موجد ابن المعتز (المتوفی ۲۹۵ھ ۹۰۸ء) ہے جو خلیفہ المعتز کا بیٹا اور المعتمد باللہ کا بھائی تھا۔ درس و تدریس قرآن کے متعلق باقی فنون کی ابتدا بھی نزول قرآن کے قرنوں بعد ہوئی۔ کتاب الٰہی کا مطالعہ صدر اسلام میں ان تمام تکلفات سے بے نیاز ہو کر ہوتا رہا۔ لیکن کیا اِن فنون کی عدم موجودگی میں آج کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کرتا ہے کہ خلفائے راشدین اور صحابۂ کرام کے عہد کے مسلمان قرآن کے مطالب سے بعد کے مسلمانوں کے بالمقابل کم آشنا تھے، یا اُس کی نبوی تعلیم اور معنوی خوبیوں سے کم واقف تھے؟

اپنی بنائی ہوئی دلیل، اور اپنی پیدا کی ہوئی سند سے ثابت کرنے کی لاطائل سعی کر رہی ہے!

تو سر بادیدۂ بر شعلہ می تازی زخاکستر

بہ بینی حسن خاکستر چو در روشنگران بینی

آہ! اِس المناک تکلف اور مجرمانہ ظاہر پرستی کا خمیازہ مسلمانوں کو آج اُٹھانا پڑا ہے جبکہ صدیوں کے اِس بے سود اجتہاد، اور تضییع وقت نے اُنھیں اپنی محبوب کتاب کے مہتم بالشان مقاصد سے اسقدر علیحدہ اور دائمی بہبودی کے حیرت انگیز دستور العمل سے اِسقدر دور کر دیا ہے۔ کاش! جس تصنّع اور ظاہر نوازی سے خلیل ابن احمد، ابو الاسود الدوٴلی، سیبویہ، کسائی، قطرب اصمعی وغیرہم نے قرآن کو ادب و بلاغت کی صحیح محک مان کر اُسے کئی ایک مستقل علوم ادبیہ کا ماخذ و مصدر قرار دیا تھا اگر رازی، ابن رشد، فارابی، ابن حزم، اشعری وغیرہم علیہم الرحمۃ بھی کتاب الٰہی کے دروں کو قانونِ فطرت کا صحیح ضابطہ، اور مشیّت خدا کی صحیح تصویر مان کر اُسی طریقے پر مستقل اور ناقابلِ ردّ علوم الکلام اور علوم الطبیعۃ کی بنیاد ڈالتے، اور قرآن کا تمام ضابطہ عمل عیاں کر دیتے، تو آج اسلام اِس اندوہناک مصیبت میں مبتلا نہ ہوتا۔ برخلاف اِسکے علم کلام میں مسلمانوں کی تمامتر سعی نہایت نازک اور خارج از بحث، مابعد الطبیعی اور غیر مفید موضوعوں کے غلط استنباط اور غلط اجتہاد میں صرف ہوئی۔ معارفِ الٰہی، اوصافِ نبوّت، ماہیّتِ وحی، حقیقتِ روح، بحث امامت، جبر و قدر، احوالِ قیامت، عذاب قبر، خلقِ قرآن، وغیرہ وغیرہ، ایسے مسئلے تھے جن سے کسی غائر نظر کے بعد بھی کوئی یقینی فائدہ یا قطعی نتیجہ مترتب نہیں ہو سکتا تھا۔ یونان کے ضعیف اور لفاظ، غیر مستند اور خیال آرا فلسفے نے اِن مباحث کو چھیڑ کر مسلمانوں کے اعتقادات میں دردناک تصادم پیدا کر دیا۔ اہلِ سُنّت اور شیعہ، خوارج، معتزلہ، قرامطہ وغیرہا کے علاوہ جبریّہ، قدریّہ، مُشبّہ، مُرجیہ، باطنی، ناصبی، غالیہ، وغیرہ وغیرہ بیسیوں فرقے اسلام میں پیدا ہو گئے! اجماع امّت شک میں تبدیل ہو گیا، قرآن کے مطالب کی تنظیم و تنسیق قطعاً ترک گئی، استدلال کا تمامتر رجحان معتقدات اور ظنّیات کی طرف ہو گیا، معاملات اور یقینیات کیطرف توجہ نہ رہی۔

اِن نامراد قضیّوں میں پڑکر مُسلمان قرآن کی حقیقت سے اور بھی دور ہو گئے۔ جمہور عُلمائے دین کی عقائد میں بالغ نظری اور معاملات کی طرف کم نگہی آج ایک بہت بڑی حد تک اِسی مفسدانہ اور شر انگیز فلسفیانہ اجتہاد کا بقیہ ہے۔

وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ (۲۳: ۵۲-۵۴)

اور مسلمانو! یاد رکھنا کہ یہ تمہاری اُمّت اپنے اصلی اساس کے اعتبار سے ایک ہی گروہ ہے جو میری سرکردگی اور سرداری میں قائم ہے، اور وہ اصل مقام خدا کا خوف ہی پس مجھ ہی سے ڈرتے رہو، اور مشترک خوف کے باعث ایک اُمت بنے رہے ہو۔ آہ! لیکن خدا کا خوف اُن سے زائل ہو گیا، اور لوگوں نے آپس میں پھوٹ پیدا کر کے اپنا اپنا مسلک جُدا کر لیا۔ اب ہر فرقہ اپنی اپنی بات پر خوش ہے۔ پس ان سب کو غفلت میں پڑا رہنے دو۔ یہاں تک کہ امرِ الٰہی اُنکے اِس گناہِ عظیم کی پاداش میں سب کا فیصلہ کردے!

علم کی صداقت آزما فضا، اور عمل کے فیصلہ کن میدان میں آج اِس **یونانی فلسفے** کی دھجیاں اُڑ چکی ہیں۔ سطحی خوب صورتی، لفظی نزاع، غلط مقدمات، ظنّی استدلال، عقر نتائج، وغیرہ وغیرہ، کوئی ایسی مد نہیں جسکے رو سے اسکی صلیبّت، حسب نسب، اور نامۂ اعمال کی قلعی نہ کُھل گئی ہو۔ خود مسیحی یورپ بھی آج اپنے کمال قوت اور عدیم المثال تمکّن کے غرور میں کبھی کبھی اِس پرانی، باتونی، اور بے وفا معشوقہ کی داستان دل لگی اور افسوس کے طور پر لے بیٹھتا ہے جسکی دلفریب باتوں کی بلائے محبت میں وہ مسلمانوں کی شہ پر دو سو برس تک گرفتارِ وصال اور منتظرِ نتائج رہا۔ مگر مسلمان ہیں کہ ایک ہزار سال سے زیادہ اِس راندۂ عالم اور مضعفِ یقین، اِس تہیدست اور قلاش محض عجوزہ کے تبسم نما لبوں اور عشوہ سنج نگاہوں کے

٭ حاکمِ وقت کا خوف بشرطیکہ سچا خوف ہو رعیّت کے افراد کے مابین سچا اتحاد پیدا کر دیتا ہے۔ اگر کوئی جماعت کسی ایک شخص کے ماتحت رہ کر متحد نہیں ہوئی تو اُسکو لامحالہ اُس حاکم کا کچھ خوف نہیں۔ خوف کے ہوتے ہوئے تفرقہ ناممکن ہے۔ اور یہ بات ہر منتظم محکمے اور ادارت میں روزمرہ نظر آتی ہے۔ پس تقوےٰ اور اتقا کی ایک اہم قرآنی شق اتحاد اور وحدتِ اُمت ہی۔ اور وہی قوم دراصل متقی ہے جو خوف خدا کے باعث متحد بنکر رہے! اِس عالم آرا اصول کی تائید آگے چلکر جا بجا ملے گی۔ یہاں پر اِس سے بحث نہیں۔

گھائل ہیں اور اپنی دینی اور دنیاوی کشائش کی راہ ابتک اس ناپاک فلسفے کے قدموں تلے دیکھ رہے ہیں! کیا خدائے پاک کا تنبیہی اور تادیبی اشارہ جو آیہ لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ[1] (۵۶ : ۷۹) میں ہے، اور جسکی سطحی تعمیل اور دور از کار تاویل[†] میں مسلمان اس جوش و خروش سے استعاذوں، استغفاروں، اور پے در پے طہارتوں کے بغیر قرآن کا

---

[1] اس قرآن عظیم کو پاک بندوں کے سوا کوئی چھونے نہیں پاتا۔

[†] اس معنی خیز اور حقیقت نما آیت کا غلط استعمال جسقدر مسلمانانِ عالم نے پے در پے کئی قرنوں سے بالالتزام کیا ہے شاید ہی کسی دوسری ایک آیت الٰہی کا کیا ہو۔ کتابِ خدا کے قدیم تر نسخوں میں جسقدر اس کا سرورق پر زیب عنوان ہونا کہیں تحقیق نہیں، اسیقدر اسلام کے زمانہ انحطاط سے آجتک یہ آیت نہایت استقلال کے ساتھ قریب قریب ہر مجلد کا سرنامہ بنتی رہی ہے۔ قرآن کریم کا ہر عالم اور جاہل مؤلف بلا امتیاز اسکو سرورق پر کہیں نہ کہیں جگہ دیتا رہا ہے، اور اسکی شمولیت کو اپنی تالیف کا جزو لاینفک قرار دیکر اپنے زعم میں دنیا کو خدا کی ایک "نئی" مہم کی طرف متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہے، اور طرفہ تر یہ کہ اُسکے غلط العام مفہوم کے متعلق اپنے دل میں ذرا سا شک بھی نہیں رکھتا۔ مگر ہر قوم کے زوال کی داستان دراصل اُسکی حسیات کے زوال کی داستان ہے، جب سعی و عمل کا اصلی ہیجان افراد کے قلوب سے رفتہ رفتہ فرو ہو جاتا ہے اور طبیعتیں آرام پسند بن جاتی ہیں تو انسان اپنے دل کی تسکین کے لیئے چند ایسی باتیں اعتقاد کے طور پر لے لیتا ہے جن کے کرنے میں کم سے کم تکلیف ہوتی ہے اور اُن کے کر لینے سے ایک ڈھارس سی بندھی رہتی ہے۔ جبتک مسلمانانِ عالم کتاب خدا کو کسی جلیل القدر حاکم کا فرمان خسروی یقین کرکے اسکے ایک ایک حرف پر عمل کرنا ناگزیر سمجھتے رہے، اسکی اہمیت اور عالی نسبتی سے خوفزدہ رہ کر لرزتے رہے، اور اسکی تعمیل میں اپنے تن بدن کو تکلیف میں ڈالتے رہے، قرآن کی تعظیم کا صحیح مفہوم عمل اور صرف عمل ہی رہا۔ لیکن جب سعی و عمل سے گریز کرنا آرام دہ نظر آیا تو لوگوں نے قولِ خدا کی لفظی اور زبانی تعظیم کو اپنے اعتقاد کا جزو کبیر بنا کر اپنے نفس کو دھوکا دیا، اسی کو حاکم اعلےٰ کا صحیح منشا سمجھنے لگے، اسی کو حکم حاکم کی مرگ مفاجات فرض کر لیا، اسی میں اپنا تمامتر اعتنا و انہماک صرف کر دیا۔ پھر نفس فریب کار کی اس خوشنما بہانہ سازی نے قرآن کی تعظیم ریشمین جزدانوں میں بند رکھنے، یا کبھی کبھی تبرک کے طور پر "تلاوت" کر لینے پر محدود کر دی، اور جب اس مکروریا کو نباہنا بھی طبیعت پر گراں گذرنے لگا تو اُسکو ہر وقت بالائے طاق رکھنے کا شیوہ اختیار کر کے گویا خدا کو بالائے طاق رکھدیا! آج یہی ابلیس کی بنائی ہوئی منقبانہ دلیل ہر فرد متنفس کے دل میں موجزن ہے، اور باوجودیکہ انسانی تعلق اور تعبد کا انداز ہمیشہ سے یہ ہے کہ کسی مشاہرہ دہ حاکم کے مکتوب کو دیکھکر کئی کئی راتوں تک نیند حرام ہو جاتی ہے، اور دن تیاری اور تعمیل میں صرف ہوتے ہیں۔ اور فہم مطلب کے اضطراب میں اُس منشور خسروی کو اُٹھا اُٹھا کر پڑھا، اور پڑھ پڑھ کر رکھدیا جاتا ہے اور عمل کے سوا کسی دوسری تعظیم کا خیال تک نہیں گذرتا، تاہم مسلمانوں کے نزدیک آجکل تعظیم احکم الحاکمین اور تکریم جلّ و علےٰ کی بہترین تجویز یہی ہے کہ اُسکے مکتوب کو طاق نسیاں پر رکھکر پھر اُس کی خبر نہ لی جائے اور ہر دم باوضو نہ ہونے کا یا اور شیطانی عذر رکھکر اسکو ٹال دیا جائے۔ آہ! لیکن جسوقت کسی قوم کی نیتیں بگڑ جاتی ہیں، جب تکلیف کی بجائے آرام اُن کا شیوہ عمل بن جاتا ہے تو کوئی منطق، کوئی دلیل، کوئی حس مشترک انکو بہتر بنانے کے لیئے کارگر نہیں ہوتی۔ ورنہ خوف خدا کے اُس لشکر انگیز اور کشور کشا زمانے میں جب کہ قرآن کے یہی الفاظ سردار اُمت اور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب پر براہ راست آسمان سے وحی ہو رہے تھے، آپ کی چاہیتی اور رازدار بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ کلامِ خدا کو چمڑوں، اور کھجور کی شاخوں اور ہڈیوں پر لکھکر اُسی طرح علی الحساب ایک صندوق میں ڈال دیا جاتا تھا اور وہ صندوق رسولؐ خدا کی چارپائی کے سرھانے پڑا رہتا تھا!

لیکن اس استدلال سے قطع نظر جن معانی میں آیہ مُطَهَّرُونَ (۵۶ : ۷۹) قرآن کریم کے اندر استعمال ہوئی ہے۔ اُن کا مسلمانوں کی اس خود ساختہ تاویل سے حتماً کوئی تعلق نہیں۔ سورہ واقعہ کے ربط کو ظاہر کرنے کا یہ موقع نہیں مگر چند پہلی اور پچھلی آیتوں کے سیاق سے ظاہر ہے کہ

درس تو درکنار، اُسکے اوراق پر اُنگلی بھی نہیں رکھنے دیتے، یہی معنی رکھتا تھا کہ تم اِس پاکیزہ کتاب کے خدائی مقولات اور اَنمول جواہرات کو یونانی فلسفے کے ناپاک سنگِ امتحان پر رگڑ رگڑ کر، اپنی ہی ناقص عیاری اور نااہلی کا ثبوت دو، اور دنیا کو ابدالآباد تک محوِ حیرت اور شرمسار کر دینے والی صداقتوں کے مابین الدّفتین خزانوں کو

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۵۰) اِس آیت میں کسی بات سے منع کیا گیا ہے اور نہ اِنہا مقصود ہے بلکہ معترضین کو کتابِ خدا کے مفید عام ہونے اسکے علم کے سب انسانی علم وخبر سے بالاتر ہونے، اور اسکی تعلیم کے مصدرِ عزت و امن ہونے کا دعوے حیرت انگیز الفاظ میں پیش کیا گیا ہے:

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۙ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ۙ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۙ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۙ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۙ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ۙ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ۝ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ۙ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ۙ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ۝ (۵۶: ۷۵-۸۵)

تو اے راہ گم کردہ غفلت زدو! اور اے احکام خدا کو مکر سے ٹالنے والے بہانہ سازو! (الفاظ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ۙ (۵۶: ۵۱) کا ترجمہ، جو اِس سے پیشتر آچکے ہیں، اور جہاں سے برابر مُكَذِّبِيْنَ قرآن اور ضَآلِّيْنَ کی طرف خطاب ہو رہا ہے حتّٰی کہ (۵۶: ۹۲) میں بھی انہی (الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ کی طرف عود کیا گیا ہے،) میں تم کو آسمان کی اِس پہنائے بیکران میں کروڑوں میل بلند ستاروں کے مقامات عالیہ کو گواہ ٹھیرا کر کہتا ہوں (اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ) اور بگوش ہوش سُن لو کہ اگر تم کو علم ہوتا تو سمجھ لیتے کہ اِن آسمانی رصدگاہوں کی شہادت ایک بہت ہی بڑی اور قطعی شہادت ہو، کہ یہ قرآن عظیم ایک بڑی ہی بلند پایہ (كَرِيْمٌ)، بڑی ہی قابل قدر و عزت (كَرِيْمٌ) اور بے حد لائق غور و خوض (كَرِيْمٌ) اور فراخور اعتنا و انہاک (كَرِيْمٌ) کتاب ہے۔ ہمارے نزدیک اِس کے احکام کی عزت، اسکے مضامین کی قدر و منزلت، اُن کی اہمیت، ضرورت اور نافعیت، فی الجملہ اسقدر ہے کہ گویا کہ تہوں میں رکھے ہوئے (مَّكْنُوْنٍ) انمول موتیوں کی طرح بین الدفتین لپٹی پڑی ہے، جسکو بوجہ اِس کے نایاب اور بے بہا ہونیکے پاک صاف اور اہل آدمیوں کے سوا کوئی چھونے نہیں پاتا (لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ) کم فہمو! قدرشناس انسانوں کے دلوں میں اِس کتاب عزیز کے احکام کی یہ وقعت کیوں نہو، یہ تو ایزد بے مثال کا اُتارا ہوا کلام ہے جو مخلوقِ زمین و آسمان کا پالنے والا ہے اور سب کو امن و راحت دینا جسکا اولین پیشِ نہاد ہے (رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ)۔ تو کیا تم ایسے قابل قدر، ایسے منفعت بخش اور اسقدر نایاب کلام سے مداہنت اور مسامحت روا رکھوگے (اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ) کیا اِن بے بہا احکام کی تعمیل سے گریز کرنا، اُن کو جھوٹ سمجھکر اُن سے بے اعتنائی برتنا اپنا روزینہ اور ذریعہ معاش بنالوگے (وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ)! تو خیر کچھ پرواہ نہیں شوق سے کرو، لیکن اے اجل زدو! اِس فرمانِ خسروی کو اُسدن کیوں نہ جھٹلاؤ جب کہ اجتماعی شکستِ و ریخت کے قیامت انگیز سمے میں تم میں سے ایک ایک فرد کی جان بدن سے کھچکر حلق میں آ پہنچے گی، اور تم اُسوقت ٹکر ٹکر پڑے دیکھ رہے ہوگے اور ہرگز کچھ نہ کر سکوگے! پھر اُسدن ہم تم سے بھی زیادہ تمہارے حلق سے قریب تر (اَقْرَبُ اِلَيْهِ) کھڑے تمہارا گلا گھونٹ رہے ہونگے، اور تم کو خبر تک نہ ہوگی (وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ)!

اِس مربوط ترجمے سے جس میں ہر آیت کے مطالب کو بعد کی آیت سے سلسلہ وار پیوست کر دیا گیا ہے، یہ ظاہر ہے کہ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ کے الفاظ احکام الٰہی کی قدر و منزلت کو ساکنانِ زمین کی نگاہ میں عیاں کر دینے کے لیئے بطور استعارہ استعمال کیئے گئے ہیں۔ کتاب خدا کو آیہ (۵۶: ۷۷) میں کَرِیْم کا خطاب دیا ہے اور آیہ (۵۶: ۷۸) میں اسکے تکرّم کی توکید مزید لفظ مَکْنُوْن سے کر دی ہے۔ گویا یہ کتاب وہ دُرِّ شہوار اور وہ گوہر نایاب ہے کہ موتیوں کی طرح تہوں میں لپٹی پڑی ہے۔ یہ کسی شے کو لپیٹے رکھنا ہی انسان کے نزدیک انتہائی تعزز کا معیار رہا ہے، اور بعینہ یہی تشبیہ ربِ جلّ و علیٰ نے حوران بہشتی کے متعلق آیہ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ (۵۶: ۲۳) میں فرمائی ہے، گویا وہ حوریں تہوں میں رکھے ہوئے موتیوں کی مانند ہیں۔ حوروں کا فی الواقع لپٹی ہوئی ہونا نہ یہاں مراد ہے اور نہ قرآن کا عرشِ معلّٰی پر آیت زیر بحث (۵۶: ۷۸) میں، بلکہ مقصود احکام خدا یا انعام خدا کی قدر و قیمت

چھوڑ کر، کاسہ گدائی ہاتھ میں لیئے ہوئے، یُونان کی مسخ شدہ حکمت کے دریوزہ گر بنو!

آفتاب اندرون خانہ وما   دربدر میسرویم ذرہ مثال
گنج در آستین و میگردیم   گرد ہر کوئے بہر یک مثقال

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۵۱) کا جتلاتا ہے۔ اِسی قدر و قیمت کی مزید تائید لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ (۵۶: ۷۹) کے الفاظ سے کر دی ہے یعنی وہ لپٹے ہوئے موتی اسقدر قیمتی اور آبدار ہیں کہ میلے ہاتھوں کا اُن کو چھونا بھی منع ہے۔ یہی تخصیص سورۃ الرحمٰن میں حوروں کے متعلق کی ہے: لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ (۵۵: ۵۶ و ۷۴) یعنی "کسی جن و انس نے ان کو اس سے پہلے چھوا تک نہ ہوگا۔"

اب رہا یہ سوال کہ کتاب خدا کی قدر و منزلت آیا اسی سطحی تعظیم میں ہے جو کم ہمت مسلمان آج کر رہے ہیں، یا اُسکے مشمولہ احکام کی تعمیل کرنا ہی قرآن کریم کی صحیح قدرشناسی اور عزت ہے۔ اِس کا جواب آیۂ مُّدْهِنُونَ (۵۶: ۸۱) اور آیۂ تُكَذِّبُونَ (۵۶: ۸۲) میں ہے۔ اِن دونوں آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن کریم سے مداہنت' یہی ہے کہ مکر اور چرب زبانی سے کام لیکر اسکے احکام کی آرام دہ تاویلیں کر دیجائیں، ان کی تعمیل سے گریز کیا جائے، اور نری سطحی آؤ بھگت کر کے العیاذ باللہ خدا کو دھوکا دیا جائے۔ یہی کفر کے صحیح معنی ہیں اور یہی تکذیبِ آیاتِ الٰہی ہے۔ جیساکہ دوسری مجلد میں واضح کر دیا جائے گا۔ خدا کی نظروں میں مکذب' وہی شخص ہے جو اُسکے کہے پر عمل نہیں کرتا خواہ وہ اُسکے قول و کلام کا مُنہ سے رسمی اقرار کرے یا نہ کرے اِنہی معنوں میں رسول خدا صلعم کے زمانے میں اکثر اہل عرب مکذب تھے۔ مُنہ سے مقر ہو جانا اور عملاً تکذیب کرنا خدا بلکہ فی الحقیقت ہر اولو الامر کے نزدیک وہ فعل عبث ہے جس کی کچھ اُجرت نہیں۔

تعجب ہے کہ احکام الٰہی کو عملاً ماننے کی اس حیرت انگیز تحریص و ترغیب کے باوجود آیۂ مُطَهَّرُونَ کے معانی یہ لیئے جاتے ہیں کہ خدا نے اس کتاب کو ہاتھ مُنہ دھوئے بغیر چھونے سے منع فرمایا ہے، اور صرف رسمی تعظیم مقصود ہے۔ ایک سلیم الذہن شخص کے نزدیک یہ تشریح نہایت لغو اور مضحکہ انگیز ہے۔ یہ خدا کی شان سے حتماً بعید ہے کہ اپنے فرمانِ خسروی کی ایسی ناقص اور بے معنی تعظیم کرنے کا حکم دے جو آج کسی معمولی سے معمولی حاکم کو بھی قطعاً گوارا نہیں، اور جسکا نتیجہ اسکی تبلیغ و اشاعت کو بیحد محدود اور نامسلمان ملکوں میں قطعاً مسدود کر دینا ہو۔ مگر اس تمام استدلال سے قطع نظر، کیا آج غیور مسلمانوں اور بالخصوص سات کروڑ ہندی مسلموں کے لیئے یہ ڈوب مرنے کا مقام نہیں کہ آیۂ مُطَهَّرُونَ کی اس تاویل کو بالاتفاق تسلیم کرتے ہوئے بھی اُن کی فاقہ مستی اور بے نوائی اُنکی بے حسی اور لاابالیت اس حد تک پونہچ چکی ہے کہ قرآن کریم کی اکثر اشاعت اور طباعت کا فراد ناپاک ہندؤں کی وساطت سے ہو رہی ہے۔ اُن کا اس کتاب کو چھونا تو در کنار، عین سرورق پر آیۂ مُطَهَّرُونَ کے ساتھ ساتھ اُنکے نام نامی لکھے جاتے ہیں، اور کوئی نہیں پوچھتا کہ یہ کیا اندھیر ہو رہا ہے!

میرا مقصود اِس تمام بحث و تمحیص سے حتماً یہ نہیں کہ کلام الٰہی کی ظاہری تعظیم نہ کی جائے یا کم کر دیجائے' بلکہ یہ کہ صحیح قدرشناسی صرف اُسکے احکام کی تعمیل میں ہے اور بس۔ جو شخص قولِ خدا پر عمل کرنے کی نیت سے اپنے آپ کو تکلیف میں ڈال رہا ہے وہی اُسکے قول کی تعظیم کر رہا ہے، وہی اُسکو مان رہا ہے۔ اِسمیں شک نہیں کہ اکثر اوقات یقین و عمل کے ساتھ ساتھ ایک ظاہری ادب بھی خود بخود پیدا ہو جاتا ہے مگر ایسا احترام باری لحاظ کسی وجہ سے قابل اعتراض نہیں۔ جس بات پر اعتراض ہے یہ ہے کہ کتاب خدا کے بارے میں مسلمانوں کے دلوں میں ریا و مکر کی تعظیم نہ ہو، جمود و فریب کی عزت نہ ہو، آرام دہ "تکلف" نہ ہو، تسکین دہ بناوٹ نہ ہو، دل سے انکار اور مُنہ سے اقرار نہ ہو، نفس کو دھوکہ نہ ہو، شیطان کی ساعد نہ ہو، خدا سے گریز نہ ہو! اگر یہ ہے اور ساتھ ہی جنت کی لو بھی لگی ہے تو مسلمان وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ (۳: ۵۴) کے مضمون کو یاد رکھیں اور سمجھ لیں کہ اس خوش اعتقادی کا کیا انجام ہو سکتا ہے!

(باقی بر صفحہ آیندہ)

۵۱ اور اِدھر اُن لوگوں نے مکر کیا تو اُدھر خدا اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ مکاروں کے بالمقابل بہترین چال چلنے والا ہے۔

مغربی حکمت کے اِن شیدائیوں نے آہ! اس تیرہ سو برس کے اندر قرآن کی مقدس مجلدات کو درس کے ہر موقع پر آنکھوں سے لگاتے اور بار بار چومتے وقت ایک مرتبہ بھی اُسکے اُن دعاوی پر غور نہیں کیا جنکو وہ ہر نئے موضوع کے عنوان میں، ہر دقیق بحث کے ضمن میں، اور ہر تازہ اکتشاف کے ضمیر میں پکار پکار کر کر رہا ہے۔ آہ! قرآن حقیقت کے اِن گمراہ متلاشیوں کو سوفسطائی فلسفے سے ہٹا کر حق و یقین کے راہ راست پر ہی لا رہا تھا جب اُس نے کہا تھا کہ اسکی آیات حکمت کے کامل اُستاد، اور غالب البرہان خدا کے اپنے ہاں سے اُتری ہیں: تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ۝[۵۱] (۳۹: ۱)؛ اُس بے مثال ہستی کا روئے سخن حکمت کے انہی نامراد ہرجائیوں کی طرف تھا جب اُس نے قرآن کو حکمت کی بے بدل اور جامع ومانع کتاب قرار دے کر اسکی قسم کھائی تھی: یٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝[۵۲] (۳۶: ۱-۴)؛ وہ ربّ عزیز و حکیم، فی الحقیقت، انسان کو اسکی اپنی ایجاد کی ہوئی ہر حُجّت اور حکمت سے عملاً بے نیاز کر رہا تھا، جب اُس نے اپنی بھیجی ہوئی بُرہان، اور اپنے بنائے ہوئے قانون کو "کتاب حکیم" کا جامع اور مانع لقب دیا تھا: تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ۝[۵۳] (۱۰: ۱)؛ شارع زمین و آسمان کی مراد حکمت کے انہی نادان اور کم علم فلسفیوں کو صراط مستقیم پر لانے کی تھی جب اُس نے جتلا دیا تھا کہ تمہارا اُمّی نبیؐ تو قرآن کے مہتم بالشان حقائق

---

۵۱ سورۂ زمر کے علاوہ جس کا حوالہ متن میں دیا گیا، یہی آیت دو اور جگہ زیب عنوان ہے جن کا حوالہ یہاں پر دیا جاتا ہے: تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (۴۵: ۲)، تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (۴۶: ۲)، سورۂ مومنون میں "العزیز العلیم" ہے: تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (۴۰: ۲)۔ ترجمہ ان کا یوں ہے: یہ تحریری پیغام (الکتٰب) بارگاہ جلّ و علٰی کی طرف سے تمام عالم کے نام ہے جو بڑا غالب القویٰ (بڑا صاحب علم (۴۰: ۲)) اور بڑا صاحب حکمت ہے۔

۵۲ قرآن حکیم اس بات کا شاہد ہے کہ بیشک تم خدائے عظیم کے پیغامبروں میں سے ہو اور اسی صراط مستقیم پر چل رہے ہو جو مقصود خدا ہے۔

۵۳ یہی آیت سورۂ لقمان کے زیب عنوان بھی ہے: تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ (۳۱: ۲)۔ ترجمہ یوں ہے: یہ احکام الٰہی (آیات) اُس قانون جلیل سے ماخوذ ہیں جو ایک مجسمہ حکمت کتاب ہے۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۵۲) مواقع النجوم کی قسم کا صحیح مفہوم، اسکی عظمت کی تشریح، اور حلقوم تک پہنچنے والی موت کی صحیح کیفیت کا ذکر کسی موقع پر کر دیا جائے گا۔ محولہ بالا ترجمے میں مطالب بہت کچھ عیاں کر دیئے ہیں اور ظاہر ہے کہ مواقع النجوم کی شہادت لامحالہ اُس افق اعلیٰ کی شہادت ہے جو انسان کو کمال علم کے باعث حاصل ہو جاتی ہے، اور جو عرب کے پیغمبر اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حتماً حاصل ہو گئی تھی اس کیف نبوّت کا ذکر مسئلہ ارتقا کے تحت المتن صفحہ ۲۱ میں ہو چکا ہے۔

حکیم و علیم خدا کے ہاں سے براہِ راست سیکھ کر آتا ہے: وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۝ (۲۷: ۶) اور اُسکی آیات پڑھکر دنیا کو حکمت اور طہارتِ نفس سکھلاتا ہے: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (۳: ۱۶۴)۔ اوب آموزِ ازل

۱ے اور اے محمدؐ! اس میں شک نہیں کہ تم قرآن کی عظیم الشان حکمتوں کو حکیم و علیم خدا کے پاس سے سیکھ کر آتے ہو۔

۲ے لوگو! اس خدائے عظیم نے ایمان والوں پر بڑا ہی احسان کیا کہ اِن بے علم اور اُجڈ، اَن پڑھ اور انجان اہل عرب میں (فِيْهِمْ، دیکھو (۶۲: ۲)) اُن ہی میں کا، اور حسب پسند ایک رسول بھیجا جو آج فرستادہ خدا ہونے کے باعث اس قدر صاحب علم ہو گیا ہے کہ اُن پر خدا کے عالم آرا احکام واضح کر رہا ہے (يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ)، ان کو آلائش گناہ سے پاک صاف کر رہا ہے، اُن کو قانون الٰہی (الْكِتٰبَ) کا علم دے رہا ہے، خدائے علیم و حکیم کی حکمت سکھلا رہا ہے، ورنہ اس سے پہلے تو یہ جاہل لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

قریب قریب یہی مضمون (فِيْهِمْ) اور (يُعَلِّمُهُمْ) کی ذرا زیادہ وضاحت کے ساتھ چار اور موقعوں پر آیا ہے۔ سورہ جمعہ میں ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (۶۲: ۲)

لوگو! وہ خدا ہی تو ہے جس نے عرب کے اَن پڑھ اور اُجڈ لوگوں کی ہدایت کیلئے اُن ہی میں کا ایک اُمّی اور پہلے آسمانی صحیفوں سے نا آشنا شخص اپنا قاصد بنا کر بھیجا، وہ شخص آج فرستادہ خدا ہونیکے باعث ہی اسقدر صاحب علم ہو گیا ہو کہ اہل عرب پر خدائے عظیم کے عالم آرا احکام واضح کر رہا ہے انکے دلوں کو اپنی زندگی کے پاکیزہ نمونے اور زور عمل سے آلائش عصیان و جمود سے پاک کر رہا ہو (يُزَكِّيْهِمْ)، انکو قانون الٰہی کا علم دے رہا ہے خدائے حکیم کی حکمت سکھلا رہا ہے، ورنہ اس سے پہلے تو یہ جاہل لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

سورہ بقرہ میں ہے:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۲: ۱۵۱)

اے ساکنانِ عرب! یہ احسانات جو او پر شمار ہوئے اسی قطع کے ہیں جیسا وہ عظیم الشان احسان کہ ہم نے تم کو راہ راست پر لانیکے لیے تم ہی میں کا ایک رسول بھیجا جو ہمارے احکام تم پر واضح کرتا ہو، تمہارے نفس کو گناہ کی آلائش سے پاک کرتا ہے، تمکو قانون الٰہی کا علم دے رہا ہو عزیز و حکیم خدا کی حکمت سکھلا رہا ہے، اور المختصر یہ کہ تمکو ان عظیم الشان حقائق فطرت کا علم دے رہا ہے جن کا اس سے پہلے تمہیں کچھ علم نہ تھا۔

ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا بھی یہی انداز تھا:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (۲: ۱۲۹)

اے ہمارے پروردگار! تو اِن بے علم اور انجان اہل عرب میں ان ہی میں کا ایک رسول بھیج، جو تیرے احکام اِن پر اچھی طرح واضح کر دے، انکو تیرے قانون جلیل کا علم دے، تیری جلیل القدر حکمت کا درس دے، اور انکی اصلاح کرے (يُزَكِّيْهِمْ)، اسمیں شک نہیں کہ تو بڑا ہی غالب البرہان اور صاحب حکمت خدا ہے۔

سورۂ نسا میں ہے:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ (۴: ۱۱۳)

اور اے محمدؐ! اس خدائے ذوالجلال کا تم پر بڑا ہی فضل ہوا ہو اُس نے اپنی کمال عاطفت سے یہ کتاب عظیم تم پر اُتاری، اور یہ کتاب کیا ہے، دراصل مجسمہ حکمت ہو، جسکے ذریعے سے خدائے علیم و حکیم نے تم کو وہ حقائق عالیہ سکھلائے ہیں جن کا تم کو اس سے پیشتر علم نہ تھا۔

نے یونانی فلسفے کے اِن خوشہ چینیوں کو قرآن ہی کیطرف بُلایا تھا جب اسکی سچّی اور بے عیب حکمت کو بشریت کے ہر نقص سے بری، اور انسانی صناعت کے ہر سُقم سے پاک ٹھیرایا تھا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۜ سکتہ (۱۸: ۱)، اور صاف فرمادیا تھا کہ ساکنانِ عالم کو محیط ظلمت سے نکال کے نور میں نکالنے والی یہی کتاب ہے: كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۥ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰي صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ (۱۴: ۱)؛ آہ! مغربی منطق کے ان ذلّہ برداروں نے قرآن میں یونانی فلسفے کے ذریعے سے اجتہاد کرتے وقت نہ سمجھا کہ قرآن کی قطعیّت اور کفایت کی یہی دلیل بس ہے کہ وہ ایک کامل باعلم اور کامل باخبر ذات کی طرف سے ہے: كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝ (۱۱: ۱)، اور اس بنا پر اسکے معارف و حقائق میں کسی ناقص، غیر قائم اور عارضی شئے کو دخیل کرنا خدا اور حکمتِ خدا کو العیاذ باللہ ناقص سمجھنا ہے!

---

۵۱ تمام تعریف اور شکر خدا ہی کو سزاوار ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن اُتارا اور اسمیں کسی قسم کی کجی نہ رکھی۔

قرآن حکیم کی حکمت میں کجی نہ ہونے اور اسکی صداقتوں کے ازلی اور ابدی ہونے کے متعلق دو اَور اشارے ہیں جو اس جگہ لکھ دیئے جاتے ہیں۔ سورۂ زمر کی آیت (۳۹: ۲۷) سے قرآن کی جامعیت اور مانعیّت کا دعوےٰ بھی نکلتا ہے:

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ (۳۹: ۲۷-۲۸)

اور لوگو! ہم نے تمہارے سمجھانے اور تمہیں صحیح طرزِ عمل بتلانے کیلئے اس قرآن کے اندر ہر ممکن مثال دیکر سارا دستور العمل واضح کر دیا ہے تاکہ لوگ اس سے نتائج اخذ کریں، اور بعد ازاں اُنپر عمل کریں۔ یہ قرآن عربی زبان میں ہے، اِسکی حکمت عالیہ میں کسی قسم کی کجی نہیں رکھی اور اسکا مُنتہائے نظر یہ ہے کہ تمام عالم کے لوگ اس بے مثال حکمت پر عمل کرکے عذابِ الٰہی سے بچیں۔

لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ (۴۱: ۴۲)

باطل کو اس کتاب عظیم سے مقابلہ کرنے کی تاب نہیں، نہ اسکو پیچھے سے وار کرنے کی جرأت ہے۔ جھوٹ نہ اسکے سامنے سے آسکتا ہے (مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ)، نہ پیچھے سے (مِنْ خَلْفِهٖ) نہ آج اسکو کوئی انسانی حکمت جھٹلا سکتی ہے، نہ آج کے بعد اسکو کہیں سے گزند پہنچ سکتا ہے۔ کیونکہ یہ حقیقت عظمیٰ اس حکیم اجل، اُس استادِ ازل کی اُتاری ہوئی ہے جس کی حمد و ثنا میں ایک عالم رطب اللساں ہے!

۵۲ یہ قرآن ایک بڑے پائے کی کتاب ہے۔ اس کو ہم نے تم پر اس غرض سے اُتارا کہ تم لوگوں کو حکم خدا کی اطاعت پر آمادہ کرکے جہل کے اندھیرے سے علم کی روشنی میں لاؤ اور اُنکو عزیز و حمید خدا کی طرف لے جاؤ۔

۵۳ یہ قرآن وہ بے بدل کتاب ہے کہ اسکے احکام دلائل و براہین سے بخوبی ثابت اور مستحکم کیئے گئے ہیں اور پھر حکیم و خبیر خدا کے اپنے ہاں سے اُن کی مکمّل شرح و بسط کی گئی ہے۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ○ (۱۶: ۸۹)

اور اے پیغمبر! ہم نے تم پر یہ کتاب اس پائے کی نازل کی ہے کہ اسمیں ہر ممکن شئے کے متعلق (جسکا واسطہ انسان سے پڑتا ہے) تفصیلی بیان موجود ہے، اور تسلیم کرنے والی قوم کے لیئے یہ کتاب تو سرتا سر ہدایت ہی، رحمت ہے، اور اسکی سلامتی اور حفظ و امن کی بشارت ہی!

ان حیرت انگیز دعاوی کے بعد مسلمانوں اور قرآن کو "تسلیم کرنے والوں" کا فرض تھا کہ وہ اپنی دینی اور دنیاوی دونوں زندگیوں کے اصولی قواعد اور بنیادی ضوابط کی تلاش میں انسانی حکمت کے ہر مسلک خیال، اور قیاس ورائے کے ہر نظری مذہب سے قطعًا بے نیاز ہوجاتے، وہ اللہ کا حاوی علم، اور خدا کا محیط فلسفہ موجود ہوتے ہوئے کسی فلاطون یا ارسطو کی حکمت کے محتاج نہ بنتے، وہ انفرادی اور اجتماعی دونوں زندگیوں کو خوش اسلوبی سے سلجھانے کیلئے تمامتر رجوع اسی کتاب کی طرف کرتے، وہ دین اور دنیا کے ہر مسئلے اور ہر طرز عمل کے متعلق سب بشارت اور رحمت، سب نور اور ہدایت، سب علم اور خبر اسی کتاب سے لیتے، وہ قرآن ہی کو اعتقادی اور علمی مناظرات کی حقیقی سنام، اور کلام الٰہی کو ہی روحانی اور مادّی مجاہدات کی مضبوط اساس مانتے، وہ کتاب خدا کو نہ صرف ذاتی فلاح کا بے مثال ذریعہ اور روحانی تقرب کا واحد وسیلہ سمجھتے، بلکہ معاشری عمران کا سنگ بنیاد، اجتماعی استحکام کا مرکز ثقل، اور قومی تقدم کا محور عمل یقین کرتے، وہ اقوام کی ترقی کے اسباب، انحطاط کے وجوہات، بادشاہت اور تسلط فی الارض کے طریقے، حصول قوت کے مآخذ، علوم و فنون کے مصادر، فطرت کے قوانین[*]، الغرض ان سب نکات کے کھوج جن پر انسانی زندگی کا تمام حصر ہے، اسی قرآن سے لیتے اور انپر عمل پیدا کرتے۔ مناں لم یزل اور منعم حقیقی نے قرآن ہی کو مسلمانان عالم کا کامل ضابطۂ عمل اور مکمل آئین مذہب قرار دے کر کہا تھا کہ آج میں نے اسلام کو تمہارے لیئے پسند فرماکر دین و دنیا کی تمام نعمتیں تم کو بخش دی ہیں!

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا[**] (۵: ۳)

آج ہم تمہارے دین کے تمام دستور العمل کو تمہارے لیئے مکمل کر چکے، ہم نے اپنی تمام نعمت تم پر پوری کر دی اور

[*] مسئلہ ارتقا کے تحت المتن (صفحہ ۱۱-۳۷) میں اس عظیم الشان حقیقت کو واضح کرنیکی ایک حد تک سعی کی گئی ہے۔ [**] نبوت کے سال اخیر سنہ ۱۰ ہجری میں حجۃ الوداع کے خطبے کے موقع پر یہ آیہ جلیلہ نازل ہوئی

اسلام کو تمہارے لیئے بطور آئین عمل پسند فرمایا۔

کلامِ الٰہی کی اس مہتم بالشان اور معرکۃ الآراحیثیت کو پہچاننے کے لیئے نہائت سیدھے سادے اجتہاد کی ضرورت تھی۔ شارع اسلام نے قرآن کو ایک روشن اور بیّن حقیقت قرار دیا تھا: تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ؁[۵۱] (۲:۲۶)، مگر ساتھ ہی سورۂ قمر میں یہ امر بار بار یاد دلا دیا تھا کہ اسکے اوامر و نواہی، مواعظ و حِکَم، طریق توجیہ اور طرز استدلال سے پورے طور پر مستفید ہونیکے لیئے ذکر و فکر، صحیح استنباط نتائج، اور عمل کی قطعی ضرورت ہے: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ[۵۲] (۵۴:۱۷)۔ صاحب قرآن اور فاطر زمین و آسمانؑ نے قرآن کو ہدایت کا سرچشمہ، رحمت الٰہی کا مبدء، اور بشارت کا مصدر قرار دیا تھا لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اُسکے حقائق عالیہ کو پورے طور پر سمجھنے کے لیئے کامل یقین، کامل ایمان، انتہائے استقلال، اور کمال بصیرت کی ضرورت ہے: قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَاۗىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ؁[۵۳] (۷:۲۰۳)۔

---

۵۱ "یہ آیات اس کتاب جلیل کا ایک حصّہ ہیں جو واضح ہے، اور جسکے مقاصد صاف صاف بیان کر دیئے گئے ہیں"۔ یہی آیت سورۂ شعراء کے علاوہ سورۂ یوسف اور سورۂ قصص کے زیب عنوان بھی ہے: تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ؁ (۱۲:۱)، (۲۸:۲)۔ سورۂ حجر کے شروع میں "قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ" کے الفاظ ہیں: تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ؁ (۱۵:۱) "یہ آیاتِ الٰہی اس الکتٰب کی ہیں جو قانون خدا ہے، اور اس قرآن کی جو ہر طرح پر واضح اور روشن ہے"۔ سورۂ نمل میں "كِتَابٍ مُّبِيْنٍ" کے الفاظ ہیں: تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ؁ (۲۷:۱) "یہ آیاتِ الٰہی قرآن کریم کی ہیں اور اس "کتاب" کی جو واضح اور روشن ہے"۔ سورۂ زخرف (۴۳:۲) اور سورۂ دخان، (۴۴:۲) میں صرف وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ؁ ہے جس کا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے "قرآن کریم جو ایک روشن اور مشرح فی البیان کتاب ہے اس بات کا شاہد ہے"۔

ان آیات کا صحیح مفہوم ترجمے میں ادا کرنا از بس مشکل ہے یہاں پر ایک عام ترجمہ کر دیا گیا ہے جس سے مقصود قرآن کو واضح کتاب ثابت کرنا ہے لیکن یہ امر کہ "كِتَابٍ مُّبِيْنٍ" اور "الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ"، "الکتٰب" اور "كِتَاب" کے الفاظ کا صحیح مقصود کیا ہے علٰحدہ بحث ہے جو دوسری صحبت میں کی جائے گی۔ "الکتٰب" اور "کتاب" کے الفاظ اس سے پیشتر بھی چند آیتوں میں آچکے ہیں، اور اس موضوع کی مستقل اور فیصلہ کن بحث سے پیشتر بھی آئینگے لیکن ان کے اصلی مفہوم کو اُسی بحث پر چھوڑ دینا چاہیئے۔

۵۲ اور فی الحقیقت ہم نے قرآن کو تو لوگوں کے اخذ نصیحت کی خاطر آسان طور پر بیان کر دیا ہے۔ پس کوئی ہے جو اس سے سچی نصحت پکڑ کر اس کے احکام پر عمل کرے!

سورۂ دخان کے اخیر میں ہے: فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ؁ (۴۴:۵۸)، "ہم نے اس قرآن عظیم کو تمہاری زبان میں محض اسلیئے آسان کر دیا ہے کہ تمہاری قوم کے لوگ اس سے نصیحت اخذ کریں"۔ "يَسَّرْنٰهُ" کا اشارہ ایک اور جگہ بھی آیا ہے: (۱۹:۹۷) مگر وہ آیت آگے چلکر متن کتاب میں آئے گی۔ آیۂ مُّدَّكِرٍ قرآن کریم میں سورۂ قمر میں تین جگہ آئی ہے یعنی (۵۴:۱۷)، (۵۴:۲۲)، (۵۴:۴۰) میں۔

۵۳ تم ان لوگوں سے کہدو کہ میں تو اسی پر عمل کرتا ہوں جو میرے پروردگار نے مجھ پر وحی کی ہے۔ یہ قرآن تو فی الحقیقت بڑی سوچ سمجھ کی باتیں ہیں جو خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہیں۔ ان میں اگر ہدایت اور رحمت ہے تو اس قوم کے لیئے جو اسکی حقیقت پر کامل ایمان رکھتے ہوئے اسمیں تدبر کرے (لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ؁)۔

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ[۵۱] (۴۵ : ۲۰) "استاد لم یزل اور حلّال مشکلات" نے قرآن کو آسان اور مبین، کہنے کے باوجود مجسمہ بصائر اور پیکر حکمت فرمایا تھا مگر ساتھ ہی یہ معنی خیز تشریح کردی تھی کہ اس کی آیات کی صحیح اور مکمل تفصیل صاحب علم قوم کے سوا کسی کو ودیعت نہیں: كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ[۵۲] (۴۱ : ۳)، وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ† هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ[۵۳] (۷ : ۵۲) ہادیٔ دین اور ماحیٔ اختلاف خدا نے قرآن کو تضاد کے بدنما اور بشری عیب سے قطعاً بلند تر ٹھیرایا تھا مگر اس بات کو بوجہ احسن واضح کردیا تھا کہ اگر انسان کو اسکی آیات بیّنات میں کسی جگہ اختلاف کا شائبہ نظر آتا ہے، یا نقض و ضد کا گمان گذرتا ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اُس کے ظاہر اور باطن، سیاقِ بحث اور سباقِ کلام یا محلِ وقوع اور شانِ نزول پر غائر نظر نہیں ڈالی گئی، جسقدر اِسکے مطالب میں تدبّر اور صحیح استدلال کیا جائے گا اُسکا اختلاف مٹتا جائے گا۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝ (۴ : ۸۲)

توکیا یہ لوگ قرآن کے مقاصد و مطالب پر غور نہیں کرتے اور نہیں دیکھتے کہ وہ سب آپسمیں متحد اور متفق ہیں کیا ان کو اتنا بھی شعور نہیں کہ سمجھیں کہ اگر یہ کسی غیر خدا کا بنایا ہوا قانون ہوتا تو لامحالہ اسمیں بہت اختلاف پاتے۔

---

[۵۱] یہ قرآن تو تمام عالم کے لئے بصیرت اور تدبّر کی باتیں ہیں۔ ہدایت اور رحمت اُسی قوم کو حاصل ہو جو اسکی سچائی اور منجانب اللہ ہونے پر بالاستقلال یقین رکھکر اسمیں تدبّر کرے (لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ)۔

[۵۲] یہ قرآن عظیم ایک کتاب ہے جس کی آیات جلیلہ کے عظیم الشان مطالب کو ایک عربی متن کی صورت میں (قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا) اس قوم کے لیئے مشرح اور مفصل کردیا گیا ہے جو 'علم' رکھتی ہو (لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ)۔

[۵۳] اور حقیقت حال یہ ہے کہ ہم اِن نادان اور اجڈ اہل عرب کے پاس وہ بے بدل کتاب لائے ہیں جس کی شرح و تفصیل ہم نے 'علم' سے کردی ہے جو صاحب علم قوم اس قانون جلیل کے حقائق عالیہ کی صحت پر بالالتزام ایمان رکھکر اس میں تدبّر کرتی ہے۔ اُس کے لیئے تو یہ کتاب سراسر ہدایت اور رحمت ہے (لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ)۔

---

† 'علم' کی صحیح اور ناقابل انکار تعریف 'علم' کے عنوان کے تحت تیسری مجلد میں آئے گی۔ وہاں بصراحت تمام واضح کردیا جائے گا کہ کتاب خدا کی مراد 'علم' سے بعینہ کیا ہے اور اس کے موجودہ مفہوم میں کس قدر حیرت انگیز تحریف ہوئی ہے۔ اس آیۂ کریمہ (۴۱ : ۳) سے بہر نوع یہ ظاہر ہے کہ قرآن صرف صاحب 'علم' قوم کے لیئے اُترا ہے اور اس بنا پر اسکے حقائق عالیہ کو وہی قوم کماحقہ سمجھ سکتی ہے جو 'علم' رکھتی ہو۔ مسئلہ ارتقا کے تحت المتن میں اس 'علم' کی ایک جھلک دکھلادی گئی ہے اور ایک دو اور مباحث آگے چلکر اسی مجلد میں آئیں گے۔ مگر 'علم' کی تعریف تسلیم کیئے بغیر کتاب خدا کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ لگانا ازبس مشکل ہے۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○ (۱۶ : ۴۴)

اور اے محمدؐ! ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب نصیحت اسلیئے اتاری ہے کہ تم لوگوں پر اچھی طرح عیاں کردو کہ اُن لیے کیا احکام اُترے ہیں، اور ساتھ ہی یہ بھی کہ وہ خود سوچیں اور تدبّر کرکے نئے مطالب دریافت کریں اور تطابق پیدا کریں۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○† (۳۸ : ۲۹)

اے پیغمبر! یہ قرآن عظیم بڑی برکت اور رونق پیدا کرنے والی کتاب ہے۔ اسکو ہم نے تیری طرف محض اسلیئے اُتارا ہے کہ لوگ اِسکی آیات پر کامل تدبّر کریں، اور صاحب عقل و فراست لوگ اِس سے صحیح نتائج اخذ کرکے عبرت حاصل کریں۔

یہی خالص **تدبّر، ذکر و فکر، ایمان و یقین، علم و بصیرت، صحیح استدلال اور تطابق** ایسے آئینی اُصول تھے جن کی بنا پر کلامِ آلٰہی کے حُجّتہ بالغہ ہونے پر ایک سچّا اور ناقابلِ ردّ اجتہاد قائم ہوسکتا تھا۔ قرآن کے حیرت انگیز سربستہ رازوں، اور سربمہر حکمتوں کے لیئے کسی خارجی فلسفے کی ضرورت نہ

† 'اُولُوا الْاَلْبَابِ' کی قرآنی تعریف بھی 'عمل' کے عنوان میں آئے گی. لیکن اِن تینوں ((۱۴ : ۸۲) (۱۶ : ۴۴) (۳۸ : ۲۹))' اور قابل کی 'بصائر' والی ((۷ : ۲۰۳)' (۴۵ : ۲۰)) آیات کو پیش نظر رکھکر اُس مہلک تخیّل کا یکسر قلع قمع ہوجاتا ہے جسکے رو سے مسلمانانِ عالم کی ایک کثیر تعداد نے قرآن میں تدبّر کرکے اس کے مطالب کو دریافت کرنا گناہ سمجھ لیا ہے۔ آج اِس عام انحطاط کے زمانے میں غالب رائے یہی ہے کہ قرآن کسی تدبّر کا متحمل نہیں، اس کے حقائق عالیہ کا ذہن سے کچھ تعلق نہیں، اس کے مطالب میں فہم کو دخیل کرنا گناہ ہے، اسکی تشریح میں عقل کو کام میں لانا بدعت ہے' وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جو لوگ "علم اسرار الدین" کے منشا و وجود سے واقف ہیں جس کی رسمی بنیاد قرنِ اوّل میں حضرت عمرؓ نے رکھی' اور جنہوں نے اُس تنقیح و استقصا کا مزا چکھا ہے جو خود رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صحبت میں اور اصحابِ صُفّہ کے مابین سالہا سال تک ہوتی رہی، اور جس کو بلا استثنا سب صحابہ کرام نے ایمان و یقین کی خشت اوّل قرار دے کر قرآن حکیم کی ایک ایک آیت کے مطالب کی تعمیر میں مہینوں اور برسوں تک تدبّر کرنا عین ایمان سمجھا تھا۔ اُن کے نزدیک اس زہر آلود تخیّل کی کچھ وقعت نہیں۔ اگر مالک زمین و آسمان اور بخشایندۂ فہم و ادراک کا کلام انسان کی بڑی سے بڑی تنقید، ہر ممکن سے ممکن آزمائش، اور سخت سے سخت معیار کا متحمل نہیں **تو وہ ذی شعور انسان کے لیئے وجوبًا قابل قبول نہیں۔** کتاب کے اِس ابتدائی حصّے میں بھی صاحب نظر کے لیئے کئی مثالیں پیش ہوچکی ہیں لیکن آگے چلکر ہر ورق اِس امر کا آشکارا ثبوت ہوگا کہ قرآن حکیم کی آیات کس قدر محکم، کس قدر صحیح، کس قدر مطابق، اور کس قدر عمیق و بلیغ ہیں۔ کوتاہ نظر انسان کا علم اُن کے علم کے بالمقابل کس قدر ہیچ ہے۔ خدائے بے مثال کی طرف سے انسان کو صلائے عام ہے کہ اُن کو بغور تمام پرکھے، الٹ پلٹ کر دیکھے، بار بار دیکھے، مگر اُنکے ایک حرف کے متعلق کوئی کجی، کوئی کم علمی' کسی نادانی کا دریافت کرنا قطعًا محال ہے۔ اِس کتاب میں کلام آلٰہی کے تمام مطالب اِسی **تطابق** کے اصل اصول کو پیش نظر رکھکر واضح کیئے گئے ہیں! درجہ یگانگت اور صحت اِس کیسے اُن مطالب میں قائم ہوئی ہے وہ صاحب نظر کے سامنے ہے۔ خود انہی آیاتِ آلٰہی یعنی آیۂ مبین (۲۶ : ۲)، و آیۂ مدّکر (۵۴ : ۱۷)، اور آیات بصائر (۷ : ۲۰۳)' (۴۵ : ۲۰) کے مطالب میں بظاہر کچھ اختلاف سا نظر آتا تھا مگر ادنیٰ سے تامّل نے اسکو آیۂ یعلمون (۴۱ : ۳) کی وساطت سے رفع کردیا ہے۔

(دیکھو صفحہ ۵۷-۵۸)

تھی۔ ربّ علیم و حکیم نے اہلِ اسلام کی رہنمائی اور رہنروئی کے لیئے، قرآن کے بیمثال عجائب خانے کے اندر سعی و عمل کے ہزاروں کرشمے، خوشحالی اور امن کے صدہا طلسم، قوت و اقتدار کے لاانتہا دفینے، اور علوم و حکمت کے بیسیوں اساسی اصول اسکے مختلف طاقچوں اور گوشوں، دیواروں اور محرابوں کے سپرد کر دیئے تھے مگر آہ! اُن کی ظاہری شکلیں بھی آج اعتقاداتِ باطلہ، غلط مطالب، اور غلط اجتہاد کے خس و خاشاک کی تہ میں محو ہو چکی ہیں! مسلمانوں کا موجودہ فلسفہ آج اس معجزالعقل عجائب خانے کے انمول موتیوں کو سپردِ خاک کر کے، عمارت کی چوکھٹوں اور دہلیزوں، طاقوں اور محرابوں، روشندانوں اور کھڑکیوں، چھتوں اور نالیوں کی ثناخوانی میں مصروف ہے، اور کم فہمی اور بدذوقی کی غیظ آفرین بے توجہی سے اِن پاکیزہ جواہرات پر فصاحت کا جاروب پھیر کر، شاعرانہ واہ واہ یا جُزدانی تعظیم کے جمادِ چند سے ہی اُن کی قدر و قیمت کا فیصلہ کرنا چاہتا ہے! آج قرآن کی کُل کائنات میں مسلمانوں کا مبلغ اجتہاد اور اُنکی اہم داستانِ حکمت، قیامت کے بے سند قصّوں، قبر کے مظنون عذابوں، روح کی مفروض قسموں، اخلاقی امراض کی آفتوں، کفر کے بے دلیل اور مضحکہ انگیز فتواؤں نشست و برخاست کے موضوعی آداب، توبہ و استغفار کے بناوٹی اسالیب، اور طہارت و استنجا کے وضعی طریقوں کی ندامت انگیز تشریح ہے! کیا یونانی فلسفے کی المناک خیال آفرینی، اور مسلمانوں کے درد انگیز فقدانِ علم و فکر کا نتیجہ نہیں ہُوا کہ آج ظن و وہم کے اِن ہوائی قلعوں کی تعمیر میں اسلام وہ سب کچھ کھو بیٹھا ہے جو صرف چند برس تک مسلمانوں کو قرآن کے ادنیٰ اور ابتدائی عمل کے انعام میں ملا تھا۔

وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ[†] ۝ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۝ (۴۳ : ۲-۵)

† "الکتٰب المبین" کے معانی کے متعلق، جیسا کہ صفحہ ۷۰ کے تحت المتن میں ظاہر کیا گیا ہے، ابھی کچھ بحث کرنا پیش از وقت ہے لیکن ان آیات یعنی (۴۳ : ۲-۳) اور (۱۲ : ۱-۲) سے کم از کم یہ ظاہر ہوتا ہے کہ (۴۳ : ۲) میں کسی "روشن اور بیّن کتاب" کی شہادت پیش کی گئی ہے اور جَعَلْنٰهُ (۴۳ : ۳)

لوگو! کتابِ مبین اِس امر کی شاہد ہے کہ ہم نے کتاب خدا کو عربی زبان میں محض اسلیئے کردیا ہو کہ تم اُسکے دستور العمل کو بآسانی سمجھ لو۔ اور یہی قرآن جسکو تمہارے سمجھنے کی خاطر عربی لباس پہنایا گیا ہے اُس اُمّ الکتٰب کا ایک حصّہ ہے جو ہمارے ذہن میں ہے اور جو ایک مقتدر اور مخزن حکمت کتاب ہے۔ تو کیا اِس وجہ سے کہ تم لوگ اِس کتاب کے حقیقی مقاصد نہ سمجھنے میں حد سے بڑھے جاتے ہو اور ہمارے مطلب کو نہیں پاتے ہم اِس کتاب کے مطالب کو تم سے سرتاسر اسطرح اُچک لیں کہ تم خاک بھی نہ سمجھ سکو؟

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ○ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ (۱۲: ۱-۲)

اے ساکنانِ زمین! یہ آیات الٰہی اس جلیل القدر کتاب سے ماخوذ ہیں جو روشن اور واضح ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ ہم نے اِس کتاب مبین کو اپنے ہاں سے عربی زبان کا لباس پہناکر عربی اللسان قرآن اِس لیئے بنایا ہے کہ تم لوگ اس کے اسرارِ عالیہ کو سمجھکر عقلمند بن جاؤ۔

قرآن کے مقاصد اور اسلامی فلسفۂ اخلاق پر یونانی حکمت کے اِس مُہلک اثر کے علاوہ اور بھی فساد آفرین اثرات پڑے جن کا تعلّق خود اہلِ عرب کی جبلّت اور طینت سے تھا۔ عرب ظہور اسلام سے پہلے یونانیوں

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۶۰) اور اَنْزَلْنٰهُ (۱۲: ۲) کی ضمیر ہُو کا مرجع بھی اسی "کتٰب مبین" کی طرف ہے۔ گویا خدائے بیمثال نے کسی کتاب مبین کو شاہد بناکر یہ کہا ہے کہ ہم نے اُس کتاب مبین کو عربی زبان کا لباس پہناکر عربی قرآن اسلیئے بنادیا ہو کہ تم عقلمند بن جاؤ۔ ان آیاتِ الٰہی کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لیئے بیحد غور و خوض درکار ہے لیکن صفحہ ۲۹ کے تحت المتن سے جو علم طبقات الارض کے متعلق ہے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ "الکتاب المبین" دراصل صحیفۂ فطرت ہی ہے۔ اور اسکو مبین اسلیئے کہا گیا ہے کہ ہر شخص کے پیش نظر ہے۔ اگر اس مفہوم کو تسلیم کرلیا جائے تو آیات (۴۳: ۲-۳) کے معانی صاف ہوجاتے ہیں اور وہ یہ ہیں:

"لوگو! صحیفہ کائنات جو تمہاری نظروں کے سامنے روشن اور عیاں ہے اس امر کی گواہی دے رہا ہے (وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ) کہ ہم نے اس کارگاہ اکبر کے تمام پوشیدہ قانون کا ترجمہ سہل الفہم اور عربی اللسان قرآن میں اسلیئے کردیا ہے (جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا) کہ تم اسکے رازوروں کو سمجھکر ہوشمند بن جاؤ (لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ)۔ (گویا اسلام دین فطرت ہے اور قرآن کریم صحیفۂ فطرت کے قانون کا لُب لباب ہے۔)

حکمائے مغرب نے بھی جریدہ فطرت کو کتاب سے تشبیہ دی ہے اور اسکا مثل ایک کتاب کے معرفت خدا کے نکات اور معلومات عالیہ سے پُر ہونا تسلیم کیا ہے۔ اور دراصل یہی وہ عظیم الشان کتاب ہے جو خدائے عظیم نے خود اپنے ہاتھوں سے مرتب کی ہے۔ اعمال خدا کے اسرار و حقائق کے متعلق اس سے روشن تر کتاب کا ملنا قطعاً غیر ممکن ہے بشرطیکہ اسکا صحیح مطالعہ ہوسکے لیکن اسکا صحیح مطالعہ کرنا آسان کام نہیں۔

آگے چلکر الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ کے ان معانی کی حیرت انگیز شہادت قرآن کریم کی مختلف آیات سے ملیگی۔ یہاں صرف مطالب کو قابل فہم بنانے کی غرض سے بیش از وقت متنبہ کردیا گیا ہے۔ رہا اس بات کو پایہ ثبوت تک پونہچانا کہ قرآن کا قانونِ عمل کسقدر صحیفۂ فطرت کے قانون کا ہوبہو عکس ہے، اور کیونکر فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (۳۰: ۳۰) صفحہ ۴) کا مصداق ہو اسکی شہادت اصل کتاب میں جابجا ملے گی۔ البتہ نفس مطلب کی تائید ان تمام آیات سے جو صفحہ ۵۷ پر تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ" کے تحت المتن میں بیان ہوئیں بصراحت تمام ہوتی ہے جہاں الْكِتٰبِ اور قُرْاٰنٍ

کی طرح اوہام پرستی اور خیال آرائی میں ماہر تھے۔ اُن کے مذاہب اور ادیان میں، اُنکی عباداتؔ اور معاملاتؔ میں، اُنکی رسموں اور رواجوں میں تخیّل اور توہّم کا عظیم تر حصّہ شامل تھا۔ اُن میں غیب دانی اور کہانت کا بکثرت رواج تھا۔ زود اعتقادی کی یہ حد تھی کہ عورتیں بھی نبوّت کا دعوٰے کر کے قبائل سے بیعت کرالیا کرتی تھیں۔ قیافہ شناسی، تفاؤل و تشاؤم تنجیم و تسخیر، میسمرازم، سیمیا، وغیرہ وغیرہ ایسے اعتقادات واہیہ تھے جن پر صدیوں سے نہایت ایماندارانہ عمل چلا آتا تھا۔ ظنّ و قیاس سے واقعات کی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۶۱) مُّبِيْنٌ (۵:۱۵) اور اَلْقُرْاٰن، اور کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (۲۷:۱) کے درمیان ظاہری شناخت قائم کر کے کتابِ فطرت اور کتابِ خدا کو ایک سمجھنے کا پرمعنی اشارہ کیا گیا ہے۔ لیکن اسی مطلب کی ایک اور آیت بھی غور طلب ہے جس میں خود قرآن ہی کو کتابِ مبین کا لقب دیا گیا ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہے: قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ (۵:۱۵)۔ "لوگو! تمہارے پاس خدا کی طرف سے یہ قرآن کیا آیا، گویا نور اترا ہے اور کتاب مبین اتری ہے"۔ گویا قرآن اور کتاب مبین (یعنی صحیفۂ فطرت) ایک ہی شئے ہیں۔ لیکن ان معانی کی مزید شہادت اصل کتاب میں اپنے موقع پر ملے گی۔

اَلْكِتٰبُ الْمُبِیْنُ کے اِن معانی کے بعد دوسرا سوال یہ ہے کہ "اُمُّ الْکِتٰب" کیا شئے ہے۔ لیکن ادنیٰ سے تامّل کے بعد یہ فیصلہ کرنا کچھ مشکل نہیں کہ اگر "الْکِتٰبُ الْمُبِیْن" صحیفۂ فطرت کا وہ حصّہ ہے جہاں تک انسان کے حواس ظاہری پہونچ سکتے ہیں تو "اُمُّ الْکِتٰب" لامحالہ تمام کائنات ہی جس کا ایک عظیم تر حصہ انسان کے دست قدرت اور علم سے قطعًا باہر ہے اور جس کا کامل علم لامحالہ اُس ذات باری کو ہے جس نے اسکو اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ اسی لیے اسکو "لَدَیْنَا" کہا گیا ہے اور چونکہ صحیفۂ کائنات ہی تمام علم و حکمت کا مخزن ہے اسلیے اسکو "لَعَلِیٌّ حَکِیْمٌ" کا خطاب دیا گیا ہے۔ عوام کی زبان میں "اُمُّ الْکِتٰب" کو مفسرین نے "لوح محفوظ" کہا ہے لیکن اگر بنظر عمیق دیکھا جائے تو یہ صحیفۂ کائنات ہی وہ عظیم الشان کتاب ہے جو لاکھوں اور کروڑوں برس سے محفوظ ہے۔ اسی کے اندر خدا کا علم، اسکا قانون، اسکی حکمت چھپی پڑی ہے۔ وہ اس کے علاوہ کوئی بڑی لمبی چوڑی مجلد نہیں جو جہلا کی زبان میں ساتویں آسمان پر عرش خدا کے کنارے پر رکھی ہے اور جس کی لمبائی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے"۔ اس نکتے کو پیش نظر رکھکر آیہ (۴۳:۴) کے مطالب صاف ہو جاتے ہیں: "اور یہ قرآن عظیم اس صحیفۂ کائنات کے عالم آرا قانون کا ایک جزء ہے (وَاِنَّهٗ فِیْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ) جو ہر وقت ہمارے پاس پڑا ہے (لَدَیْنَا) اور جو ایک بڑے پائے کا قانون (لَعَلِیٌّ) ہے اور حکمت سے پُر ہے (حَکِیْمٌ)"۔ جب دین اسلام کے رُو سے خدائے عزّوجل کے وجود کو انسان کی شکل و صورت سے قطعًا کوئی مماثلت نہیں تو خدا کی بنائی ہوئی اُمّ الکتب بھی کاغذ کی بنی ہوئی انسانی کتابوں سے اصلاً مختلف ہونی چاہیے۔

✱ زمانۂ جاہلیّت کے اہل عرب کے نزدیک کہانت اور نبوّت میں بہت کم فرق تھا۔ سب وہ لوگ جو آیندہ یا گذشتہ واقعات پر اطلاع رکھنے کا دعوٰے کرتے تھے کاہن کہلاتے تھے۔ جو اس کے علاوہ شعبدہ بازی اور عجائبات دکھلانے کا ادعا کرتے نبی کہے جاتے تھے۔ چنانچہ ان شرائط کو بزعم خود پورا کرنے والے افراد ہر قبیلے اور قریے میں موجود تھے۔ افعی، جذیمہ ابرش، اسود عنسی، ابن ابی سرح، مسیلمہ، وغیرہ وغیرہ چند مشہور کاہنوں اور نبیوں کے نام ہیں۔ ایک مشہور عورت سجاح بنت حارث نے جو قبیلۂ تمیم کی شاخ بنی یربوع سے تھی رسولؐ خدا کے زمانے میں نبوّت کا دعوٰے کیا مگر مسیلمہ کے بالمقابل ایک مدت تک اسکا زور نہ چل سکا۔ رسولؐ خدا کی وفات کے بعد، پھر اسی عورت نے جزیرہ بنی تغلب میں نبوّت کا دعوٰے کیا اور بنی تمیم کو اپنا حمایتی بنا کر اسلام کے لیے ایک مستقل خطرے کی صورت پیدا کر دی۔ اسلام سے پہلے بھی ایسی کاہنہ عورتیں عرب میں ظاہر ہوئیں اور خلق خدا کو اپنے تابع کر لینے میں چند لمحوں تک کامیاب ہوتی رہیں۔ تفاؤل اور تشاؤم کا رواج بھی اہل عرب میں اسلام سے پہلے انتہائی حد تک پہنچ چکا تھا۔ عرب کے ان اعتقاداتِ واہیہ کا بقیہ ابھی تک عالم اسلام کے اندر استخاروں اور پیشگوئیوں کے شرعی تقدّس میں رونما ہے۔

پیش بینی، اور غیر متعلق واقعات کو ذات پر محمول کر لینا اُنکے خمیر میں داخل ہو گیا تھا۔ من گھڑت روایات اور آبائی مزخرفات کا ایک عظیم الشان طومار اُن کا علم ادب بلکہ اخلاقی ضابطہ بن گیا تھا۔ فصاحت اور شعر گوئی کا یہ عشق و ولولہ تھا کہ عین میدان جنگ میں، سفر و حضر میں، خطابات اور مناظرات بلکہ عالم خواب† میں، رجز و سجع بے تامّل کہہ دیتے۔ ظہور اسلام سے پیشتر بیسیوں برس تک، فصاحت کے یہ جنونی امرأ القیس، زہیر، لبید بن ربیعہ وغیرہم کے مُعلقات السبع کے سامنے فی الحقیقت ماتھا رگڑتے رہے، اور مُجمہرات اور منتقیات السبع‡ کے مصنفوں کو اپنے تخیّل اور فصاحت، حتّٰی کہ اعمال و اعتقادات کا سچّا رہنما مانتے رہے۔ صاحب شریعت علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ان تمام مراسم شنیعہ کو جہنّم کا شعلہ اور غضب آلٰہی کی آگ دکھا کر یک قلم معدوم کر دیا۔ تمام مذاہب و ادیان ملیامیٹ ہو گئے؛ توہم پرستی قطعاً جڑ سے اُکھڑ گئی۔ کہن اور نبوّت کے متعلق سب مافوق الفطرۃ عقائد اور دعاوی قرآن کے ایک ادنیٰ اشارے سے باطل ہوتے گئے: اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا مَا بِصَاحِبِہِمْ مِّنْ جِنَّۃٍ ط اِنْ ھُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ؕ ۵ (۷: ۱۸۴)[1] نجوم پرستی اور سحر کے تمام شعبدے بیکار ہو گئے؛ قرآن کی روشن اور نمایاں حقیقت کے سامنے کذب و دروغ سب فنا ہو گیا: وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ

---

[1] کیا ان لوگوں نے اس بات پر کبھی غور نہیں کیا کہ اُنکے پیشوا (یعنی رسولِ خدا) کے اندر کوئی جِنّ تو ہے نہیں، وہ کوئی پاگل تو ہیں نہیں کہ اُن کی بیہودہ اور اَن ہونی فرمائشیں قبول کرتے پھریں وہ تو صرف کُھلّم کُھلا اور صاف طور پر عذاب خدا سے ڈرانے والے ہیں اور بس۔

---

† عالم خواب میں شعر کہنے کے متعلق اہل عرب کی بعض روایتیں مشہور ہیں جن کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں۔

‡ مُعلّقات کے سات قصائد مشہور ہیں۔ ان کے مصنّف امرأ القیس، زہیر ابن ابی سلمیٰ، حارث بن حلزہ، لبید بن ربیعہ، عمرو بن کلثوم، طرفۃ بن العبد، اور عنترۃ بن شداد ہیں۔ "مجمہرات" بھی سات قصیدے تھے جو نسبتاً کم مشہور ہیں۔ نابغہ ذبیانی، عبید بن الابرص، عدی بن زید، بشر بن کازم، امیۃ بن ابی الصلت، خداش بن زہیر، نمر بن تولب العکلی، ان قصائد کے مالک تھے "منتقیات" تیسرے طبقے کے قصائد ہیں۔ جن کے مصنف مسیّب بن علس، مرقش بن جریر، مرقش الاصغر، عروۃ بن الورد، درید بن صمہ، مہلہل بن ربیعہ، اور عثمان بن سوید تھے۔ یہ سب شعراء اکثر زمانۂ جاہلیۃ ہی کے تھے۔ معلّقات کے سات قصائد خانۂ کعبہ کی دیواروں پر لٹکتے رہتے تھے۔ لوگ اُن کو آکر دیکھتے اور ان کے سامنے سجدہ کرتے۔ تذکرۃ الحکم فی طبقات الامم میں معلّقات پرستی کی مدّت ڈیڑھ سو برس لکھی ہے مگر امرأ القیس کے عہد حیات (۵۳۰ء) اور ابتدائے اسلام کے زمانے (۶۲۱ء) کو پیش نظر رکھکر اس مدت عبادت میں بہت کچھ مبالغہ معلوم ہوتا ہے علاوہ ازیں بعض جدید محققین نے ان قصائد کے دیوار کعبہ پر آویزاں ہونے سے بھی یکسر انکار کیا ہے۔ اور "معلّقات" کے تسمیے کو حمّاد الراویہ سے منسوب کیا ہے۔ بہرنوع واقعات کچھ ہی ہوں لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان قصائد کی عرب میں خاص عزّت تھی۔ اور کوئی شئے ان کے بالمقابل قدر و قیمت میں ٹھیر نہ سکتی تھی۔

وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ (۱۷: ۸۱)[ل] فصاحت کے طاقتور اور فساد انگیز طلسم کو توڑنے کے لیئے کلامِ آلہی نے اپنے بے ارادہ زورِ کلام سے ہی خاموش مگر ترکی بہ ترکی جواب دیکر عرب کو ہمیشہ کے لیئے دم بخود کر دیا، معلقات کی پرستش از خود ماند پڑ گئی، عرب کی طاقت گویائی گویا اچک لی گئی۔ مگر ساتھ ہی عرب کے اس مالیخولیائی وصف کی علانیہ تکذیب و توہین کے ارادہ سے، اور کتاب آلہی کی حیثیت کو شعر و فصاحت سے بے انتہا بلند تر جتلانے کیلئے، شارع اسلام نے شاعروں کو اللہ کے رستے سے بھٹکے ہوئے، وہم و گمان کی وادیوں میں سرگردان، جھوٹے اور مفتری قرار دیا۔

وَالشُّعَرَاۗءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۝ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۝ (۲۶: ۲۲۴-۲۲۶)

اور جیساکہ عرب خیال کرتے ہیں رسولِ خدا شاعر بھی نہیں۔ شاعر تو خود گمراہ ہوتے ہیں اور گمراہ لوگ ہی اُنکے پیچھے لگتے ہیں۔ کیا تو نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ وہ عالم وہم و خیال کے ہر میدان میں پڑے بھٹکتے ہیں اور اکثر اپنے بارے میں فخر کے طور پر وہ کچھ کہتے ہیں جو کبھی کرتے نہیں۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ[†] وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ (۳۶: ۶۹-۷۰)

اور ہم نے رسول خدا کو کچھ شاعری تو نہیں سکھائی اور نہ شاعری اُنکی شان ہی کے لائق ہے۔ یہ قرآن تو نری نصیحت ہی نصیحت ہے، ہاں البتہ واضح کتاب ہے۔ اور اسکے مُبین ہونے سے مقصود یہ ہے کہ باحس اور بیدار لوگوں کو عذابِ آلہی سے ڈرائے اور ساتھ ہی منکروں پر ہمارے عذاب کی دھمکیاں برحق ثابت ہوں۔

[ل] اور اُن سے کہدو کہ اب حق آگیا اور باطل نیست و نابود ہو گیا۔ اور فی الحقیقت اُس نے تو ایک نہ ایک دن مٹنا ہی تھا۔

[†] اِس آیت میں اور اور کئی موقعوں پر جن کی تفصیل آگے آئے گی مخالفین نے قرآن کو شعر کہا ہے۔ حالانکہ قرآن موجودہ معانی میں شعر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ موزون نہیں، بلکہ تمام کا تمام مقفّٰی بھی نہیں حقیقت یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب ہر اُس شئے کو جس میں نطافت بیان ہو، ایجاز و اختصار ہو یا جسکی عبارت مقفّٰی ہو، بلا لحاظ وزن شعر کہا کرتے تھے۔ فصاحت کا معیار بھی اُن کے نزدیک یہ تھا کہ خوبیٔ مضمون کے ساتھ ساتھ الفاظ خوش اسلوبی سے پیوست کیئے گئے ہوں، ان میں ترنم ہو، مطالب سادہ اور دلچسپ ہوں، ان میں غیر ضروری عمق نہ ہو، لیکن وزن کا ہونا یا نہ ہونا ضروری نہ تھا۔ اسی بنا پر اہل عرب سجع، رجز، خطبات، مناظرات اور قصائد سب کو شعر میں داخل سمجھتے تھے۔ اور چونکہ اس قطع کے شعر کا جزو اعظم ہمیشہ سے یہی ہے کہ انسان کے سفلی اور سطحی جذبات یا صرف سامعی محسوسات کو برانگیخت کرتا ہے، اور باطنی تربیت اسمیں مدنظر نہیں ہوتی، اس لیئے قرآن کو اپنے متعلق ایسی فصاحت کے معترف بننے میں چڑ تھی۔ اسی نقطۂ نظر سے قرآن نے جابجا شعر ہونے سے انکار کیا ہے اور اسی لحاظ سے وہ فصیح بھی

اِن اعتقادی خرابیوں سے قطع نظر، عرب کا سب سے نمایاں اور مہلک عیب اُن کا باہمی انتشار اور **نفاق** بھی تھا۔ سب قبیلے ایک دوسرے کے خلاف آمادۂ جدال رہا کرتے تھے، بغض و حسد اُن میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، سب کی سب کچھ رسم و راہ نہ رہی تھی، اُن کی ذاتی اور پشتینی عداوتیں تھیں، حریفانہ کاوشیں اور خاندانی رنجشیں تھیں، حسب و نسب کے فخریہ جھگڑے، اور بداعمالی کے ادّعائی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ٦٤) نہیں۔ تعجب ہے کہ باوجود اس صریح اور پے در پے انکار کے آج مسلمانانِ عالم قرآن کو انہی معنوں میں فصیح مانتے ہیں جن سے اُسکو عمداً احتراز ہے۔ قرآن کے تمام طول و عرض میں اُسکی فصاحت کے متعلق ایک حرف کہیں موجود نہیں ہے نہیں بلکہ فصاحت کا لفظ بھی ماسوا قول موسیٰ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا[٩١] (٢٨ : ٣٤) کے جو حضرت ہارونؑ کے متعلق استعمال ہوا ہے کہیں نظر نہیں آتا! آئندہ اوراق میں اس امر کے متعلق توضیح کردی جائے گی، لیکن قرآن کے فصیح فی البیان ہونے کا مہلک اور شرمناک تخیّل مسلمانوں کی ہر رگ و پے میں اسقدر سرایت کر چکا ہے کہ اب اس کتاب عظیم کی اور کوئی خوبی اُن کے وہم و گمان میں بھی نہیں آتی۔ اگر فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ[٩٢] (٢ : ٢٣) کی صلائے عام جو خدا نے قرآن حکیم کے متعلق جا بجا دی ہے، فی الحقیقت اسکی فصاحت، اسکی شاعریّت، اسکے صنائع اور بدائع کی خوبیوں کے متعلق ہے، اور اس کتاب جلیل کی عالم آرا حکمت، اُسکے ناپیدا کنار علم، اسکی حیرت انگیز **صداقت** اور بے نظیر **ہدایت** سے اس دعوے کو چنداں واسطہ نہیں، تو آج ابو القاسم حریری کے مقامات کا ایک ایک ورق، یا امرؤ القیس ابن حُجر کے قصائد کا ایک ایک بیت ان انسانی کمزوریوں اور تکلفات، ان خود ساختہ تُرّہات اور لغویات سے اسقدر پُر ہے کہ قرآن کی عبارت اُن کے بالمقابل حتماً نہیں ٹھیر سکتی۔ اگر فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ[٩٣] (١١ : ١٣) سے صاحب القرآن کی مراد فی الحقیقت یہی تھی کہ برجستہ الفاظ اور چست بندشوں، یا قوافی اور استعاروں کی مناسبت میں اسکا اَدَبی مقابلہ کیا جائے، اور دین اسلام کو کسی اجل زدہ اُمّت کے لغو شاعروں کا اکھاڑہ بنا کر خدائے زمین و آسمان کے ذوقِ سلیم کی داد (العیاذ باللہ) دلوائی جائے، تو آج مسیلمہ کذّاب کا افترا کیا ہوا "قرآن" بھی جس کی چند پریشان آیتیں کہیں کہیں ملتی ہیں، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لائے ہوئے قرآن سے کسی اسلوب میں کم نظر نہیں آتا، کیونکہ اُس مفتری علی اللہ کی سحر بیانی نے بھی آخر انہی عرب قبائل کی ایک تعداد کثیر کو عین صدرِ اسلام میں برسوں تک دم بخود کر رکھا تھا جو خوش اعتقاد مسلمانوں کے قول کے مطابق اس سے پیشتر قرآن کی اَدَبی خوبیوں پر مر مٹے تھے! قرآن اگر آج زمین کے طول و عرض میں پھیل کر ساکنانِ عالم کے لیے مشعلِ نور و ہدایت بن گیا ہے، اور مسیلمہ کا تمام قافلہ لُٹ کر پیوندِ زمین بن چکا ہے، تو اسکی وجہ یہ نہیں کہ قرآن کی زبان علمِ ادب کے اُن رسمی قواعد کے رو سے بہتر ہے جن کو خود انسان ہی نے وضع کیا، نہ اس لیے کہ مالکِ زمین و آسمان اور بادشاہِ ارض و سما نے بادشاہ ہو کر پیغمبرِ انسان کے اسالیب بیان کا بہترین تتبّع کیا ہے، بلکہ اس لیے کہ یہ تصنیف جلیل کلام ملوک میں وہ **مَلِکُ الکلام** ہے جس کی حکمت اور حقیّت، جس کا علم و فضل، نور و ہدایت سب انسانی تصانیف سے حتماً بالاتر ہے! یہ ناپید اکنار علم کا مخزن ہونا ہی وہ بات کن فضیلت تھی جسکے آگے مغرور سے مغرور گردنیں جُھک گئی تھیں، جس کے سامنے بادشاہوں نے گردن خم کردی تھی، عرب اور عجم سب دم بخود ہو گئے تھے، عمر (رضی اللہ عنہ) سا اکھڑ اور سخت گیر دشمن مُڑ گیا تھا، **ابو سُفیان** نے بالآخر توبہ کرلی تھی، اور آج بھی اگر قرآن عظیم سے دل میں باغی اور منہ سے مقرّ مسلمان اسکے آگے از سرِ نو گردن اطاعت خم کر سکیں گے تو اسکی شاعرانہ حیثیت کو دیکھکر نہیں، بلکہ لامحالہ اسکے علم ہی کے قائل ہو کر کرینگے! سورۂ ہود میں ہے: (باقی)

[٩١] وہ یعنی ہارونؑ مجھ سے زیادہ اپنے کلام میں فصیح ہے۔ [٩٢] تو اس قرآن جیسی ایک سورۃ تو کہیں سے لے آؤ۔ [٩٣] تو اسی طرح کی من گھڑت دس سورتیں تم بھی بنا لاؤ۔

اعلان تھے، ذاتیات پر بے اندازہ فخر و طعن تھا۔ اس بنا پر اُن کے درمیان ادنیٰ سی بات پر نارِ حرب
مشتعل ہوجاتی تھی۔ پھر اِن خانہ زاد لڑائیوں میں قبیلوں کے قبیلے اپنی بسالت اور تہوّر، اپنے شرف اور
تفاخر، اپنے زور و عمل کے جوہر دکھانیکے لیئے شوقیہ مل جاتے تھے۔ پھر خود نمائی اور نفس پسندی کی آن
اکثر اوقات اس حد تک نمایاں ہوجاتی تھی کہ برسوں کے مقاتلے اور انتہائی کُشت و خون کے باوجود مصالحت کا
نام زبان پر لانا بے غیرتی میں داخل تھا۔ ہادیٔ اسلام نے اِس ہلاکت انگیز معاشرت کو حکومت خدا اور

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۶۵) اَمْ يَقُولُونَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ
مُّسْلِمُوْنَ ۝ (۱۱: ۱۳-۱۴)

کیا قرآن کے منکر کہتے ہیں کہ محمد اسکو اپنی طرف سے گھڑ لایا ہے۔ انہیں کہدو کہ ہاں تم بھی ایسی ہی گھڑی ہوئی دس سورتیں لے آؤ، اور اگر تم اس
الزام دہی میں سچے ہو تو خدا کو چھوڑ کر تمام دنیا جہان کے لوگوں کو، جہانتک تمہاری طاقت ہی، مدد کے لیئے بلاؤ کہ تمہاری بنائی ہوئی سورتیں
مقابلے میں پوری اُتر سکیں۔ پھر اگر لوگ اسپر بھی تمہاری اِس دعوت کو قبول نہ کریں تو جانے رہو کہ یہ قرآن عظیم اس خدائے زمین و آسمان کے علم کو
اپنے ساتھ لیکر اترا ہے (اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ) اس شارع کائنات کی ناپیدا کنار حکمت کا امین ہے، اور وہ وہ علیم بے مثال ہے جسکے مثل کوئی دوسرا
حتّٰی نہیں (وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ) تو کیا تم اس ناممکن الحصول فضیلت کو پیش نظر رکھکر اسکو کتاب خدا تسلیم کرنیکے لیئے تیار ہو؟

خدائے زمین و آسمان معاذاللہ کوئی شاعر نہ تھا کہ لوگوں کو ادبی مقابلے کے لیئے بلاتا، اس کی بڑی اور کارگر دھمکی یہی ہے کہ انسان کا علم اسکے بالمقابل
محض ہیچ ہے، یہی وہ شے ہے جو شاگرد کو اُستاد کے سامنے، محکوم کو حاکم کے حضور میں، جاہل کو عالم کے روبرو، مستغیث کو منصف کے آگے
حتّٰی چُپ کرا دیتی ہے! اسی کے ہوتے ہوئے کسی کو دم مارنے کا یارا نہیں ہوتا! اگر بعثت رسولؐ کے زمانے میں تمام کا تمام عرب فصاحت کا
شیدا تھا، اگر عرب کو اپنی شاعری کے بالمقابل تمام دنیا گنگ نظر آتی تھی، تو بھی خدا پر اسکا کچھ اثر نہیں پڑتا۔ اور نہ اس موقع کو غنیمت جانکر (العیاذ باللہ)
خدا اپنی فصاحت کو ظاہر کرنے کا اشتیاق رکھتا تھا۔ اُس پاک ذات نے اگر قرآن کو عربی زبان میں اتارا تھا تو محض اسلیئے کہ عرب کی گمراہ قوم
قانونِ خدا کو سمجھ جائے: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (۱۲: ۲) اُسکے منشا کو اخذ کرے: اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (۴۳: ۳)
اُن کا کوئی لنگ عذر باقی نہ رہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ (۱۴: ۴) اُن کی بہانہ سازیاں معدوم ہوجائیں اُنکو اس تشریح
وتبیین کے بعد کسی اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہے، اُن کے لیئے باعث تذکیر و عبرت ہو: فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ (۴۴: ۵۸)
مصدر امن و بشارت ہو: فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۝ (۱۹: ۹۷) اِس سے زیادہ قطعاً اور قاطبۃً کچھ نہیں اور
اگر مسلمانانِ عالم اسپر بھی کسی مضحکہ انگیز وہم میں گرفتار ہیں اور قرآن کو کسی عربی ہزل گو یا ہندی تک بند کا مجموعہ فکاہات سمجھتے ہیں تو سمجھتے رہیں اِس سے کلامِ الٰہی کی
عظمت اور صداقت میں لزوماً کوئی فرق نہیں آتا۔

اِس میں شک نہیں کہ ہر وہ کتاب جس کا منشا علم و یقین کی طرف رہنمائی کرنا ہو، جو صدق نیت اور خلوص دل سے لکھی گئی ہو، جو سرتاپا راستی

۵۱ مطالب کے لیئے دیکھو متن صفحہ ۶۰-۶۱ ۔ ۵۲ دیکھو متن صفحہ ۶۱ ۔ ۵۳ دیکھو تحت المتن صفحہ ۴۶ ۔ ۵۴ دیکھو تحت المتن صفحہ ۵۷ ۔ ۵۵ اے پیغمبر! ہم نے
قرآن کو تمہاری زبان کا لباس پہناکر محض اس لیئے آسان کر دیا ہے کہ تم اس کے ذریعے سے خدا سے ڈرنے والی قوم کو خوشحالی کی خبر دو، اور عرب کی جھگڑالو اور نفاق پرور
قوم کو عذاب خدا سے ڈراؤ۔

خوف احکم الحاکمین کے حلقۂ اثر میں لاکر کالعدم کر دیا۔ سب فرقہ بندیاں اور نفاق آرائیاں جڑ سے اکھاڑ دیں، صدیوں کے دشمن دوست کر دیئے، سینوں کی کدورتیں نکال پھینک دیں، دلوں سے کینے یکسر اُچک لیئے، اور اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (۴۹:۱۰) کا لشکر انگیز فرمان بارگاہِ خداوندی کے ہاں سے دکھلا کر چند برسوں کے اندر اندر محکوم اور شکست زدہ اہل عرب کو فرماں فرمائے عالمیان اور بادشاہ وقت بنا دیا!

یہ سب کچھ اسلام اور قرآن کا ناقابل انکار معجزہ تھا مگر عرب کی جبلّت اور طینت کو کون بدل سکتا تھا؟ وہ عادتیں اور خاصیتیں جو اُن کی فطرت میں ہزار در ہزار برس پہلے سے چلی آتی تھیں کس طرح چشم زدن میں اُنسے رخصت ہو کر اپنا نقش پا نہ چھوڑتیں؟ وہ ملّی اوصاف جو قرنوں اور صدیوں پہلے اُنکی مٹی میں خمیر ہو چکے تھے، اُن کے طبعی میلانِ کار کو کیسے بے اثر چھوڑ دیتے؟ قرآن کی قاطع ظنّ اور متّحد الاعمال تعلیم کی فدایانہ تعمیل میں عرب اپنی ظاہری عبادات اور مرسومات کو بدل سکتے تھے، اپنی آبائی روایات اور اعتقادات کو بادی النظر میں چھوڑ سکتے تھے، اپنے داخلی مناقشات اور قبائلی تنازعات کو علی رؤس الاشہاد محو کر سکتے تھے، بلاغت اور فصاحت کے ذاتی اِدّعا کو بھی طوعاً و کرہاً خیر باد کہہ سکتے تھے، مگر طبائع کے باطنی رُجحان اور اصلی طریق تخیّل کو ہرگز نہ بدل سکتے تھے اُنکا مسلک وہم و خیال یونان کی قدیم وہمی روایات سے ہزارہا سال قدیم تر تھا۔ اُنکی قبائلی زندگی کی بنیاد روزِ آفرینش سے اسی انداز پر چلی آتی تھی۔ وہ اسی وہمی اور اعتقادی ماحول کے بگڑے ہوئے طفلک[1] اور اسی فرقہ آرائی اور انتشار کے کہنہ مشق استاد تھے۔ اس بنا پر اُن میں کسی حقیقت کشا علمی صداقت یا عافیت انگیز

---

[1] ایمان والے تو آپس میں بھائی بھائی ہی ہیں۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۶۶) اور حقیقت پر مبنی ہو، جسمیں واقع الامر کی تائید اور صراط مستقیم کی تو کید ہو، جس کا منتہائے نظر انسان کو امن کا راہ راست دکھانا اور اجتماعی ہلاکت سے حتی الوسع بچانا ہو، ہر ایسی کتاب خود بخود اپنے زور بیان کے باعث، اپنی صداقت اور عُمقِ نظر کی وجہ سے بلیغ بلکہ بسا اوقات فصیح بھی بن جاتی ہے، لیکن اس بلاغت اور فصاحت کا شاعرانہ تکلف اور آورد سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اِنہی معنوں میں قرآن حکیم بھی بلیغ ہے۔ جیسا کہ آگے چلکر جا بجا واضح ہوگا۔

بہر نوع محولہ بالا آیات سے ظاہر ہے کہ قرآن حکیم کے متعلق شاعرانہ فصاحت کا دعوے سرتاپا اہل عرب یا مسلمانانِ عالم ہی کی ایجاد ہے۔ صاحب القرآنؐ کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔

معاشری آئین کا معنًا اور اصالۃً رائج ہو جانا ازبس متعذّر تھا۔ اِسی قطع کی ایک متفرق اور اوہام پسند نوح کی قوم، اِن سے صدہا برس پیشتر، اپنے ضعف ایمان اور طغیان کے باعث غضب الٰہی کے تنوّر میں دردانگیز طور پر غرق ہو چکی تھی؛ (سورہ ہود ۱۱: ۲۵-۴۹)؛ اِسی جزیرۃ العرب کے ایک حصّے میں عادؔ و ثمود کی احکامِ الٰہی سے متذبذب اور آیاتِ خدا کی مکذّب قومیں بالآخر اللہ کے عذاب غلیظ اور صَیحہ سے دوچار ہوئی تھیں (سورہ ہود ۱۱: ۵۰-۶۰)؛ اسی دیار کے بسنے والے اصحاب مدین، صدیوں پیشتر کم وزنی اور شرک کرتے کرتے غضب الٰہی کی چیخ کے شکار ہو گئے تھے (سورہ ہود ۱۱: ۸۴-۹۵)؛ اور وہ درا صل اِسی مٹی میں رہنے والے وہم زدہ لوگ، اور قریب قریب اِسی آب و ہوا میں پلے ہوئے فرقہ بند آدمی تھے جنھوں نے وادیٔ سینا میں موسیٰ علیہ السلام کی شریعت بیضا کو ہاتھ میں لیکر، اُسکی غیبت میں، اپنی پُرانی عادت کے مطابق اللہ سے انکار، اور بچھڑے کی پرستش شروع کر دی تھی (سورہ اعراف ۷: ۱۴۸-۱۵۰)؛ نہیں بلکہ وہ انہی عرب کے ہم اصل (سامی) اور قریب النسل (عبرانی)، ہم مشرب اور ہمسائگت میں رہنے والے بھائی بند تھے جنھوں نے حکومت، فارغ البالی، زرخیز زمینوں، معتدل آب و ہوا، چشموں اور نہروں اور انواع و اقسام کے طیّبات رزق کی بے قدری کر کے بالآخر ذُل و مسکنت کی وہی پُرانی طرز معیشت کو پسند کر لیا تھا؛

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۭ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ۭ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ۭ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ؀ (۲: ۶۱)

اور اے بنی اسرائیل! کیا تمھیں وہ وقت یاد ہے جب تم نے موسیٰ سے کہا تھا کہ اے موسیٰ! اب تو ہم ایک ہی قسم کے اِن اچھے اچھے کھانوں اور اس سرزمین کے شکار وغیرہ سے تنگ آ گئے ہیں تو آپ ہمارے لیے اپنے پروردگار سے دعا کریں کہ شیرینی درخت حلج اور بٹیر (من و سلویٰ) کی بجائے ہمارے لیے زمین سے جو چیزیں اُگتی ہیں، یعنی ترکاری اور ککڑی، گیہوں اور مسور اور پیاز، پیدا کرے۔ موسیٰ نے کہا کیا تم فضیلت اور حرّیت کے اِس مقام رفیع کو چھوڑ کر محکومیت اور افلاس کی ادنیٰ معاشرت کو پسند کرتے ہو۔ اچھا تو یہاں سے کسی متمدن شہر کو چل پڑو جہاں کی حاکم قوم تم کو

فلاحت اور زراعت میں لگا دے گی، اور تم کو وہی کچھ ملتا رہے گا جو مانگتے ہو۔ پھر ان پر ذلت اور محتاجی لیس دی گئی اور وہ خدائے قاہر کے غضب میں آگئے؛ یہ سب اس لیئے کہ اُنہوں نے خدا کے مستعدر کھنے والے احکام سے غفلت برتنی شروع کردی تھی؛ اور رُسُل کو ناحق قتل کیا تھا، اور نیز اس لیئے کہ اپنے امیر جماعت کی نافرمانی کی تھی اور کاہلی، کامچوری، اور ناقدر شناسی میں حد سے زیادہ تجاوز کیا تھا۔

صدرِ اسلام کے اہل عرب نے بلاشبہ صاحبِ شریعت کی زندگی میں ہی کلام الٰہی کے آگے سربسجود ہو کر اپنا سارا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا تھا؛ وہ سارے کے سارے ایک اقل قلیل مُدت میں ماسوی اللہ کے قطعی منکر، اور خدا اور رسول کے قطعی مطیع ہو گئے تھے؛ قرآن اُن کا واحد منتہائے عمل، اور کتاب خدا اُنکی ایک جم لا نگاہ نظر بن گئی تھی؛ اُسکے محض ابتدائی اصول پر بے دھڑک اور بلا تامل عمل کرنیکے شکرانے میں منعم لم یزل نے دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنت، اور زمین کی وسیع تر وراثت اُن کو سپرد کر دی تھی؛ وہی نہروں والے جنات جنکا وعدہ، بادی النظر میں خدا نے آخرت میں کیا تھا، قرآن کے مبادیات اور ایمان کے حرف اوّل پر بھیجا با عمل کے عوض میں اُن کو اس دنیا میں ہی مل گئے تھے؛ اُن کے مشعلستانِ ایمان دل، اور محشرستانِ عمل جگر، اُن کو چند برسوں[†] میں ہی سمندروں کے پار، عراق عرب کے میدانوں، افریقہ کی تپتی ہوئی ریتوں، اور اُندلس کی خوشگوار چوٹیوں پر لے گئے! یہ سب کچھ اہل عرب کی بے نظیر خوبیوں کا ایک منظر تھا مگر جب زمین کی بادشاہت مل گئی، اور امن کے لازمات حاصل ہو گئے تو سلطنت کے تمکن و استقرار کیلئے قرآن میں استدلال اور اجتہاد ناگزیر ہو گیا، عرب کی مختصر سیاسیات میں توسیع اُٹل نظر آئی؛ تب اسلام کے یہ جاں باز

[†] ایک مورخ نے تخمینہ لگایا ہے کہ رسولؐ خدا کی وفات (سنہ ۱۱ھ سنہ ۶۳۲ء) کے بعد بارہ برس کی مدت میں (گویا فاروقؓ اعظم کے عہد خلافت کے اختتام (سنہ ۲۳ھ سنہ ۶۴۴ء) تک) مسلمانوں نے چھتیس ہزار شہر اور قلعے اپنے قبضے میں کر لیئے تھے۔ چار ہزار بتخانوں اور ہیکلوں کو اپنے تصرف میں لا کر مسجدوں میں تبدیل کیا۔ گویا اسلامی افواج کی اوسط رفتارِ تقدم مسلسل بارہ برس تک یہ رہی کہ ایک دن میں نو شہر یا قلعے سر کر لیتے تھے، جو آج کسی قاہر سے قاہر یورپی فوج کے لیئے ازبس متعذر ہے۔ خود المانیہ، اپنی ناپیدا مثال جُندیت کے باوجود، حال (یعنی سنہ ۱۳۳۳ھ سنہ ۱۹۱۴ء) کے محاربہ عظمیٰ میں اس رفتار کے عُشر عشیر تک بھی نہ پہنچ سکی۔ اور یوں تو دول یورپ کے برخلاف جارحانہ تقدم چند مہینوں تک قائم رکھنا بھی اسکے لیئے بالآخر پیام موت بنکر رہا۔ حضرت عمرؓ کے مقبوضہ ممالک کا رقبہ بائیس لاکھ مربع میل تھا۔ ہجرت کے ایک سو برس بعد تک مسلمان پُرانی دنیا کے تینوں براعظموں میں پھیل گئے، ایشیا میں دریائے اٹک کی حدود اُنکے ایک طرف، اور یورپ میں فرانس کے جنوبی اور وسطی میدان دوسری طرف تھے، افریقہ کا تمام شمالی علاقہ بھی اُنہی کے دست قدرت میں تھا، گویا ماسوا رومۃ الکبریٰ کی سلطنت کے قریب قریب سب مہذب دنیا پر ان کا تسلط ایک صدی کے اندر اندر ہو گیا تھا۔

فدائی جو اپنے تمدّن کی تمام اگلی روایات اور کلّیات کو خدا کی راہ میں متروک کر چکے تھے، اِسکے دقیق مطالب کی طرف متوجّہ ہونے لگے۔ کچھ عرصہ قرآن کی جمع و ترتیب میں صرف ہو چکا تھا، کچھ اور تصرّف کتابت میں خرچ ہوا۔ نقاط اور حرکات ایجاد کی گئیں، مگر اعراب کے استعمال سے معانی کی نوعیّت کے متعلق ایک علیحدہ اور انوکھا اجتہاد قائم ہونا شروع ہوا۔ عرب اپنی وہبی نفاق آرا، اور مجادلانہ طبیعت سے مجبور ہو کر اِس جد وجہد میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ تلفّظ کی زیروں اور زبروں اور اختلاف معانی پر تراکیب الفاظ اور تغیّرات عوامل پر مستقل مناظرات ہونے لگے۔ کوفے اور بصرے میں نحویوں کے دو مقتدر اور متخالف گروہ قائم ہو گئے۔ اِن فساد آفرین مجاہدوں میں تلاش سند کے بہانے سے عرب قبائل کی مختلف لغات اور جاہلیّۃ کا سارا علم ادب مدوّن ہو گیا۔ راویوں کی مختلف جماعتیں جاہلی اور مُخضرمی شعرا کے رطب و یابس سب ابیات اور قبائل کی جھوٹی سچی سب روایتیں پیش کرنے لگیں۔ اُدھر عرب کی ارباب ذوق، نازک اور ظنّی طبیعتیں قرأت کے سطحی اختلافات کی بھی متحمّل نہو سکیں۔ علما کا ایک پُرمغز گروہ اختلاف قرأت، رموز او قاف، اور ترتیل قرآن کی طرف لگ گیا۔ فصاحت و بلاغت کی ان مُہلک یاد دہانیوں میں عرب جو اپنا بیشتر اعتقاد قرآن کی بے مثال فصاحت ہی پر رکھتے تھے، اور جو اپنی قادر الکلامی اور سخن شناسی کے کبھی منکر نہ ہوئے تھے، اِسی ناگوار اجتہاد کو اسلام کی بہترین خدمت سمجھنے لگے۔ شعر و سخن کی ان دلدادہ طبائع، اور وہم و وسوسہ کی ان مجبور فطرتوں میں کلام خدا کی محبّت نے استدلال کی

٭ قرآن کی مختلف سورتوں کی آیتوں کی داخلی ترتیب خود صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زندگی میں کر دی تھی، مگر ایک مدّت تک یہ سورتیں علی الحساب اہل عرب کے سینوں کے اندر محفوظ رہیں اور کتابت قرآن کا سوال پیدا نہ ہو سکا۔ غزوہ یمامہ کے بعد جب حضرت عمرؓ نے خلیفۂ اوّل کی توجہ جمع قرآن کی طرف لائی تو صدیق اکبرؓ نے زید بن ثابتؓ کی وساطت سے قرآن کو جمع کیا۔ لیکن اِس وقت سورتوں کی باہمی ترتیب کا خیال غالباً نہیں کیا گیا۔ خلیفۂ ثالثؓ (المتوفی ۳۵ھ ۶۵۶ء) کے عہد میں سورتوں کی مستقل ترتیب عمل میں آئی جو آج تک قائم ہے۔ پہلے پہل قرآن کی کتابت شاید حمیری خط میں تھی۔ پھر اِس کے بعد کچھ تصرف کر کے کوفی خط کو لے لیا۔ بعدازاں زیر، زبر، پیش، جزم، وغیرہ وغیرہ حرکات اور نقاط ایجاد کیے گئے۔ اور اِس خط کو اور بھی ترقی ہوئی۔ پھر دوسری صدی ہجری کے اوائل میں جب مسلمانوں نے اندلس اور افریقہ کو فتح کر لیا اور ابو جعفر منصور نے ۱۴۵ھ ۷۶۲ء میں بغداد پر قبضہ کر کے اُس کو علوم عربیہ کا مرکز بنایا تو خط بغدادی کی ابتدا ہوئی جو آج بعض اہم تبدیلیوں کے بعد ہر جگہ جاری ہے۔

بجائے الفاظ بینی اور ظاہر نوازی، اور اجتہاد کی جگہ خیال آرائی اور بلند پروازی از خود پیدا کردی؛ فصاحت پرستی صحیح معنوں میں ازسرِ نو شروع ہوگئی! قرآن ہی سے ثابت کرنے کی ناروا کوشش کی گئی کہ انسانوں اور جنوں کا متفق گروہ بھی اسکی "ایک سورت جیسی فصیح و بلیغ "تصنیف پیدا کرنے سے متعذر ہے؛† وَمَا

---

† سورۂ بنی اسرائیل میں ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ○ (۱۷: ۸۸)

اے محمدؐ! تم علی الاعلان کہہ دو کہ اگر اس پہنائے عالم کے سب جنّ و انس بھی اس بات پر مجتمع ہو جائیں کہ اس قرآن عظیم کی مانند ایک دوسرا قرآن بنا لیں تو ہرگز اس جیسا نہ لا سکیں گے خواہ وہ ایک دوسرے کی مدد پر تُلے ہوئے ہی کیوں نہ ہوں۔ (جن کی تشریح اپنے موقع پر آئے گی یہاں اس سے بحث نہیں)

یہاں ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی فصاحت یا عبارت آرائی کے متعلق ایک حرف نہیں کہا گیا۔ کیونکہ اگر مقابلہ فصاحت ہی میں تھا تو تمام دنیا کے جنّ و انس کو دعوت دینے کی کیا ضرورت تھی، صرف قادر الکلام اہل عرب ہی کو بلایا ہوتا جن کا مقابلہ کچھ معنی بھی رکھ سکتا تھا پس جب دعوت عام ہے تو موازنہ بھی لامحالہ کسی ایسی خوبی کا ہے جسکے متعلق ہر شخص حتی المقدور کچھ نہ کچھ دعوے کر سکتا ہے اور وہ خوبی علم، حکمت یا ہدایت کے سوا کچھ نہیں ہو سکتی اس امر کا تصفیہ کہ محوّلہ بالا آیت (۱۷: ۸۸) میں مِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ کے الفاظ سے بعینہٖ کن معنوں میں مثیل قرآن کے ممکن نہ ہونے کا دعوے کیا گیا ہے، سورۂ انفال کی ایک اور آیت سے بھی ہوتا ہے جو اس لحاظ سے ازبس معنی خیز ہے:

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَاۤ ۙ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ○ (۸: ۳۱)

اور ان نابکار اہل عرب کے انکار کی یہ شان ہے کہ جب ہماری آیتیں انکو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو مُعَاْ بول اُٹھتے ہیں کہ ہاں ہاں ہم نے محمدؐ کے قرآن اور اُسکے دعوئے پیمبری کی حقیقت کو خوب سمجھا (قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا)، اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسی ہی پیش پا افتادہ باتیں بنا لیں (لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَاۤ)، ان میں رکھا ہی کیا ہے، یہ تو وہی ڈھکوسلے ہیں جو اگلے لوگ ہم کو ہمیشہ سے سُناتے چلے آئے ہیں۔

یہاں ظاہر ہے کہ مِثْلَ هٰذَا کا اشارہ قرآن حکیم کے نفس موضوع اور مشمولہ حکمت اور ہدایت ہی کی طرف ہے جس کی منکرین عرب نے "اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ" کہہ کر تخفیف کرنی چاہی ہے۔ اگر ادبی اور لفظی خوبیوں کی طرف اشارہ ہوتا تو اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ کے الفاظ بے موقع اور بےمعنی تھے کیونکہ اَسَاطِيْر کے لفظ سے غیر فصاحت کے معنی قطعاً نہیں نکلتے اور نہ اَوَّلِيْنَ سے مراد پرانے اُدَباء اور فُصحا کی جماعت ہو۔ انہی معنوں میں 'مِثْل' کا لفظ سورۂ طور کے اندر واقع ہوا ہے:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ○ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖۤ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ○ (۵۲: ۳۳-۳۴)

تو کیا لوگ کہتے ہیں کہ محمدؐ اس قرآن کو اپنی طرف سے بنا لایا ہے یہ تو ان کام چوروں کے لنگ عذر اور کٹ حُجّتیاں ہیں، اصل بات یہ ہے (بَلْ) کہ وہ سرے سے ایمان لانے کی نیّت ہی نہیں رکھتے (لَا يُؤْمِنُوْنَ)۔ (کیونکہ ایمان لانیکے ساتھ ہی قرآن پر عمل کرنا اُنپر واجب ہو جاتا ہے) اور ویسے اگر وہ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو اس جیسی ایک بات بھی تو لے آویں۔

یہاں بھی صاف طور پر قرآن کا مثیل شعر و فصاحت میں طلب نہیں کیا گیا بلکہ مقصود اسکے مضامین کو قدر و قیمت میں برتر ثابت کرنا ہو۔ اسکے شعر ہونے سے انکار تو آیتیں پہلے اسی سورۃ میں ہو چکا ہو: اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ○ (۵۲: ۳۰) یعنی کیا لوگ رسولِ خدا کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ تو محض ایک شاعر ہے (جس نے اپنے زورِ تخیّل کے باعث چند خوشامدی پیدا کر لیئے ہیں۔ اسکی واہ واہ تبھی تک ہے جبتک وہ زندہ ہو) اور ہم تو اس امر کے منتظر ہیں کہ موت کا حادثہ اُسکو آدبوچے اور اسکی سب لن ترانیاں خاک میں مل جائیں۔"

هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ † قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ۝ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۝ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ[۱] ۝ (۶۹: ۴۱-۴۳)

متن و عبارت کی خوبیاں، اور نطق کی گہرائیاں پیش نظر ہوتی گئیں؛ فصاحت کے عاشقوں کی ایک جماعت بلاغت کو مستقل فن بنانے میں مصروف ہوگئی؛ قرأت اور ترتیل کے موضوعہ اُصول کی بنا پر ادنیٰ سی درماندگی کے عوض میں، عرب و عجم سب کے لیئے، اللہ کی سرکار سے دردناک سزائیں مقرر ہوئیں۔ آہ! لیکن ان مجاز پرستان دین کو اس اعتنا و اہتمام کے باوجود یہ کہنے کی توفیق ہرگز عطا نہ ہوئی کہ قرآن کو ٹھیر ٹھیر کر پڑھنے کی حقیقی غایت خدا کے نزدیک صرف اس قدر ہے کہ اُسکی ایک ایک آیت کے مطالب عوام کے دلوں پر کالنقش فی الحجر ہو جاویں۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً ۚ كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ ‡ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ۝ (۲۵: ۳۲)

اور منکرین دین جو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن سارے کا سارا ایک دم سے کیوں نازل نہیں ہوا تو انہیں کہہ دو کہ فی الحقیقت یہی مناسب تھا۔ کیونکہ ہم اس کے مطالب تمہارے قلب پر دل نشین کر کے تمہیں مطمئن کرنا چاہتے تھے اور اسی وجہ سے ہم نے اسکو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اُتارا۔

وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَىٰ مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنزِيلًا ۝ (۱۷: ۱۰۶)

اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے اس لیئے اُتارا کہ تم وقتاً فوقتاً مہلت کے ساتھ اُسے لوگوں کو پڑھکر سناؤ اور اسکے مطالب دلنشین کردو، اور اسی مصلحت سے ہم نے اُسے رفتہ رفتہ اتارا۔

---

[۱] اور یہ قرآن کسی شاعر کا کلام تو ہے نہیں، افسوس کہ تم اسکی حقانیت پر بہت کم ایمان رکھتے ہو جو اسے قول شاعر قرار دیتے ہو۔ نہ یہ کسی کاہن کے ڈھکوسلے ہیں۔ افسوس تم اس سے بہت کم نصیحت پکڑتے ہو جو اسے ایسا سمجھتے ہو۔ یہ تو پروردگار عالم کیطرف سے اُترا ہوا کلام ہے۔

† یہ تیسرا موقع ہے کہ قرآن کے شعر ہونے سے بصراحت تمام انکار کیا گیا ہے۔ ایک موقع ابھی ابھی صفحہ ۷۱ پر اور ایک صفحہ ۶۴ پر گذر چکا ہے۔

‡ یہ آیۂ جلیلہ صفحہ ۶۴ پر پہلے بھی آچکی ہے مگر اُس جگہ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ کے مطالب کی تشریح نہیں کی گئی تھی۔ سورۂ ہود کے اخیر میں ہے:

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ (۱۱: ۱۲۰)

اور یہ سب جو کچھ ہم تمکو اپنے گذشتہ پیغامبروں کے حال بیان کرتے ہیں (اُنکی کامیابیوں اور دشمن کی ناکامیوں کی اطلاع دیتے ہیں) اس سے غرض و مطلب یہی ہے کہ ہم تمہارے دل کو مضبوط کردیں، تمہارے عزم کو مصمم کردیں (مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ) قانون خدا کی اہمیت کو واضح کر کے تمہارے دل کو اُسکی صداقت کے بارے میں مطمئن کردیں (مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ) اور اسمیں شک نہیں کہ تمہیں اس موضوع کے اندر ایک عظیم الشان حقیقت (الْحَقُّ) منکشف کردی گئی ہے (جو تمہارے آیندہ طرز عمل کیلیئے مفید ہوگی) اور علاوہ ازیں ایمان والوں کے لیئے بھی اس سورت میں نصیحت اور عبرت ہو!

حقیقت کی ماہیت سے یہاں پر بحث نہیں مگر یہ امر ظاہر ہے کہ نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ کے معنی دل کو مطمئن کرنے کے ہیں۔

............وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ؕ (۷۳:۴)

اور قرآن کو خوب سوچ سمجھ کر پڑھا کرو۔

ظاہر پرستی کے اِن لاانتہا اور شبانہ روز مشاغل کے باعث قرآن کے مطالب میں حقیقی تدبّر محال تھا۔ اسلام کی دماغی قوّت کا بہترین حصّہ اِس دردناک طور پر ضائع اور منتشر ہوتا گیا۔ قرآن کی درس و تدریس تمام عالم اسلام میں اِنھی اصول پر ہونے لگی۔ اِس اثنا میں جمع و تدوین احادیث کے نئے نظریے نے اجتہاد کا رُخ ایک اور ہی طرف بدل دیا۔ سینکڑوں محافظین دین تسلسل و تواتر کے ناممکن اور غیر یقینی اجتہاد میں مصروف ہوگئے۔ راویانِ احادیث کے حسب نسب اور نامہ ہائے اعمال کی ایک نہایت وضعی مگر پُر از کار تحقیق شروع ہوگئی۔ احادیث کی صحت کا معیار اہلِ عرب نے پھر اُسی عقیدتمندی اور غلبۂ وہم کی بنا پر، کتاب الٰہی سے تطبیق یا کم از کم عدم تضاد کی بجائے رُواۃ کے ذاتی اعتبار کو قرار دیا۔ دینی اور خدائی معاملات میں اِس نارِوا ارادت کا اظہار، اور نسیان کار انسان سے یہ عقیدتمندانہ سلوک عرب کی ظاہر پرستی اور ناحقیقت شناسی کی ایک اور دلیل تھی جسکا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ قسم قسم کی احادیث، موقع اور مطلب کے نباہنے کے لیئے معتبرین کے نام پر موضوع ہونے لگیں حتّٰی کہ اُن کی چھان بین محال ہوگئی، اور بیحد قیمتی وقت صرف ہوا۔ کلام الٰہی کے مطالب میں براہ راست اجتہاد اُسیقدر کم ہوتا گیا، اور ضمناً مسلمان ایک حسرت انگیز طریقے پر، قرآن کے ناقص اور غیر مکمّل، مغلق اور غیر مشرّح ہونے کے خاموش قائل ہوگئے[+]!

درحقیقت اِس تمام سطحی جدّ و جہد کے بروئے کار نہ آنے کی اصلی وجہ اہلِ عرب کا طریق تخیّل تھا۔ عرب کی گذشتہ ہزارہا سالہ تاریخ میں اُن کا واسطہ تخیّل کی دو ہی شقوں سے پڑتا رہا۔ شاعرانہ شق کی بنا پر انہوں نے قرآن کے ظاہری محاسن کو دیکھنا شروع کیا اور بالآخر اسکو کمال پر پہنچا دیا، عجیب و غریب رسمی علوم ایجاد کر کے اسکے صنائع اور بدائع کی مکمّل تدوین کی، نص قرآن کو ایک زیر و زبر کے اختلاف سے پاک کر کے

[+] احادیث کے معیارِ صحت کی حقیقت اور متعلّقہ معاملات کے بارے میں ایک مبسوط بحث عنقریب تیسری مجلّد میں آئے گی۔

ابدالآباد تک انسانی تصرف سے محفوظ کردیا۔ اوہامی شق کی بنا پر عرب نے قرآن کے باطن میں بھی استدلال شروع کردیا تھا مگر چونکہ طبائع میں غیب کی باتوں سے الفت تھی، اور کہانت، وسواس، ظن، اور فرضیت کے عناصر غالب تھے اس لیئے کتاب الٰہی کو کھولتے ہی اُن کا خیال ماہیتِ خدا، حقیقتِ نبوت کیفیتِ وحی، ملائکہ، جنات، موت، مابعد الموت، بہشت و دوزخ وغیرہ وغیرہ، کی طرف معاً منتقل ہوگیا۔ یہ سب موضوعات لامحالہ اس نمط کے تھے کہ اُن کے متعلق تخیّل کی بلند پروازی بدرجہ اتم ہو سکتی تھی ظن وتخمین کے ان معاملات پر عرب اور عجم نے دل کھول کر بحثیں کیں، جاہلیہ عقائد کے اکثر لازمات کو اسلامی لباس پہنا کر ان اتھاہ مضامین میں خلط مبحث کردیا۔ مگر چونکہ ازمنۂ جاہلیہ کے عقائد، یونانیوں کے علم الاصنام کی غیر مانند، مدوّن بھی نہ ہوئے تھے، خود قبائل میں پہلے سے ہی ان ظنیات کے متعلق بے انتہا تفرقہ موجود تھا، اور اُن کی صحت کی تائید یا تردید بھی قرآن سے نہ ہو سکتی تھی، اسلیئے اس نوع خیال کا لازمی نتیجہ **فرقہ بندی** ہوئی، عرب نے اس حادثۂ عظمٰی سے بہت پہلے مسئلہ امامت کے متعلق ایک غیر اسلامی اور جاہلی عقیدے کی بنا پر تفرقہ ڈال کر، اسلام کو دو ناقابل وصال گروہوں میں تقسیم کردیا تھا، مگر اب ظنی اجتہاد سے الٰہیات کی سطحی موشگافیاں کرکے، ایک خدا، ایک رسول، اور ایک قرآن کے بارے میں بھی عقائد و آرا کا دردناک تشتت پیدا کردیا؛ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ۝ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (۱۵: ۹۰-۹۳)[ل] جامع المتفرقین خدا نے، جو مسلمانوں کی ایمانی اور عملی دونوں

[ل] یہ قرآن تو گویا ہم نے کسی اور قوم پر نہیں اتارا کہ وہ سارے کو من و عن مانکر اسکے مطالب میں تطابق قائم کریں، بلکہ دراصل اس تفرقہ آرا قوم کی طرف اُتارا ہے جو حسب خاطر اسکے ٹکڑے ٹکڑے کرکے آپسمیں بانٹ لینے والے ہیں۔ اپنے اپنے حصّے کو علیحدہ کرکے تفریق پیدا کرتے ہیں۔ پس تیرے پروردگار کی قسم کہ ہم ان سب سے اُن کے ان بداعمال کی ضرور بازپرس کرینگے!

[۲] قرآن کو عِضِيْنَ (ٹکڑے ٹکڑے) کرنیکے معانی یہی ہیں کہ اُسکے کسی ایک حصّے کو لیکر اپنے مطلب کے معنی پیدا کرلینا، اسی پر اپنی کشش و توجہ صرف کرنا، اور باقی حصوں کو نظرانداز کرکے فرقہ بند بننا جیسا کہ آج ہر اسلامی فرقے کا شیوۂ عمل بن گیا ہے، گویا فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ (۲۳: ۵۳) کا مصداق بننا جسکی تشریح صفحہ ۴۹ پر گذر چکی ہے۔ یہ طریق تخیّل ظاہر ہے کہ کسقدر مُہلک ہے۔ جبتک کسی تصنیف کا تمام لائحہ عمل پیش نظر نہو، اُسکے کسی ایک حصّے کے ظنی معانی انسان جو چاہے بنا سکتا ہے مسلمانان عالم نے کتاب اللہ کو اکثر اسی نقطۂ نظر سے دیکھکر اپنے اپنے فرقے بنا لیئے ہیں۔ اسی لیئے آج انہیں دردناک پرسش ہو رہی ہے؛ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (۱۵: ۹۲-۹۳)۔ ضمناً ان آیاتِ الٰہی سے یہ بھی مترشح ہے کہ قرآن حکیم فی نفسہٖ تمام کا تمام مربوط ہے۔ اور یہ انسان ہی ہے جو آیات کے حسب مطلب معانی بیان کرکے اُسکو بے ربط کر رہا ہے لیکن یہ حقیقت اُسوقت اظہر من الشمس ہوگی جب رفتہ رفتہ ہر ایک سورت کو اس کتاب میں مربوط المعانی ثابت کردیا جائے گا۔

زندگیوں کو چٹان کی طرح مضبوط دیکھنا چاہتا تھا، لامحالہ ظن کے انہی ناہموار نتائج کو پیش نظر رکھکر، اسکی بعض قسموں کو قطعی طور پر گناہ قرار دیا تھا، مگر قرآن کریم کے ان عظیم الشان مقاصد تک پونہچنے کے لیئے تابعین عرب کو اسکی آیات میں حقیقی تامّل اور تدبّر کی ضرورت تھی!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (۴۹ : ۱۲)

اے ایمان والو! اکثر قسم کے ظن سے بچتے رہا کرو، کیونکہ بعض ظن داخل گناہ ہیں۔

اسلام کی ارضی سلطنت کے استمرار و تمکن کے لیئے یہ فساد آفرین مباحث کس طرح مفید ہو سکتے تھے۔ قرآن کے متعلق ان لفظی تنازعات اور سطحی کج بحثیوں میں ہی مسلمانوں کی زندگی کے کم و بیش دو سو برس صرف ہو گئے۔ اِس اثنا میں حفاظت قرآن کے مفید اور بے مثال عمل کے ماسوا عرب تخیّل کا بے دیگر یہی نتیجہ ہوا کہ کلام الٰہی کی درس و تدریس کے ضمن میں عوام کے سامنے جاہلیۃ کا سارا علم ادب، اُن کی طرز معاشرت، اُن کی روایاتِ واہیہ، اُن کے اوہامِ باطلہ، اور اُن کا دیرینہ اخلاق مدوّن ہو کر التزام کے ساتھ پیش نظر ہو گیا۔ اِن بے سود تصریحات اور ناگوار انکشافات کے سمِ آلود اثر کے باعث، اسلام کی تعلیم اعتقاد میں صدہا غیر متعلق اور مفروضہ باتیں از خود دخیل ہو گئیں۔ قرآن کا سب سے بڑا معجزہ اسکی جیّد عبارت اور حسن بیان میں منتقل ہو گیا! اسکی تلاوت عرب سخن فہمی اور زباں نوازی کی بہترین داستان بن گئی۔ پھر فصاحت اور نغز گوئی ہر خاص و عام کا مستقل بلکہ مستند شغل ہو گیا۔ عرب اور عجم قیل و قال میں، تحریر و تقریر میں، زباندانی کا اہتمام ذوق و شوق سے کرنے لگے۔ اُدھر قرآن کی فرضی تائید پر جنّات اور ملائکہ کے متعلق عقائد کی تدوین ہونے لگی۔ بہشت اور دوزخ کے مختلف مقامات اور مدارج وضع کیئے گئے۔ عذاب قبر کی تشریحوں کے متعلق کلام الٰہی سے دوراز کار استناد کیا گیا۔ ماہیتِ خدا، حقیقتِ نبوت، کیفیتِ وحی وغیرہ کے مختلف نظریوں کے باعث، قرآن، رسول، بلکہ خدا کے متعلق بھی طرح طرح کے توہمات و شکوک عوام میں پھیل گئے۔ قرآن کی اکثر آیات میں عجیب و غریب تاویلیں ہونے لگیں۔ بدعت کا عام اجرا ہو گیا۔

پھر قیاس کے اِن بے نتیجہ مجادلات، آراکی اِس عام کشاکش، اور الفاظِ وحی کے جاذبی اثر کے باعث عوام کے غیر مطمئن اور تشنہ نتائج دل کہانت کے جاہلی عقائد کی طرف از خود مائل ہوگئے؛ قرآن کا مطالعہ محض رسم و تبرک کے طور پر رواج پاتا گیا؛ کلام آلٰہی کے الفاظ میں غیبی برکت اور طبی تاثیر مانی جانے لگی؛ تمائم پرستی اور زیارت قبور کی جاہلی علامات نمایاں ہونے لگیں، فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ[1] (۹:۷۰،۹:۷۰)؛ پھر آیندہ احوال اور خانگی معاملات، حتٰی کہ ملی اور بین الملی مناقشات کی پیش بینی کی غرض سے کلام خدا سے تفاؤل کیا جانے لگا! احادیث نبویؐ اور حروف مقطعات قرآنیہ سے زوال و بقائے قوم، مدّتِ قیام عالم، اور بقائے اسلام کی تشریحیں نکالی گئیں! سحر و طلسمات کا وجود قرآن سے غلط مستنبط کرکے، اور حلول جنّات وغیرہ وغیرہ جاہلی عقیدوں کا منفی ثبوت† غیر متعلق اور دور از کار آیات سے از سر نو نکالکر عجیب و غریب فریب سے اُن کی قرآنی تحریم و تردید کی نوعیت بدل دی! انہی مراسم جاہلیہ اور عقائد واہیہ کی تجدید کے سلسلے میں مُسلمانوں کو نجوم کے مفروضہ اعمال سے بھی لگاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ آثار کواکب جاہلیہ عقائد کی تائید، ایک نہایت شرم انگیز طریقے سے کلام خدا کی وساطت سے کی جانے لگی۔ بعض فِرقِ صوفیا نے بھی تنجیم کے ان متعدّی اور ہلاکت انگیز اثرات میں پا بگِل ہوکر، طبائع کوکبی اور اُرواحِ فلکی کو مظاہر اسمائے آلٰہی فرض کیا، اور مکر و دروغ کے خجالت آفرین ڈھکوسلے اُسرار الحروف کے نام سے وضع کیے! تیسری صدی کے اخیر میں زیدیہ اور رافضیہ فرقوں نے امام جعفر صادق علیہ الرحمۃ کی تقلید کے بہانے سے کلام آلٰہی کو قطعاً ناقابل فہم قرار دے کر، اسکے اسرار و رموز کا حل جفر اور رمل سے مناسب

---

[1] تو اللہ ان پر ظلم نہیں کر رہا تھا بلکہ وہ تو اپنی جانوں پر آپ ظلم کر رہے تھے۔

---

† اِس منفی ثبوت کی ایک مثال صفحہ ۶۳ آیہ (۷: ۱۸۴) میں گذر چکی ہے۔ "مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ" سے بعض خوش اعتقادوں نے یہ مستنبط کیا ہے کہ اگرچہ رسولِ خدا میں (معاذ اللہ) جن نہیں گھسا تھا مگر عام لوگوں کے بدنوں میں جنّات کے گھس جانے کی قرآن تائید کرتا ہے! جن کی حقیقت کے متعلق مکمل بحث غالباً چوتھی مجلد سے پہلے نہ ہو سکے گی۔ مگر جستہ جستہ اشارات درمیانی مجلدات میں بھی آئیں گے۔

جانا! اِن اوہام کی گرفت بالآخر اسقدر وسیع ہوگئی کہ عین اُسوقت جبکہ اسلامی عظمت وجبروت کا آفتاب نصف النہار پر ٹھیرا ہوا تھا، اور اللہ کی بخششوں کے خزانے مسلمانوں کو ہر طرف سے مالا مال کر رہے تھے، اسلام کا مقتدر امیر المؤمنین، خلیفۃ المسلمین، ہارون الرشید، قرآن اور اسلام کو بالائے طاق رکھکر، فلکیات کے مطالعے میں بذات خود اس نیت سے مستغرق تھا کہ آثار نجوم سے اطلاع پاکر بقائے سلطنت کی بشارت اور نزولِ حوادث کے حالات معلوم کرے!

اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ† ۝ (۴۳: ۳-۵)

ہم نے کتاب خدا کو عربی زبان میں اسلیئے کر دیا تھا کہ تم اسکے عظیم الشان مطالب کو پاکر عقلمند بن جاؤ، اور یہی قرآن ہمارے ہاں ام الکتب میں درج ہے جو ایک بڑی بلند نظر اور پُر از حکمت کتاب ہے۔ تو کیا اس وجہ سے کہ تم اس کتاب عظیم کی اصلی غرض و غایت سے دور ہوتے جاتے ہو ہم اس کو تم سے یکسر کیوں نہ اُچک لیں؟

کیا ان اعمال کے بعد انسان کی گذشتہ ہزارہا سالہ تاریخ میں، کفر اور ضلالت، جہل اور ابلہی، مکر اور سیہ کاری کی اس سے بہتر اور روشن تر مثال پیدا ہو سکتی ہے جیسی کہ سلف راشدین علیہم الرحمۃ کے ان ناخلف عرب و عجم نے ظہور اسلام کے پانچ سو سال بعد تک، قرآن کے مطالب پر غور کرنے، اور اللہ کی مُفت بخشی ہوئی سلطنت کو محفوظ و مستحکم کرنیکے بہانے سے دنیا کے سامنے پیش کی؟ کیا خود ابلیس، اپنی شبانہ روز مصروف کاری، شیطانی اغوا، اور طاغوتی مکر و حیل کے باوجود، اپنے سارے نامۂ اعمال میں، اللہ کی پیدا کی ہوئی مخلوق کے دلوں پر ایک ہی وقت میں اُس کامل حکومت کی کوئی مثال پیش کر سکتا ہے جو ہم نے

† یہ آیات صفحہ ۶۰ پر گذر چکی ہیں مگر مُسْرِفِيْنَ کی تشریح اس موقع پر چھوڑ دی گئی تھی۔ "مسخ حقیقت" کے عنوان میں اس قرآنی اصطلاح اور اکثر ایسے الفاظ کی مکمل تشریح آئے گی۔ اور ظاہر کر دیا جائے گا کہ یہ اصطلاح قرآن حکیم میں کن وسیع اور مختلف معانی میں استعمال ہوئی ہے۔ یہاں پر ہر صاحب نظر بطور خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ یہی معنی جو ہم نے اصل کتاب میں کیئے ہیں، مطالب کو مربوط کر سکتے ہیں۔ ان کا بعد کی آیتوں سے ربط بھی ظاہر ہے۔ "اَلذِّكْر" کا لفظ قرآن کے معنوں میں جابجا مستعمل ہوا ہے۔ مثلاً آیۂ (۱۶: ۴۴) میں جو صفحہ ۵۹ پر آئی ہے۔ ان آیات میں خطاب تمامتر اہل عرب کی طرف ہے۔

ہلاکت انگیز عفریت، اور جہل کے موت افزا دیو نے عرب کی بے علم و ہنر قوم کو کامل طور پر مسحور کرکے قائم کی؟ یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِیْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ[۵۱] (۲: ۲۶)۔ کیا اسلام کی ازلی صداقت اور قرآن حکیم کی ابدی حقانیت کی آڑ میں، مکر و دروغ کا یہ علانیہ جواز، ماسوی اللہ کی یہ آشکارا عبادت، اوثان جاہلیہ کی یہ فاش عبودیت، فی الحقیقت بنی اسرائیل کی پرستش عجل سے بہت بڑھکر جہالت، خودکشی، اور ظلم نہ تھا جس سے اہل عرب نے آج اس اخیر دم تک توبہ نہیں کی؟ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ[۵۲] (۲: ۵۴)ﷺ کیا قرآنی آیات کو بازو پر باندھ کر شفا کی امیدیں رکھنا، اُسکے اوراق سے فالیں نکالکر نتائج کا چشم براہ رہنا، کلام الٰہی کے حروف کو طلسماتی فسون سمجھکر فوری اثر کا منتظر رہنا، حادثات زمانہ کو اللہ کے آسمانی کُرّوں پر محمول کرکے غیب جاننے کی سعی کرنا، اور اس طرح پر خدا کے وجود کا بالجبر امتحان لینا، دراصل بنی اسرائیل کی خدا کے آشکارا دیدار کی خواہش، اور اُن کے مشروط ایمان کے مترادف نہ تھا جسکی سزا میں بالآخر اُن پر بجلی گری تھی؟ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ[۵۳] (۲: ۵۵)۔ نہیں، کیا پھر انہی عرب پر شدید العقاب خدا نے بنی اسرائیل کی مانند، اُنکے مفتریانہ اعمال اور فسق و ظلم کی پاداش میں جلد تر عین اُن کی سلطنت کے قلب میں ہلاکو کی بجلی نہ گرائی، اور اُن کی شش صد سالہ عظمت کو تاتاریوں کے طوفان جراد سے چند دنوں کے اندر خُرد بُرد نہ کیا؟ کیا یہی عرب آٹھ سو سال تک اُندلس کے روح پرور

[۵۱] بہتوں کو اسی سے گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت کرتا ہے۔ لیکن گمراہ انہی کو کرتا ہے جو درحقیقت فاسق ہیں۔ (اور ہلاکت کے اہل دیکھو صفحہ ۸ سطر ۱۳)

[۵۲] اور لوگو! کیا تمہیں وہ وقت یاد ہے جب نبیؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے بھائیو! درحقیقت تم نے بچھڑے کی پرستش اختیار کرکے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے پس اپنے خدا کی طرف پھر آؤ، اسکی جناب میں توبہ کرو، یا اگر یہ نہیں کرتے تو اپنے آپ کو ہلاک کرو، غرق ہو جاؤ، اور مر جاؤ (فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ†) خدا کی نگاہ میں تمہارے لیئے یہی بہتر ہے کہ یا توبہ کرو یا مر جاؤ۔ پھر اُن لوگوں نے توبہ کی تو خدا نے بھی اُن کی توبہ قبول کرلی، ان پر عطا کی ہوئی نعمتیں بحال رکھیں، اُن سے کچھ مواخذہ نہ کیا، اور وہ خدائے عظیم باز آجانے والوں کے حق میں بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا، اور بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔

[۵۳] اور وہ وقت بھی یاد کرو جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ! ہم تمہیں ہرگز فرستادۂ خدا یقین نہ کریں گے جب تک ہم خدا کو آشکارا نہ دیکھ لیں۔ پھر تم کو بجلی نے آدبوچا اور تم دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

† گویا فَتُوْبُوْٓا اور فَاقْتُلُوْٓا میں فاء سے مقصود اختیار جتلانا ہے۔ فَتُوْبُوْٓا کے بعد اور فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ سے پہلے وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا کے الفاظ مقدر ہیں۔

چشموں، سایہ دار بادلوں، دلفریب گھاٹیوں، پُرفضا وادیوں، اور حیات افزا جنتوں میں رہ کر اللہ کی نافرمانی کے عوض میں، عبادت طاغوت کی سزا میں، ممنوعہ درخت کے پاس نہ جانے کے بدلے میں، غیب پر سے نقاب اُلٹنے کی جزا میں، اللہ کے آشکارا دیدار کی خواہش کی سرزنش میں، بالآخر اُسکے زبردست ہاتھ سے بیک بینی و دوگوش اس بے آبروئی اور دُرگت سے نہیں نکالے گئے کہ آج اس داستان کو دُہراتے ہوئے پسینہ آجاتا ہے؟ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى كُلُوا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (۲: ۵۷) کیا آج آٹھ سو برس کی بے مثال حکومت اور جاہ وجلال کے بعد، اُس سرزمین میں، اُن کا ایک متنفس اور ایک نوحہ گر بھی باقی رہا ہے جو اُنکی خاموش مزاروں ... پر ... ہو کر چار آنسو ہی بہا دیا کرے!

فَإِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ○ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا (۱۹: ۹۷-۹۸)

اور ہم نے تمہیں ایسے قطعات زمین پر آباد کیا جہاں ابر تم پر سایہ کئے رہتا تھا۔ اور تم کو شیرینی درخت حاج اور عمدہ اقسام کے بٹیر کھانے کو دیئے، اور اجازت دی کہ جو کچھ عمدہ رزق ہم نے تم کو دیا ہے شوق سے کھاؤ۔ لیکن تم نے ان نعمتوں کی بیقدری کی۔ تو ان لوگوں نے ہم پر کچھ ظلم نہیں کیا، وہ تو اپنی جانوں پر آپ ظلم کرتے رہے۔

یہ لغو تشریح ہے جو بہلانے بنالی ہے کہ بنی اسرائیل جہاں جاتے بادل کا چتر اُنکے سر پر رہتا تھا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ جزیرہ نما سیناکے جن شمال مشرقی حصص میں بنی اسرائیل فتح کنعان سے پیشتر رہے وہ پہاڑی علاقہ تھا۔ عین قادیش کا تمام گرد ونواح جہاں چھ لاکھ بنی اسرائیل کے خروج کے بعد موسیٰ علیہ السلام چالیس برس تک ڈیرہ ڈالے رہے ایک نہایت خوشگوار ملک تھا، آب وہوا میدانی علاقوں سے نسبتاً اب بھی خنک ہے، موسمی نہریں، چشمے اور دریا جابجا نظر آتے ہیں۔ درخت حاج جس کی شیرینی کو قرآن اور تورات نے مَنّ سے تعبیر کیا ہے بکثرت ملتا ہے۔ پرندوں کی بھی بہتات ہے۔ مصر اور سینا کے تپتے ہوئے بیابانوں سے نکلکر بنی اسرائیل کا ان علاقوں میں آباد ہونا اُنکے لیئے نعمت غیر مترقبہ تھا۔ قرآن نے اسی حقیقت کو "ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ" کے خوب صورت الفاظ میں ادا کیا ہے اور اگر قرآن فصیح وبلیغ ہے تو درحقیقت انہی معنوں میں کہ اسکا تمام اسلوب بیان نہایت مختصر اور موثر ہے، اور اس سے بہتر انداز وہم وگمان میں نہیں آسکتا۔

بنی اسرائیل کی تاریخ بیان کرنے کا یہ موقع نہیں۔ یہ موضوع تاریخ القرآن کا ہی جو اس کتاب کا آخری حصہ ہی۔ اسی لیئے انکے ظلم کی تشریح کو اُس موقع کیلیئے چھوڑ دیا گیا ہی۔

لِتُبَشِّرَ کے بالمقابل تُنْذِرَ اور مُتَّقِيْنَ کے بالمقابل قَوْمًا لُّدًّا کے الفاظ آئے ہیں۔ جس سے ظاہر ہے کہ خدا کی نظروں میں "متقی" قوم دراصل وہی جو آپس میں جھگڑے پیدا نہ کرے اور متحد بن کر رہے۔ اتقا کے ان معانی کا ثبوت جابجا آگے چلکر آئیگا۔ تقوٰے کی رائج الوقت تشریح یعنی پرہیزگاری بے معنی اور بے نتیجہ ہے۔ اور قرآن حکیم میں اسکی کوئی سند موجود نہیں۔ اقوام کے بارے میں اسکا اطلاق اور بھی بے معنی ہے۔ اس کتاب میں ہم نے فی الحال لفظی معنی کر دیئے ہیں۔ لیکن اتقا کے ان معانی کی ایک جھلک صفحہ ۹۴ کی آیہ (۲۳: ۵۲) میں صاف نظر آتی ہے۔ جہاں مقام خدا کا ڈر اس بات پر منتج کر دیا گیا ہے کہ انسان اُمۃ واحدہ بنکر رہے: وَإِنَّ هٰذِهٖ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ○ (۲۳: ۵۲)۔ کسی آقا (ربّ) کا سچا ڈر یہی ہے کہ اُسکے غلام آپس میں نہ لڑیں اور نہ کوئی غیور حاکم باہمی جدال کو گوارا کر سکتا ہے۔

اے پیغمبر! ہم نے قرآن کو تمہاری زبان کا لباس پہنا کر محض اس لیے آسان کر دیا ہے کہ تم اسکے ذریعے سے خدا سے ڈرنے والوں کو خوش حالی کی خبر دو، اور عرب کی جھگڑالو اور اکھڑ قوم کو عذاب خدا سے ڈراؤ۔ اور ہم ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں۔ کیا اب تم اُن میں سے کسی کو بھی دیکھ رہے ہو یا اُن کی بھنک تک بھی سُنتے ہو!

آج یہی اللہ سے نڈر اور جھگڑالو قوم جس نے دین کی ہر جزوی بات میں پھوٹ، اور ہر فرع و اصل میں تفرقہ ڈالکر خدائے پاک کے محبوب مذہب کو نہایت بیدردی سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا جس کے شدید کفر و نفاق کی روداد، رسولِ خدا کے حینِ حیات میں ہی قرآن کے قریب قریب ہر ورق پر روزِ روشن کی طرح ثبت ہے: اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹ : ۹۷﴾ [۵۱] جس کے مکر و فریب، جھوٹی قسموں، لنگ عذروں اور منافقانہ دوستیوں سے تنگ آکر علیم و حکیم خدا نے اُن کے عظیم تر حصے کو قرآنی ہدایت سے اور حدودِ خدا پہچاننے کا قطعی نااہل قرار دیا تھا، جس کی کج بحثیوں، بیہودہ سوالوں، اور لغو فرمائشوں کا جواب دیتے دیتے اللہ کا محبوب نبیؐ اپنی جان کو ہلاک کر رہا تھا: لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ﴿۲۶ : ۳-۴﴾ [۵۲] جسکے باہمی جنگ و جدل کی سرگذشت، اور آپس کے حسد و فساد کی داستان بعثتِ نبیؐ کے بعد بھی، تاریخِ عالم کا سُرخ تر اور خونیں تر ورق ہے! آہ! یہی قوم کسرٰے، اور دارا کے سربفلک ایوانوں میں شکار کھیل کر، بابل اور نینوا، مصر اور کارتھیج کے مٹے ہوئے نشانوں پر گھوڑے دوڑا کر، نمرود اور فرعون کی مغرور کھوپڑیوں کو لکد کوب کر کے، بالآخر اپنے ظلم کی سزا میں، ذُلّ و مسکنت کے انہی خراب آباد صحراؤں میں، ندامت انگیز قناعت کے ساتھ اپنی زندگی کے آخری دن بسر کر رہی ہے جو اس کے

---

۵۱ یہ جنگلی اور بادیہ نشین لوگ از روئے کفر و نفاق بڑے سخت ہیں اور درحقیقت اس لائق ہیں کہ کتاب خدا کے احکام کی حدود نہ جانیں، اور خدا تو ان کے حالات سے اچھی طرح واقف ہے اور بڑا صاحب حکمت ہے جو انہی کے ذریعے سے اسلام کا بول بالا کر رہا ہے!

۵۲ اے پیغمبر! تم تو اُن کے پیچھے اپنی جان بھی ہلاک کر دوگے کہ یہ کیوں ایمان نہیں لاتے۔ اگر ہم مناسب سمجھیں تو اسی وقت ان لوگوں پر آسمان سے دردناک عذاب بھیجیں حتٰی کہ ان کی گردنیں اسکے آگے جھک کر رہ جائیں۔

اصلی ساکن تھے، مگر اللہ کا المناک انتقام افسوس! آج بھی کم ہوتا نظر نہیں آتا، اور یورپ کی حرص سلطنت، جوع الارض، اور حریت کُش اقتدار سے انہیں اور بھی ذلیل و پامال کرنا چاہتا ہے!

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ† ○ (۲۸: ۵۹)

اور اے پیغمبر! یہ تمہارے خدا کا دستور نہیں کہ وہ کسی بستی کو ہلاک کرے جبتک اُسکے اہم اور مرجع خلق حصے میں اپنا پیغامبر نہ بھیج لے جو واضح طور پر ہمارے احکام لوگوں کو سنا دے، اور اسپر بھی ہم بستیوں کو تباہ نہیں کرتے جبتک اُن کے رہنے والے مقررہ حدود سے تجاوز کر کے ہماری اصطلاح میں ظالم نہ ٹھیریں

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ† ○ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ (۶: ۴۷-۴۸)

اے پیغمبر! ان سے کہدو کہ کیا تم نے اس بات پر غور کیا ہے کہ اگر عذاب خدا تم پر ناگہاں یا آشکارا آئے تو سوائے ظالم قوم کے کوئی اور بھی ہلاک ہوگا۔ اور پیغمبروں کو تو ہم اسی لیے بھیجتے ہیں کہ خوش حالی اور عذاب کی دونوں صورتیں پیش کر دیں۔ پھر اسکے بعد جو قوم ایمان لے آئی، اور جنھوں نے اپنی حالت کی اصلاح کر لی، اُن کی زندگی بے خوف و خطر ہے!

بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ† ○ (۴۶: ۳۵)

† ظلم اور فسق کی قرآنی اصطلاحیں منجملہ اُن جامع و مانع مصطلحات کے ہیں جن کی تشریح میں ابھی بہت دیر ہے۔ اسی قسم کے چند اور الفاظ (مثلاً ایمان، صلاح، شرک، کفر، اتقا، وغیرہ) اس سے پیشتر گذر چکے ہیں مگر اُن کا صحیح مفہوم بھی معرض التوا میں ڈالدیا تھا۔ سردست جو مقصود ان آیات کے پیش کر دینے سے ہے یہ ہے کہ قرآن کے رو سے جو قوم صفحۂ عالم سے نابود ہو رہی ہے، جسکا سیاسی اور اجتماعی اقتدار گھٹ رہا ہے، جو ہلاکت کے قعر عمیق کیطرف بڑھ رہی ہے، وہ شارع کائنات کی نظروں میں بلا لحاظ مذہب و ملت 'ظالم' اور 'فاسق' ہے۔ اجتماعی ہلاکت کا متعارف مفہوم یہی ہے کہ اُس قوم کا سیاسی اقتدار سطح زمین پر محو ہو جائے۔ ورنہ کسی قوم کے تمام افراد کا لغوی معنوں میں ہلاک ہو جانا شرط نہیں اور نہ تاریخ اسکی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اجتماعی ہلاکت کا لازمی نتیجہ اکثر اوقات یہی ہوا ہے کہ اُس اُمت کے افراد بھی روئے زمین پر سے محو ہو گئے ہیں حتّٰی کہ اُن کا ایک فرد بھی باقی نہیں رہا، جیسا کہ صفحہ ۹۷ کی آیہ (۱۹: ۹۸) سے ظاہر ہے مگر یہ ایک تدریجی عمل ہے جو سلب قوت کے صدیوں یا قرنوں بعد تک ہوتا رہتا ہے۔ مسئلہ بقائے اصلح کو پیش نظر رکھکر آیہ (۶: ۴۸) میں "فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" کے الفاظ نہایت قابل غور ہیں۔ انہی دو آیات یعنی (۶: ۴۷-۴۸) سے ضمناً یہ بھی ظاہر ہے کہ پیغمبران خدا کی بشارت اور تخویف کی نوعیت کسی قوم کی اجتماعی سلامتی یا اجتماعی ہلاکت ہی ہے۔ اُن کی رسالت کا مدعا یہی ہوتا ہے کہ اقوام کو حفظ و بقا کے رستے پر لیجائیں یا نافرمانبرداری کی صورت میں ہلاکت کا اٹل پیغام سنائیں۔ یہ نکتہ نہایت قابل لحاظ ہے کیونکہ اسکی طرف اشارہ جابجا اصل کتاب میں آئیگا۔ بعینہ یہی بات آیات (۱۹: ۹۷-۹۸) سے ظاہر ہے جو صفحہ ۹۷ کے متن پر آ چکی ہیں۔

اے لوگو! یہ ایک اہم پیغام تھا جو ہم نے تم کو پونہچا دیا! تو کیا اسکے بعد، فاسق قوم کے سوا اور بھی کوئی اور قوم بھی ہلاک ہوسکتی ہے؟ (یعنی وہی ہلاک ہوتی ہے جو ہماری اصطلاح میں 'فاسق' ہو)۔

عرب تخیّل اور اسلامی فلسفے کی اس مختصر حکایت کے بعد کیا کوئی صاحبِ نظر ایک لمحے کے لیئے بھی اس طرزِ عمل کا ممنون، اور اس فلسفۂ خیال کا شرمندۂ احسان ہوسکتا ہے؟ کیا جنّوں کے حالات کُرید کُرید کر بیان کرنا، اُن کے حسب نسب، ذُرّیت، حتّٰی کہ حکمت اور علم ادب[†] کی تشریحیں کرنا، ملائکہ کو فرضی گروہوں میں تقسیم کرکے اُن کے بے سند اور عجیب و غریب فرائض مقرر کرنا، آسمان و زمین کے آر پار سڑکیں اور پُل باندھنا، بہشت کی نہروں درختوں اور مقاموں، دوزخ کے طبقوں پُلوں ایندھنوں حتّٰی کہ کلید برداروں اور محافظوں کے نام وضع کرکے، خلقِ خدا میں تذبذب یقین پیدا کرنا ہی عرب کے نزدیک وہ حیرت انگیز علمِ لدُنّی تھا جسے احمدِ مرسل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) حکیم و خبیر خدا کے ہاں سے لایا تھا؟ اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَاۗءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَاۗءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ۭ (۵۳ : ۲۳)[1]؛ کیا رعد، صراط، صاعقہ، سدرۃ المنتہیٰ، کوثر، تسنیم، طوبیٰ، علیّیون، وغیرہ وغیرہ، سیدھے سادے اور مُمثّل الفاظ[‡] کی تشریح میں عرب مفسّرین کا آسمانوں اور بادلوں، ہواؤں اور عرشِ معلّےٰ، خلدِ بریں اور مساکن ارواح کی سیریں کرانا اور دینِ متین کو یکسر افسانہ بنا دینا ہی قرآن کے مطالب میں وہ حقیقی تدبّر و تفکّر تھا جس کی خدائے پاک نے

---

[1] یہ تو نرے نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آبا و اجداد نے اپنی طرف سے رکھ لیئے ہیں، خدا نے تو ان ناموں کی کوئی سند آتاری نہیں۔ یہ لوگ تو محض ظن پر چلتے ہیں یا جو کچھ دل چاہتا ہے گھڑ لیتے ہیں، حالانکہ ان کو اپنے پروردگار کے ہاں سے کامل ہدایت مل چکی ہے۔

[†] ابو السّری سہل بن ابی غالب خزرجی جو خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں مقبول شاعر تھا اس بات کا مدّعی تھا کہ اُسکو ایک جنّیہ نے دودھ پلاکر پالا تھا۔ اُس نے اپنے دعوے کی تصدیق میں ایک کتاب جنّوں کی نسب اور حکمت اور اشعار وغیرہ کے بیان میں لکھی اور خلیفۂ وقت کو خوش کرنیکے لیئے اعلان کیا کہ اُسنے جنّوں کی مخلوق سے امین بن ہارون الرشید کے حق میں بیعت لی ہے۔ یہ کتاب ایک مدّت تک مقبولِ عوام رہی چند اشعار آج بھی کہیں کہیں پائے جاتے ہیں۔

[‡] ان الفاظ کی تشریح حتّی الوسع اپنے اپنے موقع پر آئے گی۔ اہلِ عرب نے اِنکے متعلق بے سروپا افسانے بنا لیئے ہیں جن کی کوئی سند نہیں دین اسلام اغیار کی نظروں میں آج انہی توجیہوں کے باعث تمسخر کا سامان بن رہا ہے۔ 'صاعقہ' کا تمثیلی مفہوم ہم نے صفحہ ۸ پر ظاہر کرنیکی سعی کی ہے۔ عرب نے 'صاعقہ' کو شہابِ ثاقب سے گرے ہوئے لوہے کی تلوار یا گرز سمجھ لیا ہے جسکو 'رعد' کا فرشتہ اپنے ہاتھ میں لیکر مارتا ہے۔

تاکید کی تھی؟ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝ (۱۷: ۳۶)۔

لہ اور جس بات کا تم کو یقینی علم نہیں اُسکے پیچھے نہ ہو لیا کرو۔ کیونکہ کان، آنکھ اور قلب سلیم سب سے اس امر کی پرسش ہوگی کہ انکل پچو بات کا تتبع کیوں کیا گیا۔ (علم وہی ہے جو سمع و بصر اور قلب سلیم (عقل) سے براہِ راست حاصل ہو!)

† اس عظیم الشان آیت میں 'علم' کی ایک نہایت حکیمانہ تعریف کردی گئی ہے، اور فیصلہ کردیا ہے کہ شارع کائنات کی نظروں میں 'علم' وہ شئے ہے جو براہِ راست سمع اور بصر اور فؤاد کے ذریعے سے حاصل ہو گویا جس شئے کی تصدیق کان، آنکھ، اور ذہن سلیم کرلیں وہ 'علم' ہے۔ جو اس کے ماسوا ہے وہ 'ظن' ہے، اور علم کے یقینی مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا۔ 'فؤاد' کا عام مفہوم عربی زبان میں 'قلب' ہے۔ مگر عرب کے نزدیک 'قلب' ایک وسیع اصطلاح ہے جسکا اطلاق انسان کے اُن اعضائے شریفہ پر ہوتا ہے جو اُس کی فہم و ادراک کے متعلق ہیں۔ اس قول کی تصدیق میں دو مثالیں صفحہ ۲، کی آیت (۲۵: ۳۳) اور اسی صفحہ کے تحت المتن کی آیت (۱۱: ۱۲۰) میں گذر چکی ہیں اور باقی تصریحات اپنے اپنے موقع پر آئینگی۔ لیکن سورۂ حج کی اس آیت سے قلب کا مفہوم قطعاً عیاں ہے: اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝ (۲۲: ۴۶) یعنی کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں تاکہ اُن کے 'دل' ہوتے جن سے تعقل کرسکتے، یا کان ہوتے کہ بگوش ہوش سُن سکتے اور خدا کی دردناک سزاؤں سے عبرت پکڑتے۔ کیونکہ دراصل آنکھیں تو اندھی نہیں ہوتیں لیکن 'دل' جو سینوں کے اندر ہوتے ہیں اندھے ہوجایا کرتے ہیں"۔ گویا عرب کی اصطلاح میں 'دل' ہی فہم و ادراک کا نشیمن ہے اور اسی کے ذریعے سے سب تعقل ہوتا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے 'فؤاد' کا زیادہ صحیح ترجمہ 'قلب سلیم' ہے جس میں لامحالہ ذہن بھی داخل ہے۔ اور چونکہ جبتک کسی شئے کو ذہن تسلیم نہ کرلے، دل کے لیئے اسکا تسلیم کرنا غیر ممکن ہے اسلیئے ذہن سلیم ہی 'فؤاد' کا صحیح مفہوم ہوسکتا ہے۔ اسی 'فؤاد' میں باقی حواس ثلٰثہ (یعنی لامسہ، ذائقہ اور شامہ) بھی شامل ہیں کیونکہ اِنکے محسوسات کی اطلاع بھی سامعہ اور باصرہ کی مانند، ذہن ہی کو ملتی ہے۔ علم کی یہ حیرت انگیز تعریف اسقدر جامع اور مانع ہے کہ آج مغرب کی تمام حکمت اور عمل کی بنیاد، بلکہ اُن کی تمام تلاش و تفحص کا معیارِ تصدیق یہی سمع و بصر اور قلب سلیم کی شہادت ہے۔ علم کے عظیم الشان قصر کی تعمیر انکے ہاتھوں آج اِنہی ارکان ثلاثہ کے زور پر ہورہی ہے۔ اُن کی نظروں میں کوئی بات واقع الامر نہیں، کوئی شئے حقیقت کہلائے جانے کی اہل نہیں جبتک کان نے بار بار اسکے واقع الامر ہونے کی گواہی نہ دی ہو، آنکھ نے ہر مرتبہ اسکو اچھی طرح دیکھ بھال نہ لیا ہو، دل نے بلا عذر اسکی معقولیت کو نہ مانا ہو۔ یہی اُن کے نزدیک 'علم' ہے۔ اور جو اسکے سوا ہے 'ظن' ہے اور اسلیئے قابل التفات نہیں۔ اِسی سچے معیار کو پیش نہاد بناکر انہوں نے اُن تمام انسانی مکتشفات کو علم کے نام سے موسوم کیا ہے جن کی بنیاد براہ راست تجربے اور مشاہدے پر ہے۔ علم طبعیات، علم ہیئت، علم جر ثقیل، علم حرارت، علم تشریح الابدان، علم جغرافیہ، علم طب وغیرہ وغیرہ انکے نزدیک صحیح معنوں میں علم ہیں۔ فلسفہ، قانون، ادب، صرف نحو، بلاغت، عروض وغیرہ وغیرہ جن کی اساس قیاس، رائے، یا وضعی اجماع پر ہے، علم کے بلند مقام تک نہیں پہنچ سکتے، اور نہ سمع و بصر اور قلب سلیم کو ان سے کچھ تعلق ہے۔ بیکن (المتوفی ۱۰۳۵ھ ۱۶۲۶ء) کے مشہور اور عالم انگیز مسئلہ استقراء (۱۰۲۹ھ سنہ ۱۶۲۰ء) کی تمام بنیاد علم کی اسی جامع اور مانع تعریف پر ہے۔ اور یہی وہ مسئلہ تھا جس نے مغرب کو ازمنۂ مظلمہ کی جہالت سے نکالکر ایک اقل قلیل مدت میں "نشأۃ الثانیہ" کی حیرت انگیز علمی ترقیوں کیطرف رہنمائی کی تھی!

علم کے صحیح اور ناقابل انکار قرآنی مفہوم کے متعلق اصل کتاب میں ایک طول و طویل بحث بعد میں آئے گی! مگر کتاب کے اس ابتدائی حصے میں سورۂ بنی اسرائیل کی اس جلیل القدر آیت کے متعلق یہ سرسری توضیح اسلیئے بھی ضروری ہے کہ قرآن حکیم میں اس نہی مُہتم یعنی آیہ وَلَا تَقْفُ ..... (۱۷: ۳۶) کو ربانی حکمت کا ایک مستقل جُز قرار دیا گیا ہے، جو بعد کی آیہ: ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ (۱۷: ۳۹)، یعنی "یہ احکام ہیں جو تمہارے پروردگار نے اپنی حکمت کاملہ سے اخذ کرکے تم پر وحی کردیئے ہیں" سے ظاہر ہے۔ اس حکمت عظمیٰ کے متعلق ایک پُر معنی بحث عنقریب تیسری مجلد میں آئے گی۔ لیکن ہر صاحب نظر قرآن حکیم کی اس آیہ کبریٰ یعنی (۱۷: ۳۶) کے صحیح مطالب کو پاکر بطور خود سمجھ سکتا ہے کہ آج جن اقوام عالم نے 'علم' اور صحیح علم کو اپنا منتہا

کیا تعویذوں اور گنڈوں، رمل اور جفر، تفاؤل اور حساب جمل سے آئندہ واقعات اور اسرار غیب کی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۸۳) بنایا ہے، جنہوں نے قرآن کے اِس اہم حکم کی تعمیل میں اپنے آپ کو لغو اور بے سند، اٹکل پچّو اور بے تکی باتوں کا شکار بنا کر قوم کی ذہنی اور عملی قوتوں کو تباہ نہیں کیا، وہ آج ترقی کے فلک الافلاک پر کس طرح چڑھ رہے ہیں، اور دوسری قوموں کے بالمقابل کسقدر طاقتور بن چکے ہیں!

لیکن اور اُمتوں سے قطع نظر خاص مسلمانانِ عالم نے جس حیرت انگیز خوش اعتقادی سے پچھلی چند صدیوں سے عالمِ عُقبیٰ کی جسمانی تصویر اپنے ذہنوں میں جمانے کی بے طرح سعی کی ہے، جو بے سند قصّے بہشت اور دوزخ کی مکانیت کے متعلق اپنے شاعرانہ تخیّل کے باعث گھڑ لیئے ہیں، جو عجیب و غریب خیالی سماں اُن کی فرضی کیفیّت کے بارے میں بلا شہادت باندھ لیا ہے (مَّآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ بِہَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ ؕ (۵۳ : ۲۳) صفحہ ۸۲) بجائے خود اُن کے ضعف یقین کی دلیل ہے۔ دنیائے آخرت کی صحیح ماہیت کے متعلق بحث کرنے کا یہ موقع نہیں، مگر باوجود اُس تمثیلی کیفیت کے جو قرآن نے انسانوں ہی کی زبان میں اُس سانحۂ عظمیٰ کے بارے میں جابجا بیان کی ہو جس کا واقع ہونا اٹل ہے، اور باوجود اُس مثالی کیف و حال کے جو بہشت کی بے مثال آسائش اور دوزخ کی بے مثال تکلیف کے متعلق باربار ظاہر کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو سرورِ کائنات کے اُس مشہور قول کی بھی کچھ وقعت پیش نظر نہیں جس میں بہشت اور دوزخ کی بابت فیصلہ کر دیا ہے کہ "لا عینٌ رأت لا اُذنٌ سمعت ولا خطر علیٰ قلب البشر" یعنی "اُسکو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے نہیں سُنا، اور نہ اسکا خیال ہی کسی بشر کے قلب پر گذرا ہے"۔ جب حال یہ ہے کہ سمع اور بصر اور فؤاد ان کی صحیح کیفیت تک نہیں پہنچ سکتے، اور اُن کا علم حاصل کرنا اُن کے واقع ہونے سے پیشتر محال ہے تو حیرت ہو کہ مسلمان "وَلَا تَقۡفُ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ" کے محاکمے کے باوجود کیوں اُن کے پیچھے پڑے ہیں اور فرضی قصّے بنا بنا کر اپنے دین کو غیروں کی نظر میں مضحکہ انگیز بنا رہے ہیں۔ عالمِ عُقبیٰ کے بارے میں جو تعلیم اسلام نے دی ہے فقط یہ ہے کہ وہ ہے، اُسکا واقع ہونا یقینی ہو اور بس:

اِذَا وَقَعَتِ الۡوَاقِعَۃُ ۙ لَیۡسَ لِوَقۡعَتِہَا کَاذِبَۃٌ ۘ خَافِضَۃٌ رَّافِعَۃٌ ۙ (۵۶ : ۱-۳)

اے لوگو! ذرا غور کرو کہ جب وہ کپکپا دینے والا سانحہ واقع ہوگا، اور قیامت جس کے ہونے میں ذرا شک و شبہ ہی نہیں تمہارے سروں پر آموجود ہوگی تو تمہارا کیا ہی خستہ حال ہوگا۔ اُسدن تمہارے اعمال کی حقیقت صاف کھُل جائیگی، بہتیروں کو ابدالآباد تک ذلیل کردے گی اور بہتیروں کے درجے ہمیشہ کے لیئے بلند کر جائے گی۔

اِس حادثہ کبریٰ کے واقع ہونے کا ناقابل انکار ثبوت کتاب کے متن میں اپنے موقع پر آئیگا۔ رہی یہ بات کہ وہ کب ہوگا، کہاں اور کیونکر ہوگا، جزا کیا ہوگی، سزا کس طرح ہوگی، کیا کیف حال ہوگا، کیا منظر پیش ہوگا، یہ سب امور انسان کے احاطہ علم سے باہر ہیں کیونکہ سمع و بصر اور فؤاد کے حیز درک میں آنیکا امکان نہیں رکھتے۔ اسی بنا پر اُنکے بارے میں بحث کرنا بھی عبث ہے۔ اور نہ قرون اولیٰ میں ان کی کسی ایک شق کے متعلق بحث کرنے کی اجازت تھی۔ سورۂ اعراف میں ہے:

یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ اَیَّانَ مُرۡسٰہَا ؕ قُلۡ اِنَّمَا عِلۡمُہَا عِنۡدَ رَبِّیۡ ۚ (۷ : ۱۸۷)

اے پیغمبرؐ! لوگ تمہیں قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ آخر اس سانحۂ عظمےٰ کا ٹھل بیڑا بھی کہیں ہو، کوئی شناخت کرنے کی علامت یا نشان بھی ہے۔ ان کو کہدو کہ اُسکا علم تو صرف میرے خدا ہی کے پاس ہے۔

جو بات نتیجہ خیز ہے یہ ہو کہ اُس السَّاعَۃ کے واقع ہونے پر کامل اور علمی یقین ہو، اسکی اہمیّت اور صداقت کو پاکر بدن میں کپکپیاں پیدا ہوں۔ دار الجزا کی امید میں سعی و عمل دہ چند ہوتا جائے، شوق کا حس بڑھے، خوف کا تکیف ظاہر ہو۔ نہ یہ کہ نادیدہ انعام کے فرضی قصّے گھڑ لیئے جائیں، انکو ادھر اُدھر اُکر بے اثر، اور سعی و عمل کو کالعدم کر دیا جائے۔ انعام میں قوت تشویق اور سزا میں طاقت تخویف تبھی تک ہے جبتک اُنکی صحیح کیفیّت معلوم نہیں، اور ساتھ ہی انکے بہترین یا بدترین ہونے میں کلام نہیں۔ یہی انداز اس موضوع کے متعلق تمام قرآن عظیم کا ہے مگر افسوس کہ آجکل کے مسلمانوں نے اس راز کو اکثر نہیں سمجھا۔

ٹوہ لگانا، اور اس مکر و حیل سے آیاتِ خدا کو کوڑیوں کے مول بیچنا ہی قرآن حکیم کی وہ محیر العقول حکمت آموزی تھی جس کا دعوے حکیم حقیقی نے بار بار کیا تھا؟ کیا صرف و نحو، علوم لغت اور فنونِ بلاغت کو اسلامی دینیات کا جزء لاینجزیٰ قرار دے کر سبع اسابیع ‡، حماستین اور مقامات حریری کے صنائع اور بدائع کا مطالعہ کرنا ہی فی الحقیقت "قَوۡمٌ یُّؤۡمِنُوۡنَ" و "قَوۡمٌ یُّوۡقِنُوۡنَ" کے لیے وہ "هُدًى وَّ بُشۡرٰى" اور "هُدًى وَّ رَحۡمَةً" ‡ تھی جس کا قرآن میں ملنے کا وعدہ کیا گیا تھا؟ فَذَكِّرۡ فَمَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجۡنُوۡنٍ ؕ اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيۡبَ الۡمَنُوۡنِ قُلۡ تَرَبَّصُوۡا فَاِنِّىۡ مَعَكُمۡ مِّنَ الۡمُتَرَبِّصِيۡنَ ؕ ۵۱ (۵۲: ۲۹-۳۱)؛ کیا قرآن کے پُرحکمت اور پرمغز قصّوں، تشبیہوں اور مثلوں، سورتوں اور آیتوں کی فرضی اور بے سند تاویلیں بنا کر، اللہ کی پاک اور بے عیب کتاب کو سحر اور تحمن، خوارق اور عجائبات کا جامع قرار دینا، انبیا کو عجیب و غریب کرامات کا عامل قرار دیکر اُن کو تماشہ گر اور حقّہ باز سمجھنا ہی اُس تذکیر و اعتبار، اُس تفکّر و تدبّر کے مترادف تھا جس کی تلقین کلامِ الٰہی نے کی تھی؟ فَاقۡصُصِ الۡقَصَصَ لَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ ۵۲ (۷: ۱۷۶)،

۵۱ تو اے پیغمبر! تم اپنی نصیحت کیئے جاؤ کیونکہ تم اپنے پروردگار کے فضل و کرم سے نہ تو بازیگر (کَاهِنٍ) ہو اور نہ سودائی (مَجۡنُوۡنٍ)۔ کیا لوگوں نے تمہاری نسبت یہ مشہور کر رکھا ہے کہ محمّد تو محض ایک شاعر ہے جس نے اپنے زورِ تخیّل اور شعر و سخن سے ہی چند افراد کو اپنا گرویدہ کر لیا ہے۔ اس کی پیروی اور اسکی دھمکیاں تبھی تک ہیں جبتک وہ زندہ ہے۔ اور ہم تو اس امر کے منتظر ہیں کہ موت کا حادثہ اسکو آدبوچے اور اس کی سب لن ترانیوں کو ختم کر دے۔ تم ان سے کہدو کہ بہت اچھا تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں پھر معلوم ہو جائے گا کہ کس کی دھمکیاں محض باد ہوا باتیں تھیں، اور کس کی ہدایت صرف نقش بر آب تھی۔

۵۲ پس تم ان کو یہ باتیں بیان کر دو تاکہ ان پر غور کر کے مستقل نصیحت اخذ کریں۔

° صفحہ ۴۳-۴۴ کے تحت المتن سے ظاہر ہے کہ علم لغت الٰہی اصطلاح میں درحقیقت علم نہیں علیٰ ہذا القیاس صرف و نحو یا بلاغت کے فنون۔ اسی لحاظ سے علوم کو دین میں گھیر لیا ہے۔

‡ متاخرین عرب نے اپنے علم ادب میں سے ہر طبقہ شعرا کے سات اعلیٰ پائے کے قصیدوں کو معلّقات کے انداز پر منتخب کر کے سات حصوں میں منقسم کیا ہے اور اس مجموعے کا نام سبع اسابیع رکھا ہے۔ ان سات حصّوں کے نام یہ ہیں: معلّقات، مجمہرات، منتقیات، مذہبات، مراثی، مشوبات، ملحمات۔ پہلے تین مجموعوں کی تفصیل صفحہ ۶۳ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔ باقی شعرا کے نام یہ ہیں: مذہبات (حسّان بن ثابت، عبداللہ بن رواحہ، مالک بن عجلان، قیس بن حطیم، احیحہ بن جلاج، قیس بن اسلت، عمرو بن امرء القیس)، مراثی (ابوذویب ہذلی، محمد بن کعب، اعشیٰ باہلی، علقمۃ المطموس، ابوزبید طائی، مالک بن ریب نہشلی، متمم بن نویرہ) مشوبات (کعب بن زہیر، نابغہ جعدہ، قطامی، حطیئہ، تمیم بن مقبل، شماخ، عمرو بن احمر) ملحمات (فرزدق، جریر، اخطل، عُبید راعی، ذوالرمّہ، کمیت بن زید، طرماح)۔

‡ صفحہ ۵۷-۵۸ کے متن کی آیات (۲۰۳:۷) اور (۵۲:۷) اور (۲۰:۱۴۵) کی طرف اشارہ ہے یا (۱۲: ۱۱۱) کی طرف جو آگے آرہی ہے۔

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۞ (۱۲: ۱۱۱) ۔ اگر صاحب القرآن عزّ اسمہٗ کی حقیقی غرض و غایت اسی فلسفے اور اسی حکمت سے تھی، اگر کتاب خدا میں بصیرت اور تدبر کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا، اگر غور و فکر اسی نمط پر اسکے حقائق کو بیّن کر سکتا تھا؛ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۞ (۱۶: ۴۴)، اگر یہ عالم افروز اور مبین کتاب دنیائے اسلام کو اسی طور پر ظلمت سے نور میں نکال سکتی تھی، نہیں، اگر آیۂ استخلاف کے وعدے کے مطابق یہی **ایمان** اور یہی **اعمال صالحہ** ہونے چاہیئے تھے جو عرب اور عجم نے صدیوں اور قرنوں تک ملکر کیئے تو آج کیوں قرآن حکیم کے یہی سچے مترجم، کیوں کتاب مبین کے یہی اصلی مفسر، یہی پکے مومن اور صالح العمل **اہل عرب**‡، ایک قلیل سے قلیل زمانے میں، شدید العقاب خدا کے عذاب مہین کے اس دردناک طریقے پر شکار ہو چکے ہیں کہ خدا کی گز بھر زمین بھی صحیح معنوں میں ان کی وراثت میں نہیں رہی؟

ف بلاشبہ دانا آدمیوں کیلیئے ان لوگوں کے حالات میں بڑی عبرت ہے اور یہ قرآن کوئی بنائی ہوئی یا جھوٹ بات تو ہے نہیں بلکہ جو کچھ اُنکے سامنے ہے اسکی تصدیق ہے اور فی الحقیقت یہ تو تمام آئین جہان کی تفصیل ہے اور اُس قوم کیلیئے جو ایمان داری سے اسکے احکام پر عمل پیرا ہے ہدایت اور رحمت ہے۔ ف اور ہم نے یہ کتاب نصیحت تم پر اسلیئے اتاری ہے کہ تم اسکے حقائق عالیہ کو اُنپر اچھی طرح عیاں کر دو، اور ساتھ ہی یہ بھی کہ وہ بطور خود اسمیں تفکر کریں اور نئے حقائق دریافت کریں۔

---

† اِس آیت کے صحیح مفہوم، اور بالخصوص تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ کے معانی کے متعلق ایک مستقل باب باندھا گیا ہے جو غالبًا پانچویں جلد میں آئیگا۔ ایسا اور مستقل بحث اسی ضمن میں عنقریب آنیوالی ہے اسلیئے یہاں پر اِس آیۂ کریمہ کے متعلق کچھ کدو کاوش کی ضرورت نہیں۔ ہم نے الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ کا ایک لفظی ترجمہ کر کے مطالب کو نظر انداز کر دیا ہے۔

‡ اِس جگہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ مقاصد قرآن کی غلط اشاعت کا مجرم خاصۃً اہل عرب کو کیوں قرار دیا ہے حالانکہ عباسیہ سلطنت میں علما، ادبا، متکلمین اور مفسرین اکثر عجمی الاصل تھے اور قرآنی مطالب کی نشر و تبلیغ بھی عجمیوں کی وساطت سے ہوئی۔ چنانچہ ابن خلدون نے اپنے مقدمے میں اِس موضوع پر ایک مستقل باب باندھا ہے۔ یہ اعتراض بظاہر وزن دار معلوم ہوتا ہے مگر ادنیٰ تامل کے بعد اِس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عجمی حکما و فضلا نے قرون عباسیہ میں مقاصد قرآن اور باقی علوم و فنون کی تبلیغ جو کچھ کی سب کی سب عرب روایات اور عرب اثر، عرب تخیل اور عرب حکومت کے ماتحت رہکر کی۔ دینیات کے متعلق تمام علوم کا مرجع و منتہا قرآن تھا اور وہ عربی میں تھا، احادیث کی روایت عربی زبان میں تھی، بحث مباحثے، اسناد اور حوالہ جات سب عربی میں تھے، تصانیف کی زبان عربی تھی، اُنکے اکثر موضوعات بھی تاریخ، عرب خصوصیات اور اخلاق، عرب اعتقادات اور روایات پر یکسر مبنی تھے، نہیں بلکہ عجم مصنفین نے قول و خیال کے اعتبار سے اپنے آپکو عرب میں ضم کرنیکی سعی اِس شدت و مدّ سے کی تھی کہ صرف تصنیف کو دیکھکر مصنف کی اصل نسل کا پتہ لگانا آج بھی بہت مشکل ہے۔ اس مقام سے یہ کہنا کہ مقاصد قرآن کی غلط اشاعت کی ذمہ داری عرب پر ہی ہے حقیقت کے اعتبار سے کچھ غلط نہیں۔ آج ہند کی سرزمین پر انگلستان کی شہنشہی، تمدنی اور اخلاقی روایات کی اکثر نشر و تبلیغ متفرج ہندیوں کے ہاتھ سے ہو رہی ہے۔ ٹھیٹھ انگریز جو اِس اشاعت میں حصہ لے رہے ہیں مقابلۃً صفر ہیں لیکن بااین ہمہ یہ کہنا کسقدر نادرست ہے کہ ہندوستان کے اخلاقی افلاس اور مادی انحطاط کے مجرم ہندوستانی ہیں، انگریز نہیں۔ حاکم قوم کی حکومت ہی اِس بات کی روشن دلیل ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے کنکے ایما بلکہ انہی کے کیئے سے ہو رہا ہے، آلۂ کار خواہ کوئی بھی ہو۔ اِس نقطۂ خیال سے دین متین کو ہجر و ہذیان بنا دینے کے مجرم اہل عرب ہیں اور اسی لیئے سزا بھی انہی کو جلد تر ملی۔ لیکن اِس موضوع پر ایک ابتدائی بحث صفحہ ۶ ۴ کے تحت المتن میں بھی ہو چکی ہے۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۝ إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عَابِدِينَ ۝ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝ (۲۱: ۱۰۵-۱۰۷)

اور ہم زبور میں تمام ضروری تفصیل کے بعد یہ بات قطعی طور پر واضح کر چکے ہیں کہ زمین کے وارث تو ہمارے صالح العمل بندے ہی ہیں۔ درحقیقت اس میں اطاعت گذار قوم کے لیئے ایک اہم پیغام ہے۔ اور اے محمدؐ! ہم نے بلاشبہ تم کو سارے جہان کے لیئے رحمت بنا کر بھیجا ہے تاکہ انہیں قیام و بقا کے نشیب و فراز سے مطلع کرو۔† (۶: ۴۸)

وَمَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ ۖ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۝ فَأَعْرِضْ عَن مَّن تَوَلَّىٰ عَن ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝ ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُم مِّنَ الْعِلْمِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَىٰ ۝ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى ۝‡ (۵۳: ۲۸-۳۱)

---

† صفحہ ۸۱ کی آیات (۶: ۴۷-۴۸) کے تحت المتن میں پیغمبران خدا کی تبشیر و تنذیر کی نوعیت واضح کر دی تھی۔ (۶: ۴۸) میں ہے وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ ۚ علی ہذا القیاس یہاں پر وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ہے۔ اِس نقطہ نظر سے پیغمبر خدا کے رحمۃ للعالمین ہونے کی کیفیت بھی واضح ہے یعنی یہ کہ دنیا کو اجتماعی ہلاکت کی راہ سے ہٹا کر حفظ و بقا کی راہ پر چلانا ہی وہ پیام رحمت اور بشارت تھی جو وہ لائے تھے۔ اِس بنا پر ہم نے یہ توجیہ ترجمے میں داخل کر دی ہے۔ پیغام رسول کو رحمۃ للعالمین ثابت کرنے میں ابھی دیر ہے۔ یہ تمام کتاب اسکی شہادت میں ہے۔

‡ اِن آیاتِ الٰہی کے مطالب اور 'علم' و 'ظن' کے صحیح مفہوم کے متعلق صفحہ ۸۰، ۴۳ کا تحت المتن پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ یہاں پر دو ایک اہم باتوں کا فیصلہ کر دیا ہے: اولاً یہ کہ 'علم' کے بالمقابل 'ظن' اِس دنیا میں کچھ بکار آمد نہیں ہو سکتا؛ (وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا) یہ حقیقت اسقدر جلیل القدر ہے کہ مسلمانانِ عالم نے چند صدیوں سے اسپر کافی غور نہیں کیا، اور ظنیات میں پڑ کر قوم کی عملی قوتوں کو بیکار کر رہے ہیں۔ ثانیاً یہ کہ 'علم' کا تتبع کرنا، یا بعبارت اُخریٰ اپنی تمام معلومات کی بنا تجربے اور مشاہدے پر قائم کرنا درحقیقت سبیل خدا پر چلنا ہے۔ اور یہی 'ہدایت' کی ایک اہم شق ہے: (ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُم مِّنَ الْعِلْمِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَىٰ)۔ ثالثاً یہ کہ تمام انسانی مساعی میں یقینیات کو پیش نظر رکھنا اور 'علم' کو رہنما بنانا گویا 'حسن عمل' کرنا ہے۔ اِسی حسن عمل کا نتیجہ زمین و آسمان کے بہترین انعام ہیں جو مسلمانوں کو کئی قرنوں تک بالالتزام ملتے رہے۔ اور جو آج غنیؐ عن العالمین خدا نے اُن سے چھین کر اُن اقوام کے سپرد کر دیئے ہیں جن کا سعی و عمل اُن کو 'علم' کے راہ راست پر لیجا رہا ہے۔

ضمناً اِن آیات الٰہی میں 'صلاح عمل' کی ایک اہم شق صاف ہو گئی جس کو آج اِس چودھویں صدی کے مسلمان قطعاً بھول گئے ہیں۔

٭ 'حیاۃ دنیا' کی صحیح تعریف 'عمل' کے عنوان میں آئے گی۔ یہاں ہم نے الگ لگتے ہوئے معنے کر دیئے ہیں مگر انکی قرآنی سند سورہ آل عمران کی اِس آیت سے ظاہر ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الْمَآبِ (۳: ۱۳)

لوگو! دنیا کے اس دار الامتحان میں انسان کی نفسانی خواہشوں کو مثلاً بیبیوں اور اولاد سے محبت کرنا، سونے چاندی کے بڑے بڑے ڈھیروں کو جمع کرنا، اور عمدہ عمدہ گھوڑوں اور مویشیوں اور زمینوں سے دل بستگی رکھنا، بھلا کر کے دکھلا یا گیا ہے۔ لوگو! یہی حیات دنیا کی متاع ہے جسکا قیام چند روزہ ہے اور خدا کے نزدیک انسان کی بہتری بن جائے بازگشت تو ان اشیا کی بے اندازہ محبت سے الگ تھلگ ہو کر اسکے احکام کیطرف رجوع ہونا ہی ہے۔ (وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الْمَآبِ)۔

ان کو اس کے متعلق کچھ علم تو ہے نہیں۔ وہ تو نرے ظن اور اٹکل پر چلتے ہیں، اور ظن یقین کے بالمقابل کچھ بکار آمد نہیں ہو سکتا۔ پس اے پیغمبر! جو شخص ہمارے حقیقت نما قرآن (ذکرنا) سے روگردانی کرے، اور دنیاوی شغل و اشغال میں مگن رہنے کے سوا اسکو کسی اور بات سے غرض و مطلب نہ ہو، تم اُس سے علیحدہ ہو جاؤ۔ ان کا مبلغ علم یہی کچھ ہے جو وہ ظاہر کر رہے ہیں۔ خدا ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اس کے دکھائے ہوئے راہ راست سے بھٹک گئے ہیں، اور وہ ان کو بھی اچھی طرح سمجھتا ہے جو راہ ہدایت پر قائم ہیں۔ اور جو کچھ آسمان و زمین میں ہے وہ تو اللہ ہی کا ہے تاکہ اس میں سے بہترین شے حسن عمل کرنے والوں کو، اور بدترین عذاب بُرے عمل کرنے والوں کو دے۔ ؎ (یہاں ذکرِنا سے مراد خدا کی یاد قطعاً نہیں بلکہ کتاب خدا ہے والا مطالب مربوط نہیں رہتے کیونکہ پہلے اور بعد کی آیتوں میں علم کا ذکر ہے اور قرآن کا مجسمہ علم ہونا ثابت ہے (دیکھو صفحہ ۶۴–۶۷) ذکر بمعنی قرآن کئی جگہ آیا ہے۔ (دیکھو (۴۴:۱۷) و (۹:۱۵) صفحہ ۸۹ و ۹۲ میں)

کیا کلام الٰہی کے یہ ظاہر پرست اور وہم زدہ شارحین اسکی آیات میں استدلال کرتے وقت اس حقیقت کو بھول گئے تھے کہ اسلام کی دنیا میں آنے کی تنہا غرض ساکنانِ عالم کو خدا کی عبودیت اور قانون احکم الحاکمین کی اطاعت کی طرف منتقل کرنا ہے، اور اس بنا پر اسکی تشریحوں میں زمانہ جاہلیت کے ان خناسی وساوس اور ظنی واہیات کو پھر دخیل کر دینا اسلامی تعلیم کے سراسر منافی، اور کتابِ خدا کی صریح توہین ہے؟: قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ۝ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۚ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ۝ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ۚ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۝ ؎ (۲۳: ۶۶–۷۰) کیا قرآن حکیم کو اہل عرب کی سخن فہمی، ظاہر آرائی، اور باطل طرازی کی شرم انگیز داستان بناتے وقت انہوں نے یہ خیال نہ کیا کہ جب خود قرآن شعر و فصاحت کا مدعی ہی نہیں بلکہ منکر ہے: بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ† فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ ؎ (۲۱: ۵)، اور اور اہل کتاب بھی اپنی آسمانی

؎ میری آیتیں تم پر واضح کیجاتی تھیں مگر تم ازروئے غرور قرآن کو قصے کہانیاں اور لغو سمجھکر اپنے گذشتہ اعتقادات کی طرف رجعت قہقری کر جاتے تھے۔ تو کیا ان لوگوں نے سرے سے ہمارے اس قول عظیم پر غور ہی نہیں کیا، یا کیا انکے پاس کوئی طرفہ شے آئی تھی جو ان کے باپ دادا کے پاس نہیں آئی تھی؟ کیا یہ لوگ اپنے رسول کی راستبازی، حق پژوہی اور یقین گوئی سے واقف نہ تھے کہ اب اسکی ان خصائص سے منکر ہیں؟ کیا اب آیات خدا کو یوں توڑ مروڑ کر، اور قصے کہانیاں سمجھکر گویا یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ مجنون ہے! وہ تو دنیا کے پاس جو کچھ لایا ہے، حق لایا ہے۔ لیکن افسوس کہ ان میں سے اکثر حق بات ہی سے متنفر ہیں!

؎ ان عرب نے تو قرآن کو سحر کہنے پر ہی بس کیا بلکہ لگے کہنے کہ یہ تو پریشان خیالات ہیں جو رسول نے ادھر اُدھر سے اکٹھے کر لیے ہیں، بلکہ سنے یہ جھوٹی جھوٹی باتیں اپنے دل سے بنالی ہیں، بلکہ درحقیقت وہ تو ایک شاعر ہے جو قافیہ بندی اور خیال آرائی میں ماہر ہے! اگر وہ فرستادہ خدا ہے تو ہمارے پاس اگلے نبیوں کی سی کوئی نشانی لاوے۔

† یہ چوتھا موقع ہے کہ قرآن نے بصراحت شعر ہونے سے اعراض کیا ہے۔ پہلے موقعے صفحہ ۶۴، ۷۱، ۷۳ پر گزر چکے ہیں۔

کتابوں کے بارے میں جو اُسی خدائے وحد کی طرف سے ہیں، اور لامحالہ اُسیکا کلام ہیں، فصاحت کا ادّعا ختّما پیش نہیں کرتے، جب خود اہل اسلام خدا کے تورات کو "مستبین" کہنے کے باوجود، اُسکے فصیح ہونے کا گمان تک نہیں کرتے: وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ۚ[ل] (۳۷: ۱۱۷)، جب خود خدائے عظیم کا آسمانی کتابوں کے بارے میں دعوے اُن کی بے مثال ہدایت میں ہے: قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۚ[ل۲] (۲۸: ۴۹)، تو قرآن کے سطحی محاسن کو اِس اعتنا و اہتمام سے دیکھنا اور باطن کو یکسر نظر انداز کر دینا، اُس کی

ل اور ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو مشرح اور بلیغ فی البیان کتاب دی۔

ل۲ اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہہ دو کہ اگر قرآن اور تورات دونوں کتابیں جھوٹی ہیں اور تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو تم بھی خدا کے ہاں سے کوئی اور کتاب لے آؤ جو ان دونوں سے ہدایت میں بہتر ہو۔ پھر میں اسی کی پیروی کرنے کو تیار ہوں۔

* تورات کے متعلق جو دعاوی قرآن کریم نے کیئے ہیں مفصلہ ذیل حوالوں سے ظاہر ہیں:-

سورہ مائدہ میں ہے: اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ (۵: ۴۴)۔ "ہم ہی نے توراۃ کو اتارا، اُسمیں ہدایت اور نور ہے"۔ سورہ انعام میں ہے: قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ (۶: ۹۲) "ان سے پوچھو کہ وہ کتاب کس نے اتاری تھی جسکو موسیٰ لایا تھا اور جو ساکنانِ عالم کے لیئے نور اور ہدایت تھی"۔ اِسی سورۃ میں توراۃ کے متعلق ہے: تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً (۶: ۱۵۵)۔ "تمام خوبیوں پر مشتمل ہے اور تمام اشیاء کی تفصیل ہے اور ہدایت اور رحمت ہے"۔ اگر ان خوبیوں میں ادبی بلاغت اور شاعرانہ فصاحت بھی شامل ہے تو مسلمان کیوں آج اسکو فصیح و بلیغ نہیں کہتے۔ سورہ اعراف میں الواح موسیٰ کے بارے میں ہے: وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ۝ (۷: ۱۵۴)۔ "اور اُن الواح کے متن میں اُن لوگوں کے لیئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ہدایت اور رحمت تھی"۔ سورہ بنی اسرائیل میں علی ہذا القیاس: وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ہے (۱۷: ۲) یعنی ہم نے کتاب موسیٰ کو بنی اسرائیل کیلئے ہدایت بنا دیا ہے۔ سورہ قصص میں اسی تورات کے بارے میں بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ (۲۸: ۴۳) آیا ہے، یعنی تمام عالم کے لیئے بصیرت اور تدبّر کی باتیں ہیں اور ہدایت اور رحمت ہے تاکہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں"۔ سورہ سجدہ میں پھر وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ (۳۲: ۲۳) آیا ہے۔ سورہ مومن میں هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ (۴۰: ۵۴) فرمایا ہے، یعنی "دانا اور صاحب عقل لوگوں کے لیے ہدایت اور عبرت ہے"۔ سورہ احقاف میں "امام" کا عزیز القدر لقب بھی اسی کتاب کے بارے میں آیا ہے وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ (۴۶: ۱۲) - سورہ انبیاء میں ضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (۲۱: ۴۸) ہے یعنی ڈرنیوالوں کیلئے نور اور عبرت ہے۔

انجیل کا تعارف رب زمین و آسمان نے اِن الفاظ میں کرایا ہے:-

سورہ آل عمران میں ہے: وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ (۳: ۳)۔ یعنی "اسی نے توراۃ اور انجیل کی الہامی کتابیں بھیجیں جو قرآن سے پیشتر ساکنانِ زمین کے لیئے ہدایت تھیں"۔ سورہ مائدہ میں ہے: وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ (۵: ۴۶)۔ یعنی "اس میں نور اور ہدایت ہے"۔ اور اسی آیت میں وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (۵: ۴۶) کے الفاظ ہیں یعنی "خدا سے ڈرنے والوں کے لیئے ہدایت اور نصیحت ہے"۔

قرآن کے متعلق بعض دعاوی اس سے پیشتر اصل کتاب میں آچکے ہیں مگر تقابل کے خیال سے تمام آیات کو یہاں پر جمع کر دیا جاتا ہے۔ سورہ آل عمران میں ہے: هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (۳: ۱۳۸)۔ یعنی "یہ قرآن ساکنانِ زمین کے لیئے ان کے دستور العمل کی تشریح ہے اور خدا سے ڈرنے والوں کے لیئے ہدایت اور عبرت ہے"۔ سورہ انعام میں ہے: اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۭ (۶: ۱۱۵)۔ یعنی "اسی خدائے پاک نے تمہاری طرف مفصّل کتاب اتاری جسکے بعد کسی شرح کی گنجایش نہیں ہے"۔ اسی سورۃ میں کچھ آگے چلکر ہے: وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ (۶: ۱۵۶)

قدر وقیمت کو بے انتہا کم کرنا اور اسکی حقانیت سے انکار کرنا ہے؟ کیا قرآن میں فلسفیانہ اور فقیہانہ، لغوی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ٨٩) یعنی "اور یہ بھی ایک کتاب ہے جسکو ہم ہی نے اُتارا۔ یہ بھی بڑی برکت پیدا کرنے والی شئے ہے پس اسکے قدم بقدم چلو"۔ اسی آیت سے ذرا آگے ہے: فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ (٦: ١٥٨)۔ یعنی "تو جان لو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس واضح دلیل آچکی ہے جو تمہارے لیئے ہدایت اور رحمت ہے"۔ سورہ اعراف میں ہے: وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (٧: ٥٢)۔ "اور ہم اُن کے پاس ایک ایسی کتاب لائے ہیں جسکی تفصیل ہم نے اپنے علم سے کردی ہے۔ جو قوم اس پر عمل پیرا ہے اس کے حق میں ہدایت اور رحمت ہے"۔ سورہ یونس میں اسی کتاب کو هُدًى اور رَحْمَةٌ کے سوا مَوْعِظَةٌ اور شِفَآءٌ کہا گیا ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (١٠: ٥٧)۔ یعنی "اے ساکنانِ زمین! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کیطرف سے آخری دستور العمل (مَوْعِظَةٌ) پہنچ چکا ہے، وہ دراصل تمہاری بدباطنیوں اور نفسانی امراض کی شفا ہے، اور جو قوم اسکی صداقت پر ایمان لا کر اسکے احکام پر عمل پیرا ہے اُسکے لیئے ہدایت اور رحمت ہے"۔ سورہ ہود میں کتاب خدا کی صداقت، موعظت اور عبرت پر زور دیا گیا ہے: وَجَآءَكَ فِىْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (١١: ١٢٠) صفحہ ٧٢ کے تحت المتن میں اس کا ترجمہ گذر چکا ہے۔ سورہ یوسف میں اسی قرآن عظیم کو تَفْصِيْلَ كُلِّ شَىْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (١٢: ١١١) کہا گیا ہے جسکی تشریح صفحہ ٨٦ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔ سورہ رعد میں اسکو قانون خدا کی قطعی سند (حُكْمٌ) منشائے احکم الحاکمین کی آخری شہادت (حُكْمٌ) اور الْعِلْمِ کا خطاب دیا گیا ہے: وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ۝ (١٣: ٣٧) یعنی "اور اسیطرح ہم نے اس قرآن عظیم کو عربی زبان میں منشائے ایزدی کی سند بنا کر اتارا ہے اور اگر اے محمدؐ! تو نے اس علم کے ہوتے ہوئے لوگوں کی خواہشات کا تتبع کیا تو یاد رکھنا کہ خدا کی دردناک سزا سے بچانے والا تیرا کوئی حامی نہوگا"۔ سورہ نحل میں پھر وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (١٦: ٦٤) کے الفاظ آئے ہیں۔ اسی سورۂ شریفہ میں قرآن کو تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَىْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ (١٦: ٨٩) فرمایا ہے جس کے معانی صفحہ ٥٦ کے متن میں گذر چکے ہیں۔ ذرا آگے بڑھ کر پھر اسی کے متعلق هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ (١٦: ١٠٢) ہے۔ سورہ انبیا میں ہے: وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ۭ (٢١: ٥٠)۔ "یہ بہت برکت پیدا کرنے والی کتاب ہے جسکو ہم نے اتارا"۔ سورہ نمل میں دو جگہ بوضاحت تمام یہی مضمون ہے: هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (٢٧: ٢)، وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (٢٧: ٧٧)۔ سورہ عنکبوت میں کتاب خدا کو ایمان والوں کے لیئے رحمت اور عبرت فرمایا ہے: اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (٢٩: ٥١)۔ سورہ لقمان میں هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۝ (٣١: ٣) ہے، یعنی "حسن عمل کرنے والوں کے لیئے ہدایت اور رحمت ہے"۔ هُدًى وَّشِفَآءٌ کے الفاظ سورہ حٰم السجدہ میں پھر آئے ہیں: قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ۭ (٤١: ٤٤)، یعنی "اے پیغمبر کہدو کہ قرآن عظیم اُن لوگوں کے لیئے جو اسکو کتاب خدا تسلیم کر کے اسپر عمل پیرا ہیں ہدایت اور شفا ہے"۔ اور سورہ جاثیہ میں تو قرآن کو تمام عالم کے لیئے بصیرت اور تدبر کا مجسمہ کہکر عمل پیرا قوم کے لیئے ہدایت کا لازوال مصدر اور رحمت خدا کا بے مثال ذریعہ قرار دیا گیا ہے: هٰذَا بَصَآىِٕرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ (٤٥: ٢٠)۔ اور سورہ احقاف میں اسکو حسن عمل کرنے والی قوموں کے لیئے قیام و بقا کی بشارت بتا کر ایک عالم کو اس پر عمل کرنے کی دعوت دی گئی ہے: وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ۝ (٤٦: ١٢) یعنی "حسن عمل کرنے والی قوم کیلئے قیام و بقا کی بشارت ہے"۔ الٰہی بشارت کی نوعیت کیلئے دیکھو تحت المتن صفحہ ١١٩

یہ تمام آیات قرآنی جو قرآن کے طول و عرض میں مختلف مواقع پر آئی ہیں اور جن کے حیرت انگیز تطابق اور توافق کو دیکھکر کتاب خدا کا طالب العلم اس کے استقلال کا از خود قائل ہو جاتا ہے، اس امر کی صریح شہادت ہیں کہ خدا کی نظروں میں تورات، انجیل اور قرآن کی مشترک خوبی اُن کی بے مثال ہدایت ہے۔ یہی اُن کا جزو اعظم ہے۔ کسی ادبی یا لغوی، سطحی یا رسمی تفوق کا ان آیات میں ذکر تک نہیں۔ جس شئے پر بجا فخر ہے وہ اُن کے نفس موضوع پر ہے، ہدایت اور نور پر ہے، رحمت اور بشارت پر ہے، عبرت اور موعظت پر ہے، برکت اور شفا پر ہے، علم اور بصیرت پر ہے، حکمت اور امامت، تفصیل اور جامعیت پر ہے، استقلال اور کمال پر ہے۔ اسکے ماسوا کسی دوسری شئے پر نہیں۔ اور جب توراۃ و انجیل کو قریب قریب انہی اوصاف کے ساتھ موصوف

اور منطقی اجتہاد کرتے وقت انہوں نے اس امر پر غور نہیں کیا کہ اسلام ایک کامل مذہب عمل اور کلام الٰہی ایک کامل کتاب شریعت ہے، اور اس لحاظ سے اسکے نکات کو حل کرنے یا تکمیل درس کیلئے کسی ناقص فلسفہ، کسی جاہلی نقل و روایت، کسی مصنوعی لغت†، حتیٰ کہ کسی یقینی اور غیر یقینی حدیث کی بھی

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۹۰) کیا ہے جو قرآن حکیم کے حق میں آئے ہیں اور تمام عالم کو صلائے عام دیدی کہ توراۃ اور قرآن سے بہتر کتاب تو لے آؤ: قُلْ فَأْتُوا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ (۲۸: ۴۹)، تو قرآن کی فصاحت کا وہ مخصوص اعجاز جو عرب نے صرف اپنی زبان کی برتری جتلانے کے لیے اپنے دل سے گھڑ لیا ہے اُس وقت تک محض باطل اور بے معنی ہے جبتک کہ توراۃ کی عجمی زبان (یعنی عبرانی) کو بھی اسیقدر فصیح نہ مان لیا جائے لیکن مغرور عرب کو گنگ عجم کے ساتھ یہ ناقابل برداشت رقابت اور شرکت کب گوارا ہو سکتی ہے۔ اور جب یہ منظور نہیں تو اس مہلک تخیل کی تنہا قرآن تک نشر و اشاعت کر کے باقی دنیائے اسلام کو کیوں دھوکہ دے رکھا ہے کہ قرآن کی بڑی سے بڑی فضیلت اسکی شاعرانہ بلاغت ہی ہے۔ اسی پر ایک دنیا مرتی تھی، اسی کے جوش اعتقاد میں عرب سرنگوں ہو گیا تھا، عمرؓ سا شاعری سے بیزار انسان دم بخود ہو کر اسلام لے آیا تھا، ایک ایک آیت کی فصاحت پر سب عرب و عجم سر دھنتے تھے، اُندلس کی چوٹیاں فرش جبیں ہو گئی تھیں، کسریٰ کا تخت ہل گیا تھا۔ اگر حال یہی تھا تو قرآن آج بھی موجود ہے۔ اسمیں ایک حرف کے برابر تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ آج اسکی بلاغت کو دیکھکر ان اہل عرب کے کانوں پر جوں تک کیوں نہیں رینگتی۔ آج وہ کیوں اپنی حمیت کے جوش میں مکے اور مدینے کو، قرآن اور اسلام کو غیر کے ہاتھوں بیچ رہے ہیں اور ٹس سے مس تک نہیں ہوتے!

قرآن کی کل کائنات میں سے دیکھ اگر کوئی آیت ہے جس کی بنا پر اسکی شاعرانہ فصاحت کا دعوے چند لمحوں کیلئے کھڑا ہو سکتا ہے تو وہ ذیل کے الفاظ ہیں جنکو توڑ مروڑ کر حسب حال کر لینا نسبتاً آسان ہے: وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (۱۶: ۱۰۳)، "اور ہم خوب جانتے ہیں کہ کٹ حجتی لوگ افواہیں اُڑاتے پھرتے ہیں کہ محمدؐ کو یہ قرآن عظیم ایک چلتا پرزہ انسان سکھلا جاتا ہے۔ عجیب احمقیت ہے کہ جس شخص کیطرف سکھانے کی نسبت کرتے ہیں اُسکی زبان تو عجمی ہو، اور یہ قرآن شستہ اور سلیس عربی زبان ہو۔" یہاں زیادہ سے زیادہ نتیجہ جو ایک سلیم العقل شخص نکال سکتا ہے یہ ہے کہ قرآن کی زبان اسقدر صاف اور ستھری ہے کہ کم از کم کوئی عجمی یا غیر عرب شخص اسکی نقل نہیں کر سکتا۔ اس سے زیادہ نتیجہ نکالنا حتماً ناروا ہے۔ نہیں بلکہ اس آیت سے صاف اس امر کا امکان باقی رہتا ہے کہ کوئی عرب اہل زبان قرآن کی عبارت کی نقل اُسی سلاست سے کر سکے۔ اگرچہ عجمی کے حیز امکان سے یہ بات قطعاً خارج ہو۔ جب ایسی سلیس عبارت کا مثیل پیدا کر لینا عجمی کی استطاعت سے باہر ہے تو اسکو ایک عربی الاصل شخص کی استطاعت سے بھی باہر سمجھنا بیجا اور غلط ہے۔ اگر یہی بات تھی تو عجمی اور عربی میں تفریق کرنیکی کیا ضرورت تھی، صرف کہدیا ہوتا کہ وہ تو محض ایک انسان ہے اور یہ قرآن ایسی شستہ زبان ہے کہ ابن آدم سے اسکا مثل پیدا ہونا محال ہے۔ میرے خیال میں یہ آیت بجائے خود اس امر کی روشن دلیل ہے کہ قرآن کی بے مثال فضیلت کم از کم اسکی عبارت آرائی اور لفظی فصاحت نہیں۔

† علم لغت پر پہلی کتاب جیسا کہ صفحہ ۴۴ کے تحت المتن میں ظاہر کر دیا گیا ہے تیسری صدی ہجری کے اوائل میں تیار ہوئی۔ یہ خصوصیت صرف عربی زبان تک محدود نہیں بلکہ ہر زبان کا یہی رویہ رہا ہے کہ اسکی لغت صدیوں اور قرنوں بعد میں مدون ہوتی رہی ہے۔ جب جب کسی زبان کو روئے زمین پر استقلال حاصل ہوتا گیا، لوگوں نے اسکے الفاظ کو لیکر رائج الوقت معانی کو مرتب کر دیا۔ اور اُس خاص زمانے کو مد نظر رکھکر ایک لغت تیار کر لی۔ لیکن کسی زبان کے معانی الفاظ کی تاریخ بجائے خود ایک انقلابی داستان ہے اور حیات قومی کے ارتقا، بقا و فنا سے اسکا ایک نہایت گہرا تعلق ہے۔ لوگ زمانے کی چلن کے مطابق الفاظ کو لیکر اسکے حسب مطلب معانی وضع کر لیتے ہیں، پھر جوں جوں محسوسات اور اعمال میں تغیر ہوتا جاتا ہے، معانی بدلتے جاتے ہیں۔ اس مقام نظر سے کسی زمانے کی بنائی ہوئی لغت صرف اُسی زمانے کے مروجہ معانی کی سند ہو سکتی ہے، ماقبل اور مابعد کے مطالب میں اسکو چنداں حکم نہیں ٹھیرایا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زبان میں الفاظ کی ایک تعداد کثیر ہر زمانے میں موجود رہتی ہے جن کے مفہوم کی اصلیت بگڑ بگڑ کر زائل ہو چکی ہے کچھ نامکمل تشریح سے، کچھ غلط رواج سے، کچھ عادت کے انجمادی اثر سے، کچھ صورت کے معنوی فساد سے الفاظ کا صحیح اور اساسی مفہوم محرف

ضرورت نہیں: اَفَحُکۡمَ الۡجَاهِلِیَّةِ یَبۡغُوۡنَ ؕ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُکۡمًا لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۵: ۵۰﴾؂ کیا وہ اس قانون جلیل کو

؂ تو کیا یہ لوگ زمانۂ جاہلیت کا حکم (یعنی سند) چاہتے ہیں لیکن اس قوم کے لیے جسکو قرآن کی حقانیت پر کامل یقین ہو اللہ سے بہتر حکم (سند) کسکا ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۹۱) ہو جاتا ہے، حتّی کہ بسا اوقات مرورِ وقت کے باعث اسکا اعتراف کرنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ ہر زبان میں اس قسم کے الفاظ کی صدہا مثالیں موجود ہیں جنکے اعادے کی یہاں پر ضرورت نہیں۔ لیکن خاص قرآن کی لغت کے اندر جو معنوی انقلاب امتدادِ عہد کے باعث وقتاً فوقتاً ہوتا رہا ہے مسلمانوں کی حیات کے ہبوط کی بہترین مثال ہے۔ 'ایمان'، 'شرک'، 'عبادت'، 'کفر'، 'صلاح'، 'تقویٰ'، 'ہدایت'، 'ظلم'، 'فسق' وغیرہ وغیرہ بیسیوں الفاظ قرآن میں موجود ہیں جنکے مطالب جزءً یا کلیۃً مسخ ہو چکے ہیں۔ ان کا اصلی تکیف دل حتماً محو ہو گیا ہے۔ ایمان آج کسی رسمی کلموں کو دُہرانے کا نام بنا ہوا ہے، عبادت دو چار رسمی سجدوں تک محدود ہو گئی ہے، اصلاح کے کوئی مستقل معانی نہیں رہے، تقویٰ پرہیزگاری کی بے معنی اصطلاح کے مرادف بن گیا ہے، ہدایت کا صحیح مفہوم ذہنوں سے قطعاً نکل چکا ہے وغیرہ وغیرہ۔ کوئی انسان کی بنائی ہوئی لُغت ان الٰہی اصطلاحات کے صحیح مفہوم کو ادا نہیں کر سکتی۔ قرآن حکیم نے اول مرتبہ ان الفاظ کو زبانِ عرب سے لیا۔ اور ہر لفظ کے متعلق ایک مستقل مفہوم مدِّنظر رکھکر اپنی لغت وضع کی۔ پھر اس مفہوم کی تلقین رسولِ خدا سے تیئیس برس میں براہِ راست کرا کر ایک خاص ماحول پیدا کیا۔ جوں جوں اس ماحول کا اثر ناپید ہوتا گیا معانی بدلتے گئے۔ مگر ان الفاظ کا الٰہی اور نبوی مفہوم اب تک قرآن کے اندر موجود ہے بشرطیکہ انسان اُسکے دریافت کرنے کی سعی گوارا کر سکے۔ اِنہی معانی میں کتاب خدا تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ (۱۶: ۸۹) اور تَفۡصِیۡلَ کُلِّ شَیۡءٍ (۱۲: ۱۱۱) اور فَصَّلۡنٰهُ عَلٰی عِلۡمٍ (۷: ۵۲) اور اَلۡکِتٰبَ مُفَصَّلًا؂ (۶: ۱۱۵) ہے، اور اسی نقطۂ نظر سے وہ سب تغیر پذیر اور موضوعی لغات سے بے نیاز ہے۔ اِس حقیقتِ کبریٰ کا ناقابلِ انکار ثبوت کتاب کی آیندہ مجلّدات میں پیش کر دیا جائے گا۔ یہاں پر مدّعا صرف نفسِ دعوے کی تعیین ہے۔ یہ معانی کے لحاظ سے سب انسانی لغات سے بے نیاز ہونا، اور اپنے دائرے کے اندر ایک محکم اور مبسوط، مفصل اور مکمل، مشرّح اور ناتغیر پذیر کتاب ہونا ہی قرآن کے انسانی تصرف سے محفوظ ہونے کی دلیل ہے اور اسی لیئے اس کی شان میں کہا ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴿۱۵: ۹﴾

لوگو! ہم ہی نے اس قرآنِ عظیم کو تم پر اتارا اور ہم ہی باوجود تمہاری سب جدت پسندی اور تغیر آرائی کے اس کے ظاہر اور باطن کی حفاظت کرنے والے ہیں، اور اسکے مطالب کو روئے زمین پر سے نابود ہونے سے محفوظ رکھیں گے۔

لوگ قرآن کے متعلق جو تشریح چاہیں بنالیں، اس کی آیات کو توڑ مروڑ کر جو مطلب سمجھیں نکال لیں، تاویل کے انبار کے انبار لگا دیں یا مکر کے طومار بکھیر دیں۔ مگر ان کے صحیح اور واحد معانی خود قرآن کے اندر موجود اور محفوظ ہیں، ایک ایک لفظ کی مکمل اور مفصل شرح انہی اوراق کے اندر ہے۔ قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصے کی، اور ایک جز دوسرے جز کی نمایاں تائید اور کامل تفسیر کر رہا ہے۔ نہ اس کو کسی فلسفے کی ضرورت ہے، نہ حکمت کی، نہ لغت اور نہ حدیث کی۔ وقت، حالت، موقع، زمانہ، مصلحت وغیرہ وغیرہ کا اسکے مطالب پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ اسکے کلمات صدق اور عدل پر ختم ہو چکے ہیں: وَتَمَّتۡ کَلِمَتُ رَبِّكَ صِدۡقًا وَّعَدۡلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِهٖ؂ (۶: ۱۱۶)، اب ان کے معانی کو، ان کے الٰہی مقاصد کو کوئی خارجی طاقت بدل نہیں سکتی کیونکہ خدا خود اس کا محافظ ہے۔ اُسی نے اسکو اسقدر مفصل اور مکمل کر دیا ہے کہ اب اس کے الفاظ کے علاوہ مطالب بھی ابدالآباد تک محفوظ ہیں۔ انسان کا یارا نہیں کہ مکر و تاویل سے یا قیاس و رائے سے ان میں تبدیلی پیدا کر کے خدا کو اپنا ہم آہنگ کر سکے!

اللہ اللہ! کتابِ خدا کے جامع اور مکمل ہونے پر ایک وقت وُہ کاشفِ غطا یقین تھا کہ روئے زمین کا ہادیِ اعظم اور سالارِ انبیاء وفات سے چار دن پہلے بیہوشی کے عالم میں قلم دوات اور کاغذ طلب فرماتا ہے کہ ایک تحریر لکھدے جسکے بعد اُمت گمراہ نہ ہونے پائے، لیکن عرب کی اُس بہترین اُمت کا وہ اولوالعزم اُمتی عمرؓ اس فرمایش کو سنکر ذرا نہیں گھبراتا اور طمینانِ قلب کے ساتھ کہہ دیتا ہے کہ ختم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو درد کی شدت ہے جس کی وجہ سے بے ربط باتیں کر رہے ہیں ورنہ کتابِ خدا تو ہمارے لیئے ابدالآباد تک کافی ہے، اب ہمیں کچھ شئے بڑھانے کی نہیں رہی!

؂ ان آیات کے مطالب اور سلسلے کیلئے دیکھو بالترتیب صفحہ ۵۶ و صفحہ ۶۰ و صفحہ ۵۸ و صفحہ ۹۳ - ؂ دیکھو صفحہ ۹۳ آیہ (۶: ۱۱۶)

منجانب اللہ اور مکمل یقین کرتے ہوئے اس نتیجے پر نہیں پونہچ سکتے تھے کہ اسلام کے حقیقی محافظ تونے
قرآن کی آیاتِ بینات میں مسلمانوں کی حالتِ ضعف کا اُن کے عہدِ قوت کا، اُن کے وقت جنگ کا،
اُنکے خوف و حزن کا، ان کے دورِ امن کا، ان کے انفرادی مقام اور اجتماعی حیثیات کا، الغرض ان کی
دائمی بہبودی کا کامل دستور العمل جمع کر دیا ہے؟ کیا امن اور تہذیب، اجتماعی تقدم اور علم، تغلب اور
تمکن، قضا اور قانون کا لائحہ عمل ڈھونڈتے وقت وہ اُن قطعی اور عام احکام کو پیش نظر نہیں رکھتے تھے جو
مسلمانوں کو ہر ممکن حالت میں صراطِ مستقیم دکھانے کیلئے کافی تھے، اور جن میں شارعِ اسلام نے صاف
صاف فرما دیا تھا کہ اللہ کا طریقہ معلوم کرنے کے لیئے کلام الٰہی کی حکمت اور موعظت یکسر کافی ہے، بلکہ دینی
اور دنیاوی سب معاملات کی بہترین حکم خدائے عظیم کی یہی مفصّل اور جامع و مانع کتاب ہے!

أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۚ وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ
الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ○ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ
رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○ وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ
فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ○
إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ† ○ (۶ : ۱۱۵ - ۱۱۸)

† ان آیاتِ الٰہی کے مطالب کی تشریح کا ایک حصہ صفحہ ۹۲ کے تحت المتن میں گذر چکا ہے۔ یہاں پر ایک دو باتیں جو نہایت قابل غور ہیں بیان کر دیجاتی ہیں:
اولاً 'یَعْلَمُوْنَ' (۶ : ۱۱۵) اور 'السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ' (۶ : ۱۱۶) اور 'اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ' (۶ : ۱۱۷) اور 'اَعْلَمُ مَنْ یَّضِلُّ عَنْ سَبِیْلِهٖ' (۶ : ۱۱۸) کے الفاظ سے ظاہر ہے
کہ یہاں پر قرآن حکیم کی فضیلت 'علم' بتلائی گئی ہے اور دعوی کیا گیا ہے کہ جو لوگ فی الحقیقت اس کتاب عظیم کا 'علم' رکھتے ہیں اُنکو یقین ہو چکا ہے کہ یہ کتاب
اُس السَّمِیْعُ اور الْعَلِیْمُ یعنی بڑے سمع رکھنے والے اور بڑے علم والے کے ہاں سے اُتری ہے۔ (۶ : ۱۱۵) میں قرآن کے مفصّل اور مصدر علم ہونیکا دعوی ہے
تو (۶ : ۱۱۶) میں اُسکے مکمل اور ناقابل بدل، صادق اور عادل ہونے کا ادّعا ہے۔ (۶ : ۱۱۷) میں کہا گیا ہے کہ اس کتاب کا بتایا ہوا دستور العمل ہی سبیل خدا
ہے اسلیئے کہ صحیح 'علم' پر مبنی ہے، اور جو شئے اِس علم کے مخالف یا ماسوا ہے 'ظن' ہے سگرہی یہی ہے کہ اس لائحہ عمل سے پرے ہٹا جائے اور اس علم کو نظر
انداز کر دیا جائے۔ 'ہدایت' یہ ہے کہ اس خزینۂ علم کو مستقل دستور العمل بنا لیا جائے۔
اِن نکات کو پیش نظر رکھکر (۶ : ۱۱۷) اور (۶ : ۱۱۸) کے مطالب کا تطابق صفحہ ۸۷ کے متن کی آیات (۵۳ : ۲۸) اور (۵۳ : ۳۰) سے ظاہر
ہے۔ اور 'سبیل' کے معانی عیاں ہو جاتے ہیں۔ گویا 'سبیلِ خدا' وہ ہے جو 'علم' سے حاصل ہو اور چونکہ 'علم' سمع و بصر اور فواد سے حاصل ہوتا ہے اس لیئے
جو شئے مشاہدے اور تجربے سے حاصل ہو وہ سبیل خدا ہے۔ 'السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ' خدا کا بھیجا ہوا کلام بھی علیٰ ہذا القیاس 'علم' ہے۔ اور اس پر چلنا بھی
سبیل خدا پر چلنا ہے۔

تو کیا یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ میں (یعنی رسولؐ) ماسوا خدا کے کوئی اور حَکَم تلاش کروں، اور تمہارے معاملات کا قرآن کے ماسوا کسی اور کتاب کے مطابق فیصلہ کیا کروں، حالانکہ اُس خدا نے تمہاری طرف مشرح اور مبسوط کتاب بھیجی جسمیں ہر طرح کی تفصیل موجود ہے۔ اور جن لوگوں کے لیئے درحقیقت ہم نے یہ کتاب بھیجی ہے وہ تو خوب جانتے ہیں کہ یہ خدا ہی کی طرف سے ہے، اور حقائق عالیہ سے پُر ہے۔ تو اے پیغمبر! ان کے لغو اعتراضات کو سُن کر اس کتاب کے مفصّل اور کامل ہونے میں کہیں شک نہ کرنا۔ تمہارے پروردگار کے سب کلمات اِس کتاب میں صدق و عدل پر ختم ہوگئے ہیں، اب کچھ بات کہنے کے لائق نہیں رہی، اور نہ اس کے کلمات کے صدق و عدل کو کوئی خارجی طاقت ہی بدل سکتی ہے، اور وہ خدائے عظیم انسانی ضروریات کو بڑا سمجھنے والا اور آئندہ احوال کا بڑا علم رکھنے والا ہے۔ اور اے پیغمبر! اگر تو اس کتاب خدا کو چھوڑ کر اکثر اُن کی جو زمین میں بستے ہیں، پیروی کرے گا تو وہ تم کو خدا کے راہ راست سے بھٹکا دیں گے، یہ لوگ تو محض ظنیات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور نری اٹکلیں دوڑاتے ہیں، علم و یقین کا ان میں نام تک نہیں۔ تمہارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کہ کون اسکے دکھائے ہوئے رستے سے بھٹکتا ہے اور کون صراطِ مستقیم پر ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ† ○ (۲۹: ۵۰-۵۲)

† ان آیات الٰہی میں معترضین کی اس فرمایش کو کہ رسول خدا پر نشانیاں (یعنی معجزے) اُترنے چاہیئے تھے، مسترد کر دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ معجزے خدا کے پاس ہیں، اور رسولؐ تو تم کو اجتماعی ہلاکت سے ڈرانے کیلئے آئے ہیں، تماشہ دکھلانے کے لیئے نہیں آئے۔ آگے چلکر فرمایا ہے کہ یہ قرآن عظیم بذات خود ایک آیت الٰہی (معجزہ) ہے کیونکہ لوگوں کے پاس اجتماعی بقا اور امن کی بشارت (رَحْمَةً) لیکر آیا ہے اور اسکے ذریعے سے مستقل عبرت (ذِكْرٰى) حاصل ہوتی ہے۔ کیا یہ معجزہ کم ہے کہ تمہارے پاس ایک شخص ایسی جلیل القدر ذات کا کلام لائے جو آسمان و زمین کا کامل علم رکھتا ہو! (يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) گویا یہاں پر بھی قرآن کی فضیلت علم بتلائی گئی ہے اور اسی لحاظ سے اسکو تمام معجزوں سے برتر قرار دیا گیا ہے۔ جو نادان قرآن کو معجزہ اسلیئے قرار دیتے ہیں کہ اسکی شاعری اور فصاحت بیمثال ہے ان کے لیئے یہ آیات ازبس قابل غور ہیں۔ یہ نکتہ اور بھی واضح اسوقت ہو جاتا ہے جب ان آیات سے پیشتر کی آیت یعنی بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ (۲۹: ۴۹) کو پیش نظر رکھا جائے۔ جہاں صاف طور پر فرمایا گیا ہو کہ یہ قرآن عظیم صاحب علم لوگوں کے سینوں میں روشن اور ناقابل انکار آیات (احکام) کا مجموعہ ہے۔"

ان آیات کا آخری حصہ یعنی وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (۲۹: ۵۲) بھی نہایت قابل غور ہے۔ یہاں پر معجزات پر ایک نہایت خفیف اور معنی خیز چوٹ کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ معجزات کو دیکھ سُنکر کسی کو رسول خدا ماننا فی الحقیقت ایک ناپائدار اور غیر قائم ظنّی اور وہمی باتوں پر ایمان لانا ہے۔ اسمیں کلام نہیں کہ بڑے سے بڑے معجزے کا اثر بھی مقامی اور وقتی ہی ہوتا ہے اور کچھ مدّت کے بعد زائل اور باطل ہو جاتا ہے۔ یہاں

اور یہ جو عرب لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اس شخص پر اپنے پروردگار کیطرف سے عجیب غریب نشانیاں کیوں نہیں اُتریں تو اے پیغمبر! ان سے کہدو کہ معجزے تو خدا ہی کے پاس، اور اُسی کے دست قدرت میں ہیں، اور میں تو صرف ایک عذاب خدا سے ڈرانے والا اور احکام کو کھُلے طور پر بیان کر دینے والا ہوں۔ کیا ان لوگوں کے لیئے یہ بات کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب اُتاری جو انپر واضح کر دیجاتی ہے، اور یہ اُس قوم کے لیئے جو اسکے حقائق عالیہ پر ایمان رکھتی ہو، رحمت اور نصیحت ہے۔ ان سے کہدو کہ میرے اور تمہارے درمیان خدا گواہ بس ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین کی سب باتوں کا علم رکھتا ہے، اور جو لوگ ظنی اور وہمی، باطل اور غیر یقینی باتوں پر اعتقاد رکھتے ہیں اور خدا کے نافرمان ہیں وہی بالآخر گھاٹے میں رہیں گے۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ† الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ○ (۱۶: ۱۲۵)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۹۴) معجزات کی ماہیت سے بحث کرنے کا مقام نہیں اور نہ اُن کے وجود سے انکار کرنا اس کتاب کا منتہائے نظر ہے۔ یہ بحث غالباً تیسری مجلد میں نہایت شرح و بسط سے کیجائے گی اور بتایا جائے گا کہ قرآن عظیم کسقدر کم از کم اپنے عہد نزول میں معجزوں کو غیر ضروری گردانتا ہے اور اپنی صداقت کا تمام ادّعا اپنے علم اور حکمت کو قرار دیتا ہے۔ مگر سردست یہ ظاہر ہے کہ خدا کو جو رسولؐ اور عوام کے درمیان گواہ ٹھیرایا گیا ہے: (قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا) اس سے مقصود یہی ہے کہ یہ کتاب جو اُن کے سامنے ہے مخزن علم ہے اور اُس ذات پاک کی اتاری ہوئی ہے جو آسمانوں اور زمین کا علم رکھتا ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ ہے: قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۲۵: ۶)، یعنی اے پیغمبر! اعلان کر دو کہ اس کتاب کو اس پاک ذات اور عالی تبار خدا نے اُتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کے بھید کا علم رکھتا ہے!" گویا کہا گیا ہے کہ اس کتاب کو بطور خود جانچ تول کر دیکھ لو اگر اس میں وہ علم اور حکمت موجود ہے جو تم کسی خدا کی بنائی ہوئی کتاب میں ہونے کے متوقع ہو تو اسکو مان لو، ورنہ رد کر دو۔ یہی میری صداقت کی دلیل ہے۔ میں معجزوں سے اپنے آپ کو منوانا نہیں چاہتا۔ اور جو لوگ صرف معجزوں کے ذریعے سے کسی کی سچائی کو آزمانا چاہتے ہیں اور نفس پیغام کو نہیں دیکھتے، یا جو سرے سے خدا کے منکر ہیں اُنہی کو نقصان پونہچتا ہے کیونکہ ہر کس و ناکس کچھ نہ کچھ خرق عادت باتیں دکھلا سکتا ہے یا ادّعا کر سکتا ہے کہ یہ بجلی میری وجہ سے گری، یہ قحط میری بددعا سے پڑا وغیرہ وغیرہ۔

آج چونکہ مسلمانانِ عالم نے قرآن کو اس نظر سے دیکھنا چھوڑ دیا ہے اور علم و مشاہدے کو چھوڑ کر باطل اور بے حقیقت باتوں پر ایمان لائے ہوئے ہیں اسی وجہ سے وہ گھاٹے میں ہیں (اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○) اور اسوقت تک رہیں گے جبتک حقیقت کو اپنا رہنما نہ بنائینگے۔

† کلام خدا کو بار با "اَلْحِكْمَة" کہا گیا ہے جیسا کہ صفحہ ۸۴ کے تحت المتن کی آیات (۶۲: ۲)، (۲: ۱۵۱)، (۲: ۱۲۹) اور (۴: ۱۱۳) سے ظاہر ہے۔ قرآن کے لیئے "مَوْعِظَة" کا لقب بھی تین بار آیا ہے جیسا کہ صفحہ ۸۹-۹۰ کے تحت المتن کی آیات (۳: ۱۳۸)، (۱۰: ۵۷) اور (۱۱: ۱۲۰) سے ظاہر ہے۔ اس بنا پر آیت کے مطالب صاف ہیں یعنی لوگوں کو اس قرآن ہی کے دستور العمل کی طرف بلاؤ۔ کیونکہ خزینۂ علم و حکمت ہونیکے باعث سبیل رب یہی ہے۔ ماقبل کی آیات (۶: ۱۱۵-۱۱۸) سے ان مطلب کا تطابق بھی ظاہر ہے۔ جن لوگوں نے اس آیۂ شریفہ کے یہ معانی سمجھے ہیں کہ عوام کو حکمت (یعنی دانشمندی) سے، اور اچھی اچھی نصیحتیں کر کے اپنے پروردگار کی طرف بلایا کرو، وہ ایک سطحی، لایعنی اور غیر متعین بات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ اور اصلیت کو پونہچنے کی سعی نہیں کرتے۔ ان کا مقصود صرف جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ کے الفاظ سے پورا ہو سکتا تھا۔ پھر تکرار کی ضرورت کیا تھی۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن مصدر علم و یقین ہے۔ پس اسی کو بنیاد قرار دیکر سبیل خدا کی طرف لوگوں کو بلاؤ۔ یہ علم و یقین کیطرف رہنمائی کرنا ہی سبیل خدا پر چلانا ہے۔ دیکھو تحت المتن † صفحہ ۸۰ و ۹۳۔

اے پیغمبر! اپنے پروردگار کے راہِ راست کی طرف لوگوں کو اس قرآن ہی کے ذریعے سے بلایا کرو، کیونکہ یہی حکمت کاملہ اور موعظہ حسنہ ہے۔ اور اگر ان کے ساتھ اس کے متعلق کوئی بحث چھڑ جائے تو نہایت پسندیدہ طور پر اور نرمی سے کرو۔ پھر اس کے بعد جو اُسکے دکھائے ہوئے راہِ راست سے بھٹک گیا، اور جو ہدایت پا گیا اُن سے خدا ہی بہتر واقف ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ† ○ (۵ : ۴۵)

اور جو لوگ ہر اہم معاملے میں کلام اللہ کو حکم نہیں ٹھیراتے وہی ظالم ہیں۔ (اور ہلاکت کے مستوجب دیکھو صفحہ ۸۱۔ آیات (۲۸ : ۵۹)، (۶ : ۴۷-۴۸))

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ† ○ (۵ : ۴۷)

اور جو لوگ ہر دور رس معاملے میں قرآن سے اخذ نتائج نہیں کرتے وہی فاسق ہیں۔ (اور ہلاکت کے اہل (۴۶ : ۳۵) دیکھو صفحہ ۸۱۔ اور تحت المتن صفحہ ۸)

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ† ○ (۵ : ۴۴)

اور جو لوگ ہر معاملے کے متعلق کتاب خدا کو حکم نہیں ٹھیراتے وہی منکر خدا ہیں۔ اور اجتماعی ہلاکت کے اہل

آج قانونِ اُمم کی یہ مُفصّل کتاب، یہ سُنّت خدا کا ناممکن التبدیل مرقع، یہ الٰہی محکمۂ قضا و قدر، یہ علمی معجزات کا سحرستانِ جلال‡ انسان کی قرنہا قرن کی باطل آرائی، طرفہ اندیشی، اور عجائب نوازی کے بعد

---

† ان تینوں آیتوں میں 'کفر'، 'ظلم'، اور 'فسق' کے الفاظ ایک ہی موضوع کے متعلق استعمال کیئے گئے ہیں۔ قرآن کی لغت میں یہ تینوں اصطلاحیں اسقدر خوفناک اور لرزہ انگیز ہیں کہ کسی قوم پر ان کا خدائی اطلاق اسکو انتہائی سزا کا مستوجب یکسر قرار دیتا ہے۔ صفحہ ۸۱ کے متن میں کتاب خدا کا محاکمہ 'ظالم' اور 'فاسق' اقوام کے بارے میں پیش کر دیا گیا تھا، اور وہ یہ تھا کہ ایسی قوموں کی ہلاکت روئے زمین پر یقینی ہے، دیکھو آیات (۲۸ : ۵۹)، (۶ : ۴۷)، (۴۶ : ۳۵)۔ یہی بات آیات لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ (۱۴ : ۱۳-۱۴) سے بھی ظاہر ہے جو صفحہ ۴۳ کے متن میں آچکی ہیں۔ کافر قوم کے متعلق بھی محاکمہ قرآن میں جابجا موجود ہے۔ سورۂ مومن میں ہے: فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ (۴۰ : ۲۲)؛ یعنی "پھر انہوں نے کفر کیا تو خدا نے بھی اُن کو دھر پکڑا اور یکسر ہلاک کر دیا۔ اِس میں شک نہیں کہ وہ خدا بڑا طاقتور اور شدید العقاب ہے۔" گویا کفر اور اجتماعی ہلاکت آپس میں توأم ہیں۔

سورۂ سبا میں سیل عرم کی ہلاکت کے بعد ہے: ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ○ (۳۴ : ۱۷) "یہی سزا جو ہم نے اُن کو کفر کی پاداش میں دی، اور کیا سوائے کافر قوموں کے ہم کسی اور کو بھی ایسا بدلہ دیتے ہیں" یعنی نہیں دیتے، گویا ظاہر ہے کہ کافر قوم کی ہلاکت بھی روئے زمین پر یقینی ہے۔ اِس نصّی شہادت کی بنا پر ہم نے متذکرۂ متن آیات کے ترجموں میں "ہلاکت کے اہل" کے الفاظ زیادہ کر دیئے ہیں۔ رہا یہ امر کہ 'ظالم' اور 'فاسق' اور 'کافر' کی کیا تعریف ہے، یہ بحث نہایت طول و طویل ہے۔ اور آیندہ مجلدات میں بتدریج اس عظیم الشان راز کو کھول دیا جائے گا۔ کتاب خدا کو حکم ٹھیرانے کے معنی یہی ہیں کہ تمام اعمال میں قانونِ خدا کی عملی متابعت ہو جو آجکل کے نام نہاد مسلمانوں میں قطعاً نہیں رہی۔

‡ وادین کے درمیان گھرے ہوئے ان چاروں الفاظ میں بالترتیب آیہ (۶ : ۱۱۵) صفحہ ۹۳ (مُفَصَّلًا)، آیہ (۶ : ۱۱۶) صفحہ ۹۳ (لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ)، آیات (۵ : ۴۴، ۴۵، ۴۷) صفحہ ۹۶۔ اور آیات (۲۹ : ۵۰-۵۲) صفحہ ۴۴ کی طرف اشارہ ہے۔

طاقِ نسیان و ریا کا وہ ناقابلِ فہم اور ناکار برآر دفتر بن چکا ہے کہ اس کے بارے میں امّتِ حاضرہ کی غلط روی کو دیکھکر عقل کانپ اٹھتی ہے۔ اسکی تعلیم و تعظیم کے اکثر مدّعی آج کشور کشائی اور جہانبانی، قوّت اور امن، تمکّن اور تغلّب کے سب اگلے اور لشکر انگیز ارمانوں کو پاؤں سے ٹھکرا کر خوف و مسکنت، ذُل و امساک اور عجز و خمول کے عبرت انگیز ماحول میں، حجروں کے اندر بیٹھے، اکبر مولویّت میں مگن ہیں۔ اسکی رواں تلاوت کو دارِ آخرت کی طلسمی کلید سمجھتے ہیں، اسکو اکثر تجارت اور چیستاں بنائے بیٹھے ہیں، کہیں اسکو پڑیوں میں لپیٹ کر بیچا جا رہا ہے، کہیں اسکے تعویذ بنکر گلے کا ہار ہو رہے ہیں، کہیں اسکی خوب خوانی پیٹ کا ایندھن بن رہی ہے، کہیں خوش اعتقاد اسکو گھول گھول کر پی رہے ہیں، کہیں ستم ظریف پھونکیں مار مار کر اڑا رہے ہیں، کہیں اسکے اوراق میں کسی اسمِ اعظم کی تلاش ہے، کہیں اسکو رٹ رٹ کر بے اثر کیا جا رہا ہے، کہیں اس سے مُردے کو ثواب پہنچ رہا ہے، کہیں خدا کو دادِ سخن مل رہی ہے، کہیں تحسین ناشناس اور جاہل کی واہ واہ ہے! نہ غرض و مطلب سے بحث ہے نہ مقصود سے سروکار ہے، نہ تعمیل پیشِ نظر ہے۔ اس کتابِ جلیل سے لے دیکر اگر کچھ اخذ ہو رہا ہی تو یہی استخارے اور فالنامے[†] ہیں، تمائم اور ٹوٹکے ہیں، فسونی اور سحری اعمال ہیں، اور اگر کوئی طبقہ ان مہلک اثرات سے

[†] ایک استخارہ نامہ ابھی قطع کا حال ہی میں میری نظر سے گذرا ہے جسکو طابع اور ناشر نے اپنی تجارت کو فروغ دینے کی غرض سے علّامہ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۳۸ھ - ۱۲۴۰ء)، اندلس کے مشہور فقیہ اور محدّث، اور صاحبِ الفتوحات المکیّہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس طومار نویس متکلم کے بارے میں، جس نے اپنی عمر میں ۲۸۹ کتابیں لکھیں، اور جو ظاہریہ فرقے کا رکن رکین شمار کیا جاتا تھا، وثوق سے معلوم نہ ہو سکا کہ کہانتک یہ مختصر رسالہ اسکے قلم سے نکلا ہی مگر جرمن مستشرق بروکلمین نے اسکی ایک سو پچاس موجودہ تصانیف کی جو فہرست دی ہے، اسمیں اسکا کہیں مذکور نہیں۔ تاہم اسکی بعض تصانیف کے مذاق کو پاکر جنمیں سے اکثر جفر اور رمل، اور اعتقاداتِ ذاہیہ پر ہیں، عجب معلوم نہیں ہوتا کہ یہ استخارہ نامہ بھی اسی عجب ایجاد شخص کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہو لیکن مصنف کی ذات سے قطع نظر، جس مکر و فریب سے طابع صاحب نے اس رسالے کو عوام کی نظروں میں عجیب و غریب ثابت کرنے کی سعی کی، جس دریدہ دہنی سے اسکی طلسمی جداول کو قرآن کا زندہ معجزہ بتایا ہے، اور جو ادّعا مصنّف کی اسرار دانی خدا اور رسالے کی حقانیّت کے بارے میں کیا ہے، اسکا پول کھول دینا لازمی ہے۔ مصنّف نے اس رسالے میں ۲۳ جدولیں تیار کی ہیں۔ ہر ایک جدول میں ۱۰ خانے شرقاً غرباً اور ۱۶ خانے شمالاً جنوباً کھینچے ہیں۔ پھر قرآن کی پانچ حسبِ حال آیتوں کے ٹکڑے لیکر (یعنی وہ ٹکڑے جن سے سائل کے مطلوبہ سوال کے جواب کا ہاں یا نا، سعد یا نحس، مخالف یا موافق ہونے کا اندازہ ہو سکے) ہر جدول کے ۱۶۰ خانے اس انداز سے پُر کر دیئے ہیں کہ ہر ٹکڑے کا ایک ایک حرف علی الترتیب چار متصل خانے چھوڑ کر پانچویں خانے میں سما جائے۔ مثال کے طور پر پہلی آیت کے حروف خانہ نمبر ۱، ۶، ۱۱، ۱۶ وغیرہ میں، دوسری آیت کے حروف خانہ نمبر

نسبتہً محفوظ ہے تو اسمیں مقاصدِ قرآن کے بارے میں ہولناک افتراق ہے۔ ذہنی ویرانیاں اور غوغائے قیامت ہے، سطحی حیص بیص اور لفظی تنازعے ہیں، تفریق آراء ہے، انتشارِ نظر ہے، تشتتِ عمل ہے! ایسا تختۂ مشقِ اختلاف قرآن، ایسا مجموعۂ شعر و سخن قرآن، ایسا سحری اور طلسماتی جدول، ایسا کاہنی لٹکا عمل، اُمّت کے افراد میں کیا امتثالِ امر اور کیا اتحادِ کار پیدا کر سکتا ہے۔ اُنکی نظروں میں یہ اختلاف و شکست ہی قرآن کی اکثر ہدایت ہے، بشارت اور رحمت ہے، نور و شفا ہے! عرب کی جاہلی عادتوں اور وہمی عقیدوں کا پُرانا خمیر مسلمانوں کی اعتقادی زندگی میں اس تیزی سے سرایت کر چکا ہے کہ اب اُن کے طرزِ تخیل سے اس اثر کو دور کرنا گوشت کو ناخن سے جدا کرنا ہے۔ آج دینِ متین کے باقی عَلَم بردار اہلِ عجم بھی عرب کی ان روایات کے اعلاء اور آیاتِ خدا کی تکذیب کے جرم میں تیرہ سو برس کی خواب آور مہلت کے بعد رفتہ رفتہ اُسی موت و فنا کے گھاٹ اُتر چکے ہیں جس پر اُن کے پیشوا اہلِ عرب کئی سو برس پہلے اُترے تھے!

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ۝ (۷: ۱۸۲-۱۸۳)

لوگو! سُن رکھو کہ جس قوم نے ہماری آیات کی تکذیب کی، جسنے اُنکو حقیقت کے بلند مرتبے سے گرا کر جھوٹ بنا دکھایا٭ ہم اُنکو نامعلوم طور پر آہستہ آہستہ ہلاکت کیطرف گھسیٹ لیجائینگے اور کچھ مدت تک اُنکو ڈھیل بھی دینگے کہ خوب نیند کر لیں کیونکہ میرا داؤ بیشک بڑا پکّا داؤ ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۹۷) ۲، ۷، ۱۲، ۱۷ وغیرہ میں، تیسری آیت خانہ نمبر ۳، ۸، ۱۳، ۱۸ میں علیٰ ہذا القیاس باقی دو آیتیں بھی باقی خانوں میں اسی ترتیب سے بھری گئی ہیں۔ پھر اس جدول کو خوش اعتقاد سائل کے سامنے رکھکر حکم دیا گیا ہو کہ وہ آنکھیں میچ کر اسکے کسی خانے پر اُنگلی رکھے، اور اُس حرف سے شروع کر آگے اور پیچھے کے چار خانوں کو علی التواتر چھوڑ کر سب حروف لکھتا جائے یہ سب حروف ظاہر ہے کہ اُن پانچ آیتوں میں سے کسی ایک آیت کے ہونگے۔ اس لایعنی عمل کو دیکھکر بیوقوف شخص حیران رہجاتا ہے کہ یہ کیا کرامت ہے جس حرف پر اُنگلی رکھتے ہیں ایک قرآنی آیت بنجاتی ہے اور ہمارے سوال کا جواب خود بخود دیدیتی ہے۔ استخارہ نامہ میں کل ۳۳ جدولیں موجود ہیں مگر طابع صاحب کو واضح رہے کہ تینتیس کیا ایسی تینتیس ہزار طلسمی جدولیں چشم زدن میں تیار ہو سکتی ہیں اور نہ صرف قرآن کی آیتوں سے بلکہ کوک شاستر کے ہر اشلوک سے بھی! رہا مصنّف کی اسرار دانی اور تقرب کا عقیدہ، سو اسکی نسبت اسیقدر کہہ دینا کافی ہے کہ جس شخص نے اپنی عمر کے ۷۵ برس میں بالاوسط ہر برس چار کتابیں لکھی ہوں اُسکے زود نویس قلم سے بعض اوقات ایسی لایعنی تصنیف کا نکل جانا کچھ تعجب خیز نہیں۔

٭ یہاں ترجمے میں ہم نے "تکذیب آیات" کے صحیح مفہوم کی ایک ادنیٰ صورت پیش کر دی ہے اور اشارہ کر دیا ہے کہ کسی حقیقت پر جھوٹ کا لباس اوڑھا دینا بھی تکذیب ہی ہے۔ اس تکذیب کا نتیجہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اُس حقیقت کے متعلق تذبذب یقین و ایمان پیدا ہو جاتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اسکی تعمیل متعذر ہو جاتی ہے۔ یہ فقدانِ عمل ہی صحیح معنوں میں تکذیب ہے جیسا کہ کچھ دیر بعد چل کر ظاہر ہوگا۔

مگر یونانی فلسفے اور عرب تخیّل کے ان تمام ضعفِ ایمان، اور مخربِ عمل اثرات کے علاوہ دنیائے اسلام کو دائرہ عبودیت اور حلقۂ صلاحیت† سے حقیقی اور معنوی طور پر خارج کرنے، اور آج وراثت زمین سے یکسر محروم کردینے کا سب سے بڑا باعث وہ طریق اجتہاد تھا جو صاحب شریعت (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی وفات کے کچھ دیر بعد ہی اسلام میں شروع ہوگیا تھا۔ اِس سمت تخیّل نے جس سرد مہری، ناآشنائی اور بے دردی سے اسلام کے آباد آشیان کو بے رونق کیا، جس رعونت اور استغنا سے اسکی خانہ براندازی کی، جو نقصان عظیم رفتہ رفتہ اور نامحسوس طور پر مسلمانانِ عالم کی علمی اور تمدنی، ذہنی اور اقتصادی زندگی کو پہنچایا، تاریخ عالم میں تخیّل کی حیرت انگیز انقلاب آفرینی کی واحد مثال ہے! مگر اس اہم موضوع کے مطالب دلنشین کرنے کیلئے ایک مستقل اور طول و طویل بحث‡ کی ضرورت ہے جو قرونِ اولیٰ

---

† صفحہ ۸۷ کی آیات (۲۱: ۱۰۵-۱۰۷) کی طرف اشارہ ہے۔

‡ یہ بحث اسقدر طول و طویل ہے کہ غالبًا آئندہ تین یا چار مجلدات سے پیشتر ختم نہ ہوسکے گی۔ اسمیں بتدریج تمام اُس مہلک اور جمود انگیز تخیّل کی تکذیب کردی گئی ہے جسکے باعث اسلام آج محض اعتقادی اور نظری، لفظی اور رسمی شے کا نام بن گیا ہے، سعی و عمل سے اسکا خاتمہ کچھ واسطہ نہیں رہا۔ سب اعتقادات اور معاملات عالم قول و خیال میں منتقل ہوگئے ہیں یا اُن کے مقاصد و اغراض قطعًا بدل چکے ہیں اور فعل و عمل کے لائق کوئی شے نہیں رہی۔ یہ معرکۃ الآرا بحث دراصل آیۂ استخلاف (۲۴: ۵۵) صفحہ) کے الفاظ 'اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ' کی تشریح ہی ہے اور اسی ضمن میں کلام الٰہی کے ایک معتد بہ حصے کے مطالب بھی عیاں ہوگئے ہیں صفحہ ۲۳-۲۷ کے اُس عبرت آموز سوال کا جواب کہ آج تیرہ سو برس کے بعد مسلمانانِ عالم کیوں وراثت زمین سے محروم کردیئے گئے، اور مغرب کی بیدار قومیں کیوں انکی مستخلف بن چکی ہیں، نیز اِس اثنا میں منظر انداز نہیں کیا گیا۔ جہاں جہاں موقع ملا ہے جواب کی مختلف شقیں ظاہر ہوتی گئی ہیں حتیٰ کہ عنوان عمل کے اخیر میں (جو غالبًا پانچویں مجلد ہوگی) اس جواب کو حتمًا طے کردیا ہے۔ اس مجلّد میں باقی بحث صرف لفظ 'ایمان' اور اسکے تکیف پر ہے۔ پھر اسکی اہم شرائط کو پیش نظر رکھکر ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام کا واحد منتہائے نظر کیا تھا۔ اسکا تمام دستور العمل کس مستقل نصب العین کے درپے تھا۔ وہ مطمح نظر کیونکر حاصل ہوا تھا اور آج کیوں نظروں سے اوجھل ہوگیا ہے وغیرہ۔ مجلّد کا آخری حصہ 'عبادات' کی اساسی حکمت عملی پر مشتمل ہے۔ اسلام کے موجودہ ماحول میں یہی وہ اہم اوامر ہیں جو دین اسلام کے ارکان خیال کیے جاتے ہیں اور انہی پر 'اعمال صالحہ' کے الفاظ کا اکثر اطلاق آجکل ہوتا ہے۔ اِس بنا پر کتاب کے ابتدائی حصوں میں 'عبادات' کے صحیح مفہوم کو واضح کردینا انسب معلوم ہوتا ہے۔

کتاب کا مستقل حصہ دراصل اسی عنوان سے شروع ہوتا ہے جو آئندہ اوراق میں قائم کیا گیا ہے۔ مقدمۂ کتاب میں صرف اُن دعاوی کو پیش کیا گیا تھا جو قرآن حکیم نے اپنے بارے میں کیے۔ قرآن کی تعلیم یا تجویز و تدبیر سے اُس حصے کو چنداں سروکار نہ تھا۔ آئندہ اوراق میں قریبًا پانچ جلدوں کے اندر کتاب الٰہی کی 'تعلیم' پیش کردیجائے گی، اور ثابت ہوجائے گا کہ تاسیس جماعت کے متعلق قرآن کی تجویز و تدبیر کس قدر حکمت کاملہ سے پر ہے اور کس صحت و استقلال سے اُن دعاوی کی تائید کرتی ہے جو اس حیرت انگیز کتاب نے اپنے بارے میں علی الاعلان کیے۔ اِس مجلّد میں بالخصوص 'عبادات' کی حکمت اور تاسیس جماعت کے چند اساسی اصول پر بحث کی جائے گی جیسا کہ گذر چکا ہے۔ باقی اصولوں اور بالخصوص 'معاملات' اور 'عملیات' پر

کی اعتقادی اور سیاسی زندگی، اور قرآن حکیم کے اجتماعی دستور العمل کے متعلق ہے:۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۹۹) بحث بعد کی چار جلدوں میں ہوگی۔ انہی مجلدات میں ضمناً **"معتقدات"** کی حقیقت کا انکشاف کر دیا جائیگا۔ تین یا چار جلدیں علم القرآن (**معلومات**)، تاریخ القرآن (**ماجریات**) اور طریق عمل کے متعلق ہونگی جو اس کتاب کا آخری حصہ ہے۔
معاملات کی بحث کے ضمن میں اسلام کی موجود فرقہ آراہیئت کا پول کھول دیا جائے گا، اور ثابت کر دیا جائے گا کہ **ایک خدا، ایک رسول، اور ایک قرآن** کے ہوتے ہوئے **صراط مستقیم بھی صرف ایک ہی ہے**۔ سب فرقہ بندی اور تشیّع، رہبانیت اور غلط تخیل زہد، غلوّ فی الدین اور مُلّائی افراط و تفریط وغیرہ وغیرہ کتاب الٰہی کے منشا کے نقیض اکثر عیاں کر دیجائے گی۔ دین اسلام کے وجود پر سے عارضی اور اکتسابی غلاف اُلٹ کر اسکو صحیح معنوں میں **فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا** (۳۰:۳۰) (صفحہ ۴) کا مصداق ثابت کر دیا جائیگا۔ یہ حقیقت کہ اسے **از سرِ نو منکشف** کر دیجائے گی کہ اسلام وہ **راہ عمل**، وہ مذہب سعی و کار، اور وہ **فطرۃ کاملہ** ہے **جس پر سطح زمین کا ہر فرد بشر بلا لحاظ ملک و ملت مجبول بلکہ مجبور ہے**[1]۔ اُسی پر چلکر سرتاسر امن ہے، دنیوی اور اجتماعی امن ہے، فردی اور شخصی امن ہے، اُخروی اور دائمی امن ہے۔ اُس سے ذرا ہٹ کر **ضعف و شکست** ہے، قوموں اور اُمتوں کی شکست ہے، قبیلوں اور گھروں کا انتشار ہے۔ الغرض دین الٰہی کو اُمت مرحومہ کے مختلف گروہوں اور بھیڑوں کے اعتقادی رنگ سے یکسر آزاد کر کے خدائے واحد کی **وحدت انگیز یکرنگی** میں رنگ دیا جائے گا۔ اس نازک موضوع کی بحث و تمحیص سے مفید نتائج برآمد کرنیکے لیئے اِس امر کا عمداً خیال رکھا گیا ہے کہ کتاب خدا کے طالب العلم کے اُن ذاتی جذبات کو جو وہ کسی فرقے سے متعلق ہونے کی حیثیت میں کسی عقیدے یا شخص یا طرز عمل کے متعلق اس کتاب کے کامل مطالعے سے پیشتر رکھتا ہو حتی الوسع کم سے کم ٹھیس لگے، حقیقت کی طرف بتدریج اور بالدلیل رہنمائی ہو، جو بات کہی جائے اُسکی سند موجود ہو، محض سفلی جذبات کو بھڑکا کر راہ راست پر لانے کی بے سود سعی نہ کی جائے۔ اِس مدعا کو پیش نظر رکھکر کتاب کی طوالت کا باعث ظاہر ہے ہیں۔ مقصود ایک فرقے کو سراہنا، یا دوسرے کی توہین کرنا نہیں بلکہ حتی الامکان اسلام کے سب رسمی ماننے والوں کو ایک مشترک اور صحیح راہ کی طرف انگشت نمائی کرنا ہے اگر جو کچھ میں نے کہا ہے **حقیقت** ہی تو ذہن خود بخود اسطرف مائل ہوگا، اسکے لیئے کسی ناروا ترغیب یا غیر ضروری تشویق کی ضرورت نہیں۔
قارئین کتاب سے صرف اسقدر استدعا ہے کہ آیندہ مجلدات کے **ربط** اور **تسلسل** کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ کیونکہ ہر دعوے کی بنا پیشتر کے ثابت کیئے ہوئے دعوے پر ہے اور کتاب کے سب آیندہ مباحث ایک سلسلے کی مختلف اور مرتب کڑیاں ہیں۔ اور ایک ہی نتیجے کی طرف استقلال سے جا رہی ہیں۔ اگر تمام کتاب کے سب گذشتہ مطالب درس و تدریس کے کسی مرحلے میں پیش نظر نہ رہے تو قرآن حکیم سے کوئی مدلّل نتیجہ اخذ کرنا محال ہو جائے گا۔ اس تصنیف کا سب سے اہم حصہ آخری مجلدات ہیں جنمیں قرآن حکیم کی تمام تعلیم سے کامل تفتیش و تلاش کے بعد مستقل نتائج اخذ کیئے گئے ہیں پھر اجل زدہ اُمتوں کے تحفظ و بقا کیلیئے ایک اٹل **طریق عمل** مستنبط کر کے مسلمانانِ عالم کو اُنکی **حیات و موت کا آخری پیغام** دیدیا گیا ہے!

[1] **فطرت** لامحالہ وہ شئے ہے جس سے کسی فرد متنفس کو کسی حال میں مفر نہیں۔ اگر دین اسلام فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ہے جیسا کہ صفحہ ۴ پر دعوے کیا گیا ہے تو وہ بھی بلاشبہ وہ شئے ہے جسکی تعمیل پر سطح زمین کا ہر شخص اسیطرح مجبور ہے جس طرح کہ اپنی کسی اور فطرت پر، اور جسکے برخلاف چلنے کی فوری سزا ہی کسی اجتماع ملنی چاہیئے جس طرح کسی اور فطرت سے باغی شخص کو اس دنیا میں ملتی ہے۔ ایک شخص اگر کھانا نہیں کھاتا یا کئی دن متواتر نہیں سوتا تو اُسکا جلد مرجانا لازمی امر ہے۔ اس لیئے کہ کھانا اور سونا اس کی فطرت میں داخل ہیں، اور فطرت سے باغی ہونے کی انتہائی سزا ہلاکت ہے۔ پس اس مقام سے نظر سے دین اسلام بھی وہ **طریق عمل ہے جس پر چلکر اس دنیا میں ہر جا امن مل رہا ہے** جیسا کہ آیندہ اوراق میں چلکر واضح ہوگا۔ وہ کسی رسمی کلمہ شہادت کا پڑھ لینا نہیں جیسا کہ اکثر مسلمان سمجھے بیٹھے ہیں!

تکیفِ ایمان و منتہائے اسلام

وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ (۳:۱۳۹)

اور تم ہی سب سے برتر ہو اگر ایمان والے ہو

متذکرہ صدر صحبت کے اُس حصّے سے جو تبلیغ دین اور اعلان نبوت کے متعلق ہے، یہ امر واضح ہے کہ داعیٔ اسلام کی بعثت ائتلاف ملل کے حق میں ایک منبظیر رحمت تھی۔ اعلائے کلمۃ الحق نے اعتقادات کے علاوہ، عرب کی ہیئت اجتماعی میں ایک ناقابل یقین انقلاب پیدا کردیا تھا۔ نعرۂ توحید نے، اور اللہ کے برگزیدہ رسولؐ کے خُلق عظیم نے اہل عرب کے سینوں کو چاک کرکے، اُنکے دلوں کو چیر چیر کر، عداوتیں اور کینے نکال دیئے تھے! پیغمبرِ برحقؐ کی بے لوث و ریا، اور وقفِ عمل زندگی نے بخل و حسد کے تنگ و تاریک قلوب میں ایمان کا نور، اور اعمال صالحہ کی وسعت دیدی تھی! خدائے واحد کی ہستی پر محمّد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی ناقابل انکار شہادت نے ہر متنفس کو اللہ کی حمایت میں آمادہ عمل کردیا تھا! خدا کی حقیقت، اسکی رحمتوں کے دریا، اُسکی حکمت اور علم کے سمندر، اُسکی لاانتہا بخششیں، اُسکی قدرت کاملہ، ساتھ ہی اسکے عذاب کے طوفان، اُسکے زلزلے، اسکی تہس نہس کردینے

؎ صحبت حاضرہ کے مطالب خاص طور پر قابلِ غور ہیں۔ آئندہ مباحث، بلکہ ایک رو سے کتاب ہٰذا کی حکمت کو کماحقہ سمجھنے کا اکثر دارومدار اسی صحبت پر ہے۔ تیرہ سو برس کے انقلاب تخیل کے بعد ایمان کی حقیقت کو از سرِ نو پالینا، یا دل پر اُس کا صحیح کیف و حال پیدا کرکے پیکر ایمان اور شاہدِ خدا بن جانا آسان کام نہیں۔ مگر اس فقدان حال اور صورت اشکال کے باوجود قرآن حکیم کے اندر ایمان کی صحیح تصویر اور منتہائے اسلام کی ناقابل انکار دلیل موجود ہے۔ اسی بات کو پیش نظر رکھکر جہاں جہاں اس صحبت کے اندر آیات الٰہی میں ایمان کا لفظ آیا ہے الفاظ کو جلی حروف میں لکھدیا ہے کہ اِس ناقابل تشریح اصطلاح کی صحیح ماہیت سمجھنے میں آسانی ہو۔ اسکی اہم قرآنی شرائط اور لوازم واضح ہوں اور پھر رفتہ رفتہ انسان کے ذہن میں اسکا تکیف بیٹھتا جائے۔ سب سے اہم یہ امر کہ کلام خدا کا طالب العلم بطور خود اس حقیقت کبریٰ کا قائل ہو کہ سعی و عمل ایمان کا جزو لاینفک کس انتہائی حد تک ہے۔ منتہائے اسلام کی حقیقت صفحہ ۱۸۲ پر عیاں ہوگی۔

والی چیخیں، اسکی بجلیاں، آنکھوں کے سامنے صاف نظر آگئی تھیں! اُس ربِ لم یزل کو جسکی عجیب شخصیت وہم کے محیط سے باہر، اور امکان کے نقص سے بری ہے، احمدِ مرسل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی حیرت انگیز شناسائی نے ہر شخص کے روبرو عیاں کر دیا تھا! مومنوں کے کانوں میں اسکی صدائیں بلا آگئی تھیں! انکی آنکھیں، اُنکے دل، اُنکے ہاتھ، اُس لامکان ذات کو اپنے گھروں کے اندر، میدانوں اور حجروں میں، سجدوں اور دعاؤں میں آشکارا محسوس کر رہے تھے! وہی آسمان و زمین، وہی چاند اور ستارے، وہی زرع و نخیل، جو عرب کی ہموار اور غیر دلچسپ سرزمین میں ہر دم اُن کے پیش نظر رہتے تھے، اِس جویائے حق نبیؐ کی دیدۂ عبرت نگاہ کے باعث **معرفتِ خدا** کے بیکران قدر اور حقانیت کے بے پایان مظاہر بن گئے تھے!

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۝ (۲۷: ۶۰)

لوگو! ذرا اسپر تو غور کرو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے بنایا؟ اور آسمان سے تم لوگوں کے لیئے پانی کس نے برسایا؟ پھر اُسی پانی کے ذریعے سے ہم نے خوشنما باغ لگائے! لوگو! کیا تم میں طاقت ہے کہ اُنکے درختوں کو اُگا سکو؟ اور کیا پھر اِس حقیقت کے عیاں ہو جانے کے بعد ماسوا خدا کے کوئی اور قابلِ اطاعت اور لائقِ عبودیت رہجاتا ہے! آہ یہ بے سمجھ لوگ ہیں کہ ناحق دوسری طرف جُھکے ہوئے ہیں!

پُھولوں کی پنکھڑیوں میں، پرندوں کے پروں اور درختوں کے خوشوں میں صناعِ بے مثال کا ہاتھ کام کرتا ہوا صاف نظر دلا دیا تھا!

اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ۭ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝† (۱۶: ۷۹)

کیا لوگوں نے پرندوں کے حال پر نظر نہیں کی جو فضائے آسمانی میں مسخر ہیں، اُن کو اُڑتے وقت کون سنبھال رہا ہے اور کون سنبھلنے کی طاقت دے رہا ہے؟ جن لوگوں میں ایمان موجود ہے اُنکے لیئے اس حقیقت میں بھی غور و فکر کی کئی علامتیں ہیں۔

فطرت کے بدیع الخلق ظواہر اور محیر العقول صنائع کی طرف، کلام الٰہی کی انتھک ترغیب و تحریص نے عرب کی طبائع پر گہرا اور ناقابل انحکاک اثر پیدا کر دیا تھا!

† اس کا حاشیہ اگلے صفحے پر دیکھیے۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ
وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا
اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ؀ (۶ : ۱۰۰)

وہی قادرِ مطلق تو ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم ہی نے اُس پانی کے ذریعے سے ہر اُگنے والی چیز کی بُوٹیاں نکالیں، پھر اُن بوٹیوں سے ہم ہی نے ہری ہری ٹہنیاں نکالیں۔ اُن سے ہم گُتھے ہوئے دانے نکالتے ہیں، اور کھجور کے گابھے میں گچھوں کے گچھے خوشے جو بارے بوجھ کے جھکے پڑتے ہیں۔ اور انگور کے باغ اور زیتون اور انار۔ ظاہر شکل و شباہت میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، مگر مزے اور تاثیر میں جُدا جُدا ہیں۔ تم اُسکے پھل کی طرف بغور دیکھو جب نکل رہا ہو اور پک رہا ہو بے شک جن میں ایمان ہے اُن کے لیے اِس مشاہدے میں عجیب و غریب نشانیاں خدا کی قدرت کی موجود ہیں!

صدیوں کے باطل عقیدوں، خوف انگیز وسوسوں، اور مذبذب قلوب واہموں کے بعد حقیقت کے اس دلنشین انکشاف، اور خدا ہونے کے اس قطعی ثبوت نے بالآخر عرب کے دلوں میں ایمان کا آسمان تاب نور، اور یقین کا عالم افروز شعلہ پیدا کر دیا۔ صداقت کا روح پرور اثر اُنکے بدنوں اور طبیعتوں دلوں اور ذہنوں میں اسقدر جاری و ساری ہو گیا تھا کہ بمجرد اللہ کا ذکر آنے پر اُن کے دل کپکپا جاتے تھے!‡

† ضمناً ان آیاتِ الٰہی سے ظاہر ہے کہ اعمالِ خدا کا مشاہدہ، اُنمیں استقصا اور تفکر، خدا کی عطا کی ہوئی بصر کا استعمال (اَلَمْ يَرَوْا (۱۶ : ۷۹)، اُنْظُرُوْٓا (۶ : ۱۰۰)) اور کارگاہ فطرت سے طلبِ علم (دیکھو صفحہ ۸۳) ایمان کے اہم لازمات میں سے ہیں، ان کے بغیر ایمان ناقص اور معرفتِ خدا محال ہے۔ اس بحث کو یہاں پر طول دینا ضروری نہیں مگر مسلمانوں کو غور کرنا چاہیئے کہ آج وہ قَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ کے صحیح مصداق ہیں یا مغربی قومیں جنہوں نے فطرت کا پتّا پتّا دیکھ مارا ہے!

‡ سورۂ انفال میں ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ؀ (۸ : ۲)

لوگو! ایمان والے تو وہی بندے ہیں کہ جب خدا کی یاد اُن کو آجاتی ہے تو اُنکے دل ہل جاتے ہیں، اور جب اُسکے احکام (اٰيٰتُهٗ) اُنپر واضح کر دیے جاتے ہیں تو اُنکی تعمیل کا یقین (اِيْمَانًا) اور بھی بڑھتا ہے، اور وہ وہ لوگ ہیں جو حتی الوسع سعی و عمل کے بعد نتائج کے بارے میں اپنے خدا پر بھروسہ کرتے ہیں (يَتَوَكَّلُوْنَ) (توکل کے ان معانی کی توضیح آگے چلکر آئے گی)۔

یہ ایمان والوں کی لرزش کوئی مصنوعی لرزش نہیں جو آجکل لوگ رسماً پیدا کرنے کی سعی کرتے ہیں، اور باوجود مشق کے صحیح معنوں میں پیدا نہیں کر سکتے۔ یہ فی الحقیقت خدا کی عظمت، ہیبت، اور طاقت کا ہول انگیز یقین ہے جو اسکے اعمال کے برای العین مشاہدے اور اس کارگاہ فطرت کی براہ راست بصیرت سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ وہ تکیف قلب ہے جو آج ان قوموں کو حاصل ہے جو قانون خدا سے ہر دم خوفزدہ رہ کر سعی و عمل میں مصروف ہیں، جو حکم حاکم کو مرگ مفاجات کے برابر سمجھ کر طوعاً و کرہاً اسکی تعمیل میں لگی ہیں، جو قانون فطرت کے ایک ایک حرف کو بغور سمجھنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ یہ لرزش ہمہ تن حاکم کے مقتدر ہونے کی لرزش ہے، اُسکے قانون کو اٹل ماننے کی لرزش ہے، اُسکی سزا کے شدید ہونے کی لرزش ہے، حکم کے اٹل اور حاکم کے بے پرواہ ہونیکی لرزش ہے۔ اسی لرزش کا اٹل نتیجہ عمل ہے، احساس فرض ہے، تگ و دو ہے، "تکلیف و محن" ہے، یہ کوئی دوستی کے باہمی ناز و نیاز، یا عشق کی لطف آمیز چشمکیں نہیں جو مسلمانوں نے رسماً اور غلطاً خدا سے پیدا کر لی ہیں اور جسکا نتیجہ نادانی خدا کے سوا کچھ نہیں۔

دلوں نے اللہ سے وہ سچّا لگاؤ پیدا کر لیا تھا کہ اُٹھتے بیٹھتے ایک دُنیاوی حاکم کیطرح اُسکے حضور میں سراپا ادب رہکر
اُسکی رحمتوں اور بندہ نوازیوں کے چشم براہ اور اُسکے قہر سے خوف زدہ رہتے۔ حضوریٔ قلب کی حیات افروز نے
اور قربِ رسولؐ کے جرأت آموز اثر نے اُن کو اللہ کی رضا میں مصیبت سے قطعی بے خوف اور جان سے
قطعی بے نیاز کر دیا تھا۔ اُن کے فلک شگاف حوصلے اور کوہ فگن جرأتیں، اُس احکم الحاکمین تعالیٰ کی خوشنودی
اور حمایت میں ہر وقت پا بہ رکاب رہتیں! وہ ایک اہل الغرض اور مشاہرہ دار نوکر کی طرح، اُس آنکھوں
سے اوجھل اور جلیل القدر ذات کی خوشنودی کی خاطر، اُسکے ادنیٰ اشاروں اور حکموں پر چونک چونک اُٹھتے،
اور دوڑ دوڑ کر جاتے! وہ اللہ کے رعب و وقار اور اُسکے جاہ و جلال کے آگے ہر انسانی منزلت کو بیقدر و
قیمت، اور دنیاوی رعب داب کو ہیچ سمجھتے! وہ اپنے سچے مخدوم تعالیٰ، اور مقتدر منعم کا بول بالا کرنیکے ولولے میں
جانوں کو ہتیلیوں پر رکھکر قیصر و کسریٰ کے دربار میں، اپنے خرقہ پوش اور اُمّی پیغمبرؐ کا تنبیہی پروانہ
بے دھڑک لیجاتے! وہ اپنے حقیقی آقا کا آوازہ بلند کرنے کی غرض سے جان، مال، اور تعلقاتِ دُنیوی
کے انقطاع[†] سے ایک لمحے کے لیئے دریغ نہ کرتے! وہ ایک مزدور خوشدل کی طرح اللہ کے اس نیک بندے
کی حمایت میں تلواروں سے کٹ، اور تیروں سے چھن جاتے مگر ہمت نہ ہارتے! وہ اُس کالی کملی والے
رسولؐ کی جانفروشانہ اطاعت میں موت کی آرزوئیں، اور قتل کی منّتیں مانتے! وہ اللہ کی کبریائی اور جبروت
کے بالمقابل ہر سرکش کا غرور توڑنے کے لیئے پہاڑ سے لڑ جاتے اور آسمان سے ہاتھا پائی کرتے! اُن کی
مؤدبانہ خدمت اور فدایانہ عبودیت خدائے ذوالجلال کے وجود، اُسکی عالم آرا حکومت، اُسکی عالی مقامی

[†] سورۂ مجادلہ میں ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ (۲۲:۵۸)

اے مخاطب! جو لوگ خدا کے خدا ہونے پر ایمان لاتے ہیں، اور جو روزِ آخرت کی جزا و سزا پر یقین رکھتے ہیں، اُن کو تو تم ہرگز نہ دیکھوگے
کہ خدا اور اسکے رسول کے مخالفوں اور نافرماں برداروں کے ساتھ میل جول رکھیں گو وہ اُنکے باپ، یا اُنکے بیٹے، یا اُنکے بھائی بند، یا اُنکے ہی کیوں نہ ہوں۔
یہی وہ لوگ ہیں جنکے دلوں کے اندر خدا نے ایمان کا گہرا نقش کر دیا ہے اور جنکو اپنی ناپیدا کنار طاقت اور ہمت کا ایک حصہ عطا فرما کر انکی مدد کی ہے (بروحٍ منہ)۔

اُسکی استقامت عہد، اُسکی سطوت و جبروت، اُسکے جبر و قہر کی وہ زندہ اور زبردست **شہادت تھی** جو ہر منکر کو قائل کر دیتی! اُن کی سراپا سعی اور رہینِ عمل زندگی اللہ کی غلامی کو بہترین غلامی، اور اُسکی چاکری کو مفید تر چاکری بنانے کی وُہ بانگِ دُہل اور وُہ صیتِ ناقوس تھی جسنے اقل قلیل مُدت میں ایک سیہ کار اور بے حس عالم کو اللہ کی عبودیّت پر متفق العمل کر دیا تھا!

وَكَذٰلِكَ* جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ** عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (۲: ۱۴۳)

اور اس تسلیم کی خو اور اللہ کے رنگ میں رنگے جانیکے باعث (دیکھو آیہ ۲: ۱۳۸) ہم نے تم سب کا ایک مرکز (یعنی قبلہ) قرار دیکر تم عرب کو روئے زمین کی اُمتوں کا مرجع و مرکز بھی بنا دیا ہے تاکہ تم اپنے حسنِ عمل سے تمام دنیا کے سامنے خدا کے وجود کی گواہی دو، اور رسولِ خدا تمہیں اللہ کی گواہی دیتے رہیں!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا*** رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ۝ وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ۬ مِنْ قَبْلُ وَفِىْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۖۚ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝ (۲۲: ۷۷-۷۸)

---

* 'کذٰلک' کا ربط پہلے مضمون کے تسلسل سے ظاہر ہوتا ہے جو آیہ (۲: ۱۲۲) سے شروع ہوا ہے۔ اس ربط کو ثابت کرنے کا یہ موقع نہیں مگر سورہ بقرہ کے ربط کا اظہار غالبًا پانچویں مجلد سے پہلے نہ ہو سکیگا۔

** "شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ" ہونے کے یہی معانی ہیں کہ لوگوں کو تمہارے اعمال و افعال سے، تمہاری تگ و دَو اور تکلیف برداری سے، تمہاری خدمت گذاری اور ملازمت سے خدا کے خدا اور حاکم اعلیٰ ہونے کی سچّی گواہی ملجائے، وہ بچشم خود دیکھ لیں کہ تم کسی ایسی جلیل القدر ہستی کے ملازم اور پابند ہو جو گو نظروں سے اوجھل ہے مگر اُسکے ہونے اور مقتدر ہونے میں گمان نہیں یہی سعی و عمل آج کسی دنیاوی حاکم کی ملازمت اور اُسکے موجود ہونے کی صریح بلکہ عینی شہادت ہے، خواہ وہ حاکم ہر دم لوگوں کی نظروں سے چھپا رہے اور عوام نے اسکو ایک لمحے کے لیئے بھی بچشم خود نہ دیکھا ہو۔ جبتک ایک ملازم کسی آقا کے حکموں کی تعمیل میں مصروف ہے، اسکی خاطر اپنی جان کو تکلیف میں ڈال رہا ہے، اور کسی دوسرے کے ہاں سے امیدوار مزد نہیں ہوتا، تب تک اس آقا کے ہونے کی عینی گواہی موجود ہے۔ کیونکہ کوئی متنفس اپنے آپ کو بلا مزد رنج و محن میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ 'شہادت' یہ نہیں کہ منہ سے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، یا کوئی اور ایسا کلمہ پڑھ لیا جائے جیساکہ آجکل کے مسلمان سمجھ بیٹھے ہیں! جبتک ملازمت اور 'عبادت' عملاً نہ ہو گواہی (یعنی شہادت جسکا تعلق لامحالہ مشاہدے سے ہے) قائم نہیں ہو سکتی۔ رہی یہ بات کہ عمل کی نوعیت کیا ہو اسکی تشریح آگے چلکر خود کتاب خدا کریگی۔ اس امر کا ثبوت کہ شہادت خدا ہی کی ہو آیہ (۴: ۱۳۵) صفحہ ۲۰۲ کے الفاظ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ سے ملتا ہے۔

*** 'عبادت' کے قرآنی معانی آج صدیوں کے انقلاب تخیّل کے بعد قطعاً مسخ ہو چکے ہیں۔ عامۃ الناس نے بلا استثنا اسکے معانی 'نماز پڑھنا'

اے وہ لوگو جو ایمان لے آئے ہو! اپنے خدا کے حضور میں عملاً جھکتے رہو، (ارْکَعُوْا)، اُس کے سب احکام کے آگے سرِ تسلیم خم کر دو، (وَاسْجُدُوْا)، اس کے سچے غلام بنے رہو، (وَاعْبُدُوْا)، اور بھلے اور پسندیدۂ خدا کاموں میں لگے رہو تاکہ تم بالآخر کامیاب ہو جاؤ اور اپنی مراد کو پونہچو۔ اور اعلائے خدا میں کوشش کرو جیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے۔ اُس نے تم ہی کو اس مطلب کے لیئے دنیا جہان کی امتوں سے انتخاب فرمایا ہے، اور تم ہی وہ لوگ ہو جن پر (تمہارے اپنے زعم میں) خدا نے اعمال و فرائض کے متعلق کچھ ناروا سختی نہیں کی۔ یہی دستور العمل تمہارے باپ ابراہیم کا تھا، اور اس خدا کی عملی غلامی، اور تسلیم کے نصاب عمل کو مدنظر رکھکر ہی اُس نے اس سے پہلے بھی تم جیسے حکمبردار اور کارکن آدمیوں کا نام مسلم رکھا تھا، اور اب بھی تمہیں اُسی نام سے پکارتا ہے۔ اور یہ سب اس لیئے کہ رسولؐ تو خدا کے آقائے نامدار ہونے کی تمہیں گواہی دیتے رہیں، اور تم تمام جہان کے سامنے اپنے اعمال کے ذریعے سے خدا کے وجود کی زندہ شہادت بنو! پس ان سب باتوں کو مدنظر رکھکر نماز پر قائم رہو، ہماری بارگاہ عالیہ میں پنجوقتہ حاضر ہو کر اپنے اعمال کا حساب دو، اور ہمارے وجود کو دنیا پر ثابت کر دینے کی خاطر قربانی مال (الزَّکوٰۃ) بھی کیا کرو۔ اور اللہ کو مضبوط پکڑے رہو! وہی تمہارا آقا ہے، پر کیا ہی اچھا آقا، اور کیا ہی اچھا مددگار ہے!

قبولیت اثر، اور محسوسات قلب کے تہیج و احیا کا وُہ عہد سعید اور وُہ نکو کار زمانہ تھا جب کہ خدا کو خدا تسلیم کر لینا، اہل عرب کی نگاہوں میں آفتاب کی کرنوں اور مہتاب کی شعاعوں سے بھی عیاں تر

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۰۵) لے لیئے ہیں، اور ہر شخص چند بار ماتھے کو زمین پر رگڑ کر بے غل و غش اپنے آپ کو 'عابد' قرار دیتا ہے۔ شارحین و اعظین علما، فقہا، جُہلا سب کا غالب خیال عبادت سے نماز یا تسبیح گردانی ہی ہے، اور اگر کوئی شخص دراز یا وہ وسیع النظری سے کام لیتا ہے تو باقی ارکان اسلام کو بھی داخل عبادت کر دیتا ہے یا حد سے حد علی الحساب اور احساناً کہہ دیتا ہے کہ "خدا کے لیئے اُٹھنا اور بیٹھنا بھی شامل عبادت ہے"۔ یہی نہیں بلکہ قریب قریب ہر مذہب کی لغت میں یہ اصطلاح صرف دعا یا نماز تک محدود ہو گئی ہے۔ پُرانی الہامی کتابوں کے متعلق تحقیق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اُن کے الفاظ کے استقلال کی کوئی سند موجود نہیں اور ترجموں میں الہامی الفاظ کی صورت، روح، اور مطالب سب بگڑ چکے ہیں مگر قرآن حکیم کے اندر 'عبادت' کا اصلی اور صحیح مفہوم ابتک موجود ہے بشرطیکہ اسکی آیات میں صحیح تدبر کیا جائے۔ ان آیات الٰہی میں جو زیر بحث ہیں، 'ارْکَعُوْا' اور 'اسْجُدُوْا' اور 'اعْبُدُوْا' کے تین الفاظ آئے ہیں اور اگر، جیسا کہ کم از کم مجھے یقین ہو چکا ہے، خدائے زمین و آسمان کا کلام ہر قسم کے حشو و زوائد بے نتیجہ تکرار، یا شاعرانہ فصاحت سے قطعاً مبرا ہے، اور اس کا ایک جملہ، ایک لفظ، اور ایک حرف بھی ادل بدل، پس و پیش، یا حذف نہیں کیا جا سکتا، تو اس نتیجے پر پونہچنا کچھ مشکل نہیں کہ 'ارْکَعُوْا' اور 'اسْجُدُوْا' اور 'اعْبُدُوْا' کے الفاظ کے تین مختلف اور مستقل معانی ہیں جو شارعِ قرآن کے ذہن میں اسوقت تھے جب یہ آیت وحی کی گئی۔ اُن کو نماز کا رکوع و سجود سمجھکر قریب المطالب یا مترادف المعانی قرار دینا، یا زور بلاغت کا تکرار فرض کر لینا کلام خدا کی توہین ہے۔ کتاب خدا کے اس ابتدائی حصے میں اس حقیقت کبریٰ پر

واسطۂ عمل بن گیا تھا؛ تعبّد کی یہ شانِ اضطراری (وَاعۡبُدُوۡا رَبَّکُمۡ[۱۵۰]) اور اعتصام خدا کا یہ 'الحافی' رنگ تھا

[۱۵۰] دیکھیو (۲۲: ۷۷) صفحہ ۱۰۵۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۰۶) چنداں زور نہیں دیا جا سکتا کیونکہ کلام الٰہی کے الفاظ کے استقلال مطالب اور وحدت معانی کی مثالیں کثرت سے پیش نہیں ہوئیں، لیکن آگے چلکر جوں جوں اور شہادتیں ملتی جائیں گی یہ نکتہ عیاں ہوتا جائیگا۔ 'مسخ حقیقت' کے عنوان میں اس بات کا کافی ثبوت دے دیا جائے گا کہ نصّ قرآن کے رُو سے 'سجدہ' اور 'عبادت' ایک کیفیّت دل کی دو مختلف حالتیں ہیں اور اسی لیئے بالالتزام علٰحدہ علٰحدہ بیان کی گئی ہیں۔ 'سجود' کے معانی بھی قرآن کریم میں ماتھا رگڑنے یا سر جھکا دینے کے نہیں، بلکہ اس سے مقصود تکیف اطاعت اور صرف اطاعت ہی۔ اگرچہ ماتھا رگڑنا اُس کا ایک جُز ہو سکتا ہے۔ مطیع شخص ممکن ہے اپنی اطاعت کے جوش میں ماتھا بھی رگڑے مگر ہر رسمی ماتھا رگڑنے والا لازمًا مطیع نہیں ہوتا! سورۂ الرحمٰن میں ہے: وَّالنَّجۡمُ وَالشَّجَرُ یَسۡجُدٰنِ ۝ (۵۵: ۶)، "اور ستارے اور درخت سجدہ کر رہے ہیں"۔ یعنی احکام خدا کی اطاعت میں مصروف ہیں۔ ظاہری سجدہ مراد نہیں اور نہ ہو رہا ہے۔ سورۂ نحل میں ہے: وَلِلّٰهِ یَسۡجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ مِنۡ دَآبَّۃٍ … (۱۶: ۴۹)، "اور جو کچھ آسمان و زمین میں چلنے والی شئے ہے خدا کے آگے سجدہ کر رہی ہے"۔ یعنی اسکے قانون کی مطیع ہے۔ علیٰ ہذا القیاس (۱۳: ۱۵) اور (۲۲: ۱۸) میں یہی مضمون ہے۔ سورۂ آلِ عمران میں اہل کتاب کے متعلق کہا ہے: یَتۡلُوۡنَ اٰیٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّیۡلِ وَهُمۡ یَسۡجُدُوۡنَ ۝ (۳: ۱۱۳)، "یعنی رات کے اوقات میں احکام خدا کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں"۔ حالانکہ زمین پر ماتھا رگڑنا اُن کا طریق نہ تھا اور آج بھی نہیں۔ سورۂ اعراف کے اخیر میں ہے: اِنَّ الَّذِیۡنَ عِنۡدَ رَبِّکَ لَا یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِهٖ وَیُسَبِّحُوۡنَهٗ وَلَهٗ یَسۡجُدُوۡنَ ۝ (۷: ۲۰۶)۔ یہاں 'عبادت' اور 'تسبیح' اور 'سجدے' کا وہی لغوی تکرار ہے، اور لفظوں میں تفریق کر دی ہے مگر ظاہر ہے کہ اُنکے یہ معانی نہیں ہو سکتے جو آجکل لوگوں نے ان الفاظ سے لیئے ہیں۔ کیونکہ مذکور اُن کا ہے جو اس روئے زمین پر نہیں ہیں اور عالم ارواح میں بس رہے ہیں۔ سورۂ نجم میں ہے: فَاسۡجُدُوۡا لِلّٰهِ وَاعۡبُدُوۡا ۝ (۵۳: ۶۲)، یہاں بھی 'سجدہ' اور 'عبادت' کو لفظوں میں الگ کر دیا ہے اگرچہ تکیف ایک ہی اطاعت الٰہی کا ہے۔ 'سجدے' کا لفظ کلام الٰہی میں صرف دو جگہ ظاہری ماتھا رگڑنے کے معنوں میں آیا ہے۔ ایک سورۂ نمل میں ملکہ سبا کے متعلق: وَجَدۡتُّهَا وَقَوۡمَهَا یَسۡجُدُوۡنَ لِلشَّمۡسِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ (۲۷: ۲۴)، یعنی "وہ اور اسکی قوم خدا کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے تھے"۔ اور دوسری سورۂ حٰم السجدہ میں: لَا تَسۡجُدُوۡا لِلشَّمۡسِ وَلَا لِلۡقَمَرِ وَاسۡجُدُوۡا لِلّٰهِ الَّذِیۡ خَلَقَهُنَّ اِنۡ کُنۡتُمۡ اِیَّاهُ تَعۡبُدُوۡنَ ۝ (۴۱: ۳۷)، مگر ان دونوں موقعوں پر صرف ایک واقع الامر کا اظہار ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں یعنی لوگ سورج کے آگے ماتھا رگڑتے تھے یا یہ عبث فعل جو تم کرتے ہو نہ کیا کرو۔ آیۃ (۴۱: ۳۷) سے 'تَسۡجُدُوۡا' اور 'تَعۡبُدُوۡنَ' کا الفاظ میں الگ ہونا بھی ظاہر ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ "اگر تم فی الحقیقت خدا ہی کے غلام ہو (اِنۡ کُنۡتُمۡ اِیَّاهُ تَعۡبُدُوۡنَ) اگر اسی کے احکام کی تعمیل کر رہے ہو (اِیَّاهُ تَعۡبُدُوۡنَ) اگر اسی کے مطیع اور اُسی کے حلقہ بگوش بنے ہو (اِیَّاهُ تَعۡبُدُوۡنَ)، تو اس ظاہری سجدے کو بھی جو شمس و قمر کے آگے کرتے ہو، چھوڑ دو، کہ یہ بھی کیف عبودیت کے منافی ہے۔ یہ رسم بھی خدا ہی کے آگے ادا کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے"۔ گویا خدائے عزّوجل کے نزدیک ملازمت ایک آقا کی اختیار کرنا اور سلام سلام دوسرے کو کرنا ایک لایعنی سی بات ہے۔ اگرچہ ایک شخص کے ظاہرا سورج کو سجدہ کرنے اور در پردہ عابدِ خدا ہونے کے استثنائی امکان کو یہاں پیش ہی نہیں کیا گیا بلکہ اسکو اشارۃً تسلیم کیا گیا ہے۔

'رکوع' کا لفظ بھی جسکے معانی اصطلاحًا آج نماز میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھکر جھکنے کے ہیں، قرآن میں ان معنوں میں نہیں آیا۔ اس کا قرآنی مقصود بھی اطاعت اور تعمیل احکام الٰہی ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہے: اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوا الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَهُمۡ رٰکِعُوۡنَ ۝ (۵: ۵۵) یعنی "اے ایمان والو! تمہارا دوست اور مددگار تو خدا ہی ہے (جو تمہیں قوت افزا احکام دے رہا ہے) اور اسکا رسول (جو تمہیں راہِ رحمت پر لے جا رہا ہے)، اور باقی ایمان والے (جو عملًا ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں)، اور یہ وہ لوگ ہیں جو نماز پر قائم رہتے ہیں، اور قربانی مال کرتے ہیں، اور قانونِ خدا کے آگے عملًا سرِ تسلیم خم کرتے ہیں (وَهُمۡ رٰکِعُوۡنَ)"۔ یہ آخری الفاظ قافیئے کی ضرورت کے لیئے (معاذ اللّٰہ)

(وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ)† کہ ربّ العرش کی مقتدر حکومت دلوں کی زمینوں، عزائم کے رہگذروں، اور اعمال کی شاہراہوں پر یکسر قائم ہوگئی تھی! سب عمل اُسی کے لیے وقف تھے، سب جدّوجہد اُسی کی خاطر

† وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ کے یہی معانی ہیں کہ بیم و امید کا پیدا کیا ہوا سب عملی تعلق خدا سے قائم کرو۔ یعنی جس طرح کسی دنیاوی آقا سے غرضمندی اعتصام پیدا کر دیتی ہے اُسی طرح بلکہ اس سے زیادہ اس احکم الحاکمین سے اعتصام پیدا کرو۔ اسی کیف عبودیت کو متن کتاب میں "الحانی رنگ" کے الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۰۷) نہیں بڑھائے، اور نہ یہ ایک بیہودہ تکرار ہے جو "الصّلٰوۃ" کے بعد کر دی ہے اور جس میں رکوع لا محالہ شامل ہے بلکہ "رَاکِعُوْنَ" کے اصلی معنی بھی اطاعت احکام خدا ہی تھے یا کم از کم کلام الٰہی کی اصطلاح میں یہ تھے۔ "رکوع" بمعنی رکن نماز بعد میں لوگوں نے وضع کر لیا اور زبان زد عوام اس قدر ہوا کہ اصلی معانی مسخ ہو گئے۔ اب انسانی لُغت اُس حقیقت کو منکشف کرنے سے عاجز رہی جیسا کہ ہم نے صفحہ ۹۱-۹۲ کے تحت المتن میں دعویٰ کیا ہے یہی بات: وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ (۲: ۴۳) سے ظاہر ہے۔ یعنی "الصّلٰوۃ" پر قائم رہو اور "الزّکٰوۃ" کو دیا کرو، اور سب سے اہم یہ امر کہ قانون خدا کو تسلیم کرنے والوں کے ساتھ تم بھی سرِ تسلیم خم کر دو۔" سورۂ مرسلٰت میں ذرا زیادہ وضاحت کے ساتھ ہے: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ (۷۷: ۴۸-۴۹)۔ "اور یہ وہ لوگ تھے کہ جب ان کو کہا جاتا ہے کہ قانون خدا کے آگے جھک جاؤ تو اسکی تعمیل کرنے سے کتراتے ہیں۔ تو لوگو! اُس دن ان جھٹلانے والوں کے حال پر افسوس ہے۔" گویا "رکوع" (تسلیم) نہ کرنا تکذیب پیغامِ رسل ہے۔

اِن تمام آیاتِ الٰہی سے جو قرآن سے جستہ جستہ لے لی گئی ہیں، ثابت ہے کہ قرآن کی لُغت میں "رکوع" "سجود" "عبادت"، "تسبیح" وغیرہ وغیرہ اطاعت خدا کے قلبی تکیف کے مختلف مراحل اور مظاہر ہیں جسکا نتیجہ احکام الٰہی کی تعمیل ہی ہے، اس سے کمتر کچھ نہیں، کوئی شخص صرف نماز کی رکعتوں کو رسمًا ادا کرکے یا تسبیح کے منکوں کو پھیر کر "عبد" خدا نہیں بن سکتا، اگرچہ جو شخص فی الحقیقت اطاعت گذار ہے اُس کے لیے ان عبادات کو کیفیتِ دل اور رقت قلب کے ساتھ ادا کرنا اُسی طرح طبعی ہے جس طرح کہ ایک غلام کا آقا کی شبانہ روز خدمت کے ساتھ ساتھ سلام کرنا، یا اجیانًا اسکی حمد و ستائش کرنا بھی ایک لازمی فعل ہے۔ پس یہ احکام خدا کی شبانہ روز تعمیل کرنا ہی سچی عبادت ہے، اور اسی نقطۂ نظر سے کسی کی "عبادت" کرنا فی الحقیقت اُس کی ملازمت اور تعبّد اختیار کرنا ہی ہے۔ اسکے ماسوا کچھ نہیں، عبادت کے یہ معانی کلام الٰہی کے قریب قریب ہر ورق پر ثبت ہیں اور اصل کتاب میں اسکی بیسیوں مثالیں آگے چلکر ملینگی۔ سردست دو تین مثالیں اور پیش کر دی جاتی ہیں جنسے یہ حقیقت اور بھی عیاں ہو جاتی ہے۔ سورۂ انبیاء میں ہے:

وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۝ (۲۱: ۷۳)

اور لوگو! ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو لوگوں کا سردار اور پیشوا بنایا، وہ ان کی رہنمائی ہمارے قانون (بِاَمْرِنَا) سے کرتے رہے، اور ہم نے اُن کی طرف نیک اور مفید جماعتی کاموں (الْخَيْرٰتِ) کے کرنے کی وحی بھیجی، اُن کو حکم دیا کہ الصّلٰوۃ پر قائم رہیں، الزّکٰوۃ کو دیتے رہیں۔ اور وہ لوگ تو نماز گذار یا پابند زکوٰۃ ہی نہ تھے بلکہ جبتک رہے ہمارے اطاعت گذار بندے اور غلام بنے رہے (وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۝)۔ (باقی)

ع ۞ اکثر شارحین کلام الٰہی نے "وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ" کے الفاظ سے باجماعت نماز کا حکم مستنبط کیا ہے اور اس لحاظ سے رکوع کے معنی اسلامی نماز کے متعارف رکن کے لیے ہیں۔ نماز کے باجماعت ادا کرنیکے وجوب لزوم سے کسی شخص کو انکار نہیں ہو سکتا جیسا کہ آگے چلکر صفحہ ۲۰۸، ۲۱۱، ۲۲۵، پر واضح کر دیا جائیگا لیکن اِن الفاظ کو باجماعت نماز ادا کرنے کی سند گردانا حتمًا ناروا ہے کیونکہ "رکوع" کا لفظ رکن نماز کے معنوں میں قرآن میں کہیں نہیں آیا چنانچہ حضرت مریمؑ کے بارے میں یہ آیت اس امر کا قطعی فیصلہ کر دیتی ہے: يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ (۳: ۴۳)۔ یعنی اے مریم! تم اپنے پروردگار کی کامل حکمبرداری کرتی رہو، اسکے احکام کے آگے سر تسلیم خم کرو (وَاسْجُدِىْ) اور قانون خدا کو تسلیم کرنیوالوں کے ساتھ تم بھی کامل طور پر مطیع بنجاؤ۔" حضرت مریمؑ کو یہاں پر نماز باجماعت ادا کرنیکا حکم نہیں دیا گیا، اور نہ اسلامی رکوع یہودیوں یا عیسائیوں کا جزو نماز کبھی ہوا ہے۔ اسیطرح یہ عورتوں کے لیے نماز باجماعت ادا کرنا اسلام میں بھی فرض نہیں اگرچہ رسول خدا کی امامت میں مستورات کا مردوں کے پیچھے صف باندھکر نماز ادا کرنا مذکور ہے۔ اس آیۂ شریفہ سے بہر نوع ظاہر ہے کہ "قنوت" اور "سجود" اور "رکوع" سے مراد احکام خدا کی تعمیل، اور کیف اطاعت کا پیدا کرنا ہی ہے اسکے ماسوا کچھ نہیں۔

اور اسی کی راہ میں تھی، (وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهِ[۵۱]) سب طاعت و تسلیم اُسی کی گواہی کے لیئے تھی، (لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ[۵۲])، داعیِ اسلام کی جاذب القلوب صحبت اور حقیقت کشا شہادت (لِيَكُونَ

[۵۱] دیکھو (۲۲: ۷۷) صفحہ ۱۰۵ ۔ [۵۲] دیکھو (۲: ۱۴۳) صفحہ ۱۰۵ ۔

بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۰۸) یہاں پر پھر 'عبادت' اور الصَّلٰوۃ اور الزَّکٰوۃ کا لفظی تفرق ظاہر ہے۔ گویا 'عبادت' وہ شئی ہے جو نماز اور زکوۃ سے علیحدہ بلکہ بڑھکر ہے۔ اور یہ وہ عملی ملازمت، وہ امتثال امر، اور وہ شبانہ روز چاکری ہے جسکے لیئے کسی وقت یا ہیئت کی تعیین نہیں۔ ایک اور جگہ موسیٰ علیہ السلام کے مکالمے میں 'عبادت' اور 'الصَّلٰوۃ' کے فرق کو اور بھی نمایاں کردیا ہے: إِنَّنِي أَنَا اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِي ۝ (۲۰: ۱۴)۔ یعنی اُسے موسیٰ! اسمیں شک نہیں کہ میں ہی مالک زمین و آسمان ہوں، میرے سوا کوئی حاکم اعلیٰ نہیں، تو تم میری ہی عبادت اور ملازمت اختیار کرو، اور میری یاد، اور غائبانہ خوف دل میں رکھنے کے لیئے (لِذِكْرِي) 'الصَّلٰوۃ' پر قائم رہو یعنی احیاناً میرے حضور میں حاضر بھی ہوا کرو۔" گویا 'عبادت' ایک **غائبانہ تعمیل احکام** ہے اور 'الصَّلٰوۃ' اس غائبانہ خدمت کے جذبے کو محترک رکھنے کے لیئے بالمشافہ **سلام اور حاضری** ہے۔ لیکن سورۂ مومن میں 'عبادت' کا قرآنی مفہوم اِن سے بھی عیاں تر ہے:

ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ۝ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا عَالِينَ ۝ فَقَالُوا أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُونَ ۝ (۲۳: ۴۵ - ۴۷)

پھر ہم نے موسیٰ اور ہارونؑ اُنکے بھائی کو اپنے احکام (بِآيَاتِنَا) اور اُنکے منجانب اللہ ہونے کی روشن شہادت (سُلْطَانٍ مُّبِينٍ) اپنی طرف سے دیکر فرعون اور اُسکے حاشیہ نشینوں کی طرف بھیجا۔ وہ لوگ اُنکو دیکھکر اکڑ گئے، اور درحقیقت وہ تھے بھی سرکش اور مغرور لوگ جو شیخی میں آکر کہنے لگے کہ کیا ہم اِن اپنے جیسے دو آدمیوں کو اپنا رہنما مان لیں حالانکہ انکی حیثیت یہ ہے کہ انکی قوم ساری کی ساری ہماری غلام ہے (لَنَا عَابِدُونَ)، ہماری چاکری اور خدمتگذاری میں دن رات لگی ہے (لَنَا عَابِدُونَ)، ہمہ تن ہمارے زیر اثر ہے (لَنَا عَابِدُونَ)، ہماری محتاج اور دست نگر ہے (لَنَا عَابِدُونَ)، ہماری نظروں میں خوار و ذلیل ہے (لَنَا عَابِدُونَ)، ہمارے آگے ہاتھ جوڑتی اور پاؤں پڑتی ہے (لَنَا عَابِدُونَ)، ہمارے دست شفقت کی آرزومند ہے (لَنَا عَابِدُونَ)، ہماری دی ہوئی روٹیوں پر گذارہ کرتی ہے (لَنَا عَابِدُونَ)، وغیرہ وغیرہ۔

گویا از روئے قرآن 'عابد' وہ شخص ہے جسکی ہیئت کذائی بعینہ وہ ہو جو خروج سے پیشتر بنی اسرائیل کی فرعون کے ماتحت رہ کر تھی یا جو اکثر **مشرقی اقوام کی یورپ کے دست تسلط سے آجکل ہے**۔ بنی اسرائیل کے مظلوم فرعون کے محلات کی تعمیر کے ضمن میں ہزارہا من تھیر لدے ہوئے چھکڑوں میں ہانکے جاتے تھے، اُمرا کی لفٹ ریچی گاڑیاں میلوں تک ہانپ ہانپ کر کھینچتے تھے، اُن کی بیگمات کو پالکیوں میں اٹھا پھرتے تھے، اُن کے سروں پر چھتریاں لگائے دم بخود چلے جاتے تھے، اُن کی سواریوں کے ساتھ ساتھ دوڑتے تھے، پزاووں میں شبانہ روز خشت سازی اور جنگلوں میں گھسیٹ گھسیٹ کر ہانکا اُن کا آبائی پیشہ تھا، چمڑے کے گندھے ہوئے کوڑے اُن کے بدنوں کو لہولہان کر دیتے تھے، وہ اُن کی ضرب سے سڑکوں اور چوراہوں پر بے ہوش و حواس گر پڑتے لیکن بادشاہت کے رعب جلال کے آگے اُف تک نہ کر سکتے تھے۔ اُن کے چیتھڑوں سے پیوند کیئے ہوئے تہمد اور مسکنت کے سیاہ کیئے ہوئے بدن، فرعون کی **عبادت** اور طاغوت کی غلامی، تحکم شاہ اور تعبد گدا، تعلی بشر اور **قہر خدا** کی وہ عبرت انگیز شہادتیں تھیں جو ہر صاحب نظر کو کپکپا دیتی تھیں۔ نہ اس تعبد میں صدیوں کی عادت اور رواج کے باعث اسقدر محو و منہمک رہتے تھے کہ اس مغرور قوم کی خدمت میں دن رات لگے رہنا اُنکی نظروں میں عین سعادت تھا۔ فرعون مصر اُن کو بلا بلا کر کچھ اپنے آگے ماتھا نہیں رگڑواتا تھا[۵۳]، اور نہ منہ سے رسماً اپنے آپ کو خدا کہا کرتا تھا بلکہ یہی تعلق اور تعبد وہ جبری عبادت تھی جو ظاہری رسمی سجدوں اور زبانی دعووں سے بڑھکر تھی۔ اسی کے ضمن میں حسب موقع ماتھے بھی رگڑے جایا کرتے تھے۔ منتیں اور خوشامدیں بھی ہوا کرتی تھیں جبینیں فرش زمین بن جاتی تھیں، آرام کی پروا نہ رہتی تھی، جان کو جوکھوں میں ڈالکر آقاؤں کو خوش کیا جاتا تھا۔ یہی طرز عمل بعینہ آج ہر مشرقی قوم کا

[۵۳] لَنَا عَابِدُونَ کی جمع متکلم کی ضمیر سے بھی یہی ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل صرف فرعون کے عابد نہ تھے بلکہ تمام مصری قوم کی خدمت میں لگے رہتے تھے سجدہ کرنا مراد نہیں۔

الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ[۵۱]، نے عالمِ ارواح کے شاہدِ لم یزل[۵۲] پر سے نقاب اُلٹ کر، خدا اور بندوں کے درمیان آقائی اور غلامی، حاکمی اور محکومی، حُسن و عشق کے انداز پیدا کر دیئے تھے! (هُوَ مَوْلٰكُمْ)

---

[۵۱] دیکھو (۲۲: ۷۸) صفحہ ۱۰۵۔ [۵۲] ایضاً صفحہ ۱۰۵۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۰۹) شیوۂ عبادت ہے، اور جس فرد یا قوم کے طریقِ عمل میں خدائے زمین و آسمان کے بارے میں یہی شیوۂ عبادت اور یہی اندازِ عشق ظاہر ہو وہ "اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ" (۲۲: ۷۷) صفحہ ۱۰۵) کے الفاظ کا صحیح مصداق ہو سکتی ہے۔ عبادت کے اسی اندازِ عمل کو پیشِ نظر رکھکر اصل کتاب کی زیرِ بحث آیت (یعنی ۲۲: ۷۷) کے بعد "وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ" کے الفاظ آئے ہیں یعنی "اس ربّ زمین و آسمان کی خدمت اور اعلا میں وہ وہ کوششیں، وہ وہ حکم برداریاں، وہ وہ ایثار اور تکلیفیں اُٹھاؤ جو اتنے بڑے آقا کے شایانِ شان ہوں!" عبادت کا یہی مفہوم آیہ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ (۲۶: ۲۲) میں ہی جو صاحبِ نظر پر عیاں ہے۔

اب سوال صرف یہ رہجاتا ہے کہ اگر عبادت یہ ہے تو رکوع و سجود یعنی ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا (۲۲: ۷۷) کے الفاظ کا صحیح مفہوم کیا ہے۔ اسکی تشریح بھی بنی اسرائیل کی عبادت کی محوّلہ بالا تفصیل میں ضمناً ہو گئی ہے مگر ذرا زیادہ وضاحت پیشِ نظر ہے۔ غرضمندی اور احتیاج، شوقِ انعام اور خوفِ سزا ہی وہ چیزیں ہیں جو ہر عبادت کی محرکِ اوّل ہیں۔ انہی کے ہوتے اطاعت خود بخود پیدا ہو جاتی ہے، پھر اطاعت کے ساتھ ساتھ رکوع و سجود کا پیدا ہونا بھی لازمی امر ہے۔ جبتک کسی منعم کے انعام کی امید لگی ہے یا اسکی سزا کا خوف باقی ہو، اُسکے آگے جُھکتے رہنا، اُس کے پاؤں پڑنا، اسکی خوشامد اور اطاعت کرنا قطعی ہے۔ یہی رکوع و سجود کا سچّا کیف و حال ہے۔ اور اسی نقطۂ نظر سے رکوع و سجود اسلامی نماز کا جزوِ لاینفک بھی ہے۔ بیم و امید کا وجود عبادت یعنی تعلق اور ملازمت از خود پیدا کر دیتا ہے۔ اور اسی عبادت کا ایک ادنیٰ جُز رکوع و سجود ہے۔ لیکن نماز میں رسماً ہاتھ باندھ لینا یا گھٹنوں کے بل گر پڑنا نہ عبادت ہے نہ رکوع۔ جبتک خوف و رجا کا یہی تعلق اصالتاً موجود نہ ہو اور گردنیں رسماً نہیں بلکہ عملاً بلکہ جبراً خدا کے آگے جُھکیں۔ اسی کیف کو پیشِ نظر رکھکر سورۂ انبیا میں ہے: وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝ (۲۱: ۹۰) یعنی "وہ لوگ ہمیں بیم و رجا سے بلایا کرتے تھے اور اسی لیئے ہماری درگاہ میں عاجز بن کر آتے تھے۔" قرونِ اولیٰ کے عرب کی یہی کیفیتِ دل ہم نے اصل کتاب میں ظاہر کی ہے (دیکھو صفحہ ۱۰۴) اور یہی ایمان کا جزوِ لاینفک ہے جو يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے خطاب سے ظاہر ہے۔ کتاب کے عربی دیباچے میں ہم نے لفظ عبادت سے جا بجا اسکا یہی عملی مفہوم مراد لیا ہے۔

عبادتِ خدا کے صحیح معانی آج یہاں تک مسخ ہو چکے ہیں کہ دنیا کا کوئی ایک مذہب بھی اس کے اصلی یا خدائی مفہوم پر عمل کرتا ہوا نظر نہیں آتا۔ نہیں بلکہ جسقدر کوئی مذہب قدیم تر ہے اسیقدر اسکی عبادت ایک لفظی اور رسمی، بے نتیجہ اور بے معنی شے بن گئی ہے حتی کہ اسکی نماز کے بقیہ آثار بھی مرورِ مدت کے باعث قطعاً بے حقیقت اور مضحکہ خیز بن گئے ہیں۔ وحشی اقوام میں جنکے مذہبی محسوسات متمدن اقوام کے معتقدات باقیہ سے نسبتہً قدیم تر ہیں، نماز یا عبادت کا کوئی مستقل تخیل حتماً باقی نہیں رہا۔ افریقہ اور آسٹریلیا کی بعض وحشی قومیں بظاہر اس کُلیے سے مستثنیٰ نظر آتی ہیں مگر ان میں بھی نماز کا تخیل کسی مٹی کے بُت کے گرد اگرد ناچنے یا باآوازِ بلند نام پکارنے تک محدود ہے اگرچہ خدمتِ جن (عبادت) کے خیال سے قبروں کے اندر آگ جلانا اور پانی، میوے، اور ہتیاروں کے چڑھاوے چڑھانا بھی کہیں کہیں مروّج ہے۔ ہندوؤں میں عبادتِ خدا کسی دیوی کی مورتی پر پھول چڑھانے یا خوراک اور مال کی قربانیاں کرنیکے مترادف ہے۔ نماز کا تخیل اُنکے ہاں بگڑتے بگڑتے صرف اشنان کرنے، قشقہ لگانے، ماتھا ٹیکنے، ہاتھ جوڑنے اور مندروں کے اندر گھنٹے بجانے تک رہ گیا ہے۔ بُدھ مذہب جسکی عبادت اور صلوٰۃ کے تخیل میں آج کوئی ما بہ الامتیاز قائم نہیں رہا، اور جو خود کسی زمانے میں آریہ مت کی اصلاح کے لیئے آیا تھا، اسی انقلاب کا شکار ہو چکا ہے۔ اُسکی نماز آج صرف ایک چرخ کے گھمانے پر ختم ہے! جسقدر چکّر چرخ کو دیئے جاتے ہیں اُسیقدر زیادہ موثر یا بہتر نماز ہو جاتی ہے حتّیٰ کہ بڑے بڑے ہیکلوں میں اس چرخِ عظیم کو گھمانے کے لیئے آبی کلیں اور پن چکیاں استعمال ہوتی ہیں! خود عرب اور اہالیِ مکّہ کا قدیم

دِلوں میں ارادت کے اُسی کارگن جوش کی خوش آیند خلش، اور سینوں میں تعلّق کے اُسی غرضمند
شوق کی دل آویز لگن رہا کرتی تھی۔ مومنوں کے توجّہ طلب اور رشک آشنا قلوب میں، شاہدِ معنیٰ کی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۱۰) ابراہیمی مذہب خدائے ذوالجلال کی عملی عبودیّت اور اس کے احکام کی سرفروشانہ اطاعت سے ہٹتے ہٹتے اسقدر لغو اور بے معنی شئے بن گیا تھا کہ خانہ کعبہ کی نماز' صرف سیٹیاں اور تالیاں بجانا ہو گئی تھی۔ سورۂ انفال میں وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۚ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ (۸: ۳۵) کا اشارہ اسی لایعنی 'نماز' کی طرف ہے اور بصراحت تمام کہہ دیا ہے کہ نماز کی ابراہیمی کیفیت کو مسخ کر دینا 'کفر' اور ہلاکت کے مترادف تھا۔ یہود و نصاریٰ کے مذہبی حلقوں میں عبادت اور نماز اصالتاً اور عملاً ایک ہی شئے سمجھی جاتی ہیں، اور زیادہ تر گیت گانے، ارغنون بجانے، یا صدرِ حدوعظ سننے اور تسبیح پھیرنے' یا توراۃ و انجیل کے ترجموں کی رواں تلاوت کرنے پر مشتمل ہیں۔ اگرچہ عبادت' یعنی خدمتِ خدا کا اظہار ہیکلوں اور کلیساؤں میں خوشبودار چیزیں جلا جلا کر، شمعوں کو قربانگاہ کے گرداگرد روشن کرکے، یا اسقفوں کی مقرر کردہ رسوم کو بصحت تمام ادا کرکے کر دیا جاتا ہے۔ اسلام کے اندر اگرچہ نماز کی ظاہری شکل و صورت میں اسکے جدید ترین مذہب ہونے کے باعث (فرقہ بند لوگوں کے جزوی اختلاف سے قطع نظر) قابلِ ذکر تبدیلی پیدا نہیں ہوئی مگر اسکے مقاصد و اغراض اسقدر نسیاً منسیاً ہو چکے ہیں کہ 'الصَّلٰوۃ' اب صرف ایک رسمی اُٹھک بیٹھک کا نام رہ گیا ہے جو ہر نماز گذار نہایت صحت اور التزام سے ادا کر دیتا ہے اور اسی کو 'خدمتِ خدا' کا جزوِ اعظم شمار کرتا ہے۔ گویا جہاں خدمتِ نفس اور عبادتِ حکام، تعلّق اولاد اور تعبّدِ مال و جاہ میں دن رات ایک کر دیئے جاتے ہیں وہاں خدمتِ خدا کے لیئے یہی دو ایک سجدے کر دینا 'کارِ عظیم' اور 'بارِ گراں' بن چکا ہے۔ بیم و رجا کا تکیف دلوں سے محو ہو کر خدا پر احسان و امتنان کی صورت پیدا کر گیا ہے۔ ارضی حاکموں اور نفسانی بتوں کی عملی عبادت درگاہِ خدا میں خشوع کو حتماً بیدخل کر چکی ہے، اور اسی لیئے یہ پنجوقتہ بیگار طبعاً بُری معلوم ہو رہی ہے۔ لیکن جب خوف کے مستحق، اور رجا کے سزاوار ارضی خدا' بن چکے ہوں تو ربّ زمین و آسمان سے استعانت کی ضرورت کیوں باقی رہے اور سچّا خشوع و خضوع کیونکر پیدا ہو! سورۂ بقرہ میں ہے:

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ۝ (۲: ۴۵)

اور لوگو! اپنی مشکلات اور مصائب کا مقابلہ کرنے کے لیئے استقلال سے طلبِ اعانت کیا کرو اور ساتھ ساتھ نماز میں کھڑے ہو کر خدا کے حضور میں بھی گڑگڑاؤ کہ اصلی حلّال مشکلات اور مسبب الاسباب وہی ہے اور یہ نماز تو ان لوگوں کے سوا جن کا تمام تعلق ہم سے وابستہ ہو چکا ہے (الْخَاشِعِينَ)، جن کا سب بیم و رجا ہم ہی سے ہے (الْخَاشِعِينَ' دیکھو آیہ (۲: ۹۰) جو اوپر گذر چکی ہے) جو ہم ہی کو منعم اور ہم ہی کو مذل قرار دیتے ہیں اور اسی لیئے ہمارے ہی آگے عاجزیاں کرتے ہیں (الْخَاشِعِينَ)، باقی سب کے نزدیک ایک بیگار ہی بیگار ہے!

اسلامی مذہبی حلقوں میں 'نماز' اب صرف الفاظ کو صحت اور خوش الحانی سے دُہرانے کا نام رہ گیا ہے، مطالب سے کوئی غرض یا بحث باقی نہیں رہی، پیش امام کی ساری توجہ اسی میں ہے کہ قرأت درست ہو، صفیں سیدھی ہوں، ارکان صحیح طور پر ادا ہوں، قرآن کا کوئی ٹکڑا حسبِ حال یا ناحسبِ حال ہر قومے میں چلا دیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ مقتدی کا اکثر اہتمام بھی انہی سطحی باتوں میں صرف ہوتا ہے۔ اسی لیئے نماز کے ادا کرنے میں ایک تکلف اور آورد پیدا ہو گئی ہے جو اسکی اصلی غایت بلکہ صورت کو بھی آہستہ آہستہ مسخ کر رہی ہے۔ اور کچھ عجب نہیں کہ آیندہ ہزار دو ہزار برس بلکہ اس سے بھی کم مدت میں اسلامی نماز اہلِ چین کے چرخ کی مانند مضحکہ انگیز بنجائے۔ اور جس طرح آج کسی سے قرآن اور درود پڑھوا کر یا بالوساطت روزہ رکھوا کر ثواب حاصل کرنا مرسوم ہو گیا ہے اسی طرح رفتہ رفتہ نماز کو ادا کرنے والے پیشہ ور اصحاب بھی مقرر ہو جائیں جو اجرت کے خیال سے اسکو کسی منجنیقی ترکیب سے جلد جلد ادا کرنے کی کوئی آسان سبیل نکال لیں۔ اب بھی موسیقی عنصر اور تطریبی اسلوب نماز میں اسقدر نمایاں ہو چکا ہے کہ جہاں کسی ادنیٰ سے ادنیٰ دنیاوی حاکم کے روبرو جا کر دم خشک ہو جاتا ہے، ملاقات سے پہلے ہونٹوں پر پپڑیاں جم جاتی ہیں، بدن میں کپکپیاں اور چہروں پر زردی چھا جاتی ہے، اور فرطِ رعب کے مارے مُنہ سے الفاظ تک نہیں نکلتے، وہاں مالکِ زمین و آسمان

نگاہوں کی غلط اندازیاں ، اور لب جاں بخش کے تبسّم کی غیر نوازیاں خلجان عظیم پیدا کر دیتی تھیں!
وہ خدا کی دامن درازی کے بالمقابل اپنے دست نارسا کو دیکھکر اور بھی سعی و عمل کرتے اور انتخابِ خدا کا

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۱۱) اور خالق شمس و قمر کے حضور میں جاکر ترنّم پیدا ہو جاتا ہے ! پروا تک نہیں رہتی کہ کس کی جناب میں کھڑے ہیں ، کیا مانگ رہے ہیں . کیوں مانگ رہے ہیں ، کیوں گھٹنوں کے بل گر رہے ہیں ، کیوں سجدے کر رہے ہیں ، کیوں ٹھوڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ پیش امام کا سارا زور اسمیں صرف ہوتا ہے کہ نماز بلند سے بلند آواز میں ادا ہو ، مقتدی سب کے سب اس کے ترنّم کو سُن سکیں اور مسجد سے بے اختیار واہ واہ کرتے نکل جائیں۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ایک الٰہی ارشاد ہی جو بجائے خود اس امر کی دلیل ہی کہ آجکل کی ترنّم والی نماز قرونِ اولیٰ کی نماز نہیں ہی

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْـهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ٥ (۱۷ : ۱۱۰)

اے محمدؐ ! اِن مجاز بینوں کو کہہ دو کہ خدا کو 'اللہ' کہہ کر گڑ گڑاؤ یا 'رحمٰن' کہکر بلبلا اٹھو جس نام سے بھی پکارو گے تو اُسکے سب نام اچھے ہی ہیں (مقصود صرف تکیف دل ہے ، باطنی خوف ہی ، اسکی جناب میں سچی عاجزی ہے ، دل کو ہلا دینے والا خشوع و خضوع ہے ، اور پھر اس خشوع و خضوع کے بعد باقی اوقات میں کیفِ طاعت ہی)۔ اسکے لیئے نام کی کوئی تخصیص نہیں اور نہ نام لے کر پکارنے سے تمہارے حالِ دل کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ ہاں البتہ اپنی نماز میں اتنا ظاہری ادب ضرور ملحوظ رکھو کہ اسکو چلّا چلّا کر مت پڑھو اور بالکل چپکے ہو کر پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ ان دونوں کے بیچ بیچ ایک متوسّط طریقہ اختیار کر لو (جانے رہو کہ تم کس کے حضور میں کھڑے ہو ، اور وہ کتنا بڑا بادشاہ ہے۔ یہ ظاہری ادب بھی کیفِ دل پیدا کرنیکے لیئے ازبس ضروری ہے۔ اگرچہ خدا سب باتوں سے بے نیاز ہے)

نماز کے موجودہ رنگ سے صرف نظر کر کے پھر اگر دوسری مرسوم عبادات کی کُنہ و ماہیت کیطرف نظر دوڑائی جائے تو لامحالہ کہنا پڑتا ہی کہ انکی غرض و غایت میں بھی مرورِ مدّت کے باعث بے انتہا تصرّف ہو چکا ہے۔ صوم ، زکوٰۃ ، حج وغیرہ وغیرہ سب کے سب معناً بدل چکے ہیں۔ تسبیح کا تخیّل مسلمانوں نے قطعًا نصرانیوں اور یہودی راہبوں سے لیا ہے۔ اگرچہ تسبیح ہندوؤں اور بُدھ کے معتقدوں میں بھی مدّت مدید سے جاری ہے۔ صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی تمام عمر میں تسبیح کا استعمال کُلّیۃً نہیں کیا ، اور اگرچہ عبادت خدا کا یہ مضحکہ انگیز ہتھیار آپنے ضرور کہیں نہ کہیں دیکھا ہوگا مگر اسکے استعمال کے متعلق آپکے ارشاد کا ایک حرف کہیں موجود نہیں۔ اُسوۂ حسنہ پر چلنے والے مسلمانوں نے آج زہد و اتقا کا تمام ساز و سامان اسی چار گرہ دھاگے کے اندر دیکھ لیا ہی ، اور اس خدائے عظیم کے کپکپا دینے والے اسما کو اِدھر اُدھر کر کے بے نتیجہ اور بے اثر کر دینا اِس قدر آسان سمجھ لیا ہے کہ ہر کس و ناکس اسکو ہاتھ میں رکھکر مسلمان ہونے کی سند حاصل کر لیتا ہے اگرچہ در پردہ وہ قوم کی بیخ کنی کے منصوبے سوچ سوچ کر اُمّت کو تباہی کے کنارے پر لگا رہا ہو۔ مگر یہ نازک موضوع اس قابل نہیں کہ کتاب کے ابتدائی حصے میں اسکے مالہٗ و ما علیہ پر مدلّل بحث کی جا سکے۔

محوّلہ بالا بحث و تمحیص سے کم از کم یہ ظاہر ہے کہ اسلام میں عبادت کے معانی احکام خدا کی پیہم تعمیل کرنا ہی ہے کوئی انسان کی بنائی ہوئی لغت اِسکے صحیح مفہوم کو حتماً ادا نہیں کر سکتی۔ اور جسطرح کسی آقا کی ملازمت میں وقت کی تخصیص نہیں ہوتی اسیطرح عبادت بھی وقت سے حتماً بے نیاز ہی۔ 'الصلوٰۃ' صرف ایک پنجوقتہ حاضری اور سلام سلام ہے جو ہر وفادار اور حکمبردار ، مُسلم اور مطیع غلام کے لیئے روزانہ خدمت کے بعد ضروری ہی لیکن بجائے خود عبادت نہیں۔ اسی لیئے قرآن میں بارہا 'صلوٰۃ' کے لفظ کو عبادت سے علیحدہ کر دکھایا ہے۔ اور اسی تعبّد کا اقرار نماز میں ہاتھ باندھکر ہوتا ہی : اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ٥ (۱ : ۴) یعنی "اے خدا ! ہم تیرے ہی غلام بنیں گے اور تجھ ہی سے مشکلات میں مدد مانگیں گے" ورنہ 'نعبد' کے معانی "ہم تیری ہی نماز پڑھتے ہیں" لے لینا بے معنی ہے کیونکہ نماز تو اسی کی پڑھی جا رہی ہے پھر اسکا اقرار لغو ہے۔ خدا کی 'خدمت' صرف یہی ہے کہ اسکے بتائے ہوئے احکام عملاً مانے جائیں۔ اس سے زیادہ یا کم کچھ نہیں۔ آگے چلکر اصل کتاب میں بتایا جائیگا کہ یہ فرماں برداری بھی انسان کے اپنے ہی نفع کے لیئے ہے ، خدا اس خدمت سے قطعاً بے نیاز ہے۔ گویا یہ خدمت بھی عجب خدمت ہی جو غلام کی اپنی ہی بہتری کے لیئے ہے۔

(باقی)

حق ادا کرنے میں کچھ کسر اُٹھا نہ رکھتے (ھُوَ اجْتَبٰکُمْ [۹۱]) تسلیم اُن کا واحد شیوۂ عمل، اور اطاعت اُن کا اہم طریقِ کار تھا، (ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ [۹۲])، بڑی سے بڑی مصیبت، اور مشکل سے مشکل خدمت اُن کے چہروں پر ملال اور ماتھوں پر بل نہ آنے دیتی (وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ [۹۳])۔ منعم بے مثال کے یہ خوشدل مزدور، اور ملّتِ ابراہیم کے یہ سچے پیرو، اپنی بہتری اور فلاح کی خاطر پسندیدۂ خدا کاموں کیطرف لپک لپک کر پہنچتے اور ایک عالم کو محو و سرشار کر دیتے (وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ [۹۴])۔ خدائے بے نیاز کی جناب میں اُنکے رکوع و سجود کسی غمزدہ اور بے نوا انسان کی نگاہ عاطفت کی پیہم دُعا، اور بے محابا کرم کے سوال بن بن کر ظاہر ہوتے تھے، نمازوں اور دعاؤں میں اُنکے قومے اور قعدے ہولِ جاہ اور رعبِ جلال کی مضطربانہ حرکات، اور عجز و بےبسی کے ترحم انگیز اور اضطراری اعمال بن گئے تھے! بارگاہ خدا میں اُنکا دست

---

[۹۱] دیکھو (۲۲ : ۷۸) صفحہ ۱۰۵۔ [۹۲] ایضاً صفحہ ۱۰۵۔ [۹۳] ایضاً صفحہ ۱۰۵۔ [۹۴] دیکھو (۲۲ : ۷۷) صفحہ ۱۰۵۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۱۱۲) عبادت کا یہ اصلی اور نتیجہ خیز مفہوم سنسکرت کے مشہور لفظ سیوا (خدمت) اور انگریزی کی کلیسائی اصطلاح سروس (ملازمت) سے ظاہر ہے گرچہ آج کوئی شخص انکو ان معانی میں نہیں لیتا۔

مذکرہ صدر بحث و تحصیص سے بہر نوع یہ ظاہر ہے کہ ارْکَعُوْا، اور اسْجُدُوْا، اور اعْبُدُوْا، کے الفاظ قرآن حکیم میں اپنے اصلی معانی استعمال ہوئے ہیں، ان سے مقصود خدا کی ملازمت بعینہٖ اُنہی معنوں میں اختیار کرنا ہے جن معنوں میں کسی دنیاوی حاکم کا تعبّد اختیار کیا جاتا ہے، رسمی سلام سلام اور پنجوقتہ نماز اُس ملازمت کا صرف ایک جزو خفیف ہی، اس چاکری کا حصہ عظمیٰ عمل ہی، اطاعتِ احکامِ خدا ہے، تسلیم و انقیاد ہے، جَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ہے۔ اسکے سوا اُسکا کچھ نہیں۔ جو سطحی غلاف عبادت کے صحیح مفہوم پر انسان کی سہل پسندی اور کامچوری کے باعث پڑگیا ہے خود لوگوں نے ڈالا ہے، قرآن کے محفوظ اور نا قابلِ بدل کلام کو اُس سے کچھ واسطہ نہیں، عبادت کے معانی خود کلام کے اندر موجود مضمون میں کوئی لغت انکو ابدالآباد تک بدل نہیں سکتی، قرآن میں جہاں عبادت کا لفظ واقع ہوا ہے اسکی اُلٰہی غرض و غایت یہی ہے جیسا کہ آئندہ اوراق میں ظاہر ہوگا۔

[۹۳] اگرچہ شارحین قرآن نے عام طور پر اس غور طلب فقرے کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ "خدا نے مسلمانوں پر دین کے بارے میں کوئی تنگی روا نہیں رکھی" اور اپنے حسب مطلب معانی پیدا کرکے مسلمانوں کیلئے (اور سب سے پہلے اپنے نفس کیلئے) سعی و عمل سے گریز کرنیکی ایک عمدہ سبیل نکال لی ہو لیکن اگر ذرا تأمل سے کام لیا جائے تو ان الفاظ کے یہ معانی ہرگز نہیں ہو سکتے۔ خود انہی آیات (یعنی ۲۲ : ۷۷۔۷۸) اور اُنسے جو آگے چلکر پیش کر دیجائینگی ظاہر ہے کہ ایمان کی شرط خدا کی راہ میں سخت سے سخت مصائب کا سامنا کرنا ہی ہے یہی بات وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ (۲۲ : ۷۸) سے ظاہر ہے۔ پھر خدا کیونکر کہہ سکتا ہے کہ تمہارے لئے دین اسلام میں ہم نے کوئی ذرا سی تنگی بھی نہیں رکھی حالانکہ ایمان کی شرط وحید یہ ہے کہ اُسکی راہ میں جان تک سے دریغ نہ کرو۔ دراصل تمام خطاب اُن اہل عرب کیطرف ہے جو رسول اللہ کے زمانے میں اپنی انتہائی سعی و عمل سے "شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ" بن چکے تھے، اور انہی کارکن لوگوں کی بابت خدا نے فرمایا ہے کہ تم ہی صحیح معنوں میں مُسلم ہو، تم ہی خدا کو درحقیقت خدا تسلیم کرتے ہو، تم ہی ابراہیم کے سچے پیرو ہو، تم ہی میری منتخب اُمت ہو، اور تم ہی خدا کے وہ سچے غلام ہو کہ خدا کا مشکل سے مشکل اور صبر آزما سے صبر آزما حکم تم کو تنگ نہیں کرتا، تم ہی وہ مستقل مزاج اور تکلیف بردار، وہ اولوالعزم اور صابر لوگ ہو کہ خدا کی کوئی خدمت بھی تمہارے ماتھوں پر شکن نہیں پڑنے دیتی! عَلَیْکُمْ پر اور ان آیات میں جہاں جہاں لفظ کُمْ ہے ان سب پر زور ہے۔ روئے خطاب صرف قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کیطرف ہے یا اُن کیطرف جو اُن جیسے کارکن ہیں۔ اُنہی کے لئے خدا نِعْمَ الْمَوْلٰی اور نِعْمَ النَّصِیْرُ بھی ہے نہ آجکل کے برائے نام مسلمانوں کا جن کو دردناک سزائیں دے رہا ہے!

قیام کسی نیازمند دل کے طبعی اضطراب کی سکوت افزا دھڑک، اور غرضمند انسان کی بے تابی دل کی ادب آموز دبک بن بن کر ظاہر ہوتا تھا (یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا[۵۱])۔ اُن کا ایمان اُنکے **اعمال** کا صحیح عکس، اور اُن کے سجدے اُنکی **اطاعت** کی صحیح تصویر تھے! خداوندِ عالم کی یہی وہ سچی عبادت اور وہ ناقابلِ انکار شہادت تھی جسنے ایک اقل قلیل مدت میں اہلِ عرب کو روئے زمین کی اُمتوں کا مرکز بنا دیا تھا! (۲: ۱۴۳[۵۲])۔ عشق و عمل کے اِسی نقطۂ وحید سے خدائے واحد کی محبت کے آتش افشاں فوارے، اور نور ایمان کے آسمان سیر شعلے پھوٹ پھوٹ کر اکناف عالم میں پھیل گئے تھے! یہی وہ برگزیدہ اور منتخب اُمت تھی جسکے دعوئے محبت کو آزمانیکے لیے شاہد امتحان طلب[۵۳] نے قوم کے ہر فرد پر **جہاد بالسیف** فرض کرکے مُدعیٔ ایمان کی جان کو عشقِ خدا کے بیباکانہ جُرم کا خونبہا تجویز کیا تھا، اور پھر وہ اس نعم المولےٰ اور مُنعم لم یزل کی حیرت انگیز حیلہ جوئی اور حکمت آمیز بہانہ طلبی تھی جو اس سرفروشانہ تہور کے انعام میں مومنوں کو ہر موقع پر عطا فرما کر چند برسوں کے اندر ہی اندر روئے زمین کے بڑے سے بڑے حصے کی بادشاہت بخش دی تھی! (فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ[۵۴])

بہ تمنائے تو ترکِ دو جہاں کردولی

مہربانیٔ تو ہم درخورِ آں می بایست

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا[۹۰] لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ ۝ (۸: ۷۴)

---

[۵۱] دیکھو (۲۲: ۷۷) صفحہ ۱۰۵ [۵۲] دیکھو صفحہ ۱۰۵۔ [۵۳] دیکھو (۲۲: ۷۸) صفحہ ۱۰۵۔

[۹۰] "اَلْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا" کی شرائط جو اس آیۂ شریفہ میں بیان کی گئی ہیں نہایت غور طلب ہیں۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے مُعابعد ہجرت اور جہاد اور نصرت باہمی کی شرائط پیش کر دینے کا مطلب یہی ہے کہ ایمان کا مُنہ سے اقرار کر لینا محض کچھ شے نہیں جبتک کہ اُس بانی اقرار کی تصدیق عمل سے نہ ہو۔ چنانچہ سورۂ عنکبوت کے شروع میں یہی توکید ہے (بلکہ یہی بات آیہ (۴۹: ۱۵) سے ظاہر ہے جو صفحہ ۱۱۵ کے متن میں ہے):

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ ۝ (۲۹: ۲-۳)

کیا لوگوں نے اپنے دل میں یہ سمجھ رکھا ہے کہ زبان سے صرف اتنا کہنے پر چھوٹ جائینگے کہ ایمان لے آئے اور اُن کا امتحان نہ لیا جائیگا۔ حالانکہ اُنکو اِس بات کا خوب علم ہے کہ ہم نے اُن لوگوں کی آزمایش بھی از روئے عمل کی تھی جو اِن سے پہلے ہو گذرے ہیں۔ تو یاد رکھو کہ خدا ان لوگوں کو ضرور معلوم کرکے رہیگا جو اپنے یقین کی بذریعہ عمل تصدیق کرنے والے ہیں (اَلَّذِیْنَ صَدَقُوْا) اور اُن کا بھی پول کھول دیگا جو منہ سے بکواس کرتے ہیں اور دل سے جھٹلاتے ہیں (اَلْکٰذِبِیْنَ)۔ صَدَقُوْا کیلئے دیکھو ص ۱۱۷

اور جن لوگوں نے خدا کو مولا مان کر اسکا آوازہ بلند کرنے کی خاطر ہجرت وطن اختیار کی، اور اُس کی راہ میں دشمنوں سے لڑے، اور جنہوں نے ہجرت کرنے والوں کو پناہ دی، اور حصول مقصد میں اُن کی حتی الامکان مدد کی، تو یہی لوگ سچے ایمان والے ہیں! ان کے لیے میرے ہاں سے انکی تقصیروں اور گذشتہ واماندگیوں پر پردہ پوشی ہے، اور علاوہ ازیں بالآخر عزت و آبرو کی روزی۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝ (۴۹: ۱۵)

سچے ایمان والے تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے خدا کو فی الحقیقت اپنا آقا سمجھا (اٰمَنُوا بِاللهِ)، اور رسول کو صدق دل سے اُسکا بھیجا ہوا پیغام بر جانا، اور پھر اسکے بعد خدا کی آقائی اور رسول کی صداقت میں کسی طرح کا شک و شبہ نہ کیا۔ اور اس قلبی ایمان کی تائید میں اپنے جان و مال سے خدا کا بول بالا کرنے کی خاطر دشمنوں سے لڑے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے یقین کی بذریعہ عمل تصدیق کرنے والے، اور اپنے ایمان کو سچ کر دکھانے والے ہیں۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِندَ اللَّهِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُم بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ* لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ۝ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ (۹: ۲۰-۲۲)

---

* 'جنّٰت' کا ترجمہ ہم نے باغات اور سرسبز زمینیں کر دیا ہے۔ یہاں اس بحث کو طول دینا مناسب نہیں۔ قرآن حکیم میں 'جنّٰت' اور 'الجنّۃ' دو مختلف اصطلاحیں ہیں جنکا مفہوم بھی لامحالہ مختلف ہونا چاہیئے۔ 'جنّٰت' اور 'الجنّۃ' میں فرق، اور اوّل الذکر کا قرآنی مفہوم تیسری مجلد میں عیاں کر دیا جائیگا۔ اگرچہ 'الجنّۃ' کی حقیقت پر بحث چھٹی مجلد سے پہلے مکمل نہ ہو سکے گی۔ یہاں صرف اسقدر لکھ دینا کافی ہے کہ قرآن کریم میں 'جنّٰت' کا لفظ کئی موقعوں پر بصراحت تمام زمینی باغات کے لیے استعمال ہوا ہے۔ مثلاً سورہ رعد میں ہے: وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ وَجَنَّاتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَزَرْعٌ وَنَخِيلٌ (۱۳: ۴)۔ "اور زمین میں پاس پاس کئی قطعے ہوتے ہیں اور انگور کے باغات اور کھیتی اور کھجور کے درخت"۔ سورہ قٓ میں ہے: وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا فَأَنبَتْنَا بِهِ جَنَّاتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ (۵۰: ۹)۔ "اور ہم نے ہی آسمان سے برکت دینے والا مینہ اتارا پھر اُسکے ذریعے سے باغ اگائے اور کھیتی کا اناج"۔ سورہ مومنون میں پھر اسی بار مبارک کے بارے میں ہے: فَأَنشَأْنَا لَكُم بِهِ جَنَّاتٍ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ (۲۳: ۱۹) یعنی "ہم نے اس پانی کے ذریعے سے تمہارے لیئے کھجور اور انگور کے باغ اگائے"۔ سورہ یٰسٓ میں علیٰ ہذا القیاس یہی مضمون ہے: وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ (۳۶: ۳۴)۔ "اور ہم نے اس زمین میں کھجور اور انگور کے باغات پیدا کیئے اور اُس میں پانی کے چشمے بہائے"۔ سورہ انعام میں ہے: وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ (۶: ۱۴۲)۔ "اور وہی قادر مطلق تو ہے جس نے باغ پیدا کیئے۔ جن میں سے بعض کی بیلیں منڈھے چڑھتی ہیں اور بعض سطح زمین پر رینگتی رہتی ہیں اور کھجور کے درخت اور کھیتی"۔ اسی سورہ میں ہے: وَجَنَّاتٍ مِّنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ (۶: ۱۰۰)۔ "اور انگور اور زیتون اور انار کے باغات"۔ ان مثالوں کے علاوہ جن سے 'جنّٰت' کا زمینی باغات ہونا اظہر من الشمس ہے قرآن میں ایک اور قطع کی مثالیں موجود ہیں جلیے جنّٰت کا

جو لوگ خدا کے خدا ہونے پر ایمان لے آئے، اور جنہوں نے اللہ کی حمایت میں اپنے دیس چھوڑے اور اپنے مال و جان سے اسکی لڑائیاں لڑیں، اُن کا اللہ کے ہاں سب سے بڑا درجہ ہے! اور یہی وہ لوگ ہیں جو اس دنیا میں بھی فائز المرام ہوں گے۔ انکا پروردگار انہیں اپنی رحمت اور خوشنودی کی بشارت دیتا ہے اور نیز اُن باغوں (جنّت) اور سرسبز سینوں کی حکومت کی جن میں اُنکو دائمی نعمتیں اور آسائشیں حاصل ہونگی۔ وہ اُنہیں سدا سدا رہیں گے۔ اے لوگو! بیشک ایسے لوگوں کیلئے خدا کے پاس اجر عظیم ہے۔

الغرض آلہ العالمین کی نگاہ میں ایمان اور محبت خدا کا صحیح معیار انسان کا اُسکی راہ میں مصائب کا پیہم مقابلہ کرنا، اور دشمن کے بالمقابل جان و مال پر کھیل جانا ہی تھا۔ ترک اقربا، ترک اولاد، ترک خان و مان، ترک وطن، ایثار مال، ایثار نفس، ایثار جان ہی وہ انتہائی پیشکش تھے جو ربّ بے نیاز نے ایمان کی متاع بے بہا کے بدلے بطور قیمت مقرر کر دیئے تھے، (اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا[ﷺ])۔ انہی کی موجودگی میں محبت خدا

---

۵ دیکھو (۸ : ۴ ۷) صفحہ ۱۱۴۔

(بقیہ بحث لمتن صفحہ ۱۱۵) مطلب بادشاہت زمین ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً سورۃ الشعراء میں فرعون کو بادشاہت مصر سے محروم کرنیکے متعلق ہے: فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۙ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۙ كَذٰلِكَ ۭ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ؀(۲۶ : ۵۷ - ۵۹) یعنی پھر ہم نے فرعون کی قوم کو باغوں اور چشموں اور خزانوں اور عزت کی جگہ سے نکال باہر کیا، اُن کی عظمت یوں خاک میں ملادی اور بالآخر بنی اسرائیل کو ان نعمتہائے الٰہی کا وارث بنایا" سورۂ دخان میں پھر انہی فرعونیوں کی بابت ہے: كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۙ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۙ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۙ كَذٰلِكَ ۣ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ؀(۴۴ : ۲۵ - ۲۸) یعنی ان لوگوں کو کتنے ہی عالیشان باغات اور نہریں اور کھیتیاں اور عمدہ مقامات چھوڑنے پڑے، اور کیسی کیسی آرام دہ نعمتوں کو خیرباد کہنا پڑا جن میں مزے اُڑایا کرتے تھے۔ ہاں ان نااہلوں کی سزا یہی ہونی تھی۔ اور ہم نے یہ بدلہ لیا کہ اس تمام ساز و سامان کا دوسروں کو وارث بنا دیا" سورۂ شعراء میں موت و شکست کو دعوت دینے والی قوم ثمود کے بارے میں ہے: اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ۙ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۙ (۲۶ : ۱۴۷ - ۱۴۸)۔ "تو کیا تم لوگ اس زعم باطل میں ہو کہ ان باغات اور نہروں میں بے روک ٹوک اور امن و امان سے چھوڑ دیئے جاؤ گے" اسی سورۃ میں قوم عاد کی طرف خطاب ہے: وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ۚ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ۚ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۚ (۲۶ : ۱۳۲ - ۱۳۴) "اور لوگو! اس احکم الحاکمین کی سزا سے بچو اور اس سے خوف کھاؤ جسنے تمہاری مدد ان چیزوں سے کی جو تم کو خوب معلوم ہیں۔ تم کو مال مویشی اور اولاد کی کثرت سے مدد دی، باغوں اور نہروں کا تم کو حکمران کیا وغیرہ وغیرہ"

تعجب ہے کہ ان حیرت انگیز شہادتوں کے باوجود شارحین قرآن اور عام مسلمانوں نے جنّت کے معانی آخرت کے جنّت کے لیئے ہیں اور بادشاہت زمین کے نصب العین کو جو اسلام اس دنیا پر لایا تھا آنکھوں سے یکسر اُچک لیا ہو مگر مسلمانوں کی نیّت بدل جانیسے کلام الٰہی کے معانی نہیں بدل سکتے، وہ وہی ہیں جو قادر مطلق کے علم میں اُس وقت تھے جس وقت قرآن حکیم وحی کیا گیا تھا، امت کے اتفاق اور مفسرین کے اجماع کا اُنپر ہرگز کچھ اثر نہیں! اگرچہ بحث جستہ جستہ کتاب کے متن میں آگے چلکر آئے گی۔ آیاتِ زیر بحث (یعنی (۹ : ۲۰ - ۲۲) صفحہ ۱۱۵) میں خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا کے الفاظ بظاہر جنّت کے ان معانی کے مخالف نظر آتے ہیں مگر جب مومن کی دنیا اور دین دونوں درست ہیں (جیسا کہ آگے چلکر واضح ہوگا) اور اُخروی انعام دنیاوی نعمتوں کے تسلسل ہی میں ہے تو خٰلِدِيْنَ اور اَبَدًا کے الفاظ نہ صرف موافق بلکہ نہایت موزوں ہیں ورنہ مطالب کے مبہم ہو جانیکا امکان ہے۔

کی وہ عملی تثبیت، یقینِ ربّ کا وہ عملی ثبوت، اور عبودیّت کی وہ ناقابلِ انکار تصدیق ہوتی تھی جس سے بڑھکر کم نوا اور فرومایہ انسان کے پاس کوئی تصدیق نہیں، کوئی ثبوت ممکن نہیں: (اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ)[†]۔ یہی وہ قربانیاں تھیں جو اس حاکمِ اعلیٰ کی ملازمت میں کر دینا سچی ارادت، سچے تعبّد اور سچے ایمان کی قطعی دلیل تھا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (۲: ۱۶۵)[۵] یہی عبادت کا صحیح مفہوم، بلکہ رکوع و سجود کی صحیح منطق تھی۔ خدا کی بندگی یہی تھی کہ کسی کمتر اور کہتر خواجہ کی غلامی نہ ہو، اُسکی محبت کے بالمقابل کسی شئے کو ترجیح نہ ہو، وطن کا غم نہ ہو، اولاد کی عبادت نہ ہو، مال کی غلامی نہ ہو، نفس کا تعبّد اور جان کی پروا نہ ہو، نمازیں سچی شانِ اطاعت، اور اعمال میں رنگِ سجود کا ظہور ہو۔ یہی شدّتِ محبت اور غلبۂ عشق قرنِ اول کا اصل ایمان تھا، اور یہی ہر دنیاوی حاکم کی عبادت کا صحیح پیش نہاد آج بھی ہے۔ اسی 'سبیلِ خدا'، اور ایمان کے صلے میں مغفرت تھی، رزقِ کریم تھا (۸: ۴۷)، رحمت کی نوید امن اور رضائے ربُّ العرش کی بشارت تھی، جنّت تھے، قائم اور دائم نعمتیں تھیں، اجرِ عظیم تھا، فوزِ جلیل تھا، (وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ)۔ خدائے بے نیاز کی خدائی پر سچا ایمان، اور رضائے احکم الحاکمین کا سچا عشق آجکل کے لفظی اور نظری، سطحی اور ناکارہ ایمان کی غیر نامند کسی بے روح و بے حقیقت "اقرار باللسان" یا کسی بے نتیجہ اور غیر مرئی "تصدیق بالقلب" سے ہی کسطرح رو برا ہو سکتا تھا، اِس سے عہدہ برآ ہونیکے لیئے سعی و عمل کی مستقل خلش، رنج و محن کی صبر گسل ابتلا، تکلیف و مصائب کی پیہم برداشت، اور ظلالِ سیوف کی عمل پرور آزمائش لازم تھی! وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ

---

[۵] دیکھو (۴۹: ۱۵) صفحہ ۱۱۵ [۵۲] اور جن لوگوں نے خدا کو حاکمِ اعلیٰ مان لیا اُن کی محبت اور ارادت خدا سے بہت شدید ہے۔ اور سب ماسوا سے یاد ہے (گویا ایمان کی شرط یہ ہے کہ سب سے گہرا تعلق خدا سے ہو۔ سب سے زیادہ ملازمت اُسیکی ہو، اُسی کے حکموں کی اطاعت ہو وغیرہ وغیرہ)[۵۳] دیکھو (۲: ۱۹) صفحہ ۱۱۵

[†] 'صادق' کا لفظ بالالتزام قرآن کریم میں اُس شخص کے لیئے استعمال ہوا ہے جو اپنے قول و ایمان کو فعل و عمل سے سچ کر دکھائے۔ آجکل 'صادق' کے معانی میں کچھ تحریف واقع ہو چکی ہے، اور معمولی سچ بولنے والے کو بھی صادق ہی کہتے ہیں۔ 'صدیق' مبالغے کا صیغہ ہے اور یہ لقب حضرت ابوبکرؓ کو لامحالہ اسی بنا پر ملا تھا کہ وہ اپنے قول کو عمل سے سچ کر دکھاتے تھے۔ 'صدقة' کی اصطلاح کا قربانیٔ مال کے معنوں میں ہونیکی بھی یہی وجہ ہے کہ مال کا ایثار معطی کے معاون اور مؤید ہونے کی تصدیق ہے۔ 'مُصدّق' بمعنی 'صادق' بھی قرآن کریم میں کئی جگہ آیا ہے۔ 'صادق' یا 'مُصدّق' کی ضد 'کاذب' یا 'مکذب' ہے۔ جس کا ذکر صفحہ ۱۱۴ کے تحت المتن میں آیہ (۲۹: ۳) کے اندر آچکا ہے اور وقتاً فوقتاً آگے چل کر آئے گا۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ کے معانی صفحہ ۱۱۵ پر ہم نے اسی بنا پر کیئے ہیں۔

مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ† وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ٥ (۴۷ : ۳۱)[۵۱] رب زمین و آسمان کی 'عبادت' کا اِدّعا کسی رسمی اور دو رکعتی نماز یا پنجوقت رکوع و سجود کی مقابلۃً آسان، بے اثر و بے ضرر مشق کر لینے سے ہی کیونکر قابل تسلیم ہو سکتا تھا اسکی صادقانہ تکمیل کے لیئے ہر آن اور ہر وقت اطاعت کا رنگ لازمی تھا تسلیم کے اعمال، اور تعبّد کی شان چاہیئے تھی' ماسوا کا جحود لابدی تھا، نفس پر کامل تحکّم اور غیر پر کامل قدرت ناگزیر تھی۔ گویا سب کا انکار اور ایک کا اقرار، سب سے سرکشی اور ایک کی ماتحتی ضروری تھی! عالم آرائے کون و مکان اور وجہ طراز زمین و آسمان کی عبودیت وہ بے ریا محبّت اور وہ بے لاگ خدمت تھی جسمیں غیر سے تعلق اور ماسوا کی اطاعت کو حتمًا دخل نہ تھا۔ اسی عالم آرا اصول پر تکوین عالم کی اساس قائم تھی، اسی پر کون و فساد کا سب انحصار تھا، اسی پر چل کر رزق کریم تھا' اسی سے ہٹ کر عذاب الیم تھا: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ‡ ٥ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ٥[۵۲] (۵۱ : ۵۶ - ۵۷)۔ اس تمام ہنگامۂ کائنات کی وجہ بنا یہی تھی کہ زمین و آسمان کی سب کہ وہ مخلوق'

---

[۵۱] اور اے مسلمانو! ہم تمہارے ایمان کو ضرور آزما کر رہیں گے، یہاں تک کہ تم میں سے جو لوگ ہماری حمایت میں دشمنوں سے لڑنے والے اور مصائب کو برداشت کرنے والے ہیں اُن کو ہم اچھی طرح معلوم کر لیں اور تاکہ تمہاری اصلی اور اندرونی حالت کو جانچ لیں۔ [۵۲] اور اے لوگو! ہم نے اس کائنات فطرت کے جنّ و انس کو صرف اسی غرض سے پیدا کیا ہے کہ وہ ماسوا سے قطع نظر کر کے ہمارے ہی چاکر، اور ہمارے ہی حکمبردار بنے رہیں۔ ہم اُنسے کچھ روزی کے تو خواہاں نہیں ہیں اور نہ اسکے کہ ہم کو کھلائیں پلائیں۔

---

† یہاں عیاں ہے کہ 'صبر' کے معنی ہاتھ پر ہاتھ رکھکر بیٹھنے کے نہیں جیسا کہ عافیت پسند اُمّت نے لے لیئے ہیں، بلکہ مصائب اور حوادث کا استقلال اور عزم سے مقابلہ کر کے اُن پر فتح پانا ہے۔

‡ یہاں ظاہر ہے کہ 'عبادت' کے معانی وہ نہیں ہو سکتے جو لوگوں نے بنا لیئے ہیں۔ خدائے زمین و آسمان معاذاللہ اس بات کا محتاج نہیں کہ لوگ اسکی نمازیں پڑھتے اور خوشامد کرتے رہیں۔ بلکہ مقصود تعمیل احکام ہی ہے۔ یہی دنیا کا ہر حاکم اپنی رعیت سے چاہتا ہے، اگرچہ زمین و آسمان کا مالک اس صورت احتیاج سے بھی بے نیاز ہے۔ اور جیسا آگے چلکر ثابت ہوگا، انسان سے تعمیل احکام کی آرزو رکھنا کچھ خواہش اختیار کے باعث نہیں؛ بلکہ انسان کی اپنی ہی بہتری کیلئے ہے۔ اس نقطۂ نظر سے آیۂ 'وَمَا خَلَقْتُ' سے مقصود یہی ہے کہ "ہم نے دنیا کے جنّ و انس کو پیدا ہی نہیں کیا مگر اس جبلّت پر کہ وہ ہمارے احکام کی تعمیل میں لگے رہیں۔" یعنی اُنکی فطرت اور طینت میں یہ بات پہلے سے رکھدی ہے کہ ہمارے احکام (یعنی قانون فطرت) کی تعمیل کے بدون اُنکی اس دنیا میں دال نہیں گل سکتی۔ گویا جب جب وہ اطاعت سے منحرف ہونگے سزا اُنکو لامحالہ ملکر رہیگی۔ اور تکوین عالم کا اصل اصول ہی ملازمت قانون خدا (یعنی عبادت) ہے۔ یہ اصول ہر صاحب نظر کیلئے اسقدر اظہر من الشمس ہے کہ اسکو اور عیاں کرنیکی ضرورت نہیں۔ ہر جگہ اسی پر عملدرآمد ہو رہا ہے۔ چھوٹے یا بڑے کسی امر میں جس وقت انسان نے قانون خدا کی متابعت یا مخالفت کی، اُسیوقت یا بدیر وہ اسکو اُسکا نفع یا نقصان ملجاتا ہے حتیٰ کہ ایک رات ضرورت سے کم نیند کرنیکا مزا اُسکو اگلے دن ہی دردِ سر یا اور مرض کی صورت میں مل رہتا ہے۔ اس حقیقت کشا آیت (۵۱ : ۵۶) کی مکمّل تشریح و تصدیق آیندہ مجلّدات میں ہوگی جبکہ قانون خدا اور آئین فطرت کو عیاں کر دیا جائیگا، اور جب ہر ساکن زمین کو اس قانون سے مفر اور اس 'عبادت' سے گریز کرنے کی کوئی سبیل نظر نہ آئے گی۔ یہاں پر مقصود صرف 'عبادت' کے معانی کی توضیح ہے۔

(باقی)

سب جِنّ و انس اُس شارع کائنات ہی کے تابع فرمان ہو کر رہے، اُسی کے حلقۂ عبودیت میں داخل ہو، اُسی کے سکھائے یا بتائے ہوئے قانون پر چلے، گویا اُسی کی 'عبادت' میں لگی رہے۔ وہ خدائے عظیم و جلیل انسان کے چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے فعل کو ہر آن اپنی ہی مرضی، اور اپنے ہی قانون کے مطابق دیکھنا چاہتا تھا۔ اُسکی غیور ذات رحم و مغفرت کی ناپیداکنار وسعت کے باوجود، انسان کی ہر صغیرہ و کبیرہ خطا کو معاف کر سکتی تھی مگر اپنی اطاعت، اپنی محبّت، اور اپنی عبادت میں شرکتِ غیر کو قطعًا ناقابلِ عفو جرم قرار دیتی تھی: إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا [۱۱] (۴: ۱۱۶) صاحبِ ایمان بشر کے ہاں سے یہ دلبرِ استحان پسند فرہاد کی سی تمکین قلب کا خواہشمند، اور

---

[۱۱] بیشک اللہ اس بات سے چشم پوشی ہرگز نہیں کر سکتا کہ اُسکے مقام و منصب میں کسی دوسرے کو شریکِ طاعت اور شریکِ محبت کیا جائے۔ اسکے ماسوا جو تقصیریں انسان کرے اُنکو اگر مناسب سمجھے تو نظر انداز کر سکتا ہے، اور جس شخص نے اپنی محبت میں غیر اللہ کو شریک کیا وہ فی الحقیقت اپنی بہتری کی راہ راست سے بہت دور بھٹک گیا۔ (یشآء کے معنی ہم نے 'مناسب سمجھنا' کیئے ہیں۔ اسکا ثبوت تیسری مجلد میں فلسفۂ عمل کے عنوان میں آئے گا)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۱۸) اس آیۂ شریفہ میں 'جِنّ' کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔ 'جِنّ' کی حقیقت سے یہاں پر بحث نہیں ہو سکتی، اسکے لیئے ابھی بہت دیر ہے مگر 'خلقتُ' کے لفظ سے اسقدر ضرور ثابت ہے کہ 'جِنّ' خدا کی پیدا کی ہوئی ایک مخلوق ہے، اور ان سے قانون فطرت کی تعمیل کا متوقع خدا اسیقدر ہے جسقدر انسانوں سے ہے۔ مزید غور کرنیوالے شاید اس نتیجے پر بھی پہنچ سکیں کہ 'جِنّ' بھی 'انس' کی طرح ایک سرکش خدا مخلوق ہے جس کی بغاوت کو دور کرنے کیلئے خدا نے 'عبادت' کا تریاق تجویز کیا ہے۔

* 'غفر' کے معانی دراصل پردہ پوشی کرنیکے ہیں۔ اسی سے 'مِغفار' بمعنی زرہ کے ہے۔ لوگوں نے مجازًا 'بخشش' کے لے لیئے ہیں اور فرض کر لیا ہے کہ یہ تمام بخشش قیامت کے دن ہوگی۔ اس سے پہلے نہیں ہو سکتی۔ اور علیٰ ہذا القیاس سزا بھی شرک کرنے والوں کو اُسیدن ہوگی مگر اس فرضی داستان کی کوئی سند نہیں۔ 'یغفر' کا صیغہ حال اور مستقبل دونوں کے لیئے استعمال ہوتا ہے۔ اسلیئے کوئی وجہ نہیں کہ بخشش اور سزا، یا انعام اور عذاب کسی شخص یا قوم کو یوم آخرت سے پہلے نہ مل سکیں۔ بلکہ تعجب ہوتا ہے کہ جب گناہ اسقدر ناقابل معافی ہے تو سزا میں کیوں اتنی ڈھیل دے دیجائے کہ لاکھوں برس کا فرق پڑ جائے اور ہر شخص کو خواہ نخواہ شرک کرنے پر جرأت ہو! دراصل یہ تمام ناروا اور بے سند تاویل 'شرک' کے صحیح معانی نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ اور جب آج مسلمانوں کے بنائے ہوئے اصطلاحی 'مشرکوں' کو اس دنیا میں سزا کی بجائے پے درپے انعام مل رہے ہیں تو اُنکے لیئے روز قیامت کے متعلق یہ دل خوش کن داستان گھڑ لینا بھی ازبس ضروری ہو چکا ہے گویا اُنکے نزدیک خدا کی حکومت (العیاذ باللہ) اس دنیا پر قائم نہیں ہے اور وہ اگرچہ 'مشرکین' سے بیحد ناراض ہے مگر اُنکو معًا سزا دینا اسکے بس کی بات نہیں ہے۔ اگلی مجلدات میں رفتہ رفتہ ہم اس تخیل کو غلط ثابت کرینگے، اور بتائینگے کہ مشرک کو کیونکر سزا اس دنیا میں ہی ملتی ہے۔ وہ خدائے عظیم کسقدر سریع الحساب اور شدید العقاب ہے، اور شرک کا بدلہ کس بیدردی، کس بے نیازی، کس شدّت اور سرعت سے لے لیتا ہے۔ اور آخرت کا عذاب تو دنیاوی عذاب سے کہیں بڑھکر ہے: وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ [۱۲] (۱۳: ۳۴)۔

'شرک' کی تعریف از روئے قرآن بے حد جامع و مانع ہے جیسا کہ پیشتر کہا گیا ہے۔ یہاں پر اسکی صرف ایک شق کی سرسری تصریح کر دی گئی ہے یعنی یہ کہ کسی شے کو محبت اور اطاعت میں خدا کے ہم پلہ اور برابر نہ کر دیا جائے۔ مسلمانانِ عالم کو غور کرنا چاہیئے کہ آیۂ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ [۱۳] (۲: ۱۶۵)

---

[۱۲] اور آخرت کی سزا تو دنیاوی سزا سے سخت تر ہے۔ [۱۳] ترجمے کے لیئے دیکھو صفحہ ۱۱۷۔

بیستون کی جوئے شیر کے سے تاب گسل اور صبر پاش اعمال کا اُمیدوار تھا! اُسکی نظروں میں ایمان وہ کیفیت قلب تھی جسکا اٹل نتیجہ سعی و عمل تھا! وہ ہجرت اور جہاد کی آڑ میں ایمان کے دعویداروں سے نقد جان کا طالب تھا! اور انہی سرفروشانِ حکم آلہ کو عشق خدا کے سچے "شہید"، ربّ العزّۃ کی حکومت کے سچے گواہ، اور رزق کریم کے قطعی اہل قرار دیتا تھا۔

اِنْ یَّمْسَسْکُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ† وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ۙ۝ وَلِیُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَمْحَقَ الْكٰفِرِیْنَ ۝ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَیْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ (۳: ۱۳۹—۱۴۲)

اگر تمہیں اس لڑائی میں شکست کا زخم لگا ہی تو اس سے پہلے فریق مخالف کو بھی ایسا ہی زخم لگ چکا ہے اور یہ فتح و شکست کے دن تو ہم بقدر مناسب کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر پھیرتے ہی رہتے ہیں، اور یہ اسواسطے بھی کہ ہم جان لیں کہ خدا پر سچا ایمان رکھنے والا کون ہی، اور نیز اسلیئے کہ اللہ تم میں سے اپنے سچے گواہوں کو منتخب کرے ورنہ وہ کچے ایمان والوں کو تو محبت ہی نہیں کرتا۔ اللہ اس طریق عمل سے ایمان والوں کو اپنے متعلق شک و شبہ کی میل کچیل سے نکھار دینا چاہتا ہی، اور پھر اپنے اصلی محب پیدا کرکے منکرین کے زور کو توڑ دینا، اور تمہاری جماعت میں سے شائبۂ شک کفر کو دور کر دینا چاہتا ہے۔ کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہی کہ (خدا کو مُنہ سے خدا کہکر) جنّت میں جا داخل ہو گے حالانکہ ابھی تک تو اللہ نے اُن لوگوں کو جانچا ہی نہیں جو تم میں سے اسکی حمایت میں ثابت قدم ہو کر لڑنیوالے، اور مصیبتوں کو برداشت کرنیوالے ہیں۔ اور تم تو موت کے آنیسے پہلے ہی (میری محبّت کے جوش میں) مرنے کی آرزوئیں کیا کرتے تھے تو آج تم نے اسکو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، اور پھر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے انتظار کر رہے ہو!

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۱۹) کی تعریف ایمان کو پیش نظر رکھکر وہ ہر روز کسقدر اس "شرک" کے مرتکب ہوتے ہیں جس کی بخشش کی قطعًا کوئی اُمید نہیں! سورۂ نسآ میں بھی اسی قطع کی ایک آیت ہی:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤی اِثْمًا عَظِیْمًا ۝ (۴: ۴۸)

لوگو! بگوش ہوش سُن رکھو کہ وہ خدائے عظیم اس بات سے چشم پوشی ہرگز نہیں کرتا کہ اُسکے برابر کسی دوسری شے کی اطاعت کی جائے یا اس سے محبّت رکھی جائے۔ ہاں اسکے سوا اگر کوئی اور گناہ ہو تو جسکو مناسب سمجھے معاف کر سکتا ہی۔ اور لوگو! جس شخص نے خدا کیساتھ ماسوا کو برابر کر دیا تو اُسنے اپنے پلّے ایک گناہ عظیم باندھ لیا!

†"تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ" کے خدائی الفاظ آج قوم کی مرثیہ خوانی کی مجالس اور مسلمانوں کی عام گفتگو کے ضمن میں اس بیدردی، سطحیت اور

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ
بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۰) مگر سے استعمال ہوتے ہیں کہ غالباً کوئی دوسرے الفاظ نہ ہوتے ہونگے۔ ہر مسلمان اپنی بے ہمتی، اپنی کامچوری، اپنے ناکارہ پن کو معلم الملکوت کی آستین میں چھپا کر قرآن حکیم کے اس سیاق و سباق سے علیحدہ کیئے ہوئے ٹکڑے کو جا و بے جا استعمال کرتا ہے اور اپنی نامردی، اپنی شکست و ریخت، اپنی موت پسندی کا سارا الزام بے دھڑک خدا پر تھوپ دیتا ہے اور اس صریح افترا کے بعد رب زمین و آسمان کے غیظ و غضب سے قطعاً نہیں ڈرتا۔ حالانکہ ان آیات الٰہی (یعنی ۳: ۱۳۹ - ۱۴۲) کے استدلال سے ظاہر ہے کہ مداولت ایام کا قطعی باعث سعی و عمل کی کمی ہی ہے اور لوگوں کے اپنے ہی کرتوت سے ہے۔ خدائے بے نیاز صرف اقوام کی سعی و عمل کا امتحان لیتا ہے اور بے رُو و رعایت جس کی سعی زیادہ ہو اُسی کو کامیاب کر دیتا ہے۔ قرآن میں جا بجا اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ۝ (۱۰: ۴۴) کا مضمون اس امر کی تائید میں ہے۔ یعنی "خدا ساکنان زمین پر کسی حالت میں قطعاً ظلم نہیں کرتا لیکن یہ لوگ ہی ہیں جو اپنی جانوں پر آپ ظلم روا رکھتے ہیں"۔

ان آیات الٰہی سے پہلے کی آیت ہے: وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ (۳: ۱۳۸)۔ جس سے ظاہر ہے کہ ایمان والی وہی قوم ہے جو "اَعْلَوْنَ" بنکر رہے۔ جنگ اُحد میں جس کا ذکر ان آیات میں ہو رہا ہے مسلمان بھلے چنگے خاصی تعداد میں تھے، دشمن کی تعداد کچھ ایسی زیادہ نہ تھی جیسی کہ نسبتاً غزوۂ بدر میں تھی۔ اُس غزوے میں باوجودیکہ ایک مسلمان کے بالمقابل تین اہل مکہ لڑ رہے تھے مگر فتح مسلمانوں ہی کو نصیب ہوئی تھی، لیکن اُحد کے موقع پر بعض مسلمانوں نے ہمت ہار دی۔ ایک جماعت نے جسکو خود رسول خدا نے ایک مقام پر متعین کیا تھا کہ اپنی جگہ سے نہ ہلیں، مال غنیمت کے لالچ میں آکر اپنا مورچہ چھوڑ دیا۔ اہل مکہ اُسی مورچے پر پل پڑے، اور دفعتاً لشکر میں بھاگڑ مچ گئی۔ پیغمبر خدا چند رفیقوں کے ساتھ تن تنہا رہ گئے اور زخمی ہوئے۔ فرق مبارک پر چوٹ آئی، دانت ٹوٹ گیا، سب طرف مشہور ہو گیا کہ شہید ہو گئے، وغیرہ وغیرہ۔ خدائے عظیم فرماتا ہے کہ وہ تم ہی مٹھی بھر مسلمان تھے جنہوں نے بدر میں ایک جرار لشکر کو شکست فاش دی تھی اور اب یہ بے ہمتی دکھلائی کہ اپنے سپہ سالار کو چھوڑ کر چلتے بنے۔ تم بددل نہ ہو اور غم نہ کھاؤ اگر تم میں ایمان فی الواقع موجود ہے تو فتح خود بخود تمہارے قدم آن کر چوم لے گی۔ اور ہماری ذرہ پروری اور بے نیازی تو ہمیشہ سے یہی رہی ہے کہ جو قوم جسقدر سعی و عمل کرتی ہے اُتنا ہی اجر ہم سے لامحالہ لے لیتی ہے۔ کسی کی بے جا رعایت کرنا ہمارا شیوہ نہیں۔ اور اسی لیئے اگر آج فتح اس قوم کے شامل حال ہے تو کل دوسرے کی قدمبوسی کر رہی ہے: (وَتِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ)۔ ہمارا مقصود اس جنگ اُحد سے صرف اس بات کا دریافت کرنا (اور دریافت کرنا بھی کیا، صرف تمہیں ہی جتا دینا) تھا کہ تم میں سے حقیقی ایمان والے کون ہیں؟ کن کا ایمان ناقص ہے؛ کون ہمارے وجود کے سچے گواہ ہیں، کون ہمارے حاکم اعلےٰ ہونے کی آخری دم تک شہادت دیتے رہے، ہم کو آخری وقت تک آقا مان کر ہماری خدمت میں لگے رہے: (وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ)۔ اور بھگوڑوں اور کچے ایمان والوں کو تو خدا پسند ہی نہیں کرتا کیونکہ وہ تھوڑی سی تن آسانی کی خاطر اپنی قوم پر ظلم کر رہے ہیں، اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں: (وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ۝)۔ خدا صرف اتنا چاہتا تھا کہ سچے ایمان والوں کو چھانٹ کر الگ کر دے (وَلِیُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا) اور منکروں اور دل میں خدا کو نہ ماننے والے منافقوں یعنی کافروں کو الگ کر دکھائے، اُنکو بالآخر نیست و نابود کر دے (وَیَمْحَقَ الْكٰفِرِیْنَ)۔ اگلی عبارت بالکل صاف ہے: الجنّة اتنی آسانی سے نہیں ملتا جتنا تم سمجھے بیٹھے ہو وہ تو صرف سعی و عمل کرنے والوں (جٰهَدُوْا مِنْكُمْ) اور استقلال والوں (الصّٰبِرِیْنَ) کو ہی ملتا ہے۔ تم تو اس جنگ اُحد سے پہلے موت کی منتیں مانا کرتے تھے، شیخی میں آکر کہا کرتے تھے کہ ہم خدا کی 'عبادت' میں جان تک دینے کیلئے تیار ہیں تو اُحد کے دن کیا موت آگئی تھی کہ موت تمہارے سامنے تھی اور اُس سے جی چُرا کر بھاگے بھاگے پھرتے تھے!

ان آیات الٰہی میں ضمناً **ایمان** کی تشریح ہو گئی کہ اسکا اٹل نتیجہ فتح قوم ہے۔ **شہداء** کے معنی معلوم ہو گئے۔ **ظالمین** کا پتہ لگ گیا کہ کچے ایمان والے لوگ 'ظالم' ہیں۔ اور اسی لیئے ہلاکت اور شکست کے اہل (صفحہ ۱۰۸، آیات ۲۰: ۵۹ و ۴۶: ۲۷)۔ **کفر** کی ایک حد تک وضاحت ہو گئی کہ میدان جنگ میں

ص۷ مطالب کے لیئے دیکھو صفحہ ۷

عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ
وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ† ○ (۳ : ۱۹۴)

پھر پروردگار عالم نے انکی دعا قبول کر لی اور فرمایا کہ ہم تم میں سے کسی کام کرنیوالے کے کام کو ضائع نہیں ہونے دیتے۔ مرد ہو یا عورت ہماری نظروں میں سب برابر ہیں۔ تم سب ایک دوسرے کی جنس ہو تو جن لوگوں نے ہماری خاطر ہجرت وطن کی، اور ہماری ہی وجہ سے اپنے گھروں سے نکالے گئے، اور ستائے گئے، اور دشمنوں سے لڑے، اور مارے گئے، ہم انکی سب اجتماعی بدحالیوں، خانہ بربادیوں، اور واماندگیوں (سَیِّاٰتِہِم) کو اُنسے دور کر دینگے، اور انکو ایسے عمدہ باغوں میں لیجا داخل کرینگے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہونگی۔ یہ اللہ کے ہاں سے اُنکے اعمال کا بدلہ ہوگا اور اچھا بدلہ تو اللہ ہی کے ہاں ہے۔

آہ! لیکن اس مالک الملک اور پروردگار عالم خدا کو، جسکی طاقت اور حکومت، جسکی عزّت اور عظمت صحیفۂ فطرت کے ہر ذرّے میں نمایاں ہے، جس کی بے نیازی کی شان صفحۂ عالم پر روز روشن کی طرح ثبت ہی، ایک ذلیل، بے حیثیت، اور ہیچمیرز انسان کی پیہم عبادت، سچی محبت اور لاشریک طاعت کی کیا حاجت تھی؟ هُوَاللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ؏ (۵۹ : ۲۳-۲۴)[1]، وہ جانوں کا خالق، دنیا کے امن و آسایش کا کفیل (الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ) موجد اور مصوّر خدا جسکی تسبیح و تقدیس میں اُس کے

---

[1] وہ اللہ ایسا پاک ذات ہی کہ اُسکے سوا کوئی آقا ہونے کے لائق نہیں۔ بادشاہِ جہان ہے، پاک ہی، تمام عیوب سے مبرّا ہے، امن دینے والا نگہبان ہے، زبردست اور بڑا دباؤ والا ہے، صاحب عظمت ہی۔ جس جس کو یہ لوگ اُس کی عظمت میں شریک کرتے ہیں وہ ان سب سے بالاتر ہے۔ وہی ہر شئے کا خالق، بلکہ موجد اور مصوّر ہے، اُسکے بڑے بڑے اوصاف ہیں (الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى)۔ جو کچھ زمین و آسمان میں ہے اُسکے احکام کی تعمیل میں سرنگوں ہے (يُسَبِّحُ)، اور وہ بڑا غالب اور حکمت والا ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۱) خدا کی لڑائیاں آخری دم تک استقلال سے نہ لڑنا 'کفر' اور انکارِ خدا ہے۔ 'صَبْر' کے مطالب صاف ہو گئے کہ وہ صرف استقلال ہی ہے، 'جِہَاد' کی حقیقت کھل گئی کہ وہ صرف قتال بالسّیف ہی ہی۔ جو لوگ جہاد کے معنی تسبیحوں پر زور دینے کے لیتے ہیں اُن کے لیئے یہ آیات ازبس عبرت انگیز ہیں۔ اور بالآخر یہ کہ 'تمنّائے موت' کے معنی سمجھ میں آگئے کہ اس سے مراد لڑائی میں کٹ مرنے کے ہیں کہ یہی سب سے بڑی عبادت کسی آقائے نامدار کی ہوسکتی ہے۔ یہی ہر بادشاہ اپنے سپاہی سے چاہتا ہے اور اس کے عوض میں تمغے اور انعام، جاگیریں اور زمینیں تقسیم کر دیتا ہے۔ 'تمنّائے موت' کا ذکر تیسری مجلّد میں عنقریب آئیگا۔

† اس آیہ کریمہ میں "لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ" کے الفاظ تشریح طلب ہیں۔ لیکن ان کی تشریح صفحہ ۱۳ کے تحت المتن میں 'مصیبت' کے عنوان میں آئے گی۔

اپنے قول کے مطابق آسمان وزمین ہر وقت مصروف رہتے ہیں، اس ذرۂ مقدار انسان سے اپنی محبت کے ولولے میں، تحمل آلام، نقص امن، اور خراج مال وجان کا کیوں طالب تھا؟ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ † الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ‡ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ (۲: ۱۵۵-۱۵۷)

سلہ اور ایمان والو! اسمیں شک نہیں کہ ہم تمکو ذرا اچھی طرح (بِشَيْءٍ) دشمن کا خوف دلا دلا کر، میدان جنگ میں بھوکوں مار مار کر، مال اور جانوں میں کمی کر کر کے پیداوار کا قحط ڈالکر (الثَّمَرَاتِ) نتائج کو خلاف امید کر کرکے (نَقْصٍ مِّنَ ..... الثَّمَرَاتِ) آزماکر رہیں گے اور تمہارے ایمان کی قدر وقیمت اور سعی وعمل کی حد کا اندازہ لگائیں گے، لیکن اگر تم فی الحقیقت صاحب ایمان ہوتے تو تم بھی ان آزمائشوں میں پورے اُتر کر رہوگے اور اپنے سعی وعمل کو ہرگز کم نہ ہونے دوگے۔ اور اے محمدؐ! مصائب کا استقلال سے مقابلہ کرنے والوں کو ہماری خوشنودی اور کامیابی کی بشارت دیدو، (وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ) اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان پر کوئی اجتماعی مصیبت آپڑتی ہے تو فوراً بول اُٹھتے ہیں کہ ہم تو فی الحقیقت خدا ہی کے اطاعت گذار ہیں۔ (إِنَّا لِلَّهِ)، اسی کے بتائے ہوئے حکموں پر چلیں گے (وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ)، اُسی کی طرف اپنا تمام تر رجوع کر دینگے (وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ)، اور اپنے سعی وعمل سے خدا کو پھر خوش کر لیں گے (یہ مصیبت جو ہمیں پونہچی ہے لا محالہ ہماری سعی میں کسر کے باعث ہی ہے۔ دیکھو قرآن کریم وَمَا أَصَابَكَ مِن سَيِّئَةٍ فَمِن نَّفْسِكَ (۴: ۷۹)) اور سعی وعمل کو دوبالا کر دینا ہی خدا کی طرف رجوع کرنا ہے) یہی وہ لوگ ہیں جن پر اپنے پروردگار کے بیشمار افضال ہیں، تحسین وآفرین کے نعرے (صَلَوَاتٌ) ہیں، رحمت اور عنایت ہے، اور یہی وہ لوگ ہیں جن کو مصائب کے دور کرنیکے متعلق صحیح راہ عمل مل چکی ہے، (وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ)۔

† یہاں الصَّابِرِينَ کا لفظ پھر آیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ صابر وہی لوگ ہیں جو ہر اجتماعی مصیبت کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہیں، اسکے دور کرنے کے لیئے ہمہ تن مستعد رہتے ہیں۔ نہ وہ جو ہاتھ پر ہاتھ دھر کر اپنی بربادی کا تماشہ کرتے اور ٹس سے مس تک نہیں ہوتے کبھی کبھار آہیں نکالکر یا عورتوں کی طرح آنسو بہاکر اپنے نفس کو دھوکہ دیتے ہیں کہ صابر ہیں!

‡ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ کے الفاظ مسلمانانِ جہان جس حیرت انگیز نادانی، جہالت اور نافہمی سے نہ معلوم کتنی قرنوں سے کسی عزیز کی موت یا ادنیٰ سی ادنیٰ خانگی اذیت پر استعمال کرتے آئے ہیں، اور اس محض زبانی عبادت کے صِلے میں اپنے آپ کو رحمتِ خدا کا مستقل حقدار گنتے ہیں، اُس سے کم از کم یہ مترشح ہوتا ہے کہ کلامِ الٰہی کا صحیح علم کس قدر جلد رسم ورواج کی لکیر میں پڑکر بے اثر ہوگیا تھا، اور آیاتِ خدا کے مطالب یقیناً کے بلند مرتبے سے گر کر ظنّ واعتقاد کی ادنےٰ سطح پر کس سرعت سے پونہچ گئے تھے۔ اوپر کی عبارت میں ہم نے ان آیات (یعنی (۲: ۱۵۵-۱۵۷)) کا مربوط اور مسلسل ترجمہ کر دیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ ان میں نہ کسی خانگی مصیبت کا ذکر ہے اور نہ یہ ترغیب دی گئی ہے کہ جب تمہارا کوئی رشتہ دار مر جائے تو إِنَّا لِلَّهِ کے الفاظ مُنہ سے بڑبڑاؤ، پھر جب کہہ لوگے تو خدا کی طرف سے تم پر "صَلَوَاتٌ" اُتریں گی، رحمتِ رب نازل ہوگی، اور تم ان الفاظ کے دُہراتے ہی "مُهْتَدُونَ" یعنی ہدایت پانے والوں میں سے بن جاؤگے (۲: ۱۵۷)۔ یہ سب تشریح نہایت لچر اور شرمناک ہے۔ کوئی ذہن سلیم اسکو ایک لمحے کے لیئے بھی قبول کرنے پر تیار نہیں۔ سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ یہاں پر صرف اجتماعی مصائب کا ذکر ہے۔ جسکی تائید جمع کے صیغے سے ہوتی ہے جو ان آیات میں برابر چلا جا رہا ہے۔ مُّصِيبَةٌ جس کا ذکر آیہ (۲: ۱۵۶) میں ہوا ہے لا محالہ وہ خوف کا ماحول ہے جو ہر شکست زدہ اُمّت پر ہر آن حاوی رہتا ہے (بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ)، وہ فقر وافلاس ہے جو محکومیت اور ضعف کی حالت میں غلام قوموں کا پیچھا نہیں چھوڑتا (وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ)، وہ قلّت تعداد ہے جو دشمن کی اکثریت، اُبہت اور ہجوم کے بالمقابل عجز وبیچارگی پیدا کر دیتی ہے (وَالْأَنفُسِ)، وہ قہر خدا ہی جس سے

وہ کیوں ہجرتِ وطن اور قتال بالسیف کو ہی ایمان کا صحیح معیار قرار دے کر مہاجرین و انصار کو سچے مومنوں کی فہرست میں شمار کرتا تھا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا ق[1]

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۳) اُنتیں قحط اور وبا، فاقوں اور بیماریوں کا شکار ہوجاتی ہیں، جس کے باعث دنیاوی انعام سب اُچک لیئے جاتے ہیں (وَالثَّمَرٰتِ)، دشمن ہر وقت تاک میں لگا رہتا ہے، اور کمزور کی کمزوری کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ گویا یہاں پر بعینہٖ اُس قطع کی مصیبت کے امتحان و ابتلا کا ذکر ہے جو 'اَعلَون' نہ رہنے کے باعث قوموں پر طاری ہوجاتی ہے اور جسکا مصداق آج تمام عالم اسلام ہے۔ قرآن حکیم نے اس قلتِ تعداد اور ضعفِ قوت، اِس خوفِ عدو اور بیمِ موت کی تصریح ایک دوسرے موقع پر بھی کی ہے جس میں بوضاحت تمام جتلا دیا ہے کہ کسی قوم کا آزاد ہونا اور دنیوی نعمتوں اور طیّبات رزق سے متمتّع ہونا ہی نصرت الٰہی ہے:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ (۸: ۲۶)

اور مسلمانو! وہ وقت یاد کرو جب تم دنیا میں تعداد میں تھوڑے سے تھے، کمزور اور بے بس گنے جاتے تھے، اور ہر آن اس خوف کے باعث سہمے رہتے تھے کہ دشمن تمہیں اُچک نہ لیجائیں۔ پھر خدائے ذوالجلال نے (تمہارے اعمال کو پسند فرما کر) تم کو اپنی پناہ میں لے لیا، اپنی مدد سے تم کو قوی بنایا، اور دشمن پر فتح دیکر عمدہ قسم کی دنیاوی نعمتیں بخشیں، اور یہ سب اس لیئے کہ تم قوت اور امن، نعمائے الٰہی اور تائید خدا کی دل سے قدر کرو، اور اُسکے قوت انگیز احکام پر بدستور عمل کرتے رہو (لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ)۔ (شکر کے اِن معانی کی تصریح کے لیئے دیکھو صفحہ ۱۴۰)

یہ آیت مسئلہ ارتقا کی بحث کے ضمن میں صفحہ ۱۲ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ آیات اِنَّا لِلّٰهِ (یعنی (۲: ۱۵۵—۱۵۷)) میں 'خوف' یہی يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ کا خوف ہی، اور نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ، یہی قَلِيْلٌ، اور 'مستضعف فی الارض' ہونا ہے، اور یہی وہ مصائب کُبریٰ ہیں جن کا ابتلا مقصود ہے۔ کسی عزیز کا مرجانا 'نَقْصٍ مِّنَ.... الْاَنْفُسِ' نہیں ہوسکتا۔ مزید برآں تعجب ہی کہ جہاں کسی شخص کی طبعی یا ناگہانی موت پر 'اِنَّا لِلّٰهِ' کا غیر متعلق فقرہ نہایت التزام کے ساتھ استعمال ہوتا ہے وہاں خوف اور بھوک اور نقصان مال کے موقع پر روا جا نہیں بولا جاتا! یہ دلیل بجائے خود اس امر کی شہادت ہی کہ اخلاف مسلمین نے کلمۂ استرجاع کو قطعًا غلط سمجھا ہے اور اِسکے خدائی مفہوم سے یکسر الگ ہوگئے ہیں۔

لیکن اس استدلال سے قطع نظر ایک اور صورت نظر بھی ہے جو اس دعوے کی یکسر تغلیط کردیتی ہے کہ کسی مسلمان کی طبعی یا ناگہانی موت وہ 'مُصِيْبَةٌ' ہی جسپر اِنَّا لِلّٰهِ کہنے کی ضرورت یا اجازت ازروئے قرآن ثابت ہی۔ 'مُصِيْبَةٌ' کا لفظ کلام الٰہی کے اندر بالالتزام اس خدائی انتقام یا اجتماعی سزا کے معنوں میں آیا ہے جو قومیں یا افراد اپنی غفلت یا نافرمانی کے باعث اپنے ہاتھوں مول لے لیتے ہیں۔ انفرادی اموات اس جدول میں داخل نہیں کیونکہ نیک و بد سب نے ایک نہ ایک دن مرنا ہے اور ہر شخص کا مرنا ازروئے سزا یا انتقام واقع نہیں ہوتا۔ اگرچہ ایک ملک میں عام وبا کا پھیل جانا یا طوفان سے بستیوں کا ہلاک ہوجانا 'مُصِيْبَةٌ' میں داخل ہوسکتا ہے۔ یہ نکتہ اِس حیرت انگیز صحت اور تطابق کے ساتھ قرآن حکیم میں جا بجا بیان ہوا ہے کہ 'مُصِيْبَةٌ' کے الحال مسخ شدہ معانی کی صحیح تصویر پیش کرنے کی غرض سے اِس شہادت کا تمام و کمال یہاں پر لکھ دینا ضروری ہے:۔

سورۂ آل عمران میں غزوۂ اُحد کے متعلق ہے:

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ (۳: ۱۶۴—۱۶۶)

مسلمانو! تم بھی عجیب لوگ ہو کہ جب تم پر جنگ اُحد میں شکست کی مصیبت آپڑی، حالانکہ تم ہی جنگ بدر میں دشمنوں پر اس سے دُگنی مصیبت ڈال چکے تھے، تو تمہارے چھکے چھوٹ گئے اور بے دل ہو کر لگے کہنے کہ ہیں! یہ آفت کہاں سے آگئی۔ اے محمدؐ! ان سے کہدو کہ یہ مصیبت آئی تو تمہارے اپنے کیئے سے آئی، اپنی نامردی اور بزدلی سے آئی، اور خدا تو اسقدر باحوصلا اور بے نیاز ہے کہ اپنے بندوں کے کسی گروہ پر بے جا رعایت نہیں کرتا۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ

[1] مطالب کے لیئے دیکھو صفحہ ۱۱۴—۱۱۵۔

نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ (۸: ۷۴) ؛ وہ کیا سمجھکر اور کیا مدِنظر رکھکر اپنی راہ میں قتل ہوجانے والوں کو زندہ اور لقبِ حیات کہا کرتا تھا: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۴) شَيْءٍ قَدِيْرٌ) اور اسپر بھی قادر ہے کہ تمہارے اعمال کو دیکھکر تمہیں شکست دے۔ اور یاد رکھو کہ جس دن مقام احد میں دونوں فریق بھڑ گئے اور تم کو شکست کی مصیبت پہنچی تو یہ بھی خدا ہی کے حکم سے تھا اور غرض یہ تھی کہ خدا ایمان والوں کو الگ معلوم کرلے اور ظاہری مسلمان بننے والوں، لیکن دل میں نفاق رکھنے والوں کو الگ پہچان لے۔

یہاں پر ظاہر ہے کہ قرآنی اصطلاح میں مُصِیْبَۃ وہ شئے ہے جو اپنے ہی کرتوت سے آتی ہے اور بطور سزا کے ہے۔ سورۂ نسا میں ہے: فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۢبِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ۝ (۴: ۶۲)، یعنی "تو پھر ان منافقوں کی کیا ہی بُری حالت ہوگی جب ان ہی کے اپنے کرتوت کی وجہ سے انپر کوئی مصیبت نازل ہو تو تمہارے پاس قسمیں کھاتے ہوئے دوڑے آئیں کہ بخدا ہماری غرض تو یہی تھی کہ میل ملاپ اور اتحاد پیدا ہو"۔ اسی سورۃ میں انہی منافقین کے متعلق ہے: وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ۝ (۴: ۷۲)، یعنی "مسلمانو! تم میں ضرور ایسے لوگ بھی ہیں جو ارادہ کر بیٹھتے ہیں کہ ہم ضرور کسی نہ کسی طرح جہاد سے پیچھے ہٹے رہیں گے، پھر اگر لڑائی میں تم پر شکست کی مصیبت آپڑتی ہے تو دل ہی دل میں کہتے ہیں کہ خدا نے مجھپر بڑا ہی احسان کیا جو میں ان لوگوں کے ساتھ لڑائی میں موجود نہ تھا"۔ یہانپر مصیبت صاف اجتماعی مصیبت ہے۔ سورۂ توبہ میں پھر انہی مسلمان نما منافقوں کے ذکر میں ہے: اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ۝ (۹: ۵۰)، یعنی "اے محمدؐ! اگر تم کو جنگ میں فائدہ پہنچتا ہے یا غلبہ حاصل ہورہتا ہے تو ان لوگوں کو بُرا لگتا ہے، اور اگر تم پر شکست کی مصیبت آنازل ہوتی ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنا کام پہلے ہی سے ٹھیک ٹھاک کرلیا تھا، اور تمہارے پاس سے اُٹھکر واپس جاتے ہیں تو ان کی باچھیں کھلی ہوتی ہیں"۔ یہاں بھی مصیبت صاف لڑائی میں شکست کھانے کی مصیبت ہے، انفرادی مصیبت سے بحث نہیں۔ سورۂ قصص میں پھر 'مصیبت' کو اپنے اعمال کی سزا کہا گیا ہے: وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۢبِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ (۲۸: ۴۷)، یعنی "اور یہ اتمام حجت اس لیے ہے کہ مبادا ان پر انکے اپنے ہی کرتوتوں کے بدلے میں مصیبت نازل ہو......" سورۂ شوریٰ میں 'مصیبت' کے مفہوم کو یہ کہکر قطعاً عیاں کردیا ہے کہ اقوام عالم پر کوئی مصیبت نہیں آتی مگر یہ کہ انکے اپنے ہی کرتوت سے ہو اگرچہ خدا اکثر واماندگیوں پر گرفت نہیں کرتا: وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ (۴۲: ۳۰)۔ سورۂ حدید میں اجتماعی مصیبت کے باعث نزول کو یہ کہکر اور بھی واضح کردیا ہے کہ دنیا کی سب 'مصیبتیں' نہایت سوچ بچار کے بعد نازل ہوتی ہیں:

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِۨ ۝ (۵۷: ۲۲-۲۳)

اے لوگو! جو جو مصیبتیں روئے زمین پر نازل ہوتی ہیں، یا جو تمہارے اپنے ہاتھوں تمپر آتی ہیں، سب کی سب پیشتر اسکے کہ ہم انکو پیدا کریں ایک مسل میں درج ہوتی ہیں (جو علم الٰہی ہے)(اس کے اندر اس مصیبت کے مالۂ اور ماعلیہ پر پوری بحث ہوتی ہے، اسکے سب وجوہ کامل طور پر بیان ہوتے ہیں، واقعات اور حالات سلسلہ وار قلمبند ہوتے ہیں) اور پھر کامل غور وخوض کے بعد اس مصیبت کے اجرا کا فیصلہ کیا جاتا ہے (اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا)، اور لوگو! اس بادشاہ کون ومکان کی حکومت اس قدر منظم، اس قدر قوی، اس قدر دقیقہ رس اور عادل ہے کہ یہ سب بظاہر ناممکن باتیں خدا کے لیئے بیحد آسان ہیں۔ اور اے ناعاقبت اندیش انسانو! تمہاری جزا وسزا میں یہ عظیم الشان اہتمام اس لیئے مدنظر رکھا گیا ہے کہ تم لوگ جو شئے تمہارے ہاتھ سے چلی گئی ہے اسکو اپنی ہی بداعمالی کا نتیجہ سمجھو، اور ناحق خدائی فیصلوں کو اٹاسٹا استبدادی اور بے اصولے سمجھکر اپنی قسمت پر پشیمان نہ ہوتے پھرو (تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ)، یا جو انعام تمکو دیا گیا ہے اُسکو بلا سبب اور بے وجہ سمجھکر اکڑے اکڑے پھرو اور سعی وعمل سے غافل ہوجاؤ، اور جانے رہو کہ خدا اترانے والے کا مجبور اور شیخی بازنکمے کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ (خدا کے سعی وعمل کے پسند کرنیکے متعلق اب تک اس کتاب میں اتنی شہادتیں مل چکی ہیں کہ ان آیات الٰہی کا اسکے سوا کوئی اور مفہوم ہو نہیں سکتا)۔

(باقی)

بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ (۲ : ۱۵۴)، وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝

(۳ : ۱۶۸)؛ وہ کس حکمت عملی کی بنا پر انکو مغفرت عامہ کے بے تحاشا انعام، اور جنّت کی دلفریب نہروں کے

لـه اور لوگو! جو شخص خدا کی راہ میں اور اُسکا اعلا کرتے کرتے قتل ہوگیا، اُسکو مرا ہُوا نہ کہو، وہ فی الحقیقت زندہ ہے، وہ ابدالآباد تک اپنا نام چھوڑ گیا، اپنے کارنامے چھوڑ گیا، وہ ہر وقت دوسروں کو شجاعت کی ترغیب دے رہا ہے، حوصلے بڑھا رہا ہے۔ لیکن تم نہیں سمجھتے کہ وہ کیونکر زندہ ہے۔

لـه اور لوگو! جو شخص راہ خدا میں قتل کیئے گئے اُن کو مُردہ شمار نہ کرو، وہ تو فی الحقیقت زندہ ہیں اور خدا کے پاس بیٹھے ہوئے اُسکی نعمتوں اور رحمتوں سے مالا مال ہو رہے ہیں!

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۵) ان آیات سے ظاہر ہے کہ مصیبت یہاں پر بھی وہ اجتماعی سزا ہے جو خدا قوموں کو اُن کی مجموعی بداعمالیوں کے باعث نہایت غور و خوض کے بعد دیتا ہے۔ انفرادی اور خانگی مصائب اسمیں شامل نہیں اور نہ کسی عزیز کی موت اس قانون کے ماتحت ہو سکتی ہے۔ قوموں کی پشتینی غفلتیں اور کامچوریاں ایک اقل قلیل مدت کے اندر خدا کے وبال کو دعوت دیتی ہیں، پھر جب اُنکی بدکاریوں کا پیمانہ لبریز ہوجاتا ہے تو پورے تامل کے بعد خدا کا اٹل حکم نافذ ہوجاتا ہے جیسا کہ سورۂ تغابن میں ہے: مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (۶۴ : ۱۱) اور جسمیں کافروں کے اجتماعی عذاب ہی کا ذکر ہوا ہے۔ تمام قرآن کے طول و عرض میں صرف ایک جگہ (یعنی سورۂ مائدہ میں) 'مصیبت' کا لفظ انفرادی معنوں میں استعمال ہوا ہے مگر وہاں پر موت کے لفظ سے اُسکی تصریح کرکے متذکرہ صدر کُلیّے کو برقرار رکھا ہے: اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ (۵ : ۱۰۶)، یعنی "اگر سفر میں ہو اور تم پر موت کی مصیبت آپڑے تو وصیت کرتے وقت کوئی دو غیر مسلم گواہ بھی پیدا کرلو تو کچھ مضائقہ نہیں"۔

الغرض 'مُصِیْبَة' کی قرآنی اصطلاح کے متعلق اس تمام استدلال سے ظاہر ہے کہ اصل کتاب کی آیاتِ زیرِ بحث میں خدائے عظیم نے اس امر کی تلقین نہیں کی کہ جب تم پر کسی ہمسائے کا خوف طاری ہو، یا غریب اور نادار ہوجاؤ، یا کوئی عزیز مسلمان مرجائے، یا تمہاری تجارت کا جہاز ڈوب جائے تو فوراً "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ" کا طلسمی منتر دُہراؤ، بلکہ یہ کہا ہے کہ اے مسلمانو! اسمیں شک نہیں کہ ہم وقتاً فوقتاً تم کو تمہاری مجموعی بداعمالیوں اور غفلتوں کے باعث محکومیت، فقر و افلاس، بیچارگی، اور شکست و ریخت کی مصیبتوں میں ڈالتے رہیں گے، لیکن اگر تم سچّے معنوں میں مسلمان ہوئے تو تم اپنی آبائی غفلتوں، اور ذاتی واماندگیوں کو خیرباد کہکر صبر و استقلال سے ان مصائب کا مقابلہ کروگے، اور اپنے سروں پر سے یہ آسمانی بلائیں ٹال کر رہوگے۔ اور صحیح معنوں میں مستقل مزاج اور صابر لوگ تو وہی ہوتے ہیں جو مصیبت کو سر پر سوار دیکھکر قانون خدا کیطرف از سرِ نو رجوع کرنے کا ارادہ کرلیتے ہیں (قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ) اور جان لیتے ہیں کہ یہ مصیبت ہمارے اپنے ہی کرتوت کی وجہ سے ہے اور خدا سے منحرف ہونے کا نتیجہ ہے۔ ہر سزا یافتہ مجرم یا عتاب زدہ ملازم اپنے آقا کو خوش کرنیکے لیئے آئے دن بعینہ اسی قطع کا رجوع اختیار کرتا ہے، وہ سزا کے بعد پھر اپنے ناراض حاکم کے حکموں کی تعمیل شروع کردیتا ہے، اُسکے قانون کی طرف لوٹ آتا ہے، اپنی بداعمالیوں اور غفلتوں سے تائب ہوکر اُسکی صحیح معنوں میں ملازمت اختیار کرلیتا ہے۔ نہ یہ کہ زبان سے کوئی فسون دُہراتا پھرے، اور آقا اُس کی خوش الحانی پر فریفتہ ہوکر اُس کو معاف کرے بلکہ شاباش بھی دے! 'قَالَ' کا لفظ قرآن حکیم میں ایسے موقعوں پر محض مُنہ سے کہنے کے معنوں میں نہیں آتا بلکہ اپنے قول کو فعل سے ثابت کرنا مراد ہوتا ہے۔ سورۂ حٰمٓ السجدہ میں ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ .... (۴۱ : ۳۰) یعنی "جن لوگوں نے خدا کو اپنا رب کہدیا، پھر استقامت سے اِس قول پر جمے رہے اُنپر فرشتے اُترتے ہیں۔" یہاں محض مُنہ سے کہنا ہرگز مراد نہیں بلکہ جن لوگوں نے ازروئے عمل خدا کو اپنا حاکم اور رازق مان لیا، اُن کا ذکر ہے۔

تشریح سَیِّئَة و حَسَنَة

'مُصِیْبَة' کی قرآنی اصطلاح کے معانی آج قریب قریب مسخ ہوچکے ہیں اور ظاہر ہے کہ کوئی انسانی لغت اب اُسکے خدائی مفہوم کو ادا نہیں کرسکتی۔ قرآن بذاتِ خود اپنے معانی کا محافظ ہے اور اسی نقطۂ نظر سے سب انسانی لغات سے بے نیاز ہے۔ ایک اور قرآنی اصطلاح جو قریب قریب

دائمی وعدے دے دیا کرتا تھا؟ وہ کیوں اپنی سُرمہ گیں آنکھ کی الفت سے بھری ہوئی نظر میں
اُن غازیانِ ملت، اور فدائیانِ دین پر ہی ڈالتا تھا جو اسکی راہ محبت میں دیوار آہن کی طرح ثابت قدم

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۶) مُصِیْبَۃ یعنی اجتماعی بدحالی کے معنوں میں استعمال ہوئی ہے سَیِّئَۃٌ ہے اور جس کی ضد حَسَنَۃٌ ہے۔ یہاں اِس تقریب پر اِن اہم اصطلاحات کی توضیح بھی کر دی جاتی ہے اگرچہ اسکی ضرورت آگے چل کر واضح ہو گی۔ **الف** سورہ نساء میں ہے: مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ (۴: ۷۹)، یعنی اے لوگو! جو بھلائی تم کو اس دنیا میں پونہچتی ہے وہ تمہارے خدا کے بتائے ہوئے راہ پر چلنے کی وجہ سے ہے، اور جو سزا تم کو اس دنیا میں ملتی ہے وہ تمہارے اپنے کرتوت سے ہے"۔ علیٰ ہذا القیاس سورہ شوریٰ میں ہے: وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ (۴۲: ۴۸) یعنی اگر ان کو انکے اپنے کرتوت سے کوئی بُرائی پونہچے"۔ جس سے مقصود افرادِ اُمت کی غفلت کی وجہ سے اجتماعی سزا کا ملنا ہے۔ سورہ اعراف میں اقوام کو سزا ملنے کے ابتدائی مراحل کے ذکر میں ہے: ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا (۷: ۹۵) "پھر ہم اس قوم کی ظاہری بدحالی کو خوشحالی اور فارغ البالی سے بدل دیتے ہیں یہانتک کہ وہ لوگ اسکے زعم میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں"۔ اسی سورہ میں آگے چلکر ہے: وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ (۷: ۱۳۰) "اور ہم نے تو فرعون کی قوم کو برسوں کی خشک سالیوں اور کمی پیداوار کی سزا اسی لیئے دی تھی کہ وہ لوگ عبرت پکڑیں اور اپنی بداعمالیوں سے باز آئیں۔ پھر جب اُنپر کوئی اجتماعی راحت نازل ہوتی تھی تو کہتے کہ خدا کی طرف سے خوشنودی مزاج کا یہ پروانہ ہمارے ہی نیک اعمال کی وجہ سے ہے، اور اگر اُنپر کوئی مجموعی آفت آتی تو موسیٰ اور اُسکے ساتھیوں کے بدافعال کا نتیجہ گردان کر اُن کے سر تھوپتے"۔ یہاں نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ کے تذکرہ صدر معانی (صفحہ ۱۲۴۔ تحت المتن) کی تائید بھی ہو گئی اور سَيِّئَةٌ کے مطالب بھی صاف ہو گئے۔ سورہ رعد میں ہے: وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ (۱۳: ۶) "اور اے پیغمبر! یہ لوگ تم سے خوشحالی اور اجتماعی عافیت مانگنے کی بجائے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں حالانکہ انکو خوب معلوم ہے کہ ان سے پہلے ہمارے ہاں سے وہ وہ دردناک عذاب آئے ہیں کہ اُن کی کہاوتیں چلی آتی ہیں"۔ علیٰ ہذا القیاس سورہ نمل میں حضرت صالحؑ کا قول ہے: قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (۲۷: ۴۶) یعنی حضرتؑ نے کہا کہ اے قوم! تم کیوں خوشحالی اور امن (الْحَسَنَة) کو چھوڑ کر ذِلّ و مسکنت کے عذاب (السَّيِّئَة) کے لیئے جلدی مچا رہے ہو، تم کیوں خدائے ذوالجلال سے اپنی گذشتہ واماندگیوں پر پردہ پوشی کی درخواست (تَسْتَغْفِرُوْن) نہیں کرتے تاکہ تم مستحق انعام و اکرام ہو جاؤ"۔ یہاں بھی سَيِّئَةٌ سے مراد صاف طور پر وہ اجتماعی بدحالی ہے جو احکام خدا کی عدم تعمیل کے باعث ہر قوم پر دفعۃً یا رفتہ رفتہ نازل ہو جاتی ہے۔ سورہ آل عمران میں ہے: اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ (۳: ۱۱۹) یعنی مسلمانو! اگر تم کو کوئی اجتماعی فائدہ پونہچتا ہے تو انکو بُرا لگتا ہے، اور اگر تم پر کوئی قومی آفت نازل ہوتی ہے تو یہ منافق خوش ہو جاتے ہیں"۔ یہاں سَيِّئَةٌ کی کوئی دوسری تاویل غیر ممکن ہے اور مطالب بالالتزام وہی ہیں جو پہلے بیان ہوئے۔ سورہ اعراف میں بنی اسرائیل کے بارے میں ہے: وَقَطَّعْنٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ؗ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ (۷: ۱۶۸) "اور ہم نے بنی اسرائیل کو بالآخر گروہوں میں تقسیم کر کے سطح زمین پر پھیلا دیا، اِن میں سے بعض اُمتیں صالح بنی رہیں (اور مدت مدید تک ہمارے انعاموں سے بہرہ ور ہوتی رہیں) اور بعض بہت جلد غیر صالح ہو گئیں (اور جلد صفحہ زمین سے محو کر دی گئیں)، اور ہم نے اِن غیر صالح اُمتوں کی آزمایش طرح طرح کی اجتماعی خوشحالیوں (الْحَسَنٰت) اور قسم قسم کی جماعتی بدحالیوں (السَّيِّاٰت) سے کی کہ شاید وہ انعاموں کے ملنے کی لِم کو سمجھکر اور سزاؤں کے آنے کی حقیقت کو پا کر ہمارے قانون کی طرف لوٹ آئیں (لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ)"۔ گویا یہاں مراد یہ ہے کہ جہاں کچھ مدت کے لیئے راہِ راست پر آ جاتے تھے تو ہم اپنی نعمتوں کا دروازہ یکسر کھول دیتے تھے تاکہ انکو معلوم ہو جائے کہ انعام یکسر ہماری متابعت کی وجہ سے ملتا ہے، اور جہاں ہمارے قانون سے سرکش ہو بیٹھتے تھے تو اُن کو بدحال کر دیتے تھے کہ سمجھ لیں کہ یہ بدحالی اُنکے اپنے کرتوت ہی سے ہے۔ سورہ زمر میں سَيِّاٰت کا یہی مفہوم ذرا اور بھی واضح طور پر ہے: فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِيْنَ

رہ کر لڑا کرتے تھے: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ۝ (۶۱: ۴)۔ نہیں! وہ زمین و

آسمان کے خزانوں اور ملاء اعلیٰ کے گنجینوں کا مالک خدا، جس کے قبضے میں کائنات عالم کی مقالید

لہ بیشک خدا انہی لوگوں کو پیار کرتا ہے جو اسکی حمایت اور محبت میں صف باندھکر لڑتے ہیں اور ایسے جمے رہتے ہیں کہ گویا ایک دیوار ہیں جسپر سیسہ پلا دیا گیا ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۷) ظَلَمُوْا مِنْ ھٰٓؤُلَآءِ سَیُصِیْبُھُمْ سَیِّاٰتُ مَا کَسَبُوْا، وَمَا ھُمْ بِمُعْجِزِیْنَ۝ (۳۹: ۵۱) یعنی "تو اُن لوگوں کو اُن کی بداعمالی کے بُرے نتائج اجتماعی بدحالیوں (السَّیِّاٰتُ) کی صورت میں پونہچے، اور ان اہل مکہ میں سے بھی جو لوگ حدود سے تجاوز کر رہے ہیں (ظَلَمُوْا) اُن کو بھی اُن کے اعمال کے بُرے نتائج قومی زبون حالی کی صورت میں عنقریب پونہچنے والے ہیں، اور یہ لوگ ایسے طاقتور تو ہیں نہیں کہ ہم کو عاجز کر دیں"۔ اِس موقع سے ذرا پہلے سَیِّاٰتُ کو پہر اسی مفہوم میں استعمال کیا ہے: وَبَدَا لَھُمْ سَیِّاٰتُ مَا کَسَبُوْا وَحَاقَ بِھِمْ مَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ۝ (۳۹: ۴۸)، یعنی "پہر ان لوگوں کو اپنے کرتوت کے بُرے نتیجے اجتماعی شکست و ریخت (سَیِّاٰتُ) کی صورت میں ظاہر ہو گئے، اور جس سزا کو یہ لوگ ہنسی مخول سمجھ رہے تھے اُن پر آ نازل ہوئی"۔ یہاں بھی سَیِّاٰت سے مراد بصراحت تمام وہ فقر و افلاس، خوف کا ماحول، اور ذلّ و مسکنت ہی جو اقوام عالم کو اُن کی غفلتوں اور بداعمالیوں کی پاداش میں ملتا ہے۔ اِس سے مقصود "گناہ" نہیں جس کا عملی مفہوم آج شرعی اصطلاح بن کر کچھ بے معنی سا ہو گیا ہے۔ چنانچہ سورۂ ہود میں سَیِّاٰت کا یہ حالی مفہوم اور بھی واضح ہے: وَلَئِنْ اَذَقْنٰہُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْہُ لَیَقُوْلَنَّ ذَھَبَ السَّیِّاٰتُ عَنِّیْ ط (۱۱: ۱۰)، یعنی "اگر انسان کو کسی تکلیف کے پونہچنے کے بعد ہم نعمائے الٰہی کا تھوڑا سا مزا چکھا دیں تو معًا اپنے دل میں یقین کر لیتا ہے (لَیَقُوْلَنَّ) کہ اب (ہمیشہ کے لیئے) میری سب خستہ حالیاں مجھ سے دور ہو گئیں"۔

(ب) اِن مثالوں سے قطع نظر قرآن حکیم میں 'کَسَبُوا السَّیِّاٰتُ' اور 'عَمِلُوا السَّیِّاٰتُ' کے معنی خیز جملے بھی استعمال ہوئے ہیں جن کا صحیح مفہوم قوم کے افراد کا اُن مجموعی 'گناہوں' اور بداعمالیوں میں مبتلا ہونا ہے جسکا نتیجہ اجتماعی شکست و ریخت ہی۔ یہاں پر صرف دو مثالیں پیش کر دیجاتی ہیں۔ سورۂ یونس میں ہے: وَالَّذِیْنَ کَسَبُوا السَّیِّاٰتِ جَزَآءُ سَیِّئَۃٍ بِمِثْلِھَا، وَتَرْھَقُھُمْ ذِلَّۃٌ ط (۱۰: ۲۷) یعنی "جس قوم نے بداعمالیاں کمائیں تو یاد رکھو کہ بُرے عمل کا ویسا ہی بُرا نتیجہ ہے، اور وہ نتیجہ یہ ہے کہ اُس قوم پر ذلت چھا رہی ہو گی"۔ گویا از روئے قرآن 'سَیِّاٰت' وہ اجتماعی بداعمالیاں (مثلاً تفرقہ اندازی، بدنظمی، بددیانتی وغیرہ وغیرہ) ہیں جن کا نتیجہ قوم کی بدحالی ہے۔ رہی یہ بات کہ اِس آیت میں اِس دنیا کی جزا و ذلت کا ذکر ہے، آخرت کی سزا کا مذکور نہیں، اِس کا ثبوت تیسری مجلد میں آئے گا جہاں تمام رکوع کا مربوط ترجمہ کر دیا ہے۔ سورۂ قصص کے آخری رکوع میں آخرت کی جزا و سزا کے بارے میں ہے: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ خَیْرٌ مِّنْھَا، وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَۃِ فَلَا یُجْزَی الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ اِلَّا مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۝ (۲۸: ۸۴)، یعنی "جس شخص نے اپنی جماعت کے حق میں ایک بھلائی کی تو اُسکو اِس بھلائی سے بہتر اجر دیا جائے گا، اور جس نے اپنی قوم کو کوئی گزند پونہچایا تو بداعمالیاں کرنے والے لوگوں کو تو اُن کے اعمال کے مطابق ہی سزا ملیگی"۔ گویا 'کَسَبُوا السَّیِّاٰتِ' کے قرآنی معانی قومی بدحالی کو اپنے ہاتھوں خریدنا، اور 'عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ' کا صحیح مفہوم اِس بدحالی اور ذلت کے لیئے عمل کرنا ہے جیسا کہ آج قریب قریب ہر مسلمان اپنی قوم کے لیئے اصالتًا اور معًا کر رہا ہے۔ ایک اسی قطع کی قرآنی اصطلاح 'مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ' ہی جو سورۂ نحل میں واقع ہوئی ہے: اَفَاَمِنَ الَّذِیْنَ مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰہُ بِھِمُ الْاَرْضَ اَوْ یَاْتِیَھُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ۝ (۱۶: ۴۵)، یعنی "تو کیا وہ لوگ جنہوں نے اس کارگاہ سعی و عمل میں بداعمالیوں اور غفلتوں کا جال بچھا رکھا ہے (مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ) فی الحقیقت اِس امر سے بیخوف و خطر ہو گئے ہیں کہ خدا کسی دن اُن کو زمین و دھسا مارے، یا اُنپر کوئی اور عذاب اُدھر سے آ نازل ہو جدھر سے اُن کو سان گمان تک نہ ہو"۔ گویا مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ سے مراد اجتماعی غفلتوں کا پے در پے مجرم بننا، لیکن مکر و ریا سے یہ سمجھنا کہ دراصل کسی جرم کا ارتکاب نہیں ہو رہا جیسا کہ آجکل عالم اسلام میں ہر جگہ ہو رہا ہے۔ اِسمیں شک نہیں کہ قرآن حکیم میں بعض اوقات 'حَسَنَۃٌ' اور 'سَیِّئَۃٌ' کے الفاظ بادی النظر میں انفرادی نیکیوں اور ذاتی بُرائیوں کے لیئے مستعمل نظر آتے ہیں۔ معاشری خصوصیات

اور جمیع مخلوق کا رزق ہے: لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ[1] (۳۹: ۶۳)، وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ[2] (۱۵: ۲۱)،

[1] زمین و آسمان کے خزانوں کی کنجیاں اُسی کے پاس ہیں۔ جسکو خوش ہو کر جو چاہے اُن میں سے بخش دے، تو جو لوگ احکام خدا سے منکر ہیں اور اُسکے مطابق نہیں چلتے وہی گھاٹے میں ہیں۔

[2] اور اس زمین و آسمان کے اندر کوئی ایسی شئے نہیں جسکے ہمارے ہاں خزانے نہ بھرے پڑے ہوں، اور ہم اُنکو اس دنیا میں بھیجتے بھی ہیں تو ایک مناسب اندازے کے ساتھ جو ہمارے علم میں ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۸) سے بظاہر ان کا کچھ تعلق نظر نہیں آتا لیکن اگر بہ امعانِ نظر دیکھا جائے تو سیاق و سباق کلام سے عیاں ہو جائے گا کہ اُن کا اصلی مفہوم بھی اجتماعی ہی ہے۔ قرآن حکیم اپنے کسی امر و نہی میں اجتماعیت کے گرانقدر اصل اصول کو نظر انداز نہیں کرتا، اور اُنہی اعمال کو حسنات یا سیئات قرار دیتا ہے جن کی تہ میں اجتماعی ترقی یا تنزل کے جراثیم مخفی ہوں۔ نہیں! بلکہ از روئے قرآن 'حَسَنَةٌ' انسان کا وہ انفرادی عمل ہے جو خالصتاً اس ارادے کو پیش نظر رکھکر کیا جائے کہ اُسکے کرنے میں اجتماعی فائدہ ہے، اور علیٰ ہذا القیاس 'سَيِّئَةٌ' وہ فعل ہے جسکا تعلق اور استمرار من حیث الجماعۃ نقصان دہ ہے؛ اور اسی لیئے اسکے عامل کی نیّت اپنی جماعت کے بارے میں درست نہیں۔ اعمال کا نیّات کے ساتھ لازم ملزوم ہونا اسلامی فلسفۂ عمل کا وہ جزو لاینفک ہے جو ہر صاحب نظر پر ظاہر ہے۔ دنیا کی بیدار اقوام کے سب افراد ہمیشہ سے تمام حسنات اِسی مستقل پیش نہاد کو سامنے رکھکر کرتے آئے ہیں، اور یہی مطمح نظر جب رفتہ رفتہ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے تو قوم میں بلاتحسس نتائج 'سیّئات' شروع ہو جاتی ہیں، حتیٰ کہ اکثر 'حَسَنَات' بھی 'سَيِّئَات' بن جاتی ہیں جیسا کہ آجکل زکوٰۃ ہے کہ بیہودہ اور منتشر طور پر خرچ کرنے سے مسلمانوں کو قوت دینے کی بجائے ان میں گداگروں کی جماعت پیدا کرکے ضعف پہنچا رہی ہے۔ اِس اہم موضوع کے متعلق اسلامی فلسفۂ عمل کے تحت میں مستقل بحث کی گئی ہے جو تیسری مجلد کے شروع میں آئے گی۔ سر دست صرف اِسقدر دکھلانا مقصود ہے کہ 'حَسَنَةٌ' کی صحیح تعریف از روئے قرآن یہ ہے کہ اس سے کسی مستقل اجتماعی زبون حالی (یعنی 'السَّيِّئَة') کا دفعیہ ہو۔ مثال کے طور پر اگر ایک قوم کے افراد دیانتداری کے اصول پر اسلیئے عمل پیرا ہیں کہ بددیانتی سے اُن کی تجارت کو فروغ نہیں ہو سکتا، اُنکی دنیا میں ساکھ نہیں بیٹھ سکتی، اُن کا کاروبار عالمگیر نہیں ہو سکتا، وغیرہ وغیرہ، تو وہ قوم بلاشبہ ایک 'سَيِّئَةٌ' کا دفعیہ ایک 'حَسَنَةٌ' سے کر رہی ہے، اور اسی لیئے فطرت کے خزانۂ عامرہ سے انعام پا رہی ہے۔ برخلاف اسکے جس قوم کا کوئی مستقل پیش نہاد نہیں رہا، اور اُس کے افراد فرداً فرداً نیک عمل بلانیّت کر رہے ہیں یا سرے سے قوم کے بد انجام سے غافل ہو کر بدیاں کر رہے ہیں تو قرآن کے رو سے یہ حالت کچھ داخل حسنات نہیں۔ سورۂ رعد میں ہے:

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ (۱۳: ۲۲)

لوگو! صاحب علم و نظر تو وہ لوگ ہیں ('اُولُوا الْاَلْبَاب' کا ترجمہ جو آیہ (۱۳: ۱۹) میں ہے) جو اپنے پروردگار کی خوشنودی کی خاطر استقلال کو اپنا دستور العمل بنا لیتے ہیں (صَبَرُوْا)، جو 'الصَّلٰوة' کو قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے اُنکو دے رکھا ہے اُسمیں سے ایثار مال در پردہ اور علی الاعلان کرتے ہیں، اور اپنی اجتماعی بدحالی کا دفعیہ مناسب اعمال کے ذریعے سے کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی دنیا یعنی دنیاوی معاشرت (الدَّار) کا انجام (عُقْبٰی) اچھا ہی اچھا ہے۔

'الصَّلٰوة' کی اجتماعی خوبیوں، اور ایثار مال کے اجتماعی فوائد کے متعلق اصل کتاب میں بحث ہو رہی ہے، اور آیندہ کئی ورق اِنہی اہم موضوعوں کے لیئے وقف ہیں، تاہم اِس آیۂ کریمہ سے ظاہر ہے کہ 'صبر'، 'اقامت الصلوٰۃ'، 'انفاق مال'، 'ادفاع سیئات'، سب کے سب اجتماعی اعمال ہیں جنکا اجتماعی حالت کو درست کرنے کی نیّت سے کیئے جانا مقصود ہے۔ یہی مضمون قریب قریب سورۂ قصص[3] (۲۸: ۵۴) میں ہے، اور وہاں بھی یہی مجموعی

[3] اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (۲۸: ۵۴)۔

اِن فاقہ مست اور گدیہ گر عرب کے مال و متاع کا محتاج اور قرضِ حسنہ کا امیدوار کیوں

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۹) جذر و جمد مراد ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں یہود کے سیاسی مد و جزر اور اجتماعی عروج و زوال کی توجیہ کے بارے میں خدائی ارشاد ہے:

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ۝ إِنْ أَحْسَنتُمْ أَحْسَنتُمْ لِأَنفُسِكُمْ ۖ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ط (۱۷: ۶-۷)

پھر اے بنی اسرائیل کے نافرمانبردار لوگو! ہم نے زبردست حکمرانوں کو تم پر حاکم بنا دینے کی سزا کے بعد (دیکھو آیہ (۱۷: ۵)) تم کو اُنپر غلبہ دیکر تمہیں باری دی، مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کی، اور تم کو بڑے جتھے والے بنا دیا۔ اور ہم نے بار دگر تم پر عیاں کر دیا کہ اگر تم نے حُسن عمل سے اپنی اجتماعی حالت درست کر لی (اِنْ اَحْسَنْتُمْ)، تو اس کا فائدہ تمہی کو پہنچا (اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ)، اور اگر اس سے پیشتر تم نے بُرے عمل کر کے اپنے آپ کو غیر کا محکوم بنا لیا تھا (اِنْ اَسَاْتُمْ) تو اس کا نقصان بھی تمہی کو ملا تھا (فَلَهَا)۔

یہاں صاف طور پر رب زمین و آسمان کی لغت میں حُسنِ عمل (الحسنات) سے مراد اجتماعی بیداری اور قومی احیاء کے وہ متعارف اعمال ہیں جنکا اٹل نتیجہ غلبۂ قوم ہے، اور سُوءِ عمل (السیئات) قومی اخلاق کا وہ انحطاط عمیم ہے جس کا نتیجہ محکومیت اور غلامی ہے۔ جن لوگوں نے حسن عمل سے مراد نہاں خانوں میں بیٹھکر تسبیحیں چلانا سمجھ رکھا ہو اُن کے لیئے یہ آیات ازبس سبق آموز ہیں! بنی اسرائیل کی قوم نے اپنے ظالم حاکموں (نہیں بلکہ خدا کے سخت گیر اور بارعب بندوں "عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ" (دیکھو آیہ (۱۷: ۵)) سے نجات اعتکاف خانوں کے اندر تسبیحیں پھیر پھیر کر حاصل نہیں کی تھی، وہ لامحالہ تیغ و تفنگ لیکر باہر نکلے ہونگے، ایمان کی اٹل قوتیں اُنکے دلوں میں موجزن ہوئی ہونگی، اتحاد، صبر، ایثار مال وغیرہ ان کا مذہب عمل بن گیا ہوگا، پھر رب غفور و رحیم نے انکے اس "حُسن عمل" کو دیکھکر اُن کے گذشتہ گناہ، معاف کر دیئے ہوں گے، اور یہ بادشاہت کا حاصل ہونا ہی خوشنودیٔ خدا کی علامت تھی! مال و اولاد کی کثرت (اَمْدَدْنَاكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ)، اور اُن کا جم غفیر ہو جانا (وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا) بھی کچھ تسبیحوں کے زور سے نہ تھا، یہ سب افضال الٰہی عروس سلطنت کی وہ اونے کنیزکیں ہیں جو ہاتھ باندھے ہوئے اس کے جلو میں ہر وقت حاضر رہتی ہیں، اور ہر اُس قوم کے گھر کا اُجالا بن جاتی ہیں جسکی میہمانی عروس بادشاہت قبول کرے! جو قوم اس کارگاہ عمل میں اپنی بہتری کے لیئے حتی الامکان ہاتھ پیر مار رہی ہے، جو سعی و عمل کی دوست ہے، آزاد اور زور آور ہے، جو اُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ ہے، وہی "اَحْسَنْتُمْ" کی مصداق ہے، وہی قانون خدا کی پابند ہے، وہی خدا کی عملاً غلام ہے، وہی "عبادت" کا حق ادا کر رہی ہے، وہی "عِبَادًا لَّنَا" ہے! منکوں کو ہاتھ میں پھیر پھیر کر رواں کرنیسے خدا کی بندگی ہرگز نہیں ہو سکتی! اسکے لیئے ملازم ہونا شرط ہے، کام کرنا شرط ہے، متفق اور متحد ہو کر ہاتھ پیر مارنا شرط ہے! لیکن اس موضوع کو یہاں پر طول دینا بہت کچھ پیش از وقت ہے۔

(ج) "سَيِّئَةٌ" اور "حَسَنَةٌ" کے متعلق متذکرۂ صدر بحث سے جو (الف) اور (ب) کے ماتحت ہوئی اسقدر ظاہر ہے کہ جہاں آیات مشمولۂ (الف) میں ان اصطلاحوں سے مقصود اجتماعی بدحالی اور قومی خوشحالی ہے، وہاں آیات مذکورہ (ب) میں ان سے مراد وہ اعمال ہیں جو اجتماعی بدحالی اور خوشحالی کا پیش خیمہ ہوتے ہیں اور جن کا انجام بادشاہت اور تسلط فی الارض یا محکومیت اور غلامی ہے۔ اِس نقطۂ نظر سے کلام الٰہی میں جہاں جہاں یہ الفاظ آئے ہیں وہاں مراد یہی طاقت افروز یا شکست انگیز اعمال ہیں اس سے کمتر قطعاً کچھ نہیں۔ سورۂ انعام کے آخری رکوع میں ہے: مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا ۖ وَمَن جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ (۶: ۱۶۱)، یعنی "جو متنفس اس کارگاہ سعی و عمل سے ایک "حسنہ" کما لایا تو اُسکو اُس جیسی دس "حسنات" انعام میں ملیں گی اور جس نے اپنی جماعت کے حق میں کوئی شکست انگیز عمل کیا تو اسکو صرف اسیقدر سزا ملے گی جسقدر اُس نے شکست و ریخت کی تھی، اور اُنپر زیادتی تو کسی صورت میں نہ ہوگی" یہاں بادی النظر میں محاکمہ عام معلوم ہوتا ہے اور خیال میں آتا ہے کہ کسی خاص نیکی کی تخصیص نہیں کی لیکن اس سے پہلے کی آیت: إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّمَا

رہا کرتا تھا، اور اِس بروقت مالی امداد کے صلے میں چند سکوں کے بدلے، جنّت کے نظر فریب

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۰) اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ٥ (۶: ۱۶۰) یعنی اے پیغمبر! جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور کئی فرقے بن گئے، تمہارا اُن سے کچھ تعلق نہیں ہے، اُن کا معاملہ خدا کے حوالے ہے، وہ خود ہی انکو دردناک سزائیں دے گا اور اِس وقت اُن کے بداعمال کا نتیجہ ہو بہو بتلادے گا جبکہ شکست و ریخت اُن کے سروں پر چھا رہی ہوگی"۔ مگا فیصلہ کر دیتی ہے کہ حَسَنَةٌ اور سَيِّئَةٌ کے الفاظ بالتخصیص اِسی اتحاد اور فرقہ بندی کے متعلق استعمال ہوئے ہیں جو ایک اجتماعی عمل ہے، اور ایسے ہی دور رس اور نتیجہ خیز اجتماعی نیکیوں کے متعلق خدائے زمین و آسمان نے دس گنا ثواب مقرر کیا ہے۔ نہ یہ کہ اگر کسی راہ چلتے گدیہ گر کو دو پیسے دیدیئے جائیں تو خدا سے بیس پیسوں کا امیدوار انسان ہوجائے علی ہذا القیاس سورہ نمل کے اخیر میں الْحَسَنَةُ کو اِسقدر جلیل القدر اور لائق الطاف و اکرام عمل قرار دیا گیا ہے کہ قیامت کی نفسا نفسی اور کس مپرسی کے دن اُس ایک الحسنۃ کا عامل سب جزع و فزع سے امن میں ہوگا، اور ایک السیئۃ کا کرنے والا اوندھے منہ جہنم میں دھکیل دیا جائے گا؛

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ٥ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِى النَّارِ ۭ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ٥ (۲۷: ۸۹ - ۹۰) یعنی جس متنفس نے قیامت کے دن الحَسَنَة کو اپنی شفاعت میں پیش کیا تو اسکو اُسکے عمل سے بہتر اجر دیا جائے گا اور ایسے لوگ اُس دن قیامت کی تمام جزع و فزع سے امن میں ہونگے، اور جو السَّيِّئَة کو اپنے ساتھ لایا تو ایسے لوگ اوندھے منہ دوزخ میں دھکیل دیے جائینگے اور اُن سے پوچھا جائے گا کہ کیا یہ دردناک سزا تم لوگوں کو ماسوا تمہارے اعمال کے کسی اور جرم کی پاداش میں مل رہی ہے"۔ اِن آیاتِ الٰہی سے ظاہر ہے کہ الحَسَنَة کا معیار از روئے قرآن کسقدر بلند ہے۔ آج لوگوں نے نیکی کا معیار اِسقدر پست متصور کرلیا ہے کہ ادنیٰ سی اور بے نتیجہ نیکیاں کرکے دس گنا ثواب کے منتظر رہتے ہیں اور اِس ناروا زعم میں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہتے ہیں۔ قریب قریب یہی بات سورہ المومن (۴۰: ۴۰) میں ہے مگر اسکے اعادے کی یہاں پر ضرورت نہیں۔ قرآن حکیم کی کل کائنات میں صرف دو یا تین موقعے (۴: ۷۹، ۱۴۲) (۴۱: ۳۴) (۲۳: ۹۶) ہیں جہاں بادی النظر میں سَيِّئَةٌ یا حَسَنَةٌ کے الفاظ انفرادی معانی میں استعمال ہوئے ہیں مگر جس وقت اُن آیاتِ الٰہی کا ربط اصل کتاب میں ظاہر کردیا جائے گا تو عیاں ہوجائے گا کہ اُن موقعوں پر بھی اِن قرآنی مصطلحات کا بلند معیار بدستور قائم ہے۔

اِس تمام طول و طویل بحث و تمحیص سے جو ان اوراق میں سَيِّئَةٌ اور حَسَنَةٌ کے الٰہی مفہوم کے متعلق ہوئی بہر نوع یہ ظاہر ہے کہ سَيِّئَةٌ کے معانی بھی مُصِيْبَةٌ کی قرآنی اصطلاح کی مانند دنیاوی اور اجتماعی بدحالی کے ہیں۔ جو جو سزائیں اقوام عالم کو اِس دنیا میں قانون خدا سے منحرف ہونے، اور ذاتی غفلتوں کے تسلسل میں ملتی ہیں اُن کے لیئے قرآن نے لفظ 'سَيِّئَات' تجویز کیا ہے۔ اِسی لحاظ سے جہاں جہاں قرآن میں "نُكَفِّرْ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ" یا "لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ" وغیرہ کے الفاظ ہیں انکا صحیح مفہوم یہ ہے کہ "ہم اُن کی تمام اجتماعی بدحالیوں اور خانہ بربادیوں کو دُور کردینگے"۔ نہ یہ کہ "ہم اُن کے گناہوں کو معاف کردینگے"۔ جس کے معنی عملاً غیر محدود ہیں کیونکہ کسی شخص یا قوم کو پتہ نہیں لگ سکتا کہ اسکے گناہ درحقیقت معاف ہوئے ہیں یا نہیں۔ اکثر شارحین قرآن نے اِن الفاظ کا یہ بے معنی اور بے نتیجہ سا ترجمہ کردیا ہے اور حقیقت سے دور جا پڑے ہیں۔

'سَيِّئَةٌ' کے لفظ پر طول و طویل بحث آیہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ٥ (۲: ۱۵۶) صفحہ ۱۲۳) کے تحت میں اِس لیئے کی گئی ہے کہ صفحہ ۱۳۲ کے متن کی آیہ (۳: ۱۹۴) میں لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ کے الفاظ آچکے ہیں اور 'سَيِّئَةٌ' کی تشریح نہیں ہوسکتی تھی جبتک کہ 'مُصِيْبَةٌ' کی تشریح نہ کردیجاتی۔ بہر نوع ظاہر ہے کہ اس آیت میں مراد یہ ہے کہ جن لوگوں اور قوموں نے میری راہ میں قتال کیا اور قتال کرتے کرتے ترک وطن پر مجبور ہوئے، میں اُن کی اجتماعی بدحالیوں کو دور کردونگا، اور اُنکو ایسے باغوں اور سرسبز زمینوں (جنّٰت) کا بادشاہ بنادونگا جن کے تلے نہریں بہتی ہونگی۔ ضمناً یہاں 'جنّٰت' کے معانی کی بھی تشریح ہوگئی۔ اگرچہ جنّٰت کے متعلق مکمل بحث تیسری مجلد پر چھوڑ دی گئی ہے۔ جو شخص اس قتال میں پیچھے رہے اُن کے لیئے زمین کے جنّات کی بادشاہت، اور جو مارے گئے اُنکے لیئے آخرت کے

باغات اور نہریں کیوں فروخت کر دیا کرتا تھا، اور پھر ان نعمائے الٰہی کے باوجود اس

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۱) باغ بہشت - یہی "ثَوَابًا مِّنْ عِندِ اللّٰهِ" کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ 'مِنْ' کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ ثواب دنیاوی ہے اور سودا نقد - آخرت کا اُدھار مقصود نہیں جیساکہ شارحین نے بالعموم فرض کر لیا ہے اور اس نارو افرض کے باعث مسلمانوں کے آگے سے بادشاہت زمین کا وہ اہم نصب العین اور بہترین انعام دور کر دیا ہے جس پر سعی و عمل کا تمام حصر تھا۔

صلوٰت کے مفہوم کی تشریح

آیہ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (۲: ۱۵۶) کے مطالب کی صحیح تعیین کے بعد جو غور طلب بات لائق شرح و بیان رہجاتی ہے یہ ہے کہ آیہ (۲: ۱۵۷) صفحہ ۱۲۳ کے الفاظ أُولٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ میں صَلَوٰتٌ کا مفہوم بعینہ کیا ہے، نہیں بلکہ مروجہ طریق درود خوانی میں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ کے کیا معانی ہیں - اہل اسلام کی شرعی مجالس میں اور دوسرے موقعوں پر نبی کریمؐ کے نام پر درود بھیجنے، کا طریقہ ابتدا سے رائج ہے، اسمیں ہر مسلمان روز اوّل سے نہایت شد و مد سے حصہ لیتا چلا آیا ہے، اور اس درود کا بار بار پڑھنا 'داخل ثواب' سمجھتا ہے - صدر اسلام میں یا اسکے کچھ دیر بعد تک جب کہ نبی آخر الزمانؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پڑھایا ہوا سبق ابھی تازہ ہی تھا، اور اسلامی اوامر و نواہی کی حکمت بالغہ ہر مسلمان کے ذہن نشین اسقدر ہو گئی تھی کہ اسکی تعمیل کیلئے عند الضرورت ہزاروں میل چلنا بھی اُسکے لیئے ناگوار نہ تھا، ممکن ہے کہ کم و بیش ہر مسلمان 'درود' پڑھتے وقت اسکے صحیح مفہوم سے واقف ہو بلکہ اسکو صحیح لہجے اور تکیف دل کے ساتھ ادا کرتا ہو لیکن آج جبکہ مسلمانان عالم اسلام کا اکثر درس بھول گئے ہیں، 'درود' کا صحیح مفہوم اور اُسکا سچا کیف حال ذہنوں سے قاطبۃً نکل چکا ہے، اور باقی ملفوظات شرعی کی طرح یہ عمل بھی محض رسمی اور بے نتیجہ رہ گیا ہے - آج جب کسی اوسط مسلمان کو 'درود' کے متعلق سوال کیا جاتا ہو کہ وہ کیا ہے، کیوں اور کس لیئے بھیجا جاتا ہے، اسکی الٰہی حکمت کیا تھی، تو وہ آئیں بائیں شائیں کرتا نظر آتا ہے، اور بالآخر جب تہ تک نہیں پونچ سکتا تو سب ہتیار ڈالکر کہہ دیتا ہے کہ خدا کے احکام میں عقل کو کچھ دخل نہیں! اسمیں کلام نہیں کہ یہ طریق تخیل کسی حق طلب قوم کے لیئے ازبس مہلک ہے، اور فقدان عمل کا راز بھی اسی دم مزن اور لب بکشا حالت کے قیام میں ہے - آیہ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ کی متذکرہ صدر توضیح کے بعد کم از کم یہ ظاہر ہے کہ خدا نے اپنی جناب سے اُن لوگوں کو تحسین و آفرین کہنے کا وعدہ کیا ہے جو کسی اجتماعی مصیبت کو دفع کرنے کی غرض سے قانون خدا کی طرف لوٹ آتے ہیں، اور ایسے ہی کارکن لوگوں کے بارے میں أُولٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ کے الفاظ استعمال کیئے ہیں - گویا صَلَوٰتٌ سے مراد وہ شاباش اور تحسین و آفرین ہے جو کسی شخص کو کسی پسندیدہ کام کے سر انجام کرنیکے بعد دیجاتی ہے - قرآن حکیم میں سرور کائناتؐ پر 'صلوٰت' اور 'سلام' بھیجنے کا حکم سورۂ احزاب کے ان الفاظ سے ظاہر ہے:

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (۳۳: ۵۶)

(لوگو! تم کس ناروا زعم میں ہو اور کیوں آئے دن نئے نئے بہتان باندھکر اور خوابیدہ فتنے جگا جگا کر رسول خدا کو تنگ کرتے ہو حالانکہ اس جلیل القدر نبیؐ کی تو شان و منزلت ہے کہ) وہ زمین و آسمان کا مالک خدا، اور اسکی عالم آرا قوتوں کے علم بردار فرشتے سب کے سب اُسکی حیرت انگیز طاقت عمل، اُسکی صحبت کے دیرپا اثر، اُسکے انقلاب انگیز زور برداشت، اُسکی مقلب القلوب روحانیت پر تحسین و آفرین کے نعرے لگاتے رہتے ہیں (يُصَلُّونَ) اور ہر دم اُسکے خیر الورٰی اور سید کائنات ہونے کی شہادت دیتے ہیں - اے ایمان والو! تم بھی اپنے اس رہنمائے جلیل پر آفرین کے نعرے لگاؤ (صَلُّوا عَلَيْهِ)، اور اُسپر اپنی تمام اُمت کا سلام بھیجا کرو (سَلِّمُوا تَسْلِيمًا) اُسکے احکام کے آگے سر تسلیم خم کر دیا کرو (سَلِّمُوا تَسْلِيمًا)۔

ملٰٓئکہ کی حقیقت سے یہاں پر بحث نہیں، نہ اسپر کہ رسول خدا کا وہ کیا زور عمل تھا جس نے ایک عالم کو انگشت بدنداں کر دیا تھا، اسکی حقیقت اصل کتاب میں بتدریج عیاں کر دیجائے گی - لیکن یہاں ظاہر ہے کہ نبیؐ پر درود بھیجنے سے مراد کیف دل کے ساتھ اُسکے جلیل القدر کارناموں پر متحیر ہونا، اُس کا نام برلب آنے پر تحسین و آفرین کے نعرے لگانا، اسکو زندہ باد (سلام) کہنا وغیرہ وغیرہ ہے جیساکہ آج ہر قوم اپنے رہنماؤں کے دیدار سے مشرف ہو کر کیا کرتی ہے - اس عقیدت کیشی کا نتیجہ اکثر یہی ہوا کرتا ہے کہ دل میں اُن کاموں کی عظمت برقرار رہتی ہے، اور ہر شخص کے دل میں کچھ نہ کچھ اس رہنما کے

قرضِ حسنہ کی چند در چند واپسی کا کیوں اقرار کرتا تھا؟

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۲) قدم بقدم چلنے کی اُمنگ پیدا ہوتی ہے۔ یہی مقصود نبی کریمؐ پر "درود" بھیجنے سے تھا اور یہی اسکا ثواب، (فائدہ) ہے مگر واحسرتا کہ یہ رسم بھی اب بے اثر ہو چکی ہے!

رہی یہ بات کہ صَلٰوۃ سے مقصود بعینہٖ یہی تھا جو اوپر بیان ہوا، اور صَلٰوۃ کا عمل صرف پیغمبر خدا ہی سے مخصوص نہیں بلکہ ہر در خورِ تحسین شخص اس کا مستحق ہے، اور اس زمانے میں تھا جب کہ قرآن وحی کیا جا رہا تھا، اس کا ثبوت سورۂ توبہ کی ایک آیت سے ہوتا ہے جس میں منافقین عرب پر درود بھیجنے کا حکم رسولؐ خدا کو دیا گیا ہے!!

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (۹:۱۰۳)

اے پیغمبر! ان مشککین اور منافقین عرب سے اُنکے مال میں سے کچھ شئے بطور صدقہ لے لیا کرو (کہ یہ صدقہ بادی النظر میں اُنکی مزعومہ قلبی کیفیت کی تصدیق کرتا ہے (دیکھو صدقہ کی تعریف تحت المتن صفحہ ۱۱۷))، تم یہ طریقہ اختیار کرکے فی الحقیقت ان کے دلوں کو محبت ماسوئی سے پاک صاف کر دوگے (تُطَهِّرُهُمْ) اور ان کے نفسوں کو آلائش حُبِّ زر سے مبرّا کر دوگے (تُزَكِّيْهِمْ) اور یہی نہیں بلکہ اُن کا شکریہ ادا کرو (صَلِّ عَلَيْهِمْ) انکو اس ایثار مال کے عوض میں تحسین و آفرین کہو (صَلِّ عَلَيْهِمْ) انکو دعائے خیر دو (صَلِّ عَلَيْهِمْ) کیونکہ تمہاری شاباش (صَلٰوتَكَ) اُنکے لیے موجب طمینان ہوتی ہے اور انکو ان سے بہی اچھے کاموں کے کرنے پر آمادہ کرتی ہے، اور یوں تو خدا ہر شخص کے ظاہر و باطن کو سمجھنے والا اور دل کی کیفیات کو خوب جاننے والا ہے۔

اسی سورۃ میں جہاد سے جی چرانے والے منافقین کے بارے میں: وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا (۹:۸۴) ہے یعنی اگر ان میں کوئی مر جائے تو انکو ہرگز شاباش نہ کہو! اور پھر آگے چلکر اعراب کے

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۹:۹۹)

اور لوگو! ان بدو اعراب میں سے ایک طبقہ ان لوگوں کا ہے جو خدا کو حاکم اعلیٰ مانتے ہیں اور اُسکے حضور میں روز قیامت کو جواب دہی کرنے پر یقین کرتے ہیں، اور جو ایثار مال وہ کرتے ہیں اُسکو خدا کے تقرب اور رسول کی شاباش (صَلَوٰتِ) کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اے پیغمبر! ان کے ذہن نشین کر دو کہ یہ مال خرچ کرنا بیشک ان کے لیئے باعث تقرب ہے؛ اور اگر وہ اسیطرح اپنی اجتماعی بہتری کے لیئے مال خرچ کرتے رہے تو عنقریب خدا انکو اپنی رحمت میں لے لیگا۔ اسمیں شک نہیں کہ وہ کارکن لوگوں کے حق میں گذشتہ واماندگیوں پر بڑا پردہ ڈالنے والا، اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

یہاں صاف طور پر "صَلَوٰت" کا مطلب وہ شاباش اور دعائے خیر ہے جو رسولؐ خدا ایسے مفید کارکنوں کو دیا کرتے تھے اور جو اُن کے لیئے باعث ازدیاد اطمینان ہوا کرتی تھی۔ سورۂ احزاب میں قرون اولیٰ کے کارکن اور شہدائے خدا مومنوں پر خدا اور اُسکے فرشتوں کا درود بھیجکر "صَلَوٰت" کی حقیقت کو اور بھی عیاں کر دیا ہے: (اس آیت میں "الظُّلُمٰت" اور "النُّوْر" کے صحیح مفہوم پر بحث نہیں، آیندہ ترجمے میں ان اصطلاحوں کا قرآنی مفہوم ادا کر دیا ہے لیکن اسکا ثبوت بعد میں کسی موقع پر آئیگا)

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ○ (۳۳:۴۳)

مسلمانو! اُس رب ذوالمنن کے احسان واکرام کی یہ شان ہے کہ وہ اور اسکی عالم آرا قوتوں کے علمبردار ملائکہ آج تم خستہ حال اور بے بہرہ، کم اجل زدہ اور نابکار اہل عرب کو اپنی تمام مستعدی کے ساتھ تحسین آفرین کہہ کہہ کر اس بات پر آمادہ کر رہے ہیں (يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ) کہ تم کو جہالت، غفلت اور ناانجام شناسی کی ظلمتوں سے (مِنَ الظُّلُمٰتِ) نکالکر علم و عمل اور حقیقت کی روشنی کی طرف (اِلَى النُّوْرِ) نکال لائیں، اور اسمیں شک نہیں کہ وہ بادشاہ زمین و زمان! ایمان لوگوں کے ساتھ بڑا ہی صاحب لطف و کرم رہا ہے۔" (مَلٰٓئِكَة کی حقیقت اور اُنکے "درود" کی کیفیت سے یہاں پر بحث نہیں، لیکن ظاہر ہے کہ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ سے مراد یہاں پر وہ تحسین آفرین ہے جو ایک صاحب حکم اور ہوشمند، ایک عادل اور محسن شخص کسی مصیبت زدہ اور غافل شخص کو اس نیت سے دیتا ہے کہ اسمیں اپنے آپ کو اُس تکلیف سے نجات حاصل کرنے کا حوصلہ اور استعداد پیدا ہو۔ مومنین عرب کے حق میں خدائے بیمثال کے اسی بے اندازہ کرم کو مدنظر رکھکر اس سے پیشتر کی آیت میں فرمایا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ○ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ○ (۳۳:۴۱-۴۲)

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ؗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (۹: ۸۸-۸۹)

لیکن رسولؐ اور جو لوگ اسکی تائید میں ایمان لاکر اپنے مال و جان سے جہاد کرتے رہے، یہی ہیں جنکو بہتر سے بہتر چیزیں دیجائیں گی، اور یہی کامیاب لوگ ہیں۔ اللہ نے اُن کیلئے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، وہ اُنمیں ایک مدت مدید تک رہیں گے، اور یہ بڑی ہی کامیابی ہے۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۱۳۲) یعنی اَے ایمان والو! خدا کا اپنے دلمیں احساس کثرت سے کیا کرو، اور صبح و شام اسکی تسبیح و تقدیس کرتے رہو" گویا ایسا محسن، ایسا رحیم، ایسا صاحب لطف و کرم خدا جو تم کو شاباش دے دے کر ظلمت سے نور کی طرف نکالتا ہے اور تمہارے حوصلے بڑھا بڑھا کر تم کو حقیقت اور امن، تمکن فی الارض اور بقا کی طرف لاتا ہے اسی کے شایاں ہے کہ ہر دم اس کا کھٹکا اور اسکی یاد دل میں لگی رہے)۔

اِن تمام مثالوں سے ظاہر ہے کہ وہ شرعی ماحول جو لفظ 'صل علیٰ' کے گرداگرد پیدا ہو گیا ہے خود لوگوں کا پیدا کیا ہوا ہے۔ قرآن کو اس سے کچھ سروکار نہیں۔ قرآن حسب موقع عام مومنوں بلکہ منافقوں پر درود بھیجنے سے بھی نہیں جھجکتا! ضمناً یہ بھی ثابت ہو گیا کہ الصلوٰۃ تحمید و تحسین ربّ العٰلمین ہے۔

اس تمام تصریح کے بعد ضمناً اُس عظیم الشان حکایت کے صحیح مطالب بھی صاف ہو جاتے ہیں جو ہر مسلمان پانچ وقت خدائے جل شانہٗ کے حضور میں سلام پھیرنے سے پہلے بیٹھکر کرتا ہے۔ یعنی 'اَلتَّحِيَّاتُ' اور 'اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ' اور 'اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ' کے مطالب۔ آج فیصدی ایک متنفس بھی اِن تینوں قرأتوں کے مقاصد کی تہ تک نہیں پونہچتا، اور علی الحساب بُڑبُڑا کر سلام پھیر دیتا ہے۔ الصلوٰۃ کے صحیح مقاصد کے متعلق مفصل بحث اصل کتاب میں آگے آ رہی ہے لیکن ظاہر ہے کہ نماز میں حضوریٔ دل نہ ہونیکا بڑا باعث اُسکے صحیح مطالب کو نہ سمجھنا ہے۔ جب ایک شخص نہیں سمجھتا کہ وہ مخاطب کو کیا کہہ رہا ہے اور کس غرض و مطلب کے لیئے کہہ رہا ہے تو اسکا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ وہ اُسکو طوطے کی طرح پڑھکر جھٹ سا اُتار دے اور بس۔ 'اَلتَّحِيَّاتُ' خدا کے حضور میں ہر مسلمان عالم اور عامل کا وہ خراجِ تحسین و آفرین ہے جو وہ نبی کریمؐ کے حیرت انگیز اور جلیل القدر کارناموں کو ذہن میں لاکر دن میں پانچ وقت ادا کرتا ہے، وہ ربِ ذوالجلال کی جناب میں اطمینان سے بیٹھکر سب سے پہلے اس آقائے ذوالمنن کی نعمتوں کا مُقِر ہوتا ہے (اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰةُ وَالطَّيِّبَاتُ)، پھر اس رسول اعظم کے اعمال کو جسنے تیئیس برس کی اقل قلیل مدت میں ایک جاہل اور اُجڈ قوم کا باوا آدم بدلکر انکو روئے زمین کے اکثر حصے کا بادشاہ بنا دیا تھا، سراہتا ہے، اُسپر رحمت اور برکت بھیجنے کی سفارش کرتا ہے، اُسکو اعظم الناس سمجھتا ہے (اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ)، پھر اپنے آپ کو اُسی جلیل القدر رہنما کا ایک پیرو، اور اُمتِ وسطیٰ کا ایک کارکن شمار کرکے اُس شہداء علی الناس اُمتؐ اور اُسکے صالح العمل ارکان پر سلام بھیجتا ہے (اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ)، بعد ازاں خود اپنے دن بھر کے کارناموں اور اعمال کو نہایت عاجزی سے خدائے زمین و آسمان کے حضور میں پیشکش کرکے اپنے آپکے شاہد خدا ہونے اور اُس رسول کے اُمتی ہونے کا مُقر ہوتا ہے (اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ) اسکے بعد 'اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ' اور 'بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ' ہے۔ پھر خدا کے ساتھ کئی لمحوں کی حضوریٔ دل، اور خلقِ خدا سے قطع تعلق کے بعد باشندگانِ زمین کو 'اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ' کا نعرہ دائیں بائیں ہے، اور نہایت ادب سے اُسکے حضور سے اُٹھ جانا ہے۔ یہ نماز اگر اسی کیفیت دل کیساتھ ادا ہو تو کچھ معنی رکھتی ہے، نتیجہ خیز ہے، ورنہ ایک بے اثر اور بے ثواب رسم ہے جسکو لاکھ بار کرنے سے کچھ نتیجہ مترتب نہیں ہو سکتا۔ انسان جو چاہے فرض کرے مگر اس کارخانۂ قدرت کے اندر وہی شئے نتیجہ خیز ہے جو واقع الامر ہے۔ فرض اور ظن کو اسکے اندر کچھ دخل نہیں!

۴ 'الحسنات' کی تشریح صفحہ ۱۲۶ کے تحت المتن میں 'سیّئۃ' اور سیّئات کی شرح و بسط کے ضمن میں ہو چکی ہے[۱] اور وہاں پر ثابت کر دیا ہے کہ 'حسنات' کا اصلی مفہوم وہ اجتماعی برکتیں اور خوشحالیاں ہیں جو اُمتوں کو اُن کے حسن عمل کے انعام میں ملا کرتی ہیں، نیز یہ کہ بعض موقعوں پر حسنۃ سے

[۱] دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۰۵۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ○ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗٓ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً ؕ وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ ۪ وَ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۴) مقصود بذات خود وہ اجتماعی اعمال ہیں جن کا نتیجہ قوم کی خوشحالی ہوا کرتا ہے۔ اس آیۂ شریفہ میں 'الخَیْرٰت' کا لفظ استعمال ہوا ہے، اور سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ یہاں پر بھی 'مومن' اور مجاہد بالمال والانفس قوم کو اجتماعی خوشحالی کی بشارت دی گئی ہے (اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْخَیْرٰتُ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ)۔ شارحین نے 'خَیْرٰت' سے مراد نیکیاں، اور فلاح کا مطلب 'اُخروی نجات' لے لیا ہے۔ بے معنی ہے، کیونکہ نیک عمل (یعنی جہاد مال و جان) کے بدلے 'نیک عمل' ملنا کچھ معنی نہیں رکھتا۔ اور 'فلاح' بھی دنیوی اور اخروی دونوں مقصود ہے (صرف اُخروی نہیں جو منظر وہ ہے تا حال نہاں ہے اور اسقدر محرک سعی و عمل نہیں ہوسکتی جسقدر کہ فوری اجر۔ نہیں بلکہ اجتماعی فلاح کا حاصل ہو جانا، یا اسکی جستجو میں اپنی جان اور مال کو قربان کر دینا ہی کسی متنفس کی اخروی نجات کا پیش خیمہ ہے، اور یہی اس آیندہ اور ابدی نجات کے حاصل کرنے کا صحیح معیار ہے۔ اس موضوع پر مدلل بحث اصل کتاب میں کچھ دیر بعد آئے گی، سردست لفظ 'خَیْرٰت' سے سروکار ہے جسکے معنی ہم نے دنیا کی بہترین اشیاء اور نعمہائے الٰہی کیئے ہیں۔ اس مفہوم کی تائید قرآن حکیم میں کئی موقعوں پر بالصراحت موجود ہے۔ سورۂ مومنون میں فرقہ بند، مشرک، اور منتشر الاعمال قوموں کے بارے میں ہے: اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّھُمْ بِہٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِیْنَ ○ نُسَارِعُ لَھُمْ فِی الْخَیْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ○ (۲۳: ۵۵-۵۶) "کیا یہ لوگ اِس زعم میں ہیں کہ ہم جو فی الحال مال اور اولاد کی کثرت سے انکی مدد کر رہے ہیں، اس سے یہ مترتب ہوتا ہے کہ ہم انکو اچھی اچھی اشیاء (الخَیْرٰت) اور نعمتہائے الٰہی (الخَیْرٰت) کے عطا کرنے میں جلد بازی کر رہے ہیں۔ نہیں بلکہ یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ ہم ان کو کچھ اپنے پاس سے دے نہیں رہے، بلکہ لگے دیئے ہوئے انعام بھی رفتہ رفتہ چھین رہے ہیں۔" آگے چلکر ایمان والی قوم کے بارے میں ہے: اُولٰٓئِکَ یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَھُمْ لَھَا سٰبِقُوْنَ ○ (۲۳: ۶۱) "یہی وہ لوگ ہیں جو فی الحقیقت انعامات خدا (الخَیْرٰت) کے حاصل کرنے میں جلدی کر رہے ہیں (نہ وہ لوگ جن کا ذکر اوپر ہوا (۲۳: ۵۵-۵۶)، اور یہی اُن کو لپک لپک کر پکڑ رہے ہیں۔" ان دونوں موقعوں پر 'الخَیْرٰت' کے کوئی دوسرے معانی ہو نہیں سکتے، اور مراد صاف طور پر اجتماعی انعام ہیں، انفرادی نہیں۔ سورۂ مائدہ میں علیٰ ہذا القیاس اختلاف کی برائیوں کے ضمن میں ہے:

وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَجَعَلَکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّلٰکِنْ لِّیَبْلُوَکُمْ فِیْ مَآ اٰتٰکُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ ؕ اِلَی اللّٰہِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ ○ (۵: ۴۸)

اور اے ساکنانِ زمین! اگر خدا اپنی مرضی کرتا (لَوْ شَآءَ اللّٰہُ) تو ضرور تم انسانوں کو ایک اُمت بنا دیتا۔ لیکن یہ صورت اختلاف جو تم نے اپنی خود رائی اور خدا سے برگشتگی کے باعث پیدا کر لی ہے اس سے شارع کائنات کی غرض یہ ہے کہ وہ تم مختلف شدہ امتوں کا امتحان اُن اہلیتوں اور نعمتوں کے بارے میں لے جو اُسنے تم کو دیں (لِّیَبْلُوَکُمْ فِیْ مَآ اٰتٰکُمْ)۔ تو اے انسانی اُمتو! تم اپنے آپ کو اس آزمایش میں کامیاب ثابت کرنے کے لیئے خداوند عالم کے بہترین اجتماعی انعامات کی طرف لپکو (فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ)۔ جانے رہو کہ تم سب نے ایک ایک دن خدا کی طرف لوٹنا، اور اُسکے حضور میں اپنے سعی و عمل کی جوابدہی کرنی ہے۔ پھر اُسدن وہ بنی نوع انسان کا خالق خدا تم کو اُس حقیقت حال سے مطلع کر دے گا جسکے بارے میں تم آپس میں اختلاف پیدا کر کے ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہو گئے تھے۔

اِس آیۂ شریفہ کے مطالب کے متعلق مکمل بحث صفحہ ۱۹۳ کے تحت المتن میں آئے گی۔ وہاں پر 'لَوْ شَآءَ اللّٰہُ' کا متذکرۂ صدر مفہوم ثابت کر دیا جائے گا لیکن ادنیٰ تامل کے بعد صاف ظاہر ہے کہ 'الخَیْرٰت' سے مراد یہاں پر وہ اجتماعی انعامات ہی ہیں جو اقوام عالم کو اُن کے سعی و عمل کے بدلے میں خدا کی جناب سے ملتے ہیں اور انہی انعامات پر قبضہ کرنیکے لیئے 'اسْتَبِقُوْا' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے 'نیکیوں کی طرف لپکنا'، جیسا کہ اکثر شارحین نے سمجھ لیا ہے محض بے نتیجہ اور بے ربط ہے کیونکہ سعی و عمل کے متعلق تمام ترغیب و تحریص کسی مستقل انعام کو پیش نظر رکھکر ہوسکتی ہے، سعی بے حاصل کو فی نفسہ مآلِ سعی سمجھنا محض ایک شاعرانہ تخیل ہے، جس کی حقیقت از روئے عمل کچھ نہیں۔ یہی مفہوم 'الخَیْرٰت' کا سورۂ فاطر کی اس معنی خیز آیت میں ہے: ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ

اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ○ (۲: ۱۴۴-۱۴۵)

اور خدا کا بول بالا کرنیکے ضمن میں اگر دشمن سے لڑائی کی نوبت بھی آپہنچے تو قتال کرو، اور خوب جان لو کہ خدا تمہارے ارادوں کو بڑا سمجھنے والا، اور تمہارے اعمال کو بڑا جاننے والا ہے۔ کون ہے جو اللہ کو خوش دلی کے ساتھ قرض دے، اور پھر خدا اُس قرض کو اسی کے لیئے کئی گنا بڑھا دے۔ تنگدست کرنا یا کشائش دینا بالآخر خدا ہی کے اختیار میں ہو، اور اُسی کیطرف تم بالآخر رجوع کرتے ہو۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۵) اَلَّذِيۡنَ اصۡطَفَيۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا ۚ فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ ۚ وَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ ۚ وَمِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَضۡلُ الۡكَبِيۡرُ ؕ (۳۵: ۳۲)، یعنی "اے لوگو! پھر ہم نے اپنے بندوں میں سے جس قوم کو اہل سمجھا (یعنی مسلمانانِ قرونِ اولیٰ) اُسکو قانونِ خدا (الکِتٰب) کا وارث ٹھیرایا، تو اُن (کی آیندہ نسلوں) میں سے کوئی اُمت ایسی ناخلف ہوگی کہ بداعمالیوں سے اپنے آپ کو ہلاک کرے گی (ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ) اور کوئی ایسی بھی ہوگی کہ اپنے اوسط درجے کے سعی و عمل سے ہلاکت اور عروج کے بین بین رہے گی (مُقۡتَصِدٌ) اور کوئی ایسی بھی ہوگی جو اپنے انتہائی جہد و عمل سے خدائے عظیم کے عطا کردہ انعاموں کی طرف لپک لپک کے پونہچے گی (سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ)، اور یہ آخری حالت کا قائم ہوجانا انتہائے فضل و کرم ہے"۔ یہاں 'سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ' کے ساتھ 'بِاِذۡنِ اللّٰهِ' کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ وہ اجتماعی انعام خدا کے حکم سے ملیں گے۔ خدا کے حکم سے نیکیوں کی طرف لپکنا "کچھ بے معنی سا ہے"، اور یہاں استعارہ بظاہر اُس حالت کو پیش نظر رکھکر لیا گیا ہے جب منعم کسی انعام کی بخشش کے لیئے اذن دیتا ہے اور منعَم علیہ اسکے لینے آگے کو لپکتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ صاحب القرآن تعالیٰ کے بہشت کی حوروں کو لفظ "خَيۡرٰت" سے یاد فرمانے کی وجہ بھی انکی یہی انعامی حیثیت ہو جو اوپر بیان ہوئی۔ سورۂ الرحمٰن میں ہے: فِيۡهِنَّ خَيۡرٰتٌ حِسَانٌ ۚ (۵۵: ۷۰) یعنی "اُن باغات کے اندر یہ عزیز القدر انعامات الٰہی یعنی خوبصورت بیبیاں ہونگی"۔

'خَيۡرٰتٌ' کے اِس مفہوم سے قطع نظر قرآن حکیم میں چند مواقع ایسے ہیں جہاں پر اس اصطلاح سے مراد (حَسَنَات کے مفہوم کیطرح) وہ اعمال ہیں جنکا نتیجہ افضال و اکرام ہے۔ ایک آیت (۲۱: ۷۳) صفحہ ۱۰۸ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔ مگر یہاں پر اُسکا اعادہ کیا جاتا ہے:

وَجَعَلۡنٰهُمۡ اَئِمَّةً يَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡهِمۡ فِعۡلَ الۡخَيۡرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيۡتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوۡا لَنَا عٰبِدِيۡنَ ۚ (۲۱: ۷۳)

اور لوگو! ہم نے اسحٰق اور یعقوب علیہما السلام کو بھی اُن کے باپ ابراہیم علیہ السلام کی طرح اُن کی قوم کا پیشوا بنایا، وہ اپنی قوم کی رہنمائی ہمارے قانون کے ذریعے سے کرتے رہے، اور ہم نے ان کی طرف مفید جماعت اور مصلح قوم کاموں (الۡخَيۡرٰت) کے کرنے کی وحی بھیجی، اُنکو حکم دیا کہ الصّلٰوۃ کو قائم کریں، الزّکوٰۃ کو دیتے رہیں، اور وہ لوگ تو نمازگذار اور پابند زکوٰۃ ہی نہ تھے بلکہ فی الحقیقت ہمارے بندے اور غلام بنکر رہتے تھے۔

الصّلٰوۃ اور الزّکوٰۃ کی اجتماعی حیثیت کے متعلق مکمل بحث اصل کتاب میں آنے والی ہے تاہم سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ یہاں پر اُن قومی اور اجتماعی اعمال کا ذکر ہو رہا ہے جن کا نتیجہ فلاح قوم ہے اور جو ائمۂ اقوام کا پیش نہاد ہمیشہ سے رہا ہے۔ گوشہ نشین بن کر رام رام جپنے کا یہاں ذکر نہیں۔ عامۃ النّاس نے نیک بننے (یعنی فِعۡلَ الۡخَيۡرٰت) کو اکثر یہی سمجھ لیا ہے۔ بعینہ اسی قطع کے اعمال کا ذکر اسی سورۃ میں زکریا و یحییٰ علیہما السلام کے بارے میں ہے: اِنَّهُمۡ كَانُوۡا يُسٰرِعُوۡنَ فِى الۡخَيۡرٰتِ وَيَدۡعُوۡنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوۡا لَنَا خٰشِعِيۡنَ ○ (۲۱: ۹۰) یعنی "ہم نے اُن پر یہ احسان بدیں وجہ کیئے کہ اسمیں شک نہیں یہ لوگ مفید قوم اور مصلح اُمت اعمال طرف لپک لپک کر پونہچتے تھے، اور ہم کو اجتماعی انعام کی رغبت، اور اجتماعی سزا کے خوف سے پکارا کرتے تھے، اور اسی بیم و رجا کے باعث ہماری جناب میں سچا خضوع و خشوع کیا کرتے تھے"۔ رغب و رہب اور خوف و اُمید کا تکیّف دل میں تبھی پیدا ہوسکتا ہے جب انعام دنیاوی ہو، اور یہی خشوع کا سچا باعث اکثر ہوتا ہے۔ اِس نقطۂ نظر سے ادنیٰ تامل بھی اِس نتیجے پر پونہچا دیتا ہے کہ یہاں بھی الخَيۡرٰت سے مراد خدمت عباد ہے، تسبیح گردانی قطعًا نہیں۔ سورۂ آل عمران میں جو خدائی محاکمہ بعض صالح اہل اہل کتاب کے بارے میں ہے اِس مفہوم کا صریح طور مؤید ہے: يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَيُسَارِعُوۡنَ فِى الۡخَيۡرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ۝ (۵۷: ۱۱)

کون ہی جو اپنے مال کا بہترین حصہ خدا کا نام بلند کرنے کی خاطر صرف کرے، اور پھر خدا بھی اسکے واسطے اسکو چند در چند کر دے، اور ساتھ ہی اسکو اسکی خدمت کا باعزت اجر دے۔

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِیْمٌ ۝ (۶۴: ۱۷)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۶) مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ وَمَا یَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلَنْ یُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالْمُتَّقِیْنَ ۝ (۳: ۱۱۳-۱۱۴) یعنی یہ یہود و نصاریٰ اسقدر باایمان لوگ ہیں کہ 'امر بالمعروف' اور 'نہی عن المنکر' کی دعوت میں مصروف رہتے ہیں، اور مفید جماعت اعمال کی طرف لپک لپک کر پونہچتے ہیں، اور یہی وہ لوگ ہیں جو در اصل 'صالح' کہلائے جانیکے مستحق ہیں۔ اور یہ لوگ کوئی بھی مصلح قوم عمل (مِنْ خَیْرٍ) کریں ایسا ہرگز نہ ہوگا کہ ان کے اس عمل کی قدر نہ کی جائے گی، اور خدا تو اپنے قانون سے ڈرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔" یہاں 'امر بالمعروف' اور 'نہی عن المنکر' 'صالحین' 'متقین' وغیرہ اصطلاحات قرآنی کے صحیح مفہوم سے بحث نہیں لیکن ظاہر ہے کہ 'الخیرٰت' سے مراد اجتماعی جد و جہد ہی ہے، انفرادی عمل نہیں کیونکہ 'امر بالمعروف' اور 'نہی عن المنکر' کی دعوت خانہ نشین رہ کر نہیں ہو سکتی، اور یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ کا عمل بھی اسی ضمن میں ہے۔ سورہ بقرہ میں تحویل شدہ قبلہ کو مرکز امت گردانے کی بحث کے بعد الٰہی ارشاد ہے: وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّیْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ ؕ اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ (۲: ۱۴۸) "اور مسلمانو! تمہیں یاد رہے کہ اس کارگاہ اتحاد و اتفاق میں ہر قوم اور ہر امت اپنے لیے کوئی نہ کوئی سمت اتحاد تلاش کرتی ہی (وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ) اور پھر جب وہ لوگ کسی ایک مرکز کو مقرر کر لیتے ہیں تو سب کے سب طبعًا اسکی طرف رجوع ہو جاتے ہیں (هُوَ مُوَلِّیْهَا)، تو اے مسلمانو! تم بھی اس کلیئے کو پیش نظر رکھکر قوت افزا اور طاقت اندوز اعمال کی طرف لپک لپک کر پونہچو (فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ) اور تقرر قبلہ کے متعلق جو بات سب سے اہم اور نتیجہ خیز ہے یہ ہے کہ تم روئے زمین کے کسی گوشے میں ہو اور کسی طرح پر بکھرے ہوئے ہو خدا تم کو اس ترکیب سے مجتمع کر دیا کریگا، اور دوسری قوموں کے بالمقابل تمہارے مجموعی رعب و وقار کو برقرار رکھیگا، جانے رہو کہ خدا ہر شئے پر قادر ہے۔" 'الخیرٰت' کا مفہوم یہاں پر اسقدر اظہر من الشمس ہے کہ اسکے لیئے کسی مزید بحث کی ضرورت نہیں۔

الغرض ان تمام آیات الٰہی کے غائر مطالعے کے بعد یہ مستنبط ہو جاتا ہی کہ 'خیرٰت' کی جامع و مانع اصطلاح کا الٰہی مفہوم بھی حسنات کی طرح وہ اجتماعی انعامات ہیں جو منعم حقیقی اقوام عالم کو انکے حسن عمل کے صلے میں عطا فرماتا ہی۔ جو اعمال ان انعامات ملنے کا پیش خیمہ ہیں وہ بھی از روئے قرآن الخیرٰت میں داخل ہیں خواہ انکی جزا اجتماعی انعام کی صورت میں عامل کی عین حیات میں ملے یا نہ ملے۔ اسلام کے رو سے سب سعی و عمل جماعت کی بہتری اور تقویت کے لیئے ہی ہے۔ جو عمل اس دنیا میں اسطرح نتیجہ خیز نہیں وہ داخل خیرات و حسنات نہیں، جو بہبودی قوم کی نیت سے کیا نہیں گیا وہ داخل سعی و عمل ہرگز نہیں۔ انفرادی جد و جہد اور اجتماعی حسن عمل کا یہ وہ عالم انگیز فلسفہ تھا جسکی صحیح تعلیم نے قرون اولیٰ کی اسلامی جماعت کے ہر فرد میں اضطراب عمل اس حد تک پیدا کر دیا تھا کہ لوگ برسوں اور عمروں تک ایک امیر اور ایک نظام، ایک جماعت اور ایک مرکز کے ماتحت سر بکف اور تیغ بدست پھر کر بھی اپنے آپ کو 'اسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ' کا مصداق نہیں سمجھتے تھے، اور آج جبکہ وہ نبوی اور الٰہی درس ذہنوں سے قطعًا نکل چکا ہے، انحطاط عمل کی یہ حالت ہی کہ کسی بھک منگے کو دو پیسے دیکر، یا تسبیح پر چند بار نام خدا رٹ رٹ کر 'اسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ' کے مصداق اور جنت کے حقدار بنے بیٹھے ہیں، مگر ہوشمند نظروں میں آج نیکی کے اس پست تخیل کا نتیجہ عالم اسلام کے حق میں یہ پست کن ثابت ہوا ہی کہ جہاں قرون اولیٰ کے نکوکار مسلمانوں کو روئے زمین کی بادشاہت انعام میں ملی تھی وہاں زمانہ حال کے نسیہ پسند تسبیح برداروں اور 'صالح العمل' پاکبازوں سے سلطنتیں چھینی جا رہی ہیں اور ذلت و مسکنت سب طرف سے یوں لبیک کہہ رہی ہی کہ پیٹ بھر کر کھانے کو نہیں ملتا! فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ۔

٭ اس آیہ کریمہ' اور بیشتر کی آیات (۵۷: ۱۱) اور (۲: ۲۴۵) میں 'قَرْضًا حَسَنًا' کے الفاظ آئے ہیں۔ عوام نے اس سے مراد خدا کے نام پر زکوٰۃ بطور 'قرض حسنہ' دینے کے لے لیئے ہیں۔ ہم نے ترجمے میں ایک حد تک یہی صورت برقرار رکھی ہے لیکن اگر تامل سے دیکھا جائے تو یہاں ایثار مال کی

اگر تم خدا کے لیئے اپنے مال کا بہترین حصّہ کاٹ کر الگ کردو گے تو تمہارے ہی لیئے وہ اسکو چند در چند کردے گا، تمہارے عیوب کی پردہ پوشی کرے گا، اور اللہ تو بڑا قدرشناس اور فراخ حوصلہ خدا ہے جو کسی کی اُجرت روک کر نہیں رکھتا۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝ (۹: ۳۴-۳۵)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۷) کچھ خصوصیت نہیں، اگرچہ "قرض" کا لفظ بگڑتے بگڑتے یہی معانی اختیار کرچکا ہے۔ "قرض" کے اصل معنی کاٹنے کے ہیں، اور اس لحاظ سے "اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا" کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ اگر تم لوگ خدا کے لیئے اور اُسکی آقائی کو مدنظر رکھکر "بہترین ٹکڑا کاٹ کر الگ کردو گے" تو خدا بھی اس حصّے کو چند در چند کردے گا۔ گویا اس احکم الحاکمین کی خاطر اگر انسان اپنے آرام کا، اپنی جان کا، اپنے مال و جائداد کا، اپنی محبوب اشیا کا بہتر سے بہتر ٹکڑا وقف کردے، اور اپنے پر تکلیف گوارا کرکے اسکی لڑائیاں لڑے تو یہ اسکی نوکری کی بہترین شہادت ہے۔ یہی بات سورۂ مزمّل کے مفصلۂ ذیل الفاظ سے ظاہر ہے جہاں "زکوٰۃ" اور "قرض حسنہ" کو الگ الگ بیان کرکے اُنکے مطالب میں تفریق نمایاں کردی ہے:

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ (۷۳: ۲۰)

تو ان وجوہ کی بنا پر (وجوہ کی تفصیل پھر کسی موقع پر آئے گی)، جو حصہ اس قرآن عظیم کا تم آسانی سے مطالعہ کرسکو، پڑھ لیا کرو۔ اور الصّلوٰۃ پر قائم رہو، اور ایتارِ مال کیا کرو، بلکہ خدا کے لیئے اپنی ہر مملوکہ شئے کا بہترین حصہ کاٹ کر الگ کردیا کرو۔

آیۂ زیرِ بحث میں "وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ" کے الفاظ بھی غور طلب ہیں۔ "شکر" کے معانی آج قطعاً مسخ ہوچکے ہیں۔ ہر شخص دونوں ہاتھ اٹھاکر اس رسم کو ادا کردیتا ہے اور چند الفاظ مُنہ سے بُڑبڑا کر سمجھ لیتا ہے کہ ایک اہم فرض ادا ہولیا۔ حالانکہ عام انسانی تعامل میں کیفیت قلب کا وجود ہی سچا شکر ہے۔ جو شخص دل سے اپنے منعم کی عطا کی ہوئی نعمت کی قدر کرے وہی شاکر ہے، اور منعم کا "شاکر" ہونا یہی ہے کہ وہ اپنے خادم کی خدمت کی دل سے قدر کرے۔ اس کیفیت قلب کے لیئے ظاہر ہے کہ کسی وقت کی تعیین، یا رسم کی پابندی ضروری نہیں، بلکہ پیہم قدردانی کرنا ہی سچا شکر ہے۔ ایک شخص اگر خدا کی دی ہوئی نعمت کا صحیح استعمال کر رہا ہے، اُسکو برقرار رکھنے کے لیئے مسلسل سعی و عمل کرتا ہے، اُس سے متمتّع ہونے میں کفایت کو ہر وقت مدِّنظر رکھتا ہے، اور دل سے خدا کی منعمیت کا مقر ہے، تو وہ صحیح معنوں میں شاکر ہے۔ خواہ وہ تمام عمر میں ایک بار بھی رسماً ہاتھ نہ اٹھائے۔ برخلاف اس کے جو شخص خدا کی نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے، اُن کو برقرار رکھنے کے لیئے حتی الامکان سعی نہیں کرتا، اُن کو حقیر سمجھکر پاؤں سے ٹھکرا دیتا ہے، کفایت کو پیشِ نظر نہیں رکھتا، یا ایک بیہودہ سا استغنا اختیار کرکے اُن کی بے قدری کرتا ہے، وہ اگر تمام عمر بھی ہاتھ اٹھائے رکھے، اور مُنہ سے نعمتیہ الفاظ بڑبڑاتا رہے تو شاکر کے مقام تک نہیں پونہچ سکتا۔ مسلمانانِ عالم نے آج شکر کا مفہوم اسقدر غلط سمجھ لیا ہے کہ صرف الفاظ باقی رہ گئے ہیں اور خدائی مقصود باطل کردیا ہے۔ "وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ" کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ خدا بھی اپنے بندوں کا "شکر" ادا کرسکتا ہے مگر ہاتھ اٹھاکر نہیں بلکہ اُن کی خدمات کی سچی قدردانی کرکے اور وقتاً فوقتاً ان کا صلہ دینے سے۔ شکر کے ان معانی کا قرآنی ثبوت جابجا آگے چلکر (اور بالخصوص تیسری مجلد میں) آئے گا۔

۞ یہ آیات شریفہ اگرچہ رسولِ خدا کے زمانے میں احبار اور رہبان کے خلق خدا کو لوٹ لوٹ کر بے اندازہ مال جمع کرنیکے متعلق آئی ہیں، مگر میں نے اُن کا اطلاق اسلیئے عام کردیا ہے کہ آج مسلمانان عالم کے دلوں میں، اور قوموں کے بالمقابل، مال کی محبت اسقدر بڑھ گئی ہے کہ ہر شخص کم و بیش اسکا مصداق ہورہا ہے۔ خود دینِ اسلام کے اندر اہل کتاب کے احبار اور رہبان کے بالمقابل لاتعداد ایسے سرگروہ پیدا ہوگئے ہیں جو اپنی نفسانی خواہشوں کو مدنظر رکھکر لوگوں سے روپیہ بٹورتے ہیں اور پھر اسکو خدا کی لڑائیاں لڑنے میں صرف نہیں کرتے۔ انہی لوگوں کی شان میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں جیساکہ غالباً تیسری مجلد میں عیاں کردیا جائیگا۔

اور جو لوگ سونے اور چاندی کے ڈھیر لگائے رکھتے ہیں اور خدا کا نام بلند کرنیکی خاطر کچھ صرف نہیں کرتے، اُنہیں میری طرف سے دردناک عذاب کی خوش خبری سُنا دو۔ روز قیامت کو وہی دولت جہنم کی آگ میں رکھکر تپائی جائے گی، اور پھر اس سے اُن کے ماتھے، اُنکی کروٹیں، اور اُنکی پیٹھیں داغی جائیں گی، اور اُنسے کہا جائے گا کہ یہ ہے جو تم نے اپنے لیئے جمع کر رکھا تھا تو آج اپنے ڈھیروں کے ڈھیر جمع کر رکھنے کا مزہ چکھو!

کیا مخالفین اسلام کی نظروں میں خلد بریں کی یہ ارزاں فروشی، اور ادائے قرض کے یہ دل خوش کن وعید، اُس خدائے غنی کے کامل غنا اور کمال تنعّم کے نقیض نہیں ہو سکتے تھے؟ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ[۱] (۳: ۱۸۰) کیا خود سیّد البشرؐ اور سرور کائناتؐ کے بارے میں زکوٰۃ و صدقات کے اِن نازک اور شکوک انگیز تقاضاؤں کے باعث، معاندین اُمّت کی طرف سے طمّاع و حریص ہونے کا گمان نہیں ہو سکتا تھا؟ کیا "راہ خدا" کی بظاہر بے معنی اصطلاح کی آڑ میں انفاقِ مال، جُرم عشق کا کوئی خدائی تاوان، یا مذہبی کاروبار کا کوئی آلہی محصول تھا جو (العیاذ باللہ) کسی بُت پرست مجاور کی طرح، خدا کا گودڑی میں یہ مست رسولؐ ہر مسلمان سے وصول کر لیا کرتا تھا؟ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ[۲] (۹: ۱۰۴) کیا خدا کی عبودیّت کے اعتراف میں قربانی مال کا یہ وجوب و لزوم بنارس کے کسی مندر کے چڑھاوے یا نذر و نیاز قبور کی کوئی رسم تھی جو خدائے پاک نے اسلام میں گداگروں اور مفت خوروں کی اُمّت کو ترقی دینے کی نیّت سے وضع کی تھی؟ کیا دینِ محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طالب جان و مال خدا (العیاذ باللہ)، کسی برہمن کی جبینِ نیاز کیش کی غضب آلود دیوی، یا متھرا کے قشقہ نما اور زنار پوش مشرک کا کوئی

---

[۱] اللہ نے ان لوگوں کی بکواس سُن لی ہے جو تمہیں طنزاً کہتے ہیں کہ تمہارا اللہ تو محتاج ہے جو قرض مانگتا رہتا ہے اور ہم مالدار ہیں۔ ہم انکی ان گستاخیوں کو لکھ رکھیں گے، اور اُنکے پیغمبروں کے ناحق قتل کو بھی۔ پھر جس دن ہمارے غضب کا دریا جوش مارےگا ہم کہیں گے کہ اس بھسم کر دینے والے عذاب کا مزا چکھو۔

[۲] کیا ان لوگوں کو اس بات کی خبر نہیں کہ اللہ اپنے غلاموں کی توبہ بھی ہر وقت قبول کرنیکے لیئے تیار ہے اور اس توبہ کی تائید و تصدیق میں خیرات کا مال بھی لے لیتا ہے، اور وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم دل ہے۔

مہیب دیوتا تھا جو انسانی جان کی خوں چکاں قربانی، اور مال و زر کے ہلاکت آفریں جرمانوں کے بغیر مطمئن اور مُسکن نہیں ہو سکتا تھا، اور جسکے نائرہ حرص و غضب کے تنور میں قیامت کے روز مسلمان عاصیوں کی پیشانیاں اور بدن داغے جانے کا وعدہ تھا! اور کیا یہ اسلام کے جابر اور قاہر خدا کا تحکمانہ ظلم و ستم یا محض ایک بے سبب اور بے نتیجہ دراز دستی تھی جسکے رو سے وہ جنّت کے پیش پا افتادہ وعدے کرکے، مومنوں کے جان و مال پر قابض ہو گیا تھا؟

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ† اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۭ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۣ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ۭ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ (۹ : ۱۱۱)

بیشک اللہ نے ایمان والوں سے اُنکی جانیں اور اُنکے مال اس وعدے پر خرید لیے ہیں کہ انکے بدلے اُنہیں اخروی جنّت دیگا۔ یہ لوگ اب خدا کے نام کا ڈنکا بجانے کی خاطر دشمنوں سے لڑتے ہیں، ان کو قتل کرتے ہیں اور آپ بھی قتل ہوتے ہیں۔ یہ خدا کا پکّا وعدہ ہے جو تورات اور انجیل اور قرآن میں ہر مومن کے ساتھ برابر چلا آیا ہے، اور خدا سے بڑھکر اپنے قول کا پورا اور کون ہو سکتا ہے۔ تو اے ایمان والو! اپنے اس سودے کی جو تم نے خدا کے ساتھ کیا ہے خوشیاں مناؤ، اس میں تمہاری بڑی کامیابی ہے۔ اس میں تم کو فلاح دارین ہے۔

آہ معاذ اللہ نہیں! اس تمام عجیب و غریب لین دین، اور محیّر العقول ترغیب و تحریص سے خدائے بے نیاز کا مقصد وحید ساکنانِ عالم کو اپنی ناپید امثال ذات کا شیدا و مفتون بنا کر، اُنکے دلوں میں

† 'مُؤْمِن' کی صحیح تعریف، اور 'الجنّۃ' کے حقدار بننے کی کامل شرائط اس آیہ کریمہ سے واضح ہیں۔ یہی شرائط بعینہ صفحہ ۱۱۴ کی آیات (۱ : ۲۳) اور (۹ : ۴۹ : ۱۵) اور صفحہ ۱۲۰ کی آیہ (۳ : ۱۴۱) میں درج ہیں۔ اگر آج مسلمانان عالم نے اپنے نفس کو دھوکہ دے کر کوئی اور شرطیں وضع کر لی ہیں تو اس سے قانونِ خدا میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی، اور نہ اس خوش اعتقادی کے بدلے میں 'الجنّۃ' مل سکتا ہے، خواہ لوگ ہزاروں برس تک یہ سبز باغ اور خوش کن خواب پڑے دیکھا کریں۔ شرط پوری جان اور سارے مال کے ایثار کی ہے نہ یہ کہ تھوڑی سی تکلیف برداشت کرکے یا چند پیسے ناروا طور پر خیرات کرکے ایک مکر سا بنا لیا جائے۔ جیسا کہ بالعموم ہر مسلمان نہایت التزام سے کر رہا ہے۔ ضمناً فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ ان دونوں کتابوں پر عمل کرنے والی مجاہد اقوام بھی صحیح معنوں میں مومن اور جنّت کی حقدار ہو سکتی ہیں۔

درد پیدا کرنا تھا! اپنی محبت اور اپنے تعلق سے وہ دارائے عالمیان، انسان کے غرضمند اور انعام طلب قلوب میں ایک اولوالامر کا خوف، اور ایک منعم اعلیٰ کا ڈر بٹھلانا چاہتا تھا: اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ۝ (۷: ۵۴)؎ وہ باشندگانِ روئے زمین کا ایک حاکم کُل اور ایک بادشاہ حقیقی تعؐ سے لگاؤ پیدا کرکے، اُن کے اعتقادات اور معاملات میں، اُن کے اعمال و افعال میں مشترک عبودیت کا تذلّل اور عام نیازمندی کا عجز دیکھنا چاہتا تھا، اور پھر اس عجز و نیاز کی حوصلہ افزائیں، اور حیات انگیز تڑپ سے چار دانگ عالم میں، اِس گنبدِ افلاک کے نیچے **توحید** کا نغمہ مستطیر، اور حقانیت کا ہنگامہ عظیم پیدا کرنا چاہتا تھا!

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کیلئے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ۭ وَلِلّٰهِ خَزَاۗىِٕنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ۝ (۶۳: ۷)

یہی منافق تو وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو بہکایا کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی تائید و تقویت میں جو رسول خدا کے گرد جمع ہوگئے ہیں اپنا مال نہ خرچ کیا کرو۔ جب روپیہ پیسہ ان لوگوں کے پاس نہ ہوگا تو عاجز آکر آپ ہی تتر بتر ہو جائیں گے۔ یہی انکی قوت کا راز ہے۔ آہ لیکن منافقین نہیں سمجھتے کہ مال انکی قوت اور اجتماع کا راز نہیں، اور نہ خدا کو اسکی ضرورت ہی ہے، کیونکہ زمین و آسمان کے خزانے اسی کے ہیں!

آہ یہ بھی نہیں! اُس صاحب جلال خدا کو جسکی سطوت اور جبروت میں، جسکے حاکمانہ رعب و وقار میں، جسکی طاقت اور حکومت میں، روئے زمین کے تمام انسانوں کی سرکشی اور متفقہ انکار بھی یک سرِ مُو فرق نہیں لاسکتی: وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ۝ (۱۴: ۸)؎ فی الحقیقت یہ منظور تھا کہ درد دل کے اِس نائرۂ عمل میں، اور مشکلات و محن کی صبر آزما مجمر میں، وہ ہر مومن کے قلب کو دنیا ہی

؎۱ لوگو! سُن رکھو کہ تمام کائنات جہان اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور حکم چلے ذریعے سے سب کچھ ہو رہا ہے نیز اسی کا ہے۔ پروردگار عالمین درحقیقت بڑا صاحب برکت ہے

؎۲ اور موسیٰ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ اگر تم اور جتنے لوگ روئے زمین پر ہیں سب کے سب ملکر بھی خدا کی نافرمانی کریں تو خدا کو ذرا بھی پرواہ نہیں وہ بے نیاز ہے اور ویسا ہی سزاوار حمد رہیگا۔

خطرات اور بدنی مصائب کے خوف سے پاک کرکے اُن میں صبر و انگیز کا کشور کشا نور اور قوت کی جلا پیدا کر دے: وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِينَ۝ (۳: ۱۴۰)[۵۱]، وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ۝ (۳: ۱۵۴)[۵۲]؛ وہ ہر مسلمان کے دل کو توحید کے مشترک مرکز پر لاکر ان کی جماعت میں وحدت و استحکام کا دستور العمل پیدا کرنا چاہتا تھا: وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ۝ (۸: ۱۱)[۵۳]؛ وہ اپنی ذات پر کامل ایمان، اور اپنے جاہ و منصب کے سچے خوف سے اُمت کے ہر فرد میں استقلال کا نظم و نسق، اور اتحادِ عمل کا طریق کار دیکھنا چاہتا تھا: يٰأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۝ (۳: ۲۰۰)[۵۴]*؛ وہ ایمان کے جرأت انگیز ولولوں، اور مقام خدا کے ہمت آفرین تذکروں سے اسلام کے ہر متنفس میں مقابلے کی ناقابل تسخیر روح اور ثبات کا ناقابل شکست

---

۵۱ اور تاکہ اللہ ایمان والوں کو خالص بنا دے اور خدا کے وجود میں شک و شبہ کرنے والوں کو ملیامیٹ کر دے۔

۵۲ اور اس غزوۂ اُحد میں تم کو ہرا دینے میں یہ مصلحت تھی کہ خدا اُس ایمان کو جو تمہارے سینوں کے اندر چھپا بیٹھا ہے آزمائے، اور دیکھے کہ باوجود ہزیمت کے خدا پر یقین رکھنے والا کون ہے، اور تمہارے دلوں کو ڈر اور وسوسوں، خوف مصائب اور خطرات سے پاک صاف کر دے، اور جانے رہو کہ خدا سینوں کے حالات سے موبمو واقف ہے، جبتک تمہارے دلوں میں یہ وساوس اور خدا کے متعلق شکوک ہیں فتح تمہارے قدموں کو نہیں چوم سکتی۔

۵۳ اور خدا یہ چاہتا ہے کہ تائید غیبی کے وصلہ افزا، اور جامع القلوب اثر سے شیطان کی آلائش (یعنی نفاق) کو تم سے دور کر دے، اور تاکہ تمہارے دلوں کو آپس میں جوڑ کر مضبوط کر دے، اور پھر اس اتحاد کے ذریعے سے تمہارے پاؤں میدان جنگ میں جمائے رکھے۔

۵۴ اے ایمان والو! اُن اجتماعی تکالیف کا جو تمہیں پیش آئیں سختی سے مقابلہ کرو، اور ایک دوسرے کو مقابلہ کرنے کی تلقین کرتے رہو، اور ایک دوسرے میں گتھکر ایک بنجاؤ، اور خدا سے ڈرتے رہا کرو تاکہ دشمن کے بالمقابل تم کامیاب ہو جاؤ۔

---

* اس آیۂ کریمہ میں 'ایمان' کی بعض اہم شقیں بتلادی گئی ہیں۔ گویا مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرنا 'ایمان' ہے؛ (اصْبِرُوا)؛ جماعت کے اعضا کے مابین استقلال کا ماحول پیدا کرنا 'ایمان' ہے؛ (وَصَابِرُوا)، اور سب سے اہم یہ کہ کامل اور باہمی اتحاد پیدا کرنا بھی 'ایمان' کا جزو اعظم ہے؛ (وَرَابِطُوا)۔ جس قوم کے اندر یہ عظیم الشان خاصیتیں موجود ہیں، وہ خدائے عظیم کے ایک اہم حکم کو مان رہی ہے، اور وہی ہے جو اس کے اٹل قانون کے بموجب کامیاب ہو رہی ہے؛ (لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ)۔ گویا یہاں پر بھی 'تُفْلِحُونَ' سے مراد دنیاوی غلبہ ہی ہے، اُخروی فلاح کا یہاں ذکر نہیں۔ دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ اس استقلال، تلقین صبر، اور اتحاد کو 'اتقائے خدا' پر محمول کیا گیا ہے؛ (وَاتَّقُوا اللّٰهَ)؛ گویا وہی قوم 'متقی' ہے جو فی الحقیقت خدا سے، اُس کے قانون سے، اُس کی اٹل سزاؤں سے ڈرتی ہے جس میں استقلال ہو، ایک دوسرے کو مستقل بنانے کی اہلیت ہو، اور متحد رہنے کی صلاحیت موجود ہو۔ فرقہ بند اور ڈرپوک قوم خدا سے قطعاً نہیں ڈرتی کیونکہ وہ اس کی سزا سے بے خوف ہو چکی ہے اور اسی لیئے 'متقی' کہلانے کی اہل نہیں۔

'اتقا' کے یہ معانی بالصراحت دو اور آیتوں سے جو مقدمہ کتاب میں صفحہ ۴۹ و ۹۷ پر گذر چکی ہیں ثابت ہیں۔ آج کل کے مسلمانوں کو اس خدائی محاکمے سے عبرت پکڑنی چاہیئے۔

جذبہ قائم کرنا چاہتا تھا؛ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (۸: ۴۵)؛ وہ اپنی لاشریک اطاعت اور بے ریا عبادت کے آلۂ عمل سے مسلمانوں کے ارادوں میں قوت، حوصلوں میں افزائش، نیتوں میں صداقت، اور پائے عمل میں ثبات دیکھنے کا متمنی تھا؛ وہ اسلام کی دنیاوی شوکت واحتشام اور مادی ارتقاوعروج کو روحانیت کے بے امان ہتیاروں، اور اخلاق کی اٹل قوتوں سے حاصل کرانا چاہتا تھا، اور اُمت کے اس اجتماعی اور انتلافی غلبے کو ہر مدعی ایمان کا واحد منتہائے نظر، اسکی فلاح ونجات کا اٹل ضابطۂ عمل، اُسکے تقوے اور عبادت کا صحیح معیار، اسکے کفر وشرک کی سچی محک، اسکی جزا وسزا کا قطعی مدار قرار دیتا تھا!

يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۖ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ ۚ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ (۱۴: ۲۷)

اللہ ایمان والوں کو اپنے پکے قول کے ساتھ اس دنیا کی زندگی میں خوب جماکر رکھتا ہے اور آخرت میں بھی اُنکو خوب جماکر رہیگا۔ لیکن کچے ایمانداروں اور بزدلوں کو جو اُسکے احکام کی متابعت نہیں کرتے وہ حفظ وامن کی راہ سے ڈگمگادیتا ہے، اور خدا تو وہی کچھ کرتا ہے جو مناسب سمجھتا ہے۔

۱؎ اے ایمان والو! جب دشمن کی کسی فوج کے بالمقابل تم صف آرا ہو جاؤ تو ثابت قدم رہا کرو، اور اُسوقت خدا کا دھیان اور بھی زیادہ دل میں رکھو تاکہ تمہارے حوصلے بڑھیں، اور بالآخر تم دشمن کے بالمقابل کامیاب ہو جاؤ۔

* یہاں "ایمان" کو پھر دشمن کے بالمقابل ثابت قدم رہنے پر محمول کیا گیا ہے "وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا" کا مقصود یہ ہے کہ جب تم دشمن کے بالمقابل ڈٹ کر کھڑے ہو جاؤ تو اُس حاکم اعلیٰ کا خیال دلمیں لاؤ جس کی ماتحتی میں تم لڑ رہے ہو۔ پھر جس طرح ہر سپاہی کو اپنے سپہ سالار کی یاد، اُسکے انعاموں کی یاد، اُسکی سزاؤں کی یاد میدان جنگ میں اور بھی مستعد کر دیتی ہے اسی طرح تم بھی مالک زمین وآسمان کی یاد کرکے اپنی ہمتوں کو بڑھاؤ تاکہ تم دشمن پر فتح پاؤ (لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ)۔ گویا یہاں بھی "تُفْلِحُونَ" سے مراد دنیاوی فتح ہے، اُخروی فلاح مراد نہیں۔ اور نہ "وَاذْكُرُوا كَثِيرًا" سے مقصود یہ ہے کہ گھر بیٹھے تسبیحوں پر خدا کا نام بڑبڑاتے رہو تاکہ قیامت کے دن فلاح پاؤ جیساکہ بعض نادانوں نے سمجھکر آیات الٰہی کو بے ربط اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے اور جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ (۱۵: ۹۱) (صفحہ ۴۷) کے مصداق بن گئے ہیں۔

* جو عجیب وغریب تاویلیں شارحین قرآن نے اس آیہ شریفہ کے مطالب میں اپنے پاس سے بنالی ہیں بجائے خود ایک دفتر ہے۔ بعضوں نے قول ثابت کو کوئی "اسم اعظم" فرض کر لیا ہے جسپر ایک زبانی سا "ایمان" لانا فرض قرار دیا ہے، بعضوں نے عالم اسلام کی موجودہ زبون حالی، اور خدا کے اس اٹل وعدے میں اختلاف دیکھکر "يُثَبِّتُ" کے معنی "روحانی ثابت قدمی" بنا لیے ہیں، وغیرہ وغیرہ، لیکن "ایمان" کی اُن کڑی شرطوں سے جو اب تک بیان ہوئیں ظاہر ہے کہ جس قوم میں وہ خصائص موجود ہوں اُسکا اس دنیا میں جم کر رہنا، مضبوطی اور قوت سے بسر کرنا، علی الرغم عدو غالب آکر رہنا اٹل ہے۔ یہی حقیقت بعینہ اس آیہ کریمہ میں عیاں کر دی گئی ہے، اور جتلا دیا ہے کہ صاحب ایمان قوم کا اس دنیا میں تمکن اور استخلاف فی الارض قطعی ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۳) اور آخرت میں بھی اُسی کا بول بالا ہے۔ گویا اِس آیت اور آیہ "اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" کا مضمون ایک ہی ہے جو صفحہ ۷ پر گذر چکی ہے۔

"روحانی ثابت قدمی" جس کا ذکر آجکل کے مسلمان اِس شد و مد سے کرتے ہیں ایک پادر ہوا اور بے معنی سی بات ہے۔ 'یُثَبِّتُ' کا لفظ قرآن کریم میں جہاں کہیں آیا ہے اسی مادی تمکن اور دنیوی استقلال کے لیے آیا ہے۔ دو مثالیں اصل کتاب میں ابھی ابھی گذر چکی ہیں، یعنی "يُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ (۸ : ۱۱)" اور "اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا (۸ : ۴۵)"۔ دو اور پیش کر دیجاتی ہیں۔ سورۂ انفال میں ہے:

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝ (۸ : ۱۲)

اے محمدؐ! یہ وہ وقت تھا کہ تمہارا پروردگار، تمہارا سپہ سالارِ اعظم خدا ملائکہ کی فوج کو حکم دے رہا تھا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں تو تم ایمان والوں کے پاؤں میدانِ جنگ میں جمائے رکھو، اُن کے حوصلوں کو دہ چند کردو، اُن کے استقلال کو اور بھی مضبوط کردو، ہم عنقریب منکرین کے دلوں میں اپنی مٹھی بھر مسلمانوں کی دہشت ڈال دینگے، تو مارو ان کی گردنوں پر کہ چور چور ہو جائیں، اور لگاؤ ان کی پور پور پر کہ ان سب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں۔

'مَلٰٓئِكَة' کی ماہیت سے یہاں پر بحث نہیں لیکن ظاہر ہے کہ "فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" سے مقصود ارضی تغلب اور تمکن ہی ہے۔ روحانی استقلال کا کچھ ذکر نہیں۔ یہی الفاظ قریب قریب زیرِ بحث آیت میں استعمال ہوئے ہیں۔ دوسرا موقع سورۂ نحل میں ہے:

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ (۱۶ : ۱۰۲)

اے محمدؐ! تم علی الاعلان کہدو کہ اِس قرآنِ عظیم کو روح القدس میرے پروردگار کے ہاں سے لیکر اسلیئے اُترا ہے کہ جو لوگ اِسکے احکام پر ایمان لائے ہیں اُن کو اِس دنیا میں مضبوطی سے، اور جما کر رکھے اور تا کہ یہ قانونِ جلیل "تسلیم کرنے والوں" کو صحیح راہِ عمل دکھائے (هُدًى)، اور اُن کو اجتماعی سلامتی اور حفظ و امن کی بشارت دے (بُشْرٰى)۔

'روح القدس' کی حقیقت سے یہاں پر بحث نہیں۔ صفحہ ۱۸ کے تحت المتن میں پیغمبرانِ خدا کی بشارت کی نوعیت واضح کر دی گئی ہے۔ اِس آیۂ کریمہ سے ظاہر ہے کہ یہاں بھی "لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" کے الفاظ سے دنیاوی ثبوت اور استقلال ہی مراد ہے۔ 'روحانی ثابت قدمی' کی ترغیب پیش کرنا منکر قوم کے لیئے کچھ معنی نہیں رکھتا۔ دنیاوی خوشحالی کا لالچ ہی وہ شئے ہے جو ہر مخالف کو ماننے پر مجبور کر سکتا ہے۔

'قول ثابت' کے الفاظ جو زیرِ بحث آیت میں آئے ہیں، اُن سے مراد وعدہ خدا کی توثیق ہی ہے اور کچھ نہیں۔ ضمناً اِس آیت سے 'یُضِلُّ' کے معانی بھی صاف ہو گئے کہ یہ 'یُثَبِّتُ' کی ضد کے طور پر آئے ہیں۔ گویا اِس دنیا کی زندگی میں مضبوطی اور تمکن سے نہ رہنا ہی ضلال ہے۔ 'ظالمین' کا لفظ پھر یہاں استعمال ہوا ہے۔ اِس سے پیشتر صفحہ ۱۲۰ کے متن کی آیت (۳ : ۱۳۹) میں ہوا تھا۔ یہاں پر بھی 'ظالمین' سے مراد کچے ایمان والے ہی ہیں کیونکہ جو لوگ اپنے ایمان کی کمی کی وجہ سے دشمن سے شکست کھا جائیں وہ فی الحقیقت اپنی جانوں پر آپ ظلم کر رہے ہیں۔ آج 'ظلم' کی قرآنی اصطلاح کے معانی بالکل بدل چکے ہیں۔ لیکن آیندہ مجلدات میں وقتاً فوقتاً اسکے مختلف مفہوم بیان کر دیئے جائینگے۔ مقدمۂ کتاب میں 'ظالم' قوم کے متعلق قرآنی محاکمہ پیش کیا گیا تھا اور وہ یہ تھا کہ ظالم قوم اجتماعی ہلاکت یقینی ہے (دیکھو صفحہ ۸۱۔ آیات (۲۸ : ۵۹)، (۶ : ۴۷)) گویا 'یُضِلُّ' اور 'یُهْلِكُ' کا تعلق ظاہر ہے۔

'یَشَآءُ' کے معنی ہم نے 'مناسب سمجھنا' کیئے ہیں لیکن اسکا ثبوت فلسفۂ عمل (غالباً تیسری مجلد) میں آئے گا۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَأُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَأُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (۳: ۱۰۱-۱۰۴)

اے ایمان والو! مقامِ خدا سے ڈرتے رہا کرو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اُسکے احکام کے آگے ہر دم سرِ تسلیم خم رکھو، اور مرتے دم تک سرتاپا تسلیم بنے رہو۔ اور سب ایک دوسرے سے گھُل مِل کر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑے رہو اور تتّر بتّر ہرگز نہ ہو جانا۔ اور اللہ کا وہ احسان یاد کرو جب تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے برخلاف عداوتیں اور کینے بھرے پڑے تھے، پھر خدا کو اپنا سچا آقا ماننے کے باعث اُس نے تمہارے دل آپس میں جوڑ دیئے، پھر تم اسکی اس نعمت کے باعث بھائی بھائی بن گئے۔ تم اس سے پہلے اسقدر بکھر چکے تھے کہ گویا آگ کے گڑھے کے کنارے جا لگے تھے، پھر اُس نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اس طرح خدا اپنے احکام تم سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم راہِ راست پر آجاؤ۔ اور تم میں ایک ایسا گروہ بھی ہونا چاہیئے جو صرف اسی اتحاد (الخیر) کی دعوت دے، اسی عظیم القدر نیکی (المعروف) کی تلقین بالتخصیص کرتا رہے، اور تفرقے کی مکروہات (المنکر) سے باز رکھتا رہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنکو ہم اس دنیا میں کامیاب کرینگے۔ اور دیکھو ہم پھر کہے دیتے ہیں کہ اُن جیسے نہ بن جانا جو ایک دوسرے سے بچھڑ گئے، اور جنھوں نے خدا کے کھُلے کھُلے احکام آنے پیچھے بھی آپس میں فرقہ آرائیاں اور اختلاف قائم کیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جنکو ہم دردناک عذاب دینگے۔

کیفیّتِ اتّقا

صَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (۳: ۱۹۹)

(ایک دوسرے کو استقلال کی تلقین کرو، اور باہم ملکر ایک بنجاؤ، اور خدا سے ڈرتے رہو کہ کامیاب بن جاؤ)

جامع القلوب خدا کی نظروں میں ایک مُدعیِ ایمان کا صحیح تقوٰی اسی کامل مصالحت اور

---

* ان آیاتِ قرآنی کے مطالب نہایت قابلِ غور ہیں۔ اصل کتاب میں سیاق کلام کو پیشِ نظر رکھکر ایک مربوط ترجمہ کر دیا گیا ہے مگر دو ایک باتیں خاص طور پر لائقِ ذکر ہیں جو یہاں بیان کردی جاتی ہیں:-

اوّلاً:- اعتصام بحبل اللہ، اور جماعت کے کامل اتحاد کو پھر تیسری بلکہ چوتھی بار "اتّقائے خدا" پر محمول کیا گیا ہے۔ پہلی مثالیں صفحہ ۴۴، ۷۹

اتّحاد (لَا تَفَرَّقُوْا (۳: ۱۰۲)) کا مسلک عمل تھا۔ یہی وہ سچّی ہدایت (لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (۳: ۱۰۲)) اور یقینی فلاح (اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۳: ۱۰۲)) تھی جسکا حاصل کرنا ہر مسلمان کا منتہائے سعی اور مقصد حیات ہو سکتا تھا۔ خدائے برتر کی صحیح معنوں میں عبادت (غلامی)، اور اُسکے جاہ و منصب کے سچّے خوف (تقویٰ) کا صحیح پیش نہاد یہی ہو سکتا تھا (اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (۳: ۱۰۱)) کہ ایک مقتدر حاکم کے کئی ملازموں کی مانند، اُسکے بندوں میں تالیف قلوب کے جذبات، اور اخوت و مساوات کے اصول قائم ہو جائیں (فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۵، اور ۱۴۲ پر گذر چکی ہیں۔ گویا کسی قوم کا بالاجماع قانون خدا (حَبْلِ اللّٰهِ) کو مضبوط پکڑے رکھنا اور آپس میں فرقہ بندنہ بننا ہی "اتّقائے خدا" ہے۔ وہی قوم فی الحقیقت شدید العقاب خدا کی اٹل سزاؤں سے ڈرتی ہے، وہی اسکی عالی مقامی اور طاقت انتقام سے خوفزدہ ہے جو آپس میں اختلاف پیدا کرکے اپنے آپ کو کمزور نہیں کرتی۔ کیونکہ فرقہ بندی کا اٹل نتیجہ شکست و ریخت ہے اور یہ قانون اسقدر عالمگیر ہے کہ اسکا اطلاق ہر جا اور ہر وقت ہو رہا ہے، کوئی اُمّت یا گروہ اس کلیّے سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ جبتک ایک حاکم اعلےٰ کا ڈر دل میں بس رہا ہے رعیّت کے افراد آپس میں لڑ بھڑ نہیں سکتے۔ جب تک کئی غلام ایک مقتدر آقا کی غلامی (عبادت) کر رہے ہیں اُن کا ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہونا محال ہے!

ثانیاً۔ ائتلاف قلوب کو نعمت خدا کہا گیا ہے اور "اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ" کے الفاظ نہایت قابل غور ہیں۔ اگرچہ بادی النظر میں اس جملے کے معنی یہی ہیں کہ "خدا نے تمہارے دلوں کے درمیان الفت کی راہ و رسم پیدا کر دی" لیکن اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو اس ائتلاف کا واقع ہونا خدا کا کوئی غیبی، استبدادی یا تقدیری فعل نہ تھا جیسا آجکل کے مسلمان نہایت تن دہی سے اعتقاد رکھتے ہیں اور بلا سعی و عمل اسکے پھر واقع ہونیکے منتظر رہتے ہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ اُس ایک خدا کی عبودیّت ہی تمہارے اتّحاد کا باعث ہوئی۔ تم سب نے اسکو صحیح معنوں میں آقا اور حاکمِ اعلیٰ مان لیا اور پھر اُسکے سچّے خوف و اتّقا کے باعث تمہارے دل آپس میں جُڑ گئے۔ گویا اتحاد کا واقع ہونا ایک مسبّب بالاسباب فعل تھا جس کا بالواسطہ محرّک خدائے عظیم کا صحیح معنوں میں ڈر تھا۔

ثالثاً۔ باہمی تفریق اور اختلاف کو "عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ" کہا گیا ہے۔ یعنی جس قوم میں باہمی عداوتیں اور کینے رونما ہیں وہ جہنّم کے کنارے پر کھڑی ہے۔ یہاں پر فرقہ آرائی کو 'النَّارِ' سے تعبیر کرنا از بس معنی خیز ہے۔ گویا اجتماعی ضعف اور عدم اتحاد ہی دنیا کا سب سے بڑا جہنم ہے۔ جن خوش اعتقاد مسلمانوں نے قرآن کے لفظ 'النَّار' کو خالصتہً اُخروی جہنّم سمجھا ہے اُن کے لیے یہ الفاظ نہایت غور طلب ہیں۔ لیکن ان آیاتِ الٰہی میں سب سے زیادہ غور طلب آیت آیۂ 'وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ' (۳: ۱۰۳) ہے۔ جو بات لائق دریافت ہے یہ ہے کہ 'دعوۃ الی الخیر'، 'امر بالمعروف'، اور 'نہی عن المنکر' کا صحیح مفہوم کیا ہے، اور وہ کیا شئے ہے جسکی تبلیغ و تلقین کے لیے ایک جماعت قائم کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ ادنیٰ سا تامّل بھی ہر صاحب نظر کو اس نتیجے پر پہنچا دیتا ہے کہ 'الخَیْر' اور 'المَعْرُوْف' کا صحیح مفہوم اس آیت میں اصلاح و اتحاد اور صرف اتّحاد ہی ہے، اور اسی نقطہ نظر سے ان الفاظ پر ال تخصیصی واقع ہوا ہے، اور چونکہ پیشتر اور بعد کی آیات میں اتحاد کی خوبیاں اور اختلاف کی بُرائیاں ظاہر کیگئی ہیں اور یہ آیت اُن کے درمیان گھری ہوئی ہے اس لیئے خدائے عظیم نے عالم اسلام کے لیئے ایک ایسی جماعت بنانے کا حکم دیا ہے جو سب اُمّت کو اتحاد کی دعوت بالتخصیص دیتی ہے اور انکو تفرقے کی مکروہات (المُنْکَر) سے دمبدم باز رکھے۔ اِس مطمح نظر کے ماسوا یا اس سے کم و بیش عشر اس آیت کا اور کچھ مطلب نہیں۔ کلام الٰہی کو مربوط اور مدلّل یقین کرنیوالوں کیلئے اسکے سوا کسی اور نتیجے پر پہونچنا ممکن نہیں۔

سلمانان عالم اور شارحین قرآن نے اس آیت کا مفہوم قطعاً غلط سمجھا ہے، اور الخَیْر و المَعْرُوْف کے معنی عام کرکے عالم اسلام کو ایک غلط

اِخْوَانًا (۳: ۱۰۲) ؛ وہ سب کے سب یکجان و یک زبان ہو کر اُسکی حکومت کے ہر آن شاہد، اور اُسکی بارگاہ عالیہ سے بہر حال مرعوب رہیں؛ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ[لہ] (۲۳: ۶۰) ؛ وہ اللہ کو ہر وقت اپنے ذاتی مناقشات میں حاضر و ناظر، اور ہر حالت میں نگرانِ اعمال یقین کر کے اُسکے رُعب و وقار کا احترام، اور احکام کا پاس کرتے رہیں؛ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ

لہ خدا سے ڈرنے والے تو وہ لوگ ہیں جو باوجود اسکے کہ جو کچھ اُن کے پاس ہے اعلائے کلمۃ الحق میں صرف کر دیتے ہیں، مگر اُنکے دل اندر سے ہلتے رہتے ہیں کہ اُنہوں نے ایک دن خدا کے حضور میں جوابدہی کے لیئے کھڑا ہونا ہے (اور ممکن ہے کہ خدمت خدا کا حق ادا نہ ہوا ہو!)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۶) اور مہمل، نامعلوم اور نامحدود رستے پر لیگئے ہیں۔ مطالب کی اس عام افراتفری میں چنانچہ آج یہ حالت ہو گئی ہے کہ اسلامی جماعت کے ہزار در ہزار گروہ 'امر بالمعروف' اور 'نہی عن المنکر' کے ظاہری ادعا کی آڑ میں ہر طرف پھیلے ہوئے خلق خدا کو دھوکہ دے رہے ہیں، اور کسی مستقل پیش نہاد نہ ہونے کے باعث ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہو کر اسلام کی رہی سہی قوت کو اور بھی منتشر کر رہے ہیں۔ ہر گروہ اپنے آپ کو 'داعی الی الخیر' کا خطاب دیکر جماعت میں تفریق و اشتات پیدا کر رہا ہے۔ سب کے سب اپنی اپنی ہٹ دھرمی اور ضد کے باعث مختلف رستوں پر نہایت کبر و تحکم سے جا رہے ہیں، اور اپنے زعم میں خدا کے ایک اہم حکم کی تعمیل کر رہے ہیں! جو حیرت انگیز فرقہ بندیاں ان گروہوں کی متخالف اور متقابل تعلیم و تلقین سے پیدا ہو رہی ہیں بجائے خود خدائے عظیم کے مقصد اصلاح و اتحاد اور اس آیت کے منتہائے نظر کو باطل کر رہی ہیں؛ وہ 'اعتصام بحبل اللہ' اور 'ائتلاف قلوب'، اور 'اخوانیت' جو 'امر بالمعروف' اور 'نہی عن المنکر' سے مطلوب تھی یکقلم مٹ رہی ہے۔ ہر گروہ اپنی دُکان سجائے سر بازار بیٹھا ہے اور حتی الوسع چرب زبانی اور لفاظی سے کام لیکر بے وقوف اُمت کے گاہکوں کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے!

اگر بنظر تعمق اس آیہ شریفہ کے مضمون کیطرف دیکھا جائے تو عیاں ہو جاتا ہے کہ ربّ کون و مکان تعالیٰ نے تمام عالم اسلام کیلئے صرف ایک گروہ اور ایک جماعت ہی کو 'دعوت الی الخیر' اور 'امر بالمعروف' کے لیئے تجویز کیا ہے نہ دس بیس مختلف گروہوں کو، جو 'وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ' کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ پس لامحالہ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایسے عالم آرا، ایسے یکتا اور منتخب گروہ کا مقصد بھی یہی ہو سکتا ہے کہ دنیا کے مختلف ممالک کے مسلمانوں کے مابین اتحاد قائم رکھے، اُن کو اعتصام خدا کی دعوت دے، اُن کے اختلافات کو وقتاً فوقتاً دور کرتا رہے، اُن میں فرقہ بندیاں نہ پیدا ہونے دے، سب دنیائے اسلام کو جبراً ایک مقصد وحید، ایک مطمح نظر اور ایک راہ عمل کی طرف لیجائے؛ وہ گروہ خود کسی مقتدر نظام کے ماتحت کام کر رہا ہو، اور تمام مسلمانوں کا صحیح معنوں میں قائم مقام ہو۔ ایسا گروہ تاریخ شاہد ہے کہ قرن اول سے قطع نظر مسلمانوں نے آجتک نہیں بنایا اور اسی لیئے میرا یقین ہے کہ اُمت مرحومہ اس آیہ کبریٰ کے خدائی مطالب کی تعمیل کرنے سے حتماً قاصر رہی ہے!

اس گروہ کے متعلق 'وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ' کا ارشاد ہے۔ 'فلاح' کے معانی قرآن کریم میں دنیاوی کامرانی کے بھی ہیں جیسا کہ کئی ایک مثالوں سے جو پیشتر دی گئیں ظاہر ہے۔ گویا خدا فرماتا ہے کہ یہی وہ گروہ ہے جو فلاح دارین حاصل کرے گا اور اُمت کو صحیح معنوں میں قوت دیگا۔ آگے چلکر فرقہ بند اُمت کے لیئے 'وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ' کہا گیا ہے۔ گویا یہ عذاب بھی دنیاوی ہی ہے جو ہر اختلاف زدہ اُمت کو دنیا میں ملتا ہے۔ 'اُولٰٓئِكَ' کا تکرار بھی لامحالہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ 'دعوت الی الخیر' اور 'امر بالمعروف' کا مفہوم دنیائے اسلام کو ایک مقصد و منتہا پر قائم و متحد رکھنا ہی ہے اور وہ پیش نہاد دنیوی قوت اور تمکن ہے اسکے ماسوا حتماً کچھ نہیں۔

لیکن اس تمام خارجی استدلال سے صرف نظر کر کے قرآن حکیم کے الفاظ میں داخلی غور و فکر بھی اس نتیجے کی طرف راغب کرتا ہے کہ 'الْخَيْرِ' 'الْمَعْرُوْفِ'، اور 'الْمُنْكَرِ' کے الٰہی مطالب وہی ہیں جو اوپر بیان ہوئے۔ 'الْخَيْرٰتِ' کے صحیح مفہوم کے متعلق ایک مختصر بحث ابھی ابھی صفحہ ۱۲۵ کے

رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ٥١ (۵۸ : ۷)؛ وہ اسکی محتسبانہ رقابت میں سب جزوی معاملات اور فرعی مختلفات کو بالائے طاق رکھکر اُسی کی خدمت و اعلا میں ہمہ تن مصروف ہوجائیں؛ وہ اس احکم الحاکمین کے

۵١ اے انسان! کیا تو نے اس حقیقت پر کبھی غور نہیں کیا کہ اللہ تو جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہو رہا ہے اسکا علم رکھتا ہے۔ جب تین شخص آپس میں صلاح و مشورہ کرتے ہیں تو بہرحال چوتھا وہ ہوتا ہے، اور پانچ ہوں تو چھٹا وہ ہوتا ہے، اور اس سے کم ہوں یا زیادہ اور کہیں بھی ہوں وہ اُن کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔ پھر جو جو کام یہ آج کر رہے ہیں اُن کو روزِ قیامت کو موبمو بتلا دے گا، لوگو! درحقیقت خدا ہر چیز سے واقف ہے!

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۷) تحت المتن میں ہوچکی ہے جس سے ظاہر ہے کہ صاحب القرآن تعالیٰ نے اتحاد کے اجتماعی حسن عمل کو یہاں پر لفظ 'الخیر' سے یاد فرمایا ہے (يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ)۔ 'المعروف' اور 'معروف' کے الفاظ بھی کلام الٰہی کے اندر بالالتزام دو شخصوں یا فریقوں کے درمیان مصالحت یا صورت اصلاح و اتحاد پیدا کرنے کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ سورۂ بقرہ میں خاوند اور عورت کے باہمی تعلقات کی کشیدگی کے بارے میں ہے: وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا (۲ : ۲۳۱)، "اور جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو اور اُنکی عدت پوری ہونے کو ہو تو یا طلاق کا ارادہ فسخ کرکے اُنکو پوری صلح صفائی سے (بِمَعْرُوْفٍ) پھر زوجیت میں رکھ لو، یا اُن کو مصالحت سے رخصت کردو، اور دُکھ دینے کی نیت سے اُنکو نہ رکھو کہ بعد میں زیادتی کرو۔" یہی مضمون اس آیت ذیل میں بھی ہے: فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ (۲ : ۲۲۹)؛ یعنی "یا صلح صفائی کے ساتھ پھر زوجیت میں لے لینا، یا خوش اسلوبی سے رخصت کردینا۔" ایک آیت پہلے پھر اسی مضمون کی تصریح ہے: وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (۲ : ۲۲۸)، یعنی "اور اگر اُنکے خاوند مصالحت کرنا چاہیں تو اُن کو پورا حق ہے کہ اس اثنا میں اپنی عورتوں کو پھر اپنی زوجیت میں واپس لے لیں، اور اس صورت میں جس طرح پر مصالحت اور صلح صفائی سے رہنا عورتوں پر لازم ہے (عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ) اسی طرح پر مردوں کی طرف سے عورتوں کے ساتھ (لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ) مصالحت کا سلوک کیا جانا بھی لازم ہے۔" اسی رکوع میں مطلقہ عورتوں کے بارے میں ہے: فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ (۲ : ۲۳۲)، یعنی "طلاق ہوئے پیچھے تم ان عورتوں کو منع نہ کرو کہ نئے خاوندوں سے نکاح کریں اگر دو فریق آپس میں مصالحت اور اتحاد پر (بِالْمَعْرُوْفِ) راضی ہوگئے ہوں۔" آگے چلکر دودھ پلانے کی اُجرت کے بارے میں ہے: وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (۲ : ۲۳۳)، "اور باپ پر لازم ہے کہ ایسی زیر تجویز مطلقہ ماؤں کو صلح صفائی کے ساتھ کھانا اور کپڑا دے۔" اور اگر دایہ سے دودھ پلانے کا باہمی سمجھوتہ ہوجائے تو فرمایا ہے: فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ (۲ : ۲۳۳)، یعنی "اس صورت میں دایہ سے دودھ پلوا لینے میں کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ جو کچھ ماؤں کو دینا کیا تھا صلح صفائی کے ساتھ دے دو۔" رانڈ عورتوں کے دوسرے بیاہ کے بارے میں ہے: فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (۲ : ۲۳۴)، "پھر جب وہ اپنی عدت پوری کرچکیں تو نیک نیتی اور صلاح روی سے (بِالْمَعْرُوْفِ) جو کچھ دوسرے بیاہ کے بارے میں اپنے دل میں ٹھان لیں اسکی پرسش تم وارثانِ میت سے کچھ نہیں، اور اسی لیئے تمہیں اس فعل سے واسطہ نہیں جو چاہیں اُن کو کرنے دیں۔" اس موقع پر المعروف سے مراد رانڈ عورت کا صلاح روی کے ساتھ دوسرا بیاہ کرنا ہے، نہ یہ کہ اُٹھے اور وہ وطیرہ اختیار کرے جس سے خاندان کی ناموس برباد ہو اور خانگی فساد کی صورت پیدا ہو۔ گویا یہاں بھی مقصود اصلاح و اتحاد اور فساد کو مٹانا ہی ہے۔ شادی شدہ باکرہ عورتوں کو شبِ زفاف سے پیشتر طلاق دینے کے بارے میں ارشاد ہے کہ کچھ گناہ نہیں مگر ہاں اُن کو بطور احسان کے کچھ دے دینا چاہیئے: عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (۲ : ۲۳۶)، "مقدور والا اپنی حیثیت کے مطابق اور بے مقدور اپنی حیثیت کے موافق۔ تم اسکو ایک نذرانہ

پاس ادب اور لحاظ سے دلوں کے بُغض اور سینوں کے حسد نکالکر باہمد گر متحد اور متفق ہوجائیں؛ وہ دانائے نہاں و آشکار اکی متجسسانہ دانش اور متفقشانہ بینش کا کامل یقین کر کے، دلوں کی تہ کے سرائر وخفایا کو آلائش گناہ سے قطعًا پاک صاف کردیں مخلص اور عقیدتمند خواجہ تاشوں کا اپنے آقائے حقیقی سے یہ وہ معترفانہ خوف، اور وہ غیر متزلزل اتقا تھا جس نے ہر ناگہاں مصیبت کے وقت

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۸) سمجھو جسکی غرض و غایت یہ ہے کہ طلاق صلح صفائی کے ساتھ اور بغیر دنگے فساد کے طے پائے (مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ) اور سچ تو یہ ہے کہ مصالحت سے چلنے والے اشخاص پر یہ نذرانہ تو ایک طرح کا حق ہے۔" کچھ آگے چلکر مطلقہ عورتوں کے بارے میں بھی اسی قطع کا حکم ہے: وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝ (۲: ۲۴۱) یعنی مطلقہ عورتوں کے لیئے بھی کچھ نہ کچھ نذرانہ بطور احسان یا یادگار ملنا چاہیئے تاکہ فریقین صلح صفائی کے ساتھ ایک دوسرے سے جُدا ہوں، اور خدا سے صحیح معنوں میں ڈرنے والوں کے لیئے تو یہ معمولی سی رواداری بطور ایک فرض کے ہے۔" مطلب یہ ہے کہ جو شخص صحیح معنوں میں مُتّقی ہے اُسکا منتہائے نظر دنیا میں ہمیشہ یہی رہتا ہے کہ انتہائی معاملات میں بھی کم سے کم فساد پیدا ہو۔ طلاق وہ مکروہ شئے ہے جو دو فریقوں کے درمیان ایک ناقابل برداشت شقاق کا باعث ہوتی ہے۔ اگر اسکا واقع ہونا بہر نوع ضروری ہوگیا ہے تو ایک صلح پسند آدمی پر فرض ہے کہ اُس عورت کو جسکے ساتھ اس نے اتنی مدت صحبت کی ہے ایک معتدبہ رقم بطور نذرانے کے پیش کرے تاکہ مخالفت کے جذبات انتہا تک نہ پہنچنے پائیں۔ ازدواجی تعلقات کے منقطع ہونے پر فریقین ایک دوسرے کو کم از کم دشمن نہ سمجھیں اور اسلامی جماعت کے اندر شکست انگیز تفریق پیدا نہو۔

ناسمجھ اور کم عقل یتیموں کے سرپرستوں کو سورہ نسار میں ہدایت ہے: وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (۴: ۵) یعنی اُن کے ساتھ صلح صفائی سے برتاؤ کرو۔" محتاج سرپرست کے بارے میں ہے: وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ (۴: ۶) یعنی اگر سرپرست کم مقدور ہو تو اُس یتیم کے مال میں سے بقدر مناسب (بِالْمَعْرُوْفِ) اپنے گذارے کے لیئے لے لے۔" یہاں بقدر مناسب سے مراد یہ ہے کہ دلمیں اس یتیم کی طرف نیکی، صلاح روی اور مصالحت کا خیال ہو، اُسکو تباہ کرنے اور لوٹنے کی نیت نہ ہو، اُسکے بارے میں عداوت اور مخالفت کے جذبات موجزن نہ ہوں۔ بیبیوں کے ساتھ سلوک کے بارے میں ہے: وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (۴: ۱۹)، یعنی انکے ساتھ حُسن سلوک سے رہو۔" لونڈیوں سے نکاح کرنیکے متعلق ہے: وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ (۴: ۲۵)، یعنی "اُن کو انکی اس مستقل مصاحبت کے عوض میں اُنکے مہر منصفانہ طور پر (بِالْمَعْرُوْفِ) ادا کردو لیکن شرط یہ ہے کہ وہ گھریلو عورتیں بنکر رہیں، بدکاری اُن کی غرض نہو، اور نہ پوشیدہ طور پر یار رکھیں۔" یہاں "المعروف" سے مقصود حق مہر کا اس مقدار میں ادا کرنا ہے کہ فریقین میں رضامندی پیدا ہوجائے اگویا منتہائے نظر وہی اتحاد ہے۔

سورہ نسار میں منافقین اسلام کے بارے میں ہے: لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ (۴: ۱۱۴)، "اُن لوگوں کی اکثر سرگوشیوں اور خفیہ ریشہ دوانیوں میں متحد کرنے (خَيْرَ) یا صلح وصلاح کی صورت (خَيْرًا) بنانے کا تو نام نہیں، اِن کا دار و مدار ہی نفاق پر ہے، البتہ وہ شخص اس سے مستثنیٰ ہے جس نے اوروں کو ایثار مال کرنے کی ترغیب دی (اَمَرَ بِصَدَقَةٍ)، مصالحت کا کوئی عنوان قائم کیا (اَوْ مَعْرُوْفٍ)، یا لوگوں کے درمیان میل ملاپ کا بیج بویا۔" یہاں صاف مَعْرُوْف سے مقصود اتحاد برخلاف تفرقہ اور نفاق کے ہے جو منافقوں کی اصلی غایت ہوا کرتی ہے۔ سورہ توبہ میں انہی منافقوں کی تعریف میں ہے: اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ (۹: ۶۷)، یعنی "نفاق ڈالنے والے مرد اور نفاق ڈالنے والی عورتیں سب ایک ہی تھیلی کے بٹے ہیں، لوگوں کو نفاق (المُنْكَر) کی ترغیب دیتے ہیں، اور مصالحت اور اتحاد (المَعْرُوْف) سے باز رکھتے ہیں، اور یہی نہیں بلکہ ایثار مال کے

مومنوں کے صبر میں استقامت، اور اتحاد میں استواری پیدا کردی تھی: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا قف وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۵ؑ (۳: ۱۹۹)[۱] یہی وہ ہیبت انگیز ذکر، اور ارتعاش آفریں یادِ خدا تھی جو تیروں اور تلواروں کی بارش میں بھی پائے ثبات میں لغزش نہ آنے دیتی تھی: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۵ؑ (۸: ۴۵)[۲] - اِسی باہمی ولایت اور اتقا کا لازمی نتیجہ فلاحِ دین اور غلبۂ اسلام تھا: وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۵ؑ (۵: ۵۶)[۳]

---

[۱] دیکھو صفحہ ۱۴۲ [۲] دیکھو صفحہ ۱۴۳ [۳] اور جو اللہ کا دوست اور رسول کا معاون بنا رہا، اور جس نے ایمان والوں کے ساتھ اتحاد قائم کیا، وہ اللہ کے گروہ میں سے ہے۔ اور اللہ کا گروہ ہی تو غالب گروہ ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۹) موقع پر اپنی مٹھیاں بھینچ لیتے ہیں"۔ یہاں پہلی دفعہ 'المنکر' کا لفظ آیا ہے اور ہر صاحب نظر بطور خود دیکھ سکتا ہے کہ 'المعروف' اور 'المنکر' کا منتہائے نظر اس آیۂ کریمہ میں بعینہ وہی ہے جو آیاتِ زیرِ بحث یعنی (۳: ۱۰۱-۱۰۴) صفحہ ۱۴۵) میں ہم نے ظاہر کیا ہے۔ اس نقطۂ نظر کی تصدیق حیرت انگیز طور پر آئندہ آیتوں سے ہوتی ہے جو مومنوں کی تعریف میں آئی ہیں: وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَهٗ ط (۹: ۷۱)، "اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں ایک دوسرے کے صحیح معنوں میں دوست ہیں، وہ لوگوں کو باہم دگر متحد ہونے (المعروف) کی دعوت دیتے رہتے ہیں، اور نفاق (المنکر) کے مکروہ نتائج سے باز رکھنے کی سعی کرتے ہیں، اور 'الصلوٰة' کو قائم کرتے ہیں، اور حسب موقع ایثارِ مال کرتے، اور خدا اور اُسکے رسول کی اطاعت کرتے ہیں"۔ الصلوٰة کی اجتماعی حیثیت، الزکوٰة کے اجتماعی فوائد اور اطاعتِ خدا و رسول کی ماہیت اور سیاسی حکمتِ عملی پر بحث آئندہ اوراق میں آئے گی، لیکن سیاق مضمون سے عیاں ہے کہ المعروف کی دعوت فی الحقیقت اتحاد کی دعوت ہے، اسکے سوا حتماً اور اصلاً کچھ نہیں۔ المنکر کی الٰہی اصطلاح تفریق اور مخالفت کے معنوں میں ایک دو اور موقعوں پر استعمال ہوئی ہے جو یہاں لکھ دیئے جاتے ہیں، باقی موقعے اصل کتاب میں عنقریب آئیں گے۔ سورۂ حج میں ہے: وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمُنْکَرَ یَکَادُوْنَ یَسْطُوْنَ بِالَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ عَلَیْھِمْ اٰیٰتِنَا ط (۲۲: ۷۲)، یعنی "اے پیغمبر! جب ان منکرین عرب کو ہمارے روشن اور نتیجہ خیز احکام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں تو تم اِن لوگوں کے چہروں پر مخالفت اور نفاق کے آثار اس شدت سے دیکھتے ہو کہ گویا کوئی دم میں یہ لوگ ہمارے احکام سنانیوالوں پر حملہ کر بیٹھیں گے"۔ گویا 'المنکر' یہاں پردہ قلبی انکار ہے جسکا نتیجہ تفریق اور اختلاف ہے۔ سورۂ عنکبوت میں حضرت لوط علیہ السلام کا قول اپنی قوم کے بارے میں ہے: اَئِنَّکُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ۵ وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْکُمُ الْمُنْکَرَ (۲۹: ۲۹)، یعنی "کیا تم لوگ عورتوں کو چھوڑ کر لڑکوں کے ساتھ بدفعلی کرتے ہو، شاہراہوں پر ڈاکے مارتے ہو، اور اپنی ٹولیوں میں دنگے مچاتے اور ناچاقیاں پیدا کرتے ہو (المنکر)"۔ مفسرین نے جو 'المنکر' سے مراد "بے حیائی کے کام" لیا ہے محض بے سبب اور بے سند ہے۔ جب تَاْتُوْنَ الرِّجَالَ اور تَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ کے الفاظ میں نوعیتِ جرم کی پوری تخصیص ہے تو تاتون المنکر میں بھی وہ تخصیص جاری رہنی چاہیئے اور وہ سوا اسکے نہیں جو ہم نے بیان کردی۔ رہزنوں اور لواطت پرست غنڈوں کا شیوہ ہمیشہ سے یہی چلا آیا ہے کہ بات بات پر دنگا کھڑا کر دیتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے خلاف گروہ بن جاتے ہیں۔ یہی وہ جرمِ عظیم تھے جن کی پاداش میں قوم لوط کی تباہی ہوئی تھی۔ لواطت سے بڑھکر کیا بے حیائی ہوگی جس کا ذکر تَاْتُوْنَ الرِّجَالَ بلکہ اس سے پیشتر کی آیت (۲۹: ۲۸) میں اِنَّکُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ کے الفاظ میں ہو چکا ہے۔ پھر یہ نہیں معلوم کہ ایک ہی شئے کو بے سبب دہرانا کلامِ الٰہی کے شایانِ شان نہیں۔

(باقی)

اِسی اِتقا کے قیام اور باہمی نفاق کو دور کرنیکے لیئے قرآن آیا تھا: فَاِنَّمَا یَسَّرۡنٰہُ بِلِسَانِکَ لِتُبَشِّرَ بِہِ الۡمُتَّقِیۡنَ وَتُنۡذِرَ بِہٖ قَوۡمًا لُّدًّا ۝ٰ (۱۹: ۹۷)۔ اسی الخیر اور المعروف کی مسلسل تبلیغ اور بیہم تلقین کیلئے ربّ العٰلمین نے مسلمانوں میں ایک مستقل جماعت کی تاسیس ضروری سمجھی تھی۔ یہ تفریق بین الافراد ہی وہ المنکر اور صحیفہ کائنات کا وہ سب سے بڑا گناہ تھا جسکے اِنسداد و استیصال کے لیئے مسلمانان جہان پر ایک غیر منقطع جہاد لازمی کر دیا تھا: وَلۡتَکُنۡ مِّنۡکُمۡ اُمَّۃٌ یَّدۡعُوۡنَ اِلَی الۡخَیۡرِ وَیَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ ؕ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝ؑ (۳: ۱۰۴)۔ اسی صحیح تقویٰ کے وسیلۂ عمل سے مسلمانانِ عالم کو ساکنانِ زمین پر ایک امتیازی خصوصیّت اور مقامِ بلند ملنے کا وعدہ تھا؛ اور اسی تقوی کے انعام میں منعم حقیقی نے دنیا کے

سلہ اے پیغمبر! ہم نے قرآن کو تمہاری زبان کا لباس پہنا کر سہل الفہم صرف اسلیئے کر دیا تھا کہ تم اسکے ذریعے سے متّقی (اور متحد) قوم کو (اجتماعی بقا) کی بشارت دو اور نفاق ارا اور جھگڑالو قوم کو اجتماعی ہلاکت اور عذاب سے ڈراؤ۔ (اس آیت کے لفظ اَلۡمُتَّقِیۡنَ کے متعلق ایک بحث صفحہ ۹ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے) ۹۲ ترجمے کیلئے دیکھو صفحہ ۱۴۵۔

(تتمۂ تحت المتن صفحہ ۱۵۰) الغرض جس نقطۂ نظر اور درجۂ تعمق سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر والی آیات کو دیکھا جائے ہر صاحب نظر قرآن کا مطالعہ لامحالہ اس نتیجے پر پونہچتا ہے کہ کلامِ الٰہی کی قانونی زبان میں المعروف کی اصطلاح سے مراد اتحاد اور المنکر سے مقصود نفاق اور اختلاف ہی ہے۔ نیکی اور برائی کے لغوی معانی جو شارحین قرآن نے ان دو اصطلاحوں کے لیئے ہیں اسقدر غیر محدود اور بے نتیجہ ہیں کہ ان کے مان لینے کے بعد کسی ایک حکم خدا کے بارے میں مستقل نتائج پر پونہچنا ازبس دشوار ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم ساکنانِ زمین کے لیئے ایک قانونِ عمل ہے۔ اور قانونی کتاب کے سزاوار یہی ہے کہ اس کا کوئی قانون قیاس یا رائے یا تاویل کے تابع نہ ہو سکے، بلکہ ایک حکم کا صرف ایک ہی مطلب اور ایک ہی طریق عمل ہو اور بس، نہیں بلکہ سب سے ضروری امر کہ ہر متفرع المعانی اصطلاح کی آئینی تعریف خود اُسکے اندر موجود ہو، اپنی وضع کی ہوئی مصطلحات کی شرح و بسط کے لیئے اسکو کسی دوسری کتاب کا محتاج نہ ہونا پڑے۔ بعینہ انہی معانی میں قرآن عظیم تمام انسانی لغات سے بے نیاز ہے۔ (دیکھو صفحہ ۹۱-۹۲) وہ اپنی سب مصطلحات کی آپ ہی تعریف کرتا ہے، آپ ہی اپنی لغت، اور آپ ہی اپنی تشریح ہے، اُسکے کسی ایک امر و نہی یا آیت کا صرف ایک ہی پیش نہاد، ایک ہی مقصود، اور ایک ہی طرزِ عمل ہے۔ دستور خدا کے شارحین کا فرض ہے کہ وہ اُس مقنن اعظم کے واحد عندیے کو صاف اور روشن الفاظ میں واضح کر دیں کہ انتشار عمل کی گنجایش باقی نہ رہے، کوئی شخص یا گروہ تاویل کو دھوکے کی ٹٹی بنا کر گریز کی سبیل نہ نکال سکے، مکر و ریا کی آڑ میں نہ چھپے، جہل کو عذر نہ بنا سکے۔ جو تفسیر اس اہم مقصود کو پیش نظر نہیں رکھتی وہ فی الحقیقت کلام خدا کی شرح نہیں۔ اس کا پیش نہاد اشتات عمل ہے، تفریق قوم اور تضعیف ہمت ہے۔ جب تک مطالب بیّن اور غیر مشکوک، واحد اور محدود نہ ہو جائیں کسی حکم کی تعمیل کرنا محال ہے، جب تک آقا کا صحیح عندیہ معلوم نہ ہو غلام کی تعمیل بے معنی ہے: وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡہِمۡ (۱۶: ۴۴)۔ المعروف اور المنکر کے صحیح مفہوم کے متعلق اسی تعیین کی سعی میں نے اس تحت المتن میں کی ہے اور میرا یقین ہو چکا ہے کہ جہاں جہاں ان الفاظ کا استعمال قرآن کریم میں ہوا ہے وہاں الٰہی مقصود یہی ہے جو اوپر بیان ہوا۔ بہرنوع یہ تمام بحث تخمیص اس دعوے کا مزید اور حتمی ثبوت ہے کہ قرآن حکیم اپنی اصطلاحات کی تبیین میں تمام انسانی لغات سے بے نیاز ہے، نہیں بلکہ لغت اسکے مطالب کی تشریح کیلئے اکثر اوقات گمراہ کن ہے کیونکہ تغیر پذیر ہے اور لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ (۶: ۱۱۶) صفحہ ۹۲-۹۳ کے تحت میں نہیں آسکتی۔

ﷺ مطالب کے لیئے دیکھو اصل کتاب صفحہ ۵۹۔

شاداب اور سرسبز ملکوں کی بادشاہت مومنوں کے لیے اپنے پاس بطور امانت رکھ لی تھی!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ (۸: ۲۹)

اے ایمان والو! اگر تم خدا کا سچا خوف کر کے (متحد بنے) رہو گے تو وہ تمہارے لیئے ایک امتیاز پیدا کر دے گا، تمہاری سب اجتماعی واماندگیوں اور دنیاوی خستہ حالیوں کو تم سے دور کر دیگا، تمہاری پچھلی غفلتوں سے چشم پوشی کرے گا، اور خدا تو فی الحقیقت بڑا فضل کرنیوالا ہی بشرطیکہ بندے اُسکے حکموں پر چلیں۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ۝ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ۝ (۱۶: ۱۲۷-۱۲۸)

اور اے پیغمبر! مخالفوں کی ایذاؤں کو صبر اور استقلال سے برداشت کرو۔ جہاں تمہیں تکالیف خدا کی وجہ پونہچ رہی ہیں، وہاں تمہارا تحمل بھی خدا ہی کی وجہ سے ہوگا (ورنہ یہ لوگ فی الحقیقت صبر کے اہل نہیں)۔ لیکن انکے سلوک کو دیکھکر غم بھی نہ کھاؤ اور جو چالبازیاں یہ تمہارے برخلاف کر رہے ہیں اس سے دل تنگ بھی نہ ہو جاؤ، بلکہ استقلال سے اپنے اصولوں پر جمے رہو، کیونکہ تقوی کا صحیح مفہوم یہی ہے۔ اللہ بیشک اُنہیں کا ساتھ دیتا ہے جو مقام خدا کا سچا خوف دل میں رکھکر اسکی لڑائیاں استقلال سے لڑتے ہیں، اور جو اجتماعی بہبودی کو پیش نظر رکھکر حسن عمل کرتے ہیں (هُم مُّحْسِنُونَ۔ دیکھو حسنات کا مفہوم تحت المتن صفحہ ۱۳۰ الی آخرہ)۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ لَٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ

✝ "يُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ" کے الفاظ کی تشریح کافی طور پر صفحہ ۱۳۱ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے جہاں پر عیاں کر دیا ہے کہ اس جملے سے صاحب القرآن تعالی کی مراد اجتماعی اور دنیاوی بدحالیوں، اور قومی واماندگیوں کا دور کرنا ہے۔ "يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا" کے الفاظ سے ان مطالب کی اور بھی تائید و تصدیق ہوتی ہے کیونکہ فرقان، یعنی امتیاز باقی اقوام عالم کے بالمقابل، اور دنیاوی حیثیت ہی سے ہو سکتا ہے ورنہ بے معنی ہے، اور اگر یہ امتیاز روز قیامت ہی کو عیاں ہونا جیسا کہ آجکل کے نابکار مسلمانوں نے فرض کر لیا ہے تو "يَغْفِرْ لَكُمْ" کے الفاظ اس مطلب کو ادا کرنے کے لیئے بالکل کافی تھے۔ یہ بات "وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ" سے بھی ظاہر ہے کیونکہ جیسا آگے چلکر ثابت کیا جائے گا "فضل" کے معنی از روئے قرآن دنیاوی افضال ہی کے ہیں۔

✝✝ ان آیات الہی سے ظاہر ہے کہ "صَبْر" یعنی مصائب و نوائب کا استقلال سے مقابلہ کرنا "اتقائے الہی" کی ایک اہم شق ہے یہی بات آیہ (۷: ۱۲۸) سے ظاہر ہے جو مقدمہ کتاب میں صفحہ ۳۹ پر آچکی ہے۔

فِيهَا نُزُلًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۗ وَمَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ ○ (۳: ۱۹۵-۱۹۷)

اے پیغمبر! دشمنانِ خدا کا اِن تمہارے شہروں میں چلنا پھرنا، اور ایمان والوں کے بالمقابل دنیا میں آرام و آسایش سے رہنا تمہیں کہیں مغالطے میں نہ ڈال دے۔ یہ سب ایک قلیل فائدہ، اور چند روزہ مہلت ہے جو انکو دیجا رہی ہے۔ پھر دیکھ لینا اِن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہے۔ لیکن جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا سچا خوف کیا ہم اُنکے استقلال اور استقامت، اُنکے صبر اتحاد کے بدلے میں اُنکو ایسے خوشنما باغوں میں داخل کرینگے جنکے نیچے نہریں بہ رہی ہیں وہ اسمیں ایک مدت مدید تک رہینگے۔ یہ تو انکی مہمانی اللہ کی طرف سے اِس دنیا میں ہوگی، اور جو کچھ حُسن عمل کرنیوالوں کے لیئے اللہ کے پاس رکھا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے۔

• اِن آیات میں بعض باتیں نہایت غور طلب ہیں :-

اولاً۔ یہاں پر 'کُفر' اور 'اتقا' کا باہم مقابلہ کیا گیا ہے۔ 'کافر اقوام کی دنیوی آسایش اور بہجت کو 'مَتَاعٌ قَلِيلٌ' کہا گیا ہے، اور مراد یہ ہے کہ ایک اقل قلیل مدت کے اندر ہر کافر قوم سے دنیاوی نعمتوں کا چھینا جانا اٹل ہے، اور بعد ازاں اِس دنیا کے اندر شکست و ریخت ابداً آباد تک انکا حصہ ہے (ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ)۔ کافر قوم کے دنیاوی عذاب اور اجتماعی ہلاکت کے متعلق مقدمہ کتاب کے آخری حصے (صفحہ ۹۶) میں قرآن حکیم کا محاکمہ پیش کر دیا تھا، اور وہ یہ تھا کہ ہر کافر قوم کی اجتماعی ہلاکت قطعی ہے۔ اِس نقطۂ نظر سے 'مَتَاعٌ قَلِيلٌ' کا متذکرہ بالا مفہوم عیاں ہے۔ اکثر لوگوں نے 'مَتَاعٌ قَلِيلٌ' کا مفہوم یہ سمجھ لیا ہے کہ کافر اقوام کو جو دنیاوی نعمتیں مل رہی ہیں وہ اُنکو دنیا کی اِس چند روزہ زندگی کیلئے ملتی ہیں اور نسلاً بعد نسلٍ بدستور ملتی رہیں گی، پھر مرنیکے بعد یا قیامت کے دن اُنکو جہنم میں ڈالا جائیگا۔ وغیرہ وغیرہ، یہ سب فلسفہ نہایت لچر اور ناپاک ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب خدا اُن سے ناراض ہے تو دنیا کی چند روزہ نعمتیں بھی کیوں اُنکو ملیں، یہیں سے عذاب کیوں نہ شروع ہو جائے اور آخر دم تک ملتا رہے۔ کیا یہ بات (معاذ اللہ) خدا کے بس کی نہیں رہی کہ وہ اِس دنیا کے اندر اُن سے نعمتیں چھین سکے۔ اور سزا آخرت کے واقع ہونیسے پہلے نہ دے سکے۔ قرآن حکیم کی تمام حکمت اِس ناروا تخیل کے سراسر خلاف ہے۔ اور اِس تخیل کا اُمت حاضرہ میں رواج پا جانا بھی درحقیقت 'کافر' اور 'کفر' کے صحیح مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ خود 'أَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ' (۳: ۱۳۹) (صفحہ ۲) کا مضمون کافر قوم کی دنیاوی خوشحالی کے حتماً نقیض ہے اور صاف اِس امر کا دعویدار ہے کہ مومن قوم کی دنیوی فلاح قطعی ہے۔ یہی بات 'فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ' (۵: ۵۶) (صفحہ ۱۵) سے ظاہر ہے، اور اگر قرآن حکیم اختلاف کے انسانی عیب سے قطعاً مبرا ہے تو دنیاوی خوشحالی کسی کافر قوم کے شامل حال حتماً نہیں ہو سکتی۔ جو بات آیات زیر بحث (یعنی (۳: ۱۹۵-۱۹۶)) میں کہی گئی ہے یہ ہے کہ منکرین خدا کی ظاہری خوش حالی، اُن کا تغلب اور تمکن فی الارض ایمان والوں کو دھوکہ نہ دے، اُن کو متعجب نہ کر دے کہ خدا کی طرف سے ان کو انعام کیوں مل رہے ہیں، در اصل اُنکو انعام مل نہیں رہے بلکہ رفتہ رفتہ اُن سے چھینے جا رہے ہیں۔ جو تغلب یا تمکن اُن کو اپنے آبا و اجداد کیطرف سے وراثتاً ملا ہے وہ ایک متاع قلیل ہے۔ ایک اقل قلیل مدت میں اُنکے نااہل اور بے **ایمان** ہو جانے کے باعث چھین لیا جائے گا گویا نعمتہائے الٰہی کے چھینے جانے کی تباہی ہو رہی ہے اور ہلاکت اُن کے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ پھر جب عذاب الٰہی آپونہچے گا تو اُن کا ٹھکانا جہنم ہے! ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ۔

ثانیاً آیات زیر بحث (۳: ۱۹۵) میں کافر قوم کی متاع قلیل کے بالمقابل 'متقی' قوم کی دائمی آسایش کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ بتلایا ہے کہ جہاں 'کافر' قوم کی دنیوی طاقت روز بروز زوال پر ہے اور کوئی دن جاتا ہے کہ وہ صفحۂ زمین سے نیست و نابود ہو جائے وہاں 'متقی' قوم کا یہ حال ہے کہ سرسبز زمینوں کی بادشاہت اُن کا حصہ ہے (لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ)، وہ ان زمینوں کے مالک سدا سدا کو رہیں گے

آہ! یہ کیا فرقانِ عظیم تھا؟ یہ کیا امتیازی مقام تھا؟ یہ کیا نہروں والے باغوں کی دائمی بادشاہت تھی جو دربارِ ربّ العٰلمین سے تقویٰ کے صلے میں مہمانی خدا بنکر نازل ہونی تھی اور جلد تر ہوئی! کیا یہ تقویٰ، کیا یہی تقویٰ جو آج ہماری مسخ مصطلحات، غلط محاورات، اور تحریف شدہ مطالب کے رو سے تسبیح کے دانوں کا دیوانہ وار مرتعش انگلیوں کے درمیان سے سرکاتے رہنا، لمبے لمبے جُبّے، بڑے بڑے عمامے اور رنگ دار داڑھیاں بنا بنا کر اسلام کُش اور تفرقہ انگیز اعمال کرنا، خلقِ خدا کی آنکھوں میں دُھول ڈالکر پرہیزگار بنے رہنا، یا شبانہ روز بے روح وا اثر سجدوں سے ماتھے کو زمین پر ٹھکرا کر، دنیا و مافیہا سے الگ تھلگ رہنے، اور اللہ کی عزیز القدر نعمتوں پر نہایت بیدردی اور اصرار سے لات مارنے کا مترادف ہی: یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ یُنْكِرُوْنَهَا وَ اَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ[۹۵] (۱۶: ۸۳)، کیا یہی تقویٰ وہ خوفناک اسلحہ تھا

[۹۵] یہ لوگ خدا کی نعمتوں کو اچھی طرح پہچانتے ہیں پھر تجاہل عارفانہ کرکے اُن سے مُکرتے ہیں اور اُن میں سے اکثر اِن نعمتوں ہی کے منکر نہیں، بلکہ درحقیقت خدا کے منکر ہیں۔ (گویا ازروئے قرآن خدا کی دنیوی نعمتوں کی بیقدری کرنی کفر ہے۔ 'نعمت' کا قرآنی مفہوم آگے چلکر اسی مجلد میں واضح کر دیا جائے گا)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۵۳) (خٰلِدِیْنَ فِیْهَا)۔ گویا جبتک قرآنی اصطلاح میں مُتّقی رہینگے دنیوی تغلّب اُن کے حصے میں رہیگا!

'اتّقا' کی مکمل تشریح ابھی تک نہیں ہوئی، اِسکے لیئے ابھی بہت وقت درکار ہے مگر جو کچھ ابتک حاصل ہوا ہے یہ ہے کہ ازروئے قرآن (۱) مصائب کا استقلال سے مقابلہ کرنا 'اتّقا' ہے (دیکھو صفحہ ۳۹-آیت (۷: ۱۲۸) اور صفحہ ۱۵۲-آیات (۱۶: ۱۲۷-۱۲۸))؛ (۲) 'اُمّتِ واحدہ' بنے رہنا 'اتّقا' ہے (دیکھو صفحہ ۹۴-آیت (۲۳: ۵۲))، (۳) "قَوْمًا لُّدًّا" نہ بننا 'اتّقا' ہے (دیکھو صفحہ ۹۷-آیت (۱۹: ۹۷))، (۴) 'اِعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ'، اور 'لَا تَفَرَّقُوْا'، کا مصداق بننا 'اتّقا' ہے (دیکھو صفحہ ۱۴۴-آیات (۳: ۱۰۱-۱۰۲))، (۵) 'اِصْبِرُوْا' اور 'صَابِرُوْا' اور 'رَابِطُوْا' پر عمل کرنا 'اتّقا' ہے (دیکھو صفحہ ۱۵۰-آیت (۳: ۱۹۹))۔ جس قوم میں یہ خاصیّتیں موجود ہیں وہ ازروئے قرآن 'مُتّقی' ہے، اور ایسی مستقل مزاج، اولوالعزم، متحد، نافرقہ بند، اور صاحب اخوّت قوم کا روئے زمین پر تسلط قطعی ہے۔ اِس مقام نظر سے ثابت ہے کہ زیر بحث آیت میں 'کافر' قوم کا 'متّقی' قوم سے مقابلہ کرکے اِس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اوّل الذکر قوم کی دنیاوی نعمتیں محض چند روزہ ہیں، مگر مؤخر الذکر کے لیئے جنّاتِ زمین ہیں جنکے نیچے نہریں سا پڑی بہ رہی ہیں، وہ اُن میں جبتک متّقی بنے رہیں گے، رہیں گے۔ یہ مہمانی اُن کی اِس روئے زمین پر خدا کے ہاں سے ہے (مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ) اور جو کچھ روز آخرت کو اِس بادشاہت زمین کے سوا خدا کے پاس (عِنْدَ اللّٰهِ) ملیگا، وہ اس سے بدرجہا بہتر (خَیْرٌ) ہے۔

'نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ' کے الفاظ کے بعد 'وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ' کہنا، اور بعد ازاں مقابلے کے لیئے 'خَیْرٌ' کا لفظ استعمال کرنا صاف اِس بات پر دلالت کرتا ہے کہ 'جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ' سے مراد بادشاہت زمین ہی ہے اسکے ماسوا حتمًا کچھ نہیں، اور 'وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ' کا مفہوم 'الْجَنَّة' کی آسائش ہے جو آخرت میں ملیگا، اور جو بادشاہت زمین کی نعمت سے بدرجہا بہتر نعمت ہے۔ 'خٰلِدِیْنَ فِیْهَا' سے شارحین قرآن نے مراد ابد تک بہرہ ور ہونا لیلیا ہے لیکن خلود کے معنی ایک مدّت مدید تک رہنے کے ہیں اِس سے زیادہ کچھ نہیں۔ 'مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ' اور 'وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ' کا تقابل صفحہ ۱۲۲ کی آیت (۱۳: ۱۹۴) میں گذر چکا ہے، اور وہاں بھی 'جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ' کے الفاظ موجود ہیں۔ یہ دونوں آیات الٰہی جنّات کے متذکرہ صدر معانی کی زبردست دلیلیں ہیں۔

جس کی آسماں دوز زُدٗ اور زمیں پاش ٹکر سے قرنوں کی مستحکم اور مقیم سلطنتوں کی بُنیادیں ہل جاتی تھیں! جس کی آہنیں ضرب سے رومۃ الکبرٰے اور فارس کے بلند نشینانِ عیش وعشرت کے تخت ہلنے، اور تاج ڈگمگانے لگتے تھے! جسکے قلعہ شکن اور حوصلہ کش گھمسان کے باعث قوی سے قوی دشمن کے حواس باختہ، اور روحیں فنا ہو جاتی تھیں! جس کی خانہ برباد طاقت اور تباہ کن قوّت کا راز، دشمن سے قطع نظر، آج خود ہمارے لیئے تازیانۂ عبرت ہے:

هُوَ الَّذِيٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ (۵۹ : ۲)

وہ خدا ہی تو تھا جسنے اپنے بہادر اور ثابت قدم مومنوں کے ذریعے سے منکرِ خدا اہل کتاب کو اُن کے گھروں سے پہلی بھاگڑ بناکر نکال دیا! اے ایمان والو! تمہیں اپنی قوت کا صحیح اندازہ نہ ہونے کے باعث گمان بھی نہ تھا کہ یہ لوگ اپنے گھروں سے نکل جائیں گے، وہ اس خیال میں مست تھے کہ اُنکے قلعے اُن کو خدا کی پکڑ سے بچالیں گے، مگر اللہ کے لشکر نے انکو اُدھر سے دھر پکڑا جدھر سے اُن کو وہم وگمان بھی نہ تھا، اور اُن کے دلوں میں ایمان والوں کی ہیبت بٹھادی! اب وہ ان گھروں کو اپنے ہاتھوں اور ایمان والوں کے ہاتھوں سے اُجاڑ رہے ہیں، تو اے بصیرت والو! اس واقعہ سے عبرت پکڑو کہ ایمان کیا کچھ کرسکتا ہے!

کیا یہ اللہ کا محبت آمیز ڈر، کیا یہ اُس سب سے بڑے سپہ سالار صلعم کا ہَول مرتبت، کیا یہ اُس قائدِ اعظم صلعم کا عشق انگیز خوف، کیا یہ اُس دلق پوش پیغمبر کا رُعبِ رسالت، یورپ کی حصن پاش توپوں اور رومۃ الکبرٰی کی قلعہ نشین فوج کی منجنیقوں سے بدرجہا مدہش اور مُہلک تر ہتیار نہ تھا جس نے صدرِ اسلام کے مُتّقی مومنوں کو انہی شکستہ نیزوں اور کند تلواروں کے ذریعے سے روئے زمین کے شاداب ترملکوں کا وارث بنا دیا تھا!

وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ۭ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَاۗءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ

* یہاں صاف ظاہر ہے کہ متقی قوم کی دنیا بھی درست ہے اور آخرت بھی بخیر گذرے گی۔ پس دنیاوی خوشحالی کا ہونا اور نعمائے الٰہی سے فیضیاب ہونے کی اہلیت رکھنا ہی "اتقائے خدا" کی علامت ہے، لیکن یہ بحث پانچویں جلد سے پہلے نہ ہوسکیگی۔ "اَشَاۗءُ" کے متذکرہ صدر معانی کا ثبوت فلسفۂ عمل میں آئے گا۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (۷:۱۵۶)

اور اُنہوں نے کہا کہ اے پروردگار عالم! تو اس دنیا کی بہتری اور آخرت کی فلاح ہمارے نام لکھ دے کیونکہ ہم سب سے الگ ہوکر تیری ہی طرف آگئے ہیں، تو اللہ نے فرمایا کہ ہم اپنا عذاب تو اُسی پر نازل کرتے ہیں جسکو ہم بہمہ وجوہ مستوجب سزا قرار دیتے ہیں (مَنْ اَشَآءُ)، لیکن ہماری رحمت تمام عالم پر حاوی ہے تو ہم بہبودی دنیا اور فلاح آخرت عنقریب اُن لوگوں کے نام پر لکھدینگے جو ہم سے سچے طور پر ڈرتے ہیں، جو ہمارا بول بالا کرنے کی غرض سے قربانی مال کرتے ہیں، اور جو ہمارے احکام کے نفع مند ہونے پر ایمان رکھکر اُن پر عمل کرتے ہیں (يُؤْمِنُوْنَ)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ † وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (۵:۳۵)

اے ایمان والو! مقام خدا سے ڈرتے رہا کرو، اور پسندیدۂ خدا کاموں کے وسیلے سے اُس سے قرب حاصل کرنے کی سعی کرو۔ اور اسکی حمایت میں جانیں لڑا دو تاکہ تم آخر کار اس دنیا میں کامیابی اور آگے چلکر فلاح حاصل کرو (لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ)

† جس حیرت انگیز نادانی بلکہ تجاہل عارفانہ سے بعض ناعاقبت اندیش اور فرقہ بند مسلمانوں نے اس آیت الٰہی کے مطالب میں قصداً تحریف کرکے "اِبْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ" کے الفاظ کو اپنے اپنے انسانی کارفرماؤں اور پیروں کی تلاش، اور انکے توسّل سے "قرب خدا" حاصل کرنے پر محمول کیا ہے، اور جس ظاہری سکوت اور باطنی اطمینان سے پیر حضرات نے بھی اس آیت کو اپنی طرف منسوب دیکھکر دنیائے اسلام کی صدرنشینی خودبخود قبول کرلی ہے، اُس سے کم از کم یہ پتہ چلتا ہے کہ جہاں مسلمانان عالم نے قرآن حکیم کے الفاظ کی حفاظت میں اس شدّومد سے حصہ لیا کہ باقی دنیا انکے اس کارنامے پر ہمیشہ رشک کرتی رہے گی، وہاں کتاب الٰہی کے مطالب کی حفاظت کی طرف سے کامل بے اعتنائی اور بے حسی اختیار کرکے دین اسلام کی روح کو نہایت سرعت سے فنا کر رہے ہیں۔ اب ہر شخص جس آیت کا جو مطلب چاہتا ہے بنا لیتا ہے، اور الفاظ کے مطالب کو کھینچ تان کر اُسکے زیر سایہ ایک نہایت آباد اور پررونق دکان سجا لیتا ہے۔ آج تاویل کے محشرستان مکروفساد میں کسی ایک آیت الٰہی کے معانی کی تعیین مشکل ہوگئی ہے، ہر شخص اپنے اپنے ٹکڑے اور من مانی تاویل کو ہاتھ میں لیئے ہوئے تفریق و انتشار کے عدم آباد کی طرف نہایت شوق سے جا رہا ہے، اور خدا سے قطعاً نہیں ڈرتا کہ جن مطالب کی نشر و تبلیغ وہ نہایت تن دہی سے کر رہا ہے، اور جس "خدمت اسلام" کے برتے پر وہ نجات آخرت کا امیدوار ہے اس خدمت اور مطالب کی کوئی خدائی سند بھی ہے۔ آج یہی آیہ "وَسِيْلَةً" (۵:۳۵) پیرپرستی کی سند میں ہر موقع پر اس یقین اور التزام کے ساتھ پیش کردی جاتی ہے، قرآن سے دن رات سروکار رکھنے والے مسلمان اور پیروں کے پڑھائے ہوئے مرید خدا تک پہنچنے کے لیئے پیروں کے توسّل کو اسقدر ناگزیر سمجھتے ہیں کہ اُن کے طرز استدلال اور تعقّل، اُن کی قرآن فہمی اور تکبّر کو دیکھکر عقل کانپ اُٹھتی ہے لیکن یہ خدا کے اس آخری کلام کا زندہ معجزہ ہے کہ جس جس آیت کے مطالب مسلمانوں نے اپنا مطلب نباہنے کیلئے محرّف کرلیئے ہیں اسکی تغلیط کا پورا سامان خود قرآن کے اندر حیرت انگیز استقلال کے ساتھ موجود ہے۔ قرآن حکیم کا ہر حصّہ اپنے مطالب کا آپ محافظ ہے، اُسکو کسی مفسر یا شارح کسی من مانی لغت یا دل سے بنائی ہوئی حدیث کی حاجت نہیں۔ آیہ وَسِيْلَةً کے ان ناروا معانی کا پورا رد سورۂ بنی اسرآئیل کے اندر موجود ہے اور یہ رد اس درجہ مُسکت ہے کہ کسی بڑے سے بڑے پیرپرست کو اسکے آگے دم مارنے کی مجال نہیں، بشرطیکہ ذہن کو کام میں لانے کی توفیق اسکو ارزانی

أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○ (۹:۱۳)

اے ایمان والو! تم اُن لوگوں سے دل کھولکر کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا، اور رسول خدا کو وطن بدر کر دینے کا ارادہ کیا، اور ایذا دینے میں پہل بھی انہوں نے کی۔ کیا تم ان لوگوں کی طاقت اور تعداد سے ڈرتے ہو؟ پس اگر تم میں ایمان موجود ہے تو خدا ان کیسے بڑھکر حق رکھتا ہے کہ تم اس سے ڈرو۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۵۶) ہوجائے! انسان کے انسان کی عبادت کرنیکے متعلق کتاب خدا کا محاکمہ ہے:

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ○ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ○ (۱۷: ۵۶-۵۷)

اے محمدؐ! اِن لوگوں سے کہہ دو کہ خدا کو چھوڑ کر تم نے جن انسانوں (اَلَّذِيْنَ) کو اپنے زعم میں اپنا کارساز سمجھ رکھا ہے، (جن کو تم خدا کے ساتھ ساتھ طاقتور اور مشکلکشا سمجھ بیٹھے ہو) ان کو پکار دیکھو تو تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ یہ لوگ نہ تم سے تکلیف کو دور کر سکینگے اور نہ اُسکو بدل ہی سکیں گے۔ یہ شخص جنکو نادان لوگ حاجت روا سمجھکر پکارتے ہیں، (اور جنسے اپنے مشکلکشا اور سفارشی بننے کی آس لگائے بیٹھے ہیں) خود اس قدر محتاج ہیں کہ ان میں سے خدا کے بڑے مقرب بھی (اَیُّهُمْ اَقْرَبُ) اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنیکے وسیلے ڈھونڈتے رہتے ہیں (یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ)، اُس کی رحمت کے ہر دم چشم براہ، اور اُسکی سزا سے ہر آن خوفزدہ رہتے ہیں (تو وہ پھر مشکلکشا اور سفارشی آپ کیسے بن سکتے ہیں)، اور لوگو! خدا کا عذاب وہ شے ہے جس سے ڈرنے کے سوا کسی کو چارہ نہیں۔

یہاں پر انسان کو انسان کی عبادت، اور ملازمت اختیار کرنیسے منع کیا ہے، اور بصراحت تمام اس بات پر زور دیا ہے کہ خدا اور انسان کے درمیان بڑے سے بڑا انسان اور معزز سے معزز بشر بھی حاجت روائی کا وسیلہ یا نجات کا ذریعہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ان میں سے جو سب سے زیادہ مقرب بارگاہ ہے وہ بھی اُس صاحب کبریا و جبروت کے سامنے اس قدر عاجز اور بے بس ہے کہ اسکو اپنا ہی قرب اور تعزز برقرار رکھنے کے لیے وسائل ڈھونڈنے سے فرصت نہیں ملتی، پھر وہ کسی غیر کی سفارش یا مشکلکشائی کیا کر سکیگا۔ گویا جب بڑے سے بڑا نبیؐ بھی اپنی ہی نجات کے فکر میں ہے، اور اُسکے لیے شب و روز سعی کر رہا ہے تو پھر کسی خودساختہ "پیرِ طریقت" یا "ولی" کی کیا مجال ہے کہ کارسازی کر سکے۔ جب اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ کوئی انسان کسی انسان کا 'وسیلہ' نہیں بن سکتا، اور بڑے سے بڑا انسان حتیٰ کہ نبیؐ بھی اپنی نجات کا 'وسیلہ' ڈھونڈھتا ہے تو یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ، کے 'الْوَسِیْلَةَ'، کا مفہوم لامحالہ پیرپرستی کے علاوہ کوئی اور شے ہے جو انبیاء جیسے مقرب بارگاہ انسان بھی تلاش کرتے ہیں، اور وہ شے سعی و عمل کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے 'اَقْرَبُ' بارگاہِ الٰہ ہونیمیں کسی ایک مسلمان کو اعتراض نہیں ہوگا، اور یہ بھی مسلّم ہے کہ آپنے اپنی زندگی میں کوئی پیر نہیں پکڑا تھا بلکہ تمام عمر سعی و عمل کرتے کرتے انتقال کر گئے۔ یہی بات آیت زیر بحث کے سیاق سے ظاہر ہے جہاں اِبْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ، کے معًا بعد وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ، کہا گیا ہے جسکے واحد معنی یہی ہیں کہ خدا کی راہ میں اپنا جان، مال، آرام، گھربار سب کچھ دیدو۔ ایک سپاہی کو بادشاہ کی خوشنودی اور قرب حاصل کرنیکے لیے بعینہ یہی سعی و عمل ضروری ہے نہ یہ کہ بادشاہ کی لڑائیاں لڑنے سے انکار کرے اور تمغے حاصل کرنے یا کرسی نشین بننے کے لیے دوسروں کی سفارش کا طلبگار رہے۔ خدائے زمین و آسمان کی حکومت اہل فرنگ کی حکومت کی طرح (معاذ اللہ) پوچ نہیں ہے کہ تمغے کسی کی سفارش پر بلا سعی و عمل لٹا یا کریں۔ ان آیات کا مضمون کپکپا دینے والا مضمون ہے۔ بشرطیکہ مسلمان غور کریں۔

✽ یہاں 'ایمان' کی شرط لاینفک قرار دی گئی ہے کہ انسان خدا کے سوا کسی کمتر ہستی سے خوفزدہ نہ ہو اور دشمن سے بیخوف و خطر قتال کرے۔

لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ ○ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ○ (۹: ۴۴-۴۵)

اے پیغمبر! جو لوگ خدا پر ایمان لاتے ہیں اور روز آخرت کے محاسبے کا بھی اُنکو یقین ہے، وہ تو تم سے اِس بات کی رخصت مانگتے نہیں کہ اپنے مال و جان سے شریک جہاد ہوں اور اللہ تو سچے تقویٰ والوں کو خوب جانتا ہی۔ نہ شامل ہونیکے لیئے لنگ عذر پیش کر کے تم سے خواہانِ اجازت وہی لوگ ہوتے ہیں جو اللہ اور روز حساب کا یقین نہیں رکھتے۔ اُنکے دل شک میں پڑے ہیں، اور اسی شک میں پڑے تردد کر رہے ہیں کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں -

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ؕ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ (۱۰: ۶۲-۶۴)

* یہاں ’ایمان‘ کی شرط جہاد بالمال والانفس ہے، اور یہی شرط تقویٰ کی ہے: (وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ)۔ گویا خدا جیسے حاکم اعلیٰ سے ڈرنے کے یہی معنی ہیں کہ اُسکی راہ میں جان و مال سے دریغ نہ کیا جائے۔ آج یہی شیوہ ہر ملازم کا اپنے مشاہرہ دہ آقا سے ہی۔ وہ اگر جانباز سپاہی اور سچا غلام ہے تو اپنے حاکم سے ڈر کر اور اُسکی حفاظت میں جان تک لڑا دے گا۔

* یہاں صاف ظاہر ہے کہ ’متقی‘ قوم کو جہاں آخرت میں کچھ باک نہیں وہاں اسکی دنیا بھی درست ہے۔ کوئی قوم جسکی دنیا درست نہیں ’متقی‘ ہونے کی مصداق نہیں ہو سکتی، اور چونکہ ’اتقا‘ کے معانی صاف ہو چکے اسلیئے جو قوم متحد ہو کر رہے گی، مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرے گی، ’صَابِرُوْا‘ اور ’رَابِطُوْا‘ پر عمل کرے گی، خوشنودی خدا حاصل کرنے کیلیئے ابتغائے وسائل کرے گی، ’قَوْمًا لُدًّا‘ نہ بنے گی، اسکی دنیا بہر نوع اور لامحالہ اچھی ہی، اور وہی ’لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ‘ کی بشارت کی سچی اہل ہی اُسکو یہاں پر بھی کسی دشمن کا ڈر نہیں اور آگے چلکر تو ابدالآباد تک امن ہے۔ ایسی قوم ہی ’اولیاء اللہ‘ ہونیکی صحیح مصداق ہی۔ وہ بیگماں خدا کی ’دوست‘ ہی اور خدا اسکا ’دوست‘ ہی کیونکہ یہاں بھی سب نعمتیں دے رہا ہے اور آگے چلکر بھی بے حساب دیگا۔

مسلمانوں نے نہ معلوم کس بنا پر ’اولیاء اللہ‘ کا خطاب اُن دنیا سے الگ تھلگ رہنے والے فقراء اور پریشان مو صحاب کو دیا ہی جو تمام عمر اپنے اعتکاف خانوں میں بند رہ کر خلق خدا سے بیزار رہے، جنھوں نے امت کو متحد کرنے میں کچھ سعی نہ کی جنھوں نے خدا کی لڑائیاں لڑنے میں اپنی جان کو پیش نہ کیا، جنکو خدا نے حیاۃ دنیا میں کوئی بشارت نہ دی، جو خلق خدا کو متحد کرنے کی بجائے اُلٹا اپنے اپنے پیچھے لگا کر متخالف الآرا اور منتشر العمل کر گئے، جنکی تمام تر زندگیاں نہایت رنج و غم اور ذلّ و مسکنت میں کٹیں۔ خدا کا ’دوست‘ وہی ہی جو اُسکی خاطر تکلیف اُٹھائے لیکن پھر دوستی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ مالک الملک خدا اُسکو اس تکلیف اٹھانیکے صلے میں سب سے بیخوف و خطر کر دے۔ اگر یہ نہیں تو کچھ ’اولیائی‘ نہیں، اگرچہ ساری دنیا اُسکو ’ولی‘ کہکر پکارتی رہے! آج اگر سطح زمین کے طول و عرض میں خدا کا صحیح معنوں میں دوست کوئی ہے تو وہ بندۂ خدا جو اپنی جماعت کی بہتری کی خاطر تن بدن کو تکلیف میں ڈال رہا ہی، جو دشمن کی قوت سے خوفزدہ نہیں ہوتا، جو ماسوا سے قطع نظر کر کے خدا ہی سے ڈر رہا ہی، جو فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ (۹: ۱۳) پر عمل کر کے سب سے بیخوف و خطر ہو گیا ہی۔ اگر کسی خدا کے بندے میں یہ ڈر اور یہ نڈری، یہ تقویٰ اور یہ بیخوفی، یہ خوف خدا اور لا خوف ولا حزن ماسوا آچکا ہی تو وہ بلاشبہ ’ولی‘ ہے، وہ لاریب خدا کا دوست ہی، خواہ وہ چین کا رہنے والا ہو یا ہند کا۔ خدا کو اپنی دوستی میں کسی ملک یا مذہب کی تخصیص نہیں!

لوگو! یاد رکھو کہ خدا کے سچے دوستوں کو نہ تو کسی قسم کا خوف ہے اور نہ وہ آزردہ خاطر ہوتے ہیں
یہی وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور مقامِ خدا سے ڈرتے رہے۔ انہیں اس دنیا میں بھی عافیت اور امن
کی بشارت ہے، اور آخرت میں بھی فلاح ہے۔ خدا کے وعدوں میں ردّوبدل کا امکان ہرگز نہیں اور
یہ فلاحِ دارین تو بڑی بھاری کامیابی ہے۔

وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ ۝ (۱۴:۱۴)

اور دشمن کے غارت ہوئے پیچھے ہم ضرور تم کو اسی سرزمین میں بسائینگے۔ یہ صلہ اُس شخص کا ہے جو میرے
مقام و منصب سے ڈرتا رہا اور جس نے میرے عذاب سے بچنے کی سعی کی۔

وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۚ قَالُوا خَيْرًا ۗ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ
وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ ۚ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ۝ (۱۶:۳۰)

اور اُن لوگوں سے جنہوں نے مقامِ خدا کا سچّا احساس کیا پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے
اپنے ہاں سے تمہاری اس خدمت کے عوض میں کیا دیا تو وہ جواب دیتے ہیں کہ اچھے سے اچھا۔
جن لوگوں نے اچھی خدمت کی اور اپنے حسنِ عمل سے خدا کو خوش کر دیا انکے لیئے اس دنیا میں بھی
بہتر سے بہتر نعمتیں ہیں اور آخرت کا گھر تو اس سے کہیں اچھا ہے۔ اور تقوٰی کرنے والوں کا ٹھکانا
تو بہرحال نہایت ہی اچھا ہے۔

قُلْ يَا عِبَادِ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۗ وَأَرْضُ
اللَّهِ وَاسِعَةٌ ۗ إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (۳۹:۱۰)

اے پیغمبر! ہماری طرف سے کہدو کہ اے ہمارے بندو! جو ہم پر ایمان لا چکے ہو، مقامِ خدا کا تقوٰی
کرتے رہا کرو۔ جنہوں نے ہم سے ڈر کر ہماری حمایت میں جان و مال کی پروا نہ کی اُن کے لیئے اس دنیا
میں زمین کی بادشاہت کا بہترین اجر ہے۔ اور خدا کی زمین تو بڑی وسیع ہے۔ بیشک مصیبت برداشت
کرنے والوں کو ان کا عوض بے حساب دیا جائے گا۔

---

* یہاں مُتّقی، قوم کے لیئے بادشاہت زمین کا انعام صاف ہے۔
* یہاں پھر صاف طور پر مُتّقی، قوم کے لیئے دنیا کے بہترین انعام وقف کر دینے کا وعدہ ہے۔
* یہاں پھر روئے زمین کی وسیع بادشاہت مُتّقی، قوم کے لیئے وقف ہے۔ اور صاف فرما دیا ہے کہ دنیاوی انعامات اسقدر بے حساب ہیں کہ تمام کرۂ زمین کی ملکیت اس میں شامل ہے (وَأَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةٌ) یہی سچا حسنِ عمل ہے (لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ) اور اعمالِ صالح، عمل، کی بھی یہی تعریف ہے جس کی تلاش ہم کر رہے ہیں۔ حسنات کے تحت المتن صفحہ ۱۳۰ میں بھی أَحْسَنْتُمْ سے یہی مراد ہے! (دیکھو آیۃ (۱۷:۷))
ضمناً اس آیت میں پھر بتلا دیا ہے کہ صبر یعنی مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرنا، اتّقائے خدا کی ایک اہم شق ہے (إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ)

اِس اتحادِ عمل اور تزکیۂ اخلاق کا اصلی راز خدائے واحد کی **خالص** عبادت، اور **براہِ راست** عبودیت تھی۔ قرآن کی حیرت انگیز تعلیم، اور داعیِ اسلام کی حیرت انگیز یقین آفریں صحبت نے خداوند عالم کا اپنے عاجز اور محتاج بندوں سے براہِ راست تعارف کرا کے عبد و معبود کے درمیان سے سب مشکوک حجاب دور کر دیئے تھے۔ رسولِ خدا کی ناقابلِ انکار صداقت اور انکسارِ نفس نے بندے کا ہاتھ مالک ارض و سما کے مقتدر ہاتھ میں دے کر خود ایک بے تعلق اور پیغام وِہ بشر کی حیثیت قبول کر لی تھی؛ ذاتیات اور شخصیت کا مہلکِ ایمان اور مضعفِ یقین عنصر اسلام کے خمیر میں قطعاً نابود تھا؛ توحید تمام اُمت کے اجماع کا نقطۂ وحید بن گئی تھی؛ ہر فرد بشر کا معاملہ، بلا وساطت غیرے اور بلا استمداد احدے، اُس معنز و مُذل حقیقی کے ساتھ وابستہ ہو گیا تھا جسکی قدرت اور عظمت کے صحیح اندازے نے ایک عالم کو کپکپا دیا تھا! نفع اور ضرر کے اسی بے مثال یقین نے سرزمین عرب میں **خوف** خدا کی مشترک لہر دوڑا دی تھی؛ اِسی خوف کے باعث باہمی عداوتیں مٹ گئیں، کینے اُچک لیئے گئے، بھائی چارے کا سماں ہر طرف بندھ گیا تھا! "انسان کی عزّت و تکریم اور اُسکے انعام و اکرام کا معیار بھی خدا کے نزدیک اُس کا تقوے ہی تھا:" اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ[۵۱] (۴۹: ۱۳)؛ قلوب[†] کے اندر ایک مشاہدہ حاکم کی مانند اُسکے رعبِ مرتبت اور ہول جاہ کی بجلیاں، نفع و ضرر اور بیم و رجا کی لاانتہا تاروں کے ذریعے سے دوڑ گئیں؛ پھر وحدت میسّر کی کشش اتصال نے، اور یک منعی کے متحد القلوب خوف نے ہر مومن کے قلب میں مشترک عبودیّت کی عصبیّت، اور عالم آرا اخوّت کا اعتصاب پیدا کر دیا: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ[۵۲] (۴۹: ۱۰)؛ یہی وہ **عملی تقوی** اور وہ **مخلصانہ توحید** تھی جو

---

۵۱ اللہ کے نزدیک تم میں سے بڑی عزت والا اور مستحق فضل و کرم وہی ہے جو خدا سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ اور اللہ تو انسان کی قدر و قیمت کو بڑا جاننے والا، اور اُسکے حال و احوال سے بڑا باخبر ہے۔

۵۲ خدا پر ایمان رکھنے والے تو آپس میں بھائی بھائی ہیں پس تمہارا فرض ہے کہ اپنے دو بھائیوں کے درمیان مصالحت کرا دو اور خدا کی خفگی سے ڈرتے رہو اور اُسکا تقوی کرو کہ وہ تم پر مہربان ہو جائے۔

† یہاں پر پھر مصالحت اور مواخات کو اتقائے الٰہی پر محمول کیا گیا ہے جس قدر خوف رعیّت کو حاکم اعلیٰ کا ہے اسیقدر اُسکے افراد متّحد رہیں گے۔

سالہا سال تک اسلام کو نئی طاقت اور نئی زندگی بخشتی رہی، قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ۝ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (۳۹: ۱۱-۱۲)، قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ ۝ (۳۹: ۱۴) اِسی تقویٰ کی پاداشِ عمل میں اللہ کی رحمتوں کے دریا اُمڈ جاتے تھے! یہی اتقا و اتحادِ عمل اُس جلیل القدر ذات کی سچی عبادت اور اُسکی موجودگی اور وحدت کا زندہ اشتہار تھا؛ اِسی کی بے انتہا برکت سے نصرت حق اور فتح مبین ہر وقت شامل حال رہ کر اشاعتِ اسلام کا قطعی باعث ہوا کرتی تھیں: اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝ (۱۱۰: ۱-۳)۔ اللہ کے یہ محکوم اور خالصتہً اُسی سے ڈرنے والے سپاہی، عقیدت کے سرفروشانہ جوش، مستعدی کی داعیٔ انقلاب اُمنگ، اور محبّت کی مضطرب امتحان وفا کے باعث صبر اور استقلال، توکّل اور مردانگی کے عدیم النظیر پیکر

ؐ اے پیغمبر! اِن لوگوں سے کہدو کہ مجکو تو خدا کے ہاں سے یہی حکم ملا ہے کہ میں تمام ارادت اور اخلاص (الدِّیْن)، تمام عقیدت اور اعمال (الدِّیْن) کو خالصتہً خدا ہی کیلئے وقف کرکے ہمہ تن اُسیکا غلام بنا رہوں (اَعْبُدَ اللّٰهَ)۔ اور مجھے یہی حکم ملا ہے کہ میں ہی سب سے پہلے اُسکو اپنا آقائے حقیقی تسلیم کروں، اور عملی طور پر اُسکی عبودیّت میں رہوں (اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ)۔

ؑ ان سے کہدو کہ میں اپنی تمام ارادت اور محبّت کو اُسی کے لیئے خالص کرکے اُسکی غلامی کر رہا ہوں (اَعْبُدُ)۔

ؒ اے پیغمبر! جب اللہ کی مدد آئے گی، اور دین اسلام کی فتح عظیم کا وقت آپونہچیگا، اور تو دیکھے گا کہ لوگ جوق در جوق دین خدا میں داخل ہو رہے ہیں، تو اُس وقت اپنے پروردگار کے شکر کرنے میں سر بسجود ہو جاؤ؛ اُسوقت اپنی حاجت کی اور اپنی گذشتہ تقصیروں کی معافی طلب کرو۔ کیوں کہ وہ فی الحقیقت بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے (اور ایسی مہربانیوں کے موقعے پر ہی اُس سے ایسی درخواستیں کرنی چاہئیں)۔

ؐ یہاں 'اَعْبُدُ' کے معنی صاف ظاہر ہیں اور اِس سے مقصود نماز پڑھنا قطعًا نہیں ہو سکتا۔ 'دِیْن' کے معنی قرآن کی اصطلاح میں 'طرزِ عمل' یا 'راہِ عمل' کے ہیں۔ یہی معنی لفظ 'مذہب' کے ہیں۔ گویا 'اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ' کا مفہوم یہ ہے کہ اپنا تمام طریق عمل خالصتہً خدا کی منشا کے مطابق کرکے اُسکے غلام بنے رہو۔ ہر سچے ملازم (یعنی عبد) کا شیوہ بھی یہی ہے کہ وہ کوئی کام اپنی مرضی سے نہیں کرتا؛ اُسکی سب بھاگ دوڑ آقا کی مرضی پر منحصر ہوتی ہے اور وہ اپنی مشیّت اور اپنی خواہشات کو مالک کے حکم کے بالمقابل فنا کر دیتا ہے۔ رہا اس امر کا تصفیہ کہ مالکِ زمین و آسمان کی مشیّت فی الواقع کیا ہے؟ یہ ایک بڑا دقیق سوال ہے اور اصل کتاب میں اسی کی ایک اہم شق پر بحث جاری ہے۔ بہر نوع اِن دونوں آیتوں سے ظاہر ہے کہ 'دِیْن' کے معنی کسی شخص کا مسلمان ہونا، یا نصرانی ہونا، یا یہودی ہونا نہیں بلکہ ہر غلام کا اپنے آقا کے حق میں طرزِ عمل ہی اُسکا دین ہے۔ ورنہ 'مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ' کے کچھ معنی نہیں بنتے یہی بات 'لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَلِیَ دِیْنِ ۝ (۱۰۹: ۶)' سے ظاہر ہے یعنی تمہیں تمہاری خدمت کا اجر ملیگا اور مجھے میرے کیئے کا۔" خدا کو 'مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ (۱: ۳)' بھی اسلیئے کہا کہ وہ دن اعمال کی اجرتوں، اور خدمتوں کی مزدوریاں، ادا کرنے کا ہوگا۔ (دین کے ان مطالب کی حقیقت کیلیئے دیکھو دیباچہ کتاب صفحہ ۷)۔

ؑ اس سورۃ کے صحیح معانی کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ایک دفعہ سوال کیا گیا تھا۔ میں نے مربوط اور ناقابل انکار معانی لکھدیئے ہیں۔ خدا کی نصرت قطعًا کسی قوم کے شامل حال نہیں ہوتی جبتک کہ اسکی سعی و عمل خدا کو فی الواقع خوش نہ کر دے یہی وقت فی الحقیقت کسی حاکم سے عنایت مانگنے کا بھی ہے۔ اِسیوقت اسکی رحمت کا دریا جوش میں آتا ہے اور وہ بسا اوقات علی الحساب دے دیتا ہے۔

بن گئے تھے؛ انکی قوّت و استحکام کا رازِ دروں اُنکے متحد اور متفق قلوب میں مضمر تھا۔ نیّتوں کی یگانگت اور تہذیب نفس کے التیام آفریں اثر نے اُن کے اعمال میں ناقابل یقین ضبط، اور افعال میں طبعی یکسانیت پیدا کردی تھی؛ بڑے بڑے مقتدر اور جری عساکر جو مدّت مدید کی تیاری اور صرف کثیر کے بعد اُن کے مقابل کھڑے ہوتے تھے، انکے ضابطۂ عمل، انکی پیش بندی اور اہتمام، اُنکے نظم و نسق اور خوف قانون خدا، انکی مشق تحمل اور ستم برداری پر دنگ رہ جاتے تھے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (۱۸:۵۹)[a] لالچ اور بزدلی، ہراس موت اور قنوط، تشتت اور جمود کے اُن زرخرید اور بے مولا، اُن ناآشنائے پایانِ عمل اور کرایہ پر لیئے ہوئے

---

[a] اے ایمان والو! قانونِ خدا سے ڈرتے رہا کرو اور تمہیں چاہیئے کہ ہر شخص اس بات پر نظر کرتا رہے کہ اُس نے آنے والے کل کے لیئے کیا تیاری کی ہے اور آیندہ مصائب کے لیئے کیا حفظِ نفس اور پیش بندی کی ہے۔ اور قانونِ خدا سے مکرّر ڈرتے رہو۔ اللہ جو کچھ سعی و عمل کر رہے ہو اُس سے بخوبی واقف ہے۔

اس آیت الٰہی میں پیش از وقت تیاری اور دور اندیشی کو اتقائے الٰہی پر محمول کیا گیا ہے اور دشمن کے بالمقابل حفظ نفس کو اسقدر اہم قرار دیا ہے کہ دو دفعہ "اتَّقُوا اللّٰهَ" کے الفاظ ایک آیت کے اندر آئے ہیں۔ اس تکرار سے مقصود لامحالہ یہ ہے کہ خدا کا قانون اٹل اور واجب التخوف ہے؛ وہ اُسی قوم کو انعام کا مستحق قرار دیتا ہے جو بہر نوع اسکی اہل ہو، جنے سعی و عمل سے اپنے آپ کو فتح و ظفر کا اہل ثابت کیا ہو، جس نے آنیوالے کل کے لیئے تیاری کی ہو (مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ)۔ خدا کسی قوم کی کوئی بے جا رعایت مدّنظر نہیں رکھتا، جس جس نے جتنا زادِ راہ کل کے لیئے جمع کیا ہے، جسقدر تحفظ اُس نے آنے والی مصائب کے برخلاف اختیار کیا ہے، اُسیقدر اجر اُسکو لامحالہ مل رہیگا۔ یہی بات "اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ" سے ظاہر ہے گویا خدا عمل، اور صرف عمل کو چاہتا ہے اور اُسیکو دیکھکر فیصلے صادر کرتا ہے۔

نیستی پسند اور آخرت کے شیدائی مسلمانوں نے "قَدَّمَتْ لِغَدٍ" کے معنی "روزِ قیامت کی تیاری" کے لیئے ہیں حالانکہ "غَدٍ" کے معنی کسی آنے والے کل کے ہیں، اور مزا یہ ہے کہ اسپر الِ تخصیصی بھی داخل نہیں کہ اسکے معنی خاص روزِ قیامت کے ہوں۔ جامع ترمذی (المتوفی ۲۷۹ھ ۸۹۲ء) میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ لَا یَدَّخِرُ لِغَدٍ "یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کل کے لیئے کوئی ذخیرہ جمع نہ کرتے تھے"۔ روایت کی صحت یا عدم صحت سے بحث نہیں، صرف "لِغَدٍ" سے مطلب ہے جسکے معنی یہاں پر صاف آنیوالے کل کے ہیں روزِ قیامت کے نہیں ہوسکتے۔ خود قرآن کریم میں چار موقعوں پر "غَدًا" کا لفظ استعمال ہوا ہے اور چاروں موقعے آنیوالے کل کے معنی میں ہیں۔ سورۂ یوسف میں یوسف علیہ السلام کے متعلق اُنکے بھائیوں کا قول ہے: اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا یَّرْتَعْ وَیَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (۱۲:۱۲)، یعنی "ہمارے ساتھ کل یوسفؑ کو بھیجدو کہ کھائے پیئے اور کھیلے، اور ہم اسکی حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں"۔ سورۂ کہف میں ہے: وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ (۱۸:۲۳) یعنی "کسی شے کی بابت یقینی طور پر مت کہو کہ میں اسکو ضرور بالضرور کل کرلونگا"۔ سورۂ لقمان کے اخیر میں ہے: وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ (۳۱:۳۴) "اور کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کل کیا کریگا"۔ علیٰ ہٰذا القیاس سورۂ قمر میں قوم ثمود کی تباہی کے متعلق ہے: سَیَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ۝ (۵۴:۲۶) یعنی "یہ لوگ عنقریب کسی آنے والے کل کو دیکھ لیں گے کہ کون جھوٹا اور گستاخ ہے"۔ تعجب ہے کہ اس شہادت کے ہوتے ہوئے "غَدٍ" کے معنی کسطرح قیامت کے ہوسکتے ہیں، اور کس بیدردی سے مسلمان آیات خدا کو توڑ مروڑ کر تحریف معنوی کے مجرم بنتے ہیں۔

سپاہیوں کی، اِن اللہ کے عاشق، بیقرارِ ابتلا و محن، نصرتِ حق اور وراثتِ زمین کے موعد، موت کے تشنہ و منتظر، دستِ بخت گہوارۂ امید، اور جنت خرید **غلاموں** کے مقابلے میں کیا بساط تھی جو بروئے کار آتی، مومنوں کے فلک کشا حوصلے اور متحدہ دلوں کی کوہ شکن طاقتیں، دشمن کے جمِ غفیر کو پہلے وار ہی پیوندِ زمین کر دیتیں، ایمان کا جرأت افزا اثر معًا اُن کی قوتِ عمل کو چند در چند کر دیتا، اور ایک حیرت انگیز طریقے پر یہی ظاہراً کم سامان جماعت دشمن کا تہس نہس کر دیتی!

یارِ مردانِ خدا باش کہ در کشتیِ نوح

ہست خاکے کہ بہ آبے نخرد طوفاں را!

لَاَنۡتُمۡ اَشَدُّ رَهۡبَةً فِىۡ صُدُوۡرِهِمۡ مِّنَ اللّٰهِ‌ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ ۝ لَا يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ جَمِيۡعًا اِلَّا فِىۡ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوۡ مِنۡ وَّرَآءِ جُدُرٍ‌ؕ بَاۡسُهُمۡ بَيۡنَهُمۡ شَدِيۡدٌ‌ ؕ تَحۡسَبُهُمۡ جَمِيۡعًا وَّقُلُوۡبُهُمۡ شَتّٰى‌ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَعۡقِلُوۡنَ‌ۚ ۝ (۵۹: ۱۳-۱۴)

مسلمانو! تم اللہ پر ایمان رکھنے کے باعث ہی ان منکرینِ خدا کے دلوں میں اشد شدید ہیبت بٹھا رہے ہو، اور یہ محض اسلیئے ہی کہ یہ ایک ناسمجھ قوم ہے، جسکو ایمان کی قوت کا علم نہیں۔ اب تو اِنکی یہ حالت ہی کہ سارے کے سارے مِلکر بھی تم سے لڑنے کی تاب نہیں رکھتے مگر یہ کہ محفوظ بستیوں یا دیواروں کی آڑ میں ہوکر لڑیں۔ بات یہ ہے کہ اُنکی آپس کی لڑائیاں اور باہمی عداوتیں سخت ہیں۔ بظاہر

•• "قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ" اور "قَوۡمٌ لَّا يَعۡقِلُوۡنَ" کے الفاظ یہاں پر نہایت قابلِ غور ہیں۔ گویا یہ منکرینِ خدا لوگ اِس بات کا تفقہ اور تعقل ہی نہیں کر سکتے کہ قانونِ خدا کیا ہے، وہ کن اقوام کو دنیا پر برقرار رکھتا ہے، کن کو سزائیں دیتا ہے۔ یہ لوگ آپس میں لڑمر کر اپنی قوتوں کو ضائع کر رہے ہیں اور دشمن سامنے آتا ہے تو دُم دبا کر بھاگ جاتے ہیں، ان کو اتنی عقل ہی نہیں کہ سمجھیں کہ اتحاد اور ائتلافِ قلوب میں کیا برکتیں ہیں، اور خدا کس طرح متحد القلوب قوم پر اپنی رحمتیں نازل کرتا ہے۔ گویا ان آیات میں رمزًا اور کنایۃً جتلا دیا ہی کہ بُزدل، متفرق اور معاند ہونا کافر قوم کا خاصہ ہی۔ آج مسلمانانِ عالم خود "قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ" اور "قَوۡمٌ لَّا يَعۡقِلُوۡنَ" اور "تَحۡسَبُهُمۡ جَمِيۡعًا وَّقُلُوۡبُهُمۡ شَتّٰى" کے صحیح مصداق بنے ہوئے ہیں! دوسری قوموں نے اپنے افراد کے مابین اتحاد پیدا کر لیا ہے۔ مسلمان اُن کے خوف سے بھاگے بھاگے پھر رہے ہیں اور قلعوں کی اوٹ میں بیٹھکر بھی لڑ نہیں سکتے۔ ہر جگہ شکست و ریخت ہے، خوف و حزن ہے، رنج و ماتم ہے! "بَاۡسُهُمۡ بَيۡنَهُمۡ شَدِيۡدٌ" اسقدر ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کو کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔ آہ لیکن خدا کوئی مسلمانوں ہی کا خدا نہیں وہ رب العالمین ہے اور ہر قوم کو اسکی سعی و عمل کے مطابق اجر دے رہا ہے۔ فَاعۡتَبِرُوۡا يٰۤاُولِى الۡاَبۡصَارِ!

"بَاۡسُهُمۡ بَيۡنَهُمۡ شَدِيۡدٌ" کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ تمہارے متعلق اُن کا خوف آپس میں بہت شدید ہے مگر اِس سے مطلب کافی طور پر مربوط نہیں ہوتا۔

تو انکو مجتمع اور متحد دیکھیگا لیکن اُنکے دل ایک دوسرے سے جُدا ہو چکے ہیں یہ اسلیئے کہ ان لوگوں میں سلیقۂ اتحاد نہیں، انہیں عقل نہیں۔ یہ متحد قلوب کو کیا جانیں۔ اور ایک نصب العین پر قائم ہونے کی قوت کو کیا سمجھیں۔

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ (۴:۱۰۴)

اے ایمان والو! دشمن قوم کی تسخیر و تعاقب میں نرم نہ پڑ جاؤ، اگر لڑائی میں تم کو تکلیف پہونچ رہی ہے تو جیسے تم کو پہونچتی ہے انکو بھی پہونچ رہی ہے، اور تم کو تو خدا سے وہ وہ امیدیں ہیں جو انکو ہرگز ہرگز نہیں۔ اور اللہ طرفین کے سب حالات سے اور قتال کی حکمت عملی سے خوب واقف ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ۚ إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ۝ الْآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا ۚ فَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِن يَكُن مِّنكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ (۸: ۶۵-۶۶)

اے پیغمبر! ایمان والوں کو دشمنانِ خدا کے برخلاف لڑنے پر برانگیختہ کیا کرو۔ ایمان والوں کی قوت تو اسقدر زبردست ہے کہ اگر تم میں سے برداشت کرنے والے بیس مومن بھی ہوں تو وہ مخالف فریق کے دو سو نفر پر غالب رہیں گے، اور اگر تم میں سے ایسے سو ہوں تو کفار کے ہزار نفر پر غالب رہینگے یہ اسلیئے کہ یہ قوم ایمان کی غلبہ افزا طاقت کو سمجھتی ہی نہیں۔ اس وقت اللہ نے اپنے حکم کا بوجھ تم پر سے ہلکا کر دیا ہے، اور محسوس کیا ہے کہ ابھی تم میں کمزوری و سائل باقی ہے۔ تو اس کمزوری کی حالت میں بھی تم میں سے ایک سو صابر ہونگے تو وہ دو سو دشمن نفر پر غالب رہیں گے، اور اگر ایک ہزار ہونگے تو وہ دو ہزار پر غالب رہیں گے، اور اللہ تو مستقل مزاج لوگوں ہی کا ساتھی ہے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۝ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنصُورُونَ ۝ وَإِنَّ

یہاں صبر کے مطالب اسقدر صاف ہو گئے ہیں کہ اسکے بعد کسی مزید تشریح کی حاجت نہیں رہتی۔ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ کے الفاظ یہاں پھر آئے ہیں اور مقصود یہ ہے کہ یہ لوگ صبر کے غلبہ افزا نتائج کو نہیں سمجھتے۔ ان آیات میں صبر کو ایمان پر محمول کیا ہے: (حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ) گویا ایمان کی ایک شق صبر بھی ہے لیکن جو اہم نتیجہ ان آیات کے مطالعے سے نکلتا ہے یہ ہے کہ جو قوم اس دنیا کے اندر اپنے سے کم تعداد قوم سے بچھڑ رہی ہو اسمیں شائبہ کفر ضرور ہے، انتہائی کفر یہ ہے کہ اپنے سے دس گنا کم تعداد سے شکست کھائی لیکن اگر اپنے سے نصف تعداد سے پچھڑے تو بھی کافر ہے۔ انتہائی ایمان یہ ہے کہ ایک مومن دس کو پچھاڑے لیکن اگر ضعف کی حالت میں دو کو بھی ہرا سکے تو ایمان کا کچھ نہ کچھ دعویدار ضرور رہتا ہے! گویا کفر کی ایک اہم شق ازروئے قرآن بزدلی ہے، نامردی ہے، میدان جنگ میں ہارنا ہے! لمبی داڑھیاں رکھنے یا شرعی پائجامے نہ پہننے سے کوئی شخص خدا کے نزدیک کافر نہیں ہو سکتا لیکن اس مطلب کے لیئے صفحہ ۱۶۳ کا تحت المتن بھی دیکھنا چاہیئے۔

جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ† (۳۷: ۱۷۱-۱۷۳)

اور لوگو! ہمارے پیغامبر بندوں کے حق میں ہمارا پہلے ہی ارشاد ہو چکا ہے کہ ہمارے ان سے لئے ملکہ انکو مدد دیجائے گی، اور بیشک ہمارے بندوں کی فوج ضرور غالب آکر رہے گی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ○ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ○‡ (۴۱: ۳۰-۳۲)

بیشک جن لوگوں نے خدا کو اپنا آقا مان لیا اور پھر اُسپر تندہی اور استقلال سے جمے رہے، اُن پر ہماری رحمت کے علمبردار فرشتے نازل ہو کر اُن سے کہتے ہیں کہ اے خدا کے خالص بندو! دنیا کے مصائب اور دشمن کے ہجوم کو دیکھکر کچھ اندیشہ مت کرو اور غم نہ کھاؤ بلکہ اپنے تحمل اور استقلال کے صلے میں بہشت کی، جسکا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، خوشیاں مناؤ۔ خدائے عزوجل فرماتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی میں ہم تمہارے مددگار ہیں اور آخرت میں بھی تمہارا ساتھ نہ چھوڑینگے۔ اور تمہارے لیئے دنیا اور آخرت دونوں جگہ میں (فِيْهَا) جو کچھ تمہارا جی چاہے گا ملیگا، اور جو کچھ بھی طلب کروگے حاضر کیا جائے گا۔ غفور و رحیم خدا کے ہاں سے یہ تمہاری مہمانی ہے۔

---

† ان آیات آلہی اور بعد کی آیات سے صاف ظاہر ہے کہ دنیاوی تمکن اور ارضی تغلب کا ایمان والوں کے شامل حال ہونا قطعی ہے۔ اس موقع پر گرچہ "عِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ" کے الفاظ آئے ہیں مگر بعد کی آیتوں میں یہ قید اُٹھا دی گئی ہے۔ "مُرْسَلِيْنَ" کی نصرت سے بعض عافیت پسند اور کاہل مسلمانوں نے یہ لغو نتیجہ نکالا ہے کہ صرف پیغامبر ہی مظفر و منصور ہوا کرتے ہیں یا وہ مومن جو اُن کی معیت میں خدا کی لڑائیاں لڑتے ہیں۔ بعد کے مومنوں کیلئے "اَعْلَوْنَ" بنکر رہنے کی کوئی شرط نہیں، وہ صرف زبانی ایمان سے "مومن" کے درجے تک پہنچ سکتے ہیں۔ یہ لچر اور ناپاک تاویل اسقدر مضحکہ انگیز ہے کہ اسکے لیئے کسی رد کی ضرورت نہیں۔ فتح و نصرت کا سلسلہ دنیا میں روز اول سے لگا ہے اور روز قیامت تک جاری رہیگا۔ کاہل قومیں اسطرح کے مکر بنا بناکر اپنے نفس کو دہوکہ دیتی ہیں۔ "اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" کا محاکمہ اسقدر صاف اور ناقابل تاویل ہے کہ اسکے بعد کسی مکر و ریا کی گنجایش نہیں رہتی۔ لیکن یہ بحث و تمحیص چوتھی اور پانچویں مجلد کے لیئے وقف کر دی گئی ہے۔

‡ ان آیات سے ظاہر ہے کہ ایمان والوں کی دنیا بھی درست ہے اور آخرت بھی۔ "قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ" سے مراد صرف منہ سے کہنا نہیں بلکہ خدا کو فعل و عمل سے اپنا حاکم اعلےٰ ماننا، اور اسکے احکام کی نہایت تندہی سے تعمیل کرنا ہے۔ "مَلٰٓئِكَة" سے یہاں پر بحث نہیں مگر اسقدر ضرور ظاہر ہے کہ "مَلٰٓئِكَة" خدائے عظیم کی وہ "مخلوق" ہے جو فتح و نصرت کا پروانہ اس دنیا میں لیکر پہنچتی ہے۔ جو قوم "لَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ" کی مصداق ہے، جسکو اس دنیا میں قوت اور امن نصیب ہے، جو دشمن کے خوف و حزن سے نجات پا چکی ہے اس پر خدا کے ملائکہ کا نزول ہو رہا ہے۔ رہی یہ بات کہ کیونکر نزول ہو رہا ہے، اسکی تشریح میں ابھی دیر ہے۔ "نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ" کے "مِنْ" سے ظاہر ہے کہ فِيْهَا کی ضمیر کا مرجع "الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا" بھی ہے۔

إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ۝† (۴۰: ۵۱)

اے لوگو! بگوش دل سُن رکھو کہ ہم اپنے پیغامبروں، اور اُن لوگوں کی جو سچے دل سے ہمارے خدا ہونے پر ایمان لے آئے ہیں مدد کرتے ہیں، ان کو غلبہ عطا فرما کر رہتے ہیں، اور یوم قیامت کو بھی اُن کی تائید کرینگے۔

ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا كَذَٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنجِ الْمُؤْمِنِينَ ۝‡ (۱۰: ۱۰۳)

اے لوگو! پھر جس دن ہمارے عذاب کا وعدہ آپہنچتا ہے تو ہم اپنے پیغامبروں، اور ایمان والوں کو عذاب کی شکست سے نجات دیتے ہیں۔ یہی ہمارا قانون ہے اور ہم نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے کہ ایمان والوں کو بہر نوع نجات دیں۔

فَانتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرَمُوا وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ۝‡ (۳۰: ۴۷)

پھر اے لوگو! ہم نے مجرموں کو شکست دیکر اُن سے بدلہ لیا، اور ایمان والوں کو مظفر و منصور کرنا تو ہم پر لازم تھا۔

وَنَجَّيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝✕ (۴۱: ۱۸)

اور پھر اے لوگو! ہم نے ایمان والوں کو غلبہ عطا فرمایا اور اُن لوگوں کو جو ہمارا سچا اتّقا کیا کرتے تھے۔

ربّ الافواج اور عزیز و حکیم خدا نے ایمان کی اِسی منقلب العمل کیفیت، اتّحادِ قلوب کی اِسی

---

† یہاں بصراحت تمام کہہ دیا ہے کہ رُسُل کے سوا صاحب ایمان قوم کی دنیوی فلاح یقینی ہے۔

‡ یہاں پھر رُسُل، کے ساتھ ساتھ وَالَّذِينَ آمَنُوا بھی ہے۔ اور نجات کے مطالب صاف ہوگئے ہیں کہ اس سے مراد دنیاوی ہمکتی سی ہی نجات کو محض اُخروی نجات سمجھنا آج ناکارہ مسلمانوں نے اپنی طرف سے بنا لیا ہے۔

‡ یہاں رُسُل، کا خاص طور پر ذکر نہیں کیا گیا۔ صرف ایمان والوں کی نصرت کا حتمی وعدہ ہے بشرطیکہ وہ ایمان والے ہوں صفحہ ۱۲۰ آیات (۳: ۱۳۹-۱۴۲) میں غزوۂ احد کی شکست کے بارے میں خدائے عظیم نے مسلمان بھگوڑوں کو کافر اور ظالم کہا تھا۔ گویا اگر سب کے سب صاحب استقلال ہوتے تو یہ شکست نصیب نہ ہوتی۔ یہاں پر تاکیداً اسی مضمون کو دوسری عبارت میں دُہرایا ہے اور فرمایا ہے کہ جو قوم صاحب ایمان ہو اُسکو نصرت عطا کرنا ہمارے لیے لازم ہو چکا ہے۔ خدائے عظیم کی اپنے پر یہ پابندی از روئے عدل ہے نہ از روئے احسان و امتنان! جیسا کہ بے سعی و عمل مسلمانوں نے فرض کرلیا ہے، اور آج پے در پے شکستوں کو دیکھکر حیران ہیں کہ خدا کا وعدہ کیوں پورا نہیں ہوتا!

✕ صفحہ ۱۵۵-۱۵۹ کے متن کی آیات میں ہم نے جستہ جستہ قرآن عظیم سے وہ موقعے پیش کردیئے تھے جس میں متقی اقوام کی دنیوی فلاح اور تمکن فی الارض کا قطعی وعدہ کیا گیا تھا۔ اتقا کی بعض اہم شرطیں بیان کردی تھیں۔ ان آٹھ موقعوں پر جو کتاب کے متن میں پیش کردیئے ہیں صرف ایمان والوں کی دنیوی فلاح کا ذکر ہے، لیکن خاص اس آیت یعنی (۴۱: ۱۸) میں ایمان اور تقویٰ دونوں کو یکجا کرکے متقی اور مومن قوم کی دنیوی نجات کا فیصلہ کردیا ہے۔ ایمان کی شرائط اس سے پیشتر ذکر کردی گئی ہیں۔ اور اُن میں اور تقوے کی شرطوں میں مماثلت عیاں ہے۔ چنانچہ آگے چلکر صفحہ ۹۰ پر ثابت کردیا جائے گا کہ ایمان اور اتقا قریب قریب ایک ہی شے ہیں۔

عدو شکن طاقت، اور صبر کی اسی عزم گسل استطاعت کو مدنظر رکھکر رسول کریمؐ کو طمینان دلایا تھا کہ کامیابیٔ اسلام کیلئے توحید کا یہی وحدت انگیز ماحول، اور ایمان والوں کی یہی چھوٹی سی جماعت کافی ہے!

وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (۸: ٦۳-٦۴)

اے پیغمبرؐ! سب سے بڑا احسان جو خدا نے تم پر کیا ہے یہ ہے کہ اُسنے مومنوں کے دل گانٹھ دیئے! اگر تم روئے زمین کے خزانوں کو خرچ کر ڈالتے تو بھی انکے دلوں میں یہ الفت نہ پیدا کر سکتے تھے لیکن وہ خدا کی مشترک معبودیت ہی تو تھی جسنے ان کو آپسمیں جوڑ دیا! بیشک وہ خدا بڑا زبردست اور صاحب تدبیر ہے۔ اے پیغمبرؐ! اب تمہیں اللہ اور یہی مومن جو تمہارے تابع فرمان ہیں ہر ایک سے نبٹنے کے لیئے کافی ہیں۔

کفایتِ خدا کا یہ عظیم الشان وعدہ عرب کے بے زر اور بے نصر نبیؐ سے اُس وقت ہوا تھا جب کہ بعثت کے چھٹے سال میں اسلام کا وہ زبردست اور تُند خو دشمن عمر (رض) محمدؐ کے خُلق عظیم کے آگے سپر ڈال چکا تھا، اور عرب کے کُل برّ اعظم میں صرف **چالیس مرد** اور **پندرہ عورتیں** ایمان لائی تھیں! مگر **اُلفت** کی دلوں کے بیچ میں چلی ہوئی نہر سلسبیل نے اور **طاعت** کے پیدا کیئے ہُوئے ابر بہار نے اس بے نشان اور کمزور پودے کو ایک دن سر بفلک درخت بنکر سایہ پرور اور زمین شگاف کر دینا تھا!

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ

* وَاللهُ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ کے مطالب کے لیئے صفحہ ۱۴۱ کے تحت المتن کو دیکھنا چاہیئے۔ مرقومۂ صدر ترجمے میں ہم نے ان معانی کا ماحصل بیان کر دیا ہے۔ خدا کو صحیح معنوں میں خدا مان لینے کے بعد اسکے ماننے والوں کا آپسمیں متحد ہو جانا قطعی ہے۔ اسی حقیقت کو اصل کتاب میں توحید کا وحدت انگیز ماحول کہا گیا ہے اگر آج یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی تو اسکا باعث یہ ہے کہ مسلمان خدا کو درحقیقت خدا نہیں مانتے۔

فَآزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (۴۸: ۲۹)

اے دینِ خدا کے دشمنو! یاد رکھو کہ محمدؐ خدا کا بھیجا ہوا نبیؐ ہے، اور اِسی لیئے تمہاری سب کارستانیوں کے باوجود بیخوف و خطر ہے! جو لوگ اُسکے ساتھ ہیں اعدائے اسلام کے حق میں بڑے سخت ہیں، آپس میں بیحد رحمدل ہیں، رافت و محبت کی ایک نہر سلسبیل اُنکے دلوں میں بہ رہی ہے تم اُنکو دیکھو گے کہ ہمارے حضور میں کبھی گھٹنوں کے بل کھڑے ہیں، کبھی زمین پر ماتھا ٹیک رہے ہیں۔ گویا سرتاپا مطیع رہکر فضلِ خدا اور خوشنودیٔ ربّ العالمین کی طلبگاری میں لگے ہیں۔ اطاعت کے نشان (اَثَرِ السُّجُوْدِ) اُنکے چہروں میں (فِيْ وُجُوْهِهِمْ) عیاں ہیں (سِيْمَاهُمْ) حکمرانی کی علامتیں انکی شکلوں سے نظر آرہی ہیں۔ یہی اوصاف اُنکے توریت و انجیل میں مذکور ہیں، یہی آج اُنکا طرزِ عمل ہے وہ روز بروز اسطرح زور پکڑتے جائینگے جیسے ایک کھیت ہو جسنے پہلے زمین سے اپنی سوئی نکالی، پھر جلبِ غذا اور جلبِ آب سے آہستہ آہستہ زور پکڑا، پھر رفتہ رفتہ موٹا ہو کر اپنی جڑ پر سروقد کھڑا ہو گیا۔ اب کسان ہیں کہ اپنی محنتوں کو بار ور دیکھکر باغ باغ ہو رہے ہیں، اور دشمن ہیں کہ مارے حسد کے جل رہے ہیں۔ اے لوگو! خدا نے محمدؐ کے ساتھیوں میں سے جو سچے دل سے ایمان لائے، اور جنہوں نے تندہی سے مناسب اعمال بھی کیئے (اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ) اِس دنیا میں اجرِ عظیم دینے اور اُنکی اجتماعی واماندگیوں اور بدحالیوں پر پردہ پوشی کرنے کا وعدہ فرمالیا ہے!

* یہ آیۂ جلیلہ "اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" کی پہلی قسط ہے جو ہم نے صفحہ ۳۰۵ کے جواب میں "ایمان" کی تشریح کے بعد پیش کر دی ہے گویا اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ ہونا، رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ہونا، تعمیل احکام خدا میں رُكَّعًا رہنا، اور سب سے اہم یہ کہ ہر دم اور ہر آن خدا کے انعامات کی تلاش میں لگے رہنا، قوت اور طاقت، تمکن اور تسلط کے درپے رہنا (يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ)، اور اسکے لیئے وسائل تلاش کرنا ہی ایمان اور عمل صالح ہے۔ جو قوم دشمن کے ساتھ نہایت سختی سے پیش آرہی ہے، آپس میں نہایت متحد اور رحمدل ہے، قانونِ خدا کی نہایت پابند ہے، خدا کی دنیاوی نعمتوں اور وراثتِ زمین حاصل کرنے کے درپے ہے اور ساتھ ہی خدا کے حضور میں اپنے آپکو عاجز شمار کرتی ہے، وہی اعمالِ صالحہ کر رہی ہے، وہی ایمان کی شرطوں کو پورا کر رہی ہے، وہی حیرت انگیز سرعت سے نشو و نما پا رہی ہے وہی آج زمین کے طول و عرض میں اسطرح پھیل رہی ہے کہ نام نہاد مسلمان آج اُسکے تمکن کو دیکھکر دنگ ہو رہا ہے، اور شدتِ غیظ کے باعث اپنی انگلیاں کاٹ رہا ہے۔ آہ! لیکن خدا صرف مسلمانوں ہی کا خدا نہیں وہ ربّ العٰلمین ہے اور جو اُسکے قانون پر چل رہا ہے وہی انعام پا رہا ہے!

سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ اُن لوگوں کے نمازیں پڑھ پڑھکر اپنی پیشانیوں پر گٹّے ڈال لیئے ہیں جیسا کہ آجکل بعض سادہ لوح مسلمان اپنے ماتھوں کو زمین پر عمداً رگڑ رگڑ کر ڈال لیتے ہیں اور اسی کو سببِ "محبتِ رسولؐ" اور اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (۴۸: ۲۹) کے حقدار بنتے ہیں بلکہ یہ صرف قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی کیفیتِ قلب اور شدتِ اطاعت کا تمثیلی اظہار ہے گویا یہ کہا ہے کہ اطاعت کے نشان تم اُنکے چہروں پر دیکھو گے جسطرح آج کسی کو کہا جاتا ہے کہ ذہانت اور اقبال فلاں شخص کے چہرے پر نظر آرہے ہیں۔ یہاں ماتھے کا ذکر تک نہیں بلکہ چہروں (وُجُوْهِهِمْ) کا ہے اور تمام چہرے میں اطاعت نظر آرہی ہے نہ صرف ماتھے میں۔ اِس دعوے کی تصدیق مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ اور مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ کے الفاظ سے بھی ہوتی ہے کیونکہ زمین پر ماتھا رگڑنا اہلِ کتاب کا شیوۂ نماز نہ تھا۔ سیما کے معنی نشان کے ہیں چنانچہ سورۂ بقرہ میں مجاہدینِ فی سبیل اللہ فقرا کے بارہ میں ارشاد ہے: تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ (۲: ۲۷۳) یعنی تم ایسے لوگوں کو اُنکے نشانوں سے تاڑ جاؤ گے (دیکھو تحت المتن صفحہ ۲۰۱) یہاں بھی گٹّوں کا قطعاً کوئی ذکر نہیں اور نرے گٹّے ڈال لینے سے کوئی شخص مطیعِ خدا ہرگز نہیں ہو سکتا خواہ وہ گٹّے تمام چہرے پر ڈال لیئے ہوں! ایک قابلِ توجہ بات اس آیت میں لفظ مِنْهُمْ ہے جس سے ظاہر ہے کہ رسولِ خداؐ کے ساتھیوں میں سے بھی اجرِ عظیم کا وعدہ صرف اُنہی کو ہے جو اٰمَنُوْا اور عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے مصداق رہے، گویا کلمہ پڑھکر مسلمان بن جانا شرط نہیں بلکہ پیہم عمل کرتے رہنا اور ہر دم مجسمۂ ایمان بنے رہنا شرط ہے!

اطاعتِ رسولؐ

مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (۴: ۸۰)

جس نے رسول کا حکم مانا اُس نے گویا خدا کی اطاعت کی۔

طاعتِ رسولؐ، اور اُسکے منجانب اللہ ہونے کا یہ یقین تھا کہ عین اُسوقت جبکہ مردوں اور عورتوں کی ایک جماعت اس پاک نبیؐ کی امامت میں اللہ جل شانہٗ کے حضور میں، اپنے عجز اور بینوائی کی داستان گڑگڑا گڑگڑا کر سنا رہی تھی، اور مسلمانوں کے ایمان سے منور دل اس بارگاہ عالیہ کی رفعت کا سماں اپنے سامنے صاف دیکھ رہے تھے، تحویلِ قبلہ کا حکم ملا! قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کو پاش پاش کر دینے والے یہ مومن تھے اس اللہ کے سچے نبیؐ کی تبدیل سمت پر اسی طرح بیچون و چرا اور بے شائبہ استعجاب منتقل ہو کر پھر صف بستہ ہو گئے، اور آستانۂ خدا پر سر ٹیکنے لگے! عرش کے دم بخود اور صف آرا فرشتے جنہوں نے اپنی مدۃ العمر طاعت، بے اختیارانہ عبودیت اور دم مزن عبادت کے حوصلے پر ایک مرتبہ اللہ کی جناب میں انسان کو برا بھلا کہنے، اور اپنی فوقیت جتلانے کی جرأت کی تھی، اور جنہیں خدائے پاک نے انسان کی خفت و توہین کرنے پر ٹوک٭ دیا تھا، اس کیفیت کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے، مگر جریدۂ رحمت کے کاتبوں کو حکم ملا کہ اس نادرۂ روزگار امت کے نام پر روئے زمین کی بادشاہت اور اللہ کی سب نعمتوں کی وراثت ابھی سے لکھ دی جائے!

٭ سورۂ بقرہ میں اس عبرت آموز اور شاندار قصے کا یوں ذکر ہے۔ ہم نے ایک لفظی ترجمہ کر دیا ہے لیکن اس کا نتیجہ خیز مفہوم تیسری مجلد سے پہلے بیان نہ ہو سکے گا۔ ملائکہ کی تسبیح اور سورۂ بقرہ کا ربط پانچویں جلد میں عیاں کر دیا جائے گا:-

وَاِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىۡ جَاعِلٌ فِى الۡاَرۡضِ خَلِيۡفَةً ؕ قَالُوۡٓا اَتَجۡعَلُ فِيۡهَا مَنۡ يُّفۡسِدُ فِيۡهَا وَيَسۡفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّىۡٓ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝ (۲: ۳۰)

اور اے پیغمبر! ساکنانِ زمین کو وہ وقت یاد دلاؤ جب تمہارے پروردگار نے مَلٰٓئِكَة سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے فرشتو! میرا ارادہ ہے کہ اس زمین میں اپنا ایک قائم مقام بناؤں۔ فرشتوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار! کیا حضور کسی ایسی مخلوق کو اپنا نائب منتخب فرمائینگے جو اس زمین میں فساد پھیلائے اور آپس میں خونریزیاں کرے، حالانکہ ہم ہیں کہ رفتا فرینش سے تیری تعریف میں لگے ہیں، اور تعمیل احکام کر کے تیرا ہی بول بالا کر رہے ہیں۔ پروردگار عالم نے جواب دیا کہ ہاں بیشک لیکن میں اپنی ان شہنشاہی مصلحتوں کا خوب علم رکھتا ہوں جنکی ماہیت تک تم نہیں پہنچ سکتے۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ○ (۲: ۱۴۳)

اور اے پیغمبرؐ! ہم نے کچھ عرصے کے لیئے بیت المقدس کو قبلہ اسی غرض سے قرار دیا تھا کہ جب مستقل قبلے کا حکم پونہچے تو ہم ان لوگوں کو جو رسول کی بے چون وچرا پیروی کریں، اُن سے جو سرتابی کر کے اپنے پاؤں پہر جائیں، الگ معلوم کرلیں۔ اور قبلے کا دفعۃً بدلا جانا بلاشبہ ایک اہم بات تھی مگر جن لوگوں کو خدا نے اطاعت رسول کا رستہ دکھا دیا تھا اُنکے لیئے کچھ قابل اعتراض نہ تھی۔ اور خدا ایسا نہیں کہ رسول کی صداقت پر تمہارے اِس حیرت انگیز عملی ایمان کو ضائع ہونے دے، وہ تو ایسے اعمال کو دیکھکر بیشک تمام عالم پر بیحد مشفق اور مہربان ہوجاتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ‡ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ ○ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ○ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ○ (۸: ۲۰-۲۲)

اے ایمان والو! اللہ کے احکام مانو، اور رسول کے بالمشافہ احکام کی بھی بلا حیل وحجت تعمیل کیا کرو، اور در انحالیکہ تم اسکا حکم سُن رہے ہو (یعنی دیدہ ودانستہ) اُس سے سرتابی نہ کیا کرو۔ کیونکہ وہی تمہارا اولوالامر ہے۔ اور نہ تم ان لوگوں کی مانند بنو جو مُنہ سے ہاں کہہ چھوڑتے ہیں اور پہر حکم کی تعمیل فوراً نہیں کرتے۔ اللہ کے نزدیک بدترین حیوانات وہ ڈھیٹھ اور مچلے لوگ ہوتے ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے خواہ اُنکو کتنا ہی سمجھایا جائے، اور اطاعت امیر کی لِم سے بیخبر ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ‡ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

ⴲ اس آیۂ کریمہ سے ظاہر ہے کہ قرونِ اولیٰ میں متابعت رسول بھی فی الحقیقت ایمان کی ایک اہم شرط تھی۔ رہا یہ امر کہ یہ اتباع کن معنوں میں تھا اور آج جبکہ رسول خدا صلعم موجود نہیں کیونکر ہوسکے اسکی تصریح اسی صفحہ کے آیندہ تحت المتن میں کردی ہے۔ تحویل قبلہ کی متذکرہ صدر توضیح سے صرف ظاہر ہے کہ رسولؐ خدا کے قدم بقدم چلنا اور بے چون وچرا اُسکے حکم کی تعمیل کرنا اُسپر ایمان لانیکے مرادف تھا۔ یہی بات "اٰمَنُوْا بِہٖ" کے الفاظ سے ظاہر ہے جو آیہ (۷: ۱۵۷) میں آگے چلکر آرہی ہے۔ (دیکھو صفحہ ۱۶۲)۔

‡ "اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ" کا آلہی مقصود مرورِ مدت اور نسیان درس کے باعث مسلمانانِ جہان کے ذہنوں سے اسقدر محو ہوگیا ہے کہ وہ آج اِس انحطاط کے زمانے میں شرعی رسوم اور فقہی مسائل کی ایک نمایشی سی پابندی کو ہی اطاعت خدا ورسول سمجھکر اپنے آپ کو دین اسلام کے ایک اہم فریضے سے سبکدوش کر رہے ہیں۔ اُنکے نزدیک صوم وصلوٰۃ وغیرہ وغیرہ ارکانِ دین کا شرعی التزام یا کتب احادیث کا مکتبی درس اور سطحی اتباع ہی اطاعت خدا ورسولؐ کا انتہائی مقصود ہے۔ اِسکے سوا کوئی دوسری شئے اُنکے ذہنوں میں سماتی نظر نہیں آتی، کوئی آلہی یا پیغمبری آواز آج اُن کی

يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ (۸: ۲۴-۲۵)

اے ایمان والو! جب اللہ اور رسول تمہیں کسی ایسے کام کے لیے بلائیں جو تمہیں زندگی اور قوت بخشتا ہو (یعنی قتال اور متعلقہ فرائض) تو تم انکے احکام کو بگوش دل سنو اور مستعدی سے انکی تعمیل کرو۔ اور خوب

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۷۰) خواب استراحت میں مخل نہیں، کوئی امر امیر لائق امتثال و استجاب نہیں۔ "اطاعت خدا" اور "اطاعت رسول" کی اصلی و ابتدائی غرض و غایت کو عیاں کر دینے کا یہ موقع نہیں۔ یہ موضوع "اطاعت امیر" کے عنوان میں بالاستقلال باندھا گیا ہے جو دوسری مجلد میں آئیگا مگر متذکرہ صدر آیات (یعنی (۹: ۲۰-۲۳) اور (۸: ۲۴-۲۵)) سے جو یہاں پر بطور تمہید کے پیش کر دی گئی ہیں، ظاہر ہے کہ اطاعت خدا کا عملی منظر قرن اول میں کچھ ہی ہو، لیکن اطاعت رسول کا مقصود نبی آخر الزمان کے عہد حیات میں اسکے بالمشافہ احکام کی تعمیل ہی تھا۔ آیات (۸: ۲۰-۲۱) میں "وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ" اور "قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ" کے الفاظ، اور آیہ (۸: ۲۴) میں "اِذَا دَعَاكُمْ" کی قید اس دعوے کی صریح تائید میں ہے۔ گویا رسول خدا کا کسی بات کو منہ سے کہنا، اور صدر اسلام کے مومنوں کا بطیب خاطر اس حکم کی فوری تعمیل کرنا، اور لنگ عذرات پیش نہ کرنا ہی "اطاعت رسول" تھا۔ صدر اسلام میں نہ کوئی حدیث کی کتابیں تھیں جن کی رسمی درس و تدریس اطاعت رسول کے مترادف تھی، نہ فقہی تصانیف تھیں جنکو عینک لگا کر پڑھ لینا، اور پڑھکر با ادب تمام "بالائے طاق" رکھدینا اتباع رسول کے ہم معنی تھا، جیسا کہ آج اکثر سہل پسند مسلمانوں کا شیوۂ اعتقاد ہے۔ قرن اول میں رسول خدا مسلمانوں کے قائد اعظم اور سپہ سالار ہونیکی حیثیت میں وقتاً فوقتاً احکام نافذ کیا کرتے تھے جو مصالح وقت کے لحاظ سے مسلمانوں کے اجتماعی دفاع کے لیے ضروری تھے، عرب کے جس جس گوشے میں ان فرامین کی صدائیں پونہچتی تھیں لوگ لبیک لبیک کرتے حاضر ہو جاتے، اور اپنا تن من دھن اس نیک سیرت سردار کی خاطر قربان کر دیتے! یہ اطاعت رسول کا صحیح مفہوم تھا۔ رہا یہ امر کہ آج جب کہ رسول خدا بذات خود مصلحت وقت کے مطابق حکم دینے کے لیے موجود نہیں تو اطاعت رسول کا بدل کیا ہو، اور کسکے حکم کی تعمیل فرض ہے، یہ ایک علیحدہ سوال ہے جسکی تصریح اپنے موقع پر کیجائیگی مگر اس صحبت میں آیہ (۹: ۲۵) کے مطالب خاص طور پر قابل التفات ہیں جسمیں عصیان خدا و رسول کا نتیجہ وہ فتنۂ عظیم قرار دیا گیا ہے جسکی لپیٹ میں بلا امتیاز احدے ساری کی ساری جماعت آرہتی ہے۔ یہ فتنہ لامحالہ سیاسی شکست و ریخت اور اجتماعی بدنظمی ہی ہے جو امیر جماعت کی نافرمانی اور تشتت آراء سے ہر جا پیدا ہو جاتی ہے اور جو نظام کائنات کا اٹل اصول ہے۔ اس نقطۂ نظر سے اطاعت رسول اور استجابت للرسول کے معانی اور بھی صاف ہو جاتے ہیں اور اسلامی جماعت کی رہنمائی کے لیے ہر وقت کسی ایسے امیر کا موجود ہونا لازم و ملزوم ہو جاتا ہے جو خدا و رسول کے احکام کی تابعداری عملاً کرائے اور حسب موقع امت کو شکست و ریخت سے بچائے۔ "لِمَا يُحْيِيْكُمْ" (۸: ۲۴) کے الفاظ بھی اس دعوے کی حتمی تائید کرتے ہیں کہ احیا اجتماعی اور سیاسی قوت کا حاصل کرنا ہی تھا۔

اب رہا یہ امر کہ "اَطِيْعُوا اللّٰهَ" کا کیا مفہوم ہے اسکا جواب اعتقاداً اور نظریۃً اگرچہ یہی رہا ہے کہ جو کچھ کلام الٰہی کے اندر لکھا ہے اسکی پیروی کرنی اطاعت خدا ہے مگر عملی مقام نظر سے یہ بات ناممکن العمل اسلیے ہے کہ قرآن حکیم ایسے احکام و قوانین کا مجموعہ ہے جنمیں اکثر کی بیک وقت پیروی کرنی محال ہو جاتی ہے، ان میں بعض (مثلاً جہاد بالسیف اور ہجرت وغیرہ) ایسے اوامر ہیں جن کا نفاذ وقتی اور مقامی حال و احوال کو دیکھکر ہوتا ہے اور جو لامحالہ کسی امیر کے ماتحت رہکر ہی ہو سکتے ہیں۔ اس بنا پر بھی مسلمانوں کی امت کا کسی ایک اولوالامر کے اذن میں رہنا از روئے قرآن ضروری ہے، مگر رسول خدا کے عہد حیات میں "اطاعت خدا" سے مراد عملاً رسول خدا کے احکام کی تعمیل ہی تھی خواہ وہ احکام بالمشافہ اور مصلحتی تھے یا بذریعہ وحی خدا کے ہاں سے پونہچتے تھے، حتی کہ سورۂ نساء میں "مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ" (۴: ۸۰) کہکر اطاعت خدا کو فی الحقیقت اطاعت رسول میں مدغم کر دیا ہے۔ گویا قرون اولی کے عرب کو بھی بارگاہ خداوندی سے حکم ہوتا ہے کہ "جس شخص نے رسول خدا کے کہے کو بلا چون و چرا مانا اسنے فی الحقیقت خدا ہی کے کہے کو مانا"۔ پس "اَطِيْعُوا اللّٰهَ" کا مفہوم صدر اسلام میں اطاعت رسول ہی تھا۔ اس نکتے کی تائید "وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ" (۸: ۲۰) اور "اِذَا دَعَاكُمْ" (۸: ۲۴) کی واحد غائب ضمیروں سے بھی ہوتی ہے

سمجھ لو کہ اللہ آدمی اور اُسکے دل کے درمیان حائل ہے، اور جو کچھ اُن کے درمیان بحث و نزاع ہوتی ہے
اُسکو خوب جانتا ہے یہ بھی جانے رہو کہ تم ایک نہ ایک دن اُسی کے حضور میں حاضر کیئے جاؤگے۔ اور اُس
اجتماعی موت سے ڈرتے رہا کرو جو امیر جماعت کی حکم عدولیوں اور داخلی فتنہ و فساد سے بالآخر
پیدا ہوتی ہے اور جو خاصکر اُنھی لوگوں پر نازل نہیں ہوگی جنھوں نے تم میں سے سرتابی کی ہے
بلکہ تم سب اُسکی زد میں آجاؤگے، اور جانے رہو کہ اللہ کی مار بڑی سخت ہے۔

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (۷: ۱۵۷)

تو جو لوگ اِس رسول کی صداقت اور منجانب اللہ ہونے پر ایمان لائے، اور اُنکی حمایت کی، اور اُن کو مدد
دی، اور بعینہ جو راہ ہدایت اُنھوں نے اِس نور عظیم (قرآن) کے ذریعے سے دکھلائی جو اُن کے ساتھ
اُترا، یا جو اُن کے قلب میں تھا، اُسکی متابعت کرتے رہے تو یہی وہ لوگ ہیں جو اِس دنیا میں کامیاب ہونگے۔

آہ! یہ وہ صادق النیّۃ متابعت، اور وہ محیّر العقل اطاعت امیر تھی جو مومنوں کے بیمثال ائتلاف قلوب اور طہارت نفس کا نتیجہ تھی؛ یہ وہ کرشمہ اتحاد و عمل تھا جس کا قطعی اور حتمی باعث اجتناب نفس اور اتقائے خدا تھا؛ یہ وہ محتبانہ اتقا، اور مقام خدا کا ہول تھا جس کا محرّک اصلی وجود خدا کا یقین اور اُسکی خالص عبادت تھی: فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۭ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۭ (۳۹: ۲-۳)[۱]؛ یہ وہ غیر

---

[۱] تو خالص خدا ہی کی فرمانبرداری مدنظر رکھکر اُسی کی خدمت کیا کرو۔ دیکھو سچی خدمت گزاری خدا ہی کے شایاں ہے۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۱۷۱) جن کا مرجع رسول ہی ہے، تثنیہ کی ضمیروں کی ضرورت نہیں سمجھی۔ لیکن اِن باتوں سے قطع نظر آیہ (۸: ۲۵) میں ظَلَمُوْا کا لفظ سب سے زیادہ قابل غور ہے۔ مقدمہ کتاب میں کئی جگہ (مثلاً صفحہ ۸۱، ۹۶، پر) اس قرآنی اصطلاح کی جامعیت کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ اِن آیات (یعنی ۸: ۲۴-۲۵) سے صاف ظاہر ہے کہ شارع کائنات کی نگاہوں میں امیر جماعت کی نافرمانی کرنا ظلم ہے اور اسکا نتیجہ عذاب خدا اور اجتماعی شکست ہے۔ ظلم کے معانی کی یہ دوسری قسط ہے جو ضمناً یہاں پر ادا کردی گئی ہے۔ پہلی قسط صفحہ ۱۲۰ کی آیہ کریمہ (۳: ۱۳۹) کے تحت المتن میں ادا کی تھی جہاں بتلایا گیا کہ جو قوم بزدل ہو کر میدان جنگ میں لڑتی ہے وہ رب زمین و آسمان کی نظروں میں ظالم ہے۔

[۲] اِن آیات کے مطالب پر غور کرنیکے بعد لفظ 'دِیْن' کے معانی اور بھی صاف ہو جاتے ہیں جو صفحہ ۱۶۱ کے تحت المتن میں بیان ہوئے۔ لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ کا مقصود یہی ہے کہ انسان کا سب سعی و عمل (الدِّیْنُ) خالصۃً (الْخَالِصُ) خدا ہی کی رضا میں وقف (لِلّٰهِ) ہو، سب خالص فرمانبرداری (الدِّیْنُ الْخَالِصُ) خدا ہی کی ہو ماسوا کی نہ ہو، سچے دل سے اطاعت (الدِّیْنُ الْخَالِصُ) اُسی احکم الحاکمین کی ہو، خالص راہ عمل (الدِّیْنُ الْخَالِصُ) خدا کے لیے مخصوص کردیا جائے گویا 'دِیْن' کے معنی 'راہ عمل' کے ہیں اور یہ طرز عمل ہی خدا کی نظروں میں کسی شخص کا 'چلن' یا 'مذہب' یا 'دین' ہو سکتا ہے۔ اعتقادی یا 'نظری' دین کے معنی خدا کی نگاہوں میں کچھ نہیں، جیسا کہ آج کل بعض خوش اعتقادوں نے دین اسلام کو سمجھ لیا ہے۔ مزید تشریح کیلئے اردو دیباچے کے پہلے صفحوں پر غور کرنا چاہیئے۔

محلّل اور منکر ماسوا توحید تھی جسنے دل کی تسلیم پر خدائے برتر کی کامل حکومت قائم کر کے انسان کو تسلیم کا خوگر اور قانون آلہی کا پابند کر دیا تھا: فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ۭ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰي مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ[۵۱] ۝(۲۲: ۳۴-۳۵)۔ اور یہ وہ ادب آموزِ باطن، ماحیِ نفس مبطلِ کذب، اور محرّک اعتصاب اسلام تھا جسکا واحد منتہائے نظر تقویتِ قوم اور استحکام جماعت تھا۔ خدائے جلّ و علےٰ کو اسکے اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بندوں اور نطفہ منی سے پیدا کیئے ہوئے انسان کے رسمی سجدوں، ظاہری عبادتوں، قربانیوں اور بیسیوں کی مطلق حاجت نہ تھی؛ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ[۵۲] ۝(۳: ۹۷)۔ وہ اس ہیچمیرز بشر کے ترک اولاد اور ترک وطن، ایثار مال و ایثار جان سے قطعی بے نیاز تھا۔ اسکو اس ذرّہ مقدار اور بے حقیقت انسان کی نصرت کی کچھ خواہش نہ تھی؛ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ[†] ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ[۵۳] ۝(۲۹: ۶)۔ وہ اگر چاہتا تو ایک آنکھ کی جھپک میں سرکش اور متمرّد انسان کو فطرت کی زہرہ پاش طاقتوں کے قابض ارواح ملائک، اور طبیعت کے عالم آشوب حوادث کے علمبردار مصیطروں کو ایک اشارہ کر کے مکھی یا مچھر کی طرح مسل ڈالتا:

وَلَوْ نَشَاۗءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓي اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ۝ وَلَوْ نَشَاۗءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰي مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ۝(۳۶: ۶۶-۶۷)

اور اگر ہم چاہیں تو فوراً ان سب کی آنکھوں سے بینائی اچک لیں اور پھر یہ رستے کی طرف دوڑیں تو کہاں سے دیکھ پائیں، اور اگر ہم چاہیں تو یہ جہاں ہیں وہیں انکی صورتیں اور طاقتیں مسخ کر دیں پھر نہ تو ان سے آگے جاتے ہی بن پڑے اور نہ لوٹتے ہی بن پڑے۔

---

[۵۱] تم سب کا خدا بھی خدائے واحد ہے پس اُسیکے احکام کی تعمیل کیا کرو اور اُسی کے آگے سر تسلیم خم کر دو۔ اور اے پیغمبر! تم ہماری طرف سے ہمارے حضور میں عاجزی سے رہنے والے بندوں کو بشارت دو کہ ہم انکی خدمت سے خوش ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو تعمیل احکام تو در کنار جب اللہ کا نام اُنکے آگے ذکر کیا جاتا ہے تو انکے دل لرز اُٹھتے ہیں اور اسکی حمایت میں جو جو مصیبتیں بھی اُن پر آن پڑتی ہیں بطیب خاطر برداشت کرتے ہیں اور ہر دن میں پانچ وقت ہمارے سامنے ماتھا رگڑتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انکو دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ [۵۲] اور جو کوئی خدا سے منحرف ہوا تو اللہ وہ غنی ذات ہے کہ تمام جہان سے بے نیاز ہے۔

[۵۳] اور جس نے تکلیفیں سہیں اور جہاد کیئے، سعی و عمل کیا اور مصائب کا مقابلہ کیا سو وہ کچھ اپنے ہی بھلے کے لیئے کر رہا ہے ورنہ خدا تو تمام عالم سے قطعاً بے نیاز ہے، اُسکے واسطے کسی کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔

[†] اس ذاتی مفاد اور 'لِنَفْسِهٖ' کی تشریح عنقریب آیندہ صفحوں میں آئے گی۔ (دیکھو صفحہ ۱۸۰-۱۸۱)

مگر اسکی شان عاطفت اور کبریائی اس بات کی مقتضی تھی کہ وہ انبیائے کرام اور کتابِ وحی[1] کے ذریعے
سے اُس ظلوم وجہول انسان کو جسنے فہم وادراک کی امانت اپنے ذمّے لیکر (۳۳:۷۲) اور حیوانوں کی غیر مانند
اپنے آپ کو قانونِ فطرت سے قطعی بے خبر کر رکھا ہے، جسکے ایک حد تک صاحب اختیار ہونے کی وجہ سے
اسکو اپنی راہِ عمل میں ہر قدم پر لغزش کا سامنا ہے، جو آپ صاحب ارادہ ہونیکے باعث اپنے مالک حقیقی
کے ارادے سے طبعًا نا آشنا ہے، جسکے صاحب تدبیر ہونیکے جرم میں فطرت نے اُس کو اپنے پاس سے
کوئی ہدایت نامہ یا طرزِ عمل مہیا نہیں کیا، جسکے فساد فی الارض کی اور خونریزی کی داستانیں جسکے ظلم و
ستم اور تمرّد، نفس پرستی اور خود پسندی کی حکایتیں، اسکی نشاءِ اوّل سے پہلے ہی، زمین و آسمان کی
حکمبردار قوتوں، اور مقدس فرشتوں کے بزبان ہو چکی تھیں، جو آج اپنے علم و عقل کے غرور اور ہوش و
تمیز کے گھمنڈ میں کتابِ خدا حتّی کہ وجود خدا کا بھی متکبرانہ انکار کر رہا ہے: اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ
نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۰ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ[1] ۰ (۳۶:۷۷)، جو اپنی
تجویز پر نازاں، اور اپنی سعی و عمل پر مفتون ہو کر قدرت کی قاہر اور جابر روحانی قوتوں، اور کارخانہ جہان کے
اٹل اور عدیم المثال اخلاقی اصولوں کی معاندانہ روک اور تمسخر کے درپے ہے: فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا
ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ[2] ۰ (۳۹:۴۹)، مان وہ
کتابِ وحی[1] کے ذریعے سے اِسی ظلوم وجہول انسان کو فطرت کے عالم آرا اخلاقی اور احسانی، مادّی اور
روحانی قانون سے باخبر کرکے، ابدالآباد تک بےخوف و خطر، اور قوّت و استقامت سے رہنے کے قابل
بنا دے، وہ اُسکی قوائے مُدرکہ کے سامنے **فطرت** کی کتاب مبین کا فوری اور تیار ملخص پیش کرکے کارگاہ

---

[1] کیا انسان کو معلوم نہیں کہ ہم نے اُسکو گندے پانی سے پیدا کیا پھر بھی وہ کھلم کھلا ہمارا مخالف بنا رہتا ہے اور ہماری نسبت باتیں بنانے لگا ہے، اپنی اصل
کو بھول گیا اور کہتا ہے کہ بھلا گلی سڑی ہڈیوں کو کون از سرِ نو زندہ کرے گا۔

[2] انسان کی عادت ہے کہ جب اُسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے۔ پھر جب اسکو کوئی نعمت ہم بطور احسان عطا فرماتے ہیں تو کہنے لگتا
ہے کہ یہ تو مجھے میری ذاتی لیاقت کی وجہ سے (یعنی سمع و بصر اور ذہن سلیم کے صحیح استعمال کے باعث (عَلٰى عِلْمٍ کا ترجمہ دیکھو صفحہ ۸۳) ملی ہے۔ اے نا سمجھ
انسان! یہ نعمت تو آزمائش کے طور پر ہی ہے کہ ہم دیکھیں کہ تو اسکا جائز استعمال کہانتک کرتا ہے لیکن افسوس کہ اُنمیں سے اکثر لوگ ہمارے اس دستور کے قانون کا علم
نہیں رکھتے۔

قدرت کے عظیم الشان اور ممتنع الحصول اسرار سے آگاہ کردے: تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ† ۙ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ[۵۱] (۲۷: ۱-۲)، اَلَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۭ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۙ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۭ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۭ[۵۲] (۹۶: ۴-۸)؛ وہ اسکے محدود اور ناقص علم پر حکیم حقیقی کی لامتناہی حکمت کے مہتم بالشان سرائر و خفایا کا اضافہ کرکے اُسکو حفظ نفس اور اجتماعی استحکام کے اٹل اصول سکھلادے، وہ اسکے جزوی اختیار کے بالمقابل قادر مطلق کی ناپیداکنار قدرت اور استطاعت کی عملی سرحد مقرر کرکے بنی نوع انسان کو تجاوز کے نفس کش عمل، اور عدوان کے ضبط شکن فعل سے روک دے: تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ†[۵۳] (۲: ۲۲۹)؛ وہ اُن کو نظم و نسق کا طبعی اور صحیح طریقہ سکھلاکر، ان کے اعمال میں فطری صلاحیت، اور عزائم میں لازوال استقامت بخش دے؛ وہ انسان کے تنگ افق نظر کو کتاب خدا کے اٹل فیصلوں، اسکی فقید المثال ہدایت اور بشارت، برکت اور رحمت، علم اور حکمت، نور اور شفا† کی وساطت سے وسیع تر کرکے اقوام عالم کے تمکّن و بقا کا مسئلہ سہل کردے: وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰي عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ[۵۴] (۷: ۵۲)۔ وہ الغرض انسان کی دینی اور دنیاوی انفرادی اور اجتماعی دونوں زندگیوں کو اعتدال کے زرّیں اصول، صلاحیت کی محکم

---

[۵۱] یہ قرآن کریم کی آیات ہیں اور اس کتاب مبین کے احکام ہیں جو ہر شخص کے پیش نظر ہے۔ ایمان والوں کے لیئے ان احکام میں سرتاسر ہدایت عمل اور بشارت ہے۔

[۵۲] خداوہ پاک ذات ہے جسنے ظلوم و جہول انسان کو کتاب وحی کے ذریعے سے (بالقلم) وہ عظیم الشان حقائق سکھلادیئے جو اس سے پہلے وہ ہرگز نہیں جانتا تھا۔ نہیں نہیں یہ درحقیقت انسان کی کمال سرکشی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہدایت سے بے نیاز سمجھتا ہے اور اگر وہ بنظر عمیق دیکھے تو وہ اسقدر محتاج ہے کہ ہر بات میں اُسکو اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرنے کی حاجت ہے۔

[۵۳] یہ قانون فطرت ہے، اور یہی اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود ہیں۔ پس اس سے تجاوز نہ کرو، حدود سے آگے نہ بڑھو۔ اور جس قوم نے خدا کی حدود تجاوز کیا وہی ظالم ہے۔

[۵۴] اور ہم تو ان لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب لاتے ہیں جسمیں ہم نے ہر اہم امر کی تفصیل اپنے علم کے ذریعے سے کردی ہے۔ ایمان والی قوم کے حق میں اسکے احکام سرتاسر ہدایت اور رحمت ہیں۔ (یہ آیہ شریفہ صفحہ ۵۸ کے متن اور صفحہ ۹۵ کے تحت المتن میں آچکی ہے)

---

† "کِتَابٍ مُّبِيْنٍ" کی ضمنی تشریح مقدمہ کتاب میں صفحہ ۶۱، ۶۲ پر گذر چکی ہے جہاں اس آیت کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

† یہاں ظالم کے متعلق فیصلہ کردیا ہے کہ جو قوم قانون فطرت کی حدود سے تجاوز کرے وہ شارع کائنات کی اصطلاح میں ظالم ہے اور آیہ (۱۱: ۴۸) صفحہ ۱۸ کے محاکمے کے مطابق ہلاکت کی اہل۔ ظلم کے معانی کے متعلق یہ تیسری قسط ہے جو ہم نے ادا کردی ہے۔ پہلی دو قسطیں یعنی جُبْنٌ فی القتال اور عصیان امیر صفحہ ۱۷۲ کے تحت المتن میں آچکی ہیں۔ † قرآن حکیم کے متعلق صفحہ ۸۹-۹۰ کے تحت المتن کی آیات کی طرف اشارہ ہے۔

سطح، اور اتّقاد و اتّحاد کی استوار زمین پر لاکر انکی جماعت کو پیش از وقت شکست کے **خوف** سے قطعی نجات

اور بیوقت **فنا** سے عملاً مامون و مصئون کردے!

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (۵: ۱۵-۱۶)

اے باشندگان زمین! پروردگار عالم کی طرف سے تمہیں وہ نور اور واضح کتاب آچکی ہے جسکے ذریعے سے خدا اُس قوم کو جو منشائے ایزدی کی متابعت کرتی ہے، قیام فی الارض اور سلامتی کے رستوں پر لے جائیگا، انہیں اپنے فضل و کرم سے جہالت اور ناعاقبت اندیشی کی ظلمتوں سے نکالکر علم اور حفظ نفس کے نور کی طرف لائیگا، اور انہیں اس نعمت عظمیٰ کے سیدھے رستے پر ڈال دیگا!

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ (۱۶: ۸۹)

اور اے محمدؐ! ہم نے تم پر یہ کتاب اس پایے کی نازل کی ہے کہ اس میں انسان کے متعلق تمام اصولی قواعد کا مفصل بیان موجود ہے۔ اور تسلیم و عمل کرنے والی قوم کے لیے تو یہ سرتاسر ہدایت ہی، رحمت ہی اور سلامتی اُمم کی بشارت ہی!

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ (۳۹: ۲۷-۲۸)

اور ہم نے تو کافۃ الناس کو راہ ہدایت اور طریق عمل جتلانے کے لیے اس قرآن میں ہر ممکن حالت کو پیش نظر رکھکر مثالیں بیان کردی ہیں تاکہ لوگ اُن سے نتائج اخذ کرسکیں۔ اسی وضاحت کے لحاظ سے ہم نے اسکو عربی زبان میں کردیا ہی۔ اس میں کسی طرح کی پیچیدگی یا منطق کی کجی نہیں رکھی۔ اور یہ سب اس لیے

✽ آیہ (۵: ۱۵) کے متعلق بحث صفحہ ۹۲ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔ "سُبُلَ السَّلٰمِ" کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ قرآن حکیم کا منتہا اقوام عالم کو تمکن فی الارض اور حفظ نفس کے اصول سکھلانا ہے۔ "ظُلُمٰتِ" کا صحیح مفہوم بھی جہالت اور عدم تعقل قانون خدا کی تاریکیوں کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ مقدمۂ کتاب میں ثابت کردیا گیا ہے کہ قرآن کا طغرائے امتیاز اسکا علم ہی ہی اور یہی بات آیہ (۵: ۱۹) سے ظاہر ہے جو صفحہ ۱۷۵ کے متن میں آچکی ہی۔ "روحانی ظلمتوں" اور "روحانی نور" کا ذکر جو بعض ناقرآن شناس مسلمان کرتے ہیں ایک بے معنی سی اور بے نتیجہ بات ہی۔ صفحہ ۵۵ کی آیت (۱۴: ۱) بھی انہی معانی کی مؤید ہی لیکن "الظُّلُمٰتِ" اور "النُّوْرِ" پر مکمل بحث بعد میں آئیگی۔ ضمناً ان آیات کبریٰ سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہی کہ "سُبُلَ السَّلٰمِ" یعنی حفظ نفس کی راہوں پر چلنا اور جہالت کی ظلمتوں سے نکلکر علم کی منور راہوں پر گامزن ہونا ہی صراط مستقیم ہی۔ صفحہ ۸۶، ۹۳ اور ۹۵ کے حواشی میں کسی قوم کا علم کی حقیقت نما راہوں پر چلنا "سبیل خدا" پر چلنے کے مترادف قرار دیا گیا تھا، اور قریب قریب یہی مضمون ان آیات میں ہی۔ "صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ" کے مکمل مفہوم بیان کرنیمیں ابھی کچھ دیر ہی مگر اسکی پہلی قسط یہی ہے کہ اُمّت اجتماعی خوف (دیکھو سلسلۂ ارتقا تحت المتن صفحہ ۱۲) کے ماحول سے نکلکر سلامتی اور امن کی راہ پر قدم بڑھائے، اور جہالت کی قیود سے آزاد ہوکر علم کے جہاں کشا نور سے مزیّن ہو۔ یہ ہی صراط مستقیم ہی جس کی درخواست ایکدن میں پانچ وقت خدا کے حضور میں ہوتی ہے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ (۱: ۵) "اے خدا ہم کو صراط مستقیم یعنی سیدھی راہ پر چلا"۔

کہ لوگ اِن مشرح احکام کو سُنکر اتقا پیدا کریں، بربادی سے بچیں۔ اور حفظِ نفس اختیار کریں (یَتَّقُوْنَ)

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (۷: ۳۴-۳۵)

اور ہر ایک قوم کے صفحۂ ہستی سے مٹنے کی ایک میعاد مقرر ہے۔ پھر جب اُسکی تباہی کے اسباب مکمل ہو چکتے ہیں تو اُس سے ایک گھڑی نہ پیچھے رہ سکتے ہیں، نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکتے ہیں۔ پھر اگر اسوقت کوئی عذر پیش کرے گا تو ہم کہیں گے کہ اے بنی آدم ہم نے تمہیں پہلے ہی کہدیا تھا کہ جب کبھی ہماری طرف سے تم ہی میں سے ہمارے قاصد تمہارے پاس پونہچیں اور ہمارے احکام تم پر واضح کردیں۔ تو جو قوم ہلاکت سے دامن بچاکر چلی اور جسنے اپنی حالت کی اصلاح کرلی، اُنکو اس دنیا میں کسی قسم کا خوف وخطر لاحق نہیں ہوگا۔

بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ǂ (۲: ۱۱۲)

اصل تو یہ ہے کہ جسنے اپنے آپ کو ہمہ تن قانونِ خدا کے سپرد کردیا، اور اُسکے بتائے ہوئے پسندیدہ عمل کیے تو اسکا اجر تو اس شخص کو اُسکے پروردگار کے ہاں سے ملیگا لیکن وہ قوم دنیا میں بے خوف وخطر ہے!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ

---

† یہ آیت مسئلہ ارتقا کے تحت امتن صفحہ ۱۳۱ میں آچکی ہے مگر وہاں پر ۱ اتَّقٰی، اور ۲ اَصْلَحَ، کے صحیح مفہوم کو ملتوی کردیا گیا تھا۔ اس وقت تک ۱ اتقا، کے اُسی مفہوم کی کئی شقیں ظاہر ہو چکی ہیں؛ مثلاً اُمّت واحدہ بننا (آیہ (۲۳: ۵۲) صفحہ ۱۴۹)، باہمی اتحاد قائم رکھنا (آیہ (۳: ۱۹۹) صفحہ ۱۵۰)، ایک دوسرے کو استقلال کی تلقین کرنا (آیہ (۳: ۱۹۹) صفحہ ۱۵۰)، تفرقہ نہ پیدا کرنا (آیات (۱۳: ۱۰۱-۱۰۲) صفحہ ۱۴۴) مصالحت بین الفریقین کرانا (آیہ (۴۹: ۱۰) صفحہ ۱۶۰)، آیندہ مصائب کے لیے پیش از وقت تیاری کرنا اور حفظ نفس کے لیے مستعد رہنا (آیہ (۵۹: ۱۸) صفحہ ۱۶۲) وغیرہ وغیرہ سب اعمال ۱ اتقا، میں داخل ہیں۔ جس قوم میں یہ خاصیتیں بدرجۂ اتم موجود ہوں گی وہ ازروئے قرآن ۱ فَمَنِ اتَّقٰی، کا مصداق ہے۔ اور اس دنیا کے اندر وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کا مصداق بننا بھی اُسیکا حصّہ ہے! ۲ اَصْلَحَ، کی تشریح بھی کچھ کچھ ہو چکی ہے۔ مثلاً رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ، والی آیت (۴۸: ۲۹) صفحہ ۱۶۸ کے متن میں، اور اُن آیتوں میں جو مقدمۂ کتاب میں صفحہ ۴۳، ۸۷، اور ۱۵۹ پر ہو چکی ہیں۔

ǂ ۱ اسلام، اور ۲ احسان، کا ذکر جو اِس آیت میں آیا ہے وہ دراصل ۱ اتقا، اور ۲ اصلاح، ہی کے دوسرے نام ہیں جیسا کہ کچھ دیر بعد عیاں کردیا جائے گا۔ اِسی لیے مُسْلِم اور مُحْسِن، قوم بھی دنیا میں بے خوف وخطر ہے۔ بَلٰی سے رَبِّهٖ تک واحد کی ضمیر استعمال کرنا اور ابعد ازاں عَلَيْهِمْ اور يَحْزَنُوْنَ میں جمع کی ضمیر لانے کا مقصود یہ ہے کہ ہر متنفس کو اُسکے ذاتی عمل کا اجر آخرت کی صورت میں واضح ہو جائے (فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ) اور جس قوم کا وہ رکن ہو اُسکا دنیاوی اجر لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کی صورت میں ہویدا ہو۔ حتیٰ یہاں بھی اجتماعی موصول ہے جسکی ایک مثال صفحہ ۳۴۳ پر گذر چکی ہے۔

كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (۵:۱۱)

اے ایمان والو! اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جب ایک دشمن قوم نے تم پر اپنا دست تعدّی دراز کرنے کا تہیہ کر لیا تہا اور اللہ نے تمہیں صبر و استقلال، تہوّر اور اتّحاد کا سبق دیکر تم سے انکے ہاتھوں کو روک دیا۔ اور اے مسلمانو! مقام خدا کا خوف دل میں ہر آن رکھکر اسکے احکام کی متابعت کرتے رہو کیونکہ دشمن پر غالب آ جانے کا راز اسی تقوٰی میں ہے اور ایمان والوں کو چاہیئے کہ اپنی حتی الامکان سعی کے بعد نتائج کے بارے میں خدا ہی پر توکل کیا کریں۔

آہ! اُس مالک الملک، اُس ربّ العالمین خدا کی عالم آرا رواداری امّت رسولؐ کے اسی خوف حزن کو امن و امان میں بدل دینے کے اہتمام میں تھی۔ قرآن حکیم کے اوامر و نواہی، آجکل کے عام اور پست کن تخیّل کے مطابق، دنیاوی نقطۂ نظر سے محض بے وجہ اور بے نتیجہ نظریّے نہ تھے، وہ کسی توشۂ آخرت اور زاد معاد کے بے سبب اور بے دلیل، انفرادی اور شخصی سامان نہ تھے جنکا تیار کرنا "خوشنودی خدا کے لیئے" (مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ (۵:۱۶)) رسماً اور فرداً ضروری تہا، بلکہ وہ مستقل و نتیجہ خیز اجتماعی اعمال تھے جن کا اولین پیش نہاد اِس دنیا کو خوش اسلوبی سے نباہنا ہی تہا۔ خدائے واحد پر ایمان، اسکی عبادت اور طاعت، اسکے تقوے اور اتحاد، اسکے جہاد اور ہجرت، صبر اور توکل، بلکہ صدقات اور زکوٰۃ کا صحیح مآل یہی تہا کہ دین اسلام مسلمانوں کے متفقہ کسب و عمل سے دنیا کی تمام مجتمعات پر سیاسی اور اجتماعی معنوں میں غالب آ جائے۔ وحدت جماعت، مصالحت افراد، ائتلاف قلوب، اطاعت خدا، اطاعت رسول، متابعت اولوالامر، ایمان کے وہ لاینفک اجزا، اور اتّقائے خدا کے وہ ناقابل انفصال

✝ اس آیۂ شریفہ کے مطالب کی مسئلہ ارتقا کی شق ۳ دہم صفحہ ۱۱۲ سے مماثلت عیاں ہے۔ قابل لحاظ بات یہ ہے کہ اسمیں دشمن سے بچ نکلنے کو نعمت خدا سے تعبیر کیا گیا ہے اور ظاہر کر دیا ہے کہ قانون خدا پر چلنا ہی دشمن کے دست تشدّد سے بچنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ نہیں بلکہ قرآن حکیم کی حکمت جامعہ نے حفظ نفس کا تیر بہدف نسخہ "وَاتَّقُوا اللّٰهَ" کے جامع اور مانع الفاظ کے اندر بند کر دیا ہے۔ گویا جس قوم کے افراد میں "اتّقا" کی صلاحیتیں موجود رہیں، جو قوم متحد اور متفق بنکر رہی، جس نے تفرقے سے اپنے آپ کو بچائے رکھا اور حفظ ما تقدم کے طور پر اپنے آپکو ہمہ وجوہ تیار کیا وغیرہ وغیرہ (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۷۷) اسپر کسی دشمن کی دست درازی عبث ہے۔ آیت کے آخری حصّے سے "توکّل" کے معانی کی ایک جھلک نظر آتی ہے۔ گویا توکل یہ ہے کہ انسان قانونِ خدا پر کماحقہٗ چلکر نتائج کا منتظر رہے، عافیت پسند مسلمانوں نے آج توکل کے معانی ہاتھ پر ہاتھ دہر کر بیٹھنا سمجھ لئے ہیں!

حصص تھے جنکا مآل کار لامحالہ اس دنیا میں حصول عافیت اور غلبۂ اسلام ہی تھا: فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝ (۸: ۱)، يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا۝ (۴: ۵۹)، قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝ (۵: ۱۱۲)۔ ہجرت اور جہاد کے جارحانہ اور مدافعانہ اوامر بھی حفظ نفس اور تقویت جماعت کے وہ عالم آرا، معرکۃ الآرا اور جلیل القدر اصول تھے جن پر ظہور آفرینش سے آج تک روئے زمین کی ہر زندہ قوم، عالم حیوانات کی ہر صالح اور مستعد نوع بلکہ کائنات فطرت کی ہر ذی حیات جنس طبعًا اور حتمًا کاربند ہے! شارع فطرت کے نزدیک اعلائے حق کی خاطر حزب خدا اور اعلون بننا ہی وہ لازمۂ ایمان، مستحق اجر، اور مستوجب رضا فعل تھا جس کا انجام راحت دنیا اور فلاح عاقبت دونوں تھا: رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝ (۵۸: ۲۲)، فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ۝ (۵: ۵۶)، وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝ (۳: ۱۳۹)

---

۵۱ پس اس احکم الحاکمین کے مقام و منصب سے ڈرتے رہو اور اگر تمہیں اسکے منصب کا صحیح احساس ہے تو آپس میں کامل طور پر متحد اور مصالحت سے رہو۔ اور اگر تم ایمان اور تقوے کے مدعی ہو تو خدا کے سب احکام کی کلی متابعت کرو اور اسکے علاوہ رسول (یعنی تمہارے امیر جماعت) بھی جو کچھ تمہیں کہیں معًا تعمیل کیا کرو۔

۵۲ اے ایمان والو! اللہ کے احکام کی فوری اور کُلی متابعت کرو، رسول کا کہا بلا چون و چرا مانا کرو، اور تم میں سے جو شخص تمہارے گروہ کا امیر مقرر کیا گیا ہو اسکے احکام کی بھی پوری متابعت کرو۔ پھر اگر خدانخواستہ تمہارے اور حاکم وقت کے درمیان کسی معاملے میں جھگڑا بھی ہو جائے تو اللہ اور رسول پر چھوڑ دو (اور حاکم جماعت کی اطاعت میں کسر اٹھا نہ رکھو) اگر تم فی الحقیقت اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور روز قیامت کا تمہیں پورا یقین ہے (اُس دن آپ ہی خدا اور رسول نبٹ لینگے کہ کون غلطی پر تھا) یہی تمہارے لیئے بہترین طریق عمل ہو اور تمہاری اطاعت گذاری کی بہترین تاویل ہے۔

۵۳ تو اس نے کہا کہ اگر تم میں فی الحقیقت ایمان موجود ہے تو خدا کو ہر دم محسوس کرتے رہا کرو اور اُس کا اتقا کرو (یعنی وہ اعمال پیدا کرو جو اتقا کے لیئے ضروری ہیں)

۵۴ خدا اُن سے اُنکے اعمال کے باعث خوش ہو چکا ہے اور وہ خدا سے اپنے کیئے کا اجر پاکر خوش ہو گئے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو خدا کی فوج اور اُسکے سپاہی ہیں منکرو! بگوش ہوش سن رکھو اور مومنو! مطمئن رہو کہ خدائی فوج ہی اس دنیا میں غالب آئیگی اور آخرت میں فلاح پا کر رہے گی۔

۵۵ تو لامحالہ خدا کے سپاہی ہی اس دنیا کے اندر غالب آکر رہیں گے۔

۵۶ اور اگر تم فی الحقیقت ایمان والے ہو تو بالآخر تم ہی تم غالب آکر رہوگے۔

✤ اس وسیع التاویل، پیچیدہ، لیکن اہم اور سبق آموز آیت کے صحیح مطالب کی تصریح دوسری مجلد میں پیش کر دی جائے گی۔ یہاں پر مطالب سے صرف اس قدر بحث ہے کہ اطاعت خدا، اور اطاعت رسول، کو ایمان کی شرط لاینفک قرار دیا گیا ہے۔ اطاعت اولوالامر کا سوال بعد میں اٹھایا جائیگا

✤ اس آیت میں صاف طور پر اتقا کو شرط ایمان قرار دیا ہے گویا اتقا کے اعمال کا موجود ہونا فی الحقیقت ایمان کے موجود ہونیکے مترادف ہے (دیکھو صفحہ ۱۲۶ آخری سطر)۔

"خوشنودیٔ خدا" کی خاطر ایثار مال اور ایتائے زکوٰۃ بھی وہ مصدّق ایمان، محرّکِ عشق اور مظہر قلب اعمال† تھے جن کی تہ میں اسلامی جماعت کی اقتصادی استواری اور مالی استحکام کا عظیم الشان راز مضمر تھا، انہی کے باقاعدہ اجرا و التزام میں **تاسیس بیت المال** کی وہ عظیم المنفعت اور کثیر النفع **حکمت** پنہاں تھی جو سب مہمّات امور میں اور خوف و خطر کے موقع پر، اُمت کو مالی مشکلات سے قطعًا بے نیاز کر سکتی تھی۔ الغرض اُس چارہ فرمائے جہان تعالیٰ کو جس کی ذات مستجمع الصفات عارضۂ احتیاج سے قطعًا مستبعد ہے اِس تمام کارفرمائی سے انسانوں کی اپنی ہی بہبودی مدّنظر تھی: هَآ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ

---

† قرآن حکیم نے جابجا قربانیٔ مال کو ایمان کا جزوِ اعظم قرار دیا ہے، بلکہ ایک رو سے ایمان کی تصدیق کا معیار ہجرت، جہاد فی سبیل اللہ، نصرت تائید مجاہدین کے ساتھ ساتھ (جن کا ذکر صفحہ ۱۱۴ کی آیہ (۸: ۷۴) میں ہو چکا ہے) اقامت صلوٰۃ اور جہاد بالمال کو بھی تسلیم کیا ہے جیسا کہ سورۂ انفال کی مفصلہ ذیل آیت کے الفاظ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا سے ظاہر ہے:

الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ ۚ (۸: ۳-۴)

اور یہ وہ لوگ ہیں جو الصلوٰۃ پر قائم رہتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُن کو دے رکھا ہے اُنہیں سے ایک معتدبہ حصہ تقویت جماعت کے لئے صرف کرتے ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جو فی الحقیقت ایمان والے ہی ہیں۔ پروردگار جل و علیٰ کے نزدیک ایسے ہی لوگوں کے درجے بلند ہونگے، انکی پہلی واماندگیوں سے اغماض کیا جائے گا (مَغْفِرَةٌ) اور عزت و آبرو کے مقام اُنکے لئے وقف ہونگے۔

الصّلوٰۃ کی حقیقت سے یہاں بحث نہیں، مگر الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا کا استعمال تمام قرآن میں صرف انہی دو موقعوں پر ہوا ہے۔ اور ان سے ایثار مال کا مصدّق ایمان ہونا ظاہر ہے۔ کلام الٰہی نے صدقہ (بمعنی انفاق مال) کی اصطلاح بھی اسی قرینے سے وضع کی ہے (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۱۷) اور اسی شخص کو 'صادق' اور 'مصدّق' ٹھیرایا ہے جو اپنے زبانی دعووں کو عملًا یعنی زر خرچ کر کے سچ کر دکھائے۔ سورۂ حدید میں ہے:

اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَ الْمُصَّدِّقٰتِ وَ اَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَهُمْ وَ لَهُمْ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ۞ (۵۷: ۱۸)

اسمیں شک نہیں کہ اپنے ایمان کی تصدیق کرنے والے مرد اور تصدیق کرنے والی عورتیں وہی ہیں جنہوں نے خدائے زمین و آسمان کی خاطر اپنے مال کا بہترین حصہ کاٹ کر الگ کر دیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جنکو اُن کے ایثار کا اجر چند در چند کر دیا جائے گا، اور آگے چلکر بھی انکی اس ضمت کا باعزت بدلہ ملیگا۔

ایثار مال کا محرّکِ عشق الٰہی ہونا سورۂ آل عمران کی اِس آیت سے ظاہر ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ۞ (۳: ۹۱)

لوگو! خدا کی محبت کے بارے میں تزکیۂ نفس اور اخلاص کے مرتبے (الْبِرّ) کو تم ہرگز نہ پہنچ سکو گے جبتک کہ اُسکے اعلا ہیں، اور اُسکے احکام کی تعمیل میں اُن چیزوں میں سے نہ خرچ کرو جنکو تم محبت کرتے ہو (مقابلہ کرو اسکا آیہ 'وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ' (۹: ۱۰۳) سے جو صفحہ ۱۱۴ پر گذر چکی ہے اور جس میں بتلایا ہے کہ خدا کی محبت کے بالمقابل کسی شئے کی محبت ٹھیر نہیں سکتی) اور یاد رکھو کہ جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے خدا اُس سے خوب واقف ہے۔

اِس آیۂ شریفہ میں بالصّراحت اِس واقع الامر کا اظہار کیا گیا ہے کہ کسی محبوب کی خاطر کسی عزیز شئے کا ایثار کرنا عاشق کے شعلۂ محبت کو اور بھڑکاتا ہے۔ بالخصوص اُس حالت میں کہ عاشق کو اطلاع ہو کہ محبوب کو اُسکے ایثار کا علم ہے۔ بِرّ کی مکمل تعریف میں ابھی بہت دیر ہے۔ یہاں ہم نے ترجمے میں ظاہر کر دیا ہے کہ

مَنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ

ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ [۵۱] (۳۸:۴۷)، وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ [۵۲] (۶:۲۹)۔ وہ

مسلمانوں کے سب اعتقادات اور معاملات اور ہر فعل و عمل کو اُنکی دنیاوی فلاح و بہبود کی خاطر ہی

درست کرنا چاہتا تھا، وہ انکو دنیا کی اس عظیم الشان کشمکش میں غیر اقوام کے بالمقابل قوت اور زور سے رکھنا

چاہتا تھا، وہ کائناتِ جہان کی اس ہولناک اور تاب گسل مزاحمت میں مسلمانوں کو سلامتی کے طریقے، حفظ و امن کے

دائمی اصول، اور عافیت اور تمکن کے اٹل قواعد بتلانا چاہتا تھا، وہ توحید کے متحد القلوب ماحول اور

عبودیت کے سرفروشانہ ولولے میں مسلمانانِ عالم کو ایک نصب العین پر قائم کرکے اُنکو حقیقت اور حریت کے

---

۵۱ تم لوگ بگوش ہوش سُن رکھو کہ تم وہ قوم ہو کہ آج تمہیں خدا کی راہ میں اپنے قومی فائدے کے لیئے خرچ کرنے کو بلایا جاتا ہے۔ اسپر بھی تم میں ایسے آدمی موجود ہیں جو دینے سے بخل کرتے ہیں۔ اور جو آج بخل کرتا ہے تو حقیقت میں اپنے آپ سے بخل کرتا ہے۔ ورنہ اللہ تو غنی اور بے نیاز ہے اور تم ہی اسکے محتاج ہو۔ اور اگر تم نے حکم خدا سے روگردانی کی تو اسی بخل کے باعث ہلاک ہو جاؤ گے اور خدا دوسرے لوگوں کو تمہاری جگہ لا بٹھائیگا اور وہ تم جیسے بدعمل، نفس پسند، اور ناکارہ لوگ بھی نہ ہونگے! ۵۲ اور جسنے خدا کی حمایت میں اپنے پر تکلیفیں سہیں اور دشمن سے جہاد کیئے تو وہ اپنے ہی بھلے (یعنی حصول قوت) کیلئے سعی کر رہا ہے ورنہ خدا تو دنیا جہان کے لوگوں سے بے نیاز ہے۔ (۳۹:۲-۵ کو مدنظر رکھکر جَاهَدَ کا یہ ترجمہ کیا گیا)

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۱۸۰) ماسوا کی محبت سے خدا کی محبت کو مبرا رکھنا بِرّ کا جزو لاینفک ہے۔ ایثار مال کا مطہر قلب ہونا جو فی الحقیقت بِرّ کا مقام حاصل کرنیکے مترادف ہے، کلام الٰہی کی اس آیت سے ظاہر ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (۹:۱۰۳)

اے پیغمبر! ان مُشککین اور منافقین عرب سے (اُنکے تذبذب اور نفاق کے قلبی مرض کو دور کرنیکی غرض سے) اُنکے مال میں سے کچھ شے بطور صدقہ لے لیا کرو (کہ یہ صدقہ بادی النظر میں اُنکی مزعومہ قلبی کیفیت کی تصدیق کرتا ہے) تم یہ طریقہ اختیار کرکے فی الحقیقت اُن کے دلوں کو محبت ماسوا سے پاک کرو گے (تُطَهِّرُهُمْ) اور اُنکے نفوس کو آلایش حُبِ زر سے مبرا کرو گے (تُزَكِّيْهِمْ) اور یہی نہیں بلکہ اُن کا شکریہ ادا کیا کرو (صَلِّ عَلَيْهِمْ) اُنکو دعائے خیر دو (صَلِّ عَلَيْهِمْ) اُنکے اِس فعل کے عوض میں تحسین و آفرین کہو (صَلِّ عَلَيْهِمْ) کیونکہ تمہاری شاباش (صَلٰوتَكَ) انکے لیئے موجب تسکین ہوتی ہے اور اُنکو اور بھی بہتر کام کرنے پر آمادہ کرتی ہے اور یوں تو خدا ہر شخص کے ظاہر و باطن کو سمجھنے والا اور دل کی کیفیات کو خوب جاننے والا ہے۔

'صَلِّ' اور 'صَلٰوتَ' کے مفہوم کے متعلق تفصیلی بحث صفحہ ۱۳۳ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے۔ یہاں پر اس نقطۂ نظر کی کامل تصدیق ہو جاتی ہے۔ اور ظاہر کہ صَلٰوۃ سے مقصود تحسین و آفرین ہے لیکن ضمناً یہاں پر 'تُزَكِّيْهِمْ' کے لفظ سے 'زکوٰۃ' کی وجہ تسمیہ بھی معلوم ہو گئی کہ زکوٰۃ فی الحقیقت وہ شے ہے جس سے تزکیۂ نفس ہو یعنی مال کی محبت گھٹے اور خدا کا عشق بڑھے!

۵۱ آیہ (۴۷:۳۸) سے صاف ظاہر ہے کہ انفاق مال فی سبیل اللہ کی صحیح غرض و غایت اُمت کی اجتماعی اور سیاسی بہتری ہی ہے، اور اسمیں بخل کرنا گویا اپنی قومی بہتری میں مخل ہونا ہے۔ اس امر کی تائید کہ 'يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ' سے مراد قوم کی دنیاوی اور اجتماعی بہبودی سے بخل کرنا ہی ہے، (نہ روز قیامت کے بہشت سے بخل کرنا جیسا کہ بعضوں نے زکوٰۃ کے اصلی مدعا کو مسخ کرنے کی غرض سے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے) 'وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ' کے الفاظ سے ہوتی ہے جو معاً بعد میں آئے ہیں۔ گویا ایثار مال نہ کرنے کا یہ نتیجہ ہوگا کہ قوم کی مالی قوت کو نقصان پونہچے گا، اور اسی طرح سے غیروں کے بالمقابل اسکی مدافعت نہ ہو سکے گی

علمبردار، اخوت اور مساوات کے مبلغ، عالم آرا عصبیت کے محافظ، اور **وراثت زمین کے** اہل بنانا چاہتا تھا!

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَیُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (۶۱: ۹-۱۳)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۸۱) مجاہدین کو ہتیاروں سے لیس کہنا متعذر ہو جائے گا اور بالآخر کوئی دوسری قوم جو اعمال میں اس کم ہمت قوم سے بہتر ہوگی اُن کے ملک پر قبضہ کرے گی اور اس **قوم کی سیاسی قوت کو تباہ کر دے گی۔**

جن خوش اعتقادوں نے زکوٰۃ، کو بیت المال کی حکمت عملی سے الگ سمجھکر کسی بھک منگے کو چار پیسے دینا سمجھ لیا ہے اُنکے لیئے یہ آیت از بس قابل غور ہے لیکن فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کے صحیح معانی اور زکوٰۃ کے متعلق باقی بحث آگے چلکر آئے گی۔

آیہ (۲۹: ۶) میں بھی لِنَفْسِهٖ کا لفظ ہے، اور ان دونوں آیتوں کے مضامین کی مماثلت سے ظاہر ہے کہ یہاں بھی فَاِنَّمَا یُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ سے مراد اپنی دنیاوی بہتری کے لیئے سعی و عمل کرنا ہے۔ باغ بہشت کا قصہ جو لوگ آسانی سے وضع کر لیتے ہیں اور جَاهِدُ کے لفظ سے مراد تسبیح پھیرنا اور روحانی مجاہدے کرنا لے لیتے ہیں، اُسکی سند قرآن میں موجود نہیں۔ بہشت بھی آخرت میں تبھی ملسکتا ہے جب سب اُمت اُنکی متفقہ طاقت عمل سے اَعْلَوْنَ بنکر رہے۔ ورنہ نرے روحانی مجاہدے بے معنی ہیں اور اُنکی کچھ اُجرت نہیں لیکن اس بحث کو چھیڑنا یہاں پر پیش از وقت ہے۔

ان آیات جلیلہ میں چند باتیں غور طلب ہیں:-

(۱) **اسلام کا اس دنیا میں منتہائے وحید اَعْلَوْنَ اور غالب بنکر رہنا ہے**، اور اسی **واحد غرض** و مطلب کے لیئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے گئے تھے۔ **قرآن کے تمام طول و عرض میں رسول کے بھیجنے کی اسکے سوا کوئی اور غرض کہیں نہیں بتلائی گئی**۔ یہ اس عنوان کا جواب ہے جو ہم نے صفحہ ۱۰۱ پر قائم کیا تھا۔

(۲) جہاد بالسیف اور جہاد بالمال کا نتیجہ قرآن حکیم نے عذاب الیم سے نجات، ذُنوب کی مغفرت، جنّت میں داخل ہونا اور مساکن طیبہ بتایا ہے۔ اگر یہ سب باتیں روز قیامت سے متعلق کر لیجائیں تو بھی اُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ اُمت کی دنیاوی اور اجتماعی بہتری بھی خدا کا وعدہ ہے۔ اس نقطۂ نظر سے ایثار مال یعنی زکوٰۃ کی غرض اور بھی عیاں ہو جاتی ہے۔

(۳) جنّت کی تشریح کے ضمن میں ہم نے صفحہ ۱۱۵ پر دعوے کیا تھا کہ قرآن حکیم میں یہ لفظ ارضی بادشاہت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے، آخرت کے باغ بہشت کے لیئے اَلْجَنَّةَ کا لفظ مخصوص ہے۔ یہاں پر اس دعوے کی بادی النظر میں تغلیط ہوتی ہے مگر چونکہ ساتھ ہی لِیُظْهِرَهٗ اور فَتْحٌ قَرِیْبٌ کے الفاظ استعمال کر کے سیاسی اور دنیاوی غلبے کو واضح کر دیا ہے، جنّت کا ذکر عمدًا اس انداز سے کیا ہے کہ دنیاوی تغلب اور اُخروی انعام دونوں معنے لیئے جا سکیں گویا جس مجاہد بالمال والانفس کو باوجود اُسکے جہاد کے جنات زمین کی بادشاہت نہ مل سکی اُسکے لیے اُخروی جنّت مخصوص ہے۔ اسطرح کا استثنائی استعمال قرآن میں ایک دو جگہ اور ہوا ہے جو آگے آئینگے مگر یہ مستثنیات ایسی ہیں کہ ان سے نفس دعوے کی تردید نہیں ہوتی۔

(۴) صفحہ ۸۱ کے تحت المتن میں بشارت رُسل کی نوعیت واضح کی گئی تھی یہاں وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ (۶۱: ۱۳) کے الفاظ سے پھر اس دعوے کی تائید ہوئی کہ بشارت اجتماعی تمکن کی بشارت ہی ہے۔ **ایمان کی ماہیت** کے بارے میں ابتک جو کچھ قرآن حکیم سے مستنبط ہوا ہے یہ ہے کہ (۱) فطرت کا بغور مشاہدہ کرنا (۱۶: ۷۹ و ۶: ۱۰۰) صفحہ ۱۰۲ و ۱۰۳، (۲) لرزش قلب کا موجود ہونا (۸: ۲) صفحہ ۱۰۳، (۳) مخالف متعلقین سے اعلائے اسلام کے لیئے قطع تعلق کرنا آیہ (۵۸: ۲۲)

خداوہ پاک ذات ہی جسنے اپنے رسول کو یہ عظیم الشان ہدایت اور سچا دین (راہ عمل) دیکر بھیجا تاکہ اسکے زور اثر سے باقی سب غلط راہ ہائے عمل پر غالب آجائے اگرچہ دشمنوں کو بُرا ہی لگے۔ ای ایمان والو! کیا میں تمہیں کوئی ایسی سوداگری بتلاؤں جو تمکو دُنیا وی شکست کے دردناک عذاب سے نجات دے۔ وہ یہ ہی کہ خدا کو فی الحقیقت اپنا حاکم اعلیٰ مانو (تؤمنون باللہ)، اور اُسکے رسول کے لائے ہوئے احکام کی تعمیل کرو، اللہ کی حمایت میں اپنی جانیں اور مال لڑادو۔ تمہاری بہتری اور غلبہ اُمت کیلئے یہی بہترین دستور العمل ہی اگر تم اسکو سمجھو۔ ایسا کرتے رہوگے تو خدا تمہاری اگلی تقصیروں پر پردہ پوشی کریگا، تم کو خوشگوار باغوں میں داخل کریگا جنکے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، آخرت کے دائمی باغوں میں نہایت عمدہ مقام دیگا اور یہ بہت بڑی کامیابی ہی۔ اور اس انعام کے علاوہ ایک اور نعمت بھی ہی جسکو تم پسند کرتے ہو وہ یہ کہ تم کو اس دنیا میں خدا کیطرف سے مدد ملیگی، فتح تمہارے شامل حال ہوگی، اور اے پیغمبر! یہ بشارتِ تمکن بھی ایمان والوں کو دے دو۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۱۸۲) صفحہ ۱۰۴، (۴) اعبدوا ربکم اور جاھدوا فی اللہ حق جہادہ کا مصداق بننا (۲۲: ۷۷-۷۸) صفحہ ۱۰۵، (۵) راہ خدا میں جہاد اور ہجرت کرنا، مجاہدین کو مدد اور پناہ دینا (۸: ۷۴) صفحہ ۱۱۴، (۶) مشکک فی اللہ نہ ہونا اور جہاد بالمال والانفس کرنا (۴۹: ۱۵) و (۹: ۲۰-۲۲) صفحہ ۱۱۵ و (۹: ۸۸) صفحہ ۱۳۴ و (۹: ۱۱۱) صفحہ ۱۴۰، (۷) ثابت قدم ہوکر لڑنا (۳: ۱۴۰) صفحہ ۱۲۰ و (۳: ۱۶۵) صفحہ ۱۲۴ تحت المتن، (۸) اصبروا اور صابروا اور رابطوا کا مصداق بننا (۳: ۱۹۹) صفحہ ۱۴۲، (۹) دنیا کے اندر جم کر رہنا (۱۴: ۲۷) صفحہ ۱۴۳، (۱۰) اعتصام بحبل اللہ کرنا اور فرقہ بند نہ بننا (۳: ۱۰۱-۱۰۳) صفحہ ۱۴۴-۱۴۵، (۱۱) دشمن کے دل میں اپنی قوت کی ہیبت بٹھا دینا (۵۹: ۲) صفحہ ۱۵۵، (۱۲) اتقائے الٰہی کرنا اور سعی وعمل سے قرب خدا کی تلاش کرنا (۵: ۳۵) صفحہ ۱۵۶ و (۵: ۱۱۲) صفحہ ۱۷۹، (۱۳) ماسواسے نہ ڈرنا (۹: ۱۳) صفحہ ۱۵۷، (۱۴) جہاد کے وقت لنگ عذرات نہ کرنا (۹: ۴۴-۴۵) صفحہ ۱۵۸، (۱۵) اولیائے خدا بننا (۱۰: ۶۲-۶۴) صفحہ ۱۵۸، (۱۶) بادشاہ زمین بننا (۳۹: ۱۰) صفحہ ۱۵۹، (۱۷) حفظ نفس کرنا (۵۹: ۱۸) صفحہ ۱۶۲ و (۵: ۱۱) صفحہ ۱۶۸، (۱۸) قتال بالسیف کی طرف راغب ہونا (۸: ۶۵-۶۶) صفحہ ۱۶۴، (۱۹) آپس میں کامل طور پر متحد ہونا (۸: ۶۳-۶۴) صفحہ ۱۶۷، (۲۰) اشداء علی الکفار رحماء بینہم وغیرہ ہونا (۴۸: ۲۹) صفحہ ۱۶۸ (۲۱) امیر جماعت کا کامل طور پر مطیع ہونا (۲: ۱۴۳) (۸: ۲۰-۲۲)، (۸: ۲۴-۲۵) صفحہ ۱۷۰ و ۱۷۱، (۲۲) امیر جماعت کی مدد کرنا (۷: ۱۵۷) صفحہ ۱۷۲، (۲۳) اطاعت اولوالامر کرنا (۴: ۵۹) صفحہ ۱۷۹ (۲۴) الصلوٰۃ پر قائم رہنا اور الزکوٰۃ دینا (۸: ۳-۴) صفحہ ۱۸۰، (۲۵) یظہرہ علی الدین کلہ کا مصداق بننا (۶۱: ۹-۱۳) صفحہ ۱۸۲۔ ایمان ہے۔ صحیح بخاری باب الایمان میں ہی کہ ایک دفعہ حضورؐ نے فرمایا "ایمان کی کچھ اوپر ستاٹھ شاخیں ہیں جن میں ایک شاخ حیا ہے" چنانچہ اسوقت تک پچیس شاخوں کی توضیح اس کتاب میں کردی گئی ہے۔ اسکے بعد اب جہاں جہاں قرآنی آیات میں لفظ ایمان آئیگا وہاں مراد یہی اعمال لینے چاہییں (۵) رسولؐ کے ساتھ "الھدیٰ" اور "دین الحق" کے بھیجے جانے کا ذکر ہی۔ "دین" کے معنی "راہ عمل" میں نے صفحہ ۱۶۱ کے تحت المتن میں ثابت کردیئے ہیں۔ اس بنا پر "دین الحق" اس دنیا میں قوی بنکر رہنے کیلئے وہ صحیح راہ عمل ہی جو عرب نے رسولؐ خدا کی سیادت میں اختیار کی تھی۔ جبتک مسلمان غالب آتے رہے یہ راہ عمل از روئے قرآن درست رہی۔ جب اعلون بنکر رہنے کا نصب العین نگاہوں سے اوجھل ہوگیا تو مسلمانوں کا طرز عمل بھی "دین الحق" نہیں رہا، اور اسی لئے لیظہرہ علی الدین کلہ کا میثاق ایزدی آج پورا نہیں ہوتا۔ سوال یہ رہا کہ "الھدیٰ" کیا شئے ہی۔ اسکا علی الحساب جواب تو یہی قرآن ہی جو مجسمہ ہدایت ہی مگر صحیح مفہوم وہ تکیف دل اور صحت عمل، وہ صلاحیت اور استعداد کار ہی جو قرون اولیٰ میں رسول خدا کی تعلیم نے پیدا کردی تھی اور جو آج قطعاً مفقود ہی لیکن اسکے مخصوص معانی کیلئے دیکھو (۱)۔ اللہ اللہ! اسی زمانے میں دین اسلام کا واحد مطمح نظر تمکن فی الارض اور غلبہ استقرار تھا کہ آٹھویں صدی ہجری کا مشہور مسافر ابن بطوطہ لکھتا ہی کہ شاہ محمد تغلق کے سکوں پر ایک طرف ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ کے الفاظ کندہ تھے۔ ساتھ ہی اُس غلبے کو حاصل کرنیکے لیئے اطاعت امیر کا درس اسقدر تازہ تھا کہ دوسری پشت پر من اطاع السلطان فقد اطاع الرحمٰن بے خوف خطر لکھا تھا گویا خدا رسول اور سلطان کی اطاعت اصلاً ایک ہی شئے ہی۔ (دیکھو صفحہ ۱۷)

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِــُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ †
هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ (۹: ۳۲-۳۳)

یہ لوگ تو چاہتے ہیں کہ اللہ کی مشعل نور کو پھونکیں مار مار کر بجھا دیں اور خدا اس بات پر اڑا ہوا ہے کہ علی الرغم اعدا اپنے نور کو پورا کر کے رہے۔ خدا ہی تو وہ پاک ذات ہے جسنے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا تاکہ اسکو دنیا کے تمام مذاہب پر غالب کر دے، گو مشرکوں کو یہ بات کیسی ہی ناگوار لگے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ ‡ (۴۸: ۲۸)

وہ خدا کی مقتدر ذات ہی تو ہے جسنے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اسکو بالآخر دنیا کے تمام طرق عمل پر غالب کر دے، اور در حقیقت اس طرز عمل کو کامیاب کرنے کیلئے خدا نگہبان بس ہے۔

وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ (۸: ۷-۸)

---

† اس آیہ کریمہ سے جس کے لگ بھگ ایک آیت سورۂ صف میں بھی متذکرہ صدر آیات (۶۱: ۹-۱۳) سے عین پہلے آئی ہے، اور یہی ظاہر ہے کہ "لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ" سے مراد اسلام کا اجتماعی اور سیاسی غلبہ ہی ہے۔ اسکے ماسوا احتمال کچھ نہیں۔ کافر عرب اسلام کی دنیاوی طاقت ہی کو مٹانا چاہتے تھے، وہ اپنی گھٹتی ہوئی قوت کے بالمقابل مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے درپے تھے۔ اور اس سیاسی تمکن ہی کو نُوْرَ اللّٰهِ کہا گیا ہے جسکے اتمام کا وعدہ خدائے عز و جل کر رہا تھا۔ کفار کو اسلام کی روحانی طاقت سے کچھ حسد یا تعرض نہ تھا۔ جن نام نہاد مسلمانوں نے آج امت کی زبوں حالی اور شرعی وضع قطع کو مذاہب عالم پر اپنی روحانی فتح سمجھ لیا ہے انکے لئے یہ آیات نہایت سبق آموز ہیں۔ سورۂ صف کی متذکرہ صدر آیت یہ ہے: يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِــُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (۶۱: ۸)۔ اسکا پھر ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

‡ اس آیہ شریفہ سے پیشتر کی آیت ہے:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ (۴۸: ۲۷)

اسمیں شک نہیں کہ خدائے عز و جل نے اپنے بھیجے ہوئے رسول کی وہ رؤیائے قلبی جو اسکو پیہم اضطراب اور شبانہ روز اہتمام کیوجہ سے عالم خواب میں دکھائی دی تھی، بالتحقیق سچ کر دکھایا اور وہ رؤیا یہ تھی کہ اگر خدائے بے نیاز نے ہماری سعی و عمل کو پسند فرما کر مناسب سمجھا (اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ) تو تم لوگ مسجد حرام میں سب دشمنوں سے محفوظ و مامون ہو کر بے خوف خطر داخل ہو گے، اور وہاں جا کر رسم کے مطابق اپنا سر منڈواؤ گے یا بال کترواؤ گے۔ پھر مسلمانو! فتح مکہ کے اس اہم مرحلے تک پہنچنے کیلئے خدا وہ وسیلہ تاڑ گیا جس کا تمہیں علم نہ تھا (فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا) اور حدیبیہ کا عہد نامہ مکے کے سر ہونے سے پہلے دشمن سے کرا دیا جو فی الحقیقت ایک ضمنی فتح ہے۔

رؤیا کی حقیقت سے یہاں پر بحث نہیں اگرچہ ہم نے ترجمے میں رؤیا کے واقع ہونے کی توجیہ، اور مناسب حالات میں صحیح سعی و عمل کے بعد اسکے سچ ہو رہنے کی وجہ بھی اشارۃً بیان کر دی ہے مگر یہ آیت اس امر کا مزید ثبوت ہے کہ زیر بحث آیت یعنی (۴۸: ۲۸) میں لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ سے مراد مسلمانوں کا اجتماعی اور سیاسی غلبہ ہی ہے کیونکہ مسجد حرام میں داخل ہونے لئے فتح قریب کا ذکر ہے، روحانی غلبہ، جسکی داستان آجکل کے کم ہمت اور ناکارہ مسلمانوں نے اپنا دل خوش رکھنے کیلئے گھڑی ہے، قطعاً مراد نہیں، اور نہ روحانی غلبہ کوئی ایسی شے ہے جس پر وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (۹: ۳۲) اور وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (۹: ۳۳) اور وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ (۸: ۸، ۱۰: ۸۲) کا اطلاق ہو سکے، اور جس سے کافروں کی جڑ بنیاد کٹ سکے، جیسا کہ آگے چلکر سورۂ انفال میں ہے: وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ (۸: ۷)۔

اور لوگو! خدا تو اس بات کا ارادہ کر رہا ہے کہ اپنے احکام کے قوت افزا اثر سے صداقت کو اس دنیا کے اندر مستحکم کر دے، اور منکرین کی جڑ بنیاد کاٹ ڈالے، اور یہ اسلیئے کہ حق کو حق اور باطل کو باطل کر دکھائے اگرچہ اُن مجرموں کو بُرا ہی کیوں نہ لگے جو اسکے احکام کی تعمیل نہیں کرتے؛

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ (۱۰: ۸۲)

اور خدا اپنے احکام کی قوّت افزا وساطت سے حق کو اس دنیا کے اندر مستحکم کر دیتا ہے اگرچہ مجرموں کو جو خدا کی نافرمانی کرتے ہیں بُرا ہی کیوں نہ لگے۔

غلبۂ اسلام و اتحادِ عالم†

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (۲: ۱۳۶)

ہم انبیاء میں سے کسی ایک کے مابین فرق نہیں کرتے (سب کو ایک پیغام کے لانے والا سمجھتے ہیں) اور ہم تو درحقیقت خدا ہی کو حاکم اعلیٰ ماننے والے ہیں

اُس قاضیِ حاجات تعالیٰ کے پیش نظر در اصل ایک ایسی مقتدر جماعت کی تنظیم و تنسیق تھی جو مال و جان کی مہذب نفس اور مطہر اخلاق قربانیوں سے دنیا کی تمام اُمتوں پر غالب آکر انسان کی دنیوی فلاح اور اجتماعی نجات کا باعث ہو، وہ مسلمانوں کی جماعت کو عبادتِ خدا کے حوصلہ انگیز عمل، تقویٰ کی وحدت افزا خلش، اور ایمان کے غلبہ اندوز عزم کے ذریعے سے ہر معاند گروہ سے عہدہ برآ کر کے اُسکے عالم آرا اتحاد، اور ناقابل شکست اخوت کی ہیبت دلوں میں بٹھا رہا تھا! وہ جہاد فی سبیل اللہ کو حفظِ جماعت اور دفاعِ نفس کا اسلحہ وحید، اور فلاح عاقبت کا قطعی اور فوری وسیلہ قرار دیکر، ہر متنفس کے دل میں مقابلے کی ناقابل شکست تڑپ، اور فیروز مندی کی شدید تڑپ پیدا کرنا چاہتا تھا! ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (۶۱: ۱۱)۔ وہ اسلام کی عالم آرا صداقت، توحید کی ناقابل انکار حقیقت، اور انسان کے مخلصانہ اعمال کے ستھیلائے اثر سے پہنائے جہان کے اندر اسکی ہیئت اجتماعی میں روز افزوں تقدم اور ارتقائی تقویت دیکھنا چاہتا تھا۔

† غلبے کو پیش نظر رکھکر اسلام کا اتحاد عالم کی دعوت دینا (جیسا کہ آگے چلکر واضح ہوگا) ظاہر بین نظروں میں دو متضاد باتیں معلوم ہوتی ہیں لیکن ادنیٰ تامل اس نتیجے پر پونہچا دیتا ہے کہ اسلام انسان کی ہیئت اجتماعی میں ایک سعد اوعمل (الھدیٰ)، ایک راہ عمل (الدین)، اور ایک صراط مستقیم (دین الحق) پیدا کر کے سب کو مجتمع کرنا چاہتا تھا گویا سب کو فطرت کے اس واحد راہ رست پر عملاً چلانا چاہتا تھا جس کا نتیجہ تمکن فی الارض ہے، یہودیوں اور نصرانیوں کیطرح ایک شرعی فرقہ بنجانا اسکا پیش نہاد قطعاً نہ تھا اگرچہ آج بھی بن چکا ہے! اسی اتحاد اور نسل انسانی کے مجموعی فائدے کو پیش نظر رکھکر اپنے سب انبیاء کو ماننے کا اعلان کیا تاکہ فرقوں کا ذاتی تعصب اس اتحاد میں حائل نہو (دیکھو دیباچہ کتاب صفحہ ۶۲)

نہیں وہ سب نسلی اور تمدّنی اختلافات، اور سب مُلکی اور اعتقادی تفرقات کو خدائے مشترک کی مشترک ملازمت (عبادت)، اور ایک قانون اور ایک حاکم کی عملی اطاعت کے بالمقابل نسیًا منسیًا کرکے، انسان کی مختلف العقائد، متخالف الآرا، اور منتشر الاغراض جماعتوں میں بنی نوع آدم کی طبعی یکرنگی، اور کارگاہِ فطرت کی جنسی یک وضعی از سرِ نو قائم کرنا چاہتا تھا! وہ الغرض حیات کی اس المناک کشمکش میں خدا پرستاروں کی یک عمل اور باعمل، یک خدا اور باخدا، یک قانون اور تابع قانون جماعت کو حصول قوت کے محکم اصول، حفظِ نفس کے لازوال طریقے، اور دنیوی ترقی کے مستحکم ضوابط سکھا دینا چاہتا تھا!

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ

† اس آیت میں اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کو "اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ" کی مشترک اساس پر بلاکر متحد العمل کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ یہود اور نصاریٰ دونوں فرقے کم از کم زبانی طور پر "اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ" کے مدعی تھے۔ اسی لیے اس کلمے کو کَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ کہا گیا ہے مگر عملاً وہ خدا کے حکموں کی جو توراۃ و انجیل میں مذکور تھے کچھ تعمیل نہ کرتے تھے۔ آجکل کے مسلمانوں کی طرح خدا کو منہ سے خدا کہہ چھوڑنا، یا اس کے نام پر نماز پڑھ لینا انکا رسمی اعتقاد تھا مگر عبادت یعنی ملازمتِ خدا صحیح معنوں میں ہرگز نہ رہی تھی۔ یہودیوں نے احکام خدا کی تعمیل کو خیرباد کہکر، احبار اور رہبان (یعنی اسقفوں اور گوشہ نشینوں) کو اپنا مخدوم بنایا ہوا تھا، وہ ان کے پیچھے لگ کر ایک دوسرے سے الگ اور فرقہ بند بن گئے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس نصرانی بھی خدا کی اطاعت اور ملازمت کو چھوڑکر اپنے اپنے پادریوں کے صحیح معنوں میں ملازم بنے ہوئے تھے۔ گویا ان کا مرتبہ عملاً خدا کے برابر بلکہ اس سے بہتر بنا رکھا تھا۔ سورۂ توبہ میں اسی عبادتِ ماسوا کی طرف اشارہ کرکے احبار اور رہبان کو اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کہا گیا ہے: اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ (۹:۳۱)، یعنی انہوں نے خدا کو چھوڑکر اپنے علما اور مشائخ کو اور مسیح ابن مریم اپنے نبی کو خدا بنا کھڑا کیا ہے اور عملاً ان کی ملازمت اور عبادت میں لگے ہیں"۔ اس آیہ شریفہ میں قرونِ اولیٰ کے کارکن مسلمانوں کی طرف سے یہود و نصاریٰ کو دعوت ہے کہ "اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ" کے اصل اصول پر عملاً کاربند ہو جائیں (یہی معنی تَعَالَوْا اِلٰى کے ہیں) اور بصراحت تمام بتلایا ہے کہ خدا کی عملاً ملازمت کرنا، کسی شے کو عملاً اور معناً اس کے برابر نہ کرنا، اور خدا کے حکموں کو پس انداز کرکے علما اور مشائخ کے من گھڑت حکموں پر نہ چلنا ہی عین اسلام ہے۔ گویا یہ زبانی اعتقاد کو خیرباد کہکر عمل کیطرف آنا اور خدا کو معناً حاکم اعلیٰ سمجھنا ہی مسلم بننے کے مترادف ہے: (فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ)۔ یہ وہ بےمثال دعوت اتحاد اور وہ وسیع النظر بنائے مصالحت تھی جس پر قرنِ اول کے مسلمان سب دنیا کو متحد العمل کرنا چاہتے تھے۔ آج جو بُعد المشرقین انکے اور یہود و نصاریٰ کے درمیان واقع ہو چکا ہے، نہیں، بلکہ جو ناقابل گذر خلیج انکے آپس کے فرقوں کے درمیان حائل ہے اور جسکے باعث وہ ایک دوسرے کو کاٹ کھانے میں مصروف ہیں، اسلام کی ماہیت نہ سمجھنے اور منشائے خدا کے مطابق عمل نہ کرنے کی صریح شہادت ہے۔ ماہیتِ اسلام اور اتحادِ عمل کے متعلق یہ اہم بحث تفصیل کیساتھ پھر پانچویں مجلد میں کیجائیگی۔ سردست جو بات غور طلب ہے یہ ہے کہ آج امتِ مرحومہ کا ایک ایک فرد بذاتِ خود "اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ" کے برخلاف صحیح معنوں میں عمل کر رہا ہے۔ یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے اپنے احبار اور رہبان کے پیچھے لگ کر فرقہ بند بن چکا ہے، انکو اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ بنا رہا ہے۔ ہر گروہ نے اپنا اپنا طریقہ الگ کرکے امت کو صدہا بلکہ ہزارہا فرقوں میں تقسیم کر دیا ہے اور وہ غرض و غایت جو خدا کی مشترک عبودیت اور ایک حاکم اعلیٰ کی اطاعت میں مضمر تھی قطعاً مفقود ہو چکی ہے۔ گویا آج انکے طرزِ عمل کو دینِ اسلام کہنا حقیقت کا منہ چڑانا ہے۔ ضمناً اس آیہ شریفہ میں عبادت کے معانی کی تائید ہوگئی جس پر ایک طول و طویل بحث صفحہ ۱۰ الخ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔

ه چنانچہ اسی آیت میں ان الفاظ کے بعد ہے: وَ مَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِیَعْبُدُوْۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا (۹:۳۱) گویا عبادتِ خدا صحیح معنوں میں نہ رہی تھی بلکہ کئی خدا بنے ہوئے تھے، یہاں عبادت کا صحیح مفہوم استقدر روشن ہوگیا ہے کہ

بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○ (۳: ۶۳)

اے پیغمبر! ان سے کہدو کہ اے اہل کتاب! آؤ ہم سب ایک ایسی حقیقت پر متفق ہوجائیں جسکا ہمارے اور تمہارے درمیان کم ازکم زبانی طور پر یکساں اقرار ہے، اور جسپر فی الواقع عمل کرنے میں نہ تمہیں کوئی عذر ہوسکتا ہے نہ ہمیں، اور وہ یہ ہے کہ ہم ماسوا خدا کے کسی غیر کے ملازم نہ بنینگے، اور نہ کسی شئے کو اطاعت گذاری میں اُسکے ہم مرتبت کرینگے، اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا آقا نہ سمجھے گا۔ پھر اگر اس سچی اور مطلق العمل بات کے ماننے سے بھی منہ موڑلیں تو ان سے کہدو کہ اب گواہی دو کہ ہم ہی حقیقت میں خدا کو خدا مانتے ہیں نہ تم۔ کہ صرف مُنہ سے اقرار کرتے ہو لیکن اسکے احکام پر عمل نہیں کرتے

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ○ (۲: ۱۳۶ - ۱۳۸)

اے ایمان والو! تم تمام عالم کی اُمتوں سے مصالحانہ طور پر کہدو کہ ہم تو اللہ کو اپنا خدا مان چکے ہیں اور ہم قرآن کو اُسکا قانون تسلیم کرکے اُسپر عمل کرتے ہیں اور ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ جو کچھ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد یعقوب پر اُترا، اور جو کچھ بھی موسٰی اور عیسٰی کو دیا گیا، اور جو کچھ دنیا کے دوسرے تمام

ان آیات الٰہی میں اتحاد کی طرف ایک اور اہم قدم بڑھایا گیا ہے اور صاف الفاظ میں تمام انبیائے جہان کو بلاتفریق احدے منجانب اللہ تسلیم کرکے متحد العمل ہونے کی دعوت دی گئی ہے۔ لیکن اس اتحاد کا اساس کار پھر وہی خدا کو حاکم اعلےٰ تسلیم کرنا (وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۲: ۱۳۶) اور اسکی عملی عبادت کرنا (وَنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ○ ۲: ۱۳۸) قرار دیا گیا ہے۔ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ ایمان فی الحقیقت عمل ہی کا دوسرا نام ہے، زبان سے اسکو کچھ تعلق نہیں، جو شخص کہتا ہے مگر کرتا نہیں وہ از روئے اسلام کچھ نہیں۔ اس امر کی تصدیق میں کہ دعوت عام ہے اور روئے سخن کسی ایک فرقے مثلاً یہود یا نصاریٰ کی طرف ہی نہیں بلکہ تمام عالم کی طرف ہے، قرآن حکیم کی ان آیات کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ جن میں بصراحت تمام کہا گیا ہے کہ ہر اُمت بلکہ ہر فرقے میں خدا کا کوئی نہ کوئی رسول ہوگذرا ہے جو لوگوں کو عبادت خدا کی طرف بلایا کرتا تھا۔ سورہ نحل میں ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ (۱۶: ۳۶)

یعنی "ہم ہر اُمت میں کوئی نہ کوئی رسول اس غرض کے لیئے بھیجتے رہے ہیں کہ لوگوں کو بتلائیں کہ اے لوگو! اس خدائے عزّ و جل کی ملازمت اختیار کرلو، اور شیطان کی غلامی سے بچتے رہو"۔

اس قسم کی اور آیتیں آگے چلکر دوسری مجلد میں آئیں گی۔ دیباچہ کتاب میں ہم نے اسلام کی اس اتحادی دعوت کی حکمت کو دوسرے نقطۂ نظر سے واضح کیا ہے۔ (دیکھو صفحہ ۶۲-۶۳)

پیغمبروں کو اپنے پروردگار سے ملا، سب اُسی ایک خدا کی طرف سے تھا۔ ہم اُن میں سے کسی ایک میں بھی، اِس معاملے میں کوئی مابہ الامتیاز تسلیم نہیں کرتے۔ اور ہم تو بہرنوع اُسی خدائے واحد کے فرمانبردار ہیں۔ تو اگر اسیطرح جس طرح تم نے اپنے آپ کو اطاعت احکامِ خدا کے لیئے وقف کردیا ہے یہ بھی اپنے آپ کو سپرد کردیں تو بس راہ راست پر آگئے اور تمہاری اُنسے کوئی وجہ پرخاش نہیں لیکن اگر یہ روگردانی کریں تو سمجھ لو کہ تمہاری ضد پر ہیں۔ پھر اس حالت میں خدا تم کو اُن کے شر سے اپنے حفظ و امان میں رکھیگا اور وہی حقیقت میں حالات کا بڑا سننے والا اور بڑا جاننے والا ہے۔ اِن سے کہدو کہ جس مصالحانہ اور اتحادی رنگ میں ہم رنگے ہوئے ہیں یہی اللہ کا رنگ ہو۔ اور اللہ کے رنگ سے بہتر رنگ کس کا ہوگا، اور ہم تو اُسی کی خدمت کرنیوالے ہیں۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ‡ ○ (۳: ۸۴)

اے محمدؐ! ان یہود و نصاریٰ سے صلح صفائی سے کہدو کہ ہم تو اللہ پر ایمان لائے ہیں، اور اس کتاب پر جو ہمکو دی گئی، اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جو کچھ ابراہیم اور اسمٰعیل اور یعقوب پر اُتارا گیا تھا اور جو کچھ بھی موسیٰ اور عیسیٰ اور دنیا کے تمام پیغمبروں کو اُن کے پروردگار کیطرف سے دیا گیا تھا، اُسی خدا کی طرف سے تھا۔ ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی کوئی فرق تسلیم نہیں کرتے۔ اور ہم تو ہمہ تن اُسی خدا کے فرماں بردار غلام ہیں۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۣ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۠ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ‡ ○ (۲: ۲۱۳)

‡ صفحہ ۱۸۰ کی آیہ (۲: ۱۳۶) سے اس آیت کی مماثلت عیاں ہے۔ قابلِ لحاظ بات یہ ہے کہ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ کی شرط یہاں بھی التزام کے ساتھ موجود ہے۔ گویا مُسْلِم بننا خدا کی خدائی کو عملاً تسلیم کر لینے کے ہم معنی ہے۔

‡ شارحین قرآن نے اس آیۂ شریفہ کے مفہوم کو اکثر غلط سمجھا ہے اور نہایت لایعنی، بے نتیجہ، اور متناقض ترجمہ کرکے مطالب کو گڈمڈ کر گئے ہیں۔ میں نے متن میں ایک بامعنی اور مدلل ترجمہ کر دیا ہے مگر ایک دو باتیں لائق تشریح ہیں:۔

(۱) كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً میں "كَانَ" کسی گذشتہ واقعہ کو بیان کرنیکے لیئے استعمال نہیں کیا گیا، بلکہ ایک ایسے واقع الامر کے اظہار کیلئے جو بہرحال درست ہو۔ اس طرح پر "كَانَ" کا استعمال قرآن میں بیسیوں جگہ ہوا ہے۔ ہم صرف سورۂ نساء کے پہلے چند رکوعوں سے مثالیں اخذ کرتے

انسان تو حقیقت میں ایک ہی امت ہیں کیونکہ ایک ہی نوع کی مخلوق ہیں اور اسی وحدت کو ملحوظ نظر رکھکر خدا نے انکی طرف مشیت الٰہی سے باخبر انسان (نبی) بھیجے جو انہیں اجتماعی بقا کی بشارت دیتے اور اجتماعی ہلاکت سے متنبہ کرتے رہے، اور خدا نے اِن سب کے ساتھ ہی نوع انسان کیلئے (مختلف زبانوں میں) ایک دستور العمل بھیجا تھا جو کتاب کی صورت میں تھا اور مبنی بر حق تھا تاکہ وہ کتاب اُن کے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۸۸) ہیں: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ٥ (۴: ۱۱)، (۴: ۲۴)، بیشک خدا بڑا صاحب علم و حکمت ہے؛ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ٥ (۴: ۱۶)، بیشک خدا بڑا توبہ قبول کرنیوالا اور رحم کرنے والا ہے؛ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ٥ (۴: ۱۷)، اور خدا بڑا صاحب علم و حکمت ہے؛ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ٥ (۴: ۲۳) بیشک خدا بڑا صاحب عفو و درگذر ہے؛ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ٥ (۴: ۲۹)، بیشک خدا تم پر بہت مہربان ہے؛ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ٥ (۴: ۳۰)، اور یہ بات کرنا خدا کے لیئے بیحد آسان ہے؛ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ٥ (۴: ۳۲)، خدا لامحالہ ہر شئے سے سو بموو قف ہے؛ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ٥ (۴: ۳۳)، بیشک خدا ہر شئے پر پوری نگرانی کر رہا ہے؛ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ٥ (۴: ۳۴)، خدا لامحالہ بڑا عظیم و جلیل خدا ہے؛ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ٥ (۴: ۳۵)، خدا بیشک بڑا صاحب علم و خبر ہے؛ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ٥ (۴: ۳۶)، بیشک خدا اُس شخص کو پسند نہیں کرتا جو اِترائے اور بڑائی مارتا پھرے؛ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن كَانَ کا یہ استعمال خدائے عزوجل کی صفات کے متعلق مخصوص نہیں بلکہ ہر واقع الامر کے اظہار کے لیئے آیا ہے۔ مثلاً سورہ بنی اسرائیل میں ہے: وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ٥ (۱۷: ۱۱)، اور انسان بڑا ہی جلد باز ہے؛ علیٰ ہذا القیاس سورہ کہف میں ہے: وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ٥ (۱۸: ۵۴)، اور انسان اکثر معاملات میں جھگڑالو ہے؛ اسی سورہ نسا میں آگے چلکر ہے: اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ٥ (۴: ۱۰۳)، اسمیں شک نہیں کہ نماز وہ حکم الٰہی ہے جو ایمان والوں پر بتعیین وقت فرض ہے؛ سورہ بنی اسرائیل میں ہے: اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ٥ (۱۷: ۵۳)، بیشک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے؛ الغرض کہانتک مثالیں لکھی جائیں تمام کلام مجید اُن سے بھرا پڑا ہے لیکن اُنکے مطالعے سے عیاں ہو جاتا ہے کہ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ (۲: ۲۱۳) میں صرف ایک واقع الامر اور حقیقت کو بیان کیا گیا ہے، اور وہ حقیقت کبریٰ یہ ہے کہ کل بنی آدم فی الحقیقت ایک ہی گروہ ہیں، ایک دوسرے کے اعضا ہیں، انکی نوع ایک ہی ہے، ایک جیسی شکل و صورت، ایک جیسے اعضا، ایک ہی آبا و اجداد، بلکہ آفرینش بھی ایک ہی جوہر سے ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اس وحدت نوع کے ہوتے ہوئے اُن میں بنائے نزاع و اختلاف طبعاً اور فطرتاً ناروا ہے۔ کارگاہ فطرت کے قانون کے مطابق اگر کسی غیر انسانی نوع یا فرد کو وجہ پرخاش ہے تو صرف غیر نوع کے افراد سے۔ ہم جنس سے برسر پیکار اور آمادہ جدال رہنا مقتضائے طبیعت ہرگز نہیں، اور نہ ادنیٰ مخلوق کی طرز معاشرت اس طریق عمل کی تائید کرتی ہے۔ اس آئین طبیعت کی طرف مجمل اشارات مسئلہ ارتقا کے تحت المتن صفحہ ۱۲ میں کیئے جا چکے ہیں لیکن تفصیل کے لیئے ابھی وقت درکار ہے۔ بہر نوع زیر بحث آیت میں اس گرانقدر حقیقت کو آشکارا کر کے کہا ہے کہ شارع کائنات نے انسان کو ایک ہی اُمت گردانکر اُنکی طرف مختلف اوقات میں مختلف انبیاؑ کی وساطت سے الْكِتٰبَ یعنی اُن کا واحد لائحہ عمل بھیجا جو اگرچہ مختلف زبانوں میں آتا رہا مگر اُسکا منشا و ماحصل ایک تھا (وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ)۔ اس لائحہ عمل کا مقصود بالذات نسل انسانی کو اجتماعی بقا کی بشارت دینا، یا عدم تعمیل کی صورت میں اجتماعی ہلاکت سے ڈرانا ہی تھا؛ (فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ)۔ انبیاؑ کے پیغام کی نوعیت کے متعلق کافی بحث صفحہ ۱۸۱ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے۔ اور یہاں بھی علیٰ ہذا القیاس اِسی اجتماعی بقا کی بشارت مقصود ہے جو قانون خدا کی تعمیل کا طبعی نتیجہ ہے۔ 'الْكِتٰبَ' کے صحیح مفہوم کے متعلق زیادہ توضیح کرنے کی یہاں ضرورت نہیں۔ آگے چلکر دوسری مجلد میں ہم نے ایک مستقل عنوان اس موضوع کے لیئے باندھا ہے، مگر اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ وہ لائحہ عمل جو مختلف انبیاؑ کی وساطت سے آیا فی الاصل سب اقوام عالم کیلیئے ایک تھا۔ اور معقول بات بھی درحقیقت یہی ہے کہ ایک خدا کی طرف سے ایک ہی نوع انسان کی طرف ایک ہی پیغام ہو، خواہ اُسکے پیغامبر کئی مختلف اشخاص ہوں۔ اسی حقیقت کبریٰ کو مدنظر رکھکر قرآن حکیم نے بلا امتیاز سب الہامی

اعمال کی رہنمائی کرے اور اگر کسی امر میں اُن میں اختلاف پیدا ہو تو اُسکا قطعی فیصلہ کر دیا کرے۔
لیکن جن لوگوں کو کتاب دیگئی تھی وہی لوگ اپنے پاس کُھلے کُھلے اور واضح احکام آئے پیچھے اُس کے
مقاصد میں اُسکے معانی اور مطالب میں، بیجا اختلاف محض آپسمیں ضد کے باعث کرنے لگے اور
فرقے بن گئے۔ پھر آخر کار وہ راہ حق جسکے متعلق لوگوں میں اسقدر اختلاف پیدا ہو گیا تھا اللہ نے
اپنے حکم سے ان ایمان والوں کو دکھا دی اور اللہ تو اُسی کو راہ راست دکھاتا ہے جسکو مناسب سمجھتا ہے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۸۹) کتابوں کو 'الکِتٰب' کے جامع اور مانع لفظ سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ آگے چلکر واضح ہوگا، اور یہی وجہ ہے کہ سب انبیائے جہان کو منجانب اللہ تسلیم کرنا، اور اُن میں کوئی مابہ الامتیاز قائم نہ کرنا عین اسلام ہے۔ آیت زیر بحث میں بتایا ہے کہ 'الکِتٰب' اِس لیے بھیجی گئی تھی کہ انسان کی امت واحدہ میں اگر کوئی جزوی یا فرعی اختلاف واقع ہو جائے، تو یہ کتاب جلیل اُسکے متعلق اپنا قطعی محاکمہ دے کر اُس اختلاف کو مٹاتی رہے، اور بنی نوع انسان بدستور اُمت واحدہ بنے رہیں جیسے کہ وہ فطرتاً بنائے گئے تھے: لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ، بعد ازاں انسانوں نے آپس میں ضد اور ہٹ دھرمی سے اِن روشن احکام (الْبَيِّنَاتُ) کو توڑ مروڑ کر نئے معانی پیدا کر لیئے اور الگ الگ فرقہ بندیاں کر لیں۔ کتاب خدا کے سب انسانی معاملات میں آخری اور قطعی حَکَم ہونیکے متعلق کئی آیتیں مقدمے کے اخیر (یعنی صفحہ ۹۶) میں پیش کر دی تھیں، مگر آیت زیر بحث سے عیاں ہے کہ 'الکِتٰب' کے بھیجنے اور انبیاءؑ کی بعثت کا مقصود بالذات نوع انسانی کو متحد الغرض اور متفق العمل کرنا ہی تھا، متفرق و فرقہ بند کر کے ایک فریق کو دوسرے کے برخلاف لڑوانا حتماً نہ تھا۔ یہ اتحاد عالم کا برقرار رکھنا ہی اسلام کی تعلیم کا وہ درس اولین ہے جو اُسکے ہر صفحے سے عیاں ہے اور اسی کیلئے حتی الامکان سعی کرنا عین ایمان ہے؛ (فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا) یہی ہدایت ہے اور قرآن حکیم کی حکیمانہ لغت میں یہی صراط مستقیم کے مفہوم کی اہم شق ہے؛ (وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ) صراط مستقیم کے مفہوم کی پہلی شق (یعنی علم فطرت کا حاصل ہونا صفحہ ۴۷ کے تحت المتن (آیہ (۲: ۴۹)) میں، اور دوسری شق یعنی حفظ نفس صفحہ ۷۱ کے تحت المتن (آیہ (۵: ۱۶)) میں بیان ہو چکی ہے۔ دیباچہ کتاب میں جو دعوے میں نے انبیائے کرام علیہم السلام کے ایک ہی پیغام لانے کی بابت کیے تھے انکی تصدیق یہانپر بالصراحت ہوتی ہے۔
اس آیہ شریفہ کے مطالب میں نسیان مقاصد کے باعث معنوی تحریف اِسقدر واقع ہو چکی ہے کہ مسلمانوں کے لیئے متذکرۂ صدر مفہوم کا معترف بن جانا آج نہایت غیر مانوس معلوم ہوتا ہے۔ فرقہ بندی اور مذہبی تعصب انسان کے ہر رگ و پے میں اس شدت سے سرایت کر چکے ہیں کہ اسلام کو جامع ملل مذہب یقین کر لینا آج مسلمانیت کے منافی اکثر ہو چکا ہے۔ تاہم اگر غائر نظر سے حقیقت کی طرف دیکھا جائے تو ماننا پڑتا ہے کہ رب العالمین اور رازق گبر و برہمن خدا جسکے نزدیک سب انسان یکساں ہیں، جو سب کو کمال محبت سے پال رہا ہے، جسکے خزانہ غیب سے سب یکساں انعام پا رہے ہیں، ایسا حکم دینا کیونکر گوارا ہو سکتا ہے جس سے انسان ایک دوسرے کو کاٹ کاٹ کر کھائیں، اُس روحانی باپ کی طرف سے اگر کوئی پیغام ہو سکتا ہے تو یہی کہ سب انسان مل جُلکر رہیں، اتحاد اور اتفاق سے رہیں، ایک حاکم اعلے کے حکموں پر چلیں، شیطان کی ملازمت کم کریں، آپسمیں بھائی بھائی بنیں، وغیرہ وغیرہ۔ یہی عین اسلام ہے، اور یہی اسلاف صالحین کے اِس قول کا صحیح مفہوم ہے کہ اسلام کے اندر کوئی فرقہ نہیں۔ قرآن حکیم کے بلیغ فی المطالب اور عمیق فی البیان ہونے کی یہ آیت ایک روشن شہادت ہے۔
قرآن کی عبارت کے متعلق ترتیل کے نشانات اور رموز اوقاف اہل عرب نے نزول وحی کے بہت دیر بعد غالباً حجاج بن یوسف والیٔ عراق کے ایما سے امیر عبد الملک (المتوفی ۸۶ھ ۷۰۵ء) کے عہد خلافت میں لگائے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ قرآن کا صحیح علم سینوں کے اندر تازہ بتازہ تھا۔ اسیوجہ سے کو عولی کے نشان اور اوقاف کی علامتیں اکثر اوقات قرآن کے ربط کو معلوم کرنے اور صحیح مطالب کے حل کرنے میں بہت کچھ مدد دیتی ہیں۔ آیت زیر بحث میں كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً کے بعد علامت قف ہے جس سے مراد یہ ہے کہ مطالب کی تہ تک پہنچنے کیلئے کافی دیر تک ٹھہرنا ضروری ہے۔ اگرچہ پڑھنے والے کو یہاں پر مسلسل عبارت کا گمان ہوتا ہے۔ یہ دلیل بجائے خود اس امر کی شہادت ہے کہ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً کے وہ معنی نہیں جو اخلاف شارحین کے کیے ہیں۔ انبیائے کرام ہرگز اِس مطلب کے لیے نہیں آئے تھے کہ فرقہ بند بنکر لوگوں کو آپس میں لڑائیں۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○ (۱۰: ۱۹)

اور انسان تو فی الحقیقت ایک ہی اُمت ہیں لیکن انہوں نے خدا اور کتاب خدا کے متعلق باہمی ضد اور ہٹ دھرمی سے اختلاف پیدا کر لیا۔ اور اے پیغمبر! اگر تیرے پروردگار نے انکو ایک معین مدت تک دنیا میں رکھنے کی پہلے سے ہی نہ ٹھان لی ہوتی تو جن باتوں میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں اب تک کبھی کا انکو صفحۂ ہستی سے معدوم کر کے فیصلہ کر دیا ہوتا۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ○ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ○ (۳: ۱۸-۱۹)

خدا کے نزدیک انسان کا سچا دستور العمل یہی اپنے آپ کو خدا کے ہمہ تن مطیع کر دینا ہے۔ اور اہل کتاب اگر اسلام کے اس جامع الناس مقصد کو غلط سمجھکر آپس میں ایک دوسرے سے مختلف ہو گئے تو اس

---

* یہاں بھی وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً سے مقصود ایک واقع الامر کو ظاہر کرنا ہے نہ کسی گذشتہ واقعے کو یاد دلانا۔ اس طرح کا وَمَا كَانَ کا استعمال قرآن میں بعض جگہ ہوا ہے مثلاً سورۂ شوریٰ کے اخیر میں: وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا (۴۲: ۵۱) "اور یہ کسی بشر کی مجال نہیں کہ خدا اُس سے دو بدو ہو کر کلام کرے مگر وحی کے ذریعے سے" علیٰ ہذا القیاس سورۂ نمل میں ہے: مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا (۲۷: ۶۰) "یعنی تمہاری طاقت نہیں کہ ان کے درختوں کو اُگا سکو" اور سورۂ قصص میں مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ہے۔ یعنی "انکو کچھ اختیار نہیں ہے"۔

بہر نوع یہاں بھی صاف ظاہر ہے کہ منشائے خدا تمام عالم کو متحد کرنا ہے۔ اور یہ کہ انسان اپنی خود رائی کے باعث آپ متفرق ہو گیا ہے نیز یہ باہمی اختلاف اور ایک قوم کا دوسری قوم سے مجادلے اور محاربے کرنا رب زمین و آسمان کی نظروں میں وہ مکروہ اعمال ہیں جن کا فیصلہ وہ کسی نہ کسی دن کرے گا اور زیادتی کرنے والوں کو کما حقہ سزا دیگا!

† ان آیاتِ جلیلہ میں اسلام کی حقیقت قطعاً عیاں ہو جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلام وہ صحیح طرز عمل (الدِّين) او وہ سچا انسانی دستور العمل (الدِّين) اور خدا کا وہ طبعی آئین کار (الدِّين) (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۶۱) ہے جس کا دوسرا نام ایک حاکم اعلیٰ کی ماتحتی میں رہکر اتحاد اور اصلاح بین الناس ہے۔ جو اختلاف پہلے حاملینِ الکتاب میں قائم ہو گیا تھا وہ لوگوں کا خود پیدا کردہ تھا اور اس کا اصلی باعث انسان کی آئین خدا (الْعِلْم) سے بغاوت تھی (بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ)، ورنہ اِسْلَام اور اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ کی صورت میں افتراق قطعاً پیدا ہو نہیں سکتا۔ کیوں کہ ایک آقا کے کئی غلام یا ایک حاکم کے کئی ماتحت ملازم بشرطیکہ وہ اسکے آقا اور حاکم ہونیکے دل سے مقر ہوں اور اسکی طاقت سزا و جزا سے خوفزدہ ہوں آپس میں پھوٹ پیدا نہیں کر سکتے۔ پس یہی اتحاد، یہی قانونِ خدا کے آگے سر جھکا دینا، یہی خدا کو خدا تسلیم کر لینا اِسْلَام ہے اور یہی سچی ہدایت ہے: (فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا) یہاں پھر اتحاد کو ہدایت کہا ہے۔ پہلے دو موقعے آیہ (۲: ۱۳۷) صفحہ ۱۸۷ و (۲: ۲۱۳) صفحہ ۱۸۸ میں گذر چکے ہیں۔ فتاحیہ اور دیباچہ کتاب میں میں نے بعینہٖ یہی اسلام پیش کیا ہے۔ دیکھو صفحہ ۷ افتتاحیہ و ۶۲ الخ دیباچہ

علم کے آنے کے پیچھے جو انکو نبیوں کی وساطت سے منشائے خدا کے متعلق ملا تھا۔ اور زیادہ تر اس اختلاف کی وجہ آپس میں ضد ہی تھی لیکن جو شخص خدا کے صریح احکام کو پس پشت ڈالتے ہیں اُن سے بہت جلد حساب لے لیتا ہے۔ پس اے پیغمبر! اگر مشیّت خدا کی اس کامل تشریح کے بعد بھی یہ لوگ تم سے کٹ حجتی کریں (اور اپنی بزدلی، کم ہمتی، اور ہٹ کے باعث اپنے آپ کو خدا کے سپرد کرنے سے گریز کریں) تو اُن سے کہدو کہ میں تو خدا کے آگے اپنا سر تسلیم خم کر چکا اور جو لوگ میرے پیرو ہیں وہ بھی اپنے آپ کو اللہ کے غلام بنا چکے۔ پھر ان اہل کتاب اور عرب جاہلوں کو کہو کہ کیا تم اس بات کے لیئے تیار ہو پھر اگر ہاں کریں تو بیشک راہ راست پر آگئے اور اگر مُنہ موڑیں تو اے پیغمبر! تم پر حکم خدا کا پونہچا دینا فرض ہے اور بس۔ اور اللہ بندوں کے اعمال کو بغور تمام دیکھ رہا ہے۔

وَلَوْشَآءَ اللّٰہُ لَجَعَلَکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّلٰکِنْ یُّضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ط
وَلَتُسْئَلُنَّ عَمَّا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝ (۱۶: ۹۳)

† اس آیہ شریفہ میں اُمّت واحد بن کر نہ رہنے کو بصراحت تمام ضلال کہا گیا ہے (یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ)، اور متفق و متحد بننے کو بہر حیثیت ہدایت سے تعبیر کیا ہے (وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ)، اور غیر مشکوک الفاظ میں دھمکی دی ہے کہ تفریق و انتشار کی پرسش خدا کی جناب سے ضرور بالضرور ہوگی جیسا کہ آج مسلمانانِ عالم کو ہورہی ہے، مگر وہ نہیں سمجھتے۔ یہاں پر مَنْ بہر اجتماعی موصول ہے اور تمام قوم کیلئے آیا ہے۔ پہلی مثالیں صفحہ ۴۳، ۷۷ پر گذر چکی ہیں۔ اتحاد کو بالالتزام (۲: ۱۳۷)، (۲: ۲۱۳)، (۳: ۱۹)، اور (۱۶: ۹۳) میں ہدایت کے لفظ سے تعبیر کرنا قرآن حکیم کے حیرت انگیز استقلالِ مطالب اور بے مثال تطابق کا وہ بدیہی ثبوت ہے جو ہر صاحب نظر پر واضح ہے۔

شَآءَ کا استعمال اس آیت میں تین بار ہوا ہے اور اس دقیق المطلب اصطلاح کے متعارف مفہوم کو پیش نظر رکھکر بادی النظر میں اعتراض ہو سکتا ہے کہ جب خدائے عزوجل نے انسان کو ایک اُمّت بنانا نہیں چاہا، تو اس بیچارے کا اِسمیں کیا قصور ہے، اور جب خدا اپنے حسب مرضی لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور علی الحساب ہدایت دیتا ہے تو پھر ہم سے پرسش کیوں کرے گا اور اس فعل کو کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ سے تعبیر کرنا روا ہے۔ یہ اعتراض بجائے خود اس امر کی روشن دلیل ہے کہ شَآءَ کے وہ معنی قطعاً نہیں ہیں جو عوام نے لے لیئے ہیں۔ مشیّت خدا کے متعلق مکمل بحث فلسفۂ عمل کے عنوان (غالبًا تیسری مجلد) میں آئے گی۔ اگر متذکرہ صدر آیات کو پیش نظر رکھکر جو اختلاف پسندیٔ انسان کے متعلق پیش ہوئی ہیں ظاہر ہے کہ انسان کے اعمال ہی اختلاف کا باعث ہوتے رہے ہیں، خدا کا منشا ہرگز نہ تھا کہ انسان مختلف الغرض اور منتشر العمل ہو کر رہے لیکن خدائے عزوجل چونکہ قادِرٌ علٰی کُلِّ شَیْءٍ ہے، اور اسکے بالمقابل انسان کا جزوی اختیار محض ہیچ ہے، اسلیئے بلند مقام نظر سے یہ باہمی اختلاف بھی جو انسان نے اپنے اعمال سے باعث پیدا کیا ہے لامحالہ اسکی مشیّت کے مطابق ہو رہا ہے۔ اسکے دائرہ قانون و اقتدار سے باہر ہرگز نہیں ہوتا۔ منشائے الٰہی اور مشیّت ایزدی کے درمیان یہ باریک فرق بعد میں اور بھی عیاں کر دیا جائے گا لیکن قرآن حکیم میں خدائے عزوجل کے متعلق شَآءَ کا استعمال جہاں کہیں ہوا ہے اسی اصول کو پیش نظر بیشتر ہوا ہے اور اس آیہ کریمہ میں تو عَمَّا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ کہہ کر انسانی ذمہ داری کو قطعًا صاف کر دیا ہے۔ پس جب انسان ہی تمام اختلاف کا بانی ہے تو زیر بحث آیت کا ایک ہی مفہوم ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر خدا اپنا منشا کرتا (وَلَوْشَآءَ اللّٰہُ)، اگر وہ اپنی مرضی کے مطابق کرتا اور تمہاری مرضی کو اپنے منشا میں دخیل نہ ہونے دیتا (وَلَوْشَآءَ اللّٰہُ) تو تم کو اُمّت واحدہ بناتا اور روز قیامت تک یوں ہی بنائے رکھتا (لَجَعَلَکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً)، کیونکہ تم سب ایک ہی نوع کی مخلوق ہو

اگر اللہ اپنی مرضی کے مطابق کرتا تو تم کو ایک اُمت بنا کر رکھتا اور تم میں کبھی کسی اہم امر کے متعلق اختلاف نہ پیدا ہوتا۔ لیکن جسکو گمراہی کا اہل سمجھتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسکو درخورِ ہدایت دیکھتا ہے ہدایت دیدیتا ہے لیکن لوگو! یاد رکھو کہ یہ سب تفرقہ جو تم بذاتِ خود آپس میں پیدا کر رہے ہو اُسکی بازپرس تم سے ضرور ہونی ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ (۵ : ۴۸)

اور اے ساکنانِ زمین! اگر خدا اپنی مرضی کرتا (لَوْ شَآءَ اللّٰهُ)، اگر وہ اپنے حسب پسند کام کرتا (لَوْ شَآءَ اللّٰهُ) تو ضرور تم انسانوں کو ایک ہی اُمت بنا دیتا (تم سب کے سب متحد الخیال اور متفق الاعمال ہو جاتے اور

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۹۲) اور واحد الاصل ہو (یہاں اللہ کے لفظ پر زور ہے) لیکن چونکہ اسنے تم اشرف الخلق اور ذی شعور انسانوں کو اپنے اعمال پر ایک بہت بڑی حد تک قدرت دے رکھی ہے اسلیئے یہ اختلاف جو پیدا ہو رہا ہے تمہارے اپنے کرتوت سے ہے۔ اس صورت حال میں وہ خدائے عظیم بھی تمہارے اعمال کو دیکھکر جس قوم کو نااہل قرار دیتا ہے اپنی مشیت[۱] (یعنی قانون اور سنت اللہ) کے رو سے تفریق و شکست کی راہ ضلال دکھاتا ہے: (وَلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ)، اور جسکو بہمہ جوہ اہل سمجھتا ہے اپنی مشیت کے اٹل زور سے اتحاد عمل کا راہ راست دکھاتا ہے: (وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ)، لیکن لوگو! یاد رکھو کہ جو کچھ بھی تم کر رہے ہو اُسکی پرسش ضرور ہوگی: (وَلَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ)۔

آگے چلکر ہم دوسری مجلد میں عیاں کر دینگے کہ خدائے خیر آفریں نے اپنی سب ادنیٰ حیوانی مخلوق کی ہر نوع کو جو انسان کی عیر مانند اپنے میں کچھ اختیار و ارادہ نہیں رکھتی، اور جسکا ذاتی اقتدار منشائے خدا میں کچھ دخیل نہیں ہوتا، امت واحدہ ہی بنایا ہے اُن کے افراد کے مابین خصماً کوئی اختلاف رونما نہیں ہوتا۔ وہ سب کے سب مختلف جماعتوں میں منقسم ہیں۔ لیکن آپس میں متحد و متفق ہیں لہٰذا یہ انسان کا اپنی نوع کے ساتھ تخالف و تباین فی الحقیقت اسکی خود رائی اور صاحب اختیار و ارادہ ہونیکے باعث ہے ورنہ فطرت کا منشائے وحید کم از کم ایک نوع کے افراد میں اتحاد ہی اتحاد ہے۔

۲۰ اس آیہ کریمہ سے اور بھی واضح طور پر عیاں ہو جاتا ہے کہ اختلاف کا اصلی باعث خود انسان ہی ہے: (بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ) اور خدا کی عین مرضی یہ ہے کہ بنی نوع انسان متحد ہو کر رہے۔ "الخیرات" کے صحیح مفہوم کی تشریح صفحہ ۱۳۵ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے اور ظاہر ہے کہ خدا کا کسی اُمت کو اجتماعی انعاموں سے مشرف کرنا اس بات کی علامت ہے کہ وہ اُمت مشیت ایزدی کے مطابق چل رہی ہے۔ (مثال کے طور پر اگر وہ اُمت اُمَّةً وَّاحِدَةً بنکر رہتی ہے اور فرقہ بند نہیں بنتی تو لامحالہ خزانۂ خدا سے بادشاہت یا آزادی وغیرہ کا انعام پاتی ہے) ابتلائے اقوام کے بارے میں ایک آیت مسئلہ ارتقا کے تحت المتن صفحہ ۱۳ میں آ چکی ہے۔ اور یہاں بھی ظاہر ہے کہ اقوام عالم کے متعلق منشائے ایزدی انکا سعی و عمل اور ایک دوسرے پر مسابقت ہی ہے۔ مسئلہ ارتقا کو پیش نظر رکھکر اس آیت کا مفہوم اور بھی واضح ہو جاتا ہے۔

[۱] آگے چلکر فلسفۂ عمل میں ہم ثابت کر دینگے کہ مشیت خدا فی الحقیقت اس کا قانون ہی ہے۔ جو قانون خدائے عز و جل نے روز اول سے بنا دیا ہے، اُسی کے مطابق عمل درآمد ہو رہا ہے، اُسیکے رو سے جزا و سزا مل رہی ہے اور وہی اُسکی مشیت ہے۔ ہر معقول حاکم کے شایان شان یہی ہے کہ ایک دفعہ سوچ سمجھکر قانون نافذ کر دے اور پھر اسکے مطابق عمل کرنا اپنا فرض گردانے، حتی الامکان اُسپر قائم رہے، بلکہ اُسکو ہر خارجی آسیب سے بچائے رکھے۔ خدا کی مشیت العیاذ باللہ کوئی استبدادی مشیت نہیں کہ گھڑی میں ماشہ اور گھڑی میں تولہ بن دکھائے بلکہ وہ روز آفرینش سے اٹل ہے، ناقابل رد و بدل اور نا لائق ترمیم ہے: فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝ (۳۵ : ۴۳)، یعنی "اے مخاطب! تو قانون خدا میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائے گا اور ہرگز کوئی تحول نہیں دیکھیگا"۔

تم میں کسی امر کے متعلق کوئی کشمکش پیدا ہی نہ ہوتی) لیکن یہ صورت اختلاف جواب تمہاری اپنی خود رائی، خدا سے برگشتگی، اور ضلال کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے اسلیئے ہو کہ وہ خدائے عالمیان تم سب مختلف شدہ اُمتوں کا امتحان اُن اہلیتوں کے بارے میں لے جو اُسنے تم کو دی ہیں (لِیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ)، تو اے انسانی اُمتو! تم بھی اس آزمایش میں پورے اُترنے، اور اس کشاکش عظیم میں فتح پانے کیلئے خداوند عالم کے بہترین اجتماعی انعاموں کی طرف مسابقت کرو (فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ)، جانے رہو کہ تم سبنے خدا کی طرف لوٹنا، اور اُسکے حضور میں اپنے سعی وعمل کی جوابدہی کرنی ہے، پھر اُسدن وہ انسانوں کا خالق خدا تم کو اُس حقیقت حال سے آگاہ کر دیگا جسکے بارے میں تم آپس میں اختلاف پیدا کرتے تھے!

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَ لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ۝ (۱۱: ۱۱۸–۱۱۹)

اور اے پیغمبر! اگر تیرا پروردگار اپنے منشا کے مطابق کرتا تو تمام لوگوں کو ایک اُمت بنا دیتا۔ لیکن یہ لوگوں کی شقاوت ہی کہ وہ ہمیشہ آپس میں اختلاف قائم کرتے رہتے ہیں۔ اور متحد اور متفق العمل ہو کر

مل؎ جو حیرت انگیز اور موت افزا معنوی تحریف کچھ مدت سے اِن دو آیات جلیلہ کے مطالب میں بعض نا عاقبت اندیش مسلمانوں نے عمداً اور شرارتاً پیدا کر دی ہے، جس دیدہ دلیری اور ابلیسی مکر دیا ہے وہ ان آیات الٰہی کو سند گردانکر اپنی موجودہ فرقہ بندی اور شکست انگیز حالت کو "جبلت انسانی" بلکہ "مشیت ایزدی" پر محمول کر کے موت کی نیندیں لے رہے ہیں اور چار دانگ عالم سے ایک آواز اس تشریح کے برخلاف اُٹھتی دکھائی نہیں دیتی، اس سے آج عالم اسلام کے فقدان فہم وفکر کا خوب پتہ چلتا ہے اور یہ امر متحقق ہو جاتا ہے کہ جب کسی اُمت کی اجتماعی موت قریب ہوتی ہے تو سمع وبصر اور قلب سلیم اُسکے افراد سے خود بخود رخصت ہو جاتے ہیں، اور اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَمْ یَبْقَ اُذُنٌ وَّلَا عَیْنٌ کا سماں ہر طرف عملاً بندھ جاتا ہے۔ آج مسلمانوں نے "وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ" کا یہ مطلب سمجھ لیا ہے کہ انسان فطرتاً اور خلقاً اختلاف پیدا کرنے پر مجبول مجبور ہے، اور وَلَوْ شَآءَ کا محاکمہ اسکی تائید میں ہے! اور اسی لیئے مسلمانوں کی موجودہ حالت طبعاً اور حکماً لا علاج ہے، بلکہ اختلاف پیدا کرنا اور اُمت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے شکستہ ریخت کے جہنم کی طرف گھسیٹنا ہی "رحمت" الٰہی کی علامت اور مشیت خدا کی تکمیل ہے! اس شرارت انگیز تعلیم کی تلقین آج ہر خطیب خوش گلو اپنے ماتم افزا حجرے میں بیٹھکر کبر و نخوت سے کر رہا ہے اور اپنے زعم میں رب زمین وآسمان کی ایک اہم ہدایت کی تبلیغ کر رہا ہے۔ اور یہ سب نشر و تبلیغ صرف ونحو کے اُن خدا فرسا قاعدوں کے تتبع میں ہو رہی ہے۔ جن کے پیغمبر قطرب اور کسائی وغیرہم تھے، اور جنہوں نے اپنی متنبیت کے زور میں کبھی کہہ دیا ہوگا کہ ذٰلِكَ اکثر اشارہ قریب کے لیئے آتا ہے، اور اشارہ بعید کے لیئے ذٰلِكَ کا لفظ وقف ہی۔ اس فرمان واجب الاذعان کے رو سے ذٰلِكَ کا مشار الیہ مُخْتَلِفِیْنَ ہی ہو سکتا ہے، "اُمَّةً وَّاحِدَةً" نہیں ہو سکتا۔ اور اسی لیئے رب زمین وآسمان اُن کے زعم میں اختلاف کا یکسر حامی ہے! یہ سب طرز استدلال ظاہر ہے کہ نہایت لغو اور شرمناک ہی۔ اور کسی ذہن سلیم کے لیئے قابل التفات نہیں۔ یہاں پر اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ کے الفاظ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ اختلاف پیدا نہ کرنا اور اُمت واحدہ بنے رہنا رحمت خدا کی نشانی ہے، اور لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ کا اشارہ قریب اسی رحمت مستمرہ کی طرف ہی، وَلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ کے الفاظ کی طرف نہیں ہو سکتا

تو وہی رہتے ہیں جن پر تمہارا پروردگار رحم کرے۔ فی الحقیقت خدا نے انسانوں کو پیدا بھی ایسی
کیا تھا کہ ایک اُمت بن کر رہیں، لیکن اگر یہ اختلاف نہ مٹا تو فرمودۂ خدا پورا ہو کر رہیگا کہ ہم کیا جن
اور کیا انسان سب سے دوزخ کو ضرور بھر دینگے، اور نافرمانی احکام کا انتقام لیکر رہیں گے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۹۴) دور جا پڑے ہیں۔ لیکن اتحاد کا اسلامی تعلیم کا جزو اعظم ہونا چونکہ مسلمانوں کی موجودہ فرقہ بندیوں کا شدت سے مانع ہے اور آگے چلکر ایسی اُمت کے کل جن و انس کو جہنم میں بھر دینے کی دھمکی بھی دی گئی ہے اس لیے امت حاضرہ پر (جسکے لیے آتش جہنم کے ناخداؤں کے زعم میں جہنم کی آگ مدت سے حرام ہو چکی ہے) اسکا اطلاق حتماً نہیں ہو سکتا! اس خوش اعتقادی کا نتیجہ بعض اوقات یہانتک ظاہر ہوا ہے کہ لوگوں نے "وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ" تک ایک مضمون سمجھا ہے اور "لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ" کو نیا مضمون فرض کر کے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر گئے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض حلقوں میں جہنم والے آخری جملے کو پہلے مضمون کے ساتھ ملا کر پڑھنا ناروا سمجھا گیا ہے۔ اور دلیل یہ دی گئی ہے کہ جب اختلاف پیدا کرنے سے مشیت ایزدی کی تکمیل ہو رہی ہے اور یہی انسانی فطرت بھی ہے تو پھر ایسی انسان کا کوئی قصور نہیں، اور جہنم کی سزا بھی اس قصور کے متعلق نہیں۔

اصل کتاب میں ان آیات کے صحیح مطالب واضح کر دیے گئے ہیں اور ہر صاحب نظر بطور خود سمجھ سکتا ہے کہ قرآن حکیم کس استقلال اور التزام سے جا بجا اتحاد بنی نوع انسان کا حامی اور وحدت امت کا مؤید ہے اور تناقض اور اختلاف کے انسانی عیب سے کسقدر متبرا ہے لیکن آیۃ (۱۱: ۱۱۹) کے آخری جملے کے متعلق "تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ" کے معانی کی ضروری توضیح باقی ہے جو یہاں پر لکھدی جاتی ہے۔

سورۂ اعراف میں شیطان کے انسانی اغوا کے متعلق یہ معنی خیز مکالمہ درج ہے۔ جس پر آج ہر جگہ حرف بحرف عمل ہوتا ہوا ہر صاحب نظر کو نظر آرہا ہے:

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۭ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (۷: ۱۶-۱۸)

پھر شیطان رب زمین و آسمان کی جناب میں یوں گستاخی سے بولا کہ اے مالک کون و مکاں! جس طرح تو نے مجھے ناحق ناروا انسان کے مطیع ہو کر نہ رہنے اور اُسکے آگے سجدہ نہ کرنیکے جرم میں جنت کے آرام دہ سبزہ زاروں سے نکالا ہے تو میں بھی بنی نوع انسان کی تاک میں تیرے بتائے ہوئے صراط مستقیم پر بیٹھا رہونگا، پھر انکو اس صراط مستقیم سے بھٹکانے کی غرض سے طرح طرح کے لباس پہنکر اور قسما قسم کے مکر و فریب کے بھیس اوڑھ کر کبھی آگے سے آدونگا، اور پیچھے سے جا ملونگا، کبھی داہنی طرف سے آملونگا، کبھی بائیں طرف سے آ سلام کرونگا، اور جس طرح بن پڑے گا سادہ لوح انسان کو بہکا کر رہونگا، اور اگر میرا تیر نشانے پر بیٹھ گیا تو انسانوں میں اکثر کو تو اپنا قدردان اور مطیع نہ پائیگا۔ شیطان کی اس انتہائی گستاخی پر خدائے عزوجل تلملا اٹھا اور فرمایا کہ باغ بہشت سے یکدم نکل باہر ہو، اور سدا کے لیے ملعون اور مردود بنا رہو۔ لیکن بنی نوع انسان میں سے جس جس نے تیری پیروی کی ہو گی تو یہ میرا حتمی وعدہ ہے کہ میں بھی تم سے اور اُن سب سے جہنم کو لبالب بھر دوں گا۔

شیطان کی ماہیت سے یہاں پر بحث نہیں، اور نہ اسپر کہ یہ مکالمہ کیونکر ہوا اور کہاں پر ہوا لیکن ان آیات کے آخری جملے سے ظاہر ہے کہ "تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ" والی آیت یعنی (۱۱: ۱۱۹) میں اسی قول کی طرف اشارہ ہے صفحہ ۱۸۸ کے تحت المتن میں آیت (۲: ۲۱۳) کی تشریح کے ضمن میں ہم ابھی ابھی بتا آئے ہیں کہ اتحاد امت ہی صراط مستقیم کی ایک اہم شق ہے پس شیطان کا صراط مستقیم سے ورغلانا انسانوں کے درمیان نفاق پیدا کرنا ہی ہے۔ اور اسی اختلاف کی سزا میں شیطان اور انسان دونوں کو جہنم میں بھر دینے کی دھمکی دی گئی ہے اور صاف فرمایا ہے کہ جو قوم اس طرح پر شیطان کی متابعت کرے گی اُسپر یہ قول پورا ہو کر رہے گا۔ بعینہ اسی طرح کا مکالمہ سورۂ صٓ میں ہے:-

(باقی)

تمکنِ اسلام و نقشِ توحید

كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ (۴: ۱۳۵)

(خدا کے وجود کی گواہی دیتے ہوئے اعتدال پر قائم رہو)

آہ! یہ وہ ماحیٔ اختلاف، متحد الاعمال، اور جامع النّاس اسلام تھا جس کا آماجگاہ سعی روئے زمین پر ایک اُمت کا قیام تھا۔ فطرت کی اساسی وحدت اور اتحاد، اور اولادِ آدم کے طبعی اور نوعی

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۱۹۵) قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ ۝ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَ مِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ (۳۸: ۸۲-۸۵)

اس پر شیطان لعین نے کہا کہ مجھے تیری عزت کی قسم کہ میں بھی ماسوا اُن چند بندوں کے جو خالصۃً تیرے ہی غلام ہیں اور جو میرے بس کے نہیں باقی سب کو گمراہ کر کے رہونگا۔ رب لم یزل نے فرمایا کہ بہت خوب تو نے اپنا عندیہ سچ سچ کہدیا اور اب میں بھی سچ ہی کہتا ہوں کہ اگر یہ ہوا تو ہم بھی تم کو مع تمہارے چیلے چانٹوں کے جہنم میں لبالب بھر دینگے۔ یہاں مِنْكَ کی تخصیص سے ظاہر ہے کہ انسانوں کے سوا خود ابلیس بھی جہنم میں بھر دیا جائیگا۔ گویا آیت زیر بحث یعنی (۱۱: ۱۱۹) میں مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ کے الْجِنَّةِ سے مراد شیطان یا وہ شیاطین کا گروہ ہے جو انسان کو صراطِ مستقیم سے ورغلاتا رہتا ہے۔ میں اس موقع پر حقیقتِ شیطان یا ماہیت جن کی بحث میں پڑنا نہیں چاہتا۔ صرف اپنے قول کی تائید مزید میں سورہ کہف کی آیت كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ (۱۸: ۵۰) کو پیش کرتا ہوں جہاں بصراحت تمام ابلیس کو از قسم جِن کہا گیا ہے جس نے حکم خدا سے سرتابی کی تھی۔ جہنم کو بھر دینے کا ایک اور اشارہ سورہ سجدہ میں ہے؛

وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَلَٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ (۳۲: ۱۳)

اور اگر ہم اپنی مرضی کے مطابق عمل کرتے (وَلَوْ شِئْنَا)؛ (یہاں بھی آیہ (۱۱: ۱۱۸) صفحہ ۱۹۴ کی طرح شِئْنَا کے نَا پر زور ہے) اور انسانی اختیار و ارادے کو اپنے منشا میں دخیل نہ ہونے دیتے تو ہم ضرور بالضرور ہر فرد متنفس کو اُسکے صراطِ مستقیم اور صحیح راہ عمل (هُدَاهَا) پر چلا دیتے؛ (اور وہ ہدایت لامحالہ یہی امت واحدہ بننے کی ہدایت ہوتی)، لیکن چونکہ انسان اصلاً خود رائے ہے اور ہدایت کو من و عن مان لینا کسرِ شان سمجھتا ہے اس لیئے لامحالہ میرا وہ قول پورا ہو کر رہے گا جو میں نے شیطان سے کیا تھا کہ میں ضرور بالضرور جہنم کو جن و انس سب سے لبالب بھر کر رہوں گا۔

یہاں وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا اور لَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً میں معنوی ترادف عیاں ہے کیونکہ ہدایت کے قرآنی معانی کی ایک اہم شق ہم اتحادِ امت ثابت کر چکے ہیں (دیکھو صفحہ ۱۹۲) اور یہاں پر اس مفہوم کی تائید مزید ہوتی ہے۔

بہر نوع اس تمام استدلال کو پیش نظر رکھکر یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ اُمتِ واحدہ بنے رہنا فطرتِ انسانی ہے اور منشائے الٰہی کے عین مطابق ہے، اختلاف کی سزا شکست و ریخت کا جہنم اس دنیا میں، اور آخرت میں اس سے بدترین حالت ہے۔ اسلام تمام عالم کو توحید کے نصب العین پر متفق العمل کر کے امت واحدہ بنانے آیا تھا، فرقہ بندیاں پیدا کرنا اسکا مآل کار ہرگز نہ تھا۔ سب انبیاءؑ کو منجانب اللہ تسلیم کر لینا، سب الہامی کتابوں کا نفس مضمون ایک سمجھنا، ایک خدا کی ملازمت پر متفق العمل ہو جانا، ایک حاکم اعلیٰ کو ماننا، اور اُسکے سوا کسی دوسرے رب کے پیچھے لگ کر فرقہ بند نہ بننا، اسلام کی اصلی تعلیم تھی۔ اُمتِ واحدہ بنے رہنا اسکا بتایا ہوا صراطِ مستقیم تھا، متحد الغرض اور متفق العمل رہنا اسکی ہدایت تھی۔ یہی الْهُدَىٰ، اور دِينُ الْحَقِّ کا صحیح مفہوم تھا (دیکھو آیہ (۶۱: ۹) صفحہ ۱۸۳)۔ اسی فطرت کے عظیم الشان اصل الاصول کو لیکر رسولؐ آیا تھا اور اسیکا نتیجہ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ تھا۔ اسی پر عمل کر کے قرنوں تک مسلمان عالم پر غالب ہے، اسی پر آج سب مغرب چلکر غالب آ رہا ہے، یہی وہ دینِ فطرت کی ایک اہم شق ہے جس پر تمام عالم مجبول ہے (فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (۳۰: ۳۰)) اور اگر آج مسلمان اس سبق کو بھول کر شکست پر شکست کھا رہے ہیں تو اسکی وجہ بھی اسی دینِ فطرت سے انحراف کے سوا اور کچھ نہیں!

ائتلاف کی طرف یہ آخری بازگشت تھی جسکا اولین پیش نہاد ساکنانِ عالم کو پابندِ خدا، اور بریدہ ماسوا کرکے ایک کردینا تھا! دین اسلام کی صلائے عام (۳: ۹۳)، (۳: ۸۴)، (۲: ۲۶۳)[۹۵] انسان کی اعتقادی اور نسلی، ملکی اور تہذیبی تفریق و تحزیب کے برخلاف وہ عربدہ جو صدا، اور آمادہ پیکار آواز تھی جس سے عہدہ برآ ہونے کی شرط وحید **توحید** کا عملی اقرار، اور بندگی خدا کا عملی اعتراف تھا؛ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ[۱۵] (۳: ۸۴)، فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ[۹۲] (۴۰: ۱۴)؛ بین الملی مصالحت اور جنسی اتحادِ عمل کی یہی وہ طبعی اور قابل تسلیم بنا، اور یہی وہ مشترک اساس تھی جس پر خلقِ خدا کے اجماع و ائتلاف کا امکان ہوسکتا تھا؛ اس **اللّٰہ احد** کی عملی اور نتیجہ خیز للکار میں ہی وہ آسمان شگاف

[۹۱] اور جو شخص اس عملی اسلام کے سوا کسی اور مذہب عمل کی تلاش میں ہوگا، اسکا وہ مسلک ہرگز قابل قبول نہیں ہوگا، اور بالآخر وہ زیاں کاروں میں سے ہوگا۔

[۹۲] تو اے ایمان والو! اپنی تمام ارادتمندی اور عقیدت کو اسی خدا کے لیئے مخصوص کرکے اس کو پکارا کرو، اگرچہ منکرین خدا کو برا ہی کیوں نہ لگے۔

* یہ آیۂ شہیرہ قرآن حکیم میں صفحہ ۱۸۸ کے متن کی آیہ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ (۳: ۸۳) کے عین بعد واقع ہوئی کہ دونوں آیتوں کو ملاکر پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ الاسلام، درحقیقت انبیائے جہان کو صرف ایک پیغام (الکتٰب) کا حامل سمجھنے، ان میں سے کسی ایک کو دوسرے سے الگ مذہب کا موجد نہ تقیین کرنے، بنی نوع انسان کو مشترک اساس عمل پر لانے اور خدا کو فعل و عمل میں حاکم اعلیٰ تسلیم کرکے اسکے قانون پر عمل کرنے کا نام ہے۔ یہی وہ راہ عمل (دین) تھی جسکے سوا کوئی اور طرزِ عمل اختیار کرنا خدا کی نظروں میں پسندیدہ نہ تھا: (فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ) گویا تفرقہ ایجاد بننا، عمل میں اتحاد انسانی کو پیش نظر نہ رکھنا، اور اپنے سعی و عمل کا مطمح نظر اصلاح بین الناس نہ سمجھنا وہ شیوہ کار ہے جسکا نتیجہ بہت برا ہے، جس کا انجام شکست و ریخت ہے: (وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ) جس میں بالآخر نامرادی ہی نامرادی ہے۔ یہ دونوں آیتیں اسلام کو مجسمہ اتحاد ثابت کرنے میں بے مثل ہیں مگر آج لوگوں نے آیۂ وَمَنْ يَّبْتَغِ الخ کا مطلب یہ سمجھ لیا ہے کہ جب تک کوئی قشقہ نما برہمن اپنی چٹیا کاٹ کر اور زنار توڑ کر کسی امام مسجد کے ہاتھ پر اس کے کہنے کے مطابق کلمۂ شہادت نہ پڑھ لیگا، اور بعدازاں ٹخنوں تک کے پائینچے والے پاجامے اور شرعی جبہ و دستار کو تادم موت اپنا اسلامی شعائر نہ بنالے گا تب تک اس بے چارے کو قیامت کے دن گھاٹا ہی گھاٹا ہے۔ گویا آخرت کو سدھارنے کے لیئے اس ہیئت کذائی میں ہونا لازمی ہے۔ اور رب زمین و آسمان اسی طرح کی قطع کی ہوئی قمیص و ازار کو پسند فرماتا ہے۔ کسی دوسرے خیاط کے ہاں کا بنا ہوا کپڑا اسکو پسند نہیں۔ آہ! قرآن حکیم کے الفاظ اسیطرح باقی ہیں صرف روح نکل چکی ہے۔ اور نکلکر کسی حقیقت شناس اور دقیقہ رس قوم کے جسم کی مکین بن رہی ہے! مگر جس قوم میں حلول کرگئی ہے۔ اس کی رگ رگ میں بس کر انمیں حیات کا عالم انگیز خون دوڑا رہی ہے۔ مسلمان لاکھ بار اپنے اس شرعی اور موت انگیز اسلام کو اسلام سمجھتے رہیں لیکن اسلام وہیں ہی جہاں اس خدائے بے نیاز اور حاکم عادل کیطرف سے قبولیت کی سند مل رہی ہے، جہاں طاقت اور حکومت، عزو شرف کا دریا امڈ رہا ہے، جہاں سلطنتیں لونڈیاں بنی ہوئی ہیں، جہاں بادشاہت زمین کی عروس جلوہ گر ہے۔ جہاں دولت، وقار، رعب اور حکم کی دیویاں ہاتھ باندھے کھڑی ہیں نہ اسجگہ جہاں سب طرف عجز و مسکنت ہی، خوف ہی بیچارگی ہے، مانگے ہوئے ٹکڑوں پر گذارہ، اور جوتیں جزو بدن ہورہی ہیں!

[۹۵] دیکھو صفحہ ۱۸۷ و ۱۸۸۔

طاقت، اور وہ انجذابی اثر پنہاں تھا جو ہر مقامی نصب العین، اور ہر نسلی مطمح نظر کو نالائق التفات کر دیتا تھا؛ اسی حقیقت کی عالم آرا عظمت، اور مستم بالشان نافعیت[†] کے باعث مومن کا ایمان ایثار کا لازوال مصدر اضطراری عمل کا عظیم الشان پیکر، اور ہجوم قوت کا بے خوف و خطر مسکن بن گیا تھا۔ لیکن یہ توحید ہی وہ مُسکنِ قلب اور مزکّیِ نفس دوا تھی جو غلبے کے مُسکراثر کے باوجود قدم قدم پر بہیمی جذبات کو مشتعل ہونیسے روکتی تھی، جو بڑے سے بڑے دشمن کے بالمقابل رِفق و سماحت حُسنِ معاملت اور اخلاق کے ملکوتی صفات کو ہر مومن کے قلب میں موجزن کیئے رکھتی تھی، جو احتساب نفس کی پیہم قطع و برید کے باعث اُسکے ادنیٰ سے ادنیٰ عمل کو بھی حدِ اعتدال سے گذرنے نہ دیتی تھی، جو حق خدا کی ہر دم محافظ، اور حقوق عباد کی ہر آن نگراں تھی، جسنے حُسنِ خلاق کی ربانی فضیلتیں، اور خوفِ خدا کی قدوسی بزرگیاں ہر متنفس کے اعمال میں جاری و ساری کر دی تھیں، جسکے صحیح نقش نے مومنوں کے زندہ قلوب میں باہمی محبت کا حِس، اور یک رنگی کی لہر دوڑا دی تھی، جسکے مصلح اعمال اثر نے مسلمان کی زندگی کو ہر انسان کے لیئے قابل تقلید نمونہ بنا دیا تھا۔ اسی توحید کے نفع مند اور نتیجہ خیز یقین نے، مُسلمانوں کے روزانہ معاملات میں بلا تفریق قوم، اور بلا امتیاز مذہب راستی اور صلاحیت پیدا کر دی تھی؛ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (۳: ۷۵)[۵۱][‡] میدانوں میں لڑنے والے یہ شیر ہر بر، اور پہاڑوں سے ہاتھا پائی کرنے والے یہ

---

[۵۱] سچ تو یہ ہے کہ جو شخص بھی اپنے عہد پر قائم رہا، اور خوفِ خدا کے باعث بد معاملگی سے بچا تو اللہ تقویٰ کرنے والوں کو بیشک دوست رکھتا ہے۔

[†] توحید کے متعلق میں نے قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ اس کا اٹل نتیجہ اتحاد قلوب ہے علیٰ ہذا القیاس جو قوم متحد ہے اُسکے افراد کے دلوں میں توحید بس رہی ہے! چونکہ سب ایک کام کر رہے ہیں اسلیئے اُنکا آقا بھی ایک ہے۔ جو قوم متفرق ہے اُسکے خدا بھی الگ الگ ہیں بلکہ اُسکا خدا درحقیقت شیطان ہے جو اُسمیں عداوتیں ڈالتا رہتا ہے۔ ہر شخص اپنے اپنی خدا میں منہمک ہے۔ اسی لیئے اتحاد عمل کی کوئی صورت پیدا ہو نہیں سکتی۔ یہی راز اللّٰهُ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ (۸: ۶۳) صفحہ ۱۶ کے الفاظ میں مضمر تھا۔ اسی نقطۂ نظر سے توحید کی نافعیت ظاہر ہے

[‡] یہاں ایفائے عہد کو اتقائے الٰہی پر محمول کیا گیا ہے گویا جو شخص اپنے قول کا پکا اور معاملے کا راستباز ہے وہ خدا سے صحیح معنوں میں ڈر رہا ہے، اُسکو اللہ کے ہر دم حاضر و ناظر ہونے کا یقین ہے، وہ فی الحقیقت اُس پاک ذات کو اپنے اور فریق ثانی کے درمیان گواہ (یعنی شاہد) اور ضامن ٹھہرا کر عہد کرتا ہے، اور پھر ایسی جلیل القدر ذات کی ضمانت میں اُس عہد کو نباہنے کے لیئے اپنی جان تک کی پروا نہیں کرتا۔ ایسا کھرا شخص اور ایسی خوش معاملہ قوم بلا شبہ خدا کی دوستی کے قابل ہے: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ سورۂ نحل میں ہے:

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (۱۶: ۹۱)

جانبازِ بطل، اسلام کی تنبیہی صدا اور اللہ کے امر و نہی کے آگے یوں جُھک گئے تھے کہ اُنکے اعمال کو دیکھ کر بعض اوقات ان کی بشریت پر گمان گذرتا تھا! وہ سلاطین عالم پر تحکّم کی نظر رکھتے تھے، مگر استکبار و تعلّی کا

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۹۸) اور لوگو! جب جب کسی شئے کے کرنے کا اپنے دل میں عزم مصمم کر لو تو اس خدا سے باندھے ہوئے عہد کو پورا کرکے رہو، اور یہی نہیں بلکہ اُن معاہدوں کو جنکو تم اپنے داہنے ہاتھوں (الایمان) کو ایک دوسرے سے ملا کر کرتے ہو، پکا کئے پیچھے نہ توڑو کیونکہ اگرچہ معاہدہ دو شخصوں ہی کے درمیان ہوا ہے مگر تم فی الحقیقت خدا کو اپنا ضامن ٹھیرا چکے ہو، اور اس میں شک نہیں کہ جو کچھ تم کرتے ہو خدا اُس سے بخوبی واقف ہے۔

اسلام نے ایفائے عہد کو ہر حالت میں سختی سے برقرار رکھنا اپنے پر اسقدر لازم کر لیا تھا کہ عین اُسوقت جب کہ اکیس برس† کی مسلسل سعی و عمل کے بعد مدینے میں مسلمانوں کی اجتماعی طاقت اوج کمال پر پونہچ چکی تھی، جب دشمنانِ دین کو خدا کی جناب سے قتال کی صلائے عام مل رہی تھی اور برأت کی آیتیں نازل ہو رہی تھیں، رب عزوجل نے مسلمانوں کو عہد پورا کرنے کی بہرحال تلقین فرمائی اور کہدیا کہ میری دوستی کا تقاضا یہ ہے کہ میری ضمانت رسوا نہ ہونے پائے، جبتک عہد ہو چکا ہے تب تک قائم رہے بعد ازاں تمہارا اختیار ہے لیکن اُس سے پہلے دشمنوں کو چھیڑنا اتقائے خدا کے برخلاف ہے:

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝ (۹:۴)

ہاں یہ سب کرو لیکن دشمنانِ دین میں سے جن لوگوں کے ساتھ تم نے صلح کا عہد و پیمان کر رکھا ہے، اور بعد ازاں انہوں نے ایفائے عہد میں تمہارے ساتھ کسی طرح کی کمی نہیں کی، اور نہ تمہارے مقابلے میں کسی کی مدد کی، وہ مستثنٰی ہیں۔ اُن کے ساتھ جو عہد و پیمان ہے اُسے اس مدت تک جو اُنکے ساتھ ٹھیری تھی پورا کرو۔ اور جانے رہو کہ خدا بے نیاز انہی لوگوں کا دوست ہے جو اس سے صحیح معنوں میں ڈرتے رہتے ہیں اور بہرحال اُسکی آبرو کو برقرار رکھتے ہیں۔

یہاں چھ سورتوں کے تفاوت کے بعد ایفائے عہد کے بارے میں پھر وہی إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝ کے الفاظ دہرانے، اور تکمیل عہد کو اتقائے الٰہی پر محمول کرنا قرآن کے حیرت انگیز تطابق اور اتحاد مطالب کا بدیہی ثبوت ہے۔

عہد و پیمان کو برقرار رکھنا، اسمیں ذاتی اغراض کو بہرحال حائل نہ ہونے دینا، ہردم خدا کو فریق ثالث سمجھتے رہنا، اور ایفائے عہد کا اطلاق بلا تفریق رنگ و نسل ہر قوم پر کرنا وہ عظیم الشان سیاسی اصول ہیں جنپر ہر سلطنت کی بنیادیں اُستوار ہوتی چلی آرہی ہیں۔ جبتک مسلمانانِ عالم نے اس اصل اصول کو برقرار رکھا وہ تمام عالم کے بادشاہ بنے رہے، جب اُن سے یہ حبل متین چھوٹ گئی، اور مغربی اقوام کی استواری عہد کی دھاک بیٹھی تو مغرب کو ایشیائی اقوام پر وہ تسلط اور تمکن، اور عزت کو اپنے وہ اعتماد و اتحاد انکا نصیب ہوا کہ دنیا عش عش کر اٹھی، اور آج جبکہ انگلستان کے عدم اتقا اور بد عہدی کا چرچا ہر جا ہو رہا ہے تو اُسکے رعب و وقار کی بنیادیں بھی اُس تیزی سے ہل رہی ہیں کہ ہر صاحب نظر قانون خدا کے اٹل ہونے کا ثبوت پا کر کپکپا جاتا ہے۔

قرآن حکیم کے عجائب خانے کے اندر یہ آیتیں وہ عزیز القدر جواہر ریزے ہیں جو تہوں کے اندر لپٹے ہوئے موجود ہیں، انکی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ لگانا، انکی حکمت عالیہ کی تہ تک پونہچنا ناشناس کا کام ہرگز نہیں! یہ وہ انمول موتی ہیں جنکو نااہل کا ہاتھ لگنا بھی جائز نہیں، وہ انکو سنگ و خذف سمجھکر پھینک دیگا، اُسکے آئے سفید معانی کرکے وہ انہیں اساطیر الاولین سمجھ لیگا۔ لیکن جن قوموں نے ان کشورکشا اصول کو لیکر خزانہ غیب سے انعام پائے ہیں وہی ان الفاظ کو سمجھیں گی، نادان کیا سمجھے اور کیا پائے اسکا پلید دماغ اور نارسا ذہن قرآن کے پاکیزہ مقولات کو معرض بحث میں لا کر درحقیقت پلید کر رہا ہے اور اسی لیئے قرآن عظیم کو ایسے شخص کے ہاتھ لگنے سے چڑ ہے:

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ (۵۶: ۷۷—۸۰)

† سورۂ برأۃ کی پہلی آیتوں کا نزول ۹ ہجری میں ہوا تھا گویا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کو اکیس برس گذر چکے تھے۔

اُن میں نام نہ تھا! وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ٥ (۱۷: ۳۷)[51] وہ آسمان کی
زمینوں پر تمکن کے چشم براہ تھے، مگر اللہ کی اِس زمین پر دھیمے چلتے تھے! وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ
عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ٥ (۲۵: ۶۳)[52] مغرور و متکبر شہنشاہوں کے تاج آئے دن

[51] اور اے انسان! میری اِس زمین پر اکڑ کر مت چلا کر کیونکہ اِس دھاکے کے ساتھ چلنے سے تو زمین کو پھاڑ نہیں سکیگا، اور نہ تن کر چلنے سے تو پہاڑوں کی لمبائی کو پہونچ سکیگا۔ [52] اور اللہ کے پیارے بندے تو وہ ہیں جو اِس زمین پر فروتنی کے ساتھ چلیں، اور جب کم علم اور لغو ران آدمی اُنسے بحث مباحثہ کریں تو سلام کہہ کر ٹال دیا کریں۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۹۹) لوگو! یہ قرآن عظیم بڑی ہی عزیز القدر کتاب ہے۔ اسکے اندر کے جواہر ریزے اوراق میں تہ در تہ اس طرح لپٹے ہوئے ہیں کہ قدر شناس لوگوں (الْمُطَهَّرُونَ) کے سوا کوئی اسکو چھونے نہیں پاتا، کوئی اسکی تہ کو نہیں پونچتا، اُنکی عظیم الشان نافعیت کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ اِسکے اندر یہ بے بہا گوہر کیوں نہوں یہ تو پروردگار عالم کی طرف سے اتارا ہوا کلام ہے!

سلطنت کے امور عالیہ تو یک طرف، ذاتی اور چھوٹے چھوٹے معاملات میں بھی آج مسلمان کو قطعاً حس نہیں رہا کہ وعدہ کیا شئے ہے، اسکے ایفا کے کیا معنی ہیں، وہ کس سبیل کا نام ہے، اسکے کرتے ہی کسقدر اہتمام کی ضرورت ہے، خدا کے نزدیک اسکا پورا کرنا کسقدر محبوب ہے۔ اسلاف صالحین کے نزدیک کریم النفسی بلکہ مردمی یہی تھی کہ وعدہ بہرحال وفا ہو خواہ اسکے ایفا میں جان جوکھوں نہیں ہے الکریم اذا وعد اوفی۔ اور قول مرداں جان دارد کے مقولے اسکی شہادت میں ہیں۔ لیکن آج بدعہدی اور نایادداری کا شیوہ زنان مسلمانوں میں اسقدر رواج پا گیا ہے کہ مرد ایک نظر نہیں آتا۔ یورپ کی قومیں مقابلۃً اب بھی بدرجہا اچھی ہیں، ان میں ایفائے عہد کا خاص اہتمام ہے، پابندی وقت بیحد ہے، زمین و آسمان ٹلجاتے لیکن اوسط مغربی اپنے وعدے کو ٹال دینا نامردی سمجھتا ہے اور اِسی لیئے صحیح معنوں میں متقی ہے، محبوب خدا ہے، اور اِسی محبوبیت کے صدقے میں بادشاہت زمین کا انعام پا رہا ہے!

✤ تکبر نہ کرنا اور زمین پر اکڑ کر نہ چلنا جہانبانی، حکمرانی، اور ہر دلعزیزی کا وہ عظیم الشان اصل اصول ہے جس کی اہمیت کا صحیح اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے متکبر و فرعون اعمال اقوام کی بادشاہت کے تختے اپنی آنکھوں سے لٹتے دیکھے ہیں۔ آج مغرب کے متمرد اور نا انجام شناس حاکموں کے اپنی رعیت سے فرعونی سلوک کا دردناک نتیجہ ہندوستان کی مسافر نواز اور غیر پرور زمین میں سے دیکھ رہا ہے کہ برطانیہ کی عالم آرا سلطنت کی بنیادیں سو برس کی نہایت قلیل مدت میں متزلزل ہو چکی ہیں، دلوں پر حکومت کے آثار قطعاً باقی نہیں رہے، اعتماد کا اکثر حصہ کالعدم ہو چکا ہے، رعیت کے دل بگڑ چکے ہیں، اور اگر نظام سلطنت باایں ہمہ باقی ہے تو کشمر جبر و تعدی کے زور پر، ورنہ بیخ کھوکھلی ہو چکی ہے، اور کوئی انسانی تجویز آج اسکو مضبوط نہیں کر سکتی۔

✤ اِس آیۂ شریفہ میں منکسر المزاج اور فروتن انسانوں کو عِبَادُ الرَّحْمَٰنِ کا خطاب دیا گیا ہے، گویا ایسا اخلاق پیدا کرنا صحیح معنوں میں خدا کی عبادت ہے۔ جو شخص اِس قطع کا ہو، ہر ایک سے نہایت اخلاق سے پیش آئے، عُجب و غرور کا اُسمیں نام تک نہ ہو، اور بڑے سے بڑا دنیاوی مرتبہ رکھنے کے باوجود خوش خلقی سے پیش آئے وہ فی الحقیقت خدا کی خدائی سے مرعوب ہے۔ اپنے آپ کو اُسکے بالمقابل ہیچ سمجھتا ہے، سب انسانوں کو برابر یقین کرتا ہے اور اسی لیئے صحیح معنوں میں اُسکا بندہ (عَبْد) ہے۔ علی ہذا القیاس جاہل اور کم علم آدمی سے بحث نہ کرنا اور حکمت علمی سے اُسکو ٹال دینا بھی عبادت میں داخل کیا گیا ہے گویا باوجود اِس تمام انکسار طبیعت کے لغو اور لایعنی آدمیوں کی صحبت سے حتی الوسع اعراض کرنا بھی ملازمت خدا میں شامل ہے۔ سورۂ قصص میں صاحب ایمان لوگوں کی تعریف میں ہے:

وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ٥ (۲۸: ۵۵)

اُن کے قدموں پر نچھاور ہوتے تھے، مگر اُن کے انکسارِ طبع، اُنکی لینتِ دل، اُنکی ملائمتِ سلوک، اُن کی نیچی نظروں میں فرق نہ آتا تھا! فرمانروائی کی اُمنگیں، اور جہانبانی کے ولولے اُن کے دلوں میں موجزن تھے مگر طبائع میں وہی سادہ پن اور خاکساری، وہی اطاعت کیشی اور اللہ کا شغف، وہی فکر انجامِ قوم اور ناموس اسلام کا پاس گھر کر گیا تھا۔ انکی زندگیاں فطرت کے اعتدال کی صحیح تصویریں، اور اُنکے دل خشیتِ خدا کے مستقل نشیمن بن گئے تھے؛ قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ قف (۷: ۲۹) اُن کا ہر عمل اور ہر شغل رب

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۰۰) اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کسی لغو بات کو سنتے ہیں تو اس سے حتی الوسع کنارہ کش ہو جاتے ہیں، اور ایسے لوگوں سے کہہ دیتے ہیں کہ بھائی جو ہم کر رہے ہیں اسکا نتیجہ ہم کو ملیگا اور جو تم کر رہے ہو تمہارے ساتھ ہے۔ آپ مہربانی فرمائیں اور ہم کو اس بحث میں شامل نہ سمجھیں، خدا کی سلامتی تم پر ہو لیکن ہم ان لوگوں کی تلاش میں نہیں جو علم نہیں رکھتے اور بے علم اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔

یہاں پر قریب قریب یہی مضمون ہے جو زیر بحث آیت (۲۵: ۶۳) میں ہے۔ بلکہ قَالُوْا، اور سَلٰمٌ اور الْجٰاهِلِیْنَ کے الفاظ بھی مشترک ہیں اگرچہ سَمِعُوا اللَّغْوَ کا مضمون آیہ (۲۵: ۶۳) میں بالصراحت بیان نہیں کیا گیا بلکہ آگے چلکر اسی سورہ میں عِبَادُ الرَّحْمٰنِ کی تعریف کے تسلسل میں بیان کیا گیا ہے: وَالَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ (۲۵: ۷۲)، یعنی "خدا کے بندے وہ ہیں جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب کسی بیہودہ مشغلوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو بے نیاز ہو کر گذر جاتے ہیں"۔ اس تکرار کو پیش نظر رکھکر جو وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ (۲۵: ۶۳) اور وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ (۲۵: ۷۲) کے دو قریب المعانی مضامین میں ایک ہی بیان کے سیاق میں واقع ہوتی ہے، مجھے خیال پیدا ہوا ہے کہ اوّل الذکر آیت میں جٰهِلُوْنَ سے مراد کم علم اور اُجڈ لوگ نہیں بلکہ نا واقف اور نا آشنا لوگ مقصود ہیں جیساکہ سورہ بقرہ میں مستحق زکوٰۃ فقراء کے بارے کہا گیا ہو: یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِیْمٰهُمْ لَا یَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا (۲: ۲۷۳) یعنی "یہ فقراء وہ خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے اور اپنے مال و جان کو لٹانے والے ست الست لوگ ہیں کہ نا واقف اُن کی ظاہرا بے نیازی اور خودداری کو دیکھکر اُن کو غنی سمجھتا ہے، اُنکے چہرے اسقدر با رونق اور پیشانیاں اسقدر کشادہ کشادہ ہیں کہ تم اُن کی صورت سے انکو صاف پہچان جاؤگے، وہ بھک منگوں کی طرح لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے"۔ علیٰ ہذا القیاس خَاطَبَهُمُ سے مراد بھی مخاطب ہونا یعنی بالمقابل آجانا ہے نہ بحث و مباحثہ کرنا۔ اگر اس تاویل کو تسلیم کر لیا جائے تو آیہ (۲۵: ۶۳) کے معانی نہایت مربوط اور صاف ہو جاتے ہیں اور وہ یہ ہیں:

"اور اللہ کے خاص بندے تو وہ ہیں جو اس زمین پر فروتنی اور انکسار کے ساتھ چلیں، اور انکی اخوت کا حس اس قدر تیز ہے کہ جب نا واقف اور نا آشنا آدمی بھی سر بازار اُن سے دوچار ہو جاتے ہیں (خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ) تو اُنہیں سلام کرنے میں سبقت کرتے ہیں"۔

یہ تشریح اسقدر مستحسن اور نتیجہ خیز ہے کہ میں اسکو عالم اسلام کے سامنے پیش کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ یہ نا واقف اور نا آشنا شخص کو سلام کرنے میں پہل کرنا عالی ہمتی اور حسن اخلاق کا وہ انتہائی درجہ ہو جسکو مسلمان کسی زمانے میں سیکھہ کر تمام عالم کے بادشاہ بن گئے تھے، اسی کے باعث ایک دنیا اُنکے قدموں پر نثار ہو گئی تھی، یہی وہ عالم آرا اخوت تھی جسنے دشمن کو کپکپا دیا تھا۔ رسولؐ خدا خود اسی خلق عظیم کے موجد تھے۔ راہ چلتے لوگوں کو سلام کرتے، اور ہمیشہ پہلے سلام کرنے میں بازی لیجاتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری کتاب الایمان میں ہو کہ ایک دفعہ فرمایا "بہترین اسلام یہ ہو کہ فقراء کو کھانا کھلاؤ (یعنی اُن فقراء کو جنکی تعریف (۲: ۲۷۳) میں گذری) اور کسی سے جان پہچان ہو یا نہ ہو اُسکو سلام کرو"۔ یہی اسوۂ حسنہ فاروق اعظمؓ کا تھا۔ اسلام کا یہ جابر امیر المومنین اور احزاب اکاسرہ اولوالعزم سالار مدینے کی گلیوں میں مشک اپنے کندھے پر اُٹھائے ہوئے چاروں طرف واقف اور نا واقف سب کو سلام سلام کرتا گذر جاتا تھا۔ اور اگر آج مسلمانان عالم بھی چند لمحوں کے لیے یہ شیوۂ عمل اختیار کر لیں تو اب بھی اُنکی سب بگڑی پھر بن سکتی ہی مگر آہ! اب اخوت کا وہ پرانا احساس باقی نہیں رہا۔ اور اُنسے نکلکر یورپ کی "بداخلاقی" اور "کا فر قوموں میں چلا گیا ہے!

لم یزل کے وجود کی صریح شہادت، اور اسلام کے دین اللہ ہونے کا زندہ ثبوت تھا۔ توحید کی یہ روح عمل؛ لاریب اُس مصورِ حقیقت، اُس سید البشر، اُس ہادیٔ اسلام (علیہ التحیۃ والسلام) کی حیرت انگیز تعلیم اور منقلب القلوب صحبت کا نتیجہ تھی جسنے غارِ حرا کی انجمن آرا خلوتوں سے نکلکر، ریگ زارِ عرب کے ان بادیہ پیما بدوؤں کے سامنے خدائے بیمثال کی ذات اسقدر متشخص کردی تھی!

سرِ خدا کہ عابد و زاہد بکس نگفت
در حیرتم کہ دُرد کشاں از کجا شنید

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ (۴: ۱۳۵)

اے ایمان والو! علی الاعلان خدا کے وجود کی گواہی دیتے ہوئے اعتدال اور میانہ روی پر قائم رہو؛ خواہ یہ اعتدال تمہیں اپنے پر یا والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ کرنا ہو!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۵: ۸﴾

اے ایمان والو! انصاف کے شاہد بنکر خدا کی حمایت میں جم کر کھڑے ہو جاؤ اور کسی قوم کی عداوت بھی تم کو بے انصافی کے ارتکاب کی باعث نہو۔ نہیں! بہر حال انصاف کرو! یہی تقوٰی ہے، اور خوف خدا سے قریب تر ہے۔ اور اللہ سے ہر دم ڈرتے رہو، وہ جو کچھ تم کر رہے ہو اچھی طرح جانتا ہے۔

* یہاں ہر معاملے میں قسط و اعتدال پر قائم رہنے، اور عدل کو بہر حال اور بلا امتیاز احدے رہنمائے حیات بنانے کو اتقائے خدا پر محمول کیا گیا ہے گویا وہی شخص خدا کے وجود کا صحیح معنوں میں شاہد ہے وہی اُسکا نوکر اور اُس سے بیگجان قریتا ہے جو بڑی سے بڑی آزمایش اور ذاتی مفاد کے موقع پر بھی ناانصافی نہیں کرتا؛ بلکہ ہر آن اُسکو حاضر و ناظر یقین کرکے اُس کے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔

آہ! صدر اسلام کا عالم انگیز زمانہ تو در کنار، نزول قرآن کے کامل سات سو برس بعد تک بھی مسلمانوں نے فخر رسل کے آسمان سے لائے ہوئے پیغام پر عمل کرنا اسقدر ضروری سمجھا ہوا تھا کہ محمد شاہ تغلق بادشاہ ہند کی انصاف پسندی کا ذکر کرتے ہوئے مشہور مسافر ابن بطوطہ (المتوفی ۷۷۹ھ ۱۳۷۷ء) اپنا چشم دید واقعہ (۷۴۱ھ) بیان کرتا ہے کہ ایک دفعہ کسی امیر کے لڑکے نے دعوے کیا کہ بادشاہ نے بلا سبب اُسکو مارا ہے، قاضی نے حکم دیا کہ بادشاہ یا لڑکے کو راضی کرے، ورنہ قصاص دے۔ ابن بطوطہ ذکر کرتا ہے کہ شاہ تغلق نے لڑکے کو دربار میں بلایا اور لکڑی اُسکے ہاتھ میں دیکر کہا کہ اپنا عوض لیلے۔ پھر اپنے سر کی قسم دلا کر کہا کہ جیسا میں نے تجھکو مارا ہے تو بھی مار۔ لڑکے نے ہاتھ میں لکڑی لیکر اکیس بید بادشاہ کے لگائے حتی کہ ایک دفعہ اُسکی کلاہ بھی سر سے گر پڑی!!

ہاں! لیکن جہاں اُس زمانے میں حکم خدا کی تعمیل یہ تھی، جہاں خوف خدا اس اوج کمال تک پہنچ چکا تھا وہاں بارگاہ خدا سے انعام بھی یہ تھا کہ مسلمانان عالم کے دنیا کے طول و عرض کے بادشاہ بن گئے تھے، دنیا انکے رعب و وقار کے آگے لرزہ براندام رہا کرتی تھی۔ آج جبکہ قرآن کو چوم چوم کر بالائے طاق رکھنا اسلام کا ماحصل بن چکا ہے تو خدا بھی کان سے پکڑ پکڑ کر ملکوں سے نکال رہا ہے۔ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ۔

حکمتِ عبادات

لِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا ھُمْ نَاسِکُوْہُ فَلَا یُنَازِعُنَّکَ فِی الْاَمْرِ (۲۲: ۶۷)

ہر امت کے لیئے ہم ہی نے ایک نشانِ بندگی مقرر کیا ہے جس کو وہ شعار بنائے ہوئے ہیں تو چاہیئے کہ لوگ قانونِ خدا کے بارے میں تم سے نزاع نہ پیدا کریں

اِس رُوحانیت، اور علوِّ اخلاق میں وہ آسمانی طاقت، اور زبردست تبلیغی اثر پنہاں تھا جو اسلام کی تقویت اور اشاعت کا بہترین سامان تھا۔ بڑے بڑے دشمنانِ دین اور جبابرۂ کفر مومنوں کے اِن اعمال کو دیکھکر وجودِ خدا کے از خود قائل ہوجاتے، اور دینِ آلٰہی کے بہترین معاون اور مددگار بنتے! اسلام کا زور اثر قرونِ اُولیٰ کے ابتدائی ایام میں، ایک بہت بڑی حد تک اِسی خاموش طریقِ عمل، شہادتِ خدا، اور تقوے پر تھا۔ مومنوں کا صلاحِ عمل، اُنکی ربانیت، اُن کا سچا زہد و تورّع خود بخود دلوں میں گھر کرجاتا اور وہ آپ نمونۂ اخلاق بنکر عوام کے لیئے ایک مستقل اور غیر متزلزل ہدایت کا باعث بنتے۔ خود رسول کریمؐ کی پاکیزہ زندگی کا مقصود بالذّات خلقِ خدا کے سامنے انسانی حیات کی ایک لائقِ رشک اور قابلِ تقلید مثال قائم کرنا تھا۔ قرآن حکیم کی اصلی غرض و غایت فی الحقیقت بنی نوع انسان کی درستیٔ اخلاق اور صلاحِ اعمال ہی تھی: اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ (۱۱: ۸۸)[۱] اسلام اور سب باتوں سے قطع نظر "امر بالمعروف" کا سراپا مجسمہ، اور "نہی عن المنکر" کا مکمل ضابطہ ہی تھا مگر اور سب مذاہب کی غیر مانند، اُسکی حیثیت خالصۃً داعیانہ تھی، اُسکی نسبت بزرگ تر تھی؛ وہ ختمِ رسالت کی تمامیت اور پیامِ اخیر کی قطعیت کا حکم رکھتا تھا؛ اُس میں پیغامِ خدا کی "انانیت"، اور انتخابِ ربّ العرش کی رعونت تھی! اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (۳: ۱۸)[۲] اُسمیں تقویتِ نفس کا ہیجان، اور اجماعِ خلق کا

۱؎ اسپر شعیب علیہ السلام نے اہل مدین سے کہا کہ میں تو حتی الامکان تمہارے اعمال و اخلاق میں اصلاح ہی پیدا کرنا چاہتا ہوں، کچھ تم سے اجرت او رزق نہیں مانگتا (۱۱: ۸۸ قرآن کریم)، میرا اِس ارادے میں کامیاب ہونا خدا ہی کے اختیار میں ہے۔ اسی پر توکل کرکے میں نے اپنا کام شروع کیا ہے، اور نتائج کے بارے میں میرا رجوع بھی اُسی کی طرف ہے۔

۲؎ خدائے زمین و آسمان کی نگاہوں میں اسلام ہی پسندیدہ ترین مذہب ہے؛ یہ ایک سرسری ترجمہ ہے جو ہم نے کردیا ہے اور جو عوام کے ذہنوں میں رائج ہے۔ اگرچہ صحیح مفہوم یہ ہے: "الاسلام (یعنی خدا کو عملاً احکم الحاکمین تسلیم کرلینا) ہی وہ طرزِ عمل (دین) ہے جو خدائے زمین و آسمان کی نظر میں پسندیدہ ترہے"۔ جیسا کہ ہم نے صفحہ ۱۹۱ میں واضح کردیا ہے۔

اضطرار تھا! دعوتِ جہان اُسکا مایۂ خمیر، اور کُل کائنات اسکی مشارٌ الیہ تھی؛

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْىٖ وَ يُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ (۷: ۱۵۸)

اے محمد! تمام عالم کے لوگوں سے کہدو کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اُس خدائے عظیم کا قاصد ہوں جسکی سلطنت تمام آسمانوں اور زمین پر حاوی ہے۔ اُسکے سوا کوئی شئے لائق عبادت نہیں۔ وہی زندہ کر دیتا ہے، وہی مارتا ہے۔ تو آؤ! اُس پاک ذات کو اپنا مالک یقین کرو اور اُسکے بھیجے ہوئے اُمّی نبی کو جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے، اور اُسکے احکام بجالاتا ہے! اپنا رہنما تسلیم کرو۔ اور اُسی کی پیروی کرو تاکہ تم راہ راست پر آجاؤ! (گویا ایک آقا کو مان کر سب کے سب متحد ہو جاؤ دیکھو ھدایت کا مفہوم تحت المتن صفحہ ۱۹۲)

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (۳۴: ۲۸)

اور اے محمد! ہم نے تو تم کو تمام دنیا کے لوگوں کی طرف قاصد بناکر بھیجا ہے تاکہ تم ہمارے قانون پر چلنے والوں کو اجتماعی بہبودی کی خوش آیند خبر، اور ہمارے منکروں کو دائمی عذاب‡ کا پیغام پونہچا دو۔ لیکن اکثر لوگ ابھی تک اس واقع الامر سے مطلع نہیں ہوئے کہ تمہارا پیغام تمام عالم کے نام ہے

ہر متنفس قوم، اور مجتمع انسانی کے پیش پیش رہنا اسکی حیات کی علامت تھی! اسکے صلائے عام میں سماوی جاذبی تڑپ اور قبلہ نما کا مقناطیسی اضطراب تہا! حصول قوت اُسکا نشانِ سیما، اور غلبۂ عام اُس کا طرۂ امتیاز تھا! وہ عامۃ النّاس کو اپنی حقیت اور سادگی تعلیم سے، اپنے روز افزوں اثر اور جماعتی اقتدار سے، اپنی انقلاب انگیز تجویز اور بے مثال ہدایت سے مومن کے زورِ اخلاق اور روح عمل سے خدائے واحد کی عملی عبادت اور غلامی کیطرف کھینچکر **جامعیت** اور **وحدت** پیدا کرنا چاہتا تھا، اِسی حیثیت کی بنا پر اُسکے اوامر و نواہی کا ہر شعبۂ عمل جلب اقتدار، توسیع اثر، اخوّت اور مساوات کا بطور خود متواتر جہاد تھا۔ اخلاق کی درستی میں بلاشبہ ایک سطحی نقطۂ نظر سے متنفّس کی ذاتی ہدایت یا انفرادی نجات ہی پیش نظر تھی، صلوٰۃ اور زکوٰۃ کے انفرادی افعال بظاہر ایک مسلمان کے اپنے خدا سے تعلق قائم کرنیکے انفرادی ذرائع ہی تھے، صوم کا فریضہ بادی النظر میں، کسی ایمان دار کا شخصی ایثار یا اُسکے نفس امّارہ کا شخصی اجتہاد ہی تھا، طواف بیت الحرام بھی بظاہر مسلمانوں کے درمیان خدا سے اظہار ارادت کا ایک مرتسم شیوہ ہی تھا، قرآن حکیم کے اور اوامر و نواہی بھی سطحی نظر میں تدین اور نکوکاری کی یہی انفرادی شان لیئے ہوئے تھے،

‡ دیکھو تحت المتن صفحہ ۸۱

مگر سرنوشت اُمت کے اس **خوشنویس اجل**ؐ نے، ان تمام احکام کی تہ میں، **غلبۂ اسلام** کی وہ نستعلیق حکمت عملی ملحوظ نظر رکھی تھی جو صد ہا برس تک مسلمانوں کو اور امتوں کے بالمقابل، مابہ الامتیاز مقام دیتی رہی! ان احکام کی اجتماعیت، ان کی مرکزیت، انکی پابندیٔ وقت اور یک رنگی میں فطرت کی صلائے اتحاد کی تکرار، انسان کی نوعی وحدت کا اظہار، ضبط نفس کی تعلیم، مساوات کا حوصلہ افزا اثر، اور عصبیت کی روح تھی، اُنکے استمرار و تعلّل میں، اُن کے تعدد اور تسلسل میں **حکومتِ خدا** کا متواتر سماں اور **اتقائے قلوب** کا پیہم ضبط باندھ دیا تھا؛ وہ تقویت اسلام کے بہترین اوزار، اور تکثیر جماعت کے زبردست محرک تھے، وہ تہذیب نفس اور اصلاح اعمال کے بہترین کفیل تھے۔ اس

الصّلوٰة

کے پنجوقتہ قیام میں باہمی محبت کی لہریں تھیں! اسمیں خدا کی خدائی کا مشترک اقرار، اور اللہ کی غلامی کا مشترک اعلان تھا! اسمیں ہر دل کی دوسرے دل سے سچی رسم و راہ تھی! اسمیں خوف خدا کی مشترک لرزشیں، اور نیازمندی کی مشترک خلشیں تھیں! وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ[1]† (۷: ۵۶)؛ اسمیں ہم آہنگ دلوں کی طبعی ہمرنگی، اور ہم غرض انسانوں کی فطری یکجہتی تھی! اسمیں یک منعموں کا باہمی اُنس و اجلاس، اور ہم انعاموں کا برادرانہ ربط و اختلاط تھا! اسمیں ایک امیر کی عملی اطاعت، ایک عرض اور ایک غرض، ایک کی پیشوائی اور سب کی اقتدا، ایک کے عرض حال اور سب کے سکوت کا سچا سماں باندھ دیا گیا تھا! یہ ایک منظم اور منضبط، ایک مرعوب خدا اور منکسر یا سوا، ایک لرزہ براندام اور سر بکف فوج کی پنجوقتہ اپنے **قائد اعظم**ؐ کے حضور میں **پیشی** تھی! اسمیں عصیان کار اور خود پسند، تفرقہ ایجاد اور مختلف نواز

---

[1] عذابِ خدا سے ڈر کر، اور انعام کی آس میں دونوں موقعوں پر اسکو پکارا کرو، بے شک فضل خدا ان لوگوں کے شامل حال ہے جو خلوص دل سے اسکو پکارتے ہیں اور اُسکے احکام کی متابعت میں حسنِ عمل کرتے ہیں۔

† "احسان" کا صحیح قرآنی مفہوم صفحہ ۱۳۰ پر واضح کر دیا تھا جس سے ظاہر ہے کہ یہاں پر خوف و طمع بھی اجتماعی شکست کا خوف اور اجتماعی راحت کی طمع ہی ہے شخصی خوف و طمع مراد نہیں۔ اُدْعُوْهُ اور مُحْسِنِيْن کا جمع کا صیغہ بھی اسی پر دال ہے۔

انسان کو دن میں پانچ وقت ایک کی قیادت اور سب کی پیروی، ایک کے اقدام اور سب کے اتباع، ایک کی خدائی اور سب کی عبودیت کا عملی سبق دیا گیا تھا! یہ جماعت کے خارجی نظم و نسق، باطنی ضبط اور ظاہری مساوات، وحدت خدا اور وحدت امام کی سچی محرک تصویر تھی! اسکے رکوع و سجود میں ادنیٰ اور اعلیٰ، شاہ و گدا کی تمیز عمداً اُٹھا دی گئی تھی! اسکے وضو میں احکم الحاکمین کی پیشی کا اہتمام، جسم کی پاکیزگی اور لباس کی تطہیر ظاہر کی صفائی اور خوف پریشان حالی کا سماں چھایا ہوا تھا! وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ٥ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ٥ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ٥[۵۱] (۷۴: ۳-۵) ۔ اسکی تسویہ صفوف نے پیشگاہِ خداوندی کا ضبطِ ادب، مساوات کا باطنی احساس اور قرب و ہم پلگی کی عصبیت پیدا کردی تھی، مساجد میں جماعت کے بے تکلف قیام نے مسکینانِ فقر و افلاس کو صدر نشینان جاہ و حشم کے ساتھ، ایک قطار میں کھڑا کرکے ایک کردیا تھا! وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ[۵۲] (۷: ۲۹) ۔ بارگاہ رب العالمین میں اس پنجوقتہ محاسبے اور غیر منقطع حاضری نے اُن کے نفس عصیان و نفاق سے پاک کردیئے تھے! إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ ‡ وَلَذِكْرُ اللَّهِ

[۵۱] اور اے پیغمبر! اپنے آقائے نامدار کا بول بالا کیا کرو، اور جب جب اُسکے حضور میں جانے کا ارادہ کیا کرو تو صاف ستھرے اور پاکیزہ کپڑے پہنکر جایا کرو، اور کپڑوں کی پاکیزگی کے علاوہ بدن کو تمام نجاست اور آلایش سے پاک صاف رکھو۔

[۵۲] اور درگاہ احکم الحاکمین میں ہر ماتھا رگڑنے کیوقت ہمہ تن توجہ بن جایا کرو اور اپنی تمام ارادتمندی اور عقیدت کو اُسی کیلئے مخصوص کرکے اُسکو پکارا کرو۔

‡ جن لوگوں نے 'الصَّلوٰۃ' کی ماہیت کا بامعانِ نظر مطالعہ کیا ہو انکو یقین ہوچکا ہو کہ اس روزانہ حاضری کی تہ میں خدائے عزوجل کی حکمت عملی بعینہ یہ تھی کہ اُمت کے افراد کو دن میں پانچ وقت خارجی اور باطنی ضبط کا وہ مکرر سبق دیا جائے جو اسکو کبھی بھولنے نہ پائے۔ اگر ایک فوج کے سپاہیوں کو ہر روز علی الصباح میدان میں نکالکر قواعد سکھائی جاتی ہو، اگر انکو معلمِ قواعد کی آواز پر حرکت کرنیکی تعلیم دیجاتی ہو، اگر سب کو ایک حکم پر چونک اُٹھنے کا سبق پڑھایا جاتا ہے، اور وہ سب کے سب بیکوقت اور بالالتزام ایک ہی انداز پر حرکت کرتے ہیں تو اسکا مقصود یہی ہوتا ہو کہ میدان جنگ میں اُنکی اس اطاعت سے فائدہ اٹھایا جائے، اور وہ اپنے سپہ سالار کے حکموں پر فی الفور عمل کرنیکا سبق سیکھیں گرچہ لڑائی میں سپہ سالار کے احکام اِن روزانہ قواعد کے احکام سے مختلف ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی مقصود بعینہ نماز سے تھا اور امام مسجد کی پنجوقتہ اطاعت سے امیر جماعت کی اطاعت حسب موقع مراد تھی، یہی حکمت تسویہ صفوف میں تھی، یہی راز وقت کی پابندی اور مقتدیوں کے خاموش رہنے میں تھا۔ اور اسی نکتے کو پیش نظر رکھکر اگر ایک شخص امام کے پیچھے کئی گز یا ایک میل دور بھی کھڑا ہو (مثلاً عیدین کے موقع پر) اور اُس کی قرأت کا ایک لفظ بھی نہ سن سکے لیکن رکوع و سجود اُسکے تتبع میں ادا کرتا جائے تو اُسکی نماز کا ہوجانا علمائے سلف نے مسلّم قرار دیا تھا کیونکہ نماز کا مقصود بالذات اتحادِ عمل اور اطاعت تھا، خدا کو اس پنجوقتہ چاپلوسی کی کچھ حاجت نہ تھی۔ نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بات اپنے مقتدیوں کی گھٹی میں اسقدر ڈالدی تھی اور نماز کو اطاعت کے نصب العین کیساتھ اسطرح مدغم کردیا تھا کہ عین وسط نماز میں تحویل قبلہ کیوقت بھی اُنکو کچھ دقت محسوس نہ ہوئی (دیکھو صفحہ ۱۶۹) اسی تعلیم کی بنا پر عہد نبوۃ میں لوگوں نے نماز کیوقت ظاہری ضبط کا قائم رکھنا اسقدر ضروری سمجھا تھا کہ اُنکے نزدیک مسجد کے اندر وضو کرنے یا سنتیں پڑھنے سے بے ترتیبی اور انتشار کا ماحول پیدا کرنا نماز کی حکمت کے منافی تھا۔ لوگ اپنے اپنے گھر سے وضو کرکے اور سنتیں پڑھکر آتے اور رسول خدا صرف فرض پڑھاتے۔ آج جبکہ الصَّلوٰۃ کا اصلی مفہوم بُھلایا جاچکا ہو لوگ ابھی مسجد کے اندر وضو کرتے ہیں، کُلّیاں بھر بھر کر حوضوں میں پھینکتے ہیں، نالیوں میں بول و براز کرتے ہیں اور سنتیں پڑھ پڑھکر مسجد کو محشرستان فساد بنا دیتے ہیں! وہ نہیں سمجھتے کہ یہ تین خانۂ خدا کی بدترین گستاخیاں ہیں جنکا صفحہ ۱۵ کے تحت المتن میں ثابت کردیا تھا کہ خدا تعالیٰ کی نگاہ میں سب سے زیادہ مکروہ شئے تفرقہ اندازی ہے اور یہی نفاق سے رہنا ہی 'المنکر' کا صحیح مفہوم ہے۔ اب یہ کہ 'الفحشاء' کا اصلی مقصود کیا ہے، قرآن حکیم

اَکْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝ (۲۹:۴۵) [۱۵] مقامِ خدا کا پیہم اور زندہ احساس اُن کے اعمال کو یکسر سدھار رہا تھا، دلوں میں حمیتِ دین کے جوش زن تنور، اور ذہنوں میں غلبۂ اسلام کے موّاج دریا تھے۔ پھر ذلّل و

[۱۵] بیشک نماز بشرطیکہ اسمیں خدا کا سچّا احساس ہو، اور اسکو الصلوٰۃ کہہ سکیں، وہ مطہرِ نفس شئے ہے جو تمام اخلاقی بداعمالیوں (الفحشآء) اور اجتماعی تفرقہ اور نفاق (المنکر) سے روکتی ہے۔ اور خدا کا پیہم احساس تو نماز سے زیادہ موثر ہے۔ اور خدا جو کچھ بھی تم کرتے ہو موبمو جانتا ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۰۶) میں الفحشآء کا ذکر چند موقعوں پر آیا ہے۔ لیکن وہ موقعے معانی کی تعیین کے لیئے کافی ہیں۔ سورۂ بقرہ میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖؗ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ الْفَحْشَآءِ وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۲: ۱۶۸-۱۶۹)

اے لوگو! زمین میں جو چیزیں پاکیزہ صورت اور خوش تاثیر، ممدِ صحت اور دافعِ شہوات (حلٰلًا طیّبًا) ہوں انکو کھایا کرو۔ اور نفسِ امّارہ کا کہا مان کر شیطان کے قدم بقدم نہ چلو، کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور ہمیشہ ایسی چیزوں کے کھانے کی ترغیب دیگا جس سے تمہاری شہواتِ نفسانی کا ہیجان ہوتا رہے۔ شیطان لعین تو لامحالہ تمہیں بدی اور بے حیائی (السّوٓء و الفحشآء) کے کام کرنے کو کہیگا، اور ضرور اس بات پر آمادہ کرے گا کہ نفس پروری کے جوش میں جوٹ موٹ وہ احکام خدا کی طرف منسوب کر دو جن کا تمہیں علم نہیں ہے۔ (آیۂ (۲: ۱۶۹) کا مقابلہ آیۂ (۷: ۲۸) سے کرو جو اسی صفحہ کے اخیر میں ہے)

حلال و حرام کی حکمت سے یہاں پر بحث نہیں۔ یہ موضوع پانچویں مجلد میں آئے گا۔ نہ یہاں پر شیطان کی حقیقت سے سروکار ہے لیکن الفحشآء سے مراد یہاں پر صاف بیحیائی، نفس پروری، اور شہواتِ نفسانی کو فروغ دینے والی باتیں ہیں۔ کیونکہ آگے چلکر آیہ (۲: ۱۷۳) میں لحمِ خنزیر کو حرام کر دیا ہے۔ جو بڑا مہیجِ شہوت تسلیم کیا گیا ہے۔ اسی سورۃ میں ہے:-

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَ لَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَ لَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ ؕ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۝ اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ یَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَ اللّٰهُ یَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ فَضْلًا ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ۖۙ (۲: ۲۶۷-۲۶۸)

اے ایمان والو! اپنی امت کی تقویت اور اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر اپنی کمائی میں سے بہترین اشیاء (طیّبٰت) صرف کیا کرو، اور جو اشیاء ہم نے تمہارے لیئے زمین سے پیدا کی ہیں اُن میں سے بھی بہترین چیزیں دو، اور ناکارہ چیز کے دینے کا ارادہ بھی نہ کرنا کہ لگے اسی سے خیرات کا چندا ادا کرنے، حالانکہ وہی شئے اگر کوئی تم کو دینا چاہے تو تم اُسکو بطیبِ خاطر منظور نہ کرو ماسوا اسکے کہ دیدہ دانستہ اپنی بات رکھنے کے لیئے اُس شئے کے بیکار ہونے سے چشم پوشی کرو۔ جانے رہو کہ خدا ان چیزوں کو اپنے لیئے نہیں مانگتا، جو کچھ ہے تمہاری اپنی خاطر ہے، اور وہ بڑا بے نیاز اور بڑا سزاوارِ حمد ہے۔ شیطان لعین تمہیں ایثارِ مال اور بہترین اشیاء کے دینے کے وقت افلاس سے ڈراتا ہے، اور بخل و امساک کی باطنی بے حیائی (الفحشآء) کا حکم دیتا ہے اور خدا تمہیں اس ایثار کے بعد اجتماعی بدحالیوں پر پردہ پوشی (مغفرۃ) اور دنیاوی انعام و اکرام (فضلًا) کا وعدہ فرماتا ہے اور جانے رہو کہ وہ خدائے عظیم بڑی گنجایش والا اور ہر قوم کی نیات سے بخوبی واقف ہے۔

یہاں اُس قلبی بے حسی اور باطنی بے حیائی کو جو قوم کی بہتری کی خاطر ایثارِ مال نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے الفحشآء سے تعبیر کیا ہے! سورۂ اعراف میں شیطان کے آدم ع کو بہکانے کے قصے کی تفصیل کے بعد ہے:

یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّكُمُ الشَّیْطٰنُ كَمَاۤ اَخْرَجَ اَبَوَیْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ یَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِیُرِیَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ وَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَیْهَاۤ اٰبَآءَنَا وَ اللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۷: ۲۷-۲۸)

اے اولادِ آدم! کہیں شیطان تم کو پھر اسی آزمایش میں نہ ڈالے جس طرح کہ اُسنے تمہارے والدین کو بہشت سے نکلوایا تھا، انکے لباسوں کو بدنوں سے

انکسار کے اس ملکوتی ارتعاش میں سب شخصی معاملات اور ذاتی تمناؤں کو بالائے طاق رکھکر، جو تنہا اور اہم سوال تمام جماعت کی طرف سے متفقہ طور پر، بآواز بلند پیش کیا جاتا تھا یہ تھا کہ اے بار الٰہا!

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۰۷) کھینچتا پھرتا تھا کہ اُنکے عیوب اور شرمگاہیں اُنپر ظاہر ہوجائیں، وہ مع اپنے چیلے چانٹوں کے تمہاری گھات میں لگا ہے اور تمکو وہاں سے دیکھ رہا ہے جہاں سے تم اُسکو نہیں دیکھتے، پس تم اُس سے حتی الوسع بچتے رہو اور اسکے دام تزویر میں پھنسکر اپنے آپ کو شکار ہونے اور اپنی شرمگاہوں کو عیاں کرنے کا موقع نہ دو۔ لوگو! ہم نے اس دنیا میں اُن لوگوں کو جو ایمان کے قوت افزا اعمال و خصائص سے بے بہرہ ہیں (اَلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ) انہی شیطانوں کا محب صمیم (اَوْلِيَآءَ) بنا رکھا ہے۔ اور یہ بے ایمان لوگ وہ ہیں کہ جب جب کوئی مُضِر قوم، اُمّت کُش، یا موت افزا عمل (فَاحِشَةً) کرتے ہیں تو اپنی عیب پوشی کے لیے یہ بہانہ ایجاد کر لیتے ہیں کہ ہم نے تو اپنے باپ دادا کو شروع سے یہی کرتے دیکھا ہے، بلکہ درحقیقت خدا نے ہم کو اس کام کا حکم دے رکھا ہے، اے محمدؐ! ان نادانوں سے کہہ دو کہ خدا ہرگز کسی بیہودہ کام (اَلْفَحْشَآءِ) کا حکم نہیں دیتا جسکا انجام ہلاکت ہو، جسکا نتیجہ حفظ و امن کے جنت سے اخراج ہو، کیا تم جھوٹ موٹ خدا پر وہ باتیں تھوپ رہے ہو جن کا تمہیں علم نہیں۔

یہ قصہ نہایت نتیجہ خیز ہے اور اسکا انطباق جو انسان کی موجودہ نسلوں پر کیا گیا ہے اور بھی عبرت انگیز ہے مگر نفس قصے سے یہاں پر بحث نہیں نہ آدم و شیطان کی شخصیتوں سے۔ البتہ سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ یہاں پر اَلْفَحْشَآءِ سے مراد قوم کے وہ پشتینی عیوب اور اجتماعی بداعمالیاں ہیں جو لوگ نہایت وثوق سے بدیں خیال کرتے ہیں کہ باپ دادا سے چلی آئی ہیں، اور اس نقطۂ نظر سے خدا کا حکم ہیں۔ ان بداعمالیوں میں مثال کے طور پر فرقہ بندیاں، گور پرستی، رسوم قبیحہ، اعتقادات واہیہ وغیرہ شامل ہیں جن کا نتیجہ بحیثیت مجموعی یہ ہوتا ہے کہ اس قوم کے اجتماعی (سَوْاٰت) عیوب روز بروز عیاں ہوتے جاتے ہیں، اور بالآخر وہ ساری کی ساری قوم شیطان کو دوست رکھنے کے جرم میں قوت اور امن کے دار السلام سے بیک بینی و دوگوش نکال دی جاتی ہے۔ فحشآء کے ان معانی کی تائید ان آیات سے اگلی آیت سے بھی ہوتی ہے جو متن کتاب میں صفحہ ۲۰۱، ۲۰۶ پر آچکی ہے: قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ قف وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۵ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ؕ (۷: ۲۹) یعنی "اے پیغمبر! ان سے کہہ دو کہ ان بداعتدالیوں کا حکم ہرگز کہیں نہیں دیا گیا بلکہ میرے پروردگار نے تو مجھے ہر نوع قسط و اعتدال پر رہنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ہر سجدے کے وقت ہمہ تن متوجہ ہو جایا کرو، اور تمام ارادتمندی اور اخلاص اس احکم الحاکمین کے لیئے وقف کرکے اس کے حضور میں کرا ہو، جانے رہو کہ تم اسی طرح بے یار و مددگار اُس کے حضور میں واپس آؤ گے جس طرح کہ تم روز آفرینش کو تھے"

اس آیت میں صاف کسی ماسوا کو وسیلہ نہ بنانے اور خالصۃً خدا کی غلامی اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور ہر معاملے میں حد سے تجاوز نہ کرنے (قسط) کو پیش نظر رکھنے کی تلقین کی ہے۔ ان تینوں آیتوں میں ظاہر ہے کہ اول سے آخر تک ربط تبھی مکمل ہو سکتا ہے جب اَلْفَحْشَآءِ کو ان معنوں میں لیا جائے جو ہم نے کیے ورنہ اَلْفَحْشَآءِ کے بالمقابل اَلْقِسْطِ اور اُدْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ کے الفاظ ٹھیک نہیں بیٹھتے۔ اَلْفَحْشَآءِ کا ذکر قرآن حکیم میں اور جگہ بھی ہے، مثلاً یوسفؑ اور زلیخا کے مشہور قصے میں جب اول الذکر بدفعلی سے صاف بچ نکلے تو فرمایا: وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۵ (۱۲: ۲۴) "اور وہ عورت تو یوسف کے ساتھ ارادۂ بد کر ہی چکی تھی اور علی ہذا القیاس اگر یوسفؑ کو اپنے خدا کے احکم الحاکمین اور حاضر و ناظر ہونے کی دلیل اُسوقت آنکھوں کے سامنے نہ پھر جاتی تو وہ بھی اس عورت کے ساتھ ارادۂ بد کر بیٹھتے، اور یہ اسباب ہم نے اس لیئے پیدا کر دیئے کہ یوسفؑ کو بدکاری اور بے حیائی سے باز رکھیں، اس میں شک نہیں کہ وہ ہمارے خالص اطاعت گذاروں میں سے تھا" یہاں اَلْفَحْشَآءِ سے مراد صاف زناکاری اور بے حیائی ہے۔ سورۂ نحل میں خدا کے متعلق يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ (۱۶: ۹۰) ہے مگر وہاں اَلْفَحْشَآءِ کا مفہوم کچھ نہیں دیا۔ سورۂ نور میں قصہ افک کے متعلق حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی برأت کے بعد ایمان والوں سے خطاب ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ

تو اسلام کی جماعت کو سیدھے سے سیدھے، چھوٹے سے چھوٹے، اور قریب سے قریب راستے سے دُنیاوی نعمت
اور اقتدار تمکن فی الارض اور تخلّف کے اُس معراج پر پہنچا جسکو حاصل کرنیکے لیئے تو نے اپنا پاک رسول الہادی اور

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۰۸) فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَىٰ مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ (۲۱:۲۴) یعنی اے ایمان والو! ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ شیطان کے قدم بقدم نہ چلو اور سطرح کی بیحیائی کی باتیں آپس میں نہ پھیلنے دیا کرو، اور تم میں سے جو شخص شیطان کے قدم بقدم چلیگا تو جان لے کہ شیطان لعین اُسکو ایسی ہی بیحیائی کی باتیں (الفحشآء) کرنے کا حکم دیگا اور آپس میں فساد برپا کرنے اور نفاق پھیلانے (المنکر) کی ترغیب دیگا۔ اور مسلمانو! اگر تمپر اللہ کا فضل و کرم شامل حال نہ ہوتا تو تم میں سے ایک فرد و نفس کا دل بھی آلایش عصیاں سے پاک نہ ہوتا۔ لیکن وہ خدائے عظیم جسکو مناسب سمجھتا ہے (یشآء) تزکیہ نفس کی توفیق دیتا ہے، اور وہ تمہاری نیتوں کو سمجھنے والا (سمیع) اور دلوں کی پخت و پز کو جاننے والا (علیم) ہے۔ یہاں الفحشآء اور المنکر دونوں کو اکٹھا کر دیا ہے اور دونوں کے مطالب کی تصریح کر دی ہے گویا الفحشآء شیطان کی طرف سے نفس امارہ کو وہ باطنی ترغیب و تحریص ہے جس سے کوئی شخص اپنی قوم کے کسی فرد کے متعلق کوئی بیحیائی یا بدنامی کی بات پھیلانے پر آمادہ ہوتا ہے اور المنکر وہ باہمی نفاق اور باطنی کدورتیں، وہ فساد آرا اور انتشار عمل ہے جو ایسی باتوں کے ناحق پھیلانے سے پیدا ہوتا ہے اور جو آج ہر مسلمان کی گھٹی میں پڑا ہے۔

اِس تمام بحث و تمحیص سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ الفحشآء سے مراد وہ انسانی عیوب ہیں جو شیطان نفس امارہ کی وساطت سے کراتا ہے اور جن میں بالتخصیص (۱) شہوات نفسانی کے ہیجان کی تدابیر اختیار کرنا (۲) محبت مال میں غلو کرنا اور خدا کیلیئے بہترین شئے نہ دے سکنا، (۳) آبا و اجداد کی بیہودہ اور ہلاکت انگیز رسموں کی اندھا دھند تقلید کرنا، (۴) زنا کاری کیطرف مائل ہونا، (۵) افراد ملت کو بدنام کرنیکی غرض سے بیحیائی کی باتیں لوگوں میں پھیلانا، شامل ہیں۔ ان باتوں کا کرنا شیطان کا صحیح معنوں میں اتباع اور اسکی سچی عبادت ہے۔ زیر بحث آیت یعنی (۴۵:۲۹) میں کہا گیا ہے کہ الصّلوٰۃ وہ شے ہے جو الفحشآء اور المنکر سے قطعاً روک دیتی ہے۔ اگر ایک شخص صحیح معنوں میں الصّلوٰۃ کو خدا کے حضور میں حاضری سمجھ رہا ہے، اگر وہ دن بھر کے اعمال کے بعد الصّلوٰۃ کو حاکم اعلیٰ کی پیشی میں ان اعمال کا محاسبہ سمجھتا ہے تو وہ لامحالہ فحشآء سے بچیگا۔ علی ہذا القیاس اگر الصّلوٰۃ وہی متفقہ درخواست ہے جو تمام اسلامی جماعت کیطرف سے خدا کے حضور میں کی جاتی ہے تو اسکے بعد مسلمانوں کے آپس میں نفاق (المنکر) واقع ہونے کی گنجایش قطعاً نہیں رہتی۔ انہی معنوں میں الصّلوٰۃ الصّلوٰۃ ہے اور اسی لیئے ال تخصیصی اُسپر داخل ہے۔ الصّلوٰۃ کی ماہیت کے متعلق مفصل بحث چوتھی مجلد میں آئیگی۔ ان اوراق میں اسکی حکمت عملی سے بحث ہے۔ لیکن الفحشآء کی تخصیص اور تحدید جو قرآن عظیم نے متذکرہ صدر آیات میں کی ہے زیادہ تر اس وجہ سے ہے کہ یہ پانچوں شقیں ہر قوم کی اجتماعی زندگی کیلیئے از بس مہلک ہیں۔ اگر مسلمانان عالم نماز کو فی الحقیقت مجرم کی پنجوقتہ پیشی سمجھ کر فواحش کی ان پانچوں قسموں سے محترز رہیں تو آج انکی بگڑی پھر بن سکتی ہے۔ مغربی اقوام میں دوسری تیسری اور پانچویں شقیں اسقدر کالعدم ہیں کہ الفحشآء کا ایک عظیم حصہ انکی ہیئت اجتماعی سے بالکل نکل چکا ہے۔ ایثار مال انہیں بیحد ہے، آبا و اجداد کی واہی رسموں کی تقلید تین صدیوں سے بالکل غائب ہے، علی ہذا القیاس اپنی قوم کے افراد کی بدنامی کے درپے نہ ہونا انکا قومی شعار ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ وہ پہلی اور چوتھی شق یعنی نفسانی شہوات اور زناکاری کی طرف نسبتہً بہت زیادہ مائل ہیں اور ممکن ہے کہ زمانہ قریب میں یہی انکی اجتماعی ہلاکت کا باعث بن جائے لیکن اس موضوع پر بحث غالباً تیسری مجلد میں آئے گی۔

الصّلوٰۃ کی اس جامع و مانع تعریف کے بعد قرآن حکیم نے زیر بحث آیت یعنی (۴۵:۲۹) میں وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ کہکر نماز کی حکمت عملی اور صحیح منتہائے نظر کو اور بھی واضح کر دیا ہے۔ بعبارۂ اُخریٰ یہ کہا ہے کہ الصّلوٰۃ اگرچہ دن بھر میں پانچ وقت خدا کے حضور میں حاضری اور اپنے اعمال کی جوابدہی ہے لیکن خدا کو ہمیشہ یاد رکھنا (ذکر اللہ) اُس کا کھٹکا دلمیں ہر وقت لگائے رکھنا (ذکر اللہ)، چوبیس گھنٹے اُس حاکم اعلیٰ کا خوف جو در کھنا (ذکر اللہ)، غیبت اور حاضری، نماز اور غیر نماز دونوں موقعوں پر اسکو حاضر و ناظر اور نگران اعمال یقین کرنا وہ مصلح اعمال شئے ہے جو الصّلوٰۃ سے کہیں بڑھکر (اکبر) ہے۔ انسان کو اگر یہ کیف و حال نصیب ہو جائے تو الصّلوٰۃ سے بدرجہا بہتر ہے۔ ذکر کے معنی وہ نہیں جو لوگوں نے نہایت نافہمی سے وضع کر لیئے ہیں اور وہ یہ کہ سب کاروبار چھوڑ کر تسبیح ہاتھ میں لے لیں اور خدا کا نام تمام دن رٹ رٹ کر لیے اثر کرتے رہیں۔ یہ تشریح نہایت لچر اور مضحکہ انگیز ہے اور وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ تمام دنیاوی کاروبار کے ضمن میں خدا کا کھٹکا لگائے رکھنا اور ان اعمال کو قانون خدا کے مطابق کرنا ہی ذکر خدا ہے۔

دِیْنِ الْحَقِّ† ساتھ دے کر بھیجا تھا؛

اِھْدِنَا‡

† اَلْھُدٰی اور دِیْنِ الْحَقِّ کا اشارہ آیہ ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ (۶۱: ۹) کی طرف ہے جو صفحہ ۱۸۲ پر منتہائے اسلام کی تعیین کے ضمن میں پیش کی گئی تھی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جس اَلْھُدٰی کے بھیجے جانے کا ذکر اس آیت میں ہے، اسکی ایک اہم شق کی توضیح صفحہ ۱۹۲ وغیرہ پر ہو چکی ہے جہاں پر ثابت کر دیا ہے کہ اَلْھُدٰی کا الٰہی مفہوم وُہ استعداد و مصالحت و اتحاد ہے جو پیغمبر آخر الزمانؐ نے عرب قوم کے اندر ایک اتنی قلیل مدت میں پیدا کر دی تھی اور جو صحیح معنوں میں لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ کا باعث ہوئی۔ دِیْنِ الْحَقِّ کے معنی سچائی کی راہ عمل کے ہیں گویا سورۂ فاتحہ میں جس اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ پر چلنے کی درخواست پنجوقتہ ہوتی ہے وہ یہی دِیْنِ الْحَقِّ ہے جو رسول خدا کے ساتھ بھیجا گیا تھا۔ اگلے اوراق میں اسی صراط مستقیم کی تبیین کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ کیا ہے اور کیونکر لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ یا اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کا مصداق بنانا اسکا کام ہے۔

‡ ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے سورۂ فاتحہ کا صحیح مفہوم پالینا، اور بعد ازاں اسکو پیش نظر رکھکر زندگی کا منتہائے عمل بنانا اسقدر اہم ہے کہ اسکے بدون نہ کوئی نماز صحیح معنوں میں نماز ہے اور نہ اس غرض و مطلب کے لیئے کوئی مستقل عمل پیدا ہو سکتا ہے۔ اگر آج قرآن کے تدریجی نسیان اور فقدان علم کے بعد اوسط مسلمان کو یہ بھی پتہ نہیں رہا کہ وہ خدا کے حضور میں پنجوقتہ ہاتھ باندھ کر کیا مانگ رہا ہے، وہ سرے سے کچھ مانگتا بھی ہے یا نہیں، یہ رکوع و سجود کیوں ہیں، یہ اٹھنا بیٹھنا کس مطلب کا ہے، یہ ظاہری ادب اور مسلسل قیام اور قعدے کس اضطراب دل کے مظاہر ہیں، اگر یہ سبق جو نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تیئیس ۲۳ برس کے مسلسل عمل کے بعد پڑھایا تھا قطعاً بھولا جا چکا ہے تو ایسی نماز سوائے اس کے کہ وہ کچھ بن جائے جو آجکل ہے اور کیا ہو سکتی ہے۔ ان آیات میں بعض امور نہایت غور طلب ہیں؛ اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ، کیا شئے ہے؟ اگر اس کی تعریف صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ہے تو اس میں نِعْمَتِ، کا کیا مفہوم ہے؟ اَلْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ سے بعینہٖ کون مراد ہیں؟ اَلضَّآلِّیْنَ کے مصداق کون لوگ ہیں؟ یہ سب سوالات ایسے ہیں کہ ان کے اطمینان بخش حل کے بغیر الصَّلوٰۃ، کی ماہیت کو سمجھنا ازبس محال ہے۔

شارحین کلام الٰہی نے بالعموم ان عظیم الشان آیات کے مطالب کو اپنے مشہور خودپسندانہ اور تحکمانہ لہجے میں بیان فرما کر چند جملوں میں ختم کر دیا ہے۔ ان کے نزدیک اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ، دین اسلام کا سیدھا رستہ ہے۔ گویا تعریف المجہول بالمجہول ہے۔ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ، سے مراد انکی رائے میں روحانی نعمتیں، ہیں جن کے اہل روز اول سے مسلمان" قرار پا چکے ہیں۔ اَلْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ، یہودی ہیں جن پر قہر خدا، صدیاں گذریں نازل ہوا تھا اور اب تک انکی اولاد پر نازل ہو رہا ہے۔ اَلضَّآلِّیْنَ، نصرانی لوگ ہیں جن پر غضب خدا آنے والا ہے اور ان کی گمراہی مسلم ہے۔ گویا اس مقام نظر سے مسلمان دن میں پانچوقت وہ شئے مانگ رہا ہے جو اسکو الحال حاصل ہے۔ اور ابد الآباد تک حاصل رہے گی بشرطیکہ منہ سے مسلمان بنا رہے! آج یہ نارواتخیل ہر مسلمان کی اقلیم خیال میں اسقدر مستحکم اور متمکن ہو گیا ہے کہ کوئی دلیل اسکو اقوام عالم کی اس مفروضہ صدرنشینی سے ہٹانے کے لیے کارگر نہیں ہوتی، بلکہ لطف یہ ہے کہ جب اسکو اسلامی امت کی خستہ حالی اور نصرانی کی دنیاوی خوشحالی یاد دلائی جاتی ہے تو وہ غیظ و غضب میں آ کر اور بھی اپنے آپ کو خدا کا منظور نظر اور اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ، کا صحیح مصداق شمار کرتا ہے۔ اور اس کرسی نشینی سے دست بردار ہونا اپنے لیئے گناہ سمجھکر روحانیت کی نادیدہ اور ناقابل درک کشور میں سر چھپا لیتا ہے۔ اسکی نظروں میں نصرانی بہر نوع مستوجب عذاب ہیں، ان سے خدا بیحد ناخوش ہے۔ یہ انعام جو آج انکو مل رہے ہیں بلا استحقاق مل رہے ہیں۔ نہیں بلکہ اسکے نزدیک آج دنیاوی نعمت کچھ شئے نہیں رہی، اگرچہ تیرہ سو برس سے وہ اسی دنیاوی نعمت کا راگ الاپتے ہوئے بادشاہت زمین کو اپنے منظور خدا ہونے کا ثبوت دیتا رہا ہے، اور طرفہ یہ کہ اسکو یہود کے مغضوب علیہم ہونے کا اعتراف بھی اکثر اسی بنا پر ہے کہ انکی قوم پر اجتماعی مسکنت اور ذلت چھا رہی ہے، انکی کوئی زمینی بادشاہت نہیں رہی، وہ دنیا کے ملکوں میں دربدر اور مارے مارے پھر رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ مگر جب اسی حالت کا اطلاق آج بعینہ اپنے آپ پر ہوتا ہوا دیکھتا ہے تو اسکا ذہن سلیم اسکو جواب دے دیتا ہے، اور وہ باصرار اسی خیال پر قائم ہو جاتا ہے کہ مسلمان باوجود اس زبون حالت کے صراط مستقیم پر ہیں، اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ہیں، مغضوب علیہم ہرگز نہیں، الضَّآلِّیْنَ بننے کا امکان ان کے حق قطعاً نہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس دل خوش کن تخیل کی ظاہر

الصراط

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۰) کہ کوئی سند سورہ فاتحہ کے اندر موجود نہیں، اور نہ اس فیصلے سے، خواہ وہ تمام مسلمانانِ عالم کا متفقہ فیصلہ ہی کیوں نہ ہو قانونِ خدا یا قول رب العالمین کے مفہوم میں کوئی تبدیلی پیدا ہو سکتی ہے۔ جو بات کسی دلیل کی محتاج نہیں یہ ہے کہ ربِ زمین و آسمان نے اِن آیاتِ شریفہ میں ہر مسلمان کو دن میں پانچوقت بلکہ ہر نماز میں کئی دفعہ صراطِ مستقیم پر رہنے کی دعا سکھلائی ہے، گویا یہ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ہی وہ شے ہے جس سے ہر انسان کے بھٹک جانے کا ہر لحظہ خطرہ ہے، ہر مسلمان کے اِس راہ سے بے راہ ہو جانے کا ہر آن امکان ہے، اور جب تک اسکی تمام توجہ صرف نہو، اُسکا اِسپر از خود چلتے رہنا محال ہے۔ یہ سیدھی سادی دلیل ہر ہوشمند شخص کو اِس نتیجے پر پہونچا دیتی ہے کہ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ پر قائم رہنے کے لیئے بیحد جدوجہد کی ضرورت ہے اور جب تک وہ سعی و عمل جاری ہے ایک مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان ہے۔ اگلے وقتوں کے ہوشمند، دقیقہ رس اور اسلام شناس عُلما رنے اِس حقیقت کبرٰے کو اِن نہایت خوبصورت، بلیغ، اور نتیجہ خیز الفاظ میں ادا کیا تھا کہ اسلام کا صراطِ مستقیم ایک نہایت دشوار گذار بال سے سوا باریک، اور تلوار سے سوا تیز رستہ ہے جسپر سے ہر متنفس کو گذرنا ہے، جو شخص مسلمان ہے وہ اس رستے پر سے آسانی سے گذر جائے گا (کیونکہ مسلمانی کی شرط ہی یہ ہے ہر لحظہ سعی و عمل کرتے رہنا اور باحتیاط تمام اِس راہ کو عبور کرنے کی سعی کرنا ہے) جو مسلمان نہیں وہ کٹ مر کر جہنم میں جا گرے گا۔ "وغیرہ وغیرہ" بعد کے جاہل کٹ ملاؤں نے ان الفاظ کی حقیقت کو توڑ مروڑ کر صراطِ مستقیم کو عالمِ آخرت کے دوزخ کا کوئی پُل بنا دیا، اور سعی و عمل سے گریز کرنے کا بہانہ ڈھونڈنے کے لیئے اِس معنی خیز بیان کو احوالِ قیامت کا ایک واقعہ بناکر اعلان کر دیا کہ اِس "پلصراط" پر سے ہر شخص گذرے گا، مسلمان اپنی قربانیوں کے دُنبوں پر سوار ہو کر سرپٹ جنت میں جا داخل ہوں گے۔ یہودی اور نصرانی وغیرہ کٹ کر دوزخ میں دھڑام سے گر پڑینگے! آج یہ سب حکایت حقیقت سے اسقدر دور ہو گئی ہے کہ ہر سلیم الذہن شخص اِس کو سُنکر بے اختیار ہنس پڑتا ہے اور مسلمانیت کو بیہودہ افسانوں کا مجموعہ قرار دے کر اس سے یکسر متنفر ہو جاتا ہے!

ادنٰی تامل بھی ہر شخص کو اس نتیجے پر پہونچا دیتا ہے کہ جو خطِ مستقیم بال سے سوا باریک اور تلوار سے سوا تیز ہو اُس پر چلتے رہنا کس قدر انتہائی احتیاط کا کام ہے اور اسمیں اِدھر اُدھر ہٹنے کی کسقدر کم گنجایش ہے۔ نہیں بلکہ جس طرح کوئی بازیگر کسی رسّی پر چلتے ہوئے تمام توجہ **عدل و توازن** قائم رکھنے میں صرف کر دیتا ہے اسی طرح کسی امت کا ہر لحظہ اپنی تمام احتیاط **قسط و اعتدال پر رہنے میں صرف کر دینا صراطِ مستقیم پر چلنے کے مترادف ہے**۔ دین اسلام کا یہ اصل اصول قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ (ق، ۷: ۲۹) کے الفاظ سے ہی ظاہر ہے جو اس سے پیشتر صفحہ ۲۰۱ پر آ چکے ہیں۔ اصل کتاب میں آیندہ اوراق (صفحہ ۲۲۶-۲۴۶) میں صراطِ مستقیم کی قرآنی تعریف بصراحت تمام بیان کر دی جائے گی۔ جس کے مطالعے کے بعد واضح ہو جائے گا کہ جو امت صراطِ مستقیم کے اِس مفہوم پر بغور تمام اور بسعی اتم چل رہی ہے اُس کا اس دنیا میں قوت اور تمکن سے رہنا اٹل ہے، اُس کا بقا فی الارض اور استخلاف قطعی ہے، کوئی دوسری قوم اُسکے بالمقابل صف آرا ہو کر اُسکو میدانِ حیات میں پچھاڑ نہیں سکتی، سب دنیاوی انعام اور افضالِ الٰہی اُس قوم کے شاملِ حال ہر دم ہیں اور رہیں گے وغیرہ وغیرہ۔ پس یہ دنیاوی تمکن ہی وہ صراطِ مستقیم ہے جس کی تعریف ربِ زمین و آسمان نے صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۵ کے الفاظ میں کی ہے۔ اور اسی سے ہٹ کر قومیں مغضوب علیہم بن جاتی ہیں یا الضَّالِّينَ میں شمار ہو کر شدید العقاب خدا کے عذاب کو دعوت دیتی ہیں۔ اِن آیات میں یہود و نصاریٰ کی حتماً کوئی تخصیص نہیں اور نہ مسلمان بالخصوص الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ہیں۔ وہ بلاشبہ اُس وقت تھے جب دقیقہ رس خدا کے انعام اُن کو ہر طرف سے مالا مال کر رہے تھے مگر اب سب طرف قہرِ خدا ہے۔ تاہم نماز میں پنجوقتہ گذارش اِسی کی ہے کہ ہم کو اِس صراطِ مستقیم پر چلا جسپر چلنے سے تو خوش ہو جائے اور دنیاوی انعامات اور تعزز سے مالا مال کر دے۔ یہی دعا ایک تنخواہ دار غلام کی اپنے آقا سے ہو سکتی ہے، اور اسی صلاحیتِ عمل کا کوئی آقا اپنے غلاموں سے متمنی ہو سکتا ہے۔ 'اِهْدِنَا' اور 'الَّذِينَ' اور 'عَلَيْهِمْ' اور 'الضَّالِّينَ' کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ انعام اور سزائیں سب اجتماعی ہیں۔ اور اسی لیئے الصَّلٰوۃ خدا کے حضور میں قوم کی طرف سے ایک **متفقہ درخواست** ہے، افراد کا اپنی جماعت سے الگ ہو کر اس دعا کو حضورِ خدا میں گذراننا ایسا ہی بے معنی ہے جیسا کہ کسی مسلمان کا انفراد

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۱) قوم سے الگ تھلگ ہو کر صراط مستقیم پر چلنے کی سعی کرنا جیسا کہ آگے چلکر اس وقت واضح ہوگا جب کہ صراط مستقیم کے متعلق سب اعمال اجتماعی ثابت کر دیئے جائینگے پیغمبر خدا صلعم نے اسی مقام نظر سے الصّلوٰۃ کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے باصرار تمام فرمایا تھا کہ جماعت کے بغیر کوئی نماز فی الحقیقت نماز نہیں ہے۔

رہی یہ بات کہ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے الفاظ سے دنیاوی نعمتیں ہی مراد ہیں، یہ نماز کی رکعتوں میں دمبدم اٹھنا اور بیٹھنا، یہ احکم الحاکمین کے حضور میں دست بستہ کھڑا ہونا، یہ گھٹنوں کے بل جھک جانا اور بار بار ماتھا رگڑنا، پھر اٹھنا اور گڑگڑانا، وغیرہ وغیرہ سب کچھ دنیاوی انعام کی امید اور اجتماعی سزا کے خوف سے تھا۔ اس کا ثبوت خود قرآن کے اندر موجود ہے۔ قرآن حکیم میں نعمت کا لفظ کئی جگہ استعمال ہوا ہے مگر ماسوا اُن شاذ موقعوں کے جن کا ذکر آگے چلکر آئے گا سب جگہ نعمت سے مراد دنیاوی نعمتیں ہی ہیں روحانی نعمتوں کا جنکے صحیح معانی کی تعیین بھی ازبس مشکل ہے، قرآن حکیم میں کہیں ذکر نہیں۔ توضیح مطالب کے لیئے یہ سب موقعے یہاں پر لکھ دیئے جاتے ہیں مگر خوف طوالت کے باعث بعض حوالوں کو مختصراً بیان کر دیا ہے۔ مزید معلومات کے لیئے سیاق کلام کو دیکھنا چاہیئے۔

(الف) سورہ انفال میں ہے: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (۸: ۵۳) یعنی "یہ اس وجہ سے کہ خدا کا دستور ہے کہ وہ کسی قوم پر سے اپنی عطا کی ہوئی نعمت کو نہیں بدلتا جب تک کہ لوگ آپ اپنی استعداد کو نہ بدلیں"۔ یہاں نعمت صاف دنیاوی راحت اور امن ہے، اور "اَنْعَمَهَا عَلٰى" کے الفاظ بھی آئے ہیں جن کی مماثلت سورہ فاتحہ کے "اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" سے عیاں ہے۔
سورہ ابراہیم میں دنیاوی نعمتوں کی تفصیل کے بعد فرمایا ہے: وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ (۱۴: ۳۴) "اور لوگو! اس نے تم کو جو کچھ تم نے مانگا بقدر ضرورت دیا، اور اگر خدا کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ہرگز نہ گن سکوگے"۔ یہی بات آیت (۱۶: ۱۸) میں ہے مگر اسکے اعادے کی ضرورت نہیں۔ سورہ لقمان میں کشتیوں کے سمندر میں چلنے (اور اس ترکیب سے انسان کے لیئے سہولت سفر پیدا کرنے) کو بھی نعمت الٰہی کہا گیا ہے: اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ (۳۱: ۳۱) یعنی "اے مخاطب! کیا تو نے اس حیرت انگیز حقیقت پر غور نہیں کیا کہ کشتیاں سمندر میں خدا کی نعمت (احسان) کے باعث چل رہی ہیں، اور یہ اسلیئے کہ خدا تم کو اپنی قدرت کے حیرت انگیز اعجوبات دکھلائے! اسمیں شک نہیں کہ عجائبات قدرت پر استقلال سے ہر غور کرنے والے (صَبَّارٍ۔ دیکھو صبر کے مطالب تحت المتن صفحہ ۱۱۸) اور نعمتہائے خدا کے صحیح معنوں میں قدردان (شَكُوْرٍ۔ دیکھو شکر کے مطالب تحت المتن صفحہ ۱۳۷) شخص کے لیئے کشتیوں کے سطح سمندر پر چلنے میں علم و عمل کے بہتیرے اشارات (لَاٰيٰتٍ) موجود ہیں"۔ علیٰ ہذا القیاس سورہ قمر میں کنکروں کے پتھراؤ سے آل لوط کی نجات کو نعمت خدا ہے: اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ۙ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ (۵۴: ۳۴-۳۵) یعنی "پھر ہم نے اُس قوم پر پتھروں کی بارش کی مگر خاندان لوط کے لوگوں کو ہم صبح ہوتے ہوتے بچا لے گئے، یہ ہمارے ہاں سے آل لوط پر نعمت تھی، اور جو لوگ ہمارے احکام کی قدردانی کرکے اُن کی کماحقہ تعمیل کرتے ہیں (مَنْ شَكَرَ، دیکھو شکر کے مطالب تحت المتن صفحہ ۱۳۷) انکو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں"۔ سورہ قلم میں حضرت یونس کے مچھلی کے پیٹ سے نکل کر نجات پانے کو نعمت خدا سے تعبیر کیا ہے۔ گویا اس موقع پر بھی نعمت دنیاوی مصیبت سے نجات پانے کے مترادف ہے، روحانیت سے اسکو کچھ واسطہ نہیں: لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ (۶۸: ۴۹) یعنی "اگر خدائے رحیم کا فضل و کرم ان کی دستگیری نہ کرتا تو بڑے عالوں چٹیل میدان میں پھینک دیئے ہوتے"۔ سورۂ احقاف میں نعمت کا دنیاوی مفہوم ذرا واضح تر ہے۔ چنانچہ اس نہایت دقیق آیت کے مطالب جسمیں اَنْعَمْتَ عَلَيَّ کے الفاظ قابل لحاظ ہیں یہاں پر تمام و کمال لکھ دیئے جاتے ہیں:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰٓى
اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَ

صراط

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۲) اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ۚ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (۴۶: ۱۵)

اور لوگو! ہم نے انسان کو حکم دیدیا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے، وہ فی الحقیقت اس سلوک کے مستحق ہی ہیں کیونکہ تکلیف اٹھاکر ہی اسکی ماں نے اسکو پیٹ میں رکھا، اور دردناک اذیت کے بعد ہی اسکو جنا، پھر بھی نہیں بلکہ اس کا پیٹ میں رہنا اور اسکے دودھ کا چھوٹنا بھی ڈھائی برس میں جاکر ختم ہوتا ہے (لیکن انسان وہ ناشکرا اور احکام خدا سے باغی انسان ہے کہ ماں کی ان تکالیف کی کماحقہٗ پروا نہیں کرتا اور طفولیت کی نادانیوں اور کم عقلیوں میں مست رہکر ماں باپ سے اینٹھا اینٹھا پھرتا ہے اور اُسکے احسان کو کچھ خاطر میں نہیں لاتا۔ اُسکو صحیح معنوں میں ہوش نہیں آتی) جبتک کہ آخر کار وہ سن رشد وتمیز کے کمال کو پونہچکر آپ چالیس برس کی عمر کا ہوجاتا ہے (حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ) پھر جب باپ بن کر خود اُن تکالیف کو سہنے لگتا ہے تو بزبان حال پکار اٹھتا ہے کہ اے میرے پروردگار! مجھے اس بات کی توفیق دے (قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ) کہ میں تیری ان نعمتوں کی صحیح معنوں میں قدر کروں (اَنْ اَشْكُرَ، دیکھو شکر کے معانی تحت المتن صفحہ ۱۳۴) جو تم نے بچپن طفولیت میں عطا کی تہیں اور آج کر رہا ہے، اور جو میرے ماں باپ پر کی تہیں، اور مجھے توفیق دے کہ میں وہ مناسب اعمال کروں جنسے تو راضی ہوجائے، اور میری اولاد کو بھی (جو ہماری میاں بیوی کی تکالیف سے بیخبر ہے) مناسب راہ پر لا (وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ)، میں تو اب چالیس برس کی غفلت کے بعد تیری ہی طرف لوٹ آیا ہوں (اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ) اور صحیح معنوں میں تیرے احکام کو پرازحکمت سمجھکر انکو تسلیم کرتا ہوں۔

(قرآن کی بلاغت یہی ہے کہ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مطلب ادا ہوجائے اور ہر صاحب غور وفکر فیصلہ کرسکتا ہے کہ اس آیۂ شریفہ کا بعینہ یہی مطلب ہے جو بیان ہوا اسمیں انسان کی فطرت اور عادت مستمرہ کو واضح کیا گیا ہے۔ چالیس برس کی عمر کو پونہچکر حقیقت حال کا کھلنا ہر صاحب نظر پر واضح ہے۔ زندگی کی اسی منزل پر استعداد تمیز حد کو پونہچ جاتی ہے اور انسان کو اپنی ماہیت پر غور کرنے اور اس دنیا جہان کے کارخانے کو بنظر تعمق دیکھنے کی اہلیت پیدا ہوجاتی ہے۔ خود رسول خدا صلعم کو نبوت کا خلعت بھی اسی عمر میں عطا ہوا تہا۔ فافہم وتدبر) لیکن اس بحث سے قطع نظر، اس آیہ شریفہ میں 'نِعْمَتَ' کا مفہوم سراسر دنیاوی احسان ہی ہیں۔ روحانیت کا یہانپر کچھ ذکر نہیں۔ سورہ یوسف میں علیٰ ہذا القیاس تاویل احادیث کے علم کو اتمام نعمت قرار دیا ہے: وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ (۱۲: ۶)، یعنی "اور خدا تم کو 'تاویل احادیث' کا علم سکھاوے گا اور اپنی نعمت کا تمپر اتمام کرے گا"۔ 'تاویل احادیث' کے صحیح مفہوم سے یہانپر بحث نہیں مگر ظاہر ہے کہ تحصیل علم کو یہاں پر نعمت فرمایا ہے۔ سورہ نساء آیۃ (۴: ۷۲) میں اَنْعَمَ اللّٰهُ کے الفاظ دنیاوی مصیبت سے نجات پانے کے معنوں میں آئے ہیں اور وہ آیت صفحہ ۲۰۵ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے مگر یہانپر اس سے استدلال نہیں کیا کہ وہ الفاظ بطور قول غیر استعمال ہوئے ہیں نعمت کا الٰہی مقصود اُن سے مستنبط کرنا روا نہیں سمجھا!

(ب) انسان کی ناقدرشناسی کے ضمن میں کئی جگہ لفظ 'نِعْمَت' کا ذکر ہے جس سے مراد دنیاوی نعمتیں ہی ہیں۔ سورہ زمر میں ہے:
فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۡ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ۭ (۳۹: ۴۹)، یعنی "انسان کی عادت ہے کہ جب اُسکو کوئی تکلیف پونہچے تو ہم کو پکارتا ہے۔ پھر جب ہم اسکو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں تو کہنے لگتا ہے کہ یہ تو مجکو میرے علم کی وجہ سے ملی ہے"۔ سورہ حٰم السجدہ میں ہے: وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَاۗءٍ عَرِيْضٍ ۝ (۴۱: ۵۱)، یعنی "جب ہم انسان پر اپنا دنیاوی فضل وکرم کرتے ہیں تو وہ ہم سے منہ پھیر کر کنارہ کش ہوجاتا ہے اور جب اسکو کوئی تکلیف پونہچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے"۔ سورہ بنی اسرائیل میں قریب قریب یہی مضمون ہے: وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـــُٔوْسًا ۝ (۱۷: ۸۳)، یعنی "...... تکلیف کے وقت آس توڑ بیٹھتا ہے"۔ ان دونوں موقعوں پر 'اَنْعَمْنَا عَلٰى' کے الفاظ قابل لحاظ ہیں۔ سورہ زمر کے شروع میں پھر اسی دنیاوی نعمت کا ذکر ہے: وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا

الدِّین

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۳) اِلَیْہِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَہٗ نِعْمَۃً مِّنْہُ نَسِیَ مَا کَانَ یَدْعُوْٓا اِلَیْہِ مِنْ قَبْلُ (۳۹ : ۸)، یعنی "جب انسان کو کوئی تکلیف پونہچتی ہے تو خدا کی طرف ہمہ تن رجوع ہو کر کراہتا ہے، پھر جب خدا اپنی طرف سے کوئی نعمت اُسکو عطا کرتا ہے تو جس مطلب کے لیئے اُس نے خدا کو پہلے پکارا تھا اُسکو بھلا دیتا ہے۔" سورۂ نحل میں ایک جگہ اسی قطع کی یاددہانی ہے: وَمَا بِکُمْ مِّنْ نِّعْمَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ ثُمَّ اِذَا مَسَّکُمُ الضُّرُّ فَاِلَیْہِ تَجْـَٔرُوْنَ (۱۶ : ۵۳)، یعنی "لوگو! جسقدر نعمتیں تم کو مل رہی ہیں سب خدا ہی کی طرف سے ہیں، پھر جب تم کو کوئی تکلیف پونہچتی ہے تو اُسی کے آگے آہ و زاری کرتے ہو۔" سورۂ ہود میں پھر اسی ناشکر انسان کا ذکر ہے: وَلَئِنْ اَذَقْنٰہُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْہُ لَیَقُوْلَنَّ ذَھَبَ السَّیِّاٰتُ عَنِّیْ ۭ اِنَّہٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۙ (۱۱ : ۱۰)، یعنی "اور اگر اسکو کسی تکلیف کے بعد نعمتہائے الٰہی کی لذت چکھائیں تو وہ کہنے لگتا ہے کہ اب میری سب بدحالیاں (السّیّاٰت) دور ہو گئیں، اسمیں شک نہیں کہ انسان بڑا جلد خوش ہو جانے والا اور جلد شیخی میں آجانے والا ہے۔"

(ج) دنیاوی نعمتوں کے بارے میں انسان کو خطاب کئی جگہ ہے۔ سورۂ نحل میں ہے: وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَکْنَانًا وَّجَعَلَ لَکُمْ سَرَابِیْلَ تَقِیْکُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِیْلَ تَقِیْکُمْ بَاْسَکُمْ ۭ کَذٰلِکَ یُتِمُّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکُمْ لَعَلَّکُمْ تُسْلِمُوْنَ ○ (۱۶ : ۸۱)، یعنی "لوگو! وہ خدا ہی ہے جس نے تمہارے فائدے اور آرام کے لیئے پیدا کردہ اشیا کے سائے بنائے، اور تمہاری پناہ کے لیئے پہاڑوں کے اوٹ بنائے اور لباس جو تم کو گرمی سے بچائیں۔ اور ایسی زرہیں بھی جو تم کو ایک دوسرے کی مار سے بچائیں، خدا یوں ہی اپنی نعمتیں تم لوگوں پر پوری کرتا ہے تاکہ تم اسکو صحیح معنوں میں خدا تسلیم کرو۔" یہاں بھی صاف طور پر (نِعْمَتٌ) سے مراد دنیاوی نعمتیں ہیں جن کا ذکر آیۂ (۱۶ : ۷۸) سے برابر چلا آیا ہے اور آگے چلکر تاکید کے طور پر پھر یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰہِ ثُمَّ یُنْکِرُوْنَہَا وَاَکْثَرُھُمُ الْکٰفِرُوْنَ ○ (۱۶ : ۸۳) فرمایا ہے، یعنی "لوگ خدا کی نعمتوں کو خوب سمجھتے ہیں، پھر دیدہ دانستہ اُن سے انکار کرتے ہیں، اور اس میں شک نہیں کہ اُن میں سے اکثر ناشکر (کٰفِرُوْنَ) ہیں۔" اس آیۂ شریفہ میں خدا کی عطا کی ہوئی دنیاوی نعمتوں کو **نعمت نہ تسلیم کرنیوالوں کو بصراحت تمام کافر کہا گیا ہے**، جو مسلمان آج دنیاوی نعمتوں کو ہیچ سمجھکر اِس دنیا کو قابل نفرت سمجھتے ہیں اُنکے لیئے یہ تہدید از بس عبرت انگیز ہے۔ اِسی سورۃ میں انسان کی دنیاوی خوشحالی کو بار دگر نعمت سے تعبیر کیا ہے: وَاللّٰہُ فَضَّلَ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِہِمْ عَلٰی مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُہُمْ فَہُمْ فِیْہِ سَوَآءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَۃِ اللّٰہِ یَجْحَدُوْنَ (۱۶ : ۷۱)، "اے لوگو! اُس خدائے ذوالجلال نے ہی تم کو رزق میں ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے تو جن کو زیادہ روزی دیگئی ہے وہ کچھ اپنی دولت اپنے پیش خدمت غلاموں اور ماتحتوں کو لوٹا نہیں دیا کرتے تاکہ آقا اور غلام آپس میں برابر ہو جائیں۔ جب وہ ایسا نہیں کرتے اور اپنے تفضل رزق کو نہایت اہتمام سے برقرار رکھتے ہیں تو کیا اِس کے بعد بھی اللہ کے احسانات سے منکر ہیں۔" اس مغلق آیت کے مطالب کے متعلق مدلل بحث اپنے موقع پر آئیگی، مگر صاف ظاہر ہے کہ یہاں تفضل رزق کو نعمت کہا گیا ہے۔ اِس سے اگلی آیت ہے: وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَکُمْ مِّنْ اَزْوَاجِکُمْ بَنِیْنَ وَحَفَدَۃً وَّرَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰہِ ھُمْ یَکْفُرُوْنَ ○ (۱۶ : ۷۲)، "اور لوگو! خدا ہی وہ کارساز حقیقی ہے جس نے تمہاری آسایش کے لیئے تم ہی میں کی بیبیاں بنائیں، اور تمہاری بیبیوں سے تمہارے لیئے بیٹوں اور پوتوں کو پیدا کیا اور تم کو نہایت عمدہ رزق ارزانی فرمائے، تو کیا یہ لوگ اِس حقیقت کے کھل جانے کے بعد بھی فرضی معبودوں کے لاطائل انعاموں پر ایمان رکھیں گے، اور خدا کی دی ہوئی صریح نعمتوں کا کفران کرینگے؟" یہاں بھی صاف اور غیر مشکوک الفاظ میں بیویوں، اولاد، اور طیبات رزق کو نعمت کہا گیا ہے اور اُنکے عدم اقرار کو کفر پر محمول کیا ہے۔ سورۂ فاطر میں ہے: یٰٓاَیُّہَا النَّاسُ اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ ۭ ھَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰہِ یَرْزُقُکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ (۳۵ : ۳)، یعنی "اے ساکنان زمین! خدا کی نعمتوں کو جو تم کو دی گئی ہیں یاد کیا کرو اور غور کرو کہ کیا فی الحقیقت خدا کے سوا کوئی اور وجود بھی ہے جو اِس قدر طاقت رکھے کہ تم کو آسمان اور زمین سے رزق پونہچائے۔" یہاں نعمت وہ مادی وسائل ہیں جنپر انسان کی حیات کا مدار ہے۔ سورۂ لقمان میں ہے: اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَہٗ ظَاہِرَۃً وَّبَاطِنَۃً ۭ (۳۱ : ۲۰)

---

۵ نعمت بمعنی احسان: وَتِلْکَ نِعْمَۃٌ تَمُنُّہَا عَلَیَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ○ (۲۶ : ۲۲) میں حضرت موسیٰ فرماتے ہیں کہ "اے فرعون! کیا یہی احسان کہتے ہو کہ تم نے بنی اسرائیل کو غلامی میں لگا رکھا ہے اور انکو مزدور بنا رکھا ہے۔"

النِّعمت

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۴)، یعنی "کیا تم لوگوں نے اِس بات پر نظر نہیں کی کہ خدا نے تمہارے فائدے اور استفادے کیلئے آسمان اور زمین کے اندر جو کچھ ہے تسخیر کر رکھا ہے، اور اِس تسخیر کے باعث گویا اپنی ظاہری اور باطنی سب نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں" یہ آیہ جلیلہ ناقابل انکار طور پر اِس حقیقت کبریٰ کی مؤید ہے کہ اشیائے فطرت سے استفادہ کرنا ہی ظاہری اور باطنی نعمتوں کی تکمیل ہے، گویا نعمت کا کامل اور مکمل مفہوم خدا کی تمام بنائی ہوئی اشیاء کا جائز استعمال ہی ہے، اِسکے ماسوا حتماً کچھ نہیں۔ یہاں پر رُوحانی نعمتوں کے وجود کی بھی تغلیط ہو جاتی ہے اور جیسا کہ چوتھی مجلد میں علم کے عنوان میں واضح کر دیا جائے گا۔ فطرت کی اشیا کے صحیح استعمال کے اندر اور اُس کے ضمن میں ہی "رُوحانیت" کے تمام مدارج کی تکمیل بھی ہو جاتی ہے۔ اور یہی وہ اوج مرتبت ہے جس کے حاصل ہونے کے بغیر کسی قوم کا اِس دنیا میں تمکن ناممکن ہے۔ (کتاب کے عربی افتتاحیہ میں قرآن حکیم کی اِس تعلیم کی ایک جھلک دکھلا دی گئی ہے (دیکھو صفحہ ۳۸-۴۸)

(د) انسانوں کی طرف، عام خطاب سے قطع نظر بنی اسرائیل کیطرف خدائی خطابات بھی اسی حقیقت کبریٰ کو ظاہر کرتے ہیں کہ قرآن حکیم میں نعمت کا مفہوم دنیاوی افضال و اکرام ہی ہے۔ سورہ ابراہیم میں حضرت موسیٰ کا قول ہے: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ط (۱۴: ۶) یعنی "ایک وہ وقت تھا کہ جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے لوگو! خدا کی اُس نعمت کو یاد کرو جب اُس نے تم کو فرعون کے لوگوں کے ظلم سے نجات دی تھی، وہ تم کو غلامی میں رکھکر دردناک طور پر تکلیفیں دیتے، تمہارے بیٹوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر قتل کرتے کہ تم تعداد میں تھوڑے رہ جاؤ، اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے کہ لونڈیاں بنکر رہیں"۔ یہاں ایک قوم کی سیاسی نجات کو نعمت خدا کہا گیا ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہے: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۵: ۲۰)، "اور ایک وہ وقت تھا کہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے لوگو! خدا کی اُس عظیم الشان نعمت کو یاد کرو جب کہ اُسنے تم ہی میں کے پے در پے کئی پیغمبر تمہاری ہدایت کیلئے بھیجے پھر تم کو بادشاہ بنا دیا، اور وہ وہ انعامات عطا فرمائے جو دنیا جہان میں کسی قوم کو نہ دیئے تھے"۔ یہاں ایک سطح بین شخص کہہ سکتا ہے کہ انبیا کا بنی اسرائیل میں مبعوث ہونا ایک روحانی نعمت تھی، لیکن ادنیٰ تامل بھی اِس نتیجے پر پہنچا دیتا ہے کہ اِن انبیا کا آنا درحقیقت اُس قوم کی اجتماعی اور دنیاوی بہتری کے لیئے ہی تھا، جیسا کہ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا اور اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ خود موسیٰ علیہ السلام کا پیش نہاد بھی بنی اسرائیل کو فراعنہ مصر کے مظالم سے نجات دینا، اور اُس قوم کو قانون خدا کا پابند بنا کر بادشاہ بنانا ہی تھا جیسا کہ متذکرہ صدر آیت (۱۴: ۶) سے بھی ظاہر ہے بلکہ اِس آیت سے بعد کی آیتیں (یعنی ۵: ۲۱ - ۲۶) جس میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارض مقدس پر حملہ کرنے اور دشمن سے مردانہ وار لڑکر بادشاہت زمین حاصل کرنے کی زبردست ترغیب دی ہے پیغمبری کے منتہا، اور جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ کی نعمت سے مفہوم کو اظہر من الشمس کر دیتی ہیں۔ آگے چلکر اسی تحت المتن میں اِس واقعے کی مزید تفصیل کر دیجائے گی لیکن ہر صاحب نظر بطور خود دیکھ سکتا ہے کہ بنی اسرائیل کے پیغمبر بشمولیت موسیٰ علیہ السلام، اُس قوم کو اِس دنیا میں متمکن اور متسلط کرنے کیلئے ہی مبعوث ہوئے تھے۔ اور یہ اجتماعی بقا کی بشارت دینا ہی ہر مرسل کا پیغام جلیل ہوا کرتا ہے جیسا کہ صفحہ ۱۸ کے تحت المتن میں واضح کر دیا گیا ہے۔ نبی اپنی قوم کے لیئے یا تمام دنیا کے لیئے چند روشن احکام خدا کے ہاں سے لے آتا ہے، پھر جبتک لوگ اُنپر عامل رہتے ہیں اجتماعی بقا کی بشارت اُنکو ملتی رہتی ہے، جب اُس راہ سے ہٹ جاتے ہیں ہلاک ہو جاتے ہیں، یہی سچی "رُوحانیت"، اور صحیح معنوں میں نعمت ہے۔ اِسی حقیقت کبریٰ کو اللہ صاحب نے سورۂ بقرہ میں دوسرے لفظوں میں واضح کیا ہے: سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (۲: ۲۱۱)، یعنی "اے محمدؐ! تم بنی اسرائیل سے پوچھو تو سہی کہ ہم نے اُن کو کیا کچھ روشن قانون اور کتنے کھلے کھلے اور غیر مشکوک حکم دیئے تھے (اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ)، (وہ اگر اُنپر عامل رہتے تو ہمارے خزانۂ عامرہ سے کیا کیا انعام نہ پاتے) لیکن جس قوم نے خدا کی نعمت کو اُسکے آنے کے

عَلَيْهِمْ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۵) بدل ڈالا تو خدا نے بھی آخر اُس قوم سے انتقام لینا ہی تھا اور اسمیں شک نہیں کہ وہ بہت شدت سے بدلہ لینے والا ہے۔" یہاں اُن احکامِ خدا ہی کو نعمت کہا گیا ہے کیونکہ اُنپر عمل کرنے کا نتیجہ اجتماعی راحت تھی، اور رد کرنے کا بدلہ ہلاکت کی صورت میں ظاہر ہوا یہی بات سورۂ بقرہ کے اِس خطاب سے ظاہر ہے: يٰبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِينَ ۝ (۲: ۴۷ و ۲: ۱۲۲)، یعنی "اے بنی اسرائیل! میری اُس نعمت کو یاد کرو جو کسی زمانے میں میں نے تم کو عطا کر رکھی تھی، اور بالخصوص اسکو کہ میں نے تم کو دنیا جہان کی سب قوموں پر ہر طرح کی فوقیت دی تھی۔" نہیں بلکہ ایک موقع پر دنیاوی فضیلت کو دوبارہ واپس دینے کا اقرار کیا ہے بشرطیکہ احکام پر عمل از سرِ نو شروع ہو جائے۔ یا بعبارۂ اُخریٰ ماسوا کا خوف (جو فی الحقیقت تمام عصیان و عدم تعمیل کا باعث ہے) اُٹھ جائے: يٰبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوا بِعَهْدِيٓ أُوفِ بِعَهْدِكُمْ وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ ۝ (۲: ۴۰)، یعنی "اے بنی اسرائیل! یاد کرو وہ نعمتیں جو میں نے تمہیں دے رکھی تھیں، یاد کرو کہ وہ کیونکر چھن گئیں اور میری تو یہ شان ہے کہ اگر آج میرے عہد کو پورا کر دوگے تو آج ہی میں بھی اپنے عطائے سلطنت کے عہد کو پورا کر دونگا۔ اور وہ عہد یہی ہے کہ مجکو حاکمِ اعلیٰ مانکر مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔" کسی دوسرے موقع پر اِس عہد و پیمان کی جو خدائے عزّ و جل نے بنی اسرائیل سے کیا تھا تصریح کر دیجائے گی، یہاں پر بحث صرف نعمت کے صحیح مفہوم سے ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ نعمت بادشاہت زمین ہی تھی جو اُن سے چھین لی گئی۔ علیٰ ہذا القیاس فرعونیوں کے بارے میں ہے: كَمْ تَرَكُوا مِن جَنّٰتٍ وَعُيُونٍ ۝ وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ۝ وَنَعْمَةٍ كَانُوا فِيهَا فٰكِهِينَ ۝ [ه] (۴۴: ۲۵-۲۷)

(ھ) بنی اسرائیل سے خطاب کے علاوہ قرآن حکیم میں کئی موقعے ہیں جہاں بالخصوص قرنِ اولیٰ کے مسلمانوں سے خطاب ہے، لیکن وہاں پر بھی نعمت سے مراد دنیاوی نعمتیں ہی ہیں۔ سورۂ نحل میں رزق کی حلت اور حرمت کے بارے میں ہے: فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۝ وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ۝ (۱۶: ۱۱۴)، "پس اے مسلمانو! جو کچھ ہم نے تم کو دے رکھا ہے اُنہیں سے پاکیزہ اشیا کو کھاؤ اور اگر تم فی الحقیقت خدا ہی کے تابع اور ملازم ہو (إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ) تو اُسکی نعمتوں کا صحیح استعمال کرو (معانی شکر کے لیئے دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۳)، سورۂ احزاب میں ہے: يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا ۝ (۳۳: ۹)، یعنی "اے ایمان والو! خدا کی اُس نعمت عظمیٰ کو یاد کرو جب کہ غزوۂ خندق میں تم پر لشکر کے لشکر آ چڑھے تھے پھر ہم نے اُنکے زور کو توڑنے کے لیئے اُن پر تند ہوا بھیجدی اور آندھی کے علاوہ اور مقابلہ کرنے والی قوتیں اور افواج جن کو تم دیکھ نہیں سکتے تھے۔" یہاں بھی نعمت وہ خدائی تائید تھی جسکا نتیجہ دنیاوی فتح کی صورت میں ظاہر ہوا۔ سورۂ مائدہ میں ہے: يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَن يَبْسُطُوٓا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ ۚ (۵: ۱۱)، یعنی "اے ایمان والو! اپنے اوپر خدا کے اُس احسان کو یاد کرو جب ایک گروہ نے تم پر دست تعدّی دراز کرنے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن خدا نے تم سے اُن کے ہاتھوں کو روک دیا۔" یہاں دشمن کے حملے سے بچ جانا نعمتِ خدا ہے۔ سورۂ آلِ عمران میں بدر الصغریٰ کے میلے پر جو تجارتی فوائد مسلمانوں کو حاصل ہوئے اور جو اخلاقی فتح اُنکو ابو سفیان کی دھمکی سے نہ ڈرنے اور بدر پر حسب وعدہ آ دھمکنے سے ہوئی اسکے اعتراف میں ہے: فَانقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوٓءٌ وَاتَّبَعُوا رِضْوٰنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ۝ (۳: ۱۷۴)، یعنی "پھر اسلام کا جرّار لشکر اور اُن کے بہادر سرخیل لوٹے تو اِس شان سے لوٹے کہ خدا کی نعمتوں اور اُس کے فضل و کرم سے لدے ہوئے تھے، بدر کے میدان میں تین دن رات پڑے رہنے کے باوجود اُن کا بال تک بیکا نہ ہوا (لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوٓءٌ)، وہ خدا کی خوشنودی پر کاربند ہوئے تھے اور خدا بڑا ہی صاحب فضل و کرم ہے جو پل میں کچھ کا کچھ کر دیتا ہے۔" یہاں 'نعمت' کے دنیاوی مفہوم کے علاوہ 'فضل' کے معانی بھی صاف ہو گئے کہ قرآن کی لغت میں اِس کا مفہوم بھی دنیاوی مال و دولت ہی ہے۔ سورۂ آلِ عمران میں راہ خدا میں اپنی جان لڑا دینے والے مجاہدین کی نسبت فرمایا ہے۔ وہ مرے نہیں بلکہ زندہ اور خوش بخوشش خدا کے پاس موجود ہیں، اُن مجاہدوں کو جو ابھی مارے نہیں گئے اُخروی امن کی بشارت دے رہے ہیں پھر اِسکے بعد فرمایا ہے: يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ (۳: ۱۷۰)، یعنی "وہ لوگ دنیا میں رہنے والے

[ه] یعنی "ان لوگوں کو باری نافرمانی کے عوض کیسے کیسے عمدہ باغات اور چشمے، کیسی کیسی کھیتیاں اور عزیز القدر مقام اور تنعّم کی چیزیں جنہیں مزے لوٹا کرتے تھے چھوڑنی پڑیں۔" دیکھو صفحہ ۱۱۶۔

تفسیر

(بقیہ تحت المتن صفحہ ٢١٦) مومنوں کو خدا کے ہاں سے (مِّنَ اللّٰہِ) دنیوی انعام واکرام اور فضل و کرم کی بشارت دے رہے ہیں"۔ یہاں نعمت سے صاف دنیاوی نعمت مراد ہے کیونکہ اخروی انعام کا ذکر پیشتر کی آیت میں آچکا ہے۔ سورۂ فتح میں صلح حدیبیہ کی دوررس حکمت عملی کو فَتْحًا مُّبِیْنًا (٤٨ : ١) کہہ کر اتمام نعمت اور صراط مستقیم کے معنی خیز القاب عطا فرمائے ہیں: وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا (٤٨ : ٢) یعنی" یہ معاہدہ جو بظاہر خفت آمیز معلوم ہوتا ہے کمزور مسلمانوں کے لیئے درحقیقت فتح مبین ہے کیونکہ ان کو اس اثنا میں اپنی قوتوں کو از سر نو جمع کرنیکا موقع مل جائے گا۔ دشمن اپنی قوت کے غرور میں اور قوی بننے کی سعی نہ کر سکے گا، اور یہ متارکہ فی الحقیقت تم پر خدائے عزوجل کی نعمت مکمل ہوجانے کا پیش خیمہ ہوگا، اور نیز اسلیئے کہ خدا تم کو دشمن پر غالب آنیکے صراط مستقیم پر لیجائے"۔ یہاں نعمت کے سیاسی مفہوم کی توضیح کے ساتھ ساتھ صراط مستقیم کے مطالب کی بھی ایک حد تک تشریح کردی ہے۔ سورۂ آل عمران میں قرون اولی کے مومنوں کے بےمثال اتحاد اور اخوت کو دوبارہ نعمت کہا ہے: وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا (٣ : ١٠٢)۔ مطالب صفحہ ١٢٥ پر آچکے ہیں یہاں اعادے کی ضرورت نہیں۔ سورۂ مائدہ میں بدن کی تطہیر اور نماز سے پیشتر ہاتھ منہ دھونے کو بھی اتمام نعمت فرمایا ہے: مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ٥ (٥ : ٦) یعنی" خدا اس غسل اور تیمم کی بندش سے فی الحقیقت تم پر کوئی ناروا یا بے سبب تنگی کرنا نہیں چاہتا، بلکہ وہ انسان ایسی اشرف المخلوقات کو ظاہری نجاست اور آلائش سے ہر روز پنجوقتہ پاک و صاف کرنا چاہتا ہے، اور جہاں اُسنے تمہاری دنیاوی بہتری، معاشری بہبودی، اور اُخروی نجات کیلیئے تم کو نہایت گرانقدر اصول سکھلائے ہیں وہاں وہ تمہاری جسمانی صفائی کا یہ چھوٹا سا اصول سکھلا کر فی الحقیقت تم پر اپنی نعمت کی تکمیل کرنا چاہتا ہے تاکہ تم اُس نگہبان حقیقی کی اس حیرت انگیز محافظت کی دل سے قدر کرو (لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ)"۔ گویا یہاں بھی نعمت سے دنیاوی نعمت (یعنی جسمانی صحت) مقصود ہے، محض بدن کو دھو لینا کسی شخص میں روحانیت پیدا نہیں کرسکتا، اور نہ وضو سے اُس روحانیت کا اتمام پیش نظر ہے۔ بعینہ اسی نقطۂ نظر سے اِس آیۂ شریفہ سے ذرا پہلے احکام حرمت ماکولات کے ضمن میں اتمام نعمت کا تذکرہ کیا ہے: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (٥ : ٣) یعنی" آج اے مسلمانو! ہم نے معاشری اور اجتماعی اوامر و نواہی کی کامل شرح وبسط کے بعد حلت اور حرمت کے ان نتیجہ خیز احکام کی بھی توضیح کرکے گویا تمہارے آیندہ اور مجوزہ طرز عمل کو (دِيْنَكُمْ) دنیا کے اس ابتلاگاہ سعی و عمل میں پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا ہے، بلکہ ایک رو سے اپنی تمام نعمتوں کی تکمیل کردی ہے، اور تمہارے لیئے اسی تقویت انگیز اور غلبہ اندوز اسلام کو بطور راہ عمل پسند کیا ہے"۔ حلت اور حرمت کے احکام کی نتیجہ خیز حکمت اور اُنکی اہمیت کے متعلق فلسفیانہ بحث کرنے میں ابھی بہت دیر ہے۔ یہ موضوع غالبًا پانچویں مجلد میں آسکیگا، مگر پوری آیت کے مطالعے سے ظاہر ہے کہ مُردار شے کے کھانیسے بچنا، اور جیسی کراہت انگیز شئے سے پرہیز کرنا، یا لحم خنزیر سی پلید اور مُفسد صحت چیز کو حرام سمجھنا، یا اور باقی اشیا جنکی حرمت کی تصریح اس آیت میں ہوئی ہے اُنکے کھانے سے گریز کرنا فی الحقیقت انسان کی معاشری اور دنیاوی زندگی کی اصلاح کا ایک منظر ہی ہے، اِن کو روحانیت سے چنداں کوئی تعلق نہیں، اور اسی لیئے اتمام نعمت کا مفہوم یہاں پر بھی دنیاوی ہے۔ علی ہذا القیاس طلاق کے متعلق احکام خدا کی شرح وبسط کے بعد ارشاد ہے: وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ (٢ : ٢٣١)، یعنی" مسلمانو! احکام خدا کو مہمل یا محض بے نتیجہ اور بے مطلب باتیں (هُزُوًا) سمجھکر نہ ٹالا کرو، بلکہ اُن کی تعمیل خدا کے اُن بیش قیمت احسانوں کو دل میں رکھکر کیا کرو جو اُسنے وقتًا فوقتًا تم کو مناسب احکام دے کر کیئے۔ اور جو گرانقدر کتاب اُس نے تم پر اُتاری ہے بلکہ حکمت الٰہی کے جو بےمثال نکات اس نے تم کو اپنی جناب سے عطا فرمائے ہیں اور جن کے ذریعے وہ تم کو مناسب راہ عمل بتاتا رہتا ہے اُنکو پیش نظر رکھکر تعمیل کیا کرو"۔ یہاں بھی نعمت سے مراد وہ اجتماعی خوش حالی ہے جو احکام خدا پر کما حقہٗ عمل کرنیسے ہر قوم کو اس دنیا میں نصیب ہوتی ہے، روحانی بہجت ہرگز مراد نہیں۔

المغضوب

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۷) قریب قریب یہی مضمون سورۂ مائدہ میں احکام وضو کے بعد ہے: وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (۵: ۷)، یعنی "اے مسلمانو! وضو کے بارے میں اس الٰہی حکم کو بے سبب یا بے نتیجہ نہ سمجھو بلکہ اُس اجتماعی راحت اور قوت (نِعْمَتَ) کو خیال میں لاؤ (اذْكُرُوْا) جو تم کو خدا کے ہاں سے دمبدم نصیب ہوتی رہی ہے، نیز اُس الٰہی عہد و پیمان کے قوت انگیز نتائج پر غور کرو جسکے ساتھ اُسنے کچھ مدت ہوئی تم کو وابستہ کر دیا تھا (وَاثَقَكُمْ بِهٖ)، اور جس کی نتیجہ خیز اہمیت کو پیش نظر رکھکر تم نے بھی اُسکے مشمولہ احکام کے آگے سر تسلیم خم کر دینے کی ٹھان لی تھی (اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا) اور دیکھو! خدائے قاہر کے قہر و غضب سے ڈر کر (وَاتَّقُوا اللّٰهَ) اُسکے ہر حکم کی بطیب خاطر تعمیل کیا کرو کیونکہ وہ تمہارے دلوں کی کشمکش اور سینوں کی ششں و پنج کو بھی ہو بہو جانتا ہے (عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ)"۔ اِس آیت کا ربط پہلی آیت کے ساتھ نہایت غور طلب ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ خدائے عزوجل نے صفائی بدن کی اہمیت کو دلنشین کر دینے کی غرض سے قرون اُولیٰ کے مسلمانوں کو ثبوت کے طور پہ وہ اجتماعی فائدے (نِعْمَتَ) یاد دلائے جو احکام خدا کی تعمیل کے باعث اِس سے پیشتر مل چکے تھے۔ گویا یہاں پر ترغیب و تحریص کا بعینہ وہی رنگ ہے جیسے کوئی بادشاہ اپنی رعیت کو کہے کہ فلاں کام بھی اُسی انہماک اور سرگرمی سے کرو جیسا کہ اور حکم مانتے آئے ہو، اور ذرا خیال میں لے آؤ کہ پہلے حکموں کی تعمیل کے باعث تم کو کیا کیا فائدے، حاصل ہوئے ہیں۔ اِس مقام نظر سے صاف ظاہر ہے کہ یہانپر بھی نعمت سے مراد دنیاوی منفعت ہی ہیں۔ سورۂ بقرہ میں علیٰ ہذا القیاس تحویل قبلہ کی بحث کے ضمن میں اسلام کی عالم آرا اُمت کے لیئے ایک مرکز کی ضرورت کو واضح کر کے فرمایا ہے: وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (۲: ۱۵۰)، یعنی "اور یہ تمام عالم اسلام کا ایک نقطے پر تمرکز اسلیئے ہے کہ میں اپنی نعمت کی تکمیل تم پر کروں، اور تاکہ تمکو اِس دنیا میں قوت اور اتحاد کے ساتھ رہنے کا راہ راست ملجائے[1]"۔ سورۂ عنکبوت میں پھر اسی بیت الحرام کے تقدس اور فوقیت کی شان میں ہے: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ (۲۹: ۶۷)، یعنی "اے محمدؐ! کیا دشمنان اسلام نے اِس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم ہی نے بیت الحرام کو روز اول سے جائے امن بنا رکھا ہے حالانکہ عین اسکی چار دیواری کے باہر یہ حال ہے کہ لوگ اِن کے آس پاس سے بے دھڑک جھپٹا مارے جا رہے ہیں (اور کوئی شخص انکی داد رسی نہیں کر سکتا) تو کیا یہ لوگ لاطائل اور بے نتیجہ باتوں کو مانتے ہیں اور خدا کی اِس نعمت عظمیٰ کی قدر نہیں کرتے"۔ گویا خدا کا حرم کعبہ کو پر خطر ماحول کے عین وسط میں دار الامان بنا دینا نعمت الٰہی ہے اور منکروں کو جو احکام خدا کے امن انگیز ہونے پر کچھ یقین نہیں رکھتے، ایک زندہ مثال انکے گرد و پیش سے لیکر دی ہے تاکہ بطور خود غور کریں کہ خدا کیونکر خوف و خطر کے گرد و نواح میں امن و آسایش کی صورت پیدا کر سکتا ہے، اور کیوں کر ایک وقف اجل، خوفزدہ اور تختۂ مشق عدو قوم میں سے ایک بارعب، صاحب وقار اور محفوظ اُمت کھڑی کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ یہاں پر بھی صاف نعمت سے مراد دنیاوی امن و راحت ہی ہے۔ خود پیغمبر آخر الزمانؐ کو الٰہی ارشاد ہے: مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ (۶۸: ۲)، یعنی "اے محمدؐ! تم اپنے پروردگار کے فضل و کرم سے پاگل نہیں ہو (جیسا کہ اہل مکہ کہتے ہیں)"۔ گویا صحیح الاعضا ہونا بھی نعمت الٰہی میں داخل ہے۔ سورۂ واللیل میں خدا کے ہاں سے انعامات کی تقسیم کے متعلق ایک قاعدہ کلیہ بیان کر کے اسکے دنیاوی مفہوم کو اور بھی واضح کر دیا ہے: وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى (۹۲: ۱۹-۲۰)، یعنی "اے لوگو! خدائے عزوجل کے پاس (عِنْدَهٗ) کسی فرد واحد کے لیئے بھی (لِاَحَدٍ) کوئی نعمت (مِنْ نِّعْمَةٍ) نہیں کہ بطور بدلہ کے دیجائے (تُجْزٰٓى) مگر یہ کہ وہ انعام اُس شخص کو اپنے پروردگار جلّ و علیٰ (رَبِّهٖ) کی تلاش رضا کے صلے میں ملتا ہے"۔ یعنی اِس دنیا کے اندر جسکو جو کچھ مل رہا ہے خوشنودی خدا کے صلے میں مل رہا ہے۔ یہانپر اِس جلیل القدر کلیئے کی صداقت پر بحث نہیں صرف لفظ "نعمت" سے سروکار ہے۔ سورۂ والضحیٰ میں ہے: وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (۹۳: ۱۱)، یہانپر بھی نعمت صاف دنیاوی ہے۔

(۹) اِن تمام نصوص صریحہ کے علاوہ جن کا ذکر اوپر ہوا، قرآن میں چند موقعے ایسے بھی ہیں جہاں نعمت کا مفہوم بادی النظر میں

[1] ضمناً اس آیۂ شریفہ میں تَهْتَدُوْنَ کا لفظ بصراحت تمام ظاہر کرتا ہے کہ ہدایت کا قرآنی مفہوم اتحاد ہی ہے۔ اس مفہوم کی کئی مثالیں میں نے صفحہ ۱۹۳ کے تحت المتن میں دی ہیں۔

عَلَيۡهِمۡ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۸) مشکوک سا معلوم ہوتا ہے، یا کم از کم اِس مفہوم کے متعلق وہاں پر تاویل کی بہت کچھ گنجایش ممکن ہے۔ سورۂ احزاب میں حضرت زید بن حارثہؓ کے مشہور قصّے کے ضمن میں ہے: وَاِذۡ تَقُوۡلُ لِلَّذِیۡۤ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَاَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِ اَمۡسِكۡ عَلَیۡكَ زَوۡجَكَ وَ اتَّقِ اللّٰهَ (۳۳: ۳۷)، یعنی "اے محمدؐ! وہ بھی عجب وقت تھا جب تم زید بن حارثہؓ کو، جسپر خدا نے چند در چند احسانات کیئے تھے، اور تم بھی اُسپر احسان کر رہے تھے، سمجھاتے تھے کہ اپنی بی بی زینبؓ کو زوجیّت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر"۔ یہاں شارحین نے کہا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو بچپن سے پالا تھا، پھر غلامی سے آزاد کرکے اپنی پھوپھی زاد بہن اُنسے بیاہ دی، وغیرہ وغیرہ۔ 'اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِ' میں انہی احسانوں کیطرف اشارہ ہے۔ یہ سب نبوی انعامات ظاہر ہے کہ مادّی اور دنیاوی تھے، تخیّل کی کوئی پرواز ان کو روحانی قرار نہیں دے سکتی، لیکن اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِ کے متعلق مفسّرین نے بہت کچھ خیال آفرینی کرکے "اسلام کی روحانی نعمت" کو انعام خدا قرار دیا ہے۔ ممکن ہے کہ خدائے عزّوجل نے اِس آیہ شریفہ میں حضرت زیدؓ کو اسی روحانی نعمت کا احسان جتلایا ہو مگر الفاظِ وحی کے اندر اس دعوے کی قطعًا کوئی سند موجود نہیں بہیں بلکہ جب پیغمبر خدا کے انعام و احسان کی نوعیّت دنیادی تھی تو غالب گمان یہی ہے کہ خدا نے اپنے احسانات بھی اُسی قطع کے یاد دلائے ہوں۔ ایک بے حیثیت اور بیچیز غلام کا پیغمبر عرب کی خالہ زاد بہن سے رشتہ کردینا ہی میرے نزدیک اُس منعم بے حساب کا وہ غیر مترقبہ انعام تھا جس کو صحیح معنوں میں 'اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِ' کہا جا سکتا ہے، حلقہ اسلام میں داخل ہونے کا احسان کم از کم یہاں پر نہیں جتلایا کیوں کہ اوّلًا اِس کی تخصیص صرف زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ نہ تھی بلکہ سب مسلمان اِس میں داخل تھے۔ ثانیًا اِس احسان کو یاد دلانا یہاں پر اصلًا غیر متعلق ہے کیوں کہ اَمۡسِكۡ عَلَیۡكَ زَوۡجَكَ سے اِس کا کوئی ربط نظر نہیں آتا۔ اگر عورت کو طلاق دینا اسلام میں شرعًا ممنوع ہوتا تو زیدؓ کے مسلمان ہونے کا احسان یاد دلانا کچھ معنی رکھتا۔ یہاں صرف اِس قدر کہا گیا ہے کہ تو دیکھ اُن احسانات کو نہ بھول جو خدا نے تمہاری ذات پر کیئے، تم کو ایک ادنےٰ طبقے سے اُٹھا کر پیغمبر خدا کا کفو اور عرب کا سردار بنا دیا، خود پیغمبر نے تم کو پالا پوسا، غلامی سے آزاد کیا، وغیرہ وغیرہ۔ ایسے منعم کی بہن کو طلاق دینے سے ڈر اور خدا کا خوف کر۔ بنی اسرائیل کے خروج کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس بات پر اُبھارا تھا کہ اپنی تمام قوّتوں کو مجتمع کرکے اور پوری ہمت دکھلا کر ارض مقدس پر حملہ کردیں، دشمن کے بالمقابل جم کر لڑیں اور کسی حالت میں پیٹھ نہ دکھلائیں، مگر صدیوں کی یہ محکوم قوم اپنی موروثہ بزدلی اور جبن کے باعث اُس "زبردست دشمن" (قَوۡمًا جَبَّارِیۡنَ (۵: ۲۲)) پر ہجوم کرنے کے لیئے آمادہ نہو سکی اور لنگ عذرات پیش کرکے ٹال دیا۔ اس واقعہ کا ذکر سورہ مائدہ میں ہے، بنی اسرائیل کے دو جوان مرد یوشع اور کالب عام قوم کے برخلاف، اس برانگیخت میں موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے ہمزبان تھے، اُن کی بابت ارشاد ہے: قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیۡنَ یَخَافُوۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمَا ادۡخُلُوۡا عَلَیۡهِمُ الۡبَابَ فَاِذَا دَخَلۡتُمُوۡهُ فَاِنَّكُمۡ غٰلِبُوۡنَ ۚ وَعَلَی اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوۡۤا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ۝ (۵: ۲۳)، یعنی بنی اسرائیل کے اِس بیہودہ عذر پر خدا سے صحیح معنوں میں ڈرنے والوں (مِنَ الَّذِیۡنَ یَخَافُوۡنَ)، اور اُسکا سچا تقویٰ کرنے والوں (مِنَ الَّذِیۡنَ یَخَافُوۡنَ) میں سے دو شخصوں نے جنپر خدا نے خاص احسان کیا تھا (اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمَا)، کہا کہ اے نامردو! دشمنوں کی ظاہری ڈیل ڈول کی کچھ پرواہ نہ کرو۔ اُنکے گرانڈیل قد دیکھکر بزدل نہ بن جاؤ (دیکھو آیۂ (۵: ۲۲))، تم جس طرح بن پڑے چڑھائی کرکے شہر کے دروازے میں گھسو، اور جب دروازے پر قبضہ کرلیا تو بلاشبہ فتح تمہاری ہی ہے، اور یاد رکھو کہ اگر تم میں ایمان موجود ہے تو ایک دم آمادہ سعی ہوکر نتائج کو خدا پر چھوڑدو (فَتَوَكَّلُوۡۤا)"۔ تمام رکوع کا سیاق و سباق یہی ظاہر کرتا ہے کہ اَنۡعَمَ اللّٰهُ سے مراد وہ **ہمتِ مردانہ** اور وہ **عزمِ صمیم** ہے جو اِن بندگانِ خدا کو تمام قوم کے جمود و سکون کے بالمقابل بارگاہ خدا سے عطا ہوا تھا، اور یہی وہ **قوّت ایمانی** تھی جسکو بعض مجمل پسند اصحاب نے 'روحانیّت' سے تعبیر کیا ہے۔ ادنیٰ تأمّل بھی ہر شخص کو اس نتیجے پر پہونچا دیتا ہے کہ روحانی نعمت دراصل انسان کی اُس اخلاقی برتری، اسکے اُس علوِ ہمت اور تربیتِ نفس کا دوسرا نام ہے جس کا نتیجہ دنیاوی تمکّن اور امن ہے، اس سے کمتر کچھ نہیں۔ اِس آیۂ شریفہ میں یوشع اور کالب کی 'روحانیت' یا بعبارۂ اُخریٰ اُنپر خدا کا انعام یہی تھا کہ اُنہوں نے اپنے پیغمبر کے

وَلَا الضَّآلِّيْنَ ○ (۱: ۵-۷)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۹) حکم کی اطاعت کرنا اپنا فرض عین سمجھ لیا تھا، اور اسکی تعمیل میں اپنی جانوں کو لڑا دینے سے نہیں جھجکتے تھے پس "نعمت" سے مراد یہاں پر بھی وہ **توفیق عمل** ہے جسکا نتیجہ قوم کی **دنیاوی** راحت ہی ہے، وہ کوئی اعتکافی کسرت یا تسبیحی ورزش نہیں جسکا اس دنیا میں بظاہر کوئی نتیجہ مترتب نہیں ہوتا۔ ایمان اور علو اخلاق کی یہی وہ عملی اور نفع مند حیثیت ہے جس کی بنا پر خدائے عزوجل نے احکام الٰہی کے عاملوں، اور **رسول کے بالمشافہ احکام کی تعمیل کرنے والوں** کو اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ کا لقب عطا فرمایا ہے: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ (۴: ۶۹) یعنی "مسلمانو! تم میں سے جس شخص نے اپنے آپ کو احکام خدا کی متابعت کے پیے وقف کر دیا، اور جس نے رسول کے بالمشافہ احکام کی تعمیل تندہی اور خلوص نیت سے کی تو یہی وہ لوگ ہیں جو اُن لوگوں کے دوش بدوش چل رہے ہیں اور مثل انکے اُخروی اجر کے مستحق ہوں گے (مَعَ الَّذِيْنَ) جنپر اللہ نے اپنا خاص احسان کیا (اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ)، مثلاً وہ انبیائے کرام جنہوں نے راہ حق میں جہاد کیے (مِّنَ النَّبِيّٖنَ) یا وہ 'صادق' لوگ جنہوں نے عمل سے اپنے ایمان کو سچ کر دکھایا (وَالصِّدِّيْقِيْنَ دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۷۱) یا وہ 'شہدائے' خدا جو اپنے بلا مزد اعمال سے خدا کی گواہی دیتے دیتے چل بسے (وَالشُّهَدَآءِ دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۰۵)، یا وہ 'صالح العمل' لوگ جنہوں نے اپنی جماعت کی حالت درست کی (وَالصّٰلِحِيْنَ (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۶۸) اور یہ لوگ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں"۔ 'اطاعت رسول' کے صحیح مفہوم کے متعلق ایک ضمنی بحث صفحہ ۱۷۱ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے وہاں پر اشارہ کر دیا ہے کہ اس سے مراد رسول خدا صلعم کے اُن بالمشافہ احکام کی فوری تعمیل ہے جو آپ بحیثیت قائد اعظم یا رہنمائے اُمت وقتی اور مقامی حالات کو مدنظر رکھکر دیا کرتے تھے، اور جن کا منتہائے نظر تقویت جماعت یا غلبہ اسلام ہی تھا۔ چنانچہ یہاں پر بھی جہاد بالسیف اور ہجرت وطن کے احکام اس آیت سے پیشتر آیہ (۴: ۶۶) میں اُقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ کے الفاظ میں ہو چکے ہیں۔ اور اَنْعَمَ اللّٰهُ کا محاکمہ بھی اسی قطع کے جان و مال ایثار کرنے والوں کے بارے میں ہے۔ اس بنا پر مختصر الفاظ میں اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ سے مراد یہاں پر بھی **وہ توفیق عمل ہے جو ایمان کا جزو لاینفک ہے اور جسکا اس دنیا میں نتیجہ فلاح قوم، اور آگے چل کر فلاح آخرت ہے**، اسکے ماسوا کچھ نہیں۔ جن لوگوں نے اسلامی اوامر و نواہی کے اجتماعی مقاصد کو نظر انداز کر دیا ہے اور بعد ازاں انمیں سے چند سہل احکام مثلاً نماز روزہ کو اپنے لیے پسند فرما کر اُن کی انفرادی مشق پیدا کر لی ہے، اور زہد و تورع کی اس عامیانہ شان کو "رُوحانیت" فرض کر کے اپنے آپ کو اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ کا مصداق مانا ہے اُنکے لیئے یہ آیت از بس سبق آموز ہے۔ 'صدیق' اور 'شہدا' اور 'صالحین' اور 'انبیاء' کی ہمدوشی کا مقام حاصل کرنیکے لیئے **انتہائی سعی و عمل شرط ہے**، جان و مال کی **قربانی شرط ہے**، خدمت عباد شرط ہے وغیرہ وغیرہ، پس وہی شخص اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ کا صحیح مصداق ہو سکتا ہے جو اُن جیسے **نتیجہ خیز اور غلبہ اندوز، مصلح قوم اور محرک اعضا کام کر رہا ہے**۔ سورہ مریم میں 'صدیق العمل' ابراہیم (۱۹: ۴۱)، 'مخلص الاعمال' موسٰی (۱۹: ۵۱)، اور 'صادق الوعد' اسمٰعیل (۱۹: ۵۴) علیہم السلام کے ذکر کے بعد ارشاد الٰہی ہے: وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ق (۱۹: ۵۶-۵۸) یعنی "اے پیغمبر! ابراہیم اور موسٰی اور اسمٰعیل کے جلیل القدر کارناموں کو یاد کرنیکے بعد اس ہماری کتاب میں ادریس کا تذکرہ بھی کرو کیونکہ اسمیں شک نہیں کہ یہ کارکن شخص بھی اپنے اعمال و افعال سے اپنے ایمان کی بڑی ہی تصدیق کرنے والا (صِدِّيْقًا)، اور قانون خدا سے بڑا ہی باخبر (نَبِيًّا) تھا، اور اسی وجہ سے ہم نے اُسکو ایک نہایت بلند منصب پر سرفراز کیا تھا، (مَكَانًا عَلِيًّا)۔ اولاد آدم میں سے یہی وہ انبیاء لوگ تھے جنپر خدا نے اپنے بیحد احسان کیے، اور جو اس دنیا سے فی الحقیقت سُرخرو ہو کر گئے"۔ گویا یہ عمل کے ذریعے سے اپنے ایمان کو سچ کر دکھانا اور "صدیق" بننا ہی خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے، اور یہی سچی "رُوحانیت" ہی ہے۔ گوشہ نشین بنکر خدا خدا کہتے رہنا اور مخلوق سے بے نیاز ہو جانا درحقیقت نہ کوئی عمل ہے اور نہ اسمیں خلق خدا کی بہتری کی کوئی صورت نکل سکتی ہے۔ انبیائے کرام علیہم التحیۃ والسلام کی

اے پروردگارِ عالم اور اے نعمتوں کے بخشنے والے خدا! تو ہم سب کو اُس سیدھے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۰) بے مثال عملی زندگیوں، اُنکے اس دنیا میں عالم انگیز کارناموں، اور مخلوق خدا کی اجتماعی اصلاح کے بارے میں اُن کی اَن تھک کوششوں کو پیش نظر رکھکر ہی ربِ زمین و آسمان نے جا بجا اُنپر سلام بھیجا ہی، اُنکے اعمال کو سراہا ہے، اور عوام کے سامنے اُنکو بطور نمونہ پیش کر کے اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ کا عزیز القدر لقب دیا ہے۔ چنانچہ قرآن میں جا بجا اِس سلام بھیجنے کی کئی مثالیں موجود ہیں جن کے اعادے کی یہانپر ضرورت نہیں۔

(ص) انبیائے عظام کی اسی عاملانہ حیثیت کو پیش نظر رکھکر سورۂ زخرف میں خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں ہے: اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ؕ (۴۳: ۵۹)، یعنی مسیح تو فی الحقیقت ہمارا ایک حکمبردار اور کارکن غلام (عَبْدٌ - دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۰۰) ہی تھا جس پر ہم نے اپنی جناب سے توفیق عمل عطا فرما کر خاص الخاص احسان کیا تھا (اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ)، اور یہ روح عمل اس حد تک ارزانی کر دی تھی کہ ہم نے اُسکو بنی اسرائیل کی جمود زدہ اور غافل قوم کے لیئے ایک نمونہ (مَثَلًا) بنا دیا۔ بنی اسرائیل کے اِس باعمل اولوالعزم نبیؑ پر خدائے جلّ و علےٰ کے یہی وہ بے مثال انعامات تھے جن کی بناپر سورۂ مائدہ میں حضرت کی والدہؑ پر احسان جتلایا ہے۔ یہانپر ربط قائم کرنیکے لیئے اِس سے پہلی آیت بھی نقل کر دی جاتی ہے جس سے احسان جتلانے کا سبب اور بھی واضح ہو جائے گا:

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ م (۵: ۱۰۹-۱۱۰)

اے پیغمبر! وہ وقت بھی نہایت ہی کڑا اور کپکپا دینے والا ہوگا جب وہ مالک زمین و آسمان اور صاحب کبریا و جبروت خدا اپنے سب پیغامبروں اور قاصدوں کو اکٹھا کر کے (يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ) اُن سے اپنے پیغام کے صحیح طور پر ادا کرنیکے متعلق محاسبہ کرے گا اور فرمائے گا کہ بہت خوب! آج تم اپنا اپنا بیان پیش کرو کہ ساکنانِ زمین کی طرف سے تم کو ہمارے پیغام کا کیا جواب ملا (فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ (۵: ۱۰۹))، اُنہوں نے تم کو کیونکر قبول کیا (مَاذَآ اُجِبْتُمْ)؟ اُس کا باشندگانِ زمین پر کیا اثر ہوا (مَاذَآ اُجِبْتُمْ) اور بعد ازاں اور پیغمبروں سے صرف نظر کر کے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف جس کی امت نے پیغام رب العالمین کی ہیئت کو قطعی مسخ کر کے اُسکو "خدا کا بیٹا" بنا لیا تھا متوجہ ہوگا اور فرمائیگا (اِذْ قَالَ اللّٰهُ) کہ اے مریم کے بیٹے عیسےٰ! تم میرے اس احسان کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری ماں پر کیئے تھے۔

سورۂ مائدہ کے دو آخری رکوعوں کے مطالب کو مربوط کرنے کا یہ موقع نہیں بلکہ پوری آیت (۵: ۱۱۰) کی شرح و بسط کر دینا ہی یہاں پر بہت کچھ پیش از وقت ہے، مگر اوقاف قرآن کے رموز کو جاننے والے غور و خوض کے بعد اِس نتیجے پر بطور خود پہنچ سکتے ہیں کہ اِس آیۂ شریفہ میں "اِذْ قَالَ اللّٰهُ سے عَلٰى وَالِدَتِكَ" تک ایک مستقل بیان ہے جس میں خدائے عظیم نے احتساباً بلکہ تہدید آمیز لہجے میں حضرت عیسیٰؑ کی توفیق عمل و عہدۂ نبوت کو اُنپر بلکہ اُن کی ماں پر بھی احسان کے طور پر جتلایا ہے۔ اِس دعوے کی تائید علامت م سے ہوتی ہے جو وَالِدَتِكَ کے بعد ہے اور جس سے مراد یہ ہے کہ اسکے بعد ٹھیر جانا لازمی ہے۔ ورنہ بعد کی عبارت سے ملاکر پڑھنے سے مطالب کے بگڑ جانے (حتیٰ کہ بعض ظاہر پرست اشخاص کے نزدیک کفر کے مرتکب ہونے) کا خوف ہے! گویا تم جیسے باعمل اور کارکن شخص کا ہونا ہی تم پر خدا کا ایک احسان عظیم تھا، اور بالخصوص اُس ماں پر جس نے ایسا سپوت جنا۔" ماں اور بیٹے دونوں کو احسان جتلانے کا سبب سولہویں رکوع کے شروع میں ظاہر ہوتا ہے۔ جہاں پندرھویں رکوع کے بعد انبیائے جہاں کے بھرے مجمع میں فرمایا ہے کہ "اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تم نے فی الحقیقت لوگوں کو کہا تھا کہ خدا کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو خدا بنا لو؟ حالانکہ میں نے ہی تم کو بنی اسرائیل کا سردار بنایا تھا اور تمہاری ماں کو ایسا کارکن بیٹا دیا تھا۔ اکثر شارعین نے کلام خدا کے ربط کو نظر انداز کر کے آیۂ (۵: ۱۱۰) میں وَالِدَتِكَ کے بعد کی عبارت کو متذکرۂ صدر ٹکڑے سے ملا کر اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وغیرہ وغیرہ کو نعمت قرار دیا ہے۔ یہ واقعات یعنی تائید روح القدس اور کلام فی المہد وغیرہ خواہ ان کا مفہوم کچھ ہی ہو حضرت عیسیٰؑ پر بلا

راستے پر لے چل، ان لوگوں کے رستے پر جن کو تُو نے اپنی نعمتوں سے مالا مال کر دیا ہے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ٢٢١) احسان کے عائد ہو سکتے مگر حضرت مریم پر اِن کا چسپاں ہونا کچھ بے معنی سا ہے۔ یہ آیت اس امر کی بہترین مثال ہے کہ قرآن حکیم کے اوقاف اور نشانات رکوع جو عُلمائے سلف نے حجاج ابن یوسف کے زمانے میں لگائے تھے کس حزم و احتیاط سے لگائے اور اُنکو کلام الٰہی کے صحیح مطالب پر کتنا عبور تھا۔ اس بنا پر میرا غالب گمان بلکہ یقین یہی ہے کہ آیہ (٥: ١١٠) میں بھی نعمت سے مراد حضرت کی وہ حیرت انگیز روحِ عمل تھی جس نے اُسکو مَثَلًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ (٤٣: ٥٩) بنا دیا تھا، اور نوعیت احسان حضرت مریم پر یہی ہے کہ ایسے جلیل الشان نبیؑ کی ماں تھیں۔ چنانچہ اسی امتیاز کی بنا پر سورۂ آل عمران میں ولادتِ مسیحؑ کی بشارت دینے والے "ملائک" کا خطاب مریم علیہا السلام سے ہے: إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ ٥ (٣: ٤٢) "یعنی اے مریم! اسمیں شک نہیں کہ خدا نے تمہیں منتخب کر لیا ہے تم کو آلائش گناہ سے پاک صاف کر دیا ہے، اور یہی نہیں بلکہ دنیا جہان کی عورتوں سے تمہیں اس منصب یعنی اُمِّ نبیؑ بننے کے لیے پسند فرمایا ہے" قرآن حکیم کے مطالب میں مزید غور و خوض کرنے والے شاید اس نتیجے پر بھی پہنچ سکیں کہ یہ انتخاب محض بے سبب یا علی الحساب نہ ہوا تھا بلکہ خود مریم علیہا السلام کی بے لوث اور پاکیزہ زندگی، اُن کا عملی ایمان، اُن کی **صدیقیت اور حکمبرداری** اس انعام و اکرام کا باعث ہوئی تھی جیسا کہ سورۂ تحریم کے اخیر میں ربِّ بےمثال نے وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ آمَنُوا[ف] کے الفاظ میں زوجۂ فرعون (آسیہ) اور مریم علیہا السلام کی زندگیوں کو **ایمان والوں کے لیے بطور نمونہ پیش کرکے** مؤخر الذکر کے حق میں فرمایا ہے: وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ ٥ (٦٦: ١٢) یعنی "اے ایمان والو! مریم علیہا السلام کی پاکیزہ زندگی تمہارے لیے نمونۂ عمل اس وجہ سے ہے کہ نیک اور باعمل خاتون ہمیشہ احکام خدا کی بذریعہ عمل تصدیق کرتی رہی، اور اسکی بھیجی ہوئی کتابوں کو قانونِ خدا سمجھکر اُس پر حتی الوسع عمل پیرا رہی، اور وہ فی الحقیقت خدا کے فرماں بردار بندوں میں سے ایک بندی تھی" یہی توفیقِ عمل صحیح معنوں میں وہ نعمت عظمیٰ ہے جس کی بنا پر سورۂ مومنون میں عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریمؑ دونوں کو "**خدا کی نشانی**" کہا گیا ہے، وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً (٢٣: ٥٠) "یعنی ہم نے ابن مریم اور اسکی ماں کو اُن کی بے لوث و باعمل زندگی کی وجہ سے خدا کی قدرت کی ایک نشانی اور اعجوبہ بنا دیا تھا" اور اسی نعمت کا ذکر آیہ (٥: ١١٠) میں ہے جس کی تشریح میں یہ سب ضمنی آیتیں پیش کی گئی ہیں۔

اِن تمام حیرت انگیز شہادتوں سے جو متذکرۂ صدر عنوانات (الف۔ ز) میں پیش ہوئیں بہر نوع یہ ظاہر ہے کہ نعمت کا الٰہی مفہوم **ہمہ تن اور بہر کیف دنیاوی ہی ہے**، کہیں اس سے مراد وہ **اجتماعی تمکن اور راحت ہے** جو منعمِ حقیقی اقوام عالم کو ان کے حُسنِ عمل کے صلے میں عطا فرماتا ہے (الف) (٨: ٥٣)، (٥٤: ٣٥)، (ی) (١٤: ٦)، (٥: ٢٠)، (٢: ٢١١)، (٢: ٤٧)، (٢: ١٢٢)، (٢: ٤٠)، (٤٤: ٢٧) (ھ) (٥: ١١)، (٣: ١٠٣)، (٣: ١٧٠)، (٤٨: ٢)، (٥: ٣)، (٢: ٢٣١)، (٥: ٧)، (٢: ١٥٠)، (٢٩: ٦٧))، کہیں اس سے مقصود انفرادی مگر دنیاوی انعام و اکرام ہیں (الف) (٦٨: ٤٩)، (٤٦: ١٥)، (١٢: ٦)؛ (ب) (٣٩: ٤٩)، (٤١: ٥١)، (١٧: ٨٣)، (٣٩: ٨)، (١٦: ٥٣)، (١١: ١٠)؛ (ھ) (٢: ١٦٨)، (٩٣: ١١)؛ (و) (٣٣: ٣٧))؛ کہیں پیشِ نظر **بنی نوع انسان کے عام عطیات** کو یاد دلاتا ہے (الف) (١٤: ٣٤)؛ (ج) (١٦: ٨٣)، (١٦: ٧١)، (١٦: ٧٢)، (٣٥: ٣)، (٣١: ٢٠))، کہیں نعمت سے مراد اجتماعی بہتری کے لیے **تائیدِ خداوندی** (ھ) (٣٣: ٩)؛ کہیں وہ **حفظِ نفس** کے مرادف ہے (ھ) (٥: ١١)، کہیں یہ **خانگی مصالحت، معاشری امن، یا بدنی طہارت** ہے (ھ) (٥: ٦)، (٢: ٢٣١)) کہیں اسکا مطمحِ **نظر علم** ہے، (الف) (١٢: ٦)) کہیں وہ **توفیقِ عمل** ہے جس کا نتیجہ دنیاوی اصلاح اور اجتماعی امن ہے (و) (٥: ٢٣)، (١٤: ٦٩)، (١٩: ٥٦-٥٨)، (ز) (٤٣: ٥٩))، (٥: ١١٠)) وغیرہ وغیرہ۔ پس سورۂ فاتحہ کے صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں بھی انہی دنیاوی اور اجتماعی انعاموں کی طرف اشارہ ہے، فرضی یا خیالی، روحانی یا اُخروی انعاموں کی طرف حتماً نہیں۔ وہی قوم صراطِ مستقیم پر صحیح معنوں میں چل رہی ہے جو اُس **منعمِ بےمثال کے اجتماعی انعاموں کیطرف لپک رہی ہے**، جو اِس غرض و غایت کو پیشِ نظر رکھکر اپنے افراد میں سعی و عمل

ف یہ الفاظ آیہ (٦٦: ١١) میں آئے ہیں۔

اُن کی راہ نہ دکھا جو تیرے غیظ و غضب کا شکار ہو چکے ہیں۔ اور نہ اُنکی جو تیرے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۲) پیدا کر رہی ہے جو محافظِ نفس ہے، زور آور اور تنومند ہے، فاتح اور غالب ہو۔ ایسی ہی امت کے لیے اُخروی انعام بھی وقف ہیں، اور یہی وہ قوم ہے جسکی روحانیت اور تقوٰی، جسکا اخلاقی تفضّل اور عملی تعبّد اسکو رضائے خدا کے بال سے سوا باریک اور تلوار سے سوا تیز راہ پر لیجا رہا ہے! لیکن اصل کتاب میں بعینہٖ اسی نتیجے پر ایک اور طریقے سے پونہچنے کی سعی کیجائے گی۔

"المَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ" کے صحیح مفہوم کے متعلق بھی قرآنِ حکیم میں کئی جگہ شہادت موجود ہے۔ یہودیوں کی اجتماعی شکست و ہزیمت اور اُن کے سیاسی انحطاط کے ذکر میں دو جگہ ہے: وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ (۲: ۶۱)، وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ (۳: ۱۱۱)، یعنی "اُنپر ذلت اور غربت لیس دی گئی، اور وہ خدائے قاہر کے غضب میں آگئے"! سورۂ اعراف میں ہے: إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (۷: ۱۵۲)، یعنی "جن لوگوں نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی ہے ان پر عنقریب غضبِ خدا نازل ہونے والا ہے اور اس دنیا میں ذلت اُنکے دامنگیر ہو گی"۔ اور بھی جہاں جہاں غَضَبُ اللهِ کے الفاظ آئے ہیں اُن سے مراد اجتماعی انحطاط یا ہلاکت ہی ہے، اس شہادت کو یہاں پر جمع کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ مابہ النزاع محض اسقدر ہے کہ المَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ سے مراد صرف یہودی ہی نہیں بلکہ جس قوم کا سیاسی اور اجتماعی اقتدار زائل ہو رہا ہے، جو قوم ہلاکت کے قریب پونہچ رہی ہے اُسپر غضبِ خدا نازل ہو رہا ہے، اسمیں کسی ایک قوم کی تخصیص نہیں۔ اس امر کا ثبوت سورۂ طٰہٰ کے اندر مفصلہ ذیل آیات میں ہے جنکے محاکمے کی تعمیم اظہر الشمس ہے:

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ قَدْ أَنجَيْنَاكُم مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوَاعَدْنَاكُمْ جَانِبَ الطُّورِ الْأَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۝ كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي ۖ وَمَن يَحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوَىٰ ۝ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ ۝ (۲۰: ۸۰-۸۲)

(پیر لوگو! خروجِ مصر کے واقعۂ عظمیٰ کے بعد ہم نے صاف اور غیر مشکوک الفاظ میں موسیٰ علیہ السلام کی وساطت سے بنی اسرائیل پر یہ امر واضح کر دیا تھا کہ) اے بنی اسرائیل! ہم نے اب تم جیسی مجبور زدہ اور غلامی میں پلی ہوئی قوم کو ظالم کار دشمن کی مضبوط گرفت سے نجات دیدی ہے اور مقدس اور بابرکت کوہِ طور (کوہِ سینا) کے دامن میں تم کو جمع کر کے تم سے احکامِ خدا کی تعمیل، اور بشرطِ تعمیل تمہاری اجتماعی بہبودی کے سامان مہیا کرنے کا باہمی معاہدہ بھی کر لیا ہے (وٰعَدْنٰکُمْ) اور یہی نہیں بلکہ اس معاہدے کی پختگی پڑنے کے بعد عین قادیش کی پرفضا وادیوں میں تم کو آباد کر کے (دیکھو تحت المتن صفحہ ۹۷) تم پر شیرینی و ضخت حلاج (الْمَنّ) اور بٹیروں کے شکار کا مائدہ مہمانی کے طور پر نازل کر دیا ہے تاکہ تم اطمینان سے اس معاہدے کی تکمیل کر سکو، تو اب تم بیفکری سے جو عمدہ روزی ہم نے تمکو دی ہے کھاؤ پیو، لیکن اس ہمارے عہد کے بارے میں جو ہم نے تم سے کیا ہے سرِ مو تجاوز نہ کرو (لَا تَطْغَوْا فِيهِ) اگر ایسا کرو گے تو تمپر ہمارا غضب نازل ہوگا، اور جس قوم پر ہمارا غضب آ نازل ہوا تو جانے رہو کہ وہ قوم ہلاک ہو گئی (هَوٰی) اور یہ بھی سمجھے رہو کہ جو قوم میرے قانون کی طرف لوٹ آئی (تَابَ) اسنے ایمان کی اٹل قوتیں اپنے اندر قائم رکھیں (وَاٰمَنَ) اور جسنے مناسب اعمال ہی کیے (عَمِلَ صَالِحًا)، اور بعد ازیں اس راہِ راست پر قائم بھی رہی تو میں اس قوم کے حق میں بڑا پردہ پوش ہوں (لَغَفَّارٌ)۔

مَنْ یہاں پر اجتماعی موصول ہے جسکی شرح و بسط صفحہ ۳۳ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے۔ وَمَن يَحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوَىٰ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ جو قوم ہلاک ہو رہی ہو اُسپر غضبِ خدا نازل ہو رہا ہے۔ یہ ایک عام اور مطلق محاکمہ قرآنِ حکیم کا ہے جسمیں بنی اسرائیل کی کچھ تخصیص نہیں۔ پس اس تمام نظر سے بھی غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ کے الفاظ میں اس امر کی استدعا ہے کہ اسلامی اُمت اس راہ پر چلے جسپر چلکر اجتماعی ہلاکت کا سامنا ہو گویا یہ قوم کی دنیاوی حالت کا بگڑنا ہی صراطِ مستقیم سے ہٹ جانیکے مترادف ہو۔ اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھکر الضَّالِّينَ کے مطالب بھی بالکل صاف ہو جاتے ہیں اور اس امر کے ثبوت کی مزید حاجت نہیں رہتی کہ اجتماعی انحطاط کا واقع ہو جانا ہی صحیح معنوں میں ضلال ہے۔ ضلال کے ان معانی کی حتمی تائید دو اور آیاتِ الٰہی (۴۷: ۱۲۳)، (۹۱: ۱۲۳) سے ہوتی ہے جو علی الترتیب صفحہ ۱۲۹ اور ۱۹۲ پر آ چکی ہیں اور جنکے متعلقہ حاشیوں سے ظاہر ہے کہ کسی قوم کا اجتماعی طور پر تمکن فی الارض اور قوّت نہ ہونا اور اُمّتِ واحدہ بن کر نہ رہنا ہی ضلال ہے۔ ضلال کے ان معانی کے علاوہ ایک اور معنی فقدانِ علم ہے جسکا ذکر مقدمۂ کتاب صفحہ ۸، ۹۳، ۹۵ کے حاشیوں پر ہو چکا ہے۔

بتائے ہوئے راستے سے بھٹک گئے ہیں۔

"صراطِ مستقیم"

یہ تھا سچا فلسفہ اُس نماز کا جسکے اہم ترحصّے کو خود خدائے جلّ وعلیٰ نے مومنوں کی ہدایت اور آئندہ نسلوں کی رہنمائی اور اطمینان مزید کے لیئے، بطور وحی نازل کر کے قرآن کے ورقِ اوّل پر لکھدیا تھا۔ یہی وہ واحد، فراخورِ سعی، اور درخورِ طلب نصب العین تھا جو اسلام کی دنیاوی اور اخروی بہتری کے اُس بہترین مجوزؔ نے، دن میں پانچوقت مسلمانوں کے پیشِ نظر کر دیا تھا! اس صراطِ مستقیم کی دعا میں ربّ العالمین کے حضور میں نعمت کے جلد تر عطا ہونے کی درخواست تھی؛ اسمیں اُس اعلیٰ مقام حاصل کرنے کا صبر گسل اشتیاق شعلہ زن تھا، اسمیں درنگ کی بے صبرانہ تڑپ، اور تعویق والتوا کا بسلاغہ اضطراب تھا:

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَاعْتَصَمُوْا بِہٖ فَسَیُدْخِلُھُمْ فِیْ رَحْمَۃٍ مِّنْہُ وَفَضْلٍ وَّیَھْدِیْھِمْ اِلَیْہِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ۝ (۴: ۱۷۶)

سوجن لوگوں نے خدا کو اپنا آقا مان لیا، اور جم کر اُسکے قانون کی تعمیل کرتے رہے، اُنھیں عنقریب اپنی مہربانیوں اور بخششوں سے مالامال کر دے گا۔ اور اُنھیں دنیاوی مرفہ الحالی کیطرف مختصر سے مختصر، اور قریب سے قریب راستے سے لے آئیگا۔

اسمیں اوّلین فرصت پر، اور سہل تر طریقے سے، اِس معاملے کو طے کرنے کی خواہش لگی ہوئی تھی؛ اسمیں گنجایش صبر اور تاب مہلت کا انکار تھا؛ اسمیں ناقابلیت اور سوء تدبیر، نادور بینی اور غلط طریقِ عمل کی مشکلات سے

⊙ اس آیہ کریمہ میں الفاظ یَھْدِیْھِمْ اِلَیْہِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ۝ اس امر کی شہادت ہیں کہ صراطِ مستقیم کا الٰہی مفہوم مختصر سے مختصر اور قریب سے قریب راستہ بھی ہے۔ دو مقامات کے درمیان سب سے مختصر رستہ خطِ مستقیم ہے، اور ایک شئے کو دوسری شئے کی طرف سیدھے رستے سے لیجانے میں اختصار اور سرعتِ نقل و حرکت دونوں مدنظر ہوتی ہیں، ٹیڑھا رستہ اختیار کرنے میں لامحالہ طوالت اور دیری دونوں کا خوف لاحق ہے۔ پس اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ (۱: ۵-۶) کی دعا در اصل اس نعمت تک نہایت سرعت اور مختصر سے مختصر راستے سے پہنچنے کی دعا بھی ہے اور اسمیں اس نعمت کے جلد تر حاصل ہونے کا اضطراب مضمر ہے۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے دلوں کی یہی وہ اضطراری کیفیت تھی جو نماز کے وقت منعم حقیقی تعالیٰ کے حضور میں انکو خشوع و خضوع کرنے، بلکہ بار بار اٹھنے اور بیٹھنے پر بدل مجبور کر دیتی تھی۔ آج یہی اضطرار

نجات مانگی گئی تھی؛ اسمیں عام انسانی لغزشوں، اور سہو و خطا کی طویل اور دشوار گذار راہوں سے پناہ طلب کیگئی تھی۔ یہ ہر اسلامی معاملے میں حسنِ عمل کی استدعا، اور عطائے سہولت کی عرضداشت تھی؛ نہیں یہ ہر متنفس کی طرف سے سطحِ زمین کی تمام اسلامی جماعت کے حق میں توفیقِ عمل کی گذارش تھی؛ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ[۵۱]۔ ریگستانِ عرب کے ہزاروں بلکہ لاکھوں نفوس کی یہ جماعت صبح و شام، زوالِ آفتاب پر اور دن ڈھلے، رات کی خاموشیوں اور دن کی مصروف کاریوں میں، ایک مرکز کی طرف قبلہ رُو ہوکر، نہایت عجز و الحاح سے یہ کہا کرتی تھی کہ اے الٰہ العالمین! تُو دنیا کی اس عظیم الشان کشمکش

---

۵۱ ہماری تمام امت کو نعمت کا صراطِ مستقیم دکھا۔ سلسلے کے لیے دیکھو آیہ (۱:۵-۷)۔ نا کا صیغہ جمع کا ہے اسلیئے خطاب تمام اُمت کی طرف سے ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۴) ہر غرضمند شخص اپنے دنیاوی منعم کے روبرو دست بستہ کھڑے ہوکر ظاہر کرتا ہے، وہ انعام کو جلد تر حاصل کرنے اور اپنے منعم کے دل کو اقل قلیل مدّت میں نرم کرنے کی غرض سے کبھی اُسکے پاوں پڑتا ہے، کبھی اپنی پگڑی اُسکے پاؤں پر ڈال دیتا ہے، کبھی اُسکے آگے زمین پر سجدہ کرتا ہے، کبھی گڑگڑا کر اُٹھتا ہے اور پھر ہاتھ جوڑنے لگتا ہے۔ اِس تمام اضطراری عمل سے مقصود منعم کے دل کو نعمت کے فوراً عطا کرنے کی طرف مائل کرنا ہوتا ہے اور بس۔ اور میرا یقین ہے کہ نماز کے قومے اور قعدے بھی اُس منعم حقیقی کے حضور میں اسی کیفیتِ دل اور اضطراب کے مظاہر تھے اگرچہ آج وہ سب کیفِ حال ہر نمازی کے دل سے اصلاً محو ہوچکا ہے۔ فَسَيُدْخِلُهُمْ کے سَ سے بھی، جو مستقبل قریب کے لیئے بالعموم استعمال ہوتا ہے، یہی انعام کا جلد تر عطا ہونا مترشح ہوتا ہے۔ رَحْمَةٍ اور فَضْلٍ کے دنیاوی مفہوم کے متعلق شہادتیں صفحہ ۲۱۶ کے تحت المتن میں اور چند صفحہ ۱۱۵، ۱۲۳، ۱۵۲ پر گذر چکی ہیں، باقی شہادت کو خوفِ طوالت کے باعث نظر انداز کر دیا ہے۔

يَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا میں إِلَيْهِ کی ضمیر کو بعض روح پسند اور سطح بین اصحاب نے خدا کی طرف پھیرا ہے اور اس جملے کا مطلب یوں ادا کیا ہے کہ ایمان والوں کو "خدا اپنی طرف کا سیدھا رستہ دکھاویگا"۔ ادنیٰ تامل بھی ظاہر کرتا ہے کہ خدا کی طرف کا سیدھا رستہ وہ ناقابلِ درک شے ہے کہ اسکے صحیح مفہوم کے متعلق ایک برس بحث کرنیکے بعد بھی کوئی نتیجہ مترتب نہیں ہوتا۔ ہم نے إِلَيْهِ کی ضمیر کا مرجع فَضْلٍ ظاہر کیا ہے، یہی از روئے قواعد صحیح تر مرجع ہے، اور اسی سے مطالب بالکل مربوط ہوجاتے ہیں۔

۵۲ یہاں پر نَا کی ضمیر اس امر کی شہادت ہے کہ صراطِ مستقیم کی درخواست تمام جماعت کی طرف سے ہے انفرادی نہیں۔ اور اس لیئے صراطِ مستقیم بھی لامحالہ وہ اجتماعی طریقِ عمل ہے جس پر چلکر جماعت کے دنیاوی انعام حاصل ہوتے ہیں جیساکہ آگے چلکر ثابت ہوگا۔ اسلامی نماز کی تمام قراءت میں جو بات غور طلب اور دلچسپ ہے یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ میں (جسکو پیش امام اُمت کے قائم مقام ہونے کی ہے بآواز بلند پڑھتا ہے درآنحالیکہ مقتدی خاموش کھڑے رہتے ہیں) متکلم اور غائب کی سب ضمیریں جمع کی ہیں۔ باقی تمام حصص جو مقتدی دبی آواز میں بطور خود ادا کرتے ہیں سب کے سب انفرادی ہیں، اُن میں سب متکلم ضمیریں اور صیغے (ماسوا التحیات کے[۵۳]) واحد ہیں گویا اجتماعی حصوں کو پیش امام کی زبان سے بآواز بلند کہنے اور انفرادی حصوں کو فرداً فرداً دبی آواز میں ادا کرنے کا سبب انکا اجتماعی اور انفرادی ہونا ہی ہے۔ اس مقام پر ظاہر ہے کہ انفرادی طور پر اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کی درخواست اصالتاً بے معنی ہے۔ اور نماز کو اسلامی جماعت سے الگ ہوکر، یا خانہ نشین بنکر ادا کرنے سے اسکی اصلی غرض و غایت ایک بہت بڑی حد تک مفقود ہوجاتی ہے۔

۵۳ التحیات میں السلام علینا کی نا کی ضمیر لیکن ظاہر ہے کہ یہ صرف ایک فرد کا سب اُمت پر انفرادی معنوں پر سلام ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

ہیں جہاں ہر قدم پر مشکلات کا سامنا ہے، جہاں معاملات کی عظمت و اہمیت کے باعث کم علم اور کوتاہ بیں انسان کے لیئے اکثر اوقات حق و باطل میں تمیز، اور صحیح و غلط میں فرق کرنا محال ہو جاتا ہے تو دُنیا کے اس وسیع مجادلے میں اسلام کی جماعت کو حصول قوّت کے سیدھے اور آسان طریقے بتادے تو اُن میں حُسن تدبیر اور اصلاح عمل کی اہلیت پیدا کرے تو اُن میں اعتصام خدا اور تسلیم، اتّقا اور اتّحاد کے جذبات موجزن کر دے! وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ۝ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (۳: ۱۰۰-۱۰۲)[۱] تو اُن میں صبر کی توفیق اور توکّل کی ہمت

---

[۱] اور جو لوگ اللہ کے دامن کو جسم کر پکڑے رہے، (اُسکے قانون کی تن دہی سے تعمیل کر کے اُسی کا آسرا ڈھونڈتے رہے)، وہ تو صراط مستقیم لگ گئے۔ اے ایمان والو! تمہارے لیئے راہ راست یہی ہے کہ مقام خدا سے ہر وقت ڈرتے رہا کرو اور ایسا ڈر د جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے، اور اُسکے احکام کے آگے مرتے دم تک سر تسلیم خم رکھو۔ اور سب ایک دوسرے سے گھُل مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑے رہو اور دیکھنا آپس میں تفریق ہرگز پیدا نہ ہونے دینا۔

✝ یہاں سے صراط مستقیم کی قرآنی تعریف شروع ہے۔ بعد کی آیات جو اس عنوان کے تحت میں پیش کی گئی ہیں۔ سب کی سب اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کے مفہوم کی کسی ایک شق کی توضیح کر رہی ہیں۔ یہاں یہ امر نہایت غور طلب ہے کہ ماسوا **ایک** مقام کے جس کا ذکر آگے چلکر دیا ہے، قرآن حکیم کے تمام طول و عرض میں اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کے الفاظ (سورہ فاتحہ سے قطع نظر) اور کہیں نہیں آئے۔ سب موقعوں پر صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ بالتنوین موجود ہے، جس سے ظاہر ہے کہ ان آیات میں اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کے الٰہی مفہوم کی صرف **ایک** شق بیان کر دی ہے، تمام و کمال مفہوم کا ادا کرنا اُس جا مقصود نہ تھا۔ صراط مستقیم کے الٰہی مفہوم کی تین شقیں یعنی (۱) **علم فطرت** کا حاصل کرنا صفحہ ۷۰۳۔ تحت المتن آیہ (۲۴: ۴۶) میں (۲) **حفظ نفس** پر کاربند ہونا صفحہ ۱۷۶۔ آیہ (۵: ۱۶) میں اور (۳) **اتّحاد امت** صفحہ ۱۸۸۔ آیہ (۲: ۲۱۳) میں بیان ہو چکی ہیں دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۹۰۔

آیت زیر بحث (یعنی ۳: ۱۰۰) کے موضوع کی مماثلت صفحہ ۲۲۴ کی آیت (۴: ۱۷۶) سے واضح ہے۔ 'اعتصام باللہ' اور 'صراط مستقیم' کے الفاظ دونوں جگہ استعمال ہوئے ہیں اور مضمون بھی قریب قریب واحد ہے۔ آیہ (۳: ۱۰۱) سے نئے رکوع کے شروع ہونے کے باعث اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ لَا تَفَرَّقُوا یعنی اتّحاد کے مضمون کو جو (آیہ ۳: ۱۰۲) میں آیا ہے صراط مستقیم کا ایک شقّی مفہوم سمجھنا دور از کار تاویل ہے، مگر ادنےٰ تامّل بھی اس نتیجے پر پہونچا دیتا ہے کہ یہ محاکمہ درست نہیں۔ اولاً قرآن حکیم میں نئے رکوع کا شروع ہونا اس امر کی حتمًا کوئی دلیل نہیں کہ بعد کے رکوع کا پہلے رکوع سے تعلق نہیں، برخلاف اس کے کلام الٰہی کے ربط کو سمجھنے والے اشخاص خوب جانتے ہیں کہ قرآنی رکوع بسا اوقات ایک سلسلۂ استدلال کی کئی منازل کے مابین بطور وقفے کے ہوا کرتے ہیں، انکے واقع ہونے سے اُس موضوع کا انقطاع مراد نہیں ہوتا۔ اکثر موقعوں پر کئی رکوعوں میں ایک ہی تواتر بیان اور تسلسل خیال چلا جاتا ہے۔ اور بعد کا رکوع پہلے رکوع کے دعاوی کا مؤید بنکر اُس بیان کی تاکید مزید یا تشریح کر دیتا ہے۔ بعینہ یہی بات ان دو رکوعوں میں ہے جو زیر بحث آیات کے متعلق ہیں جیسا کہ کسی آیندہ موقع پر تمام سورۃ کا مربوط ترجمہ کرتے وقت عیاں ہو جائیگا۔ ثانیاً آیہ (۳: ۱۰۲) میں وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا کے الفاظ اور آیہ (۳: ۱۰۰) میں يَعْتَصِم بِاللَّهِ کو صراط مستقیم کی ایک شق قرار دینا اس امر کی روشن دلیل ہے کہ بعد کے رکوع میں صراط مستقیم کے مفہوم کی مزید توضیح ہی لَا تَفَرَّقُوا کے الفاظ میں کی گئی ہے اور مضمون برابر ایک ہی چلا آ رہا ہے۔ گویا متفقہ طور پر اعتصام بحبل اللہ کرنا، اور فرقہ بندنہ بننا نہ صرف ایمان (آمَنُوا)، اور اتّقا (اتَّقُوا اللَّهَ)، اور اسلام (وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ) ہی کی ایک اہم شق ہے بلکہ صراط مستقیم کا ایک شوشہ بھی ہے۔

عطا فرما! وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ۠ (۱۲:۱۴)؛ تو اُن میں قانونِ خدا کا صحیح علم و عمل، اور ایمان کی اٹل طاقتیں قائم رکھ؛ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (۲۲:۵۴)، مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (۴۲:۵۲)؛ تو ان میں ایثارِ مال کے محبت انگیز ولولے اور ایثارِ جان کا نتیجہ خیز ہیجان پیدا کر! اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (۲۳:۷۲-۷۳)؛ تو ان کو تفریق کے ہولناک نتائج اور تشتت و انتشار کی

---

۵۱ اور قاصدانِ خدا نے قومِ موسیٰ سے کہا کہ ہم کیوں نہ اپنا تمام معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں، اور ڈٹ کر منشائے خدا کی تبلیغ و اشاعت کریں، حالانکہ اسنے ہمارا طریق عمل ہم کو بتلا دیا ہے۔ اور ہم کیوں نہ استقلال سے اس دُکھ کو برداشت کریں جو تم نے ہم کو دیا، اور توکل کرنیوالوں کو تو یہی چاہیئے کہ اللہ پر توکل کریں۔

۵۲ اور خدا لامحالہ ان لوگوں کو جو اسکے خدا ہونے پر ایمان لے آئے اور جنہوں نے اسکی تصدیق میں فرمودۂ خدا اعمال کیئے، صراطِ مستقیم کیطرف ضرور لیجائیگا۔

۵۳ اے پیغمبر! تم اس سے پہلے کیا جانتے تھے کہ کتابِ خدا کیا چیز ہے، اور کیا سمجھتے تھے کہ ایمان کسے کہتے ہیں، مگر ہم نے اس ایمان کو تمہارے اندر نور کر دیا ہے جس سے تمام اصلیت تم پر کھل چکی ہے۔ اپنے بندوں میں جسکو ہم مناسب سمجھتے ہیں اس نور کے ذریعے سے رستہ دکھاتے ہیں، اور تم تو لامحالہ لوگوں کو صراطِ مستقیم پر ہی چلا رہے ہو۔

۵۴ اے محمدؐ! کیا تم اِن نابکار اور ناانجام شناس لوگوں (یعنی منافق اہلِ عرب) سے خرچ مانگ رہے ہو، کیا تم اُمّت کی بہتری کے لیئے انکو ایثارِ مال کے واسطے کہہ رہے ہو، ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو، خدا کا بھیجا ہوا مال جو سچے مسلمانوں کی وساطت سے تم کو ملا ہے تمہاری اُمّت کے حق میں بہتر ہے کیونکہ وہ دردمند لوگوں نے دیا ہے، اور وہی بہترین رزق دینے والا ہے اور تم تو لامحالہ اِن لوگوں کو صراطِ مستقیم پر ہی بلا رہے ہو۔

---

۴۹ صَبْر کے صحیح مطالب صفحہ ۳۹، ۴۰، ۱۱۸، ۱۲۳، ۱۴۳، ۱۶۴ کے حاشیوں میں بیان ہو چکے ہیں، علیٰ ہذا القیاس تَوَکُّل کے جیسے لیئے صفحہ ۷۸ کا تحت المتن دیکھنا چاہیئے۔ هَدٰىنَا سُبُلَنَا سے مراد صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی ہی ہے گویا مصائب کو استقلال سے برداشت کرنا، ان کا جم کر مقابلہ کرنا، ان کے دفعیئے کے لیئے سعی کرنا اور بعد ازاں نتائج کے بارے میں خدا کے فیصلوں پر بہرحال اعتماد کرنا اسلامی صراطِ مستقیم کی ایک شق ہے۔

۵۲ ایمان کی کڑی شرطوں اور اسکے قوت افزا اعمال کے متعلق مفصل بحث ابھی ابھی ہو چکی ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں پر اٰمَنُوْا سے مراد صرف منہ سے اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ کہنا نہیں بلکہ اُن جانگزا اور روح فرسا اعمال کا کرنا ہے جسکا نتیجہ غلبۂ قوم ہے اور انہی اعمال کو شعار بنا لینا صراطِ مستقیم کی طرف جانا ہے۔

۵۳ الْکِتٰب کے مفہوم کے متعلق ایک ابتدائی بحث صفحہ ۲۰۶ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے۔ یہاں مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ الکتٰب سے مراد قانونِ خدا ہی ہے۔ اور یہ لفظ مطلق معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس سے کوئی خاص کتاب الٰہی مراد نہیں۔ "تو نہیں جانتا تھا کہ قرآن کیا ہے" اُس وقت کہنا جب کہ قرآن آنحضرتؐ پر نازل بھی نہیں ہوا تھا بے معنی ہے۔ اِیْمَان سے مراد یہاں پر بھی وہ تکیف قلب ہے جسکا نتیجہ خدا کی راہ میں جان و مال کی قربانی ہے، مُنہ سے کچھ کہکر چھوٹ جانا مراد نہیں۔ اِس مقامِ نظر سے ایمان کو جَعَلْنٰهُ نُوْرًا کہا گیا ہے۔ اور بالآخر اسکو صراطِ مستقیم کی ایک شق گردانا گیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا کی ضمیر هُوْ کا مرجع نہ صرف اِیْمَان بلکہ اَلْکِتٰب بھی ہو کیونکہ کتابِ خدا کو نور سے تشبیہ پہلے بھی دی جا چکی ہے۔ دیکھو صفحہ ۱۷۶۔ آیہ (۵:۱۵)۔

لاعلاج شکست وریخت سے بچا! وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ[۵۱] (۲: ۲۱۳)؛ تو اُن میں اپنی سچی ملازمت اور لاشریک عبادت کے ولولے پیدا کردے! أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ وَأَنِ اعْبُدُونِي هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ[۵۲] (۳۶: ۶۰)؛ تو اسلامی اُمت کے لیے ایک منسکِ عمل، ایک طریق ملازمت، اور ایک انداز عبادت مقرر کرچکنے کے بعد اُنکو اصل قانون (اتحاد) کے متعلق سب تنازعات سے باز رکھ! لِّكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ[†] وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ[۵۳] (۲۲: ۶۷)؛ تو اُن کو صورتاً اور معناً ایک مرکز پر جمع کرکے اُنکی جماعت کو قوت کا لازوال مصدر، تمرکز کا بے مثال پیکر، اور شہادت خدا کا بے عدیل نمونہ بنادے! سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ

---

۵۱ اور کتاب خدا کے متعلق تو انہی لوگوں نے آپس میں، صریح احکام آئے پیچھے، اختلاف قائم کرلیا جن کو وہ دی گئی تھی، اور اس اختلاف کی وجہ اُن کی آپس میں ضد ہی تھی۔ پھر حشر کا روہ راہ حق، جسکے بارے میں لوگوں میں اسقدر اختلاف پیدا ہوگیا تھا، اللہ نے اپنے فضل و کرم سے ان ایمان والوں (یعنی قرون اولی کے مسلمانوں) کو دکھادی، اور اللہ تو جس کو مناسب سمجھتا ہے صراط مستقیم کی طرف لیجاتا ہے۔

۵۲ اے اولاد آدم! کیا ہم تمکو وقتاً فوقتاً تاکید نہیں کرتے رہے، اور کیا ہم نے تم سب کی جبلت سے اِس بات کا معنوی عہد نہیں لیا کہ دیکھو شیطان کی غلامی نہ کرنا کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، اور میری ہی عبادت اور عملی خدمت میں لگے رہنا کہ یہی صراط مستقیم ہے۔ (عبادت کا مفہوم ظاہر ہے کہ یہاں پر بھی نماز نہیں کیونکہ کوئی شخص شیطان کی نماز نہیں پڑھتا مقصود عملی اطاعت ہی ہے۔ دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۰۶۔ اس آیت کے مطالب کا مقابلہ آیہ (۵۱: ۵۶) صفحہ ۱۱۸ سے کرنا چاہیئے۔

۵۳ لوگو! ہم نے روئے زمین کی ہر اُمت کے لیئے خدا کی عبودیت اور قانون خدا کی اطاعت کا ایک ظاہری نشان مقرر کردیا ہے جس پر وہ چل رہی ہو لیکن اصل قانون سب کیلیئے ایک ہے۔ (اور وہ اتحاد ہے) تو لوگوں کو چاہیئے کہ اصل قانون (الامر) کے متعلق تم سے کوئی نزاع قطعاً قائم نہ کریں۔ پس تم سب دنیا کو اپنے پروردگار ہی کی طرف بلاکر ایک مرکز پر جمع کردو اور اسی توحید کے ذریعے سے اتحاد عالم پیدا کرو۔ اسمیں شک نہیں کہ اُمم عالم کے مابین اس اتحاد معنوی کے قائم کرنے میں تم لامحالہ صراط مستقیم پر ہو۔ الامر کی تشریح کیلیئے آئندہ تحت المتن کے علاوہ دیباچہ کتاب صفحہ ۳-۹ و ۲۲-۲۳ کے مطالب پر غور کرنا چاہیئے۔

---

† اس مشکل آیت کے صحیح مفہوم کو میں نے متذکرہ صدر تشریح میں ظاہر کرنے کی سعی کی ہے اور مطالب کو گذشتہ اور آئندہ سیاق سورۃ سے مربوط کردیا ہے۔ محولہ بالا مطالب کی صحت کا اندازہ شاید اُس وقت زیادہ صراحت سے ہوسکے گا۔ جب سورۂ حج کے داخلی ربط اور مطالب کو جس میں یہ آیت واقع ہوئی ہے واضح کردیا جائے گا اور حج کی الٰہی حکمت عملی بھی ذہن نشین ہوجائے گی۔ حج بیت الحرام کے متعلق ایک ابتدائی بحث دوسری جلد میں آنے والی ہے اور وہاں پر بھی اس آیت کے مذکورہ بالا مطالب کی تصدیق کا موقع مل رہے گا۔ یہاں پر فی الحال لفظ "مَنسَكٌ" اور لِّكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا کے صحیح مفہوم سے بحث ہے۔ مَنسَكٌ کے معنی میں نے "نشانِ ملازمت خدا" کیئے ہیں، اور میری مراد اس سے وہ اجتماعی رسم و رسوم اور شرعی رواجات ہیں جن کے ذریعے سے روئے زمین کی ہر قوم بلالحاظ مذہب و ملت وقتاً فوقتاً معبود سے اپنے تعبد اور تعلق کا رسمی اظہار کرتی آئی ہے۔ بعض اُمتوں میں یہ مناسک حیوانی قربانیاں ہیں، بعض میں سالانہ اجتماع اور میلے ہیں، بعض میں کسی ظاہری نشان مثل قشقہ و زنار کا لگانا رکھنا ہے، بعض میں عجیب و غریب اور ناقابل فہم رسومات ہیں جن کی اصلی غرض و غایت مرور مدت کے باعث مسخ ہوچکی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان شرعی

مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَیْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (۲:۱۴۲)

تو اُن کو ابراہیم کی مخلصانہ اطاعت اور ایک منعمی کے کامل اتحادِ عمل کی طرف مائل کر؛ قُلْ اِنَّنِیْ ھَدٰىنِیْ

۱۵ ناسمجھ اور نادان لوگ تو یہی کہیں گے کہ بھلا محمدؐ (صلعم) کے پیرو کیوں بے وجہ اور بلا سبب اپنے پہلے قبلے سے ہٹ کر دوسرے قبلے کی طرف آگئے، اور وہ کیا ہی معمولی سی بات تھی جس پر یہودیوں اور عیسائیوں سے لڑائی مول لی۔ قانونِ خدا کے اِن نادانوں کو یہی مختصر سا جواب دے کر چپ کرا دو کہ تمہیں اِس بات کی کیوں خلش ہے، خدا ہی کا مشرق اور خدا ہی کا مغرب ہے۔ وہ جو چاہے پسند کرے۔ لیکن وہ جس قوم کو چاہتا ہے، اور جس میں اہلیت دیکھتا ہے تمرکز اور وحدت کا صراطِ مستقیم دکھا دیتا ہے۔

* اس آیۂ شریفہ کے صحیح مطالب میں نے مذکورۂ بالا ترجمے میں ظاہر کر دیئے ہیں۔ شارحین نے جو کچھ لکھا ہے۔ سوال از آسماں اور جواب از ریسماں کا مصداق ہے۔ سفہاء اور نادانوں کا اعتراض ہے کہ قبلہ بیت المقدس سے مکہ معظمہ کی طرف کیوں بدل دیا گیا انکو بے وقوفوں کا سا جواب دیا ہے کہ مشرق بھی اللہ کا ہے اور مغرب بھی اللہ کا۔ اسنے جو چاہا پسند کر لیا۔ عاقلوں اور سمجھ والوں کے لائق یہ جواب ہے کہ اسلام کو ایک مرکز چاہیئے تھا سو جس قوم میں خدا اہلیت دیکھتا ہے اُسکو ایک مرکز پر آنے کا صراطِ مستقیم دکھا دیتا ہے۔ اگر بیت المقدس بدستور قبلہ رہتا تو یہ تمرکز ممکن نہ تھا۔ عیسائی الگ تھلگ رہ کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جدا بناتے، یہود جدا شور مچاتے، اور وہ سچا اتحاد جو پیشِ نظر تھا قائم نہ ہو سکتا۔ پس بہتر یہی تھا کہ الگ مرکز بنایا جائے جس پر یہود و نصاریٰ بلکہ تمام عالم مجتمع ہو سکے اور ہو جائے۔ ضمناً جواب میں اس اہم حقیقت کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ خدا کو مشرق مغرب کی کچھ تخصیص نہیں، سب اُسی کے ہیں۔ اسلیئے نہ بیت المقدس مقصود بالذات تھا نہ اب مکہ ہے جو مقصود ہے وہ تمرکز اور اتحاد ہے گویا مسلمانوں کو متنبہ کر دیا ہے کہ اصل قانون کی طرف رجوع کریں جیسا کہ میں نے مَنْسَكٌ کے تحت المتن کے اخیر (صفحہ ۲۳۳) میں واضح کرنے کی سعی کی ہے۔ یہ تحت المتن چنانچہ اِس صفحے پر بھی جاری ہے اور اس آیت کے مطالب پر غور اُس تمام تحریر کو پڑھ کر کرنا چاہیئے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۸) علامات کی پابندی کسی قوم کے اُسکے اپنے معبود سے لگاؤ کا صرف ایک **ظاہری نشان** ہے، معبود کے **احکام کی تعمیل پر آمادگی** یا اُسکے بتائے ہوئے **قانون کی پابندی** اُن سے لازم نہیں آتی۔ بہت ممکن بلکہ اغلب ہے کہ ایک شخص اِن رسومات کے ساتھ ساتھ صحیح معنوں میں **ملازمِ** خدا بنا رہے۔ مگر ہر رسمی نباہنے والا **اغلامی** (یعنی عبادت) کا دعوےٰ اُس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک کہ **اصل قانون** اور **احکام** کی تعمیل بھی کما حقہ نہ ہوتی رہے۔ اِس مقامِ نظر سے کسی مذہب کے اُس کے اپنے معبود سے اظہارِ تعلق کی اِن ظاہری علامات کو '**عبادات**' **کہنا قطعاً نادرست** ہے کیونکہ 'عبادت' آقا کے حکموں پر پیہم عمل اور اُس کی خاطر **مسلسل** تکلیف برداری ہی ہے۔ اور اِن رسوم کو بقیدِ وقت پورا کر لینا صحیح معنوں میں **عمل** نہیں گو کہ ان کی پابندی بھی **معبود کے احکام** میں داخل ہو۔ قرآن حکیم نے اسی نقطۂ نظر سے اِس قطع کے وقتی اور رسمی افعال کو '**مناسكؔ**' کے جامع اور مانع لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ اور '**عبادت**' کا لفظ کسی شخص کے باطنی تعبّد اور اُس کی قلبی اطاعت کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے۔ چنانچہ اسی موضوع پر ایک مستقل بحث عبادت کے تحت المتن صفحہ ۱۰۵ الخ میں گذر چکی ہے۔ اسلام میں صلوٰۃ اور حج، صوم اور زکوٰۃ کے افعال، یا وہ شرعی مجالس، فقہی مراسم اور اجتماعی تیوہار جو ظہورِ اسلام کے بعد اُمّت میں رواج پا گئے ہیں، اور جن کے باعث مسلمان باقی نامسلمان اُمّتوں سے ممتاز نظر آتے ہیں، سب کے سب 'مناسک' میں داخل ہیں۔ اِس میں شک نہیں کہ نماز اور حج کے ادا کرنے یا دن بھر بھوکا رہنے اور مقررہ زکوٰۃ ادا کرنے کے لیئے ہر متنفس میں کچھ نہ کچھ اطاعت کا مادہ موجود ہونا ضروری ہے۔ مگر نرے نماز گذار، صائم یا حاجی وغیرہ بن جانے سے 'عبد' کا درجہ لازماً حاصل نہیں ہوتا جبتک کہ **اطاعت کا کیف اِن مناسک کے ادا کرنے کے بعد بھی ہر وقت موجود نہ رہے**، اور تمام احکامِ قرآن کی حسبِ موقع تعمیل نہ ہوتی رہے۔ پس 'نُسک' اور '**عبادت**' میں صرف فی الحقیقت **کیفِ دل کا فرق** ہے اور جو نسک قلبی اطاعت سے ادا ہو اور حاکم کا کھٹکا پیدا کر دے وہ بلاشبہ عبادت کا ایک جزو ہے۔ مناسکِ اسلام کی اسی باطنی استعداد اصلاح کو مدّ نظر رکھکر میں نے صوم و صلوٰۃ اور حج و زکوٰۃ کو 'عبادات' میں داخل کیا ہے، اور اصل کتاب میں بحث اُسی الصّلوٰۃ پر ہو رہی ہے جو کیفیتِ دل کے ساتھ ادا ہو کر

رَبِّیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ۚ۬ دِیۡنًا قِیَمًا مِّلَّۃَ اِبۡرٰہِیۡمَ حَنِیۡفًا ۚ وَ مَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ۝ قُلۡ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَ نُسُکِیۡ وَ مَحۡیَایَ وَ مَمَاتِیۡ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۹) صحیح معنوں میں "تعبد" پیدا ہو سکے۔ نرے قومے اور قعدے کر لینا اگرچہ مناسک میں داخل ضرور ہے لیکن "عبادت" ختماً نہیں۔ قرآن حکیم نے مناسک حج کے اسی سطحی اظہار تعبد کو پیش نظر رکھکر سورۂ بقرہ میں واضح کر دیا تھا کہ ان سے اصل مقصود اُس حاکم اعلیٰ کا کھٹکا ہی ہے، تو جب وقت وہ مناسک ادا ہو جائیں اصلی غرض و غایت کی طرف بیش از بیش رجوع ہو جاؤ: فَاِذَا قَضَیۡتُمۡ مَّنَاسِکَکُمۡ فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَذِکۡرِکُمۡ اٰبَآءَکُمۡ اَوۡ اَشَدَّ ذِکۡرًا (۲: ۲۰۰)، یعنی "جب تم مراسم حج ادا کر چکو تو اس احکم الحاکمین کی یاد دل میں اسیطرح لاؤ جس طرح جوش محبت میں اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی بڑھکر اُسکا کھٹکا لگا رہے تو اچھا ہے"۔ یہاں ذکر سے مراد تسبیحیں چلانا نہیں بلکہ فقر خدائے عظیم کی دہک دل میں رکھنا ہے۔ لوگ اپنے باپوں کو تسبیحیں چلا چلا کر یاد نہیں رکھتے بلکہ ان کا خیال کرنا اُن سے دلی رسم و راہ رکھنا ہی اُن کا ذکر ہے۔ اس آیت سے ذرا پہلے ہے: فَاِذَاۤ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفٰتٍ فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَرَامِ ۪ وَ اذۡکُرُوۡہُ کَمَا ہَدٰىکُمۡ (۲: ۱۹۸)، یعنی "پھر جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر الحرام (یعنی مزدلفہ) میں ٹھیر کر خدا کا کھٹکا اپنے دلوں میں پیدا کرو (فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ)، اور اسکو اس شدت سے دل میں لاؤ جس طرح تمہیں بتلایا ہے"۔ بعینہ یہی مقصود الصلٰوۃ کے مناسک ادا کرنیکے بعد پیش نظر کر دیا ہے۔ چنانچہ سورۂ نساء میں اُس نماز کے بارے میں جو میدان جنگ میں خوف عدو کے باعث "قصر" کر دی جائے، ارشاد ہے کہ اُسکے مناسک ادا کر لینے کے بعد وہی تکیف دل میں پیدا کرو جو الصلٰوۃ کا منتہائے نظر ہے: فَاِذَا قَضَیۡتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِکُمۡ ۚ فَاِذَا اطۡمَاۡنَنۡتُمۡ فَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتۡ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا ۝ (۴: ۱۰۳)، یعنی "پھر جب میدان جنگ میں نماز کے ارکان کو افراتفری اور گھبراہٹ میں ادا کر چکو تو اسکے بعد کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے جس طرح بھی ہو سکے خدا کا کھٹکا دل میں پیدا کر لو (کہ یہی مقصود در اصل نماز کا ہے)، پھر جب دشمن کی طرف سے بے خوف و خطر ہو جاؤ تو اُسی اصلی کھٹکے والی، اور یاد پیدا کرنے والی نماز (الصلٰوۃ) کو پھر قائم کرو (اور یہ جو میدان جنگ میں بھی تم کو نماز پڑھنے کے لیئے کہا گیا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ) صاحب ایمان بندوں پر یہ پنجوقتہ حاضری بقید وقت فرض ہے، (نہ یہ کہ جب جی میں آیا اور قلب مطمئن ہوا پڑھ لی اور جب چاہا ملتوی کر دی)"۔ اس آیہ شریفہ کے معانی نہایت غور طلب ہیں اور ان مطالب سے جو پیش کیئے گئے ہیں بعض اہم نتائج مترشح ہوتے ہوتے ہیں: اولاً مناسک صلٰوۃ کو انتہائی خطرے کے وقت بھی ادا کر لینا اسلیئے ضروری ہے کہ پابندیٔ وقت کا درس جو قرآن حکیم نے الصلٰوۃ کی تہ میں رکھا تھا نہ بھولنے پائے۔ ثانیاً الصلٰوۃ "ایمان والوں" کے لیئے "موقوت" اسلیئے بھی ہے کہ بادشاہ زمین و آسمان کے حضور میں بروقت حاضر نہ ہونا آداب شہنشہی کے برخلاف، اور اطاعت کے منافی ہے۔ ثالثاً صرف مراسم یعنی قومہ اور قعدہ کر لینے سے نماز ادا نہیں ہوتی بلکہ اسکے بعد خدا کی ٹیس دل میں پیدا رکھنا لابدی ہے۔ بہرنوع ان تمام مثالوں سے ظاہر ہے کہ اسلامی مناسک "عبادت" کے درجے پر اُسیوقت پونہچ سکتے ہیں جب اُن سے ذکر خدا یعنی اطاعت پیدا کرنے والی دہک صحیح معنوں میں پیدا ہو، اور یہ ذکر کا پیدا ہو جانا اُن مناسک کی رسمی تکمیل سے کہیں بہتر ہے۔ جیساکہ آیہ (۲۹: ۴۵) میں وَ لَذِکۡرُ اللّٰہِ اَکۡبَرُ کے الفاظ سے ظاہر ہے جو صفحہ ۲۰۹ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔ اگرچہ مناسک کا اپنے وقت اور موقع پر ادا کرنا بھی ایسا ہی ضروری ہے جیسے اوامر و نواہی کی تعمیل۔ اس مقام نظر سے اسلامی مناسک فی الحقیقت ایک شخص کو مطیع خدا بنانیکے اوزار یا وسائل ہی ہیں۔ بجائے خود منتہا، یا اصالتاً عمل نہیں۔ اُن کے ہوتے ہوئے یا ان کی وساطت سے تعبد پیدا ہو سکتا ہے مگر اُنکا اختیار کر لینا فی نفسہ عبادت نہیں اگر ایک شخص کسی حاکم کے نشانات ملازمت مثل چپڑاس یا تمغہ جات، یا رنگ لباس وغیرہ اختیار کرتا ہے، اور اسکو علانیہ پہلے پھرتا ہے تو یہ ہیئت کذائی ایک رو سے اس حاکم اعلیٰ کی اطاعت کرنے کی محرک ہو سکتی ہے ورنہ بہت ممکن ہے کہ محض نمایش کے لیئے چپڑاس لگاتا پھرے، لیکن فی الحقیقت مطیع نہ ہو! ابراہیم علیہ السلام کی اُس دل شگاف اور زہرہ گداز دعا کا جو آپنے خانۂ کعبہ کی تعمیر کے وقت کی تھی بعینہ یہی راز تھا، اور اسی لیئے مٹی اور گارے کی ٹوکریاں سر پر اٹھاتے وقت پہلی بے اختیار ٹیس جو اُس اولو العزم نبی کے دل سے نکلی یہی مسلم اور مطیع بننے کی ٹیس تھی: رَبَّنَا وَ اجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَیۡنِ لَکَ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّۃً مُّسۡلِمَۃً

لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ۚ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ؕ[لہ] (۶: ۱۶۲-۱۶۴) ؛ تو اُن میں تسلیم کی خُو، اطاعتِ خدا کا ولولہ، اور اپنی دی ہوئی نعمتوں کی سچی قدر کرنے کی قوت دے! اِنَّ اِبْرٰھِیْمَ کَانَ اُمَّۃً

لہ اے پیغمبر! تم علی الاعلان کہدو کہ اُس خدائے عظیم نے مجھے صراطِ مستقیم دکھا دیا ہے، اور وہ وہی راہ راست (دِیْنًا قِیَمًا) ہے جو ابراہیم کا تھا اور جو خالصتہً خدا ہی کے ہو رہے تھے، اُسی کے قانون کی عملاً متابعت کیا کرتے تھے، اور اطاعت گذاری میں کسی شئے کو بھی خدا کے برابر نہ کرتے تھے (مَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ)۔ اے پیغمبر! تم کہدو کہ میں تو اُس ربِّ زمین و آسمان کے قانون کی عملی اطاعت کی طرف اس طرح جُھک گیا ہوں کہ میرے سب افعال، میرا نماز میں جُھکنا، میری ملازمت و اطاعت کے سب انداز (نُسُکِیْ) میری خدمت اور بندگی کے سب ظواہر (نُسُکِیْ) میری باطنی اطاعت (صَلَاتِیْ) اور ظاہری عبودیت (نُسُکِیْ) حتیٰ کہ میرا جینا اور مرنا بھی اُسی رب العالمین کے اعلا کے لیئے ہے، اُسی کی حکومت کو لوگوں کے دلوں میں استوار کرنیکے واسطے ہے۔ اور وہ وُہ حاکمِ اعلیٰ ہے جس کا کوئی ہم پلہ نہیں، جس کے برابر کوئی حکمران نہیں۔ یہی حکم مجھے اُسکے ہاں سے ملا ہے اور میں سب سے پہلے اُسکو اپنا خدا تسلیم کرتا ہوں (اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ)۔

✝ مناسک کے تحت المتن میں جو اس صفحے پر جاری ہے میں نے آیۃ (۶: ۱۶۳) کی تشریح کر دی ہے۔ چنانچہ یہ آیت حُسنِ اتفاق سے اِسی صفحے کے ذیل میں آگئی ہے۔ آیۃ (۶: ۱۶۴) کے الفاظ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ سے واضح ہے کہ یہاں پر بھی نُسُک سے مقصود تسلیم و اطاعت ہی ہے، اور صاف ظاہر ہے کہ خدا کو چھوڑ کر ماسوا کی محبت میں گرفتار ہونا (مَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ)، اپنی تمام قلبی نیازمندی (صَلَاتِیْ) اور ظاہری نشانِ ملازمت (نُسُکِیْ) اور زندگی (مَحْیَایَ) اور جان (مَمَاتِیْ) کو قانونِ خدا کے مطیع کر دینا اور تسلیم اپنا شیوۂ عمل بنا لینا صراطِ مستقیم ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۳۰) لَکَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا ۚ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ؕ (۲: ۱۲۸) یعنی "اے حاکموں کے حاکم اور ہمارے پالنے والے خدا! تو اس ریگستان اور بیابانِ عرب کے اندر ہماری ناچیز کوششوں کو جو ہم اس چھوٹے سے اور بے حیثیت گھر کو تیرے جلیل القدر نام پر موسوم کرنیکے لیئے کر رہے ہیں، قبول کر (رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا کا ترجمہ جو آیۃ (۲: ۱۲۷) میں ہے)، تو اِن نیک نیت مساعی کو بار آور کر، اور اے احکم الحاکمین! تو ہم کو صحیح معنوں میں اپنا حکمبردار بنا۔ اور ہماری اولاد میں سے ایک اُمت پیدا کر جو فی الحقیقت تیرے حکموں کو ماننے والی ہو، اور ہم کو ہماری ملازمت کے نشان (مَنَاسِکَنَا) بتلا، ہماری گذشتہ واماندگیوں سے درگذر، کیونکہ اس میں شک نہیں کہ تو تائب بندوں کے حق میں بڑا ہی درگذر کرنیوالا مہربان ہے"۔ اِسی **اطاعت** کے منتہا کو مدِ نظر رکھکر ابراہیم علیہ السلام کے "دینِ قیم" اور "ملتِ حنیفہ" کو دوسرے موقع پر یوں واضح کیا ہے: قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ۚ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ؕ (۶: ۱۶۳-۱۶۴)۔ لیکن چونکہ یہ آیات عنقریب آگے چل کر اصل کتاب[ع] میں آ رہی ہیں، اسلیئے مطالب کے لیئے وہاں دیکھنا چاہیئے۔ تاہم ظاہر ہے کہ یہاں پر صلاۃ سے باطنی تعبد اور نُسُک سے اُس تعبد کے ظاہری نشان مراد لیئے ہیں۔ اور یہ اس وجہ سے کہ از روئے قرآن وہی نماز فی الحقیقت صلوٰۃ ہے جس کا نتیجہ باطنی تعبد ہے ورنہ کچھ نہیں۔ گویا مقصود یہ ہے کہ اگر میرا باطن (صَلَاتِیْ) کسی کی ملازمت کر رہا ہے تو رب العالمین کی، اور اگر میرا ظاہر (نُسُکِیْ) کسی کے ملازم ہونے پر دال ہے تو خدا کے۔ اور یہی اصل دین، دینِ حنیف اور صراطِ مستقیم ہے! سورۂ حج میں احکامِ قربانی کی توجیہ بھی اسی **ذکرِ** خدا اور تسلیم کے اصل اصول پر کی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے:

وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا لِّیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلٰی مَا رَزَقَہُمْ مِّنْۢ بَہِیْمَۃِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰـہُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَلَہٗۤ اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُہُمْ (۲۲: ۳۴-۳۵)۔

اے مسلمانو! تم قربانیٔ جان کے اِن ظاہری مراسم کو احکامِ خدا میں شامل دیکھکر متعجب نہ ہو، ہم نے اس روئے زمین کی ہر اُمت کے لیئے (اُن کے مخصوص احوال کو پیشِ نظر رکھکر) کوئی نہ کوئی نشانِ ملازمت قرار دے رکھا ہے اور ہمارا مقصود اسمیں یہ تھا کہ وہ اُمتیں مویشی اور چارپایوں کے عزیز القدر اور بے مثال انعاموں کو جو خدا نے انہیں دے رکھے ہیں پیشِ نظر رکھکر، قربانیاں کرتے وقت اُس منعمِ حقیقی کی ترجیح دینے والی یاد اُسکا اطاعت کا سید

ع چنانچہ یہ آیتیں اسی صفحے کے متن میں آگئی ہیں اور مطالب بھی اسی صفحے پر درج ہیں۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ؕ (۱۶ : ۱۲۰-۱۲۲) تو ان کو دشمن کے بالمقابل کامل حفظ و امن عطا فرما کر

ملا بے شک ابراہیم دنیا کے جلیل القدر رہنماؤں میں سے تھے۔ وہ خدا کے کامل فرمانبردار بندے تھے اور خالصتہً اُسی کے ہو رہے تھے۔ اور کسی شئے کو بھی خواہ وہ انہیں کتنی ہی عزیز ہو خدا کے ہم مقام نہ کرتے تھے اور باایں ہمہ خدا کی دی ہوئی نعمتوں کی سچی قدر کرنیوالے تھے۔ خدا نے انہیں منتخب فرما لیا تھا اور انہیں صراط مستقیم چلا دیا تھا۔ اور ان تمام اعمال کے صلے میں ہی ہم نے اُن کو دنیا میں ہر طرح کی نعمتوں سے معزز فرمایا تھا اور بے شک آخرت میں بھی وہ ہمارے معزز بندوں میں سے ہوں گے۔

† یہاں قَانِتًا لِّلّٰهِ بننا یعنی تسلیم و اطاعت کو شعار بنا لینا اور خدا کی دی ہوئی ہر شئے کا صحیح استعمال کرنا شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ دیکھو معانی شکر تحت المتن صفحہ ۱۳۱ صراط مستقیم ہے۔ جو شخص یا قوم نعمتہائے الٰہی کا مناسب استعمال کرتی ہے اسکی دنیا بھی درست ہے۔ اسی لیئے اس پیمبر اعظم کے بارے میں کہا ہے وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۳۱) کرنے والا ڈر اپنے دلوں میں وقتاً فوقتاً جما لیا کریں (لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ)۔ (لیکن لوگوں نے اس پیش نہاد کو خیرباد کہہ کر قربانیوں کو نئے نئے معبودوں پر چڑھانا شروع کیا یا اُسکے صلی مفہوم سے الگ ہو کر ان نتیجہ خیز رسوم کو بے اثر کر گئے)، تو اے مسلمانو! بگوش ہوش سُن رکھو کہ تمہارا احکم الحاکمین وہی ایک خدا ہے، تم اُسی خدائے واحد کے تابع بن کر رہو (فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا)، اور اے پیغمبر! اپنے درگاہِ خدا میں خشوع و خضوع کرنے والی قوم کو اجتماعی بقا اور دنیوی امن کی خوشخبری دو۔ اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب خدا کی یاد اُن کو دلائی جاتی ہے تو انکے دل تڑپ اٹھتے ہیں اور وہ بیش از بیش احکام خدا کی تعمیل میں منہمک ہو جاتے ہیں۔

اِن تمام مثالوں سے ظاہر ہے کہ مناسک کی صحیح حکمت عملی یہی تھی کہ ان کے ذریعے سے وقتاً فوقتاً انسان کے دل میں شارع زمین و آسمان کی یاد پیدا ہو تاکہ لوگ احکام خدا کی طرف بیش از بیش رجوع ہوں، اُسکی ٹیس اور ڈر دلمیں رکھیں، اُسکے امن افزا احکام سے غافل نہ ہونے پائیں اُسکی سزاؤں کو یاد کر کے لرز اٹھیں، اُسکے انعاموں کو خیال میں لا کر تیارِ عمل ہو جائیں۔ اس سے زیادہ اُن سے فی الحقیقت کچھ مقصود نہ تھا اور جب خدائے عظیم کا دعوےٰ ہے کہ ہر اُمت کے مناسک اُس نے بذات خود مقرر کیئے تھے تو صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک قوم کے مناسک کو دوسری قوم کے مناسک پر کوئی وجہ فضیلت نہیں، اُنکے مابین کوئی بنیادی فرق نہیں، وہ کسی قوم کیلئے فی نفسہٖ مقصود بالذات شئے نہیں، وہ صرف تسلیم، ہیجان قلب اور ذکر پیدا کرنیکے آلے ہیں، جو شئے اُنسے بہرنوع مقصود ہے اطاعت احکام الٰہی ہے سعی و عمل ہے حکمبرداری اور تقویٰ ہے، احکم الحاکمین کا ڈر اور اتحاد ہے چنانچہ اسی سورۂ حج میں قربانیوں کے احکام کے ضمن میں صاف فرما دیا کہ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ (۲۲ : ۳۷)، یعنی "خدا تک تو ان قربانیوں کے گوشت ہی پہنچتے ہیں اور نہ انکے خون، بلکہ اگر کوئی شئے وہاں بروئے کار آتی ہے تو وہ تمہارا تقوےٰ ہے"۔ پس جب تقویٰ کا جزو اعظم اتحاد ہے، لَا تَفَرَّقُوْا ہے، اِعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ ہے، صَابِرُوْا اور رَابِطُوْا ہے، اُمَّةً وَّاحِدَةً بنے رہنا ہے وغیرہ وغیرہ (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۵۴)، تو ہر کارکنِ اُمت کا فرض ہے کہ خدائے عظیم کے مقرر کیئے ہوئے مناسک کو اسی اتحاد قوم، اسی عبودیت، اسی حکمبرداری اور اطاعت کو پیش نہاد بنا کر بالاجماع ادا کریں، انکو فی نفسہٖ مقصود و منتہا نہ سمجھیں کیونکہ اصل قانون اُمت کے افراد کے مابین اجماع و اتحاد پیدا کرنا ہے، افرادِ قوم کے دلوں میں خدا کا ڈر پیدا کر کے انکو متحد رکھنا ہے، اس سے کمتر حتماً اور اصلاً کچھ نہیں۔

اس تمام بحث و تمحیص کے بعد اصل کتاب کی آیت یعنی لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِى الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ (۲۲ : ۶۷)، کے معانی بالکل صاف ہو جاتے ہیں۔ خدائے عزوجل فرماتا ہے کہ مراسم عبادت جس پر دنیا جہان کی سب اُمتیں چل رہی ہیں فی الحقیقت ہم ہی نے مقرر کیئے تھے (لیکن اُن سب کے رائج کرنے کی اساسی حکمت اتحاد بین الافراد اور تقویٰ و تسلیم خدا

دنیاوی نعمتوں سے مالا مال کر! وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُونَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ (۲۰:۴۸) ؎ تو اُن کی ہیئت اجتماعی میں ہمغیران جہان

سلہ اے ایمان والو! اللہ تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر چکا ہے جنپر تم تمام عالم کے دشمنوں کو شکست دیکر قابض ہوگے تو یہ خیبر کی غنیمت تم کو سردست دلوا دی اور بڑی بات تو یہ ہے کہ دشمنوں کے دست تعدی سے تم کو بچائے رکھا۔ اور یہ سب افضال الٰہی تمہارے شامل حال اسلیے ہیں کہ ایمان والوں کو قوت ایمان کا پتہ لگ جائے اور تمہیں دشمن کے بالمقابل غلبہ حاصل کرنے کا صراط مستقیم معلوم ہو جائے۔

؎ یہ آیت بیعت رضوان کے ذکر کے عین بعد آئی ہے جہاں پر حضرت عثمانؓ کی افواہ قتل کے بعد پندرہ سو مومنوں نے ایک درخت کے نیچے رسول خدا صلعم کیساتھ دشمن سے جان توڑ کر لڑنے کا عزم کیا۔ یہاں اور اس سے پہلی آیت (۱۹:۴۸) میں خدائے عزوجل نے بصراحت مومنوں کو مال غنیمت بمقدار کثیر اور بعجلت تمام دلوانیکا وعدہ کیا ہے، دشمن سے بچ نکلنے کو ایمان کا جزو قرار دیا ہے، اور ان سب اعمال کو صراط مستقیم کہا ہے۔ گویا اس دنیا میں بسنے کا صراط مستقیم یہی ہے کہ دشمن کے خلاف کامل طور پر حفظ نفس کیا جائے، اُن پر جب موقع ہو جارحانہ تشدد کر کے انکی قوت کو کمزور کر دیا جائے۔ مسئلہ ارتقا کی شق سوئم و چہارم (صفحہ ۱۲ و ۱۳) سے اس قانون الٰہی کی مماثلت عیاں ہے اور ظاہر ہے کہ فطرت کی ادنیٰ حیوانی مخلوق بھی کس شدت سے دین اسلام اور دین فطرت کی پابند ہے! جن لوگوں نے نفس کو دھوکا دیکر یا کسی خارجی طاقت کے خوف میں آکر اسلام کو بہرحال ایک امن پسند اور مرنجان مرنج مذہب قرار دیا ہے اور نبی عربی کے حیات انگیز غزوات کو بھی شدید مجبوری کے اکراہی اعمال مشہور کر کے آپ اس کر کی آڑ میں آرام کر رہے ہیں انکے لیے یہ آیات از بس عبرت انگیز ہیں سپاہیانہ رستوں کو صراط مستقیم گردانا آیہ (۱۵:۶) صفحہ ۹۰ میں آچکا ہے، صفحہ ۲۴۴ پر پھر آئیگا۔ آیہ (۱۱:۵) صفحہ ۱۵۰ بھی دیکھنی چاہیے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۴۲) اور اطاعت خدا ہی تھی کہ یہی اصل قانون اور اس کارگاہ جہان کا الاٰمر ہے) تو ان لوگوں یعنی یہود و نصاریٰ اور اور اقوام کو جنکو مناسک اسلام کے قبول کرنے میں اعتراض ہے، چاہیے کہ ایک منسک اور دوسرے منسک کے مابین ظاہری فرق کو نظر انداز کر دیں اور اصل قانون کے بارے میں تم سے کوئی نزاع پیدا نہ کریں (فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ)، اور وہ اصل قانون اے محمدؐ! یہی ہے کہ تم لوگوں کو صحیح معنوں میں اپنے پروردگار کی طرف دعوت دیکر متحد العمل کر دو (وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ) اور اسمیں شک نہیں کہ توحید کی یہ مشترک سطح قائم کرنے میں تم لامحالہ راہ راست پر ہو! ان مطالب کی صحت کی قطعی شہادت اس آیہ شریفہ کے عین بعد کی آیات سے ہوتی ہے جو مطالب کو مربوط کرنے کی غرض سے یہاں پر لکھدی جاتی ہیں؛ اس مضمون کے بعد ارشاد ہے:

وَاِنْ جَادَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ (۲۲:۶۸-۶۹)

اور اے محمدؐ! اگر اس حقیقت کشائی کے بعد بھی یہ لوگ تم سے اختلاف قائم کریں اور اپنے مناسک پر ضد سے اڑے رہیں تو تم ان سے کہدو کہ جو تفرقہ اندازیاں اور انتشار تم بنی نوع انسان میں پیدا کر رہے ہو اس سے خدا خوب واقف ہے! اور وہی روز قیامت کو تمہارے مابین اُن باتوں کے متعلق فیصلہ کر دے گا جن میں تم ناحق اختلاف پیدا کر رہے تھے۔

اسلام بنی نوع انسان کے اتحاد کیلئے آیا تھا (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۹۰)۔ خدا فرماتا ہے کہ منسک بنفسہ کچھ شے نہیں، وہ سب ہم ہی نے مقرر کیئے تھے کیا یہود کے مناسک اور کیا نصاریٰ کے، انکا مطلب اتحاد قوم تھا، جب یہ مطلب انسے فوت ہو گیا ہے تو انپر اڑے رہنا بے معنی ہے۔ اب یہ اسلامی مناسک ہیں جو ہم ہی نے مقرر کیئے ہیں انکی غرض بھی بعینہ وہی ہے بلکہ ایک دسے یہ حج کا منسک تمہاری جاہلی اور پیشینہ مراسم نماز کی ترمیم شدہ صورت ہی ہے پس اس امر میں نزاع پیدا نہ کرو اور متحد بنجاؤ کہ صراط مستقیم یہی ہے۔ میرے نزدیک مکہ اور بیت المقدس، چین و روم سب ایک ہیں۔ مشرق و مغرب ایک ہے۔ زمین و آسمان ایک ہے، نہ مجھے تمہاری قربانیوں کے گوشت پہنچتے ہیں نہ خون، مجھ تک تو صرف تمہارا تقویٰ، تمہارا اتحاد عمل، تمہاری اطاعت، درخوئے تسلیم، تمہاری قلبی و یک (ذکر) اور لرزش پہنچتی ہے اور بس۔ انہی کو دیکھکر میرے سب فیصلے ہیں۔ انہی پر سزا و جزا کا سب حصر ہے! لیکن یہ جامع الانام اور عالم انگیز اسلامی مناسک آج خود رسم و رواج کی لکیر میں پڑکر وہ بے مطلب اور انتشار پرور، وہ اصنام خیز اور تفریق آراستے بن گئے ہیں کہ ایک متنفس بھی آج انکی اس خالص حکمت عملی کا معترف نہیں رہا!

پس الاٰمر اس کارگاہ جہان کا وہ مختص قانون، اُس بے پروا خدا کا وہ خاص الخاص حکم، اُس شدید العقاب آقا کا وہ اٹل آئین عمل ہے

کی عالی ہمتی، اُن کے اخلاف کا تفضّل، اور اسلاف کی برتری بخش؛ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۚ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۙ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ [۵۱] (۶: ۸۷-۸۸)

تو عالمگیر غلبہ عطا فرما کر ان کے ہر فرد میں عدل دوستی اور حق پسندی کی خصلتیں برقرار رکھ! يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ [۵۲] (۳۸: ۲۶)؛ تو اُن میں قانونِ خدا کے احترام، اور حدودِ خدا کی رعایت سے، حمایت حق اور طہارت نفس سے، تقویٰ کے مقتدر عزائم اور ایمان کی اٹل طاقتوں سے، اعانت عدل اور نگہداری عہد سے، وہ اجتماعیت، وہ عزم بالجزم، اور وہ قوتِ نظم و ادارت نصیب فرما، جو اسلام کے شیرازۂ اُمّت کو تشتّت کی شکست و ریخت سے ہمیشہ کیلئے مامون و مصئون کر دے!

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ

---

[۵۱] اور اسمٰعیل اور الیسع اور یونس اور لوط (علیہم السلام) یہ سب ہمارے حکمبردار رہنمایان خلق تھے۔ اور ہم نے ان سب کو تمام عالم کے لوگوں پر برتری دی۔ ان کو اپنی قوم کا سردار بنایا اور بادشاہت دی۔ اور نہ صرف اُنہی کو بلکہ ان کے آباؤ اجداد اور اولاد اور بھائیوں میں سے بھی بہتیروں کو اُن کے علوِ ہمت، حُسنِ عمل، اور شجاعت کے صلے میں دنیا جہان کی قوموں میں سرفراز کیا۔ اور ہم نے اُن کو باقی قوموں سے منتخب کر کے ممتاز کر دیا اور اُن کو دنیا میں قوت سے رہنے کا صراط مستقیم دکھا دیا۔

[۵۲] اے داؤد! ہم نے جو تم کو اس زمین پر بادشاہ بنایا ہے تو لوگوں کے معاملات میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرو، اور خواہشات نفس کا تتبع نہ کرنا کیونکہ یہی خواہشات نفسانی تم کو اعتدال کے صراط مستقیم سے بھٹکا دیں گی۔ جو لوگ عدل و انصاف کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں اُنکو اس دنیا میں سخت عذاب ملیگا۔ اسلیئے کہ روزِ جزا کو بھول گئے۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۲۳۳) جس کا نام اتّحاد ہے، اتحاد بین الافراد اور اتصال بین الاجزا ہے، اتحادِ عمل اور اتحادِ اثر ہے۔ یہی وہ شئے ہے جس کے باعث انتشیر حشم زدون میں تمکن کے بام بلند پر چڑھ جاتی ہیں، جو باعث قیام عالم اور علّت تکوین کائنات ہے، جو فنا و زوال کا حجاب اکبر ہے، جس سے ہر شئے میں زندگی ہے۔ جس کا نہ ہونا موت و شکست کے مترادف ہے۔ یہی وہ رازِ حیات ہے جس کے ہوتے ہوئے شکست ناممکن، نامرادی کالعدم، اور نامروی امکان سے خارج ہے۔ میسر الیقین ہے کہ روئے زمین کے ہر مذہب و ملّت کا اصل اصول یہی تھا۔ یہی وہ پیغام تھا جو سب انبیائے جہان اپنے آقائے نامدار سے لائے تھے۔ اور اسی حقیقت کبریٰ کو کتاب کے دیباچے میں میں نے سب مذاہب کی الاصل اور احکم الحاکمین کا الامر قرار دیا ہے۔ دیکھو صفحہ ۴ و ۳۱۔

* الظُّلُمٰتِ سے میں نے اس کتاب میں بالالتزام قانون خدا کے عدم تعقّل کی تاریکیاں اور اجتماعی انحطاط کی نارا بینیاں، اور النُّوْر سے علم و عمل کی انجام شناسیاں اور تمکن فی الارض کی روشنیاں مراد لیا ہے۔ دیکھو صفحہ ۵۵ و ۱۳۳ و ۱۷۶۔ اِن معانی پر ایک فیصلہ کن بحث عنقریب اس مجلد کے اختتام پر آئے گی۔

مُّسْتَقِيْمٍ ○ (۵: ۱۵-۱۶)

لوگو! پروردگار عالم کی طرف سے تمہیں وہ رہ نما نور اور وہ واضح قانون (یعنی صحیفۂ فطرت کا ملخص دیکھو تحت المتن صفحہ ۶۲) آچکا ہے جسکے ذریعے سے خدا اُس قوم کو جو رضائے الٰہی کی متابعت کرتی ہے، قیام فی الارض اور سلامتی کے رستوں پر لے جائیگا، اُنہیں اپنے فضل و کرم سے جہالت اور نا انجام شناسی کی ظلمتوں سے نکالکر حفظ نفس و علم اور تمکن کے نور کی طرف لائیگا، اور اُنکو قیام و بقا کے صراط مستقیم پر ڈال دیگا۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ (۱۰: ۲۵)

اور اللہ تو اُمتوں کو حفظ نفس اور سلامتی کے گھر کیطرف بُلا رہا ہے، اور جس قوم میں اہلیت دیکھتا ہے اُسکو تمکن اور قیام کا صراط مستقیم دکھا دیتا ہے۔

پس "صراط مستقیم" کیا تھا! تحفظ و بقا تھا! قوم کی سلامتی تھی! اُمت کا "دار السلام" تھا! جماعت کا کامل امن اور فرد کا اضطراب عمل تھا! اتّحاد کا التہاب درون، اور توحید کا کرداری اظہار تھا! تعبّد کا معنوی اقرار اور ملازمت کا عملی پہلو تھا!

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○ (۴۳: ۶۴)

اے لوگو! وہ خدائے عظیم میرا اور تمہارا پروردگار ہے! مولیٰ ہے! آقائے نامدار ہے: رازق ہے! شاہنشاہ وہ حاکم ہے! اور وہی احکم الحاکمین کے غلام بنے رہو (فَاعْبُدُوْهُ)، اُسی کی خدمت میں لگے رہو (فَاعْبُدُوْهُ)، اُسی کے قانون کی تعمیل کرو (فَاعْبُدُوْهُ) اُسی کے آگے سر تسلیم خم کرو (فَاعْبُدُوْهُ)، اُسی کے سچے بندے بنو کہ یہی صراط مستقیم ہے!

عبادت کا وحدت انگیز کیف، اور اختلاف سے اجماعی گریز تھا! اتّقا تھا! اطاعت امیر تھی!

وَلَمَّا جَاۗءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ○ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○ (۴۳: ۶۳-۶۴)

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ○ (۴۳: ۶۵)

* "دار السلام" کے الفاظ کو لوگوں نے "بہشت" کا نام سمجھکر اس تمام آیت کو عالم آخرت میں منتقل کر دیا ہے، لیکن اس بیجا تاویل کی کوئی سند نہیں۔ تیسری مجلد میں اس رکوع کا جس میں یہ آیت واقع ہوئی ہے بہ تمام و کمال ترجمہ کر کے واضح کر دیا جائیگا کہ "دار السلام" ہرگز کوئی اخروی مکان نہیں۔ لیکن اگر "دار السلام" جنت کے باغوں میں کوئی بارہ دری ہے تو خوش اعتقاد شارحین سے پوچھنا چاہیے کہ پھر "سُبُلَ السَّلٰمِ" جو آیہ (۵: ۱۶) میں واقع ہوا ہے کیا شئے ہے؟ کیا وہ بھی جنت کی سڑکیں ہیں۔ افسوس کہ لوگوں نے قرآن حکیم کو کیسا افسانہ بنا لیا ہے!

اور جب عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے پاس خدائے جل و علیٰ کے روشن اور کھلے کھلے احکام (الْبَيِّنٰتِ) لے کر آئے تو انہوں نے
اُن کو مخاطب ہو کر کہا کہ اے بھائیو! میں تمہارے پاس یہ احکام کیا لایا ہوں، دراصل وہ عظیم الشان حکمتی اصول لایا ہوں جس کا
شارح خود خدائے بےمثال ہے (جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ)۔ اور میرے آنے کا اہم مقصد یہ ہے کہ میں تم پر اُن باتوں کی اصلیت واضح اور
دل نشین کردوں جن میں اختلاف پیدا کرنے کے باعث تم ایک دوسرے سے الگ ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہو، تم میں اتحاد کی
مشترک سطح از سرِ نو قائم کروں، تم سب کو ملا کر ایک کردوں! پس اے لوگو! اُس شدید العقاب خدا سے ڈرو! اُسکے مشترک خوف
سے متحد ہو جاؤ (اتَّقُوا)، اور سب کے سب ایک امیر کی (یعنی میری) اطاعت کرو، میرے پیچھے لگ جاؤ، وہ خدائے عظیم میرا اور
تمہارا دونوں کا آقا ہے پس اُسی کی غلامی میں لگ کر ایک ہو جاؤ، اُسی کے سچے بندے بن جاؤ کہ صراطِ مستقیم یہی ہے۔
لیکن لوگوں نے اس اولوالعزم پیغمبر کا کچھ کہا نہ مانا، وہ آپس میں اُسی طرح اختلاف کرتے رہے، اُسی طرح فرقہ بند بنے رہے،
تو جن لوگوں نے یوں اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اُنپر ہلاکت کے دردناک اور کپکپا دینے والے دن کے اعتبار سے ہزار حیف ہو۔

تمسک قانونِ خدا تھا!

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (۴۳ : ۴۳)

تو اے پیغمبر! تم اس قانون کو جو تم پر وحی کر دیا گیا ہے مضبوطی سے پکڑے رہو، اُس پر جم کر عمل کرو۔ اس میں شک نہیں کہ
تم صراطِ مستقیم پر ہو (اور لامحالہ اپنی مراد کو پہنچو گے)۔

خوف عذابِ اللہ تھا! بیم روزِ جزا تھا!

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ† فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ (۴۳ : ۶۱)

اور لوگو! اِس میں شک نہیں کہ عیسیٰ (علیہ السلام) بھی بنی اسرائیل جیسی تفرقہ آرا اور فرقہ بند قوم کے لیئے ہلاکت اور موت
کی یقینی اور قطعی، آخری اور قرار واقعی دلیل تھے (عِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ)؛ اُن کا آنا اور جھٹلایا جانا، اتحاد کی تبلیغ کرنا اور ناکام رہنا،
یہود کے لیئے صلائے اجل تھا، پیام موت تھا، ہلاکت کی علی الاعلان شہادت تھی (عِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ)۔ پس اے لوگو! اُس روزِ بد
کے آنے میں کبھی شک کرو، اس سے اہل یہود کی طرح بے پروا نہو جاؤ، لمبی تان کر نہ سوؤ (فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا)، اور میرے احکام کی
تعمیل کرو کہ یہی صراطِ مستقیم ہے! (دیکھو علم کی تعریف تحت المتن صفحہ ۸۳-۸۴- گویا حضرت کا آنا یہود کی ہلاکت (السَّاعَة) کا عَلَم (نشان) تھا)۔

وہ صراط تھا جس پر چل کر تعزّز اور نعمت ہی، خدا کے دنیوی انعام، اور بے حساب بخششیں ہیں، صِرَاطَ الَّذِيْنَ
اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ (۱ : ۶)؛ وہ خوف تھا جس کا اٹل نتیجہ انعام و اکرام ہے، يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى

† 'السَّاعَة' اور یوم آخرت کے متعلق بحث نہ ہو چکنے کے باعث اِن آیاتِ شریفہ کے صرف ایک لفظی معنی بیان کر دیئے گئے ہیں۔ کامل مفہوم کیلئے ابھی انتظار کرنا چاہیئے یا عربی افتتاحیہ صفحہ ۱۳۶ دیکھیں۔

وَّجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۵۱﴾ (۴۹: ۱۳) جس سے ہٹ کر قہرِ خدا نازل ہوتا ہے، اُمتیں مغضوب علیہ ہو جاتی ہیں، ذُلّ و مسکنت، موت و افلاس صدیوں اور قرنوں تک پیچھا نہیں چھوڑتے: غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿۵۲﴾ (۱: ۷) وہ سیاست تھی جس پر چلکر ہر سو امن ہے، امتوں اور نسلوں کا امن ہے، افراد اور قبیلوں کا امن ہے، گھروں اور محلّوں کا امن ہے! وہ "مذہبِ خدا" اور راہ مالک الملک تھی جس پر دنیا کی سب زندہ اور انعام یاب امتیں آج چل رہی ہیں اور اختلافِ مناسک کے باوجود، اپنے اپنے دائرے کے اندر قانونِ خدا اور "الامر" میں نزاع پیدا نہیں کرتیں، لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ۭ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۳﴾ (۲۲: ۶۷) نہیں! صراطِ مستقیم وہ تلوار سے سوا تیز اور بال سے سوا باریک راہ تھی جس پر چلتے رہنا کمال حزم و احتیاط کا کام ہے، جس سے ذرا ادھر ہٹ کر ضلال ہے، شکست و انتشار کا جہنّم ہے، محکومیت کا دوزخ ہے، افلاس کی آہ و بُکا ہے! وہ دراصل سعی اور امن، تلاش اور مقصود، طالب اور مطلوب کے درمیان وہ خطِ مستقیم تھا جس کے سوا کوئی دوسرا خط راست نہیں، کوئی سعی مشکور نہیں، کوئی عمل نتیجہ خیز نہیں! وہ وہ تکیفِ قلب اور وہ ضبطِ نفس تھا جس سے قوم کے سب افراد تسلیم کے مجسّمے اور سعی و عمل کے فوّارے بن جاتے ہیں، جس سے سینے قانونِ خدا کی اطاعت کے لیئے یکسر کھُل جاتے ہیں، جس سے دلوں کی تنگیاں اور حوصلوں کی پستیاں کالعدم ہو جاتی ہیں، ہر شخص

---

۵۱ اے ساکنانِ زمین! ہم نے تم سب کو ایک ہی نوع کے مرد اور اسی نوع کی عورت سے پیدا کیا، اب تم سب ایک ہی جنس کے ہو، اس لیئے آپس میں اختلاف پیدا نہ کرو، ہمارے نزدیک تم سب برابر ہو۔ اور تمہارے مختلف گروہ اور قبیلے محض اسلیئے بنا دیئے کہ تم ایک دوسرے سے امتیاز کر سکو ایک دوسرے کے مصالحانہ حریف بنو۔ اور خدا کے نزدیک تم میں سے وہی گروہ عزت اور انعام کا مستحق ہوگا جو سب سے زیادہ قانونِ خدا سے خوف زدہ رہیگا۔ جو سب سے زیادہ متقی، سب سے زیادہ صابر، محافظِ نفس، اولوالعزم، اور متفق العمل بن کر رہے گا۔ (اَتْقٰىكُمْ، دیکھو اتّقا کے معانی تحت المتن صفحہ ۱۵۴) اور استقلال سے احکامِ خدا پر عمل کرے گا۔ یاد رکھو کہ خدا تمہارے اعمال سے موبمو واقف، اور تمہاری نیّتوں کو سر بسر جاننے والا ہے۔

۵۲ ان قوموں کی راہ نہ دکھا جو تیرے قہر و غضب میں آکر ہلاک ہو چکی ہیں، اور نہ انکی جو راہ راست سے بھٹک کر تیرے قہر و غضب کو دعوت دے رہی ہیں۔

۵۳ اے لوگو! ہم نے روئے زمین کی ہر امت کیلیئے خدا کی عبودیت اور قانونِ خدا کی اطاعت کا ایک ظاہری نشان مقرر کر دیا ہے جسکو وہ شعار بناتی ہے لیکن قانون سب کیلیئے ایک ہے لہٰذا لوگوں کو چاہیئے کہ اصل قانون (الامر) کے متعلق تم سے کوئی نزاع قطعاً قائم نہ کریں، اور وہ اصل قانون یہ ہے کہ تم تمام عالم کو اپنے پروردگار ہی کی اطاعت کیطرف بلاؤ۔ اور سب کو اس ایک مرکز پر ہی جمع کر دو۔ اسمیں شک نہیں کہ اس اتحادِ معنوی قائم کرنے میں تم ضرور صراطِ مستقیم پر ہو۔

دوسرے ہمقوم اور ہم جماعت فرد کے لیئے اپنی آغوش مرحبا کھول دیتا ہے، کوئی سینہ بھچا ہُوا اور تنگ ظرف نہیں رہتا، پھر محبت اور اخوت کی نہر سلسبیل دلوں میں چل جاتی ہے، اور اس حُسنِ عمل کے صلے میں امن و اُبہت کا "دارالسّلام" اُس قوم کے استقبال کے لیئے دوڑتا ہے!

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ† يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۚ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ○ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (۶: ۱۲۶-۱۲۸)

اے لوگو! جس قوم کی نسبت خدا ارادہ کرلیتا ہے کہ اسکو صحیح راہ عمل دکھا دے تو اُسکے سینوں کو "الاسلام" اور تسلیم قانون خدا کے مطابق مذہب عمل کے لیئے یکسر کھول دیتا ہے، اور جسکو اپنی ہی بد اعمالی کے باعث گمراہ کر دینے کا ارادہ کرلیتا ہے تو اُس قوم کے سینوں کو بھچا ہوا اور تنگ کر دیتا ہے؛ اُن میں حوصلہ عمل اور توفیق خیر مفقود ہوجاتے ہیں۔ باہمی مدد اور بھلائی کرنے کا یارا نہیں رہتا، اُن کی یہ حالت ہوجاتی ہے کہ احکام خدا کی تعمیل کرنا اُنکے نزدیک گویا آسمان پر چڑھنا، اور اپنے آپکو ناحق تکلیف میں ڈالنا ہے۔ جو لوگ ہمارے احکام کے مفید ہونے پر ایمان نہیں رکھتے اُن پر خدا کی پھٹکاریوں پڑا کرتی ہے!

اور اے پیغمبر! یہ اپنے سینے کسب و عمل کے لیئے کھول دینا ہی تیرے آقائے جلیل کا بتایا ہوا صراط مستقیم ہے۔ یہی عین اسلام ہے، غور و فکر اور صحیح نتائج اخذ کرنے والی قوم کے لیئے ہم نے اپنے حکم کھول کھول بیان کر دیئے ہیں۔ یہی وہ قوم ہے جن کے لیئے اس دنیا کے اندر، اُنکے پروردگار کے نزدیک اُن کے اعمال کے صلے میں امن و امان کا گھر ہے، اور وہی اس دنیا میں اُس کا سچا دوست اور خبر گیراں ہے۔

کیا آج اِس پہنائے زمین کے طول و عرض میں صراط مستقیم کے اس مفہوم کے متعلق ایک شق باقی ہے جسپر اسلام کا کوئی فرد بشر چل رہا ہے؟ کیا دن بھر میں بار بار اور خوش الحانی سے دُہرانے کے باوجود کسی متنفس کو

† یہاں یَشْرَحْ صَدْرَهٗ کے بالمقابل یُضِلَّهٗ کا آنا اِس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کلام الٰہی کی اصطلاح میں کسی قوم کے اندر الاسلام پر عمل کرنے کی توفیق کا ناپید ہوجانا (دیکھو تعریف "الاسلام" تحت المتن صفحہ ۱۹۱)، احکام خدا پر عمل کرنے سے ناقابل برداشت تکلیف کا محسوس ہونا ہی ضلال ہے۔ ضلال کے پہلے تشریح شدہ معانی میں نے صفحہ ۲۲۳ کے تحت المتن میں جمع کر دیئے ہیں، یہ ایک نئی قسط ہے۔ مسلمانوں کو سوچنا چاہیئے کہ وہ آج خود اِس ضلال کے مصداق کس شدت سے ہیں!

اِس بات کا احساس رہ گیا ہے کہ صراطِ مستقیم یہ ہے، نمازیں پنجوقتہ اسی کی گذارش ہیں، اسی سے ہٹ جانے کا ہر لحظہ ڈر ہے، اسی کی آرزو اور اسی کی تڑپ ہے، اسی کے لیئے اُٹھنا اور بیٹھنا ہے، اسی کی درخواست میں رکوع و سجود ہیں، قومے اور قعدے ہیں، جھکنا اور سرنگوں ہوجانا ہے؟ کیا دلوں میں اِسکے متعلق ذراسی چوٹ، رتّی بھر حسّ، ادنیٰ سی سنسناہٹ، یا اُرو کی سفیدی کے برابر سعی و عمل باقی ہے؟ نہیں، کیا اِس مفہوم کی آج سرے سے خبر بھی ہے! کیا گذشتہ ایک ہزار برس کے اندر ہزار در ہزار فرقہ بندیوں اور شرک آرائیوں، تفریقِ عمل اور عصیان امیر، عدم تمرکز اور تشتّتِ آرا، حُبِّ نفس اور محبت مال، عبادت طاغوت اور ملازمتِ شیطان[†] کے مہلک اثرات کے باوجود ہر مسلمان اس زعم میں نہیں کہ وہ "دینِ اسلام کے صراطِ مستقیم" پر چل رہا ہے، وہ خدا کو خدا مان رہا ہے، رسول کو رسول کہہ رہا ہے، اُس کے حلال و حرام کو نباہ رہا ہے، خیر الاُمم کا رکن اعظم ہے، اسلیئے اسکو کسی اصلاح کی ضرورت نہیں، کسی مزید راہ ڈھونڈنے کی حاجت نہیں۔ کیا وہ اِس مہلک گراں خوابی، کوتاہ نظری اور آشوبِ چشم کا مریض نہیں کہ دنیا کی سب انعام یاب اور خدا کی نعمتوں سے مالا مال اُمّتیں اُسکی نگاہ میں ٹیڑھے راستوں پر چل رہی ہیں، جہنّم کی مکین ہو رہی ہیں، دوزخ کا ایندھن بن رہی ہیں، مگر اسلام کی لاڈلی مگر بے نوا اُمّت صراطِ مستقیم پر چل رہی ہے، 'اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ' کی مصداق ابدالآباد تک ہے! کیا آج ارضی نعمتوں کے چھن جانے کے بعد کسی "روحانی نعمتوں" کی تاویل کرکے، یا 'دار السلام' کے بے ضرر لفظ کو اسلامی بہشت بنا بنا کر دل کو تسکین دے دینا قہرِ خدا کو کم کرسکتا ہے؟ کیا صاحب القرآن ؐ کی اس حیرت انگیز اور ناقابلِ انکار، اِس نصّی اور صریح شہادت کے ہوتے ہوئے کوئی انسانی لغت، کوئی قیاس و رائے کوئی اجماعِ اُمّت، کوئی یونانی حکمت، کوئی مُلّائی تاویل، یا خود ساختہ حدیث "صراطِ مستقیم" کی اس سے بہتر اور صحیح تر تشریح کرسکتی ہے؟ کیا قربانیوں کے حشر سے بکروں کے مینڈھے اور مینڈھوں کے گھوڑے بنا بنا کر اُمّت کو 'پلصراط' پر سے گذار دینا، سُنّتِ خدا اور قانونِ رب العالمین کو بدل سکتا ہے!

[†] یہ سب اعمال صراطِ مستقیم پر چلنے کے نقیض ثابت کردیئے گئے ہیں (دیکھو اصل کتاب از صفحہ ۲۲۶ تا ۲۳۰)۔

کیا حالات حاضرہ کے ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں میں دھول ڈالکر نصرانیوں کو مغضوب علیہ کہہ دینا اور آپ اُس غضب سے ہمیشہ کے لیئے بچے رہنا، اُس نعمت کو عالمِ خیال میں اجارے پر لے لینا، آئین زمین و آسمان میں تغییر پیدا کر سکتا ہے؟ کیا صدرِ اسلام کا صراطِ مستقیم، آجکل کے اسلام کی مانند ہی مُنہ سے خدا کہہ چھوڑنا، حلال و حرام میں فرق کرنا، سوٴر سے پرہیز کرنا، اور ہاتھ پر ہاتھ دھر کر اپنی خانہ بربادی کو دیکھتے رہنا ہی تھا جسکے صلے میں چند برسوں کے اندر اندر روئے زمین کی سرداری مل گئی تھی!

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ○ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ○ وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ○ (۶: ۱۵۲-۱۵۴)

اے محمدؐ! ان حلال و حرام پر لغو بحثیں کرنے والوں (۶: ۱۴۶) کو کہدو کہ آؤ! میں تمہیں پڑھ کر سناؤں کہ دراصل حرام کیا چیز ہے، اور تمہارے پروردگار نے تم پر فی الحقیقت کیا حرام کیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ اطاعت گذاری اور حکمبرداری میں خدا کے ساتھ کسی دوسری شئے کو ہم مقام نہ کرو، اور اپنے ماں باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک کرتے رہو، اور مفلسی کے ڈر سے اپنے بچّوں کو قتل نہ کرو کیونکہ ہم ہی تمہارے رزق کے اسباب پیدا کرتے ہیں، اور انکی روزی کے وسائل بھی ہم ہی پیدا کرینگے۔ اور تمام ظاہری اور باطنی بداعمالیوں سے بچو، اور انسانی جان جسکا مارنا اللہ نے تم پر حرام کر دیا ہے۔ ناحق (یعنی ماسوا جہاد کے) نہ لو۔ یہ وہ عظیم الشان معاشرتی اصول ہیں جنکا حکم خدا نے تمہیں اسلیئے دیا ہے کہ تم دنیا میں مل جلکر رہنے کا طریقہ سمجھو۔ اور یتیم اور بیکس شخص کے مال میں مداخلت بیجا ہرگز نہ کرو، ہاں اگر اسکے حق میں مفید ہے تو اسمیں ہمدردانہ تصرّف کرو یہانتک کہ وہ اسکو خود سنبھالنے کے قابل ہو جائے، اور تمام کاروبار اور لین دین میں انصاف، راست روی، اور پورے ماپ تول کو ملحوظ نظر

رکھو۔ ہم کسی شخص کو اسکی استطاعت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتے، اسلیئے تجارت کے متعلق اور کوئی بندش نہیں کرتے۔ اور جب کسی کے متعلق کچھ کہو تو انصاف کو مدِّنظر رکھکر کہو، گو وہ تمہارا عزیز ہی کیوں نہو، اور سب سے بڑھکر یہ کہ عہدِ خدا (وعدے) کے پابند ہر دم رہو۔ یہ سب کچھ تمہیں اسلیئے کہا گیا ہے کہ تم اُس کے نتائج پر غور کرو۔ اور بیشک یہی میرا صراطِ مستقیم ہے، جس میں امتوں کی سلامتی اور امن ہے، اور اسی کی پیروی کرو۔ اور دوسرے رستوں پر نہ پڑلینا کہ تم کو امن اور حفظِ نفس کے راستے سے بھٹکا کر تمہاری طاقت کو منتشر اور جماعت کو تتر بتر کردیں۔ یہ تم کو خاص طور پر اس لیئے کہا گیا ہے کہ تم شکست و انتشار کے خوفناک نتائج سے بچتے رہو۔

الغرض صراطِ مستقیم کی اِس شق میں بھی ایمان اور تقوے، صبر اور توکّل کے اجتماعی اغراض اور استلافی مصالح کی طرح، جماعتی استحکام، تمدّن اور سیاست کے جراثیم مخفی تھے[†]۔ اس تمام صلاحی ترغیب و تاکید کا مآل کار بھی مسلمانانِ عالم کو جہانگیری سے قطع نظر جہانبانی اور جہانداری کے سیاسی رموز اور بادشاہت اور حکومت کے دقیق آداب و قواعد سے باخبر کردینا تھا: ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝[لـ] (۶: ۱۵۲)۔ انصاف پسندی اور بے رُو و ریا عدل، ضبطِ نفس اور حُسنِ سلوک، حُسنِ معاملت اور اعتمادِ باہمی ہی قیامِ سلطنت کے وہ عبرت آموز اور نصیحت آمیز اصول تھے جن پر سختی سے عمل کرنا ناگزیر، اور جنسے تغافل روا رکھنا مجرمانہ خودکشی تھی؛ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝[لـ] (۶: ۱۵۳)۔ خدائے بیمثال نے کلامِ پاک

[لـ] یہ نصیحت تم کو خدا نے اسلیئے کی ہے کہ تم معاشری اور اجتماعی، سیاسی اور تمدّنی اصولوں کو سمجھ جاؤ۔ دیکھو آیہ (۶: ۱۵۲) صفحہ ۲۴۰۔

[لـ] اِن باتوں کا حکم خدا نے تمہیں اسلیئے دیا ہے کہ تم اس سے نصیحت اخذ کرکے اُسکے مطابق عمل پیدا کرو۔ دیکھو آیہ (۶: ۱۵۳) صفحہ ۲۴۰۔

[†] ایک موقع پر احکامِ خدا کی اجتماعی اور سیاسی مصلحتوں کو متذکرہ صدر آیات (۶: ۱۵۲-۱۵۳) سے زیادہ واضح الفاظ میں ادا کیا ہے اور انکی سیاسی حکمتِ عملی بھی بالصراحت بیان کردی ہے۔ سورۂ نساء میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ۝ (۴: ۵۸)

اے مسلمانو! خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو اُن کے مالکوں کے حوالے کردیا کرو، اِس کارگاہ سعی و عمل میں خائن ہونے کے مجرم ہرگز نہ ہو، اور جب تم اپنی رعیت کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو نہایت دیانت داری اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ اس میں شک نہیں کہ خدا جو نصیحت تم کو کررہا ہے تمہاری معاشری اور اجتماعی ترقی کے حق میں بہت اچھی ہے کیونکہ بلاشبہ وہ اِس کارگاہ فنا و بقا کے قانون کو بڑا سمجھنے والا (سَمِيْعًا) اور اس کی باریکیوں کو خوب پرکھنے والا ہے (بَصِيْرًا)۔

میں قرونِ خالیہ کی کئی ایک متمدّن اور متسلط قوموں کی ہلاکت آفریں غلط کاریوں اور سہل انگاریوں کی مثالیں دے کر، اِن اعمال کی اہمیّت کو بصراحت تمام بیان کر دیا تھا، مگر بایں ہمہ نماز کے صراطِ مستقیم کا فوری اور پسِ منظر مفہوم تقوے کا وہی التیام آفریں اثر، اور توحید کا مجتمع القلوب احساس تھا: وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ [۵۱] ۞ (۶: ۱۵۴) ـ متحد اور متفق قلوب کی یہ اسلامی جماعت، بارگاہ خداوندی میں اپنے دن بھر کے جلیل القدر کارناموں کی خاموش شہادت اور حوصلہ افزا سند پیش کر کے، اپنے آپ کو سزاوارِ انعام، اور مستحق اجر سمجھتی تھی۔ اعلائے حق کے متعلق مخلصانہ اعمال، اور ربِّ عظیم کی غائبانہ خدمتیں، انہیں تحسین و آفریں کا بسملانہ اضطراب اور حضوری خدا کی اضطراری تڑپ پیدا کر دیتی تھیں۔ عمروں کے سُلجھے ہوئے یہ مخلص ملازم اپنی روز روز کی نئی اور خوش کُن خدمتوں کے بعد اس ادائے نہان و عیاں سے حضور میں لپک لپک کر پہنچتے اور دست بستہ کھڑے ہو جاتے! ان کو روئے زمین کی سلطنتیں اور حفظ و امان کی راہیں اُن کے شبانہ روز جہاد اور متواتر عمل کے صلے میں ملا کرتی تھیں: وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ [۵۲] ۞ (۲۹: ۶۹) ـ انہیں اتمامِ نعمت کا راہ راست اور حصولِ قوّت کا صراطِ مستقیم، صلحِ حدیبیہ جیسی اہم حکمت عملیوں، اور فتحِ خیبر و فتحِ مکہ جیسے مہتم بالشان کارناموں کے عوض میں ملتا تھا: إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا ۞ لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا [۵۳] ۞ (۴۸: ۱-۲)

---

[۵۱] اور مسلمانو! مختلف رستوں کا اتباع ہرگز نہ کرنا، کہ یہ تفرقہ و انتشار تم کو خدا کے امن و رستے سے ہٹا کر مضمحل کر دے گا، تمہاری ہیئت اجتماعی کو کمزور، اور قوّت کو سلب کر دے گا۔ یہ نصیحت تم کو خاص کر اس لیئے کی گئی ہے کہ تم اجتماعی ہلاکت سے بچے رہو۔ سلسلے کے لیئے دیکھو آیہ (۶: ۱۵۴) صفحہ ۲۴۰۔

[۵۲] اور جن لوگوں نے ہمارا نام بلند کرنے کی غرض سے جہاد کیئے اُن کو ہم ضرور دنیا میں امن سے رہنے کے اپنے طریقے بتا دیں گے، اور بیشک اللہ تو حسن عمل کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے۔ (محسنینؔ کی تعریف صفحہ ۱۴۰ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے اور یہاں بھی صاف ظاہر ہے کہ جہاد کرنا سچا حُسنِ عمل ہے)

[۵۳] اے پیغمبر! یہ معاہدہ حدیبیہ کیا ہوا حقیقت میں ہم نے تم کو دشمن پر کھلم کُھلا فتح دی۔ اور یہ اس لیئے ہے کہ اللہ تیری اگلی اور پچھلی مصلحتی واماندگیوں اور کمزوریوں پر پردہ ڈال دے، اور دشمن کے بالمقابل تم اس دنیا میں اور بھی مضبوط ہو جاؤ۔ اور تاکہ یہ آیندہ نعمتوں کے اتمام کا پیش خیمہ بنے، اور تمہیں حفظِ نفس کی حکمت عملی اور غلبے کا صراطِ مستقیم دکھا دے۔ (ذنب سے یہاں صاف طور پر وہ مصلحتی واماندگیاں مراد ہیں جو ہر رہنمائے قوم سے کسی اہم اجتماعی معاملے کے متعلق صراطِ مستقیم نہ ملنے کی وجہ سے ظاہر ہوتی ہیں۔)

اُنہیں نگہبانیٔ زمین کا انعامِ عظیم ایثارِ جان، ترکِ وطن، اور شدائدِ سفر کے پیہم تحمل کے عوض میں میدانِ جنگ کی روح گُسل مصائب کے بطیبِ خاطر برداشت کے صلے میں، اور اولوالامر کے احکام کی فوری اور قطعی تعمیل کی شاباش میں ملا کرتا تھا: وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۝ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰۗىِٕكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰۗىِٕكَ رَفِيْقًا ۝ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝† (۴: ۶۶-۷۰)

لیکن صراطِ مستقیم کے ان تمام شتقی اور قسمی، ان وقتی اور مقامی معانی سے قطعِ نظر نماز اور فاتحۃ الکتاب کے

ل اور اگر ہم اُن کمزور ایمان والے مسلمان نما منافقوں کو حکم دیتے کہ تم اپنی جانوں کو اللہ کی حمایت میں لڑا دو، یا اپنے وطن سے ہجرت کر جاؤ مگر دشمن سے کمزور صلح نہ کرو تو ان میں سے چند آدمیوں کے سوا بہتیرے ہمارے اس حکم کی تعمیل نہ کرتے۔ اور اگر جو کچھ ان کو سمجھایا جاتا ہے کرتے تو اُن کی اپنی ہی بہتری کی بات تھی کیونکہ اُن کی جماعت اور بھی مضبوط اور طاقتور بن جاتی۔ اور اس صورت میں ہم اُن کو ضرور اپنی طرف سے بڑا اچھا بدلہ دیتے۔ اُن کی جماعت غالب رہتی، اور حفظِ نفس کا صراطِ مستقیم اُنکو ہم دکھا دیتے۔ پس جس نے ہمہ تن اپنے آپ کو احکامِ خدا کی متابعت کے لیئے وقف کر دیا۔ اور جسنے اپنے امیرِ جماعت (رسول کریمؐ) کا کہا مانا تو یہی وہ لوگ ہیں جو اُن لوگوں کے دوش بدوش چل رہے ہیں جنپر اللہ نے اپنی نعمتیں بخشیں، مثلاً وہ انبیائے کرامؑ جنہوں نے راہِ حق میں جہاد کیئے، یا وہ صادق لوگ جنہوں نے اپنے اعمال سے اپنے ایمان کی تصدیق کی، یا وہ شہدائے راہِ خدا جو خدا کا بول بالا کرتے کرتے ہلاک ہوگئے، یا وہ صالح العمل لوگ جنہوں نے اپنی جماعت کی حالت کو درست کیا اور یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔ یہ توفیقِ عمل محض اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ ہر شخص کی نیتِ دل جاننے کے لیئے بس ہے۔

† شارحینِ قرآن نے ان آیات کے سیاق کو نظر انداز کر کے آیۂ (۴: ۶۹) کے مطالب پر وہ عجیب و غریب اور ظلمت انگیز بحثیں کی ہیں اور خدا اور رسول کو روحانی مجاہدے فرض کر کے بہشت اور آخرت میں انبیاءؑ و صالحینؒ کی مصاحبت کے متعلق افسانوں کا وہ طومارِ عظیم مطالب کے گرد اگرد کھڑا کر دیا ہے کہ انکی طرفہ نوازی کو دیکھکر بعض اوقات عقل حیران ہو جاتی ہے۔ اصل کتاب میں آخری آتیں (۴: ۶۹-۷۰) پہلے مضمون کے تسلسل میں پیش کی گئی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ آیۂ (۴: ۶۶) میں بودے ایمان والے منافقوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ انکے حوصلے اسقدر بلند نہیں کہ وہ خدا اور رسول کے حکم سے اعلائے جماعت کی خاطر اپنی جانوں کو لڑا دیں، یا اپنے گھروں کو چھوڑ کر جہاد بالسیف کریں، حالانکہ یہ جہاد اور ترکِ وطن اُن کی اپنی بہتری کی خاطر ہی ہے، اور جماعتی حفظِ نفس کا صراطِ مستقیم ہے (۴: ۶۷-۶۸)۔ آیۂ (۴: ۶۹) میں صرف اس قدر کہا ہے کہ نبیؑ اور صدیق اور شہداء اور صالحین کا بلند مقام حاصل کرنیکے لیئے جان و مال کی ایسی ہی انتہائی قربانی کی ضرورت ہے۔ ورنہ اسکے بغیر جنت کا حاصل کرنا انبیاء و صالحینؒ وغیرہ کے برابر درجہ پانا محال ہے۔ صفحہ ۱۷۱ کے تحت المتن میں واضح کر دیا گیا تھا کہ "مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ" کا قرآنی مفہوم صدرِ اسلام میں رسولِ خدا صلعم کے وقتی اور مقامی احکام کی تعمیل تھی۔ علیٰ ہذا القیاس یہاں پر بھی یہی مطلب ہے کہ رسولؐ جو اُنکو وقتاً فوقتاً حسبِ موقع لڑائیاں لڑنے اور مال و اولاد سے مفارقت اختیار کرنے کا حکم دیتا رہتا ہے اور وہ ان احکام کی تعمیل سے اکثر کتراتے ہیں، اگر ان میں اطاعتِ رسولؐ کی توفیق پیدا ہو جاتی تو ان کے درجے بھی ایسے ہی بلند ہو جاتے جیسے کہ انبیائے کرامؑ کے جنہوں نے اپنی تمام عمریں اصلاحِ انسانی میں صرف کر دیں، یا اُن صدیقین

اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ "کا جامع اور بالغ مفہوم دراصل انبیائے اولوالعزم اور اَجلّہ رہنمایانِ زمین کی اُن مزلزل الارض اور منقلب الانام مہموں، اُنکی اُن بلند نظر اور وسیع الاثر تحریکوں، اُن لشکر انگیز اور بیخ برانداز

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۴۳) اور شہداء اور صالح العمل لوگوں کے جنہوں نے جماعت کی خاطر قربانیاں کیں۔ اس سے زیادہ ان آیات کا کچھ مطلب نہیں۔ رہا یہ امر کہ اُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللہُ عَلَیْھِمْ سے کس طرح کی معیت اور رفاقت مراد ہے۔ اسکے متعلق بحث کرنا عبث ہے۔ کیونکہ آخرت کی کیفیت کا علم خدا ہی کو ہے۔ انسان کو اسمیں پیش از وقت دخل دینے کی ضرورت نہیں (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۸۴) آیہ (۴: ۶۹) 'نعمت' کے تحت المتن میں صفحہ ۲۲ پر بھی آچکی ہے اور وہاں پر عیاں کر دیا ہے کہ اَنْعَمَ اللہُ عَلَیْھِمْ سے مراد وہ **توفیق عمل** ہے جو ہر باایمان شخص کے شامل حال ہوتی ہے اور یہ **استعداد سعی و عمل کا حسب موقع موجود ہونا ہی صراط مستقیم پر چلنے کے مترادف ہے۔**

'اَلصِّدِّیْقِیْنَ' کے صحیح مفہوم کی مکمل تشریح صفحہ ۱۱ کے تحت المتن میں آیہ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ (۴۹: ۱۵) کے ضمن میں کر دی تھی اور عیاں کر دیا تھا کہ از روئے قرآن 'صدیق' وہ شخص ہے جو اپنے 'ایمان' کی **تصدیق** ہر لحظہ اور بہر حال **عمل** سے کرتا رہے۔ 'ایمان' کی اہم قرآنی شرائط بھی اصل کتاب میں بالتفصیل آچکی ہیں اور صفحہ ۱۸۳ کے تحت المتن میں جمع کر دی گئی ہیں۔ 'اَلشُّھَدَآءِ' کی توضیح بھی صفحہ ۱۲۱،۵۰ تحت المتن اور صفحہ ۲۰۲ کے متن میں آچکی ہے جس سے ظاہر ہے کہ 'شاہد خدا' وہی شخص ہے جو اپنے کاموں کے ذریعے سے خدا کے **نوکر ہونے کی شہادت** ہر وقت دیتا رہے، اور جان و مال کو آقا کی خدمت میں پیش کرتے رہنا **اس نوکری کی اہم شرط ہے** (دیکھو آیہ (۱۴۳:۲) صفحہ ۱۰۵)۔ 'اَلصّٰلِحِیْنَ' کا معہود ذہنی بھی علیٰ ہذا القیاس کچھ کچھ صفحہ ۱۲۵ کے متن آیہ (۴۸: ۲۹) میں، کچھ صفحہ ۱۸۴ کے تحت المتن میں آچکا ہے۔ صلاحیت کی مکمل تشریح از روئے قرآن ابھی نہیں ہوئی، اور اسکی تکمیل کے لیے ابھی بہت دیر بھی ہے تاہم اس اجمال سے ظاہر ہے کہ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ اور رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ ہونا (دیکھو آیہ (۴۸: ۲۹) صفحہ ۱۶۸)، وہ اجتماعی اعمال کرنا جس سے قوم کے ہر عضو میں بیداری اور حیات پیدا ہو (دیکھو آیہ (۷: ۱۸۹) صفحہ ۱۸۴) **وارث زمین بننا** (دیکھو آیہ (۲۱: ۱۰۵) صفحہ ۱۸۴)، **استخلاف فی الارض کا مستحق بننا** (دیکھو آیہ (۲۴: ۵۵) صفحہ ۳۰)، وغیرہ وغیرہ **صلاح** ہے۔ آیہ (۴: ۶۹) کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ 'اَلصّٰلِحِیْنَ' کا درجہ تنبہ کا کمترین درجہ ہے اور یہی عامۃ الناس کے اتباع کے لائق ہے، اس سے بلندتر درجہ 'اَلشُّھَدَآءِ' کا ہے جس میں مال و جان کی انتہائی پیشکش شامل ہے، اس سے بلند درجے کے لوگ 'اَلصِّدِّیْقِیْنَ' ہیں جن کا سعی و عمل اور بھی جانگزا اور روح فرسا ہونا چاہیئے مثلاً حضرت ابوبکر الصدیق ؓ کے رتبے کے لوگ جن پر خدا راضی ہو چکا ہے۔ 'اَلنَّبِیّٖنَ' کا درجہ سب سے بلند اور منیع الحصول ہے، اسکے مفہوم کی تشریح حسن اتفاق سے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے متعلق آئندہ آیات (۳۷: ۱۱۴-۱۲۲) صفحہ ۲۴۵ میں آرہی ہے جن سے ظاہر ہے کہ 'اَلنَّبِیّٖنَ' وہ لوگ تھے جو ایک جمود زدہ اور شکست خوردہ، ایک منفعل اور محکوم قوم کو اپنے زہرہ گداز اور مزلزل الارض عمل سے اقل قلیل مدت میں ترقی اور امن کے فلک الافلاک تک پہنچا گئے۔ اور اب مالک کون و مکاں بھی اُن پر سلام بھیج رہا ہے! 'نبوت' کی ماہیت کے متعلق میں نے چند اشارے دیباچہ کتاب (صفحہ ۲۵-۲۶) میں بھی کیے ہیں جن سے نبوت کا کیف ایک حد تک واضح ہو جاتا ہے۔ اگرچہ یہ موضوع کسی آئندہ بحث کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے۔

اس امر کی تصدیق کہ ان آیات میں 'یُطِیْعِ الرَّسُوْلَ' سے مراد صدر اسلام میں رسول ؐ کے بالمشافہ یا وقتی احکام کی فوری یا حسب موقع تعمیل ہی تھی۔ اور آج جبکہ رسول ؐ خدا اُمت کے درمیان بالمشافہ حکم دینے کے لیے موجود نہیں تو اُس کا بدل **امیر جماعت کے احکام کی فوری اطاعت ہی ہے** اس سے کم و بیش کچھ نہیں، یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ **وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ** (۴: ۵۹) کے الفاظ سے ہوتی ہے جو آیات زیر بحث سے کچھ پہلے آئے ہیں اور جن میں ایمان والوں کو کہا گیا ہے کہ خدا، رسول ؐ اور **امیر جماعت** کے احکام کی تابعداری کریں۔ اسی اطاعت پر زور آیات زیر بحث (۴: ۶۶-۷۰) سے دو آیتیں پہلے ان الفاظ میں دیا گیا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللہِ ؕ وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللہَ

سکون کوششوں کا اجرا، تسلسل اور تکمیل ہی تھا جنکے لیئے وہ اپنی زندگیاں وقف کر گئے تھے، اور جنکی ذمہ داری کا بوجھ وہ اخلاف عالمین پر قاطبۃً چھوڑ گئے تھے:

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۚ۝ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۚ۝ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ۚ۝ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ۚ۝ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۚ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ۙ۝ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۴۴) تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ (۴: ۶۴) "یعنی ہم نے آجتک کوئی رسول ہی نہیں بھیجا مگر یہ کہ اسکے بھیجنے سے ہمارا مقصود ہمیشہ یہی رہا ہے کہ لوگ ہمارے حکم سے اسکی اطاعت بے چون وچرا کریں، اور اگر یہ منافق بھی علیٰ ہذا القیاس اس ظلم کے بعد جو انہوں نے تمہاری نافرمانی کے باعث اپنی جانوں پر کیا تھا اللہ سے معافی مانگتے اور تم بھی اس درخواست میں اسکے شریک حال ہوتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ خدا بھی فی الحقیقت بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور ظلم کار انسان پر بڑا ہی رحم کرنے والا ہے"۔ گویا رسول کا مقام من حیث الجماعت کسی سپہ سالار یا حاکم اعلیٰ کا مقام ہے۔ اور اسکے اس دنیا میں بھیجے جانے کی غرض وغایت اکثر یہی ہوئی ہے کہ سب لوگوں کو ایک حاکم اور ایک حکم کے حلقۂ اطاعت میں لا کر منظم اور منسلک کر دے، اور جب وہ آپ اس دنیا سے رخصت ہو جائے تو یہ اطاعت کا مادّہ ارکان امت میں بدستور جاری رہے۔ اور اسکی بجائے اولوالامر منکم کی طرف منتقل ہوتا رہے۔ اس مقام نظر سے رسالت کا مقصود افراد امت میں اطاعت پیدا کرنا ہے اور بس: لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ (۴: ۶۴) مطاع کی ذات اس اطاعت میں مخصوص اسلیئے نہیں کہ ہر رسول اپنے اپنے وقت میں خدا کی اجازت سے لائق اطاعت ہی جیسا کہ مثلاً آیہ (۴۳: ۶۳) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ سے ظاہر ہے جو اصل کتاب صفحہ ۲۳۵ پر آئے ہیں۔ رسول کے بعد وہ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (۴: ۵۹) جو امت کی شیرازہ بندی اور غلبے کو قائم رکھنے کے لیئے بِإِذْنِ اللّٰهِ مقرر ہوتے ہیں۔ اس اطاعت کے اہل ہیں، اور از روئے قرآن ان کی اطاعت کرنا فی الحقیقت خدا کی اطاعت کرنا ہے۔ متذکرہ صدر آیت (۴: ۶۴) کے الفاظ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ سے بھی ظاہر ہے کہ عصیانِ امیر درحقیقت وہ شکست انگیز شئے ہے جسکے برے نتائج نافرمانوں کے اپنے حق میں مضر ہوتے ہیں۔ گویا اس حکم عدولی کے باعث تمام جماعت کا شیرازہ درہم برہم ہو جاتا ہے اور بالآخر سب امت کو موت کے گھاٹ اترنا پڑتا ہے۔ چنانچہ صفحہ ۱۷۱ کی آیات میں عصیان رسول کو ظلم سے تعبیر کر کے صاف الفاظ میں بیان کر دیا ہے کہ امیر امت کی نافرمانی کرنا وہ فتنۂ عظیم ہے جسکی سزا تمام جماعت کے افراد کو بھگتنی پڑتی ہے۔ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ (۸: ۲۵)۔

✽ قرآن حکیم کے تمام طول وعرض میں سورۂ فاتحہ سے قطع نظر صرف یہی ایک موقع ہے جہاں پر "الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" کے الفاظ واقع ہوئے ہیں باقی سب[1] قعوں پر صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ بالتنوین موجود ہے اور مطالب کی تنکیر عیاں ہے۔ اس نادر اور معنی خیز تخصیص اور آیات کے سیاق وسباق سے صاف ظاہر ہے کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی بے لوث دنیا زندگیوں کا تمام سعی وعمل، انکی اپنی امت کی خاطر مسلسل تکلیف برداریاں، ان کے دشمنوں سے جہاد بالسیف، ان کا ترک وطن، انکی قربانیٔ مال وجان، ان کا فرعون پر غلبہ حاصل کرنا، انکی وادی سینا اور عین قادیش میں جماعتی تنظیم وتنسیق، اور بالآخر مسلسل تعلیم وتلقین کے بعد بنی اسرائیل ایسی غلام اور محکوم، ذلیل اور نامراد، پست اخلاق اور نامرد قوم کو اقل قلیل مدت کے اندر غالب اور متمکن، حکومت کے اہل اور بادشاہت کے لائق قوم بنا دینا ہی وہ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ تھا جو قرآن عظیم کے روسے اس دنیا کو نباہنے کا واحد اور سچا دستور العمل ہے۔ یہی وہ عزیز القدر اور پسندیدہ خدا لائحۂ عمل ہے جسکے مطابق چلکر عرب کے پیغمبر جلیل اور سردار انبیاء نے تیئس برس کے جانگزا اور روح فرسا سعی وعمل کے بعد وہ فقید المثال کامیابی حاصل کی کہ دنیا ابدالآباد تک اس کارنامے پر سر دھنتی رہے گی۔ یہی اسوۂ عمل آور انبیائے کرام کا

[1] یا بعض جگہ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ہے۔ وغیرہ۔

إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝ (۳۷: ۱۱۴-۱۲۲)

اور ہم نے موسیٰ اور ہارون پر بھی بہت سے احسانات کیئے، ایک بڑا احسان یہ تھا کہ ہم نے ان دونوں بھائیوں کو اور اُنکی قوم کو فرعون کی مصیبت عظمیٰ سے بالآخر نجات دی، اور فرعون کے بالمقابل اُنکو کامیاب طریق عمل کی ہدایت دیکر اُن کی مدد کی، اور پھر آخر کار یہی لوگ غالب رہے اِس کے علاوہ ہم نے اُنکو ایک واضح اور بلیغ فی البیان دستور العمل کتاب کی صورت میں دیا، اور اُنکو دنیا میں خوش اسلوبی سے اور غالب بنکر رہنے کا صراط مستقیم دکھایا، اور پھر ان دونوں بھائیوں کے عظیم الشان اعمال کا اثر اُنکے اخلاف میں بھی باقی رکھا، موسیٰ اور ہارون پر ہمارا اور اُن کے بعد کی اُمتوں کا سلام ہو! بیشک ہم حسن عمل کرنے والوں کو اِسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور اِسمیں کچھ شک نہیں کہ وہ دونوں ہمارے ایمان والے بندوں میں سے تھے!

اِن نتیجہ خیز، صبر آزما، اور بلند پایہ اعمال کے بعد یہ چشم انعام ہی نماز کی اصلی محرک، اور پنجوقتہ حاضری کی روح رواں تھی: تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝ (۳۲: ۱۶)
یہ لطف وکرم کی اُمید، اور غضب خدا کا ہول ہی تھا جو اُس علۃ العلل، اُس قادر مطلق اور مسبب الاسباب خدا!

ط یہ وہ صاحب سعی و عمل لوگ ہیں کہ احکام خدا کی تعمیل، اور بہبودی اُمت کی جدو جہد میں اُن کے پہلو بستروں سے آشنا نہیں ہوتے، اور فرمودۂ خدا کی تعمیل میں اُنکی نیندیں حرام ہوجاتی ہیں، وہ اپنے پروردگار کی جناب میں اجتماعی ہلاکت کے خوف اور غلبۂ اُمت کے طمع سے گڑگڑاتے ہیں، اُسکے لطف وکرم کے امیدوار اور سزا سے خوفزدہ رہکر دعائیں مانگتے ہیں، اور حتی الامکان اسمیں سے جو ہم نے اُنکو دے رکھا ہو ایثار مال بھی کرتے ہیں۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۴۵) تھا، نوح، ابراہیم، لوط، صالح وغیرہم علیہم السلام سب اِسی الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ پر چلتے رہے، اسی الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ پر چلکر نعمت اور دنیوی تعزز ہے (صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ) اِسی سے آخرت اور عقبیٰ کا چھٹکارا ہے، یہی فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (۳۰: ۳۰) صفحہ ۴۴ ہے، اِسی سے غضب خدا کی بندش یکسر ہوجاتی ہے۔ خدا کے فرشتے اور بادشاہ زمین وآسمان سلام بھیجتے ہیں (سَلَامٌ عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ) رب ذو المنن کی نگاہیں مہر آلود بن جاتی ہیں (وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ) یہی سچا حسن عمل ہے (إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ) یہی اُس آقائے نامدار کی صحیح عبادت ہے، یہی اصل ایمان اور عین اسلام ہے۔ اسی کا محاسبہ اور الٰہی کی درخواست پنجوقتہ دن میں تھی، اسی کی ترتیب کے اظہار میں قومے اور قعدے تھے۔ اِسی عمل کو قائم کرنا أَقِيمُوا الصَّلَاةَ تھا۔ مگر آہ! کہ مسلمان آج اِس الٰہی اور نبوی سبق کو قطعاً بھول گئے ہیں!

ٹ ایمان کے متعلق وہ تمام قرآنی اعمال جنکا ذکر اُسوقت تک اِس کتاب میں آچکا تھا صفحہ ۱۰۱-۱۰۳ پر جمع کردیئے تھے اُنکے مطالعے سے ظاہر ہو کہ موسیٰ اور ہارون پر الْمُؤْمِنِينَ کا لفظ کسقدر صادق آتا ہو، نہیں بلکہ اِن دونوں پیغمبروں کے جانکاہ اور ہر گونہ اعمال کو دیکھکر جو انہوں نے بنی اسرائیل کو تمکن فی الارض بنانیکے لیئے کیئے، اِس امر کا اندازہ ہوجاتا ہو کہ ایمان فی الحقیقت کس انتہائی سعی و عمل کا نام ہو، اور اسکا منتہائے وحید کس حد تک اِس دنیا کے اندر قوت اور زور سے رہنا ہے۔ جو شخص اپنے آپکو اور اپنی قوم کو دشمن کے دست تطاول سے نجات دلاکر وَنَجَّيْنَاهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ اور وَنَصَرْنَاهُمْ فَكَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ کا مصداق بنتا ہو وہی قرآن کی اصطلاح میں مومن ہو، کلمہ شہادت کو پڑھ کر مومن بننا حقیقت کا منہ چڑانا ہو۔ اِن آیات الٰہی سے اِس امر کی بھی تصدیق ہوجاتی ہو کہ ایمان کا اصل نتیجہ اِس دنیا میں سیاسی غلبہ ہی ہو، "روحانی غلبے" کا کہیں ذکر نہیں۔ حَسَنَات کے صحیح مفہوم پر بحث صفحہ ۱۲۷-۱۳۱ میں آچکی ہو جس سے ظاہر ہو کہ الْمُحْسِنِينَ سے مراد صفحہ ۱۳۰ کی آیت (۱۶: ۶۱) کے لفظ أَحْسَنَتْهُمْ کیطرح بہا ہر ہوئی، اجتماعی جد وجہد ہو جسکا اصل نتیجہ غلبۂ قوم ہو گیا یہی سیاسی غلبہ حاصل کرنا اصلاح عمل ہے۔

کی جناب میں ان وقف عمل اور اسلام کے سچے خادموں کو ضرب دل اور خشوع وخضوع سے آمادہ رکوع وسجود کردیتا تھا: اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ؀ (۲۱: ۹۰) [۵۱] یہ دستگیری رب پر اعتماد، اور نصرت خدا کا یقین ہی تھا جو تملق کی رحم آفریں اور مضطر النعام حالت میں خدا کی سچے دل سے تحمید وتقدیس کراتا تھا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ (۱: ۱-۴)

اے پروردگار عالمین! سب تعریف اور شکر کا مستحق تو ہی ہے۔ تو بڑا ہی رحم کرنے والا اور بڑا ہی مہربان ہے۔ روز جزا وسزا کا بھی تو ہی حاکم ہے۔ ہم اپنے سب اعمال میں تیری ہی خدمت اور تیری ہی چاکری کریں گے، اور ہر معاملے میں تجھی سے مدد مانگیں گے۔

یہ دوستی حق پر اعتماد، اور تائید خدا کا انتظار ہی تھا کہ انعام کی آس پر سب کی سب جماعت یکدم گھٹنوں پر، اور ہاتھوں کے بل گر پڑتی! پھر اٹھتی اور بار بار گرتی! اس نماز میں روح تھی، اسمیں مقصد تھا، اسمیں غرض کی دلچسپی تھی، اسمیں انعام کی طلب اور رکوع وسجود کی منطق تھی، اسمیں ایمان کے شعلے تھے، اس میں عصبیت کی یک رنگی تھی، اسمیں سچا خشوع وخضوع تھا، اسمیں محبت کی جنبشیں اور مواخات کے باہمی تلاطم تھے! اسمیں اطاعت کا پیہم احساس، اور نظم ونسق کا سچا سبق تھا! اس میں توحید کا عملی اور نتیجہ خیز منظر تھا! اسمیں خدا کی سچی خوشامد، اور متفقہ جماعت کی اسقدر عجز وزاری کے بعد طمانیت دل اور تسکین قلب حاصل ہوتی تھی: اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ؀ (۱۳: ۲۸) [۵۲] یہی وہ مسکن روح اور مفرح قلب دوا تھی جو

---

[۵۱] اسمیں شک نہیں کہ یہ لوگ خدا کے قوت افزا اور مفید قوم اعمال (الخیرات) کیطرف لپک لپک کر پہنچتے تھے اور ہمکو اجتماعی انعام کی رغبت سے اور اجتماعی سزا کے خوف سے پکارا کرتے تھے، اور پھر اس بیم ورجا کے تکلیف کو دلمیں رکھکر ہماری جناب میں سچا خشوع وخضوع کیا کرتے تھے۔

[۵۲] لوگو! بگوش دل سن رکھو کہ دلوں کو کامل تسلی خدا کے سچے احساس سے ہوا کرتی ہے۔

* والخیرات کے صحیح مفہوم کے بارے میں ایک طول وطویل بحث صفحہ ۱۴۲ سے ۱۴۷ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے، وہاں پر یہ آیت بھی آئی ہے۔ متذکرہ صدر مطالب کی تصدیق کے لیے وہاں دیکھنا چاہیئے۔

* صفحہ ۱۰۰ کے تحت المتن میں عبادت کا صحیح مفہوم واضح کر دیا تھا۔ نماز کے عین وسط میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ کا اقرار بادشاہ زمین انسان کے سامنے کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ عنہ پیہم ملازمت اختیار کرنے کا ہی نہ نماز پڑھنے کا۔ یہ نکتہ ہم نے صفحہ ۱۱۲ پر بھی واضح کر دیا ہے۔

مشکلات کے آسان کرنے میں معین خاص ہوا کرتی تھی؛ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ (۲: ۱۵۳)۔ آج یہی نماز جسکے ہر قومے اور قعدے پر خدائے بے نیاز کی رگ لطف و حمیت میں مسلسل اور متصل جنبشیں ہوا کرتی تھیں، جسکے ہر کیف سجود پر مُنشیان لطف و کرم کے قلم محشرستانِ صریر بجاتے تھے: لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (۱۴: ۷)، جسکی ہر تہلیل جراحتِ عشق کی بے اختیار آئیں، اور ہر تکبیر کسی نمک بخت ناسور کی جگر شگاف چیخ تھی، جسکے ہر زمزمۂ اذان اور ہر مضراب دعا پر لطفِ الٰہی کے لاانتہا ساز یکدم بجنے شروع ہو جاتے تھے: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ (۴۰: ۶۰) جسکی جاذب القلب صدائیں پردۂ زنگاری کے اُس بے نیاز، سیر چشم، اور پُرکار معشوق کو بھی مجبور یاد اور آمادۂ جواب کر دیتی تھیں: وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ۝ (۲: ۱۸۶)، فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ (۲: ۱۵۲)، آہ! یہی نماز آج اُمت کی بے حسّی اور ایمان کی سطحیت، مطالب کے نسیان اور مقاصد کی فروگذاشت کے باعث ایک بے معنی اُٹھک بیٹھک بنگئی ہے! غرض تو درکنار، اِسکے لفظی معانی بھی آج سَو میں پانچ نمازگذاروں کو میسّر نہیں! اسکی اہمیت، غرض و غایت کی ناواقفیت کے باعث روز بروز ذہنوں سے اُٹھ رہی ہے! مقصود کے فقدان اور کساد بازاری کی وحشت نے ہمیں بے مطلبی کا تنفّر، اور بے سبب فرضیت کا اکراہ پیدا کر دیا ہے؛ نصب العین کے سقوط، اور

---

۵۱ اے ایمان والو! مشکلات و مصائب کا مقابلہ کرنے کے لیئے استقلال اور خدا کی سچی یاد سے مدد لیا کرو۔ بے شک خدا اُنہی کا ساتھ دیتا ہے جو مستقل رہتے ہیں (گویا اوّل مرحلہ سعی و عمل میں استقلال (الصّبر) ہے اور آخری مرحلہ دعا (الصّلوٰۃ) ہے)۔

۵۲ اگر تم میری نعمتوں کا صحیح استعمال اور اُن کی سچی قدر کر کے میرا شکریہ ادا کرتے رہو گے تو میں تم کو اور بھی زیادہ کرونگا (شکر کے ان معانی کے لیئے دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۳۸)

۵۳ اللہ فرماتا ہے مجھے بلاؤ اور صدق دل سے بلاؤ میں تمہاری مدد کروں گا اور تمہاری درخواست کو قبول کروں گا۔

۵۴ اور اے محمدؐ! جب ہمارے بندے تم سے ہماری بابت پوچھیں تو اُن کو کہہ دو کہ ہم اُن کے پاس ہر وقت موجود ہیں۔ ہم پکارنے والے کی پکار کو سنتے ہیں بلکہ اگر اُس کا دل کراہنے لگے تو جواب بھی دیتے ہیں۔ پس اُنکو چاہیئے کہ سرتاپا ہمارے حکموں اور اشاروں پر چلیں اور پھر حتی الوسع سعی کر کے ہم پر اعتماد بھی کریں۔ ممکن ہے کہ انکو راہ مل جائے

۵۵ تو تم کو ہر وقت سچے دل سے محسوس کرتے رہا کرو پھر ہم بھی تمہارا خیال رکھیں گے۔

طپش دل کے زوال نے اسکے رہے سہے نباہنے والوں اور خدا دوستی کے بڑے دعوے داروں اور شب زندہ داروں میں ایک المناک دوریٔ دل اور پریشانیٔ خیال پیدا کر دی ہے؛ اسکا ہر رکوع و سجود، درحقیقت ایک غیر دلچسپ اور مضحکہ انگیز بیگار بن گیا ہے: اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ (۲: ۴۵)؛ بڑے بڑے رسمی اولیاء اللہ اسکو برسوں تک نباہ کر اپنے آپ کو خدا سے ویسا ہی دور پاتے ہیں جیسا کہ روز اول میں تھے! اُدھر مجددین دین کہن، اور بعض شناسانِ عہد حاضر، اس نماز کو یورپ کے فراعنہ کبر و تمکنت اور مبلغینِ فسق و شیطنت کے آبگینۂ تہذیب و وجاہت کو ٹھیس نہ لگ جانے کی خاطر، ازمنۂ مظلمہ کی ایک جاہلی رسم اور لغو حرکت خیال کر رہے ہیں! اسکی اذانیں محفل آرایان طرز جدید کے لطیف اور نازک دماغوں میں، بے ہنگام اور تکلیف دہ صدائیں بن گئی ہیں! یورپ کا شیوۂ حکومت آج اپنے بےمثال تمکن اور خاموش تبلیغ سے اپنی مخصوص طرز تعلیم اور مصالحانہ دخل سے، اپنی باطنی بدنیتی اور ظاہر احسان سے، اصلاح کے دلفریب بہانوں اور تہذیب کے مشہور عُذروں سے محکوم مسلمانوں میں تفریح کا رنگ پیدا کر کے، اُنکی محبوب روایات اور مہتم بالشان شعائر کی بیخ و بُنیاد کو کھوکھلا، اور اسلام کی خانہ براندازی کا تماشا نہایت ٹھنڈے دل سے کر رہا ہے! اسکی پُرفن اشاعتی تعلیم محکوم مشرق میں مذہب اور جماعت کو عمداً کالعدم کر رہی ہے۔ نئی پود کی اکثر عصبیت، اُن کے امتیازی نشان، اُنکی ملی خصائص اور اخلاقی بزرگیاں حرف غلط بن بن کر مٹ رہی ہیں! اسلام کی مسخ شدہ تصویر کے بقیۃ الموت سب خط و خال علم جدید کی عاریتی اور خانہ سوز شعاع کے بالمقابل برف بن بن کر گھل رہے ہیں! مغرب کی شان کبر و تمکنت آج مشرق کی ہر خوبی کے متعلق اپنے معنی خیز استخفاف اور عیارانہ سکوت سے ہی سادہ لوح مسلمانوں کے دلوں پر مصالحانہ استدلال کر کے اُن کو اپنے دین سے، اپنی روایات سے، اپنے اعمال سے، اپنے ابطال اور اعاظم الرجال سے، اپنے خدا سے قطعاً منشر کر رہی ہے! مرد تو در کنار، اسلام کی محفوظ اور محافظ مردِ صنفِ لطیف، یورپ کی آغوش لطف و مرحبا میں اس حیا سوز

لہ اسمیں شک نہیں کہ یہ نماز ماسوا ان لوگوں کے جنکا سب بیم و امید ہمارے ساتھ وابستہ ہو چکا ہی باقی لوگوں کے نزدیک بیگار ہی بیگار ہے۔

سرعت سے ہمکنار ہو رہی ہے کہ ہر صاحب نظر کی نگاہیں زمین میں گڑی جا رہی ہیں! ناانجام شناس مسلمان نشر و تبلیغ کے ان منقلب القلوب مرکزوں میں ایک ناقص اور سطحی، نظری اور بیکار کُن علم کی پتلی سی تہ چڑھا کر تعلیم کے خوشنما تبر سے اپنی ہی جڑ کاٹ رہا ہے۔ اُدھر علمائے دین کی ماتم انگیز کم علمی، علم و شہادت کے اس عہد حکومت میں اسلام کی ایک قطعاً ناقابل تسلیم اور مضحکہ خیز تصویر پیش کرنے میں بڑھ بڑھ کر قدم مار رہی ہے۔ الغرض دنیائے اسلام کے اکثر اہم حصوں میں خدائے زمین و آسمان کے اس لشکر انگیز اور جہاں کشا دین کا ہر باقی ماندہ اصول مغرب کے ائمۃ المکر کی ہشیار فریب چالبازیوں، اور مشرق کے اجلۃ الجہل کی ناروا ضد کے باعث عجب ہنسی مخول بن رہا ہے!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○ وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَلَعِبًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ ○ (۵ : ۵۷-۵۸)

* ان احکام الٰہی میں اُن اعدائے اسلام کے ساتھ جو مناسک دین کا تمسخر اُڑائیں، جو اُن کی تخفیف و توہین کر کے مسلمانوں کو اس سے بیزار کرنے کی سعی کریں، کسی قسم کی دوستی اور موالات نہ رکھنے کو اتقائے الٰہی اور ایمان پر محمول کیا گیا ہے، اور صاف لفظوں میں بیان فرمایا ہے کہ ایسا کرنا ایمان کا جزو لاینفک ہے۔ گویا جو شخص یا جماعت اُن سے موالات اختیار کرتی ہے اسکے ایمان میں خلل ہے، اور اُسکے مومن ہونے کا ادّعا محض باطل ہے (اِن کُنتُم مُّؤْمِنِينَ)۔ جو جماعت اِس صورت حال کو دیکھ کر بھی ایسی جماعت سے سروکار رکھتی ہے، جو اُس کے ساتھ تجارتی کاروبار یا روزانہ تعامل، مراسم حُب یا تعاون برقرار رکھنا کچھ عیب نہیں سمجھتی وہ لامحالہ شدید العقاب خدا کی دردناک سزاؤں کا کچھ خوف (اتقا) نہیں کرتی، اُسکو اُس اجتماعی ضعف و شکست کا کچھ باک نہیں رہا جسکا ایسی حالت میں اُمت پر خدا کے ہاں سے نازل ہونا قطعی ہے، اور ایسی ہی ایسا گروہ کچھ متقی بلکہ کچھ مومن نہیں۔ جو قوم اَعۡلَوۡنَ کے نصب العین سے پرے ہٹ رہی ہے، جسکے اعمال اُمت کی اجتماعی قوت کو ضعف پونہچا رہے ہیں، اُس کا ایماندار بنے رہنا از روئے قرآن بہت مشکوک ہے۔ مسلمانوں نے آج "موالات" کے معانی میں بھی عافیت دہ تاویلیں پیدا کر لی ہیں حالانکہ آیہ (۵ : ۵۷) سے صاف ظاہر ہے کہ اس ترک دوستی سے غرض دشمن قوم کی مُنضر تلقین و تعلیم کے اثرات سے محفوظ رہنا اور ضمناً اُن کو اس ترک دوستی کے باعث انتہائی مالی اور اقتصادی نقصان پونچا کر اپنی قوت کو محفوظ رکھنا ہی ہے۔ حفظ نفس کا اصل اصول قرآن حکیم کے ہر ورق پر لکھا ہے۔ یہی اسلام کی اصلی تعلیم ہے، یہی ایمان و تقویٰ ہے اپنی انتہائی حفاظت کرنا اور دشمن کو انتہائی ضرر پونہچانا، اس دنیا کو خوش اسلوبی سے نباہنے کا وہ صراط مستقیم ہے جو جریدہ کائنات کے ہر شعبہ بقا پر جلی حروف میں لکھا ہے۔ ادنےٰ مخلوق سے لیکر اعلےٰ سے اعلےٰ مخلوق تک سب اسی پر عمل پیرا ہیں، قانون فطرت کا لب لباب یہی ہے، یہی فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ہے، یہی دین اسلام ہے اور یہی دفاعی حکمت عملی الصّلوٰۃ کے قیام میں مضمر ہے! مگر اس موضوع پر مبسوط بحث کسی آیندہ صحبت میں کیجائے گی۔

اے ایمان کے دعوے دارو! اُن اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) میں سے، جن کو تم سے پہلے کتاب الٰہی دی جا چکی ہے، جن لوگوں نے تمہارے دین اسلام کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے، نیز اُن لوگوں کو جو خدا کے سرے سے منکر ہیں، اپنا دوست نہ بناؤ، اور اگر تم سچے ایمان والے ہو تو خوف خدا کرکے اُن سے الگ تھلگ ہو، اور اُن سے میل ملاپ پیدا کرکے خودکشی نہ کرو! اور یہ بالتخصیص وہ قومیں ہیں کہ جب تم لوگوں کو نماز کی طرف بلاتے ہو تو یہ لوگ اُسکو ہنسی اور مخول بنانے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھتے، اور یہ اس لیئے کہ ان ناسمجھوں اور بے وقوفوں کو نماز کی عظیم الشان اہمیت کا کچھ اندازہ ہی نہیں، (یا محض تجاہل عارفانہ کرکے تمہارے دلوں میں اسکی اہمیت کو کم کرنا چاہتے ہیں)۔

خود مساجد خدا کی معنوی حالت اس ملحدانہ لاأبالیت سے کہیں ابتر ہے! اُن کے صحنوں میں دردناک خموشیاں، اور حجروں میں ہولناک ویرانیاں ہیں۔ خدا کے نام لیواؤں کی ایک تعداد کثیر ہے جس کے موت آفریں ماحول میں خانہ نشین رہکر، اس نماز کو، نہیں اس صراط مستقیم کی متفقہ درخواست کو (!) گھروں کے اندر ہی اندر ٹرخا لیتی ہے، لیکن رب زمین و آسمان کیلئے دس قدم چلنا گوارا نہیں کرتی! سینوں کی کھوٹ اور دلوں کی سیاہی کا یہ حال ہے کہ مساجد میں حاضر ہونے کے باوجود، نماز کی جماعتی حیثیت حساً اور معناً نابود ہو گئی ہے؛ وہ مسجدیں اور الٰہی دربارگاہیں جو کسی زمانے میں مسلمانوں کے سیاسی اجتماع اور دینی معاملات کی پنجوقتہ انجمنیں ہوا کرتی تھیں، جن میں اسلامی بہبودی کے ہر ممکن موضوع پر بے تکلف مباحثے، اور دشمن سے عہدہ برآ ہونیکے بے خوف و خطر منصوبے سوچے جاتے تھے، وہ اعلانِ خدا کے نقارخانے آج باہمی رنج و حسد کے باعث خموشیوں کے مقبرے بن گئے ہیں! ہر مسجد دوسری مسجد کے مقابل صف آرا، اور ہر دل دوسرے دل سے جدا ہے! فرعی اختلافات ہیں، عقائد کی ہولناک تفریق ہے، الفاظ اور لغات پر فرقہ بندیاں ہیں، پیش امام کا جہل محیط ہے، ہیجی کی بیکاری اور نامرادی کا جمود ہے! پھر پریشانی دل اور فکر معاش میں چند پے درپے سجدے ہیں، برسوں کی بھولی ہوئی باتوں کی یاد دہانیاں وسط نماز میں ہیں، پھر منافقت کے رسمی علیک سلیک، یا دو ایک سطحی مصافحے ہیں، پھر خانۂ خدا سے نکلکر ان سجدوں کی رعونت، اور اس عبادت کا

غرور ہے! فاحش اور منکر خیالات بیش از پیش ہیں، تمام باقی وقت استیصال حریف، ٹھڑدلی اور تنگ ظرفی، ایذائے خلق اور مدِّ مقابل سے جھڑپ مول لینے میں صرف ہو رہا ہے گویا فلاح ونجات کا منشورِ ایزدی خانۂ خدا کی دہلیز پر مل چکا ہے!

زبادہ ہائے صبوحی بدامن عصمت
چہ داغ شرم کہ ننہادۂ ۔ دریغ از تو!

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۝ (۱۰۷: ۴-۷)

تو اے لوگو! حیف ہے اُن نماز گذاروں پر جو اپنی نماز کی اصلی غرض وغایت کو فراموش کر چکے ہیں، اور یہ وہ لوگ ہیں جو محض دکھلاوے کیلئے نمازیں پڑھتے ہیں اور باہمی مصالحت اور اتحادِ رأفت اور رحمت کے سبق کو پیشِ نظر نہیں رکھتے۔ انکی باہمی کپٹیں اسقدر بڑھ گئی ہیں، اور دل ایسے تنگ ہو گئے ہیں کہ محبّت تو درکنار، وہ ایک دوسرے کو روزمرّہ کے برتنے کی چھوٹی چھوٹی چیزوں سے مدد کرنا بھی گوارا نہیں کرتے!

✤ آیۂ (۱۰۷: ۴-۵) سے ظاہر ہے کہ نماز کے ارکان ادا کر دینا اور اسکی غرض وغایت یعنی ساحت اور مصالحت بین الناس کو فراموش کر دینا وہ عمل ہے جس کی خدا کے نزدیک کچھ وقعت نہیں، ایسی نماز محض ہو کا اور دکھلاوا ہے۔ ورنہ الصّلوٰۃ وہ نیّتوں کو نیک، ارادوں کو بلند، اور حوصلوں کو فراخ کر دینے والی شئے ہے کہ اُسکے ذریعے انسان دوسرے انسان کے لیئے ہر ممکن ایثار کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ چہ جائیکہ ایسا ٹھڑدلا اور کم حوصلہ ہو جائے کہ ادنیٰ سی ساحت (مثلاً ایک دوسرے کو روز کی برتنے والی اشیاء سے مدد دینا) بھی روا نہ رکھے۔ الصّلوٰۃ کی اس مصلح الاعمال استعداد کا ذکر سورۂ المعارج میں بھی ہے:

إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۝ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۝ (۷۰: ۱۹-۲۳)

لوگو! اس میں شک نہیں کہ آدمی بڑا ہی کم حوصلہ اور تھڑدلا پیدا کیا گیا ہے۔ اگر اسکو کسی طرح کا نقصان پہنچتا ہے تو ہائے وائے کرنے لگتا ہے اور اگر ذرا سا فائدہ پہنچ جاتا ہے تو پرلے درجے کا بخیل اور خسیس بن جاتا ہے البتہ وہ الصّلوٰۃ کو قائم رکھنے والے لوگ جن کا پیشِ نہاد اپنی فراخ حوصلگی سے دلوں کو موہ لینا ہے اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں اور یہ لوگ ہیں جو دم بھر کے لیئے الصّلوٰۃ کے پیش نہاد کو نظرانداز نہیں کرتے (الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۝) الصّلوٰۃ پر مداومت کرنیکے یہی معنی ہیں کہ ایک لمحے کے لیئے بھی اسکی الٰہی حکمت کو بھولا نہ جائے، ہر دم نماز پڑھتے رہنا نہ ہو سکتا ہے اور نہ مقصود ہی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس زیرِ بحث آیات (۱۰۷: ۴-۷) میں الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ سے مراد نماز کے مضمون کو بھلا دینا یا اُسکے ادا کرنے میں غفلت کرنا نہیں بلکہ نمازی بنکر نماز کے منتہا کو بھول جانا مراد ہے۔ دونوں جگہ الْمُصَلِّينَ کا ذکر ہے، بے نمازوں سے بحث نہیں اور اسی لیئے آیۂ (۱۰۷: ۶) میں يُرَاءُونَ کہا ہے یعنی نمازیں تو پڑھتے ہیں مگر محض دکھلاوے کی۔ شارحینِ قرآن نے ان معنی خیز آیات کا نہایت لغو ترجمہ کر دیا ہے اور اصلیت سے دور جا پڑے ہیں۔

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَإِذَا قَامُوْا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا ۝ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝ (۴ : ۱۴۲ - ۱۴۳)

اسلامی جماعت میں نفاق ڈالنے والے اور فرقہ بند لوگ تو گویا اپنی ظاہرداری سے خدا کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں خدا ہی اُن کی بداعمالیوں کو اُنکی نظروں میں اچھا دکھا دکھا کر اُنکو دھوکا دے رہا ہے۔ اُنکی نشانی یہ ہے کہ جب نماز کے لیئے کھڑے ہوتے ہیں تو بیدلی سے اور الکسائے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں محض دکھلاوے کی نمازیں پڑھتے ہیں، ورنہ خدا کا احساس اُن کے دلمیں فی الحقیقت بہت ہی کم ہے۔ انہیں خدا کا یقین تو ہے نہیں، کفر اور ایمان کے بین بین کچھ مذبذب سے رہتے ہیں۔ نہ پورے اِدھر کے نہ اُدھر کے۔ سو جن کو خدا گمراہ کردے انہیں کوئی مستقل طریق عمل کبھی نہیں ملتا۔

"جب اسلام کے اِس بہترین شعار، اور التیام جماعت کے اِس بہترین چارۂ کار کے متعلق مسلمانوں کی کارفرمائی کے یہ عنوان ہوں، افراد میں یہ تفریق و انتشار، اور اتحاد میں یہ سطحیت اور نمائش ہو، یہ بے توجہی اور خدائے ذوالجلال کی جناب میں پنجوقتہ یہ صریح گستاخی ہو، بندگانِ خدا میں کفر و الحاد کی یہ طرحداری اور خودداری کی یہ وضع بن گئی ہو، اللہ کے آگے ماتھا رگڑنا یہ باعث ننگ و عار، اور بے روح سجدوں میں کبر و ادعا کی یہ شان ہو، جب نصب العین مفقود، اور مدعائے سوال کالعدم ہو، نہیں، جب سائل کو

✝ یہاں پھر الصلوٰۃ کا پیش نہاد وہی اتحاد اور اصلاح بین الناس ظاہر کیا ہے۔ نفاق پیدا کرنے والے لوگوں کی بابت کہا ہے کہ نماز میں الکسائے ہوئے شامل ہوتے ہیں اسلیئے کہ الصلوٰۃ کا مطمح نظر اتحاد ہے اور یہ لوگ تفریق پیدا کرنیکے درپے ہیں بدیں وجہ نماز اُن کو کچھ بھلی نہیں لگتی۔ اُن کی نمازیں بھی اسی لیئے محض دکھلاوے کی ہیں۔ یعنی غرض لوگوں کو دھوکا دینا ہے۔ یُرَآءُوْنَ کا لفظ یہاں پر آیا ہے۔ اور صاف ظاہر ہے کہ اِس سے مراد یہاں بھی دکھلاوے کی نماز پڑھنا مراد ہے جیساکہ پیشتر کی آیت (۱۰۷ : ۶) میں دعوے کیا تھا۔ عبرت کا مقام ہے کہ آج عالم اسلام میں کتنے لوگ ہیں جو نمازمیں الکسائے ہوئے شامل ہوتے ہیں، اور از روئے قرآن وہ کس گروہ میں شامل ہیں جس کی بابت اسی آیت سے ذرا آگے آیا ہے: إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (۴ : ۱۴۵) یعنی جماعت میں نفاق پیدا کرنے والے لوگ جہنم کے سب سے نیچے درجے میں ہوں گے۔ فاعتبروا۔

ضمناً یہاں اس بات کا فیصلہ بھی ہوگیا کہ منافقوں کی سی نماز پڑھنا ذکر خدا قطعاً نہیں ہے (وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا ۝) یہیں بلکہ ذکر سے مراد تسبیحیں چلانا بھی نہیں بلکہ وہی خدا کا کھٹکا دل میں لگائے رکھنا ذکر خدا ہے۔

سوال کی خبر اور منعم سے سوال کا رخ بھی نہو، جب اعمال قطعاً نابود، انعام کا حسن زائل، اور سعی سے اِسقدر گریز ہو تو پھر خدا سے کیا شکایت ہو کہ ہمیں ہے او صدیوں کی خواب آفرین مہلت، اور شوکت و حشمت کے بعد یہ ناگہاں عذاب کیا ہے!؟[۱]

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ○ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (۶: ۴۴-۴۵)

پھر جب یہ اُمت رفتہ رفتہ اُس تمام دستور العمل کو بھول گئی جو ہم نے انکو کبھی اچھی طرح یاد دلایا تھا۔ تو ہم نے بھی اُنکو اور مغالطے میں ڈالنے کی غرض سے اُنپر تمام دنیاوی نعمتوں کے دروازے چوپٹ کھولدیئے، یہانتک کہ جب وہ اُن نعمتوں کے نشے میں اچھی طرح مست ہوگئے اور یقین کرنے لگے کہ یہی طریق عمل فرمودۂ خدا ہے، اور ہم ہی اس دنیا کے اندر خدا کے چاہیتے ہیں، تو ہم نے یک لخت اُنکو آدبوچا۔ اور عذاب کا آنا تھا کہ اب وہ بے آس ہیں اور ہمارے حضور میں کراہ رہے ہیں۔ پھر کیا تھا اُس ظالم قوم کی جڑ کاٹ کر رکھدی گئی اور اس پروردگار عالم کا شکر ہے کہ ان نااہل لوگوں کا قصہ پاک ہوگیا!

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ○ (۴۰: ۶۰)

لوگو! پروردگار فرماتا ہے کہ ہمیں پکارا کرو۔ اگر صرف دل سے ہمیں پکاروگے تو ہم تمہاری درخواستیں بھی قبول کرلیا کرینگے لیکن جن لوگوں نے اپنے آپ کو بڑا سمجھکر اور غرور کے مارے ہم سے سرتابی کی اُنکو ہم عنقریب ذلیل و خوار کرکے جہنم واصل کردینگے۔

لیکن الصّلوٰۃ کی ماہیت کے متعلق جو عبرت انگیز تنبیہی حکم رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو منافقین دین کی ریشہ دوانیوں سے آگاہ کرنے، اور مساجد کو تفریق سے باز رکھنے کی غرض سے نازل ہوا تھا بجائے خود نماز کے فلسفے کی بہترین تشریح تھا۔ مدینے سے چار میل باہر قصبۂ قبا میں بنی عمرو بن عوف کے محلے میں ایک

[۱] ظالم کے صحیح مفہوم کے متعلق ایک مبسوط حاشیہ آگے چلکر صفحہ ۲۵۵ پر آرہا ہے۔ یہاں صرف اسقدر کہنا ہے کہ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ ظالم قوم کی ہلاکت قطعی ہے جیسا کہ مثلاً صفحہ ۸۱ – اور ۱۲۱ پر آچکا ہے۔

سجد تھی جسکے محل وقوع پر پیغمبر اسلام نے مکے سے ہجرت کے چند روز بعد تک نماز پڑھی تھی اور بعد ازاں یہ مقام تعظیماً مسجد میں تبدیل کر دیا تھا۔ محلہ والوں کی ایک شریر مسلمان نما جماعت نے اسلام میں نفاق ڈالنے کی غرض سے ایک اور جماعت اس مسجد قبا کے بالمقابل اس عذر پر کھڑی کی کہ بیماروں اور معذوروں کو آسانی ہو، مگر نماز اول کی امامت بطور افتتاح خود صاحب شریعت سے کرانی چاہی کہ ضد میں کسر باقی نہ رہے اللہ کے اس نکوکار و نکوسگال رسول نے وعدہ کیا کہ جنگ تبوک سے واپسی پر اسی مسجد میں نماز پڑھ کر شہر میں داخل ہونگے، مگر وہ دانائے اسرار قلوب اور محافظ اسلام خدا جسنے نماز کی بنیاد میں منوں کے تالیف قلوب اور حقیقی اتحاد کی اہم حکمت عملی رکھی تھی، جسنے نماز کو استحکام جماعت اور عالم آرا اخوت کا بہترین پیش خیمہ قرار دیا تھا، اس غیر مجاز وعدے پر برہم ہوگیا، اور ارشاد ہوا کہ جس مسجد کی وجہ بنا پراگندگی امت اور تفریق جماعت ہو، جو مسجد تقوے کے حقیقی منتہا اور عبودیت کے صحیح مطمح نظر کے مخالف ہو، اور اسلامی جماعت کو اشتات و انتشار کے جہنمی گڑھے کی طرف لیجاوے اسمیں تیرا ایک لمحے کے لیئے بھی کھڑا ہونا مہلک ہے!

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ مِن قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا لَّمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَن تَقُومَ فِيهِ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُوا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ۝ أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَم مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَن تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ (۹ : ۱۰۷ - ۱۱۰)

* ان آیات الٰہی سے ظاہر ہے کہ جماعت کے اندر نفاق پیدا کرنے والے اور فرقہ بند لوگ قرآن حکیم کی مطلق اصطلاح میں ظالم ہیں، اور ایسے آیات (۱۲۸ : ۵۹) و (۱۶ : ۴۷) صفحہ ۱۸ یا آیت (۱۶ : ۴۵) صفحہ ۲۵۴ کے رو سے انکی اجتماعی ہلاکت قطعی ہے۔ ایسے لوگوں کو ظالم اس لیئے کہا ہے کہ وہ

اے محمدؐ! تمہاری اُمت کے جن منافق مسلمانوں نے آج اِس غرض سے ایک مسجد بنا کھڑی کی ہو کہ اسلام کو نقصان پہنچائیں، خدا و رسول کے منکر بنیں، مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کر دیں، اور اِن دشمنانِ اسلام کو پناہ دیں جو اِس سے پہلے خدا و رسول سے لڑ چکے ہیں، اور اگر اِن سے پوچھا جائے تو قسمیں کھانے لگیں گے کہ ہم نے تو نیکی کے سوا اور کوئی ارادہ ہی نہیں کیا تھا، تو آج

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۵۵) تمام جماعت پر، اور پھر اسکی وساطت سے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور نا اتفاقی کے باعث سب کو شکست و ریخت کی طرف گھسیٹتے ہیں۔ لائق غور بات یہ ہے کہ یہاں 'ظالمین' کا اطلاق اُس جماعت پر ہوا ہے جو اپنے آپ کو رسماً مسلمان کہتی تھی گویا ازروئے قرآن خود اسلام کے اندر فرقہ بندیاں پیدا کرنا بھی حتماً ممنوع ہو اور بلالحاظ احدے رسمی مسلمانوں کو نارِ جہنم کا مستوجب بنا دیتا ہے۔ جو عافیت پسند مسلمان 'کلمہ گو' مسلمانوں کو انتہائی بداعمالی کے باوجود نارِ جہنم سے مستثنیٰ قرار دے کر آج مکر کی نیند یں لے رہے ہیں اُنکے لیئے یہ آیات اور بالخصوص یہ 'نَارِ جَهَنَّمَ' کے الفاظ (۹: ۱۰۹) ازبس قابلِ غور ہیں۔ یہ دوسری دفعہ ہے کہ خدائے عظیم نے انسانی تفرقے کو نار سے تشبیہ دی ہے، پہلا موقع كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ (۳: ۱۰۳) کے الفاظ میں صفحہ ۱۴۲ پر گذر چکا ہے گویا تفرقہ ڈالنا یا متفرق ہو جانا جہنم کے گڑھے پر کھڑے ہونے کے مترادف ہے!

'ظلم' کی جامع و مانع اصطلاح کے الٰہی مفہوم کے بارے میں ابتدائی بحثیں مختلف مواقع پر آ چکی ہیں جن کے مطالعے سے ظاہر ہے کہ ازروئے قرآن میدانِ جنگ میں جم کر نہ لڑنا اور نامردی ظاہر کرنا 'ظلم' ہے (آیہ (۳: ۱۳۹) و تحت المتن صفحہ ۱۲۰ الخ) کچے ایمان والے اور بزدل بننا ظلم ہے (آیہ (۱۴: ۲۷) و تحت المتن صفحہ ۱۴۳)، امیر جماعت کی نافرمانی کر کے جماعت کو شکست و ریخت کی طرف گھسیٹنا 'ظلم' ہے۔ (آیہ (۸: ۲۵) صفحہ ۱۷۱، تحت المتن صفحہ ۱۷۲ و آیت (۳: ۴۶) تحت المتن صفحہ ۲۴۴)، جماعت کے اندر تفریق و انتشار پیدا کرنا 'ظلم' ہے (آیت زیرِ بحث یعنی (۹: ۱۰۹)) جو قوم اِن اجتماعی جرائم کی مرتکب ہے اُسکی ہلاکت کا ایک نہ ایک دن واقع ہونا قطعی ہے۔ اور اسی بنا پر هَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ (۶: ۴۷) کا محاورہ قرآن میں بالالتزام موجود ہے۔ 'ظلم' کے الٰہی مقصود کی باقی شقیں بھی اپنے اپنے موقع پر آتی رہیں گی۔ لیکن اتقا بمعنی اتحاد کے بالمقابل ظلم بمعنی تفرقہ انگیزی اس استقلال کے ساتھ قرآن حکیم میں مستعمل ہوا ہو کہ اسکی کئی مثالیں آگے چلکر اس کتاب میں پیش ہونگی۔ یہاں پر گذشتہ حوالہ جات کو اسلیے یکجا کر دیا ہے کہ آگے چلکر صفحہ ۲۵۹ پر ایک اہم آیت (۲: ۱۲۴) امامت کے منصب کے متعلق آ رہی ہے اور اُسمیں الظّٰلِمِيْنَ کا لفظ واقع ہوا ہے چنانچہ اس تصریح سے وہاں کے مطالب صاف ہو جاتے ہیں۔

آج عالمِ اسلام کے قریب قریب ہر قریے اور قصبے میں محلوں اور کوچوں کی اکثر مسجدیں صحیح معنوں میں مساجدِ ضرار ہیں۔ وہ سب کی سب دینِ اسلام کے اندر ہولناک تفرقے ڈال رہی ہیں۔ اُمت کی اجتماعی قوتوں کو منتشر کر رہی ہیں۔ ہر پیش امام اپنی اپنی دکان سجائے سرِ بازار بیٹھا ہے حتی الامکان اپنے حلقۂ اثر کے مٹھی بھر افراد کو جمہور سے الگ رکھنے کی سعی کر رہیں منہمک ہے، جا بیجا اپنی ڈیڑھ اینٹ کی جدا مسجد کو سراہتا ہے۔ اور اپنے ہی ٹکڑوں اور ریزگی کو محفوظ رکھنے کی غرض سے شہر کے کسی بڑے سے بڑے پیش امام کا مقتدی اور مطیع بننا گوارا نہیں کرتا۔ رہنمایانِ امت اور پیش اماموں میں یہ اطاعت کا فقدان اور یہ عصیانِ امیر فی الحقیقت وہ ظلمِ عظیم ہے جسکا سم آلود اثر مقتدیوں کی رگ رگ میں بھی اثر کر چکا ہے۔ آج مسلمانوں کے ہر محلے میں اُمرا اور غربا کی الگ مسجدیں ہیں، ذاتوں اور پیشوں پر مسجدیں ہیں، اماموں اور پیروں پر مسجدیں ہیں، حدیث اور قرآن پر مسجدیں ہیں، آمین اور غیر آمین پر مسجدیں ہیں۔ الغرض ہر طرف ضرار ہے، تفریق بین المسلمین ہے، کفر ہے، خدا سے محاربے ہیں، رسولؐ سے لڑائی ہے، (اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ) دشمنِ خدا کی حمایت ہے! ہاں لیکن جس اُمت کے دشمن خدا اور رسول بن چکے ہوں اسکی موت کا پیغام جلد سے جلد نہ آنے کو ہو تو کیونکر ہو!

میرے نزدیک اگر آج اِن مساجدِ ضرار کا کوئی علاج ہے، اگر اِن مارہائے آستین کے مہلک اور سم آلود اثر کا کوئی حکمی تریاق ہے، اگر اُمت کی اِس دردناک پراگندگی اور ریزش کو اتحاد میں پھر بدلنے کی فی الحقیقت کوئی سبیل باقی رہ گئی ہے، نہیں اگر اُس شدید العقاب خدا کے زمیں برانداز ملائکہ کو زمینِ خدا پر

اس بات کا خدا گواہ ہے کہ یہ جھوٹے ہیں! تم اس مسجد میں ہرگز کبھی نماز نہ پڑھنا! بلکہ کھڑے بھی نہ ہونا۔ وہی مسجد جسکی بنیاد روزِ اول سے ہی ائتلافِ اُمت اور خوفِ خدا (تقوےٰ) کو پیشِ نظر رکھکر ڈالی گئی تھی اسکی اہل ہے کہ تم اُسمیں امامت کیا کرو۔ اسی مسجد میں ایسے لوگ موجود ہیں جو طہارتِ نفس کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ تو حقیقت میں دل صاف رکھنے والے لوگوں کو پیار کرتا ہے۔ بھلا جس شخص نے اپنے تمام اعمال کی بنیاد خوف احکم الحاکمین اور خوشنودیٔ خدا پر رکھی وہ اچھا ہے یا وہ کم بخت جس نے اپنی عمارت کی بنیاد تفریق و انتشار کے ایک کھوکھلے گڑھے کے کنارے پر رکھ دی، اور جو بعد میں اُسکو جہنّم کی آگ میں لے گری۔ اور اللہ تو تفریق پیدا کرنے والی ظالم قوم کو کسی مستقل طریق عمل کیطرف ہرگز راہنمائی نہیں کرتا۔ یہ مسجد جو اِن لوگوں نے تفرقہ آرائی کی غرض سے تیار کی تھی اسکے بانیوں کی بجائے خود انہی کے دلوں میں چور پیدا کردیگی۔ یہاں تک کہ اِن سب کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں گے۔ اور ایک ایک کا دشمن بنجائے گا، اور اللہ تو بڑا واقف حال اور صاحبِ حکمت ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۵۶) اُترنے سے روکنے کا کوئی مؤثر ذریعہ رہ گیا ہے تو وہی جو خود فخرِ رسل اور سیدِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی حینِ حیات میں تجویز کیا تھا اور وہ یہ کہ ایسی سب مساجد کو بالاتفاق آتشیں اصطباغ دے کر امت کو نفاق کی شیطانی آلایش سے ایک دفعہ پھر پاک صاف کر دیا جائے۔ اور فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا (۹: ۱۰۸) کا مصداق بن کر از سرِ نو وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ (۹: ۱۰۸) کا انعام حاصل کیا جائے۔ اگر نہیں تو اُمت کے منافقوں کو نَارِ جَهَنَّمَ کا اصطباغ تو آگے چلکر ملنا ہی ہے۔

لیکن بڑی بات جو متذکرہ صدر آیات ضرار (۹: ۱۰۷-۱۱۰) اور بالخصوص آیۂ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ (۹: ۱۰۸) سے مستنبط ہوتی ہے یہ ہے کہ از روئے اسلام خدائے عظیم کے نزدیک **سچی طہارت دلوں کے تفریق و نفاق سے پاک صاف ہونیکی طہارت ہی ہے**، اور یہی اُسکے **ہاں محبوب بھی ہے**۔ بدنی صفائی کا ذکر اِن آیات میں حتماً نہیں آیا۔ تمام بحث صرف **تَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ** کے متعلق ہورہی ہے۔ اسلیے طہارت کا الٰہی مفہوم صاف ہے۔ جن لوگوں نے وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ۝ سے صرف طہارت بدن مقصود سمجھکر اپنی زندگیاں استنجاؤں کے درست کرنے اور ڈھیلوں کو نہایت خوش اسلوبی سے آرپار کرنے میں وقف کردی ہیں۔ اور ائتلاف قلوب اور اتحاد کی اہم حکمت کو غیر ضروری سمجھ لیا ہے۔ اُن کو یہ آیات بہ امعانِ نظر دیکھنی چاہئیں! اسمیں شک نہیں کہ بدنی صفائی اور بالخصوص طہارت ایک نہایت ضروری اور نفعمند شئے ہے۔ جسمانی صحت کا اکثر انحصار اسی پاکیزگی پر ہے، اور جن قوموں نے اس کی طرف کما حقہٗ توجہ نہیں کی وہ آج اسکے بُرے نتائج نہایت التزام سے بھگت رہی ہیں، بلکہ بدن صاف رکھنے والی قوموں کی عام جسمانی بہتری کو دیکھکر اُنپر رشک کھا رہی ہیں۔ لیکن بایں ہمہ اِن **فروعات** کو نفس اسلام سمجھکر سارا زور انکی رسمی تکمیل پر صرف کردینا اور اہم اوامر کے متعلق خالی الذہن ہوکر **اصل دین** سے غافل ہوجانا بھی وہ **غلو فی الدین** ہے جسکا نتیجہ آج مسلمانوں کے حق میں بُرا ثابت ہورہا ہے۔ قرآن حکیم نے دن میں پانچ وقت وضو کرنے کی حکمت کو **اتمام نعمت** کہا ہے (دیکھو تحت المتن صفحہ ۲۱۷۔ آیہ (۵: ۶))، اور ظاہر ہے کہ پاکیزگیٔ بدن کی توفیق بھی ایک خداداد انعام ہے جو ہر قوم کو حاصل نہیں۔ قرآن کی تمام تعلیم کا نفاذ بہرنوع اور بہرحال قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ (۷: ۲۹، صفحہ ۲۰۱) اور كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ ((۴: ۱۳۵) صفحہ ۲۰۲)) کی عام حکمت کے ماتحت رکھکر ہے۔ اُسکے کسی امر و نہی میں قسط و اعتدال کو ہاتھ سے چھوڑ دینا یا اُسکی تکمیل میں حد سے متجاوز ہونا بھی فی الحقیقت اُس تعلیم کے منتہا کی تغلیط کرنا ہے۔ آج جہاں اقوام مغرب و ایشیائی مسلموں کو بعض مخفی اور ہولناک بیماریاں طہارت بدن کے نہ ہونیکے باعث لاحق ہورہی ہیں، ایک دانتوں میں لازماً مسواک نہ کرنے اور کھانیکے بعد کلّی نہ کرنے ہی کا جرمانہ محکمۂ فطرت نے یوں وصول کرلیا ہے کہ

۵ اتمام نعمت؛ سوچیے کہ کہ جہاں ایسے عظیم الشان احکام دیے گئے انکا نتیجہ نہایت عزیز القدر نعمتوں (مثلاً وراثت زمین) کا حصل کرنا ہو وہاں [illegible]

جب تبوک سے واپس پھرے تو سرورِ کائنات صلعم نے مالکؓ اور معنؓ بن عدی کو حکم دیا کہ جاکر اس مسجد میں آگ لگادیں!

" امامت جس کا جلیل القدر اور عالم انگیز منصب کسی زمانے میں نبوّت کا شائبہ خاص الخاص ہوا کرتا تھا، جسکو اس زمین پر خوش اسلوبی سے نباہنے کیلئے آسمان سے تقرری ہوتی تھی! جسکا منتہائے وحید خلقِ خدا کو اس دنیا میں اسلام کے بال سے سوا باریک اور تلوار سے سوا تیز صراطِ مستقیم پر بحفظ تمام چلائے رکھنا تھا، جسکے حاصل کرنے کی شرطِ فریدِ امتحانِ خدا میں کامیابی تھی! جس مسندِ اعلیٰ پر ابراہیم ایسا صاحبِ الْأَيْدِي† وَالْأَبْصَارِ (۳۸:۴۵) بعد مدۃ العمر سعی و عمل اور روح فرسا بصیرت کے بعد متمکن ہوا تھا، جس مقامِ منیع کو وہ ثنۃ اور بے زور عمل پا لینا ربّ امتحان طلب کو اپنے دوستؐ کی اولاد کے لیئے گوارا نہ تھا!

یعنی ابراہیم خلیل اللہ

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ‡ فَأَتَمَّهُنَّ ۖ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۖ قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي ۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ○ (۲:۱۲۴)-

اور اے ساکنانِ زمین! کیا تم کو وہ لشکر انگیز زمانہ یاد ہے جب خلّاقِ زمین و آسمان اور صناعِ کون و مکان تعالیٰ نے بعض مہماتِ امور میں ابراہیم علیہ السلام کا امتحان لیا، اور اس آزمایش کو پیش نظر رکھکر انکو سخت ابتلا میں ڈالا، لیکن اس جلیل القدر نبی کے عزم صمیم نے اُن سب امور کو بوجہ احسن پورا کر دکھایا! تو ربّ ذوالجلال نے خوش ہوکر اپنی جناب سے حکم دیا کہ اے ابراہیم! میرے ہاں تمہارے سعی و عمل کو دیکھکر فیصلہ ہو چکا ہے کہ میں تم کو ساکنانِ زمین کا امام اور پیشوا بناؤں، (تم کو یہ منصب مبارک ہو اور تم اس برکت سے مدید تک فائز رہو) ابراہیم نے فرطِ انبساط کے اضطراب میں عرض کیا کہ اے حضور! یہ منصب بدستور میری اولاد میں بھی جاری رہیگا؟ خدائے امتحان طلب نے فرمایا کہ ہمارے اس اقرار میں وہ حصّہ دار نہ ہونگے جو ہماری اصطلاح میں ظالم ٹھہریں گے۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۲۵۷) تمام مغرب کے دانت ہمیشہ کیلئے بگڑ گئے ہیں، وہاں مسلمانوں کے احکام طہارت میں توغّل کا اکثر یہ نتیجہ ہوا ہے کہ ہر شخص فقہ کے چند مسئلے مسائل پر عمل کرکے اپنے آپ کو پکا مسلمان سمجھ لیتا ہے اور اصل دین سے قطعاً غافل ہوگیا ہے۔ امام مسجد کے نزدیک آج مسلمانی یہی وضو کو نہایت صحت سے کرلینا، پانی کو بالوں کی جڑوں تک پہنچانا، ضروری بالوں کو دور کرنا، اور استنجاؤں کی نہایت بداہت اور بیحیائی سے تکمیل کرنیکا نام رہگیا ہے، اسلام کی روح اُنکی تعلیم سے اصلاً نکل چکی ہے۔

† سورہ ص کی آیۃ وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ (۳۸:۴۵) کیطرف اشارہ ہے۔ یعنی اے محمدؐ! ہمارے بندوں ابراہیم اسحق اور یعقوب کا ذکر اذکار کیا کرو کہ یہ لوگ فی الحقیقت بڑے صاحبِ دست قدرت (أُولِي الْأَيْدِي)، بڑے باخبر اور صاحب علم و فضل بلند (وَالْأَبْصَارِ) تھے گویا انکے بے مثال علم و عمل کیوجہ سے انکو یہ لقب دیا۔

‡ جس حیرت انگیز مُلّائی نادانی اور طاغوتی تجاہل سے شارحین قرآن نے آسمانی وحی کے اِن الفاظ کا مفہوم بیان کیا ہے، جو حیا سوز اور شرم پاش شرطیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے منصب امامت پر مقرر ہونے کی بیان کی ہیں، جس درد انگیز بے رحمی سے اُنہوں نے فاطرِ زمین و آسمان کی نسل انسانی کی طرف

ہاں جس عہدِ جلیل پر صدیوں کے عزل و التواء کے بعد عرب کا اولوالعزم نبی اور آلِ ابراہیم کا بہترین رکن فائز المرام ہو کر ختمِ رسالت کی مُہر ابدالآباد تک ثبت کر گیا جس اوجِ مرتبت اور معراجِ اتمّ کا اہلِ نبوت کے بعد فاروقِ اعظمؓ جیسا عدیم المثال شخص قرار پایا تھا، جو مقام بلند کسی زمانے میں مجاہدینِ اسلام اور سپاہیانِ خدا کے لئے مختص ہو چکا تھا، آہ! اُس امانتِ عظمیٰ اور اُس موہبتِ کبریٰ کو آج اُمت کے گدیہ گر سنبھال رہے ہیں! اجل زدہ قوم کا سب سے ناکارہ، سب سے بزدل، کم حیثیت اور کم علم، فرقہ بند اور محتاج تر ظالم اِس عہدے پر فائز القنوط ہے۔ عجز و مسکنت کا ماحول پیدا کر رہا ہے، جہل و جمود کا اشتہار دے رہا ہے، تفریق و انتشار کو ثواب سمجھ رہا ہے، شدید العقاب خدا کی سزا کو جزا کہہ رہا ہے، عذاب کو انعام بتا رہا ہے، اور کذب و غلط کی بیجا منادی کر کے اُمت کو ہلاکت کے قعرِ عمیق کی طرف گھسیٹ رہا ہے! اُمتِ مرحومہ کا فقدانِ فہم و عقل اِس غلط انتخاب کے بارے میں آج اِس اوجِ کمال تک پہنچ چکا ہے کہ جہاں کسی ادنیٰ سی ادنیٰ دنیاوی حکومت سے تعبّد کا اظہار حاکمِ وقت کے بڑے منظورِ نظر اُس کے بڑے سے بڑے کارندے، اُس کے باا‌ثر کارکن، اُسکے مشہور تر جاں باز اور سرفروش کی سیادت میں کرتے ہیں،

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۵۸) اِس آخری مکتوب، اِس ذِکرٌ لِّلعٰلمین کی مٹی پلید کی ہے، اسکو دیکھکر اگر آسمان و زمین کپکپا اُٹھیں تو کچھ عجب نہیں رسولِ خدا کی اِس نام لیوا اُمت پر آسمان ٹوٹ پڑے تو کچھ دور نہیں! شارحین کا ایک بڑا گروہ اِبْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ کی تشریح میں اپنی حیا سوز جہالت اور مُلّائی تکبر کے باعث اِس طرف گیا ہے کہ حضرت اپنے بدن کو خاص احتیاط سے پاک صاف رکھا کرتے تھے، زیرِ ناف کے بال نہایت صفائی سے دور کرتے تھے وضو کے سب ارکان خوش اسلوبی سے ادا کرتے تھے، داڑھی کو شریعتِ ابراہیمی کے مطابق کترواتے تھے، مونچھوں کو بڑا کر نہ رکھتے تھے، ناخن ترشواتے تھے، ختنہ اُنہوں نے کرا رکھا تھا، پانی سے استنجا کرنا اُن کا شیوہ خاص تھا، اِن امورِ مہمہ کے علاوہ حضرت کو توحید کے کلمے اور عقائدِ ابراہیمی خوب نوکِ زبان تھے، وغیرہ وغیرہ۔ ابراہیم علیہ السلام نے "ان احکام کی تعمیل ایسی عمدگی سے کی"، بدن کو زائد بالوں سے اِس خوش اسلوبی اور حکمت سے صاف کیا داڑھی ایسی خوب صورت اور متشرع بڑھائی، اُسکی پرورش اور اُسکی بجکنی میں اسطرح دن رات مشغول رہے کہ "خدا نے رضامند ہو کر اُن کو لوگوں کا 'امام' بنا دیا"!! اِس منصبِ اعلیٰ کو خوش بخوشی منظور کرتے ہوئے حضرت نے "بتقاضائے جبلت چاہا کہ ان کی نسل بھی اِس انعام سے محروم نہ رہے"۔ خدا نے [ایک تفسیر کے الفاظ ہیں ۱۲] اِس رعایت کو بھی منظور فرمایا لیکن صرف ظالموں کو مستثنیٰ کر دیا"! چنانچہ اُسوقت سے آجتک 'امامت' کی پیشرطیں برابر چلی آرہی ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کی [ایک تفسیر کے الفاظ ہیں ۱۲] ذریت ہر مسجد کے حجروں میں موجود ہے۔ اگر مالکِ زمین و آسمان کے اوصاف میں حلم و درگذر کا ناپیدا کنار عنصر شامل نہ ہوتا تو صرف اِس آیتِ الٰہی کی تشریح شارحینِ قرآن کی سطحِ زمین پر سے بیخ و بنیاد اُکھیڑ دینے کیلئے کافی تھی لیکن یہ اسکی شانِ حلیمی کا ایک مظہر ہی ہے جو اسکے باوجود فوری گرفت نہیں ہوتی اور ہر شخص جو چاہتا ہے اُسکی شان میں بے خوف و خطر بکے دیتا ہے۔ یہاں پر 'اِبْتَلٰٓی' کے لفظ سے صاف ظاہر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا آسمانی امتحان کوئی بڑی سے بڑی اور کڑی سے کڑی آزمایش ہوگی، کوئی صبر آزما اور تاب گسل تکلیف ہوگی، وہ آزمایش بھی لامحالہ اِس قطع کی ہوگی کہ اُنہیں پورا اُترنا (فَاَتَمَّهُنَّ) اُنکو خلقِ خدا کی پیشوائی اور رہبری کا اہل بناتا ہوگا، پس جب وہ ایک طولِ طویل اور زہرہ گداز سعی و عمل کے بعد قوم کو شرک کے ظلمِ عظیم سے نجات دلا چکے، جب قوم غفلت اور ناانجام شناسی کی

اُسی کو سرخیل اور رئیس وفد بناکر اپنی معروضات پیش کرتے ہیں، اُسکو پیش پیش رکھکر اپنی لرزش انگیز اور دل آسا نیازمندیوں کا اظہار کرتے ہیں، وہاں حاکمِ زمین و آسمان کی اس زبانی اور سطحی، دو دلی اور مشرکانہ عبادت کو ٹرخانے کی غرض سے اپنی نگاہوں میں سب سے کم مایہ اور بینوا، محتاج اور ذلیل شخص کو اکرمہٗ اور اتقیٰ فرض کرکے اُسکی پنجوقتہ پیشی اور عرض گذاری کے لئے منتخب کر رہے ہیں! ہاں لیکن جس قوم کا نصب العین جہانبانی اور خداوندی، قوت اور عزت سے ہٹ کر گداگری اور غلامی محکومیت اور خوشامد تعبد ماسوا اور تملق غیر کی طرف منتقل ہوگیا ہو۔ اُس کے مرشد و رہبر بالآخر یہی بھک منگے نہ بن جائیں تو اور کیا ہو!

فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿۷:۱۶۲﴾

تو لوگو! اس اُمت میں سے ناحقیقت شناس اور اپنے اوپر ظلم کرنیوالے گروہ نے خوشحالی اور امن کے اس سرِ عظیم کو جو انکو سکھادیا گیا تھا بدلکر کچھ اور ہی رویہ اختیار کرلیا، اور اُس تعلیم کو یکسر فراموش کردیا تو ہم نے بھی اُنکے اس ظلم عظیم کی پاداش میں آسمان سے بلا اُتاری اور اُنکی سب عظمت خاک میں ملادی۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۵۹) ظلمتوں سے نکلکر علم و عمل کے نور کیطرف آنکلی اور اُنکے رہنما نے بھی قوم کی ایذا رسانیوں کو صبر و تحمل سے برداشت کیا، دشمن سے پیہم جہاد بالسیف کیئے، جان کھچ کھچکر حلق تک پونہچی مگر سعی و عمل کو نہ چھوڑا تو خدا نے بھی انکو اپنی قوم کی **پیشوائی** اور **امامت** کا منصب عطا فرمایا، **بادشاہت** زمین دی، **نبوت** سے سرفراز کیا۔ أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ (۴۵:۳۸) صفحہ ۲۵۸) کے الفاظ سے یاد فرمایا وغیرہ۔ ابراہیم علیہ السلام نے امامت کی اس موہبت عظمیٰ کو پاکر طبعًا یہ چاہا کہ پیشوائی خلق کا یہ منصب اعلیٰ اُنکی اولاد میں بھی برقرار رہے لیکن خدا نے ظالم قوم کو اس منصب سے ہمیشہ کیلئے محروم کردیا۔ ظلم کی بعض اہم شقوں کی تشریح کافی طور پر صفحہ ۲۵۵ و ۲۵۶ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے جس سے ظاہر ہے کہ خدائے عزوجل نے فرمایا کہ اے ابراہیمؑ! تم بلاشبہ اس منصب کے اہل ثابت ہوئے ہو لیکن میدان جنگ میں جم کر نہ لڑنے والے اور نامردی ظاہر کرنیوالے ظالم، کچے ایمان والے اور بزدل بنے رہنے والے ظالم، امیر جماعت کی نافرمانی کرکے جماعت کو شکست و ریخت کی طرف گھسیٹنے والے ظالم، جماعت کے اندر تفریق پیدا کرنے والے ظالم وغیرہ وغیرہ۔ اس عہد خداوندی اور امامت کو ہرگز نہ پاسکینگے۔ بادشاہت کا منصب مجد سے وہی قوم لیتی ہے جسمیں یہ خاصیتیں نہ ہوں اور ظلم کار قوم کی **ہلاکت تو ایک طے شدہ امر ہے**! (دیکھو صفحہ ۲۵۶ تحت المتن)۔

صدر اسلام میں مسجدوں کے اندر امامت کا منصب بھی اسی ابراہیمی امامت کی تجدید کا ایک مظہر تھا، قرن اول کے مسلمانوں کی خدائی فوج دن میں پانچوقت کسی جلیل القدر مجاہد کی پیشوائی اور امامت میں سپہ سالار اعظمؐ کے روبرو پیش ہوتی، اُسکے آستانہ علیہ پر حاضر ہوکر اطاعت کے ولولے میں جھک جھک پڑتی، بہتر سے بہتر شخص اس ریاست کیلئے منتخب ہوتا، مسجد نبوی کے اندر رسول خدا صلعم اپنی حین حیات میں اس منصب کے فرائض خود ادا کرتے رہے، باقی مسجدوں کی امامت کیلئے اکثر وہی صحابہ کرام ہے جنکا علم و عمل بے مثال ہوتا تھا، وفات کے کچھ مدت پہلے رسول خدا صلعم کا حضرت ابوبکرؓ کو امامت نماز کیلئے مقرر کرنا بھی عوام کی نظروں میں اُنکے بعد اُنکے جانشین بننے کا ایما سمجھا گیا تھا۔ الغرض ان دنوں بادشاہت، خلافت اور امامت ایک شئے تھی، خلیفۂ وقت خود امام اعظم ہوتا تھا، اُسکے مقرر کیئے ہوئے امام صحیح معنوں میں **اولوالامر** تھے نہیں بلکہ جو شخص اولوالامر مقرر ہوتا تھا اُسپر امامت کا فرض بھی ادا کرنا ضروری تھا۔ بادشاہان سلف نے صرف ایک حد تک اس اہم رواج کی متابعت کی لیکن رفتہ رفتہ امامت کی

آج شدید العقاب خدا کی یہی آسمانی رِجز مسلمانانِ جہان کو سانپ بن بن کر ڈس رہی ہے۔ خدا کے ناقابل بدل قول کو بدل دینے اور مشکل سے پڑھائے ہوئے سبق کو بُھلا دینے کے جرم میں مسکنت کے گھٹاٹوپ بادل سروں پر چھا رہے ہیں، اُنکی قوت اور امن کی سب کِشت زاریں وقفِ خزاں ہو چکی ہیں، جہانبانی کا زادِ راہ لُٹ چکا ہے، اُمت کی سب شیرازہ بندی، اُسکا تعبُّد سے پیدا کیا ہوا نظم و نسق، اُسکا الصّلوٰۃ سے بنایا ہوا نظام اُسکا خوفِ احکم الحاکمین سے نکلا ہوا بھائی چارہ معنًا کالعدم ہے! اب ہر طرف غیروں کی لتاڑ اور غلامی کی جُوت پیزار ہے، مظلومیت کی چیخیں اور لکد زنی کی کراہیں ہیں، مُلک یک بیک ہاتھوں سے نکل رہے ہیں، زمین خدا تنگ ہو رہی ہے، ظالم اور نااہل مسلمان اِس پاکبازی میں مست ہے، خانۂ خدا کو ہار کر لمبی تان رہا ہے اور گھر پھونک اپنی بربادی کا تماشہ نہایت مزے سے دیکھ رہا ہے!"

مُنتہائے الصّلوٰۃ

وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ (۲:۴۵)

.. (اور یہ نماز تو سوائے اُنکے جن کا خشوع ہم سے ہیئم رہا کے باعث ہر آتی سب کے لئے بیگار ہی بیگار ہے)

الغرض الصّلوٰۃ کی الٰہی حکمت کی تہ میں اُمتِ اسلام کا لاینفک اتحاد تھا، باہمی رأفت اور رحمت تھی، قوم کو پنجوقتہ اطاعت کا مکرّر سبق تھا، شاہ و گدا کی مساوات کی یاد دہانی تھی، وقت کی پابندی تھی، انہاءٌ عن الفحشاء والمنکر تھا، شب و روز خدا کی ملازمت اور اطاعت میں صرف کر کے پانچوقت آقائے نامدار کو سلام تھا، اُسکے حضور میں مؤدبانہ پیشی اور غیر ضمنی دلانہ حاضری تھی، اسکی خدمت میں دست بستہ عرض معروض تھی، صراطِ مستقیم☆ کی استدعا تھی، حصولِ نعمت کی گذارش تھی، بادشاہتِ زمین کی تڑپ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۶۰) ماہیت کو بھول گئے۔ آج اگرچہ خلیفۃ المسلمین سلاطین کی رسم ادا کرنیکے لئے مسجد ایاصوفیہ میں جاتا ہے مگر خود امامت نہیں کراتا۔ لیکن سیاسی اقتدار کے کم ہو جانیکے باعث اسکا مذہبی مقام خود اسقدر مُلّایانہ ہو گیا ہے کہ عالمِ اسلام پر اسکی شخصیت کا فی الحقیقہ کچھ بھی اثر باقی نہیں رہا۔

☆ صراطِ مستقیم کے الٰہی مفہوم کے بارے میں جو کچھ اب تک حاصل ہوا ہے اُسکو یہاں پر یکجا جمع کر دیا جاتا ہے صفحہ ۲۲۴-۲۴۶ کے مباحث سے ظاہر ہے کہ (۱) اعتصام بحبل اللہ کرنا اور فرقہ بندی نہ بنانا (آیات ۳: ۱۰۰-۱۰۲) صفحہ ۲۲۶) صراطِ مستقیم ہے (۲) توکل بخدا کر کے صبر و استقلال سے مصائب کا مقابلہ کرنا اور دشمن پر غالب آ کر رہنا (آیت ۱۴: ۱۲) صفحہ ۲۲۷) صراطِ مستقیم ہے، (۳) ایمان کے اعمال (دیکھو تحت المتن

تھی، منعم علیہ بنجانے کی طمع تھی، مغضوب علیہ نہ بننے کا خوف تھا! اسی بیم و رجا کی تڑپ میں قومے اور قعدے تھے، اسی کے اضطراب میں رکوع و سجود تھے، اسی کی تڑپ میں شام و سحر، فراغت اور شغل میں، سوتے جاگتے سلام تھا، اسی اجتماعی ہلاکت کے خوف میں شب و روز سعی و عمل تھا، دنوں کو جہاد بالسیف تھے، چیتھڑوں کے پرتلوں میں حمائل کی ہوئی تلواریں تھیں، رسیوں سے مرمت کیئے ہوئے نیزے تھے، راتوں کو کوچ اور اسکی جناب میں کراہیں تھیں، بستروں سے پہلو آشنا نہ ہوتے تھے: تَتَجَافٰى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ

سا۵ مطالب کیلیئے دیکھو تحت المتن صفحہ ۲۴۶۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۶۱) صفحہ ۱۸۲-۱۸۳) اپنے اندر قائم رکھنا (آیہ (۲۲: ۵۴) و (۴۳: ۵۳) صفحہ ۲۲۷) صراط مستقیم ہے (۴) قوم کی بہتری کے لیئے **ایثار مال** کرنا (آیات (۲۳: ۷۲-۷۳) صفحہ ۲۲۷) صراط مستقیم ہے (۵) قانون خدا کے مطالب و مقاصد کے بارے میں **اختلاف** پیدا نہ کرنا (آیہ (۲: ۲۱۳) صفحہ ۲۲۸ اور آیات (۴۳: ۶۳-۶۵) صفحہ ۲۳۵) صراط مستقیم ہے، (۶) خدا کی **ملازمت** میں شیطان کی **عبادت** کو حائل نہ کرنا (آیہ (۳۶: ۶۰) صفحہ ۲۲۸ اور آیہ (۴۳: ۶۴) صفحہ ۲۳۵) صراط مستقیم ہے، (۷) **الامر** اور قانون خدا میں نزاع نہ پیدا کرنا (آیہ (۲۲: ۶۷) صفحہ ۲۲۸) صراط مستقیم ہے، (۸) **ایک مرکز** پر عملاً اور معناً قائم ہوجانا آیہ (۲: ۱۴۳) صفحہ ۲۲۹) صراط مستقیم ہے، (۹) سب اعمال انسانی کو خدا کیلیئے وقف کردینا اور ان اعمال میں کسی غیر کی اطاعت کو شریک نہ کرکے **ابراہیم علیہ السلام کی توحید** پر چلنا آیات (۶: ۱۶۲-۱۶۴) صفحہ ۲۲۹-۲۳۱) صراط مستقیم ہے، (۱۰) نعمتہائے خدا کی کما حقہٗ قدر کرنا خالصۃً **قانون خدا** کے مطیع رہنا، آیات (۱۶: ۱۲۰-۱۲۲) صفحہ ۲۳۲) صراط مستقیم ہے، (۱۱) دشمن کو اپنے سعی و عمل سے **بے دست و پا** کردینا، اسکے وسائل حفظ و دفاع پر **قابض** ہوکر اسکو تباہ کردینا، اور حتی الوسع اپنے آپ کو اسکے دست تعدّی سے **بچائے** رکھنا (آیہ (۴۸: ۲۰) صفحہ ۲۳۳) صراط مستقیم ہے، (۱۲) اس دنیا کے اندر **قوت اور زور** سے رہنا، دنیا جہان سے بڑھ چڑھ کر اور **برگزیدہ** ہوکر رہنا (آیات (۶: ۸۷-۸۸) صفحہ ۲۳۴) صراط مستقیم ہے (۱۳) بادشاہ زمین ہوکر رعیت پر **عدل و انصاف** سے حکومت کرنا (آیہ (۳۸: ۲۶) صفحہ ۲۳۴) صراط مستقیم ہے، (۱۴) اس دنیا کے اندر **سلامتی اور بقا** کے رستوں پر چلنا، قانون خدا کے عدم تعقل کی تاریکیوں سے نکلکر **علم و عمل** کے نور کیطرف آنا (آیات (۵: ۱۵-۱۶) صفحہ ۲۳۴-۲۳۵ اور آیہ (۱۰: ۲۵) صفحہ ۲۳۵) صراط مستقیم ہے، (۱۵) خدا کی عملی ملازمت اور اتقا اور **اطاعت امیر** کرنا (آیات (۴۳: ۶۳-۶۴) صفحہ ۲۳۵) صراط مستقیم ہے (۱۶) قانون خدا سے استمساک کرنا اور اسپر ہمیشہ چلتے رہنا (آیہ (۴۳: ۴۳) و (۴۳: ۶۱) صفحہ ۲۳۶) صراط مستقیم ہے، (۱۷) اپنے سینے سعی و عمل کیلیئے **کھول دینا** اور انکے اندر احکام خدا کی تعمیل کے بارے میں کوئی **تنگی** نہ رکھنا (آیات (۶: ۱۲۶-۱۲۸) صفحہ ۲۳۸) صراط مستقیم ہے، (۱۸) ملازمت خدا کی تعمیل میں **غیر خدا** کے حکموں کو حائل نہ کرنا، والدین کے ساتھ احسان، اولاد کے ساتھ رافت، **مکارم اخلاق** پر عمل، قتل سے پرہیز کرنا، **مال یتیم کی نگہداشت، پورے ماپ، پورے تول، عدل، ایفائے عہد** پر قائم رہنا اور **متحد** بنے رہنا (آیات (۶: ۱۵۲-۱۵۴) صفحہ ۲۴۰) صراط مستقیم ہے (۱۹) راہ خدا میں **جہاد بالسیف** کرنا، دشمن سے متارکہ **حفظ نفس** کی خاطر کرنا (آیات (۲۹: ۶۹) و (۴۸: ۱۱-۲۰) صفحہ ۲۴۲) صراط مستقیم ہے (۲۰) قوم کی بہتری اور تثبیت کیلیئے جہاد بالسیف کرنا، **ہجرت وطن** اختیار کرنا، اطاعت امیر بے چون و چرا کرنا (آیات (۴: ۶۶-۶۷) صفحہ ۲۴۳) صراط مستقیم ہے، (۲۱) اور سب سے اہم یہ کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے اعمال کرکے ایک ذلیل اور مجبور زدہ قوم کو جابر بادشاہ کے ظلم و ستم سے آزاد کرنا، اور بالآخر قانون خدا کا پابند بناکر اسکو زمین کا حکمران اور بادشاہ بنا دینا وہ الصراط المستقیم ہے جسکی تعریف سورہ فاتحہ میں اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے الفاظ میں کیگئی ہے۔ مسلمانوں کو سوچنا چاہیئے کہ آج وہ ان اکیس شقوں میں سے ایک پر بھی صحیح معنوں میں عامل ہیں؟ نہیں بلکہ دیکھنا چاہیئے کہ مغربی قوموں کا اس صراط مستقیم پر کسقدر انتہائی عمل ہے۔ اور انکے اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ہونے کی کیا وجہ ہے، وہ نماز کی اس دعا پر کسقدر عامل ہیں۔ جو احکام یہاں پر جلی قلم سے لکھے ہیں ان میں سے اکثر پر مغربی اقوام کا بیشتر عمل ہے۔

رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۙ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (۳۲ : ۱۶)۔ اسی مجموعی نعمت کی طمع میں اجتماع اُمّت تھا، قیام جماعت تھا، دلوں کے اندر خوف خدا کی مشترک جنبشیں اور باہمی محبت کی مشترک لہریں تھیں، کسی کو کسی سے کچھ دریغ نہ رہا تھا، بخل، حسد، دلوں کے کینے، کم ظرفی کی رنجشیں سب مٹ گئی تھیں، مسجدیں ایک منظم اور پُرامن، ایک طاعت آموز اور عصبیت خیز انجمنیں بن گئی تھیں۔ اسی الصلوٰۃ کا قیام اور لرزش قلب یہی تعمیل احکام خدا اور پیہم سعی و عمل، یہی اطاعت ربّ اور استجابت رسول، قربانی مال اور طاعت امیر آپس میں اتحاد اور علی التوکّل عمل قرن اوّل میں سچے مومن بننے کی نشانی تھی، اسی ایمان کا اٹل نتیجہ اُمّت کی واماندگیوں پر پردہ پوشی اور اس دنیا میں عزت اور آبرو کی روزی تھی۔

يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (۸ : ۱-۴)

اے محمدؐ! مسلمان تم سے مال غنیمت کے متعلق دریافت کرتے ہیں تو ان سے کہدو کہ مال غنیمت صرف خدا اور اُسکے رسول کا ہے، وہ جس طرح مناسب سمجھے اُسکو تقسیم کردے تو تم لوگ مال غنیمت کی تقسیم میں

* ان آیات الٰہی میں چند امور غور طلب ہیں (۱) پہلی آیت یعنی (۸ : ۱) میں متحد ہو کر رہنے (وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ) اور پھر نوع اطاعت امیر کرنے (وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ، دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۷۰-۱۷۱) کو نہ صرف اتقائے الٰہی پر محمول کیا گیا ہے بلکہ انکو ایمان کی شرط لاینفک قرار دیا ہے، گویا جو قوم متحد بنکر نہیں رہتی اور امیر جماعت سے کسی امر کے متعلق (خواہ وہ معاملہ مال غنیمت ہی کا کیوں نہ ہو) نزاع پیدا کرتی ہے، اُسکا ایمان یکسر ساقط ہے۔ قرآن حکیم میں صرف چند موقعے ہیں جہاں اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کے الفاظ آئے ہیں۔ ایک اعلون بنکر رہنا ہے (دیکھو صفحہ ۷۔ آیہ (۳ : ۱۳۸))، دوسرا اتقائے خدا کرنا ہے (دیکھو صفحہ ۱۷۹۔ آیہ (۵ : ۱۱۲))، تیسرا یہی اتحاد و اطاعت امیر ہے۔ باقی آیتیں جنکے اندر اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کی شرط ہے اپنے اپنے موقع پر آئینگی۔ افتتاحیہ کتاب صفحہ (۸-۹) پر ان میں سے بعض اہم موقعوں کو یکجا جمع کر دیا ہے (۲) آیہ (۸ : ۲) میں آیہ (۴۹ : ۱۵) کی طرح اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ کے الفاظ آئے ہیں اور یہ آیت خود صفحہ ۱۰۳ پر آچکی ہے۔ گویا ایمان کی باقی لاینفک شرطیں صفحہ ۱۰۳ کی جہاد بالمال اور جہاد بالسیف کی شرطوں کے علاوہ لرزش قلب یعنی اتقائے خدا (وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ)، اور تعمیل احکام الٰہی میں استقامۃ (زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا)، اور توکّل یعنی نتائج کے میں خدا پر اعتماد کرنا بھی ہیں۔ (۳) اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا کے الفاظ قرآن حکیم میں صرف دو جگہ آئے ہیں (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۸۰)۔ ایک آیہ (۸ : ۴)، صفحہ ۱۱۳ پر اور ایک زیر بحث آیہ (۸ : ۷۴) میں۔ گویا ایمان کی شرط لاینفک تقویت قوم کیلئے ہجرت وطن، جہاد بالسیف یا نصرت باہمی کے علاوہ (دیکھو صفحہ ۱۱۳) اقامت الصلوٰۃ اور جہاد بالمال بھی ہے (آیہ (۸ : ۳)) الغرض ان تمام آیات الٰہی کو پیش نظر رکھکر ظاہر ہے کہ ایمان از روئے قرآن وحدت اُمّت ہے، اطاعت امیر ہے، دنیا میں اعلون بنکر رہنا ہے، جہاد بالمال ہے، جہاد بالسیف ہے، استقامۃ فی السعی ہے، توکّل فی النتائج ہے، ہجرت ہے، باہمی نصرت، مساحمت اور رواداری ہے، اور ان سب کے علاوہ اقامت الصلوٰۃ بھی ہے۔ چونکہ یہ سب ایمان کی لاینفک شرطیں ہیں تو ظاہر ہے کہ الصلوٰۃ کو صحیح معنوں میں قائم کرنیوالے وہی شخص ہو سکتے ہیں جنمیں یہ سب باتیں موجود ہوں، مزا ماتھا رگڑنا يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ نہیں ہو سکتا۔ فتدبّر

اپنے مابین جھگڑا نہ کرو اور اُس غضب خدا سے ڈرو جو فساد کرنے والی قوم پر نازل ہوتا ہے اور اپنے باہمی تعلقات کو درست کرکے متحد بنے رہو اور اگر تم فی الحقیقت صاحب ایمان لوگ ہو تو خدا کے حکموں اور اُسکے رسول کے فیصلوں کے آگے سرِ تسلیم خم کردو۔ اصلی ایماندار تو وہی لوگ ہیں کہ جب خدا اُنکو یاد دلایا جاتا ہے تو اُنکے دل کانپ اُٹھتے ہیں اور جب احکام خدا (اٰیٰتُہٗ) اُنکو بتائے جاتے ہیں تو اُن کا اُنکی تعمیل پر یقین اور آمادگی عمل (اِیْمَانًا) اور بھی بڑھ جاتی ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو حتی الوسع تعمیل کے بعد نتائج کے بارے میں خدا پہ بھروسہ رکھتے ہیں (یَتَوَکَّلُوْنَ) جو اس تمام اتحاد اور اطاعت اور لرزش اور مصالحت اور توکل اور سعی و عمل کو پیش نظر رکھکر الصلٰوۃ کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُنکو دے رکھا ہے اُسمیں سے حتی الامکان ایثار مال بھی کرتے ہیں۔ ایسے لوگ ہی فی الحقیقت سچے ایمان والے ہیں، اور یہی وہ ہیں جنکے لیئے اُنکے پروردگار کے ہاں عزّ و مکرمت کے درجے ہیں، جنکی واماندگیوں اور اجتماعی بدحالیوں پر خدا کی طرف سے پردہ پوشی (مَغْفِرَۃٌ) ہے اور جنکو بالآخر اس دنیا میں عزت اور آبرو کی روزی ہے۔

یہی وہ قوّت انگیز اور غلبہ اندوز الصلٰوۃ تھی جس کا الٰہی **میثاق بنی اسرائیل** سے جب بندھا تو امت چشم زدن میں نہال ہوگئی، اُسکی اجتماعی بدحالیاں یکسر کافور ہوگئیں، جنّات زمین قدموں پر نثار ہونے لگے نیچے سے نہریں پھوٹ بہیں، قوّت اور حکومت، عزّت اور امن قوم کے گہوارے ہوگئے، خدا دوست بن گیا، وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَبَعَثْنَا مِنْھُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا وَقَالَ اللّٰہُ اِنِّیْ مَعَکُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّکٰوۃَ وَ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْھُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُکَفِّرَنَّ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَلَاُدْخِلَنَّکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ فَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ مِنْکُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ[1] (۵: ۱۲)۔ لیکن جب قوم اس **عہد خداوندی** کو بھول گئی، جب[†] لوں کی

---

[1] اور لوگو! بنی اسرائیل سے عہد اُس خدائے پاک ہی نے لیا تھا اور ہم ہی نے اُنہی میں سے بارہ سردار اُنپر مامور کردیئے تھے اور وہ خدا ہی تھا جس نے اپنا قول دیا تھا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہارا دوست اور رفیق ہوں، اگر تم الصلٰوۃ پر قائم رہے، الزکٰوۃ کو دیتے رہے، میرے پیغمبروں کو منجانب اللہ یقین کرکے اُن کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرتے رہے (اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ) وقتًا فوقتًا اُنکی بدل و جان مدد بھی کی، خدا کے احکام کی تعمیل میں اپنے آرام اور مال و اسباب کا بہترین حصہ کاٹ کر الگ کردیا (اَقْرَضْتُمُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا۔ دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۳۷، ۱۳۸-۱۳۷) تو میں تمہاری سب اجتماعی بدحالیوں کو تم سے دور کردونگا (لَاُکَفِّرَنَّ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۳۱) اور تمکو ایسے خوشگوار باغوں اور سرسبز ملکوں میں لیجا داخل کردونگا جنکے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہونگی، پھر جس نے ان نعمتوں کے حصول کے بعد کفران خدا کیا اور اس عہد کو توڑا تو وہ راہ راست سے یکسر بھٹک گیا۔

[†] صفحہ ۲۶۳ کے تحت المتن میں اور نیز سورہ انفال کی آیتوں (۸: ۱-۴) کے متذکرہ صدر ترجمے میں یہ بات ظاہر کردی گئی تھی کہ **اقامت الصلٰوۃ** کا قرآنی مفہوم

زمینیں تنگ ہو ہو کر سخت ہوگئیں، جب مساحت اور رواداری، خوف خدا اور ہدایت، **اتقا اور ایمان** کا آبِ زلال باقی نہ رہا اور قلوب کے اندر حسد اور نفاق کا چور، کبر اور ریا کا چور، تھڑدلی اور بے مرادی کا چور، بخل اور کم ظرفی کا چور، الفحشاء اور المنکر کا چور گھر کر گیا، ہاں جب قوم خدا کے اُس دیئے ہوئے درس کو بھول گئی، جب غرضمند رہنما اور کبرائے خلق ضد اور بغاوت سے مقصود خدا کو محرّف کرنے لگے، احبار او رہبان نے لوگوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے اپنے پیچھے صفیں کھڑی کر لیں، مشترک خدا کے مشترک خوف اور اطاعت کو چھوڑ کر آپ ربّ بن بیٹھے اور پیغام خدا میں **خیانت** کرنا قوم کا شعار بن گیا، اُسی دن سے میثاق ٹوٹ گیا، جنّات زمین چھین لیئے گئے، ذلت اور محتاجی لبس دی گئی لعنت مُونہوں پر برسنے لگی، آوارۂ جہاں ہوگئے، مردودِ زماں بن گئے، قسمت بگڑ گئی، خدا دشمن بن گیا: فَبِمَا

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۶۴) نہ صرف رسمی نماز کی رکعتوں کو مسجد میں جا کر بصحت تمام ادا کر دینا ہے بلکہ اُن تمام اعمال (مثلاً وحدت اُمت، اطاعت امیر، جہاد بالمال، ہجرت جہاد بالسیف، استقامت فی السعی، توکل فی النتائج، نصرت باہمی، 'اعلوئیت' وغیرہ وغیرہ) کو جو ایمان کی لاینفک شرائط ہیں اپنے اندر پیدا کر کے خدا کے حضور میں حاضر رہنا ہے۔ جو شخص مومن ہے اُنہیں اِن اعمال کا بلا حیل و حجت موجود ہونا اٹل ہے پس الصلوٰۃ کی اقامت بھی دراصل اسی کی ہے جسمیں (نماز کے علاوہ) مومن ہونے کی باقی شرائط بوجہ احسن موجود ہوں۔ سورہ مائدہ کی زیر بحث آیت (۵ : ۱۳) میں اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ کے اس مفہوم کی قطعی تائید ہوتی ہے کیونکہ موسوی شریعت کی نماز کے ظواہر اسلامی نماز کے ظواہر سے بالکل جدا تھے اور باوجود اس ظاہری اختلاف کے اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ کی مطلق اصطلاح کا استعمال اس امر کی دلیل ہے کہ اس میثاق سے مراد اُس **قانون کی پابندی** تھی جو الصلوٰۃ سے مقصود بالذات ہے، صرف ظواہر کی پابندی مقصود نہ تھی۔ دیباچہ کتاب صفحہ ۳۲-۳۳ میں قرآن حکیم کی اس مطلق لغت کی طرف اشارہ کیا گیا تھا اور اس اطلاق کی کئی مثالیں آگے چلکر ملیں گی۔

آیت زیر بحث (۵ : ۱۳) میں وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ کے الفاظ اس امر کی قطعی دلیل ہیں کہ جنّت سے مراد جنات زمین ہی تھے، اُخروی جنت کا ذکر یہاں پر قطعاً نہ تھا۔ عہد عتیق میں اسی میثاق ایزدی کی جزا "اَبدی بادشاہت" لکھی ہے۔ (کتاب خروج باب ۶، آیت ۳-۸)۔ بعض موقعوں پر ان ابدی جنات کو شہد اور دودھ کی نہروں والی سرزمین کہا ہے (کتاب استثنا باب ۶ آیت ۲-۳)، کتاب ثانی سموئیل باب ۷ آیت ۲۳-۲۹ میں پھر وعدہ اسی ابدی سلطنت کا ہے، اور کتاب اوّل سلاطین باب ۹ آیت ۱-۹ میں اس سلطنت کو چھین لینے کی دھمکی بھی دی گئی ہے۔ علاوہ ازیں بنی اسرائیل میں دنیاوی سلطنت کا قائم ہو جانا اس امر کی شہادت ہے کہ وعدہ جنات زمین ہی کا تھا اور اسی لیئے فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ کی شرط بھی موجود ہے۔ خود آیۂ استخلاف میں مسلمانوں کے ساتھ وعدہ بھی دنیاوی سلطنت کا تھا جیسا کہ الفاظ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (۲۴ : ۵۵) صفحہ ۰ سے ظاہر ہے اور وہاں بھی وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ کے الفاظ آئے ہیں۔ سورہ فاطر میں بھی اسی قطع کا اسلوب بیان ہے؛ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۭ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ۝ (۳۵ : ۳۹) یعنی لوگو! وہ خدا ہی ہے جس نے تم کو اس زمین میں (تمہاری سعی و عمل کو پسند فرما کر) بادشاہ بنا رکھا ہے تو اس نعمت عظمیٰ کے حصول کے بعد جس قوم نے قانونِ خدا سے انکار کیا (کفر) تو اس انکار کی ذمہ داری کا بوجھ بھی اُسی کی گردن پر ہے اور قانون خدا سے منکر قوم کو تو اُن کا انکار خدا کی نگاہ میں سوائے ناراضگی کے کسی شے کو نہیں بڑھاتا اور کفران نعمت کرنیوالی قوم تو سوائے اسکے کہ روز بروز گھاٹے میں رہے کسی اور شے میں ترقی نہیں کرتی"۔ الغرض ان تمام شہادتوں کے بعد اس امر کا ناقابل انکار فیصلہ ہو جاتا ہے کہ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ سے مراد ہر جگہ جنات زمین ہی ہیں۔ آخرت کیلئے الجنّۃ کی اصطلاح مخصوص ہے جنّت کی قرآنی اصطلاح پر بیشتر کی بحثیں صفحہ ۱۱۵-۱۱۶، ۱۳۱، ۱۴۲، وغیرہ پر گذر چکی ہیں۔ افتتاحیہ سے قطع نظر دیباچہ کتاب صفحہ ۶۶-۷۳ میں کئی مثالیں اسی قسم کی

نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ[51] (۵: ۱۳)۔ اگر مسلمان آج اس عہد خداوندی کو توڑ کر لعنت خدا کے مستحق بنے ہوئے ہیں، اگر آج اُن سے بھی سب کچھ چھین کر اُن لوگوں کو دیا جا رہا ہے جنہوں نے عمر بھر ایک رسمی نماز نہیں پڑھی، ایک اسلامی رکعت ادا نہیں کی، ایک شرعی سجدہ نہیں کیا، ایک محمدی کلمہ نہیں پڑھا تو اسکی وجہ بھی یہی قساوت قلب ہے، یہی تحریف دین اور نسیان درس ہے، یہی مقاصد خدا میں مجرمانہ خیانت ہے، یہی الصّلوٰۃ کو معنًا اور صورتًا[†] بگاڑ دینا ہے، یہی خدا کو چھوڑ کر نفسانی خواہشات کی پیروی ہے۔ ایسی نمازیں پانچ نہیں پانچ ہزار ہوں خدا کے نزدیک سب ضائع ہیں، ان سے ضعف کے سوا کچھ حاصل نہیں، ان کا نتیجہ ہلاکت کے کچھ نہیں، فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا[52] (۱۹: ۵۹)۔ پس اگر آج

[51] لیکن بنی اسرائیل کے اس میثاق الٰہی کو توڑ دینے کے باعث ہم نے اُن پر ذلّ و ادبار کی لعنت برسادی، اُن کے دلوں کو اپنے احکام کی تعمیل کیلئے پتھر کر دیا، پھر وہ اسقدر جمود زدہ و غافل ہوگئے کہ ہمارے کلمات اور احکام کو اُنکے مناسب معنوں سے ہٹا کر اُنکے الٰہی مقاصد میں حسب مطلب رد و بدل کرنے لگے (يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ)، اکثر تاویل سے اپنے آرام کیلئے اُن میں معنوی تحریفیں پیدا کیں (يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ)، اور یہی نہیں بلکہ اسی تن آسانی اور آرام پسندی کے باعث رفتہ رفتہ اس درس الٰہی کے ایک اہم حصے کو بھول گئے جو اُنکو اچھی طرح یاد دلایا گیا تھا، اور اے محمدؐ! تم ان میں سے معدودے چند کے ماسوا نت نئے دن کسی نہ کسی ایسے مکار کی اطلاع پاتے رہو گے جس نے صریح خیانت اور بدمعاشی سے احکام خدا کے مقاصد میں رد و بدل کر کے اپنی امت کو گمراہ کیا ہو تو ان خائنوں اور مکاروں کا علاج سوا اسکے کچھ نہیں کہ تم انسے پرے پرے ہٹے رہو (فَاعْفُ عَنْهُمْ)، اُنسے قطعًا کنارہ کشی اختیار کرو (وَاصْفَحْ) (دیکھو ان معانی کی تائید میں دیباچہ کتاب صفحہ ۱۲۰ کی آخری سطر)، خدائے عزّ و جل تو انہی لوگوں کو پسند کرتا ہے جو سعی عمل کر کے اپنی اُمت کو قوت اور عزت کے مدارج علیا تک پہنچا دیتے ہیں (اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ، دیکھو مُحْسِنِيْنَ کی تعریف صفحہ ۱۳۰ تحت المتن آیہ (۷: ۱۰۔ ۷) و صفحہ ۲۴۶ تحت المتن آخری دو سطریں و آیات (۳۷: ۱۲۱۔ ۱۲۲)۔

[52] پھر ان لوگوں کے بعد ایسے نابکار جانشین آئے جنہوں نے الصّلوٰۃ کو بالکل ناکارہ کر دیا، اسکی حکمت کو اسقدر بھلا دیا کہ وہ بالکل ایک لا طائل شے بن گئی (وَاَضَاعُوا الصَّلٰوةَ) اور اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے لگے رہے تو یہی وہ لوگ ہیں جو عنقریب ہلاکت سے دوچار ہونگے۔

بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۶۵) پیش کر دی ہیں جنکے بغور مطالعے سے اس امر کا فیصلہ ہو جاتا ہے کہ جنّت سے مراد ارضی بادشاہت ہی تھی۔ شارحین قرآن نے بادشاہت زمین پر لات مارنے اور اپنے نفس کیلئے آسانیاں پیدا کرنے کیلئے اس سے مراد اُخروی جنت لیلیا اور مذہب اسلام کو رفتہ رفتہ بے نتیجہ بنا کر رہبانیت کی طرف لے گئے!

آیت زیر بحث میں فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ کے الفاظ بھی نہایت قابل غور ہیں۔ گویا **ارضی بادشاہت کا کفران نعمت کرنا ہی صراط مستقیم سے پرے ہٹنا اور صحیح معنوں میں ضلال ہے**۔ یہ مفہوم بعینہٖ وہی ہے جو صفحہ ۲۲۳ کے تحت المتن کے اخیر میں سورہ فاتحہ کے لفظ الضَّآلِّيْنَ کی تشریح میں حاصل ہوا تھا۔

[†] الصّلوٰۃ کے معنًا بگڑ جانے کے علاوہ اسکے صورتًا بگڑ جانے کے متعلق ایک ابتدائی بحث صفحہ ۱۱۱۔ ۱۱۲ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے جس سے کم از کم یہ ظاہر ہے کہ مساجد میں امام صاحبان کا خدا کے حضور میں نماز کو ترنم سے ادا کرنا وہ بدعت سیئہ ہے جو نص قرآن کے قطعًا برخلاف ہے، مساجد میں سنت اور نوافل کا ادا کرنا اور اسطرح ہر خانہ خدا کے اندر بے ترتیبی اور بدنظمی کا ماحول پیدا کرنا بھی (جسکا ذکر صفحہ ۲۰۶ کے تحت المتن میں ہو چکا ہے) رسول خدا صلعم کے اسوۂ حسنہ کے برخلاف صریحًا ہے۔

اُس صادق الوعد خدا کی بتائی ہوئی اَلصَّلٰوۃ وہی قرن اوّل کے نتائج پیدا نہیں کرتی تو وہ الصلٰوۃ بگڑ چکی ہے ، اُسکا کیف دل بدل چکا ہے ، مطمح نظر بدل چکا ہے ، اُسکے ادا کرنے والوں کے دل بدل چکے ہیں ، حوصلے اور جگر بدل چکے ہیں ، نصب العین بگڑ چکا ہے ، نہیں اُسکو ادا کرنے کا محرّک باقی نہیں رہا ، نعمت کا پیش نہاد نہیں رہا ، خشوع پیدا کرنے والی غرض نہیں رہی ، غرض کا پیدا کیا ہوا اضطراب نہیں رہا ، صرف ڈھانچ یا الفاظ باقی رہ گئے ہیں ، اُٹھک اور بیٹھک رہ گئی ہے ، مصیبت کو کم کرنے کا ترنّم رہ گیا ہے : اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ(۴۵:۲) یا پانی کو بالوں کی جڑوں تک پونہچانے کے وسوسے رہ گئے ہیں یا مسح اور قصر ، غسل اور استنجا ، تیمّم اور وضو کے مسئلے رہ گئے ہیں یا خدا پر احسان اور سجدوں کا اِدّعا رہ گیا ہے ، یا جنّت کے سبز باغوں کے خواب رہ گئے ہیں ورنہ نماز کا الصَّلٰوۃ رہکر وہی قرنِ اوّل کے نتائج پیدا نہ کرنا ناممکن ہے ! صراطِ مستقیم کے نصب العین کو ہر وقت پیشِ نظر رکھکر اُسکے لیئے شبانہ روز سعی و عمل کرنا ، سعی و عمل کر کے اُس راہ رہت کی وعدہ دی ہوئی نعمت کی تڑپ میں منعم لم یزل کے حضور میں لپک لپک کر پونہچنا ، دست بستہ کھڑے ہو جانا اور نعمت کو مانگنا ، بیٹھ جانا اور پھر اُٹھ اُٹھ کر بالحاح تمام مانگنا ، ماتھا رگڑ رگڑ کر مانگنا ، گھٹنوں پر جھک جُھک کر مانگنا ، اور ساتھ ہی باقی وقتوں میں صبر اور استقلال ، تکلیف برداری اور مشقت ، عزم

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۶۶) آجکل مساجد کے اندر وضو کرنیکے لیئے حوضوں اور کنوؤں ، حماموں اور غسلخانوں کا موجود ہونا بھی وہ بدعت اور تن آسانی کے شیوے ہیں جو قرن اوّل کی مساجد میں قطعًا موجود نہ تھے ۔ اُس زمانے میں لوگ مساجد کے اندر اپنے گھروں سے تیار ہو کر آتے اور خانۂ خدا کے اندر آجکل کی بدلحاظیاں اور بے تکلفیاں کرنا گستاخی سمجھتے ۔ فرقہ بند لوگوں نے جو اختلافات نماز کے ارکان میں ازخود پیدا کر لیئے ہیں وہ اِنکے علاوہ ہیں اور آہستہ آہستہ نماز کی اصلی صورت کو بگاڑ رہے ہیں ۔ التحیّات کے بعد اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ کے الفاظ جو پڑھے جاتے ہیں گمان غالب ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عین حیات میں امامت کے وقت خود نہ پڑھتے تھے ۔ نہ معلوم کہ یہ درود شریف کب سے پڑھے جانے شروع ہوئے ، کس کے حکم سے ہوئے اور خود رسول خدا انکی جگہ کیا پڑھا کرتے تھے ' خلع ' اور ' حفد ' کی مشہور آیتیں جو آجکل نماز عشا کے بعد وتروں میں پڑھی جاتی ہیں اگر بدستور عہد نبوت میں بھی پڑھی جاتی تھیں تو حیرت ہے کہ جمع قرآن کے وقت اُنکے کلام وحی نہ ہونے میں شکوک کیوں پیدا ہوئے ۔ الغرض ان سب امور کو پیش نظر رکھکر یہ کہنا کچھ غلط نہیں کہ نماز کی ظاہری صورت بھی آہستہ آہستہ نامحسوس طور پر بگڑ رہی ہے ۔ اور یہ بگاڑ اس شئے میں پیدا ہو گیا ہے جسکی بابت ہم مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ وہ علی التواتر قرن اوّل سے بلکہ خود نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت مؤکدہ سے ہم تک پونہچی ۔ میرا یقین ہے کہ قرن اوّل والی مردوں اور عورتوں کی مخلوط نماز جس کی امامت رسول خدا خود کیا کرتے تھے نہ صرف اپنے کیف حال میں ، خشوع و خضوع میں ، اصلاح قلوب میں ، تزکیہ نفس میں ، انتہاء عن الفحشاء والمنکر میں ، اتحاد اور اطاعت ، مواخات اور مساعدت کا نتیجہ خیز اخلاق پیدا کرنے میں اصلاً مختلف تھی بلکہ اسکے ادا کرنے کا اہتمام ، اسکی قرأت کے الفاظ وغیرہ وغیرہ بھی کچھ نہ کچھ ضرور آجکل کی ترنّم والی نماز سے ضرور مختلف اور جداگانہ تھے !

؎۱ مطالبے کے لیئے دیکھو عنوان صفحہ ۲۶۱ ۔

اور محنت کو اپنا استعانت بنا لینا وہ شیوۂ مسلمانی تھا جس پر چلکر اسلام کو چند برسوں کے اندر وہ شوکت نصیب ہوئی کہ آج اسکو پھر دیکھنے کیلئے آنکھیں ترس رہی ہیں: وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ (۲:۴۵)۔ صاحب القرآن تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ کی اِنہی بار بار اور ضرب دل سے دُہرائی ہوئی آیتوں کی اہمیت کو اِسی الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی ہدایت اور اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے راہ راست کے نصب العین کی ضرورت کو اسلامی اُمت پر کھولکر واضح کر دیا تھا کہ خدا کا اپنے بندوں پر سب سے بڑا احسان نہ صرف قرآن عظیم کو عطا کرنا بلکہ ساکنان زمین کے سامنے یہی سبع مثانی کا لشکر انگیز مطمح نظر دن میں پانچوقت پیش کر دینا ہے!

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ† وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ (۱۵:۸۷)

اور اے محمدؐ! سب سے بڑا احسان جو ہم نے تم پر اور تمہاری اجل زدہ قوم عرب پر کیا ہے یہ ہے کہ ہم نے سورۂ فاتحہ کی بار بار دُہرائی ہوئی آیتوں کا اہم اور عظیم الشان نصب العین پیش کر کے تمہاری قوم میں حصول نعمت اور الصراط المستقیم پر چلنے کی ایک لازوال ترغیب و تحریک پیدا کر دی ہے (اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ)، اُن کے دلوں میں اس نعمت کے حاصل کرنیکے ولولے پیدا کر دیئے ہیں (اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ) اُنکے اندر اس دُنیا میں قوت اور زور سے رہنے اور ہلاک شدہ قوموں (دیکھو آیات (۱۵:۴۶) تا (۱۵:۸۴)) کی طرح مغضوب علیہم اور ضالین نہ بننے کا ایک دائم اور قائم ہیجان پیدا کر دیا ہے، اور یہی نہیں بلکہ ہم نے تم کو قرآن عظیم بھی دیا ہے جسکے اندر اس الصراط المستقیم پر چلنے کا مکمل دستور العمل درج ہے۔

یہی وہ فراخور سعی اور درخور طلب نصب العین ہے جس سے بڑھکر انسانی جماعت کے لیئے اِس دنیا کے اندر

۵ؔ اور اے لوگو! اس کارگاہ سعی و عمل میں مشکلات کا خاطر خواہ مقابلہ کرنیکے لیئے استقلال سے استعانت کیا کرو (اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ) اور حتی الوسع سعی و عمل کر کے خدا کے حضور میں گڑگڑایا بھی کرو کہ اُس جلال مشکلات کے حضور میں حاضری حوصلوں کو بڑھانے میں خاص مدد دیتی ہے اور یہ نماز تو ماسوا اُن لوگوں کے جن کا خشوع و خضوع ہم ہی سے بیم و رجا ہونیکے باعث ہو باقی سب کے نزدیک بیگار ہی بیگار ہے۔

---

† اس آیہ شریفہ کے الفاظ خاصکر قابل غور ہیں۔ خدائے عزوجل نے سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ یعنی سورۂ فاتحہ کو اسقدر اہمیت دی ہو کہ رسول صلعم کو اسکے وحی کرنیکا احسان قرآن عظیم کو عطا کرنیکے احسان سے الگ جتلایا ہے، بلکہ سورۂ فاتحہ کی اہمیت کو دلنشین کر دینے کے لیئے اِسکو باقی قرآن سے الگ کر دیا ہے۔ شارحین قرآن نے چنانچہ اِس آیت کو پیش نظر رکھکر سورۂ فاتحہ کے الفاظ کی اہمیت پر ضخیم بحثیں کی ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ سے لیکر الضَّآلِّيْنَ تک کے ایک ایک لفظ کو اپنے اپنے ظن و اعتقاد کے طومار باندھکر ظلمت انگیز مناظرے پیدا کئے ہیں۔ کہیں اَللّٰه کے لفظ کو کوئی اسم اعظم قرار دیا ہے جسکو دُہرانے کے فضائل لاتعد و لاتحصٰی لکھے ہیں، کہیں الرَّحْمٰنِ اور الرَّحِيْمِ میں فرق بتلایا ہو، کہیں الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ اور اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اور الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ پر اعتقادی مباحث چھیڑ دیئے ہیں۔ الغرض جتنے منہ اتنی باتیں مگر ایک متنفس نے بھی ذہن کو کام میں لا کر اسطرف رجوع نہیں کہ سورۂ فاتحہ میں خدائے عظیم نے کیا اہم نصب العین دن میں پانچوقت مسلمانوں کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ ایک فرد واحد کا خیال اسطرف نہیں دوڑا کہ وہ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کس سبیل کا نام ہے اور اسکی صحیح قرآنی تعریف کیا ہے۔ میں نے متذکرہ صدر ترجمے میں اللہ صاحب کے سورۂ فاتحہ کو مثانی کہہ کر یاد فرمانے کی توجیہ، اسکے پیش کیے ہوئے نصب العین کی

کوئی نصب العین نہیں۔ یہ اُس خدا کی زمین پر نعمت خدا کو برقرار رکھنے کا علم حاصل کرنا ہی وہ نور ہے جس سے بڑھکر نفعمند کوئی نور نہیں۔ سعی و عمل کے اس کارگاہ عظیم میں اسی علم سے بیخبر رہنا اور حصول نعمت کیلئے اپنے ہاتھ پاؤں، تن من دھن وقف نہ کر دینا ہی وہ ظلمت عظمیٰ ہے جس سے تاریک تر کوئی ظلمت نہیں، عزیز اور حمید خدا کا بتایا ہوا یہی وہ معزز اور محمود مقام، اور یہی وہ عزت افزا اور قابلِ ستائش صراط ہے جس سے مستقیم تر کوئی صراط نہیں۔ اسی الصراط المستقیم کو ہر دم پیش نظر کر دینے کیلئے سبع مثانی کا دُہرانا نماز میں تھا، اور اسی واحد غرض و مطلب کے لیئے خدائے عظیم کا قرآن عظیم اس زمین پر نازل ہوا تھا:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ٭ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ (۱:۱۴)

اے محمدؐ! یہ قرآن عظیم ایک مکتوب خدا اور حکمنامہ رب العٰلمین ہے جسکو ہم نے تمہاری طرف اس نیت سے بھیجا ہے کہ تم تمام عالم کو قانون خدا کے عدم تعقل اور اس دنیا میں نامراد اور مغضوب علیہ ہوکر رہنے کی ظلمتوں (الظُّلُمٰتِ) سے علم و عمل اور تنومند بنکر رہنے کے (النُّوْرِ) کیطرف نکال لاؤ اور قانون الٰہی کے عامل بنا کر انکے آقائے نامدار کی رضا و رغبت سے انکو قوت اور عزت کے اُس صراط مستقیم کیطرف لیجاؤ جو صاحب عزت اور لائق ستائش خدا کا بتایا ہوا راستہ ہے۔

اگر یہ الصلوٰۃ مسلمانانِ عالم کے شرعی ملّاؤں کی جہالت اور ناقرآن دانی یا مسلمانوں کی اپنی تن پروری

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۶۸) اہمیت، اور اسکے قرآن عظیم سے الگ ذکر کرنے کی وجہ اشارۃً بیان کر دی ہے؛ اور یہ مسلمانوں کے سامنے وراثت زمین کی موہبت کبرٰے اور لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کی نعمت عظمیٰ کا لازوال نصب العین پیش کر دینا یا اَلْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اور الضَّآلِّيْنَ نہ بننے کا قلبی ہیجان پیدا کر کے قوم کو سعی عمل کیطرف متوجہ کر دینا ہی میرے نزدیک سورۂ فاتحہ کی واحد اور بے مثال فضیلت تھی جو آج نظروں سے نہاں ہو چکی ہے۔ صفحہ ۲۶۱-۲۶۲ کے تحت المتن میں صراط مستقیم کے الٰہی مفہوم کو یکجا جمع کر دیا تھا اور اُسکا بغور مطالعہ کرنے اور اُسکے متعلق تمام قرآنی آیات کو پیش نظر رکھنے کے بعد ہر صاحب عقل و فکر اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ کلام الٰہی کی تمام تعلیم کا لبّ لباب در اصل اسی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کے الفاظ میں مضمر ہے۔ تمام اوامر و نواہی جو دین اسلام کے اصل اصول اور اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ والے صراط پر چلانیکے صحیح اوزار ہیں اسی صراط مستقیم کی جامع و مانع اصطلاح میں داخل ہیں۔ سورۂ فاتحہ اگر اس نصب العین کو قرآن کے ورق اول پر پیش کر رہی ہے تو باقی تمام قرآن اُس نصب العین کو حاصل کرنیکے وسائل بتلا رہا ہے۔ توحید کا اصل اصول بھی اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے الفاظ میں اسی سورۃ کے اندر ہے۔ ایمان، اتقا، صلاح، فسق، شرک، کفر، الغرض دین اسلام کی تعلیم تمام کمال اسی اِهْدِنَا سے لیکر الضَّآلِّيْنَ تک کے الفاظ میں مضمر ہے (دیکھو افتتاحیہ کتاب صفحہ ۵۶ تا صفحہ ۱۳۹)۔ انہی معنوں میں سورۂ فاتحہ تمام باقی قرآن کا ملخص، اسپر صحیح معنوں میں حاوی، بلکہ اسکی صحیح معنوں میں تفسیر ہے۔ اسی لیئے اسکی یہ بے مثال فضیلت بھی ہے جس قوم نے سورۂ فاتحہ کے مطمح نظر کو پا لیا اور اسکے بعد اُسپر عامل ہو گئی، اُسکو فلاح دارین قطعاً حاصل ہے۔ اسکے ماسوا نہ اسکے اندر کوئی اسم اعظم ہے، نہ اسکو بار بار دُہرانے میں کوئی ثواب ہے، نہ اسکو صحیح طور پر پڑھ لینے کا کوئی اجر ہے، نہ اسکی ضخیم اور بے سند تشریحیں کر کے اسکے الفاظ کی وہمی فضیلتیں جتلانا خدا کو خوش کر سکتا ہے!

٭ یہ آیۂ جلیلہ سورۂ ابراہیم کے شروع میں واقع ہوئی ہے۔ اور صفحہ ۵۵ پر آ چکی ہے۔ یہاں صرف اس بات کا قطعی فیصلہ کرنا ہے کہ الظُّلُمٰتِ اور النُّوْرِ سے الٰہی مراد

اور ناخدا شناسی کے باعث ایک نابکار اور ناکار برآر، ایک مضحکہ انگیز اور بے مطلب، ایک ناقوت ایندوز اور مسکنت خیز، ایک بیگار اور مصیبت بن چکی ہے تو اسمیں قرآن اور اسلام یا خدا اور رسولؐ کا کیا گناہ ہے!

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا " (۱۷:۹)

اسمیں شک نہیں کہ یہ قرآن عظیم اپنے عاملوں کو اُس راہ پر لے جاتا ہے جو سب سے زیادہ راحت اور قیام آفریں ہے اور ان صاحب ایمان لوگوں کو جو ایمان کے لوازم پیش نظر رکھکر مناسب سعی و عمل کرتے ہیں بشارت دیتا ہے کہ ان کے لیئے دنیا اور آخرت دونوں جگہ بڑا اجر ہے۔

(بقیہ تحت المتن ۲۶۹) بعینہٖ کس قسم کی تاریکیاں اور کس قطع کی روشنی ہے۔ شارحینؒ قرآن حسب معمول اِن الفاظ سے علی الحساب "روحانیت کی روشنیاں" یا "ناخدا دانی کی تاریکیاں" لے لیتے ہیں لیکن یہ سب غیر معین اور بے نتیجہ باتیں ہیں جو دراصل قرآن حکیم کو بغور مطالعہ نہ کرنے کا نتیجہ ہیں ایک آیت (۳۳ : ۴۳) جسمیں الظُّلُمٰتِ اور النُّوْرِ کے الفاظ آئے ہیں صفحہ ۱۳۳ کے تحت المتن میں آچکی ہے، دو آیتیں (۵ : ۱۵-۱۶) جن میں یہی الفاظ آئے ہیں صفحہ ۱۷۶ پر آچکی ہیں۔ صفحہ ۱۷۶ والی آیتوں سے کم از کم اسقدر مستنبط ہوتا ہے کہ صاحب القرآن تعالیٰ نے قرآن عظیم کو نُوْرٌ کہا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ قرآن وہ نور ہے جسکے ذریعے سے خدا اقوام عالم کو سلامتی، قیام فی الارض، اور بقا کی راہوں پر لیجاتا ہے اور انکو 'الظُّلُمٰتِ' سے 'النُّوْرِ' کی طرف نکالکر صراط مستقیم کی طرف لیجاتا ہے۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۵ : ۱۵-۱۶) (دیکھو صفحہ ۱۷۶ و ۲۳۴) گویا اس آیۂ کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ 'الظُّلُمٰتِ' کا الٰہی مفہوم وہ تاریکیاں ہیں جو اقوام کو سلامتی اور بقا کے رستوں سے پرے ہٹا دیتی ہیں اور 'اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ' والے صراط مستقیم سے ورغلا کر 'الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ' اور 'الضَّآلِّيْنَ' بنا دیتی ہیں۔ اور 'النُّوْرِ' وہ روشنی ہے جو اقوام کو اس دنیا میں بے خوف و خطر کر دیتی ہے اور صراط مستقیم پر چلائے رکھتی ہے۔ اس نقطۂ نظر سے 'الظُّلُمٰتِ' دراصل قانون خدا کو نہ سمجھنے یا اسپر عامل نہ ہونے کی تاریکیاں ہی ہیں اور 'النُّوْرِ' وہ قانونِ خدا کا تعقل اور اسکی تعمیل ہے جسکا نتیجہ اجتماعی دوام و بقا ہے۔ اور اسی لحاظ سے خود قرآن (یعنی قانون خدا) کو بھی 'نُوْرٌ' کہا گیا ہے۔ زیر بحث آیت (۱۴:۱) میں بھی یہی دونوں الفاظ آئے ہیں اور 'صِرَاطِ' کا معنی خیز لفظ بھی وارد ہوا ہے بلکہ 'صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ' کہکر کنایۃً یہ بھی کہدیا ہے کہ وہ صراط عزت اور حمد کا صراط ہے ذلت اور مغلوب ہوکر رہنے کا صراط نہیں۔ الظُّلُمٰتِ اور النُّوْرِ کے ان مطالب کی قطعی اور ناقابل انکار تائید اسی سورۂ ابراہیم کی آیت (۱۴ : ۵) سے ہوتی ہے جس میں صاف طور پر فرمایا ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے احکام دے کر بھیجا کہ وہ اُن احکام کے ذریعے سے اپنی قوم کو 'الظُّلُمٰتِ' سے 'النُّوْرِ' کی طرف نکال لائیں اور حکم دیا کہ اس غفلت زدہ قوم کو 'ایام خدا' کی یاد دہانی کراؤ، اسمیں شک نہیں کہ اس یاد دہانی جہاد میں ہر مستقل مزاج (صَبَّار) عامل اور نعمت خدا کے قدردان (شَكُوْر) بندے کے لیئے بہت ارشادات موجود ہیں: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ (۱۴ : ۵)۔ ایک ہی سورۃ میں چار آیتوں کے وقفے کے بعد الظُّلُمٰتِ اور النُّوْرِ کے مطالب کی یہ الٰہی تشریح اس بات کی حتمی دلیل ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو یہی کہا گیا تھا کہ قوم کو محکومیت اور بیچارگی، خوف اور ضعف، قانون خدا کے عدم تعقل اور ناانجام شناسی کی ظلمتوں سے نکالکر بادشاہت اور امن، قوت اور عزت کے 'سُبُلَ السَّلٰمِ' پر لے آؤ، اور جہاد بالسیف (اَيّٰىمِ اللّٰهِ) کے ولولے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۷۰)

ان میں پیدا کر کے اُنکے اندر صبر اور استقلال، بادشاہت کی صحیح قدرشناسی یعنی حسبِ ادراک شکرگزار بننے کا اخلاق جاری و ساری کردو۔ یہی منتہا تھا جسکے لیئے موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے اور یہی اُنہوں نے کر دکھایا۔ چنانچہ اسی سورۃ کے سیاق میں نوح علیہ السلام وغیرہ کے بارے میں بھی وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ (۱۴: ۱۵) آیا ہے، یعنی انہوں نے وہ ملک فتح کر لیا۔ اور ہر معاند اور ظالم گروہ منہ دیکھتا رہ گیا"۔ بلکہ (۱۴: ۲۳) میں ہے: وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۭ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۝ (۱۴: ۲۳) یعنی عمل صالح کرنے والے ایمان دار سرسبز باغوں میں داخل کر دیئے گئے، وہ جب تک خدا ان کا راضی رہے گا (باذن ربهم) اس میں ہمیشہ رہیں گے اور اُنکے اندر سب طرف سے یہی دعائے خیر ہو گی کہ امن سے رہو!" (ضمناً اُدْخِلَ کا ماضی کا صیغہ اس امر کی ناقابل انکار دلیل ہے کہ جنّت سے مراد ارضی بادشاہت ہی تھی)۔

الغرض سورہ ابراہیم کی متذکرہ صدر آیت (۱۴: ۵) الظُّلُمٰت اور النُّوْر کے معانی کی صحیح تعیین حتماً کر دیتی ہے۔ اور قرآن عظیم کی بابت بھی سورہ ابراہیم کے شروع میں یہی کہا گیا تھا کہ یہ وہ کتاب ہے جو اقوام کو محکومیت اور افلاس کی ظلمتوں سے نکالکر قوت اور عزت، غلبہ اور امن، بادشاہت اور جنّات زمین حاصل کرنیکے نور کی طرف جو عزیز و حمید خدا کا بتایا ہوا صراط مستقیم ہے نکال لاتی ہے۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی دنیاوی قوت اور غلبے کو قرآن حمید میں کئی جگہ بالصراحت نور کہا گیا ہے۔ مثلاً يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (۹: ۳۲) اور يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (۶۱: ۸) میں جو صفحہ ۱۸۴ پر آچکی ہیں اور جہاں نور سے مراد سیاسی تمکن اور دنیاوی قوت کے سوا کچھ اور لینا ناممکن ہے (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۸۴)۔ علیٰ ہذا القیاس سورہ حدید کی آیات (۵۷: ۱۲ - ۱۵) اور سورہ تحریم کی آیت (۶۶: ۸) میں يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ (۵۷: ۱۲) اور نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ (۶۶: ۸) کے الفاظ بلکہ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ کے الفاظ بھی آئے ہیں اور وہاں مراد صاف یہ ہے کہ جب مسلمان جنّات زمین میں داخل ہونگے تو **بادشاہت اور غلبے کا نور اُنکے آگے آگے دوڑ رہا ہو گا**، منافق عرب جنہوں نے اس بادشاہت زمین کے حاصل کرنے میں روڑے اٹکائے تھے حسرت کے مارے مسلمانوں کو کہیں گے کہ ذرا ٹھیرو ہم بھی اس نور سے کچھ لے لیں اور جب جواب نفی میں ملے گا تو گڑگڑائیں کرینگے کہ کیا ہم تمہارا ساتھ نہیں دیا کرتے تھے؟ پھر جواب ملے گا کہ نہیں۔ تم منتظر رہا کرتے تھے، ہمارے فتحمند ہونے میں شک کیا کرتے تھے، تم کو تمہاری من مانی آرزوؤں نے دھوکا دے رکھا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان آیات کو یہاں نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ جس وقت ان کا موقع آئے گا ان کا پورا مفہوم عیاں کر دیا جائے گا۔ لیکن نور کے مفہوم کے لیئے صفحہ ۲۷۱ کی آیت (۷: ۱۵۷) پر بھی غور کرنا چاہیئے۔

تمّ المجلد الاوّل

مِن کتاب

تذکرہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّاۗلِّيْنَ ۝

ربنا ظلمنا انفسنا وَ

ان لم تغفر لنا وترحمنا لنكونن من الخسرين (الاعراف)

ربنا لا تؤاخذنا ان نسينا او اخطانا ربنا ولا تحمل

علينا اصرا كما حملته على الذين من قبلنا

ربنا ولا تحملنا ما لا طاقة لنا به و

اعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولنا فانصرنا على القوم

الكفرين (البقرہ) ربنا انك اتيت فرعون وملاه زينة واموالا في الحيوة الدنيا

ربنا ليضلوا عن سبيلك ربنا اطمس على اموالهم واشدد على قلوبهم فلا يؤمنوا حتى يروا

العذاب الاليم (یونس) ربنا لا تجعلنا فتنة للقوم الظلمين ونجنا برحمتك من القوم الكفرين (یونس)

ربنا اغفر لنا ذنوبنا واسرافنا في امرنا (آل عمران) وافرغ علينا صبرا وثبت اقدامنا وانصرنا على

القوم الكفرين (البقرہ) ربنا اننا سمعنا مناديا ينادي للايمان ان امنوا بربكم فامنا ربنا

فاغفر لنا ذنوبنا وكفر عنا سياتنا وتوفنا مع الابرار ربنا واتنا ما وعدتنا

على رسلك ولا تخزنا يوم القيمة انك لا تخلف الميعاد فاستجاب لهم ربهم

اني لا اضيع عمل عامل منكم من ذكر او انثى بعضكم من بعض

فالذين هاجروا واخرجوا

من ديارهم واوذوا في سبيلي وقتلوا و

قتلوا لاكفرن عنهم سياتهم ولادخلنهم جنت

تجري من تحتها الانهر ثوابا من عند

الله والله عنده حسن الثواب (آل عمران)